بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ اُردو

ریویو آف ریلیجنز

(قادیان)

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر

تمبر

علی محمد اجمیری

بابت ماہ ذوالحجہ ۱۳۶۰ سنہ مطابق ماہ جنوری ۱۹۴۲ سنہ

ماہ صلح ۱۳۲۱ ہش

جلد ۴۱ عدد ۱

مقاصد و قواعد رسالہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اردو) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۹۰۲ء

میں حسب ذیل مقاصد کے پیش نظر جاری فرمایا تھا۔

غیر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فوقیت ظاہر کرنا۔

مخالفین اسلام کے حملوں کا جواب دینا۔

صحیح اسلامی عقائد کی اشاعت و تعلیم دینا۔

یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو قادیان دارالامان سے شائع ہوتا ہے۔ اگر پندرہ تاریخ تک کسی خریدار کو رسالہ نہ ملے، تو بروقت شکایت موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ ارسال کیا جائیگا۔

رسالہ کی سالانہ قیمت اندرون ہند تین روپے، اور بیرون ہند چار روپے ہے، طلباء اور غیر احمدی اصحاب سے رعایتی قیمت اڑھائی روپے لی جاتی ہے۔

خریداران کو دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیئے۔ ورنہ عدم تعمیل یا تعمیل میں تاخیر کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

ترسیل زر اور تمام دفتری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینیجر ہونی چاہیئے۔

یہ رسالہ جماعت احمدیہ کا ایک ہی قومی اردو ماہنامہ ہے، بوجہ علمی مجلہ ہونیکے اس کے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں، اور ایک وسیع علمی طبقہ کی نظر سے گذرتا ہے۔ اس لئے اس میں اشتہار دینا مفید ہے۔ نرخنامہ اشتہارات حسب ذیل ہے:-

تعداد	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	تیس روپے	اٹھتر روپے	ایک سو چالیس روپے	دو سو ستر روپے
نصف صفحہ	اٹھارہ روپے	اڑتالیس روپے	چوراسی روپے	ایک سو پچاس روپے
ربع صفحہ	بارہ روپے	تیس روپے	چون روپے	نوّے روپے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز (اردو)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۱ | ماہ ذوالحجہ سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق یکم جنوری سنہ ۱۹۴۲ء | عدد ۱

فہرست مضامین

اداریہ :-

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ "ریویو" اپنی زندگی کی چالیسویں منزل خیر و خوبی اور کامیابی کے ساتھ طے کر کے اپنی عمر کے اکتالیسویں سال میں قدم رکھ رہا ہے۔ خداوند عالم سے عاجزانہ دعا ہے، کہ وہ نئے سال کو رسالہ، اسکے ناظرین، معاونین اور کارکنوں کے لئے ہر لحاظ سے مبارک کرے۔ آمین

رسالہ کی گذشتہ چالیس سالہ زندگی پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں، تو سب سے پہلے ہمارے ذہن میں سنہ ۱۹۰۲ء کا تصور آتا ہے، جبکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے مقدس ہاتھوں سے اسکی بنیاد رکھی۔ اور اس کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے اپنے مخلصین سے یہ پُرزور اپیل کی، کہ اسکے دس ہزار خریدار ہوں۔ پھر رسالہ سے اپنی محبت کا یوں اظہار فرمایا، کہ باوجود شدید مصروفیت کے، اخیر عمر تک اس کیلئے اپنے قلم مبارک سے مضامین رقم فرماتے رہے۔ چنانچہ رسالہ کی ابتدائی جلدوں میں یہ بے بہا خزانہ موجود ہے۔ سنہ ۱۹۰۸ء تک حضور کے اس قدر مضامین اس رسالہ میں شائع ہوتے رہے ہیں، کہ گویا عملاً حضور ہی اسکی ادارت فرماتے تھے۔ گو نام جناب مولوی محمد علی صاحب کا تھا۔ یہی وجہ ہے، کہ رسالہ کو غیر معمولی قبولیت حاصل ہوئی اور تمام دنیا میں اس کی دھوم مچ گئی . . . . حضور کی وفات کے بعد دوسرا دور شروع ہوا، اور اس وقت سے آجتک رسالہ کی خدمت کے فرائض کلیۃً حضور کے خدام ادا کرتے رہے ہیں، جن اصحاب کے سپرد اس مبارک رسالہ کی خدمت کا کام ہوتا رہا ہے، ان میں سے ہر ایک نے مقدور بھر یہ کوشش کی ہے، کہ ہمارے پیارے آقا مسیح موعود علیہ السلام نے جن مقاصد کے پیش نظر اسے جاری فرمایا تھا، ان کو باحسن وجوہ پورا کیا جائے۔ چنانچہ رسالہ کی گذشتہ چالیس جلدیں اس بات کی شاہد ہیں، کہ انہوں نے اس کی شاندار روایات کو برقرار رکھا ہے۔

"ریویو" کی زندگی میں ایک اور قابلِ ذکر امر یہ ہے، کہ سنہ ۱۹۲۲ء میں جب صدر انجمن کی مالی مشکلات بڑھ گئیں اور "ریویو" اور "تشحیذ" دونوں کا جاری رکھنا مشکل ہو گیا، تو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے مارچ سنہ ۱۹۲۲ء میں اپنا رسالہ "تشحیذ الاذہان" بند کر دیا اور اسے بھی "ریویو" میں شامل کر دیا۔

گویا جہاں ایک طرف اسے یہ فخر حاصل ہے کہ اسکی بنیاد سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رکھی وہاں دوسری طرف اسے یہ سعادت بھی نصیب ہے کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنے رسالہ کو بند کرکے اسے بھی اسی میں شامل کر دیا، تا ایک ہی رسالہ احسن طور پر چل سکے۔

جماعت احمدیہ کی صحافتی تاریخ پر نظر ڈالی جائے، تو "ریویو" کو اسلام واحمدیت کی خدمات سرانجام دینے میں ایک بہت بلند اور امتیازی شان حاصل ہے۔ سلسلہ احمدیہ کے جتنے اخبارات اور رسائل اس وقت شائع ہو رہے ہیں، ان سب پر اسے تقدم حاصل ہے۔ تقدم بالزمان بھی اور تقدم بالمکان بھی۔ تقدم بالزمان اس لئے کہ یہ ان سب سے پرانا ہے، اور تقدم بالمکان اسلئے کہ اسکے بانی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام ہیں، اور اسکے چالیس سالہ جہاد کا ریکارڈ ایسا بے مثل اور بے نظیر ہے جو اپنوں اور غیروں سب سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے، اور ان سب باتوں پر مزید یہ کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا رسالہ "تشحیذ" بھی اسی میں شامل ہے۔

ایسے قدیم اور مجاہد اور مقدس رسالہ کو باعزت طور پر زندہ رکھنے کیلئے جماعت پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے، وہ محتاج تشریح نہیں ہے۔ لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ احباب کی توجہ اس رسالہ کی طرف وہ نہیں ہے، جس کا یہ مستحق ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے آج سے چالیس برس پیشتر اس رسالہ کی نسبت یہ خواہش ظاہر فرمائی تھی، کہ اس کے دس ہزار خریدار ہوں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ جماعت ابھی نہایت محدود تھی، مگر حضرت اقدسؑ نے باوجود اس کے یہ فرمایا تھا، کہ:-

> "میری دانست میں اگر بیعت کرنیوالے اپنی بیعت کی حقیقت پر قائم رہ کر اس بارہ میں کوشش کریں، تو اس قدر تعداد (دس ہزار) کچھ بہت نہیں۔ بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد بہت کم ہے۔" (ضمیمہ ریویو۔ ستمبر ۱۹۰۳ء)

اور اب تو خدا کے فضل سے جماعت اس وقت کی نسبت بہت زیادہ ترقی کر چکی ہے اسلئے آج تو اگر جماعت سے لاکھوں خریداروں کا مطالبہ کیا جائے، تو یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواہش کے عین مطابق ہوگا۔ مگر یہ کس قدر رنجدہ امر واقعہ ہے، کہ رسالہ کے خریداروں کی تعداد پوری ایک ہزار بھی نہیں ہے۔ گذشتہ چالیس برس کے عرصہ میں کئی مرتبہ کارکنانِ رسالہ نے جماعت کو حضرت اقدسؑ کی اس خواہش کو پورا کرنے کی تحریک کی ہے

لیکن ابھی تک احباب نے اسکی طرف کچھ توجہ نہیں کی۔ پھر آخر کب وہ وقت آئیگا جب ہم حضور کی خواہش کو پورا کرنے کیلئے سنجیدگی سے کوشش کرینگے۔

پس اس مرحلہ پر جبکہ رسالہ کی زندگی پر پانچویں دہاکہ کی ابتداء ہورہی ہے ہم نہایت درد دل سے پھر اپنے احباب سے گذارش کرتے ہیں، کہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کی اس مبارک خواہش کو پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوں، اور ہر احمدی رسالہ کا خریدار بنے۔

آجکل کاغذ کی گرانی کے باعث ایسے حالات پیش آرہے ہیں، کہ اگر خدانخواستہ یہی صورت حالات رہی تو رسالہ کے بند ہوجانے کا خطرہ ہے۔ خدا وہ دن نہ لائے جب ہم ایسا کرنے پر مجبور ہوں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کو یہ تاکید کی ہوئی ہے اکہ یہ رسالہ ہرگز بند نہ ہو۔ بلکہ آپؑ نے یہانتک تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"اگر خدانخواستہ یہ رسالہ کم توجہی اس جماعت سے بند ہوگیا۔ تو یہ واقعہ اس سلسلہ کے لئے ایک ماتم ہوگا"

سو جماعت کے مخلصین کو رسالہ کے زندہ رکھنے کی پوری سعی کرنی چاہیئے۔ اور اسکی یہ صورت ہے کہ اسکی خریداری بڑھانے کی طرف توجہ کی جائے۔ کاغذ نہ صرف دن بدن مہنگا ہوتا جارہا ہے۔ بلکہ اب نایاب ہورہا ہے۔ اگر رسالہ کے پاس کچھ سرمایہ جمع ہوتا، تو آج سے دو سال قبل کافی مقدار میں خرید لیا جاتا۔ اور اب جو چار پانچ گنا زیادہ قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے اسکی نوبت نہ آتی۔ اب بھی اگر رسالہ کی خریداری بڑھ جائے۔ تو کاغذ کے نایاب ہونیکی وجہ سے رسالہ کے بند ہونیکا جو خطرہ درپیش ہے اس سے حفاظت کا سامان ہوسکتا ہے۔ امید ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے مخلص مرید حضور کی اس یادگار کو قائم رکھنے کیلئے عملی اقدام کرینگے۔ ایسے تمام دوست جو کسی نہ کسی رنگ میں رسالہ کی امداد فرمائینگے انکے اسماء گرامی رسالہ میں شکریہ کے ساتھ درج کئے جائینگے تا ان کیلئے موجودہ اور آئندہ نسلیں دعائیں کریں۔

ہمارے معاونین | گذشتہ دو ماہ کے عرصہ میں جن دوستوں نے رسالہ کی امداد فرمائی ہے، ان میں سے سید ہم معین الدین محمد اعظم صاحب محبوب نگر حیدرآباد دکن، اور مکرم و معظم جناب صوفی غلام محمد صاحب ٹانگناطرح سے پر قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر نے مبلغ دس روپے اور مؤخر الذکر نے مبلغ اٹھارہ روپے بطور اعانت رسالہ ارسال فرمائے اس سے قبل بھی آپ دو مرتبہ پانچ پانچ روپے ارسال فرما چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان بھائیوں کو جزاء خیر عطا فرمائے اور ان کو دین و دنیا کی حسنات سے مستفید فرمائے۔ آمین ؛

روایات حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی

(از جناب شیخ محمد احمد صاحب بی۔اے۔ ایل ایل بی کپورتھلہ)

حضرت منشی ظفر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کپورتھلوی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اوّلین مخلص صحابہ میں سے تھے۔ ۲۰ اگست ۱۹۴۱ء کو آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے متعلق ایک مختصر نوٹ اکتوبر کے "ریویو" میں شائع ہو چکا ہے۔ اخی المکرم ملک فضل حسین صاحب نے جو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کے حالات و روایات جمع کرنے کے کام پر مامور ہیں، ذکر کیا، کہ حضرت منشی صاحب رضی اللہ عنہ کی روایات کا ایک مجموعہ ان کے صاحبزادہ جناب شیخ محمد احمد صاحب وکیل کپورتھلہ کے ذریعہ نظارت تالیف و تصنیف میں آیا ہوا ہے، "ریویو" میں ان روایات کی اشاعت کئی لحاظ سے مفید ہو گی۔ میں نے اس تجویز کا خوشی سے خیر مقدم کیا۔ اور جناب شیخ صاحب کی خدمت میں اس کے متعلق عریضہ لکھا، انہوں نے فرمایا، کہ اس مجموعہ کے علاوہ بھی چند روایات ہیں، یہ بھی چھپ جانی چاہئیں۔ میں نے ان سے درخواست کی، کہ وہ یہ روایات لکھکر ارسال فرمائیں۔ چنانچہ انہوں نے میری درخواست پر یہ روایات ارسال فرمائیں۔ اور اب یہ ساری روایات جناب ناظر صاحب تالیف و تصنیف کی اجازت سے شائع کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ملک صاحب، شیخ صاحب اور جناب ناظر صاحب تالیف و تصنیف کو جزائے خیر دے کہ ان سب کی مہربانی سے پیارے آقا کے یہ حالات ہدیۂ ناظرین کرنے کے قابل ہوا ہوں۔

حضرت منشی صاحب رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ زیادہ عرض کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کے مفصل نوٹ حضرت منشی صاحب رضی اللہ عنہ کی وفات پر اخبار "الفضل" میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ

نے بھی شیخ صاحب کے اس پروانہ کا ذکر اپنے ایک خطبہ جمعہ میں فرمایا، اور ان کی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے محبت و اخلاص کا تذکرہ فرمایا۔ ان بزرگوں کے بعد حضرت منشی صاحبؓ کے متعلق اور کوئی کیا کہیگا؟ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتابوں میں حضرت منشی صاحبؓ کے بارے میں جو الفاظ لکھے ہیں، انہیں کو نقل کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔ حضورؑ ازالہ اوہام طبع اول کے صفحہ ۸۰۰ میں فرماتے ہیں:-

"حبّی فی اللہ منشی ظفر احمد صاحب۔ یہ جوان صالح کم گو اور خلوص سے بھرا دقیق فہم آدمی ہے۔ استقامت کے آثار و انوار اس میں ظاہر ہیں۔ وفاداری کی علامات و امارات اس میں پیدا ہیں۔ ثابت شدہ صداقتوں کو خوب سمجھتا ہے۔ اور ان سے لذّت اٹھاتا ہے۔ اللہ اور رسول سے سچی محبت رکھتا ہے۔ اور ادب جس پر تمام مدار حصول فیض ہے۔ اور حسن ظن جو اس راہ کا مرکب ہے۔ دونوں سیرتیں ان میں پائی جاتی ہیں۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء"

اور آئینہ کمالات اسلام کے صفحہ ۶۰۸ میں فرماتے ہیں:-

"وَمِنَ الْاَحِبَّاءِ فِی اللّٰہ .... حِبِّیْ فِی اللّٰہِ مُحَمَّد خَان وَالْمُنْشِیْ مُحَمَّد اَرُوْرَا وَالْمُنْشِیْ ظَفَر اَحْمَد عَفَوْرَتَنْوِی:۔

ان کتابوں کے علاوہ بعض دیگر کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں بھی کئی جگہ آپ کا ذکر ہے۔ لیکن اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے یہی دو اقتباسات کافی ہیں۔

اب پہلے جناب شیخ محمد احمد صاحب نے ان روایات کو جمع کرنے کی تقریب لکھی ہے، اُسے دیکھیں۔ اس کے بعد حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کے مختصر خاندانی حالات پڑھیں۔ اور پھر اصل روایات ملاحظہ فرمائیں:- (ایڈیٹر)

خاکسار محمد احمد غلام ان غلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام بعد عجز و منت عرض پرواز ہے، کہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۴۰ء کا مرقومہ نوازش نامہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کے اپنے قلم مبارک سے لکھا ہوا عاجز کو ۱۶ر دسمبر ۱۹۴۰ء کو ملا و ھو ھذا:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عزیزم مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تعالیٰ مرحوم بھائی کو جنت میں اعلیٰ مقام میں جگہ دے۔ جنازہ انشاء اللہ پڑھا دونگا۔ نومولود کی ولادت کی خبر سے مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ اسے خاندان اور سلسلہ کے لئے بابرکت اور صاحب تربیت اور تقوے کرے۔ نام لطیف احمد رکھیں۔

منشی صاحب کی بیماری کی خبر سے افسوس ہؤا۔ آپ یہ کام ضرور کریں، کہ بار بار پوچھ پوچھ کر ان سے ایک کاپی میں سب روایات حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق لکھوا لیں۔ اس میں تاریخی اور واعظانہ اور سب ہی قسم کی ہوں۔ یعنی صرف ملفوظات ہی نہ ہوں۔ بلکہ سلسلہ کی تاریخ اور حضور علیہ السلام کے واقعات تاریخی بھی ہوں۔ یہ آپ کیلئے اور آپ اور ان کے لئے بہترین یادگار اور سلسلہ کے لئے ایک کارآمد سامان ہوگا۔ والسلام۔ خاکسار مرزا محمود احمد ۱۵/۱۲/۳۴

اس شرف نامے کی تعمیل میں عاجز نے ۱۷ر دسمبر ۱۹۳۴ء سے یہ روایات تحریر کرنی شروع کردیں جو والد صاحب مجھے لکھاتے رہے۔ اور انہی کے الفاظ میں عاجز لکھتا گیا جس جس طرح واقعات والد صاحب کو یاد آتے رہے۔ اسی ترتیب سے میں لکھتا گیا۔ اور مَیں نے خود کوئی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی۔ ابھی یہ کام جاری ہے۔ وباللہ التوفیق۔

مولا کریم اپنی ذرہ نوازی سے عاجز کی اس حقیر محنت اور ناچیز کوشش کو قبول فرمائے

خاکسار محمد احمد۔ ۸ر نومبر ۱۹۳۸ء

خاکسار ظفر احمد عرض کرتا ہے، کہ میری عمر اس وقت چوہتر سال کے قریب ہے۔ میرا تاریخی نام انظار حسینؑ ہے۔ شجرہ نسب حسب ذیل ہے:۔

شیخ حسن علی

لطف اللہ — فیض اللہ — سیف اللہ

لطف اللہ: مشتاق احمد عرف محمد ابراہیم
فیض اللہ: عبدالستار۔ حافظ احمد اللہ
سیف اللہ: اسماعیل۔ عبدالوہاب

مشتاق احمد عرف محمد ابراہیم: حافظ محمد یونس۔ حافظ محمد ذکریا۔ حافظ خادم الانبیاء۔ ظفر احمد۔

شیخ حسن علی صاحب ضلع میرٹھ میں ۳۶ گاؤں کے مالک تھے۔ جو غدر میں جاتے رہے۔ شیخ فیض اللہ صاحب قصبہ باغپت ضلع میرٹھ میں تحصیلدار تھے۔ اور حافظ احمد اللہ صاحب سلطان پور ریاست کپورتھلہ میں بڑے دبدبے اور شان کے تحصیلدار رہے ہیں۔ اور اب تک ان کی یاد کپورتھلہ میں تازہ ہے۔

میری پیدائش قصبہ باغپت ضلع میرٹھ کی ہے سنہ ۱۹۲۱ بکرمی میں باغپت سے میں کپورتھلہ آیا سنہ ۱۹۴۲ تک میری رہائش باغپت میں رہی۔ وہاں شیخ فیض اللہ صاحب تحصیلدار تھے۔ اور میرے والد مرحوم باغپت میں بٹوارہ کی تقسیم پر متعین تھے۔ باغپت میں ملازم ہونے سے پیشتر والد م گجرات اور جالندھر میں منصرم رہے تھے۔ اور بندوبست میں کام کرتے تھے۔

شیخ قانون گو ہماری قوم ہے۔ شیخ عبدالدائم صاحب عالمگیر علیہ الرحمۃ کے زمانے میں مسلمان ہوئے۔ لیکن ہمارا خاندان ان سے بہت پیشتر مسلمان ہو چکا تھا جبکہ ہستنا پور اصل وطن ہمارا اس زمانے میں تھا۔ مغلوں کے عہد میں ہم قانون گو ہوتے تھے۔

سنہ ۱۹۴۲ بکرمی میں جب میں کپورتھلہ آیا۔ تو میری عمر بیس اکیس سال کی تھی۔ میری داڑھی مونچھ کا آغاز تھا یہاں آتے ہی میں مجسٹریٹی میں اپیل نویس ہو گیا۔ جبکہ لالہ ہرچرنداس مجسٹریٹ تھے۔ منشی روڑا صاحب مرحوم عدالت مذکور میں نقشہ نویس تھے۔ اور ان کے ساتھ ہی میری نشست برخاست تھی۔ محمد خاں صاحب مرحوم اہلمد تھے بعدالت لالہ دھوماں مل صاحب اسسٹنٹ مجسٹریٹ۔

میرے کپورتھلہ میں آنے سے پیشتر کی بات ہے کہ حاجی ولی اللہ صاحب جو کپورتھلہ میں سشن جج تھے قصبہ سراوہ ضلع میرٹھ اپنے وطن رخصت پر گئے ہوئے تھے۔ اور والد م اور خاکسار بوجہ رشتہ داری باغپت سے سراوے ان سے ملنے کیلئے آئے۔ حاجی صاحب کے پاس براہین احمدیہ تھی۔ اور حاجی صاحب سراوہ میں براہین احمدیہ مجھ سے سنا کرتے تھے۔ حاجی صاحب کو براہین احمدیہ حضرت صاحب نے بھیجی تھی۔ اور ان سے حضرت صاحب سے خط و کتابت بھی تھی۔

براہین احمدیہ جب میں سراوہ میں سنایا کرتا تھا، تو یہ غالباً سنہ ۱۹۳۹ بکرمی کا واقعہ ہے۔ اس وقت میری عمر ۱۹ سال کی ہوگی۔ براہین احمدیہ سناتے وقت مجھے حضرت صاحب سے عقیدت ہو گئی۔ اور سامعین کہا کرتے

تھے۔ کہ یہ یعنی مصنف بے بدل منشی ہے۔

منشی عبدالواحد صاحب پٹیالہ میں تحصیلدار تھے۔ اور وہ حاجی ولی اللہ صاحب کے ماموں اور ہماری برادری میں سے تھے۔ حاجی صاحب بھی ہمارے قریبی والدہ کی ننھیال کی طرف سے تھے۔

۱۔ عبدالواحد صاحب بٹالہ سے قادیان حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب سے ملنے جایا کرتے تھے جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر ۱۴ سال کی ہوگی۔ میرے کتاب سناتے وقت عبدالواحد صاحب نے ذکر کیا کہ حضرت صاحب اس عمر میں سارا دن قرآن شریف پڑھتے تھے۔ اور حاشیہ پر نوٹ لکھتے رہتے تھے۔ اور مرزا غلام مرتضیٰ صاحب فرماتے کہ کسی سے غرض نہیں رکھتا۔ سارا دن مسجد میں رہتا ہے۔ اور قرآن شریف پڑھتا رہتا ہے۔ منشی عبدالواحد صاحب قادیان بہت دفعہ جاتے۔ اور ان کا بیان تھا کہ حضرت صاحب کو ہمیشہ قرآن شریف پڑھتے دیکھا ہے۔

۲۔ حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب نے ایک دفعہ ایک مرض کے متعلق عبدالواحد صاحب کو اپنے صرف پر دو سو روپیہ کی ایک معجون تیار کر کے دی جس سے مرض جاتا رہا۔ عبدالواحد صاحب نے بعد ش قیمت ادا کرنی چاہی۔ جو مرزا صاحب نے قبول نہ فرمائی۔

۳۔ عبدالواحد صاحب احمدی نہیں ہوئے۔ میں نے اپنی بیعت کے بعد اُن سے پوچھا۔ کہ آپ تو سب حالات جانتے ہیں۔ بیعت کیوں نہیں کر لیتے۔ انہوں نے کہا مجھے الہام ہوا ہے کہ مرزا صاحب کے پاس دو جن ککھ دیو اور ہرو دیو ہیں۔ اور ان پر اُن کا دارو مدار ہے۔ اور گویا میں اس الہام کے ذریعہ سے بیعت سے روکا گیا ہوں۔ میں نے حضرت صاحب سے یہ ذکر کیا۔ کہ یہ ان کا الہام غالباً شیطانی ہے۔ حضور نے فرمایا نہیں یہ رحمانی الہام ہے۔ جس زبان میں الہام ہو۔ اس کے مطابق معنے کرنے چاہئیں۔ دیو سنسکرت میں فرشتے کو کہتے ہیں۔ گویا رحمت کے فرشتے اور ملائکۃ اللہ ہمارے مددگار ہیں۔ تم انہیں لکھو۔ چنانچہ میں نے انہیں گڑگانوہ میں جہاں وہ منصف تھے خط لکھا۔ جواب نہ آیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد عبدالواحد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ عبدالواحد صاحب مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کے مرید تھے۔

۱۹۴۱ء بکرمی میں حضرت صاحب کے اشتہار کبھی حاجی صاحب کے پاس کپورتھلہ آتے۔ تو مجھے حاجی صاحب

یہ کہکر دیتے۔ کہ یہ ہیں تمہارے پیر۔

۴۔ ہمارے رشتہ دار منشی عبداللہ صاحب جالندھر میں صدر واصلباقی نویس تھے۔ جو حاجی صاحب کے بہنوئی تھے۔ ان سے ملنے میں جالندھر جایا کرتا تھا۔ جالندھر میں اسی طرح ایک مرتبہ گیا ہوا تھا۔ کہ معلوم ہوا کہ ایک بزرگ کہیں سے جالندھر آرہے ہیں۔ یہ سرمہ چشم آریہ کی طباعت سے پیشتر کا واقعہ ہے۔ جالندھر سٹیشن پر میں اور میرا ایک رشتہ دار گئے۔ وہاں دو تین سو آدمی حضور کی پیشوائی کیلئے موجود تھے۔ اور کنور بکرما سنگھ صاحب نے اپنا وزیر اور سواری حضور کے لانے کیلئے بھیجے ہوئے تھے۔ حضرت صاحب ریل سے اُترے۔ یہ صحیح یاد نہیں کہ حضور کہاں سے تشریف لا رہے تھے۔ لوگوں نے مصافحہ کرنا شروع کیا۔ اور وزیر مذکور نے حضور کو بکرما سنگھ صاحب کے ہاں لیجانے کو کہا۔ اس درمیان میں میں نے بھی مصافحہ کیا۔ تو حضور نے دریافت فرمایا۔ آپ کہاں رہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ کپورتھلہ۔ لیکن یہاں میرے ایک رشتہ دار منشی عبداللہ صاحب بوچڑخانے کے قریب رہتے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ ہم آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔ چنانچہ بکرما سنگھ صاحب کی گاڑی میں حضور، مولوی عبداللہ صاحب سنوری، حافظ حامد علی صاحب اور خاکسار سوار ہو کر منشی عبداللہ صاحب کے مکان پر آگئے۔ جب حضور گاڑی سے اُترنے لگے۔ تو بہت ہجوم لوگوں کا ہو گیا۔ عورتیں اپنے بچے حضرت صاحب کی طرف کرتی تھیں۔ کہ حضور کے کپڑوں کی ہوا لگ جائے۔ اس وقت اعتقاد کا یہ عالم تھا۔ غرض حضور منشی عبداللہ صاحب کی بیٹھک میں فروکش ہوئے۔

۵۔ بیٹھک مذکور میں ایک شخص نے سوال کیا۔ کہ آپ سرسید کو کیا سمجھتے ہیں؟ فرمایا۔ میں تو ایک طرح دیانند کی بھی اس لحاظ سے قدر کرتا ہوں کہ وہ بُت پرستی کے خلاف ہے۔ اور سرسید تو مسلمان ہے۔ اور انہوں نے تعلیمی کام مسلمانوں کیلئے کیا ہے۔ ان کا ممنون ہونا چاہیئے۔ سرسید کو مسلمان کہنا بہت سے لوگوں کو ناگوار معلوم ہوا۔ پھر حضور کسی بات پر تقریر فرماتے رہے۔

۶۔ اس زمانے کے اعتقاد کے موجب کہ دل کی بات اہل اللہ بتا دیا کرتے ہیں۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ نماز میں وساوس کس طرح دور ہو سکتے ہیں۔ تقریر کرتے کرتے حضور نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کے تکرار سے۔ اور پھر تقریر جاری رکھی۔ میرا اس وقت آپ پر ایمان ہو گیا۔

منشی عبد اللہ صاحب کچھ انڈوں کا حلوا بنوا کر لائے۔ حضور نے فرمایا۔ مجھے بھوک نہیں ہے لیکن منشی صاحب کے اصرار پر تھوڑا سا کھا لیا۔ ظہر کی نماز حضور نے قریب کی مسجد میں پڑھی۔ آٹھ نو بجے صبح آپ سٹیشن پر اُترے تھے۔ اور بعد نماز ظہر آپ واپس سٹیشن پر تشریف لے گئے۔ آپ گاڑی میں بیٹھ گئے اور میرے مصافحہ کرنے پر فرمایا۔ ہم سے خط و کتابت رکھا کرو۔ یہ غالباً سنہ ۱۹۴۲-۴۱ بکرمی کا واقعہ ہے؛

۷۔ میں نے کپورتھلہ آکر اپنے دوستوں منشی روڑا صاحب اور محمد خان صاحب سے اِیَّاکَ نَعْبُدُ والی بات اور حضور کی تعریف کی۔ اس ملاقات سے دو ڈیڑھ ماہ بعد میں قادیان آگیا۔ حضور بہت محبت سے پیش آئے۔ خود اندر سے کھانا لا کر کھلاتے۔ میں دس بارہ دن قادیان رہا۔ اس وقت حافظ حامد علی خادم ہوتا تھا۔ اور کوئی نہ ہوتا۔ جہاں اب مہمانخانہ اور مفتی محمد صادق صاحب کا مکان ہے۔ اس کے پاس بڑی چوڑی کچی فصیل ہوتی تھی؛

۸۔ اس کے بعد میں قادیان جاتا رہا۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا رہا ہے کہ جمعہ کی نماز میں پڑھاتا۔ اور حضرت صاحب اور حافظ حامد علی صرف مقتدی ہوتے۔ میں نے کہا۔ مجھے خطبہ پڑھنا تو آتا نہیں۔ حضور نے فرمایا کوئی رکوع پڑھکر اور بیٹھکر پھر درود شریف پڑھ دو۔

ان دنوں الٰہی بخش اکونٹنٹ، عبد الحق اکونٹنٹ اور حافظ محمد یوسف سب اور سیر تینوں مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی کے مُرید تھے۔ یہ بہت آیا کرتے تھے۔ اکثر ایسا موقعہ ہوا ہے کہ میں قادیان گیا ہوا تو یہ بھی وہاں ہوتے؛

۹۔ ایک دفعہ حافظ محمد یوسف اور محمد یعقوب برادر ش نے عبد اللہ صاحب غزنوی کا ایک کشف بیان کیا تھا، کہ قادیان سے ایک روشنی نمودار ہوگی۔ وہ سارے جہان میں پھیلے گی۔ مگر میری اولاد اس سے محروم رہیگی اور ان تینوں میں سے کسی نے یہ بھی کہا، کہ مرزا غلام احمد صاحب سے ممکن ہے یہ مراد ہو۔

مہدویت کے دعویٰ کے بعد اس واقعہ سے محمد یوسف صاحب انکاری ہو گئے۔ تو حضرت صاحب نے مجھے حلفیہ شہادت کیلئے خط لکھا۔ کہ تمہارے سامنے محمد یوسف نے یہ واقعہ بیان کیا تھا۔ میں نے محمد یوسف اور محمد یعقوب کو خط لکھا، کہ یہاں میرا اور محمد خان صاحب کا جھگڑا ہے وہ کہتے ہیں آپ نے ان الفاظ میں بیان کیا تھا، کہ

مَیں کہتا ہوں کہ ان الفاظ میں بیان کیا تھا۔ محمد یعقوب صاحب کا خط امرتسر سے آیا جس میں میرے بیان کردہ الفاظ کی اس نے تائید کی۔ مَیں محمد یعقوب کا خط لیکر قادیان پہونچا۔ حضور بہت خوش ہوئے اور وہ خط شائع کر دیا جس سے یہ لوگ بہت شرمندہ ہوئے۔

محمد یوسف صاحب میرے ہم وطن تھے۔ میرا وطن قصبہ بڈھانہ ضلع مظفر نگر ہے۔ اور محمد یوسف صاحب بڈھانے سے اڑھائی میل حسین پور کے رہنے والے تھے۔

۱۰۔ حضور سے جالندھر کی ملاقات اوّل کے بعد دو ماہ کے قریب گذرنے پر مَیں قادیان گیا۔ اس کے بعد مہینہ ڈیڑھ مہینے بعد اکثر جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ چار ماہ بعد گیا، تو حضور نے فرمایا، کیا کوئی معصیت ہو گئی ہے، جو اتنی دیر لگائی۔ مَیں رونے لگا۔ اس کے بعد مَیں جلدی جلدی قادیان جایا کرتا تھا۔

۱۱۔ بعدش سرمہ چشم آریہ طبع ہوئی، تو حضورؑ نے چار نسخے مجھے اور چار منشی چراغ محمد صاحب کو کپورتھلہ بھیجے۔ چراغ محمد صاحب دینا نگر گورداسپور کے رہنے والے تھے۔ محمد خاں صاحب، منشی اروڑا صاحب، منشی عبدالرحمٰن صاحب اور خاکسار سرمہ چشم آریہ مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔ پھر محمد خاں صاحب، منشی اروڑا صاحب اور مَیں قادیان گئے۔ منشی اروڑا صاحب نے کہا۔ کہ بزرگوں کے پاس خالی ہاتھ نہیں جایا کرتے۔ چنانچہ تین چار روپے کی مٹھائی ہم نے پیش کی۔ حضور نے فرمایا۔ یہ تکلفات ہیں۔ آپ ہمارے مہمان ہیں۔ ہمیں آپ کی تواضع کرنی چاہیے۔ پھر ہم تینوں نے بیعت کے لئے کہا۔ کیونکہ سرمہ چشم آریہ پڑھکر ہم تینوں بیعت کا ارادہ کرکے گئے تھے۔ آپ نے فرمایا، مجھے بیعت کا حکم نہیں، لیکن ہم سے ملتے رہا کرو۔ پھر ہم تینوں بہت دفعہ قادیان گئے۔ اور لدھیانہ بھی کئی دفعہ حضور کے پاس گئے۔

۱۲۔ بیعت اُولیٰ سے پیشتر مَیں نے سر سید احمد صاحب کی کتابیں پڑھی تھیں۔ اور مَیں اور محمد خاں صاحب وفات عیسٰےؑ کے قائل تھے۔ چنانچہ مَیں نے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو خط لکھا۔ کہ حیات عیسیٰ علیہ السّلام کہاں سے ثابت ہے۔ انہوں نے جواب دیا، کہ جس طرح خضر علیہ السلام کی حیات ضعیف احادیث سے ثابت ہے اور ضعیف احادیث کا مجموعہ اقسام حدیث میں سے حدیثِ حَسن کو پہونچتا ہے۔ مَیں نے جواب دیا، کہ موضوع احادیث کا مجموعہ ضعیف ہوا۔ اور ضعیف احادیث کا مجموعہ حَسن۔ پس کوئی حدیث موضوع نہ رہے گی۔ انہوں نے جواب دیا

کہ ہم اہلِ ہوا کا جواب نہیں دیا کرتے لیکن چونکہ تمہارا تعلق مرزا صاحب سے ہے اس لئے جواب لکھتا ہوں اور مرزا صاحب وہی ہیں کہ معقولی باتیں پیش کرتے ہیں اور پھر وہی قرآن سے دکھا دیتے ہیں۔ اور ان کا دعویٰ مجددیت قریب بہ اذعان ہے" (یہ مولوی رشید احمد صاحب کے الفاظ ہیں) قرآن پر جو کوئی اعتراض کرتا ہے مرزا صاحب معقولی جواب اس کا دیتے ہیں۔ اور قرآن سے نکال کر وہی دکھا دیتے ہیں۔

مراد اس ذکر سے یہ ہے، کہ رشید احمد صاحب گنگوہی حضرت صاحب کو مجدد ہونے والے اپنے اندازے میں سمجھتے تھے وہ خطوط رشید احمد صاحب کے مجھ سے مولوی اشرف علی نے، جو رشید احمد صاحب کا مرید تھا۔ اور سلطان پور ریاست کپور تھلہ میں رہتا تھا، لیکر دبا لئے، اور پھر باوجود مطالبہ دیئے نہیں۔ ۱۸۸۴ء میں حضرت صاحب کے خطوط میرے پاس آتے تھے۔

۱۴۔ بیعت اولیٰ۔ سبز کاغذ پر جب اشتہار حضور نے جاری کیا، تو میرے پاس بھی چھ سات اشتہار حضور نے بھیجے۔ منشی روڑا صاحب فوراً لدھیانہ کو روانہ ہو گئے۔ دوسرے دن محمد خاں صاحب اور میں گئے۔ اور بیعت کر لی۔ منشی عبدالرحمٰن صاحب تیسرے دن پہونچے۔ کیونکہ انہوں نے استخارہ کیا، اور آواز آئی "عبدالرحمٰن آجا"۔ ہم سے پہلے آٹھ نو کس بیعت کر چکے تھے۔ بیعت حضور اکیلے اکیلے کو بٹھا کر لیتے تھے۔ اشتہار پہونچنے سے دوسرے دن چل کر تیسرے دن صبح ہم نے بیعت کی۔ پہلے منشی روڑا صاحب نے۔ پھر میں نے۔ میں جب بیعت کرنے لگا، تو حضور نے فرمایا۔ کہ آپ کے رفیق کہاں ہیں؟ میں نے عرض کی، منشی روڑا صاحب نے تو بیعت کر لی ہے، اور محمد خاں صاحب نہا رہے ہیں، کہ نہا کر بیعت کریں۔ چنانچہ محمد خاں صاحب نے بیعت کر لی۔ اس کے ایک دن بعد منشی عبدالرحمٰن صاحب نے بیعت کی۔ منشی عبدالرحمٰن صاحب منشی روڑا صاحب اور محمد خاں صاحب تو بیعت کر کے واپس آ گئے۔ کیونکہ یہ تینوں ملازم تھے۔ میں پندرہ بیس روز لدھیانہ ٹھہرا رہا۔ اور بہت سے لوگ بیعت کرتے رہے۔

حضور تنہائی میں بیعت لیتے تھے۔ اور کواڑ بھی قدرے بند ہوتے تھے۔ بیعت کرتے وقت جسم پر ایک لرزہ اور رقت طاری ہو جاتی تھی۔ اور دعا بعد بیعت بہت لمبی فرماتے تھے۔ اس لئے ایک دن میں بیس پچیس آدمی کے قریب بیعت ہوتے تھے۔

۱۴۔ بیعت کے بعد جب میں لدھیانہ ٹھہرا ہوا تھا، تو ایک صوفی طبع شخص نے چند سوالات کے بعد حضرت صاحب

سے دریافت کیا، کہ آیا آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کرا سکتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ اس کیلئے مناسبت شرط ہے۔ اور میری طرف منہ کر کے فرمایا کہ یا جس پر خدا کا فضل ہو جائے۔ اسی رات میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔

۱۵۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک دفعہ میرے دو تین خواب ازالہ اوہام کی جلد کے ساتھ جو کورے کاغذ تھے۔ ان پر اپنی قلم سے درج فرمالئے۔ اسی طرح الٰہی بخش اکونٹنٹ نے جب حضرت صاحب کے خلاف کچھ خواب شائع کئے، تو حضور نے مجھے لکھا، کہ اپنے خواب لکھکر بھیجو۔ میں نے بھیجدیئے، حضور نے وہ خواب اشتہار میں چھپوا دیئے۔ خواب سے پیشتر میں نے یہ شعر بھی لکھا تھا۔ ؎

الا اے بلبل نالاں چہ چندیں ماجرا داری ۔۔۔ بیا داغیکہ من در سینہ دارم تو کجا داری

مسل مصنفہ میں وہ اشتہار اور خواب چھپے ہوئے موجود ہیں۔

۱۶۔ ایک دفعہ حضور لدھیانہ میں تھے۔ کہ میں حاضر خدمت ہوا۔ حضور نے فرمایا۔ کہ آپ کی جماعت ساٹھ روپے ایک اشتہار کے صرف کیلئے جسکی اشاعت کی ضرورت تھی، برداشت کر لیگی؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ اور کپورتھلہ واپس آکر اپنی اہلیہ کی سونے کی تلڑی فروخت کر دی۔ اور احباب جماعت میں سے کسی سے ذکر نہ کیا۔ اور ساٹھ روپے لیکر میں اُڑ گیا (والد صاحب کے یہی لفظ ہیں۔ محمد احمد) اور لدھیانہ جا کر پیش خدمت کئے۔ چند روز بعد منشی روڑا صاحب بھی لدھیانہ آگئے۔ میں وہیں تھا۔ ان سے حضور نے ذکر فرمایا کہ آپ کی جماعت نے بڑے اچھے موقعے پر امداد کی۔ منشی روڑا صاحب نے عرض کی، جماعت کو یا مجھے تو پتہ بھی نہیں۔ اس وقت منشی صاحب مرحوم کو معلوم ہوا، کہ میں اپنی طرف سے آپ ہی روپیہ دے آیا ہوں۔ اور وہ مجھ پر بہت ناراض ہوئے۔ اور حضور سے عرض کیا، اس نے ہمارے ساتھ بہت دشمنی کی، جو ہم کو نہ بتایا۔ حضور نے منشی روڑا صاحب کو فرمایا منشی صاحب خدمت کرنے کے بہت سے موقعے آئینگے، آپ گھبرائیں نہیں۔ منشی صاحب اس کے بعد عرصہ تک مجھ سے ناراض رہے۔

۱۷۔ ایک دفعہ منشی روڑا صاحب مرحوم اور میں نے لدھیانہ میں حضور کی خدمت میں عرض کی، کہ کبھی حضور کپورتھلہ میں تشریف لائیں۔ ان دنوں کپورتھلہ میں ریل نہ آئی تھی۔ حضور نے وعدہ فرمایا، کہ ہم ضرور کبھی آئینگے۔

اس کے بعد جلد ہی حضور بغیر اطلاع دیئے ایک دن کپورتھلہ تشریف لے آئے۔ اور یکّہ خانہ سے اُتر کر مسجد فتحعلی نزد یکّہ خانہ واقع کپورتھلہ میں تشریف لے گئے۔ حافظ حامد علی صاحب ساتھ تھے۔ مسجد سے حضور نے مُلّا کو بھیجا کہ منشی روڑا صاحب یا منشی ظفر احمد صاحب کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دو۔ میں اور منشی روڑا صاحب کچہری میں تھے۔ کہ مُلّا نے آکر اطلاع دی، کہ مرزا صاحب مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ اور انہوں نے مجھے بھیجا ہے کہ اطلاع کر دو۔ منشی روڑا صاحب نے بڑی تعجب آمیز ناراضگی کے لہجہ میں پنجابی میں کہا " دیکھو تاں تیری مسیت وچ آکے مرزا صاحب نے ٹھہرنا سی"۔ میں نے کہا، چلکر دیکھنا تو چاہیئے۔ پھر منشی صاحب جلدی سے صافہ (پگڑی) باندھکر میرے ساتھ چل پڑے۔ مسجد میں جا کر دیکھا، کہ حضور فرش پر لیٹے ہوئے تھے۔ اور حافظ حامد علی صاحب پاؤں دبا رہے تھے۔ اور پاس ایک پیالہ اور چمچہ رکھا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ شاید آپ نے دودھ ڈبل روٹی کھائی تھی۔ منشی روڑا صاحب نے عرض کی، کہ حضور نے اس طرح تشریف لائی تھی؟ ہمیں اطلاع فرماتے۔ ہم کرتارپور سٹیشن پر حاضر ہوتے۔ حضور نے جواب دیا اطلاع دینے کی کیا ضرورت تھی ہم نے آپ سے وعدہ کیا تھا۔ وہ پورا کرنا تھا۔

پھر حضور کو ہم اپنے ہمراہ لے آئے۔ اور محلہ قائم پورہ کپورتھلہ میں جس مکان میں پُرانا ڈاکخانہ بعد میں رہا ہے۔ وہاں حضور کو ٹھہرایا۔ وہاں بہت سے لوگ حضور کے پاس جمع ہو گئے۔ کرنیل محمد علی خانصاحب اور مولوی غلام محمد صاحب وغیرہ۔ حضور تقریر فرماتے رہے۔ کچھ تصوف کے رنگ میں۔ کرنیل صاحب نے سوال کیا تھا۔ جس کے جواب میں یہ تقریر تھی۔ حاضرین بہت متاثر ہوئے۔ مولوی غلام محمد صاحب جو کپورتھلہ کے علماء میں سے تھے، آبدیدہ ہو گئے۔ اور انہوں نے ہاتھ بڑھائے کہ مجھے آپ بیعت کر لیں۔ مگر حضور نے بیعت کرنے سے انکار کیا۔ بعد میں مولوی مذکور سخت مخالف رہے۔ غرض ایک دن قیام فرما کر حضور قادیان تشریف لے گئے۔ اور لدھیانہ سے آئے تھے۔ ہم کرتارپور کے اسٹیشن پر پہونچانے گئے یعنی منشی روڑا صاحب۔ محمد خاں صاحب اور میں۔ اگر کوئی اور بھی ساتھ کرتارپور گیا ہو۔ تو مجھے یاد نہیں۔

۱۸۔ کرتارپور کے سٹیشن پر ہم نے ظہر عصر کی نماز جمع کی، حضرت صاحب کے ساتھ۔ نماز کے بعد میں نے عرض کی، کہ کس قدر مسافت پر نماز جمع کر سکتے ہیں۔ اور قصر کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ کہ انسان کی حالت

کے اُوپر یہ بات ہے۔ایک شخص ناطاقت اور ضعیف العمر ہو۔تو وہ پانچ چھ میل پر بھی قصر کر سکتا ہے۔اور مثال دی کہ ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں نماز قصر کی۔حالانکہ وہ مکہ شریف سے قریب جگہ ہے ؛

۱۹۔ ایک دفعہ جب آپ لدھیانہ قیام پذیر تھے۔تو مَیں اور محمد خاں مرحوم ڈاکٹر صادق علی صاحب کو لدھیانہ لے گئے (ڈاکٹر صاحب کپورتھلہ کے رئیس اور علماء میں سے شمار ہوتے تھے) کچھ عرصہ کے بعد حضور مہندی لگوانے لگے۔اس وقت ایک آریہ آگیا جو ایم۔اے تھا۔اس نے کوئی اعتراض اسلام پر کیا۔حضرت صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے فرمایا۔آپ ان سے ذرا گفتگو کریں،تو مَیں مہندی لگوا لوں۔ڈاکٹر صاحب جواب دینے لگے۔مگر اس آریہ نے جو جوابی تقریر کی۔تو ڈاکٹر صاحب خاموش ہو گئے۔حضرت صاحب نے یہ دیکھکر فوراً مہندی لگوانی چھوڑ دی۔اور اُسے جواب دینا شروع کر دیا۔اور وہی تقریر کی جو ڈاکٹر صاحب نے کی تھی اور اس تقریر کو ایسے رنگ میں بیان فرمایا۔کہ وہ آریہ حضور کے آگے سجدہ میں گر پڑا۔حضور نے ہاتھ سے اُسے اٹھایا پھر وہ دونوں ہاتھوں سے سلام کر کے پچھلے پیروں ہٹتا ہوا چلا گیا۔پھر شام کے چار یا پانچ بجے ہوں گے، تو ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے کہا کہ مَیں تخلیہ چاہتا ہوں۔مَیں نے حضور سے عرض کی۔چنانچہ ڈاکٹر صاحب حضرت صاحب کے پاس تنہائی میں چلے گئے۔اور مَیں اور مولوی عبداللہ صاحب سنوری اور محمد خانصاحب ایک کوٹھڑی میں چلے گئے۔بعد میں ڈاکٹر صاحب نے ذکر کیا۔کہ مَیں نے بہت اصرار کیا کہ مجھے بیعت کر لیں۔فرمایا۔کہ آپ جلدی نہ کریں۔سوچ سمجھ لیں۔دو دن رہ کر ہم واپس آگئے ؛

۲۰۔کئی دفعہ ایسا موقعہ ہوا ہے،کہ کسی شخص نے بیعت کرنی چاہی۔مگر حضرت صاحب نے اس کی بیعت نہ لی۔اور انکار کر دیا ؛

۲۱۔ ایک شخص نے ایک کتاب لکھی۔مَیں نے حضرت صاحب کے حضور وہ کتاب پیش کی۔حضور نے ہاتھ سے وہ کتاب پرے کر دی اور فرمایا۔کہ مسلمانوں کے سینکڑوں بچے عیسائی ہو گئے۔اس وقت یہ کتاب نہ لکھی۔اب جو مصنّف کا اپنا لڑکا عیسائی ہو گیا،تو یہ کتاب لکھی۔اس میں برکت نہیں ہو سکتی ؛

۲۲۔ایک دفعہ مَیں قادیان میں تقریباً ایک ماہ تک ٹھہرا رہا۔مولوی عبداللہ صاحب سنوری بھی وہاں تھے

مولوی صاحب نے میرے لئے جانے کی اجازت چاہی، اور مَیں نے ان کے لئے۔ حضور نے فرمایا، کہ ابھی نہ جائیں اس عرصہ میں مولوی صاحب کو ان کے گھر سے لڑکے کی ولادت کا خط آیا۔ جس پر مولوی صاحب نے عقیقہ کی غرض سے جانے کی اجازت چاہی۔ حضور نے فرمایا۔ اس غرض کے لئے جانا لازمی نہیں۔ آپ ساتویں دن ہمیں یاد دلا دیں۔ اور گھر خط لکھدیں۔ کہ ساتویں دن اس کے بال منڈوا دیں۔ چنانچہ ساتویں روز حضور نے دو بکرے منگوا کر ذبح کرا دیئے۔ اور فرمایا گھر خط لکھدو۔

۴۳۔ حضرت صاحب کو دوران سر کا عارضہ تھا۔ ایک طبیب کے متعلق سُنا گیا کہ وہ اس میں خاص ملکہ رکھتا ہے۔ اُسے بلوایا گیا۔ کرایہ بھیجکر اور کہیں دُور سے۔ اس نے حضور کو دیکھا اور کہا کہ دو دن میں آپ کو آرام کر دونگا۔ یہ سُنکر حضرت صاحب اندر چلے گئے۔ اور حضرت مولوی نورالدینؓ صاحب کو رقعہ لکھا کہ اس شخص سے علاج مَیں ہرگز نہیں کرانا چاہتا۔ یہ کیا خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کو واپس کرایہ کے روپے اور مزید بیس پچیس روپے بھیجیئے کہ یہ دیکر اُسے رخصت کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

۴۴۔ لدھیانہ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ دردِ سر کا دَورہ حضور کو اس قدر ہوا، کہ ہاتھ پیر برف کی مانند سرد ہو گئے۔ مَیں نے ہاتھ لگا کر دیکھا۔ اور نبض بہت کمزور ہو گئی۔ آپ نے مجھے ارشاد فرمایا۔ کہ اسلام پر کوئی اعتراض یاد ہو، تو اس کا جواب دینے میں میرے بدن میں گرمی آجائیگی۔ اور دَورہ موقوف ہو جائیگا میں نے عرض کی، کہ حضور اس وقت تو مجھے کوئی اعتراض یاد نہیں آتا۔ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں کچھ اشعار آپ کو یاد ہوں تو پڑھیں۔ مَیں نے براہین احمدیہ کی نظم سے "اے خدا اے چارۂ آزارِ ما" خوش الحانی سے پڑھنی شروع کی۔ اور آپ کے بدن میں گرمی آنی شروع ہو گئی۔ پھر آپ لیٹے رہے اور سنتے رہے۔ پھر مجھے ایک اعتراض یاد آگیا۔ کہ آیت وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ پر یہ اعتراض ہے کہ جو مشورہ کا محتاج ہے، وہ خدائی کے لائق نہیں۔ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کا علم بھی کامل نہیں۔ کیونکہ اُسے معلوم نہ تھا، کہ یہ آئندہ فساد اور خونریزیاں کریگا۔ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔ اس سے معلوم ہوا، کہ وہ پاکوں سے دشمنی اور ناپاکوں سے پیار کرتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے آپکو اس خلافت

کیلئے پیش کیا تھا۔ قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ بھلا یہ بھی کوئی جواب ہے جس سے عجز ظاہر ہوتا ہے۔ پھر یہ کیا کہ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا۔ ایک آدمی کو الگ لیجا کر کچھ باتیں چپکے سے سمجھا دیں اور پھر کہا کہ تم بتاؤ اگر سچے ہو۔ اس میں فریب پایا جاتا ہے۔ جب مَیں نے یہ اعتراضات سُنائے۔ تو حضور کو جوش آگیا۔ اور فوراً بیٹھ گئے۔ اور بڑے زور کی تقریر جواباً کی۔ اور بہت سے لوگ بھی آگئے۔ اور دَورہ ہٹ گیا۔ بہت لمبی تقریر فرمائی۔ کہ کہیں آدم کا خونریزی وغیرہ کرنا ثابت نہیں وغیرہ؛

۴۵۔ خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم اور عبدالحکیم مرتد جس زمانے میں لاہور پڑھتے تھے۔ وہاں پر ایک شخص جو برہمو سماج کا سیکرٹری اور ایم۔اے تھا، آیا۔ حضرت صاحب لاہور میں تھے۔ اس نے آکر کہا کہ تقدیر کے مسئلہ کو مَیں نے ایسا سمجھا ہوا ہے کہ شاید کسی اَور نے نہ سمجھا ہو۔ وہ دلائل مَیں آپ کو سُنانا چاہتا ہوں۔ اس پر حضور نے خود ہی تقدیر پر تقریر شروع فرما دی۔ اور یہ تقریر سلسل تقریباً دو گھنٹے جاری رکھی۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب بھی اس میں موجود تھے۔ اور نواب فتح علی خاں صاحب قزلباش بھی موجود تھے۔ تقریر کے ختم ہونے پر جب سب چلے گئے تو نواب صاحب بیٹھے رہے۔ اور نواب صاحب نے کہا کہ آپ تو اسلام کی رُوح بیان فرماتے تھے اور اسلام کی صداقت آفتاب کی طرح سامنے نظر آتی تھی۔ وہ لوگ بڑے ظالم ہیں، جو آپ کے متعلق سخت کلامی کرتے ہیں۔ ظالم کا لفظ سُنکر حضور نے شیعہ مذہب کی تردید شروع کر دی۔ گویا ثابت کیا، کہ شیعہ ظلم کرتے ہیں، جو صحابہ کا فیض یافتہ صحبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ہونا نہیں مانتے، اور صحابہ کا تقدس ظاہر کرکے بڑے جوش سے فرمایا۔ کہ کیا کوئی شیعہ اس بات کو گوارا کر سکتا ہے کہ اس کی ماں کی قبر دو نابکاروں کے درمیان ہو؟ مولوی عبدالکریم صاحب کا چہرا اُترا ہوا سا تھا۔ پھر نواب صاحب نہایت ادب سے اجازت لیکر چلے گئے۔ ان کے جانیکے بعد مولوی عبدالکریم صاحب نے حضور سے دریافت کیا، کہ کیا حضور کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ شیعہ مذہب رکھتے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ ان کے ہمارے بزرگوں سے تعلقات چلے آتے ہیں۔ ہم خوب جانتے ہیں۔ مَیں نے سمجھا کہ یہ بڑے آدمی کہاں کسی کے پاس چلکر جاتے ہیں۔ مَیں نے چاہا، کہ حق ان کے گوش گذار کر دُوں؛

۴۶۔ امرتسر میں جب آتھم کے ساتھ مباحثہ قرار پایا۔ تو بیس بیس یا پچیس پچیس آدمی فریقین کے شامل

ہوتے تھے۔ ہماری طرف سے علاوہ غیر احمدیوں کے مولوی عبدالکریم صاحب اور سید محمد احسن صاحب بھی شامل ہوتے تھے۔ اور ایک شخص اللہ دیا لدھیانوی جلد ساز تھا جس کو تورات و انجیل خوب یاد تھی اور کرنیل الطاف علی خانصاحب رئیس کپور تھلہ عیسائیوں کی طرف بیٹھا کرتے تھے۔ ایک طرف عبداللہ آتھم اور ایک طرف حضرت صاحب بیٹھتے تھے۔ دونوں فریق کے درمیان خلیفہ نورالدین صاحب جمونی اور خاکسار مباحثہ لکھنے والے بیٹھا کرتے تھے اور دو کس عیسائیوں میں سے اسی طرح لکھنے کیلئے بیٹھا کرتے تھے۔ بحث تقریری ہوتی تھی۔ اور ہم لکھتے جاتے تھے۔ اور عیسائیوں کے آدمی بھی لکھتے تھے۔ اور بعد میں تحریروں کا مقابلہ کر لیتے تھے۔ حضرت صاحب اختصار کے طور پر غ سے مراد غلام احمد اور ع سے مراد عبداللہ لکھاتے تھے۔ آتھم بہت ادب سے پیش آتا تھا جب عیسائیوں کے لکھنے والے زیادہ جلد نہ لکھ سکتے۔ تو آتھم خاکسار کو یعنی مجھے مخاطب کر کے کہا کرتا کہ یہ عیسائی ہمارے لکھنے والے ٹٹو ہیں۔ ان کی کمریں لگی ہوئی ہیں۔ انہیں بھی ساتھ لینا۔ کیونکہ میں اور خلیفہ نورالدین صاحب بہت زود نویس تھے۔ آتھم کی طبیعت میں تمسخر تھا۔

ایک دن آتھم مقابلہ پر نہ آیا۔ اس کی جگہ مارٹن کلارک بیٹھا۔ یہ بہت بے ادب اور گستاخ آدمی تھا۔ اس نے ایک دن چند لولے لنگڑے اندھے اکٹھے کر لئے۔ اور لا کر بٹھا دیئے۔ اور کہا کہ آپ کو مسیح ہونے کا دعویٰ ہے ان پر ہاتھ پھیر کر اچھا کر دیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو ہم اپنی کچھ اصلاح کرینگے۔ اس وقت جماعت میں ایک سناٹا سا پیدا ہو گیا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے جواباً ارشاد فرمایا۔ کہ ہمارے ایمان کی علامت جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہے یعنی استجابت دعا۔ اور تین اور علامتیں حضور نے بیان فرمائیں۔ یعنی فصاحت و بلاغت اور فہم قرآن اور امور غیبیہ کی پیشگوئیاں۔ اس میں ہماری تم آزمائش کر سکتے ہو۔ اور اس حلیہ میں کر سکتے ہو۔ لیکن مسیح نے تمہارے ایمان کی علامت یہ قرار دی ہے، کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ تو لنگڑے لولوں کو چنگا کردوگے اور پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا سکو گے۔ لیکن میں تم سے اتنے بڑے نشان تو نہیں مانگتا، میں ایک جوتی الٹی ڈالتا ہوں۔ اگر وہ تمہارے اشارے سے سیدھی ہو جائے۔ تو میں سمجھونگا کہ تم میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہے۔ اس وقت جس قدر مسلمان تھے، خوش ہو گئے، اور فریق ثانی مارٹن کلارک کے ہوش گم ہو گئے۔

۱۷۔ آتھم نے ایک دفعہ ایسے سوالات کئے کہ ہمارے بعض احباب گھبرا گئے۔ کہ ان کا جواب فوراً نہیں دیا

جا سکتا۔ اور بعض احباب نے ایک کمیٹی کی۔ اور قرآن شریف اور انجیل وغیرہ کے حوالوں سے چاہا کہ حضرت صاحب کو امداد دیں۔ مَیں نے مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کو مزاحاً کہا کہ آیا نبوتیں بھی مشورے سے کرتے ہیں۔ اتنے میں حضرت صاحب تشریف لے آئے۔ اور حضور کچھ باتیں کر کے جانے لگے، تو مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے کھڑے ہو کر عرض کی۔ کہ اگر کل کے جواب کیلئے کچھ مشورہ کر لیا جائے۔ تو کچھ حرج تو نہیں؟ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہنستے ہوئے یہ فرما کر کہ "آپ کی دعا کافی ہے" فوراً تشریف لے گئے۔

۲۸۔ آخری دن جب آتھم کو پیشگوئی سنائی گئی، تو اس کا رنگ بالکل زرد ہو گیا۔ اور دانتوں میں زبان دیکر گردن ہلا کر کہنے لگا، کہ مَیں نے حضرت محمد صاحب کو دجّال نہیں کہا۔ حالانکہ اس نے اپنی کتاب اندرونہ بائبل میں یہ لفظ لکھا تھا۔ پھر آتھم اٹھا اور گر پڑا حالانکہ وہ بہت قوی آدمی تھا۔ پھر دو عیسائیوں نے اس کی بغلوں میں ہاتھ دیکر اُسے اٹھایا۔ ایک شخص جگن ناتھ عیسائی تھا۔ وہ مجھ سے اکثر باتیں کیا کرتا تھا۔ مَیں نے اُسے کہا کہ یہ کیا ہو گیا۔ وہ کہنے لگا، کہ آتھم بے ایمان ہو گیا ہے۔ اور ڈر گیا ہے۔ پھر جب ہم اپنی جگہ واپس آئے (غالباً کریم بخش ایک رئیس کی کوٹھی پر ہم ٹھہرے ہوئے تھے) تو کرنیل الطاف علیخان ہمارے ساتھ ہو لئے۔ اور انہوں نے مجھ سے کہا۔ مَیں حضرت صاحب سے تخلیہ میں ملنا چاہتا ہوں۔ کرنیل صاحب کوٹ پتلون پہنے داڑھی مونچھ منڈوائے ہوئے تھے۔ مَیں نے کہا، تم اندر چلے جاؤ۔ باہر سے ہم کسی کو نہ آنے دینگے۔ پوچھنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ چنانچہ کرنیل صاحب اندر چلے گئے۔ اور آدھ گھنٹہ کے قریب حضرت صاحب کے پاس تخلیہ میں رہے۔ کرنیل صاحب جب باہر آئے۔ تو چشم پُر آب تھے۔ مَیں نے ان سے پوچھا، کہ آپ نے کیا باتیں کیں، جو ایسی حالت ہے۔ وہ کہنے لگے، کہ جب مَیں اندر گیا، تو حضرت صاحب اپنے خیال میں بوریئے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن بوریئے پر حضور کا گھٹنا ہی تھا۔ اور باقی زمین پر بیٹھے تھے۔ مَیں نے کہا حضور زمین پر بیٹھے ہیں۔ اور حضور نے یہ سمجھا، کہ غالباً مَیں (کرنیل صاحب) بوریئے پر بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔ اس لئے حضور نے اپنا صافہ بوریئے پر بچھا دیا۔ اور فرمایا۔ کہ آپ یہاں بیٹھیں۔ یہ حالت دیکھکر میرے آنسو نکل پڑے۔ اور مَیں نے عرض کی۔ کہ اگرچہ مَیں ولایت میں ر[illegible] بپتسمہ لے چکا ہوں۔ مگر اتنا بے ایمان نہیں ہوں، کہ حضور کے صافے پر بیٹھ جاؤں۔ حضور فرمانے لگے کچھ مضائقہ

نہیں۔ آپ بلا تکلف بیٹھ جائیں۔ میں صافے کو ہاتھ سے ہٹا کر بوریئے پر بیٹھ گیا۔ اور میں نے اپنا حال سنانا شروع کیا۔ کہ میں شراب بہت پیتا ہوں۔ اور دیگر گناہ بھی کرتا ہوں۔ خدا رسول کا نام نہیں جانتا۔ لیکن میں آپ کے سامنے اس وقت عیسائیت سے توبہ کر کے مسلمان ہوتا ہوں۔ مگر جو عیوب مجھے لگ گئے ہیں۔ ان کو چھوڑنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ استغفار پڑھا کرو۔ اور پنجگانہ نماز پڑھنے کی عادت ڈالو جب تک میں حضور کے پاس بیٹھا رہا۔ میری حالت دگرگوں ہوتی رہی۔ اور میں روتا رہا۔ اور ایسی حالت میں اقرار کر گئے کہ میں استغفار اور نماز ضرور پڑھا کرونگا۔ آپ کی اجازت لیکر آگیا۔ وہ اثر میرے دل پر اب تک ہے۔ (انتہا کلام کرنیل صاحب)

چونکہ کرنیل صاحب بہت آزاد طبع آدمی تھے۔ اس واقعہ سے دو تین سال بعد ایک دفعہ مجھے ملے۔ اور انہوں نے کہا کہ استغفار اور نماز میں نے اب تک نہیں چھوڑی۔ یہ ضرور ہے۔ کہ باہر اگر میں سیر کو چلا گیا اور نماز کا وقت آگیا۔ تو میں چلتے چلتے نماز پڑھ لیتا ہوں۔ ورنہ مقام پر نماز اور قرآن شریف پڑھتا ہوں۔ ہاں دو وقت کی نمازیں ملا لیتا ہوں۔ اور یہ بھی کرنیل صاحب نے کہا کہ میں نے ایک دفعہ پچاس روپے حضور کو بھیجے۔ اور مجھے اس کی خوشی ہوئی کہ حضور نے قبول فرمالئے۔

۲۹۔ عبداللہ آتھم کی پیشگوئی کی میعاد کے جب دو تین دن رہ گئے۔ تو محمد خاں صاحب مرحوم اور منشی روڑا صاحب مرحوم اور میں قادیان چلے گئے۔ اور بہت سے دوست بھی آئے ہوئے تھے۔ سب کو حکم تھا۔ کہ پیشگوئی کے پورا ہونے کے لئے دعائیں مانگیں۔ مرزا ایوب بیگ مرحوم برادر ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب اس قدر گریہ وزاری سے دعا مانگتا تھا۔ کہ بعض دفعہ گر پڑتا تھا۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ محمد خاں صاحب اور منشی روڑا صاحب اور میں مسجد مبارک کی چھت پر سویا کرتے تھے۔ آخری دن میعاد کا تھا۔ کہ رات کے ایک بجے کے قریب حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمارے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا۔ کہ ابھی الہام ہوا ہے کہ اس نے رجوع بحق کر کے اپنے آپ کو بچا لیا۔ منشی روڑا صاحب مرحوم نے مجھ سے محمد خاں صاحب سے اور اپنے پاس سے کچھ روپے لیکر جو نصف سینتیس کے قریب تھے۔ حضور کی خدمت میں پیش کئے۔ کہ حضور اس کے متعلق جو اشتہار چھپیں وہ اس سے صرف ہوں۔ حضور بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ ہم تمہارے روپے

سے ہی اشتہارات چھپوائیں گے۔ ہم نے عرض کی کہ ہم اور بھی روپے بھیجیں گے۔ ہم اسی وقت رات کو اُٹھ کر بہت سے آدمیوں سے ذکر کیا۔ کہ وہ رجوع بحق ہوکر بچ گیا۔ اور صبح کو پھر یہ بات عام ہوگئی۔ صبح کو ہندو مسلمانوں کا ایک بہت بڑا مجمع ہوگیا۔ کہ معلوم کریں کہ آتھم مرگیا یا نہیں۔ پھر ان لوگوں کو یہ الہام سُنایا گیا۔ اس کے بعد ہم اجازت لیکر قادیان سے امرتسر آئے۔ اور آکر امرتسر میں دیکھا۔ کہ عیسائیوں نے آتھم کا جلوس نکالا ہوا ہے۔ ایک ڈولا سا تھا جس میں آتھم بیٹھا تھا۔ اور اس ڈولے کو اٹھایا ہوا تھا اور وہ چپ چاپ ایک طرف کو گردن ڈالے بیٹھا تھا۔ پھر ہم کپورتھلہ چلے آئے۔ بہت سے آدمیوں نے مجھ سے چھیڑ چھاڑ بھی کی۔ ہم جب امرتسر قادیان سے گئے تھے۔ تو شائع شدہ اشتہار لوگوں کو دیئے۔ کیونکہ ہم تین دن قادیان ٹھہرے تھے۔ اور یہ اشتہار چھپ گئے تھے۔

۴۰۔ اس واقعہ سے چھ ماہ بعد میں قادیان گیا۔ اور وہاں پر شمس الدین صاحب سیکرٹری انجمن حمایت اسلام بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ احمدی نہ تھے۔ قادیان سے میں اور شمس الدین صاحب امرتسر آئے۔ یہاں قطب الدین صاحب مسگر امرتسری جو بہت مخلص آدمی تھے، ان سے ملنے گئے۔ انہوں نے کہا کہ یہاں پر ایک عیسائی ہے۔ اس کے پاس عبداللہ آتھم کی تحریر موجود ہے۔ جس میں آتھم نے اقرار کیا ہے کہ اس نے ضرور رجوع بحق کیا اور وہ خائف رہا۔ اور وہ ان لوگوں کے ساتھ ہرگز نہیں جو مرزا صاحب کی ہتک کرتے ہیں۔ میں آپ کو بزرگ جانتا ہوں۔ یہ سُنکر ہم تینوں اس عیسائی کے پاس گئے۔ اور اس سے وہ تحریر مانگی اس نے دُور سے دکھائی اور پڑھکر سُنائی۔ اور یہ کہا کہ یہ خاص آتھم کے قلم کی تحریر ہے۔ جو چھپوانے کے لئے اس نے بھیجی ہے۔ مگر عیسائیوں نے اجازت نہیں دی۔ کہ اس کو چھاپا جائے۔ میرے پاس امانتاً رکھی ہوئی ہے۔ عیسائی مذکور نے چند شرائط پر وہ تحریر دینے کا اقرار کیا۔ کہ اس کی نوکری جاتی رہے گی۔ اس کا انتظام اگر ہم کریں۔ پانچ سَو روپیہ دیں۔ اور اس کی دو لڑکیوں کی شادی کا بندوبست کریں۔ شمس الدین صاحب نے اس کا انتظام کیا۔ اور پھر ہم تینوں اس کے ہاں گئے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ یہ راز افشا ہوگیا ہے اور اسے عیسائیوں نے کوہاٹ یا کسی اور جگہ تبدیل کردیا ہے۔

۴۱۔ ایک دفعہ میں اپنے وطن بڈھانہ ضلع مظفر نگر جا رہا تھا۔ تو انبالہ سٹیشن پر ایک بڑا پادری

فیروز پور سے آ رہا تھا جبکہ آتھم فیروز پور میں تھا۔ پادری مذکور کے استقبال کے لئے انبالہ اسٹیشن پر بہت سے پادری موجود تھے۔ وہ جب اُترا۔ تو پادریوں نے انگریزی میں اُس سے آتھم کا حال پوچھا۔ اس نے کہا وہ تو بے ایمان ہوگیا نمازیں بھی پڑھتا ہے۔ بابو محمد بخش صاحب ہیڈ کلرک جو احمدی تھے۔ اور میرے ملنے کیلئے سٹیشن پر آئے ہوئے تھے کیونکہ مَیں نے انہیں اطلاع دے دی تھی۔ انہوں نے مجھے بتایا۔ کہ یہ انہوں نے پوچھا۔ اور یہ اُس نے جواب دیا ہے میں نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں واقعہ تحریرِ آتھم والا اور انبالہ اسٹیشن والا عرض کیا۔ آپ نے سنکر فرمایا۔ کہ گواہ تو سب احمدی ہیں۔ حضور کا مطلب یہ تھا۔ کہ غیر کب اس شہادت کو مانیں گے۔

سوال راقم۔ شمس الدین صاحب تو احمدی نہ تھے؟

جواب والد صاحب:۔ دراصل حضور نے اس امر کو قابلِ توجہ نہیں سمجھا۔ اور درخورِ اعتنا خیال نہ فرمایا۔

۳۴۲۔ مباحثہ آتھم میں فریقین کی تقاریر جو قلمبند ہوتی تھیں۔ دونوں فریق کے کاتبان تحریر آپس میں ان کا مقابلہ کر لیتے تھے۔ کبھی ان کے کاتب آجاتے۔ کبھی مَیں جاتا۔ ایک دفعہ مَیں مقابلہ مضمون کرانے کے لئے آتھم کے مکان پر گیا۔ جاکر بیٹھا تھا کہ آتھم نے مجھ سے کہا۔ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ میں نے کہا قصبہ بڈھانہ ضلع مظفرنگر۔ اس نے کہا وہاں کے منشی عبدالواحد صاحب منصف ایک میرے دوست تھے۔ مَیں نے کہا وہ میرے چچا تھے۔ پھر کسی جگہ کا آتھم نے ذکر کیا۔ کہ مَیں وہاں ڈپٹی تھا۔ اور منشی عبدالواحد صاحب بھی وہاں منصف یا تحصیلدار تھے۔ اور میرا اُن کا بڑا تعلق تھا۔ اور وہ بھی اپنے آپ کو ملہم سمجھتے تھے۔ تم تو میرے بھتیجے ہوئے۔ اور وہ اپنی مستورات کو لے آیا۔ اور ان سے ذکر کیا کہ یہ میرے بھتیجے ہیں۔ ان کی خاطر کرنی چاہیئے۔ چنانچہ اسی وقت مٹھائی وغیرہ لائی گئی۔ مَیں نے کہا مَیں یہ نہیں کھا سکتا۔ کیونکہ ہمارے حضرت صاحب نے بعض عیسائیوں کی دعوت کو قبول نہیں کیا تھا اور فرمایا تھا کہ تم ہمارے آقا اور مولیٰ کی ہتک کرتے ہو۔ تو ہم تمہاری دعوت کیسے قبول کرسکتے ہیں۔ اس وجہ سے مَیں بھی چائے نہیں پی سکتا۔ وہ کہتا رہا۔ کہ احمدی ہونے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ بھتیجا ہونے کی وجہ سے دعوت کرتے ہیں اس کے بعد میں مضمون کا مقابلہ کرائے بغیر وہاں سے چلا آیا۔ اور حضور کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا۔ حضور نے فرمایا۔ کہ آپ نے بہت اچھا کیا۔ اب تمہیں وہاں جاکر مقابلہ کرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انہیں خواہش ہو تو خود آجایا کریں۔

۴۳ - جالندھر میں حضرت صاحب تقریباً ایک ماہ قیام پذیر رہے۔ بیعت اُولیٰ سے تھوڑے عرصہ بعد کا یہ ذکر ہے۔ ایک شخص جو ہندو تھا اور بڑا ساہوکار تھا۔ وہ جالندھر حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ کہ میں حضور کی معہ تمام رفقاء کے دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فوراً دعوت قبول فرمالی۔ اس نے کھانے کا انتظام بستی بابا خیل میں کیا۔ اور بہت پُرتکلف کھانے پکوائے۔ جالندھر سے پیدل چلکر حضور معہ رفقاء گئے۔ اس ساہوکار نے اپنے ہاتھ سے سب کے آگے دسترخوان بچھایا۔ اور لوٹا اور سلاپچی لیکر خود ہاتھ دھلانے لگا۔ ہم میں سے کسی نے کہا۔ کہ آپ تکلیف نہ کریں۔ تو اس نے کہا۔ میں نے اپنی نجات کا ذریعہ محض یہ سمجھا ہے۔ کہ میری یہ ناچیز خدمت خدا قبول کرے گا۔ غرض بڑے اخلاص اور محبت سے وہ کھانا کھلاتا رہا۔ کھانا کھانے کے بعد حضرت صاحب سے اس نے عرض کی کہ کیا خدا میرے اس عمل کو قبول کر کے مجھے نجات دیدیگا۔ حضور نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ ذرہ نواز ہے۔ تم خدا کو وحدہٗ لاشریک یقین کرو۔ اور بتوں کی طرف بالکل توجہ نہ کرو۔ اور اپنی ہدایت کے لئے خدا سے اپنی زبان میں ہی دعا مانگتے رہو۔ اس نے کہا میں ضرور ایسا کرونگا۔ حضور بھی میرے لئے دعا مانگتے رہیں۔ پھر ہم واپس جالندھر آ گئے۔ اور وہ ساہوکار دوسرے تیسرے دن آتا۔ اور بڑے ادب کے ساتھ حضور کے سامنے بیٹھ جاتا تھا۔

۴۴ - انہی ایام میں ایک دن ایک ضعیف العمر مسلمان غالباً وہ بیعت میں داخل تھا۔ اور اس کا بیٹا نائب تحصیلدار تھا۔ جو اس کے ساتھ حاضر ہوا۔ باپ نے شکایت کی کہ یہ میرا بیٹا میری یا اپنی ماں کی خبرگیری نہیں کرتا۔ اور ہم تکلیف سے گذارہ کرتے ہیں۔ حضور نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھکر فرمایا۔ کہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ جب کوئی شخص اپنے ماں باپ اور اولاد اور بیوی کی خبر نہ لے۔ تو وہ بھی اس حکم کے نیچے مساکین (ماں باپ) یتامیٰ (بچے) اسیر (بیوی) میں داخل ہو جاتے ہیں۔ تم خدا تعالیٰ کا یہ حکم مان کر ہی آئندہ خدمت کرو۔ تمہیں ثواب بھی ہوگا۔ اور ان کی خبرگیری بھی ہو جائیگی۔ اس نے عہد کیا کہ آج سے میں اپنی کل تنخواہ ان کو بھیجدیا کرونگا۔ یہ خود مجھے میرا خرچ جو چاہیں بھیجدیا کریں۔ پھر معلوم ہوا۔ کہ وہ ایسا ہی کرتا رہا۔

۴۵ - دوران قیام جالندھر میں ایک شخص، جو مولوی کہلاتا تھا، حضور سے بحث کرنے کی غرض سے آیا۔ حضور نے فرمایا۔ کہ آپ صبح کے وقت آجائیں۔ اس نے کہا کہ صبح کو مجھے فرصت نہیں ہوتی۔ میں اس شخص کو جانتا تھا۔ میں نے کہا

یہ شخص واقعی صبح کو مشغول ہوتا ہے۔ کیونکہ شراب نوشی کا عادی ہے۔ اس پر حاضرین تو مسکرا پڑے۔ لیکن حضور نے صرف اس قدر فرمایا۔ کہ آپ اپنے شکوک رفع کرنے کے لئے کوئی اور وقت مقرر کرلیں ٭

۴۶۔ حضرت صاحب نے جالندھر میں زیادہ عرصہ قیام جب رکھا تو دوست احباب ٹھیر کر چلے جاتے تھے لیکن مولوی عبد اللہ صاحب سنوری اور خاکسار برابر ٹھہرے رہے۔ ایک دن میں نے اور مولوی صاحب مرحوم نے ارادہ کیا۔ کہ وہ میرے لئے اور میں ان کے لئے رخصت ہونے کی اجازت حاصل کریں۔ صبح کو حضور سیر کے لئے تشریف لائے اور آتے ہی فرمایا۔ لو جی میاں عبد اللہ صاحب اور منشی صاحب۔ اب تو ہم اور آپ ہی رہیں گے۔ اور دوست تو چلے گئے۔ نئے نو دن پرانے سو دن۔ بس پھر ہم خاموش ہوگئے اور ٹھہرے رہے ٭

۴۷۔ جالندھر میں ہی حضور ایک دفعہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر تقریر فرما رہے تھے۔ اس وقت ایک انگریز جو بعد میں معلوم ہوا کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس تھا، آگیا۔ اور ٹوپی اتار کر سلام کیا۔ اور حضور کی تقریر سننے کے لئے کھڑا رہا۔ اور باوجودیکہ اس کے بیٹھنے کے لئے کرسی وغیرہ بھی منگوائی گئی تھی۔ مگر وہ نہیں بیٹھا۔ اور یہ عجیب بات تھی، کہ وہ تقریر سنتا ہوا سبحان اللہ سبحان اللہ کہتا تھا۔ تھوڑا عرصہ تقریر سنکر سلام کرکے وہ چلا گیا۔ اس کے بعد قریباً دوسرے تیسرے دن جب حضور سیر کو تشریف لے جاتے تو ایسا اتفاق ہوتا کہ وہ راستے میں گھوڑے پر سوار مل جاتا۔ اور گھوڑے کو ٹھہرا کر ٹوپی اتار کر سلام کرتا۔ یہ اس کا معمول تھا۔

۴۸۔ جالندھر میں مولوی عبد الکریم صاحب نے ایک دفعہ مجھے فرمایا۔ یا ظفر المظفر (وہ دوستانہ بے تکلفی میں مجھے اس نام سے مخاطب کرکے فرمایا کرتے تھے) ذرا جالندھر کی سیر تو کراؤ۔ چنانچہ ہم چل پڑے۔ راستے میں دیکھا، کہ گویا ایک برات آ رہی ہے۔ اور اس کے ساتھ دیسی اور انگریزی باجا اور طوائف وغیرہ ہیں۔ ان کے پیچھے ایک شخص گھوڑے پر سوار بٹیرے کا پنجرا ہاتھ میں لئے آ رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ تمام جلوس اس بٹیرے کی لڑائی جیتنے کی خوشی میں ہے۔ میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ یہ برات ورات کچھ نہیں۔ یہ تو بٹیرے کی کشتی جیتنے کی خوشی ہے۔ مولوی عبد الکریم صاحب یہ دیکھکر سڑک پر ہی سجدے میں گر پڑے۔ اور سخت مغموم ہوئے بوجہ مسلمانوں کی اس ابتر حالت کے۔ اور یہی فرماتے رہے۔ کہ اوہو! مسلمانوں کی حالت اس درجہ پر پہونچ گئی ہے۔ ہم واپس آگئے ٭

۱۳۹- انہی ایام میں میر عباس علی صاحب بھی اپنے کسی مرید کے ہاں آکر جالندھر میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت صاحب نے مجھے فرمایا۔ کہ وہ آپ کے پُرانے ملنے والے ہیں۔ ان کو جاکر کچھ سمجھاؤ۔ پیرا ندتا جو ایک فاتر العقل شخص تھا۔ اور حضرت صاحب کے پاس رہتا تھا۔ اس نے کہا۔ "حضور مَیں وی جاکے سمجھا واں"۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ ہاں منشی صاحب کے ساتھ چلے جاؤ۔ مَیں میر عباس علی کی قیام گاہ پر گیا۔ آٹھ دس آدمی فرش پر بیٹھے تھے۔ اور میر صاحب چارپائی پر۔ ایک تخت بھی وہاں تھا۔ دَوروں (بڑے بڑے پیالوں) میں پوست بھیگے ہوئے تھے۔ پیرا ندتا کو دیکھکر عباس علی صاحب نے اُسے بے تکلفانہ پکارا۔ او پیرا ندتا! او پیرا ندتا!! اور مجھ سے سلام علیکم کرکے ہنستے ہوئے آیئے آیئے کہکر بیٹھنے کو کہا۔ پیرا ندتا مجھ سے کہنے لگا۔ مَیں پہلے سمجھا لوں۔ مَیں نے کہا سمجھا لے۔ پیرا ندتا کہنے لگا۔ میر صاحب مَیں تمہیں دونوں وقت کھانا پہونچاتا تھا یا نہیں۔ اور تمہیں کبھی کبھی مَیں پیسے بھی دے جایا کرتا تھا۔ میر صاحب اب بڑے آدمی دُور دُور سے روٹی کھانے والے آتے ہیں۔ اب جو تم روٹیاں کی خاطر اِدھر اُدھر پھرتے ہو۔ یہ وقت اچھا ہے یا وہ۔ جب گھر بیٹھے مَیں تمہیں روٹی دے جایا کرتا تھا؟ اب تم میرے ساتھ چلو۔ مَیں پھر تمہیں روٹی دونوں وقت دے جایا کرونگا۔ میر عباس علی ہنستے رہے۔ پھر مَیں نے ان سے کہا آپ کیوں برگشتہ ہوگئے۔ وہ کہنے لگے مرزا صاحب کہتے ہیں کہ جسم آسمان پر نہیں جا سکتا۔ مَیں نے اپنے پیر کو خود دیکھا ہے (مولوی غوث علی پانی پتی ان کے پیر تھے) ایک دفعہ انہوں نے الّا اللہ کا جو نعرہ لگایا تو زمین شق ہوگئی۔ اور وہ اُس میں سما گئے۔ میں نے کہا۔ (پھر تو پھر بھی نہ گئے)۔ اور وہاں قرآن شریف رکھا تھا۔ مَیں نے اٹھا کر میر صاحب کے سر پہ رکھدیا۔ کہ آپ خدا کو حاضر ناظر جان کر بتائیں کہ آپ نے یہ واقعہ خود دیکھا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہمارے پیر نے جب یہ بیان کیا کہ انہوں نے ایک دفعہ ایسا کیا، اور ہم انہیں سچا سمجھتے ہیں، تو یہ چشم دید ماجرا ہی ہوا۔ غرضیکہ جہانتک ہوسکا مَیں نے ان کو سمجھایا۔ مگر اس وقت ان کی حالت بہت بگڑ چکی تھی۔ وہ اقراری نہ ہوئے ؏

۱۴۰- بیعت اُولیٰ سے پہلے کا ذکر ہے کہ مَیں قادیان میں تھا۔ فیض اللہ چک میں کوئی تقریب شادی یا ختنہ کی تھی جس پر حضرت صاحب کو معہ چند خدام کے مدعو کیا گیا۔ ان کے اصرار پر حضرت صاحب نے دعوت قبول فرمائی۔ ہم دس بارہ آدمی حضور کے ہمراہ فیض اللہ چک گئے۔ گاؤں کے قریب ہی پہونچے تھے، کہ گانے بجانے کی آواز سُنائی دی۔ جو اس تقریب پر ہو رہا تھا۔ یہ آواز سُنتے ہی حضور لَوٹ پڑے۔ فیض اللہ چک والوں کو معلوم ہوا

تو انھوں نے آکر بہت التجا کی۔ مگر حضور نے منظور نہ فرمایا۔ اور واپس ہی چلے آئے۔ راستہ میں ایک گاؤں تھا۔ مجھے اس گاؤں کا نام اس وقت یاد نہیں۔ وہاں ایک معزز سکھ سردارنی تھی۔ اس نے بمنت حضور کی دعوت کی۔ حضور نے فرمایا۔ قادیان قریب ہی ہے۔ مگر اسکے اصرار پر حضور نے اس کی دعوت قبول فرمائی۔ اور اس کے ہاں جاکر سب نے کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر آرام کرکے حضور قادیان واپس تشریف لے آئے۔ ہمراہیان کے نام جہانتک یاد ہے یہ ہیں۔ مرزا اسماعیل شیر فروش۔ حافظ حامد علی صاحب۔ علی بخش حجام جس نے عطاری کی دوکان کی ہوئی تھی۔ اور بھی چند آدمی تھے۔

۴۱۔ ایک دفعہ بٹالہ کے بعض عیسائیوں نے حضرت صاحب کے حضور یہ بات پیش کی۔ کہ ہم ایک لفافے میں مضمون لکھکر میز پر رکھدیتے ہیں۔ آپ اسے دیکھے بغیر اس کا مضمون بتادیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ ہم یہ بتادینگے آپ وہ مضمون لکھکر رکھیں۔ اس پر انہوں نے یہ جرأت نہ کی۔ اس قدر واقعہ میرا چشمدید نہیں۔ البتہ اس واقعہ کے بعد حضرت صاحب نے ایک اشتہار شائع فرمایا تھا۔ جو حنائی کاغذ پر تھا۔ وہ اشتہار میں نے پڑھا تھا۔ جس میں یہ واقعہ درج تھا۔ اور حضور نے یہ شرط پیش کی تھی۔ کہ اگر ہم لفافے کا مضمون بتادیں۔ تو مسلمان ہونا ہوگا۔ یہ واقعہ ابتدائی ایام کا اور بیعت اولی سے پہلے کا ہے۔

۴۲۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضور مغرب کے بعد مسجد مبارک کی دوسری چھت پر معہ چند احباب کھانا کھانے کے لئے تشریف فرما تھے۔ ایک احمدی میاں نظام الدین ساکن لدھیانہ جو بہت غریب آدمی تھے۔ اور ان کے کپڑے بھی دریدہ تھے۔ حضور سے ۴-۵ آدمیوں کے فاصلہ پر بیٹھے تھے۔ اتنے میں کئی دیگر اشخاص خصوصًا وہ لوگ جو بعد میں لاہوری کہلائے۔ آتے گئے۔ اور حضور کے قریب بیٹھتے گئے۔ جس کی وجہ سے میاں نظام الدین کو پرے ہٹنا پڑتا رہا۔ حتی کہ وہ جوتیوں کی جگہ تک پہونچ گیا۔ اتنے میں کھانا آیا۔ تو حضور نے ایک سالن کا پیالہ اور کچھ روٹیاں ہاتھ میں اٹھالیں۔ اور میاں نظام الدین کو مخاطب کرکے فرمایا۔ آؤ میاں نظام الدین صاحب آپ اور ہم اندر بیٹھکر کھانا کھائیں۔ اور یہ فرماکر مسجد کے صحن کے ساتھ جو کوٹھڑی ہے اس میں تشریف لے گئے۔ اور حضور نے اور میاں نظام الدین نے کوٹھڑی کے اندر ایک ہی پیالہ میں کھانا کھایا۔ اور کوئی اندر نہیں گیا۔ جو لوگ قریب آکر بیٹھتے گئے تھے ان کے چہروں پر شرمندگی ظاہر تھی۔

۴۳۔ ایک دفعہ ایک صاحب مولوی عبدالرحیم ساکن میرٹھ قادیان آئے ہوئے تھے۔ حضرت صاحب سے تین دن تک ان کی ملاقات نہ ہوسکی۔ وجہ یہ تھی۔ کہ جب حضور مسجد مبارک میں بیٹھتے۔ تو عبدالرحیم صاحب تکلف ا آداب کے خیال سے لوگوں کو ہٹا کر اور گذر کر قریب جانا ناپسند کرتے تھے۔ میری یہ عادت تھی، کہ بہرحال جگہ قریب پہنچکر حضور کے پاس جا بیٹھتا تھا۔ عبدالرحیم صاحب نے مجھ سے ظاہر کیا کہ تین دن سے ملاقات نہ ہوسکی۔ چنانچہ میں نے حضرت صاحب سے یہ بات عرض کی۔ حضور ہنسکر فرمانے لگے کہ کیا یہ آپ سے زخاکستا سنق نہیں سیکھے۔ اور پھر انہیں فرمایا کہ آجائیے۔ چنانچہ ان کی ملاقات اس طرح ہو گئی:

۴۴۔ ایک دفعہ دو شخص منی پور آسام سے قادیان آئے۔ اور مہمان خانہ میں آکر انہوں نے خادمان مہما سے کہا کہ ہمارے بستر اتارے جائیں۔ اور سامان لایا جائے۔ چارپائی بچھائی جائے۔ خادموں نے کہا آپ خ اپنا اسباب اتروائیں۔ چارپائیاں بھی مل جائیں گی۔ دونوں مہمان اس بات پر رنجیدہ ہو گئے۔ اور فوراً یکہ سوار ہو کر واپس روانہ ہو گئے۔ میں نے مولوی عبدالکریم صاحب سے یہ ذکر کیا۔ تو مولوی صاحب فرمانے لگے بھی دو ایسے جلد بازوں کو۔ حضور کو اس واقعہ کا علم ہوا، تو نہایت جلدی سے ایسی حالت میں کہ جوتا پہننا مشکل ہو گیا۔ حضور ان کے پیچھے نہایت تیز قدم سے چل پڑے۔ چند خدام بھی ہمراہ تھے۔ میں بھی ساتھ تھا کے قریب پہنچکر ان کا یکہ مل گیا۔ اور حضور کو آتا دیکھکر وہ یکہ سے اتر پڑے۔ اور حضور نے انہیں واپس چلنے لئے فرمایا۔ کہ آپ کے واپس ہونے کا مجھے بہت درد پہنچا۔ چنانچہ وہ واپس ہوئے۔ حضور نے یکہ میں سوار ہونے لئے انہیں فرمایا۔ اور کہ میں ساتھ ساتھ چلتا ہوں۔ مگر وہ شرمندہ تھے۔ اور وہ سوار نہ ہوئے۔ اس کے بعد مہما میں پہونچے۔ حضور نے خود ان کے بستر اتارنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مگر خدام نے اتار لیا۔ حضور نے اسی وقت دو نواری پلنگ منگوائے۔ اور ان پر اُن کے بستر کرائے اور ان سے پوچھا کہ آپ کیا کھائینگے۔ اور خود فرمایا، کیونکہ اُس طرف چاول کھائے جاتے ہیں۔ اور رات کو دودھ کے لئے پوچھا۔ غرضیکہ ان کی تمام ضرور اپنے سامنے مہیا فرمائیں۔ اور جب تک کھانا آیا وہیں ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا، کہ ایک شخص ج دُور سے آتا ہے۔ راستہ کی تکالیف اور صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ یہاں پہونچکر سمجھتا ہے کہ اب میں منزا پہونچ گیا اگر یہاں آکر بھی اس کو وہی تکلیف ہو تو یقیناً اس کی دلشکنی ہوگی۔ ہمارے دوستوں کو اس کا خیال

چاہیئے۔ اس کے بعد جب تک وہ مہمان ٹھہرے رہے۔ حضور کا یہ معمول تھا کہ روزانہ ایک گھنٹہ کے قریب ان کے پاس آکر بیٹھتے۔ اور تقریر وغیرہ فرماتے۔ جب وہ واپس ہوئے تو صبح کا وقت تھا۔ حضور نے دو گلاس دودھ کے منگوائے اور انہیں فرمایا یہ پی لیجئے۔ اور نہر تک انہیں چھوڑنے کے لئے ساتھ گئے۔ راستہ میں گھڑی گھڑی ان سے فرماتے رہے کہ آپ تو مسافر ہیں۔ آپ یکے میں سوار ہو لیں۔ مگر وہ سوار نہ ہوئے۔ نہر پر پہنچ کر انہیں سوار کرا کر حضور واپس تشریف لائے ؛

۴۵۔ ایک دفعہ منشی روڑا صاحب، محمد خان صاحب اور خاکسار قادیان سے رخصت ہونے لگے گرمیوں کا موسم تھا اور گرمی بہت سخت تھی۔ اجازت اور مصافحہ کے بعد منشی روڑا صاحب نے کہا۔ کہ حضور گرمی بہت ہے ہمارے لئے دعا فرمائیں کہ پانی ہمارے اوپر اور نیچے ہو۔ حضور نے فرمایا خدا قادر ہے۔ میں نے عرض کی کہ حضور یہ دعا انہیں کے لئے فرمانا۔ میرے لئے نہیں۔ کہ ان کے اُوپر نیچے پانی ہو۔ قادیان سے یکہ میں سوار ہو کر ہم تینوں چلے، تو خاکروبوں کے مکانات سے ذرا آگے نکلے تھے۔ کہ یکدم بادل آکر سخت بارش شروع ہو گئی۔ اس وقت سڑک کے گرد کھائیاں بہت گہری تھیں۔ تھوڑی دور آگے جا کر یکہ اُلٹ گیا منشی روڑا صاحب جن کے بھاری تھے وہ نالی میں گر گئے۔ اور محمد خانصاحب اور میں کود پڑے۔ منشی روڑا صاحب کے اوپر نیچے پانی ہو گیا۔ اور وہ ہنستے جاتے تھے ؛

۴۶۔ ایک دفعہ حضور دہلی سے واپسی پر امرتسر اُترے۔ حضرت ام المومنین بھی ہمراہ تھیں۔ حضور نے ایک صاحبزادے کو جو غالباً میاں بشیر احمد صاحب تھے۔ گود میں لیا۔ اور ایک وزنی بیگ دوسری بغل میں لیا مجھے فرمایا کہ آپ پاندان لے لیں۔ میں نے کہا حضور مجھے یہ بیگ دیدیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ ایک دو دفعہ میرے کہنے پر حضور نے یہی فرمایا۔ تو میں نے پاندان اٹھا لیا۔ اور ہم چل پڑے۔ اتنے میں دو تین جوان عمر انگریز جو سٹیشن پر تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ حضور سے کہوں کہ ذرا کھڑے ہو جائیں۔ چنانچہ میں نے عرض کی کہ حضور یہ چاہتے ہیں کہ حضور ذرا کھڑے ہو جائیں۔ حضور کھڑے ہو گئے۔ اور انہوں نے اسی حالت میں حضور کا فوٹو لے لیا ؛

۴۷۔ مقدمہ کرم دین میں حضرت صاحب کا تار میرے نام آیا۔ کہ آپ شہادت کے لئے گورداسپور پہنچیں۔

مَیں فوراً گورداسپور روانہ ہوگیا۔ کرم دین نے ہر ایک گواہ کے لئے لمبی چوڑی جرح تیار کی ہوئی تھی بخصوصاً پُرانے خدام کے لئے بہت لمبی جرح اس نے تیار کی ہوئی تھی۔ چنانچہ مجھ پر اس نے حسب ذیل سوالات کئے۔

س:۔ قادیان میں کتنے پریس ہیں۔

ج:۔ مَیں کیا جانوں کتنے پریس ہیں۔

س:۔ مرزا صاحب کی کس قدر تصانیف ہیں۔

ج:۔ اسّی کے قریب ہوں گی

س:۔ کتابوں کے کیا کیا نام ہیں۔

ج:۔ مجھے یاد نہیں میں کوئی کتب فروش نہیں ہوں۔

س:۔ کس قدر سنگساز ہیں۔ اور ان کے کیا کیا نام ہیں۔

ج:۔ ایک شخص کرم الٰہی کو مَیں جانتا ہوں۔ اور پتہ نہیں۔

س:۔ کاتب کس قدر ہیں اور ان کے کیا کیا نام ہیں۔

ج:۔ مجھے علم نہیں۔

س:۔ آپ قادیان میں کتنی دفعہ آئے ہیں۔

ج:۔ سینکڑوں دفعہ۔

س۔ تعداد بتائیں۔

ج:۔ مَیں نے گنتی نہیں کی۔

اسی طرح چند اور سوال کئے۔ جن کے جواب میں مَیں لاعلمی ظاہر کرتا رہا۔ آخر مجسٹریٹ نے اسے اس قسم کے سوالات کرنے سے روک دیا۔ اور مَیں کمرہ عدالت سے باہر چلا آیا۔ جس پر اس نے عدالت سے کہا۔ کہ یہ دیگر گواہوں کو باہر جا کر بتا دیگا۔ مگر حاکم نے اس کی یہ بات نہ مانی کہ گواہ معزز آدمی ہے۔ اور مَیں باہر چلا آیا۔ اسی درمیان میں مجسٹریٹ نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ آپ مرزا صاحب کے مُرید ہیں۔ مَیں نے کہا ہاں پھر اس نے پوچھا کہ آپ جان و مال اُن پر فدا کر سکتے ہیں۔ مَیں نے جواب دیا کہ جان و مال کی حفاظت کیلئے

تو ہم نے بیعت کی ہے۔ وہ مجھے سوال میں پھانسنا چاہتا تھا۔ مگر یہ جواب سُنکر رہ گیا۔

گواہوں کے بیانات نوٹ کرنے کے لئے حضرت صاحب مجھے تقریباً ہر مقدمہ میں اندر بلا لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے میری اس خوش قسمتی بوجہ زود نویسی پر رشک کا اظہار فرمایا۔

۴۸۔ چندو لعل مجسٹریٹ آریہ تھا۔ اور اس زمانہ میں ہی وہ کھدر پوش تھا۔ ایک دن دوران مقدمہ میں حضور کا بیان ہوتا تھا۔ اور آدمیوں کی اس دن بہت کثرت تھی۔ اس لئے چندو لعل نے باہر میدان میں کچہری لگائی۔ اور حضرت صاحب کے بیان کے درمیان میں دریافت کیا۔ آپ کو نشان نمائی کا بھی دعویٰ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اور تھوڑی دیر میں آپ نے فرمایا۔ جو نشان آپ چاہیں مَیں اس وقت دکھا سکتا ہوں اور یہ بڑے جوش میں آپ نے فرمایا۔ اس وقت وہ سناٹے میں آگیا۔ اور لوگوں پر اس کا بڑا اثر ہوا۔

۴۹۔ ایک دفعہ چندو لعل نے حضرت صاحب کے الہام اِنِّیْ مُهِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِهَانَتَكَ کے متعلق سوال کیا، کہ یہ خدا نے آپ کو بتایا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اور اس کا مجھ سے وعدہ ہے۔ وہ کہنے لگا جو آپ کی ہتک کرے وہ ذلیل و خوار ہوگا۔ آپ نے فرمایا بے شک۔ اس نے کہا۔ اگر مَیں کروں۔ آپ نے فرمایا چاہے کوئی کرے۔ تو اس نے دو تین دفعہ کہا اگر مَیں کروں۔ آپ یہی فرماتے رہے۔ چاہے کوئی کرے۔ پھر وہ خاموش ہوگیا۔

۵۰۔ ایک مقدمہ کے تعلق سے میں ایک دفعہ گورداسپور میں رہ گیا تھا۔ حضور کا پیغام پہونچا۔ کہ واپسی میں ملکر جائیں۔ چنانچہ مَیں اور شیخ نیاز احمد صاحب ایک دوست۔ اور مفتی فضل الرحمٰن صاحب قادیان کو یکّے میں روانہ ہوئے۔ بارش سخت تھی۔ اس لئے یکّے کو واپس کرنا پڑا۔ اور ہم بھیگتے رات کے دو بجے کے قریب قادیان پہونچے۔ حضور اسی وقت باہر تشریف لے آئے۔ ہمیں چائے پلائی۔ اور بیٹھے باتیں پوچھتے رہے۔ ہماری سفر کی تمام کوفت جاتی رہی۔ پھر حضور تشریف لے گئے۔

۵۱۔ مَیں جب قادیان جاتا۔ تو اس کمرے میں ٹھہرتا جو مسجد مبارک سے ملحق ہے۔ اور جس میں ہو کر حضرت مسجد میں تشریف لاتے تھے۔ ایک مولوی جو ذی علم شخص تھا۔ قادیان آیا۔ بارہ نمبردار اس کے ساتھ تھے۔

وہ مناظرہ وغیرہ نہیں بلکہ حالات کا مشاہدہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ رات کو تنہائی میں میرے پاس اس کمرے میں وہ آیا۔ اور کہا کہ ایک بات مجھے بتائیں۔ اور کہا کہ مرزا صاحب کی عربی تصانیف ایسی کوئی فصیح و بلیغ عبارت نہیں لکھ سکتا۔ ضرور مرزا صاحب کچھ علماء سے مدد لیکر لکھتے ہونگے۔ اور وہ وقت رات کا ہی ہو سکتا ہے۔ تو کیا رات کو کچھ ایسے آدمی آپ کے پاس رہتے ہیں۔ مَیں نے کہا مولوی محمد چراغ اور مولوی معین الدین ضرور آپ کے پاس رات کو رہتے ہیں۔ یہ رات کو ضرور امداد کرتے ہیں۔ حضرت صاحب کو میری یہ آواز پہونچ گئی۔ اور حضور اندر خوب ہنسے۔ اور مجھ تک آپ کی ہنسی کی آواز آئی۔ حضور بہت ہنسے۔ مولوی مذکور اٹھکر چلا گیا۔ اگلے روز جب مسجد میں بعد عصر حسب معمول حضور بیٹھے۔ تو وہ مولوی بھی موجود تھا۔ حضور میری طرف دیکھکر خود بخود ہی ہنس پڑے۔ اور ہنستے ہوئے فرمایا۔ کہ اُن علماء کو انہیں دکھلا تو دو۔ اور پھر ہنسنے لگے ؎ میں نے چراغ اور معین الدین کو بلا کر مولوی صاحب کے سامنے کھڑا کر دیا۔ چراغ ایک باقندہ اَن پڑھ حضرت صاحب کا نوکر تھا۔ اور معین الدین صاحب نابینا تھے۔ جو حضرت صاحب کے پَیر دبایا کرتے تھے۔ وہ شخص ان دونوں کو دیکھکر چلا گیا۔ اور ایک بڑے تھال میں شیرینی لیکر آیا۔ اور اس نے کہا حضور مجھے بیعت فرمالیں۔ اب کوئی شک و شبہ میرے دل میں نہیں۔ اور اس کے بارہ ساتھی بھی ساتھ ہی بیعت ہو گئے۔ حضرت صاحب نے بیعت اور دُعا کے بعد ان مولوی صاحب کو فرمایا۔ کہ یہ مٹھائی منشی صاحب کے آگے رکھ آؤ۔ کیونکہ وہی آپ کی ہدایت کا باعث ہوئے ہیں۔

۵۲۔ اسی کمرے کا واقعہ ہے کہ حافظ معین الدین حضرت صاحب کے پَیر دباتا تھا۔ اور ساتھ ساتھ اپنے پیش آمدہ واقعات سُناتا تھا۔ مثلاً حضور مَیں فلاں جگہ گیا۔ مجھے روٹی نہیں ملی۔ کتے لپٹ گئے۔ مجھے سالن کم ملتا ہے وغیرہ۔ اس قسم کی باتیں وہ کرتا۔ اور حضور اس کی باتیں سُنتے۔ اور وہ روز اس قسم کی باتیں کرتا۔ اور حضور سُن لیتے۔

ایک دن مَیں نے دستک دی۔ کہ حضور مَیں اندر آنا چاہتا ہوں۔ آپ نے کواڑ کھولدیئے۔ مَیں اندر جاکر بیٹھ گیا۔ مَیں نے حافظ معین الدین کو بہت ڈانٹا۔ اور سخت سُست کہا۔ کہ تم یہ کیا واہیات باتیں کیا کرتے ہو۔ کہ فلاں جگہ روٹی نہیں ملی۔ فلاں جگہ سالن کم ملتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ تو جزاک اللہ میں مجھے

؎ مولوی عبدالکریم صاحب کو رات کا واقعہ حضور سناتے تھا تو وہ بھی ہنسنے لگے

اس قدر استغراق ہے کہ اگر میں دنیوی باتیں نہ سنوں تو میرا دماغ پھٹ جائے۔ ایسی باتیں ایک طرح سے مجھے طاقت دیتا ہیں۔ تھوڑی دیر آپ نے ایسی باتیں کیں۔ اور پھر میں چلا آیا کرامات زیادہ ہوگئی تھی؛

۵۳۔ ایک دن مسجد اقصیٰ میں آپ تقریر فرما رہے تھے۔ کہ میرے درد گردہ شروع ہوگیا۔ اور باوجود بہت برداشت کرنیکی کوشش کے میں برداشت نہ کرسکا۔ اور چلا آیا۔ میں اس کوٹھے پر جس میں پیر سراج الحق صاحب مرحوم رہتے تھے ٹھہرا ہوا تھا۔ متصل مکان مفتی فضل الرحمٰن صاحب۔ حضرت صاحب نے تقریر میں سے ہی حضرت مولوی نورالدین صاحب کو بھیجا۔ انہوں نے درد گردہ معلوم کرکے دوا بھیجی۔ مگر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ تکلیف بڑھتی گئی۔ پھر حضور جلدی تقریر ختم کرکے میرے پاس آگئے۔ اور مولوی عبداللہ صاحب سنوری سے جو ساتھ تھے فرمایا۔ کہ آپ پرانے دوست ہیں منشی صاحب کے پاس ہر وقت رہیں۔ اور حضور پھر گھر سے دوا لیکر آئے۔ اور اس طرح تین دفعہ کچھ بعد دیگرے دوا بدل کر خود لائے۔ تیسری دفعہ جب تشریف لائے تو فرمایا کہ زینے پر چڑھنے اُترنے میں دقت ہے۔ آپ میرے پاس ہی آجائیں۔ آپ تشریف لے گئے۔ اور مولوی عبداللہ صاحب سنوری مجھے سہارا دیکر حضرت صاحب کے پاس لے گئے۔ راستہ میں دو دفعہ میں نے دُعا مانگی۔ مولوی صاحب پہچان گئے اور کہنے لگے کہ تم یہ دُعا مانگتے ہوگے کہ مجھے جلدی آرام نہ ہو۔ تاکہ دیر تک حضرت صاحب کے پاس ٹھہرا رہوں۔ میں نے کہا ہاں یہی بات ہے۔ جب میں آپ کے پاس پہونچا تو آپ کھانا کھا رہے تھے۔ دال، مولیاں، سرکہ اس قسم کی چیزیں تھیں۔ جب آپ کھانا کھاچکے تو آپ کا پس خوردہ ہم دونوں نے اٹھا لیا۔ اور باوجودیکہ مجھے مسہل آور دوائیں دی ہوئی تھیں۔ اور ابھی کوئی اسہال نہیں آیا تھا۔ میں نے وہ چیزیں روٹی سے کھالیں۔ اور حضور نے منع نہیں فرمایا۔ چند منٹ کے بعد درد کو آرام آگیا۔ کچھ دیر بعد ظہر کی اذان ہوگئی۔ ہم دونوں مسجد میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنے آگئے۔ فرضوں کا سلام پھیر کر حضور نے میری نبض دیکھکر فرمایا۔ آپ کو تو اب بالکل آرام آگیا میرا بخار بھی اُتر گیا تھا۔ میں نے کہا حضور بخار اندر ہے۔ اس پر آپ ہنسکر فرمانے لگے اچھا آپ اندر ہی آجائیے۔ عصر کے وقت تک میں اندر رہا۔ بعد عصر میں نے خود ساتھ جانے کی جرأت نہ کی۔ میں بالکل تندرست ہوچکا تھا؛

۵۴۔ حضرت صاحب اپنے بیٹھنے کی جگہ کھلے کواڑ کبھی نہ بیٹھتے تھے۔ بلکہ کنڈا لگا کر بیٹھتے تھے۔ حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب تھوڑی دیر بعد آکر کہتے "ابا کنڈا کھول"۔ اور حضور اُٹھکر کھول دیتے۔

مَیں ایک دفعہ حاضر خدمت ہوا۔ حضور بوریئے پر بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر آپ نے پلنگ اٹھایا۔ اندر اٹھا کر لے گئے میں نے کہا حضور مَیں اٹھا لیتا ہوں۔ آپ فرمانے لگے بھاری زیادہ ہے آپ سے نہیں اُٹھے گا۔ اور فرمایا آپ پلنگ پر بیٹھ جائیں۔ مجھے یہاں نیچے آرام معلوم ہوتا ہے۔ پہلے میں نے انکار کیا۔ لیکن آپ نے فرمایا نہیں آپ بلاتکلف بیٹھ جائیں۔ پھر مَیں بیٹھ گیا۔ مجھے پیاس لگی تھی۔ میں نے گھڑوں کی طرف نظر اٹھائی۔ وہاں کوئی پانی پینے کا برتن نہ تھا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا۔ کیا آپ کو پیاس لگ رہی ہے۔ مَیں پانی لاتا ہوں۔ نیچے زنانے سے جا کر آپ گلاس لے آئے۔ پھر فرمایا۔ ذرا ٹھہریئے۔ اور پھر نیچے گئے اور وہاں سے دو بوتلیں شربت کی لے آئے۔ جو منی پور سے کسی نے بھیجی تھیں۔ بہت لذیذ شربت تھا۔ فرمایا کہ ان بوتلوں کو رکھے ہوئے بہت دن ہو گئے۔ کیونکہ ہم نے نیت کی تھی کہ پہلے کسی دوست کو پلا کر پھر خود پئیں گے۔ آج مجھے یاد آگیا۔ چنانچہ آپ نے گلاس میں شربت بنا کر مجھے دیا۔ مَیں نے کہا۔ پہلے حضور اس میں سے تھوڑا سا پی لیں۔ تو پھر میں پیونگا۔ آپ نے ایک گھونٹ پی کر مجھے دیدیا۔ اور مَیں نے پی لیا۔ میں نے شربت کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ایک بوتل آپ لے جائیں۔ اور ایک باہر دوستوں کو پلا دیں۔ آپ نے ان دو بوتلوں سے وہی ایک گھونٹ پیا ہوگا۔ مَیں آپ کے حکم کے مطابق بوتلیں لیکر چلا آیا۔

۵۵۔ ایک دفعہ حضور لیٹے تھے۔ اور سید فضل شاہ صاحب مرحوم حضور کے پیر داب رہے تھے۔ حضرت صاحب کسی قدر سو گئے۔ فضل شاہ صاحب نے اشارہ کر کے مجھے کہا۔ کہ یہاں پر جیب میں کچھ سخت چیز پڑی ہے۔ مَیں نے ہاتھ ڈال کر نکال لی۔ تو حضور کی آنکھ کھل گئی۔ آدھی ٹوٹی ہوئی گھڑے کی ایک چپنی تھی۔ اور دو ایک ٹھیکرے۔ مَیں پھینکنے لگا۔ تو حضور نے فرمایا۔ یہ میاں محمود نے کھیلتے کھیلتے میری جیب میں ڈالدیئے۔ آپ پھینکیں نہیں میری جیب میں ہی ڈالدیں۔ کیونکہ انہوں نے ہمیں امین سمجھ کر اپنے کھیلنے کی چیز رکھی ہے وہ مانگیں گے تو ہم کہاں سے دینگے پھر وہ جیب میں ہی ڈال لیئے۔ یہ واقعہ اگرچہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے حضور کے سوانح میں لکھا ہے۔ مگر میرے سامنے کا یہ واقعہ ہے۔

۵۶۔ ایک دفعہ جاڑے کا موسم تھا۔ اور مولوی عبداللہ صاحب سنوری حضور کے پیر داب رہے تھے حضور کو غنودگی کا عالم طاری ہو گیا۔ اور میں نے دیکھا کہ حضور کی پیشانی پر پسینہ آیا۔ مَیں اس وقت آپ سے لپٹ گیا۔ آپ کی آنکھ کھل گئی تو مسکرانے لگے۔ مَیں نے کہا حضور اس موسم میں پیشانی پر پسینہ دیکھ کر میں نے خیال کیا۔ کہ اس وقت آپ

خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے اسوقت ایک ہیبت ناک الہام ہوا۔ اور یہ عادت ہے کہ جب ایسا الہام ہو تو پسینہ آجاتا ہے۔ وہ الہام بھی حضور نے مجھے بتایا تھا۔ مگر اب مجھے وہ یاد نہیں رہا۔

۵۷۔ میں اور محمد خانصاحب مرحوم قادیان گئے۔ حضرت ام المومنین بہت سخت بیمار تھیں۔ مسجد مبارک کے زینے کے قریب والی کوٹھڑی میں مولوی عبدالکریم صاحب کے پاس ہم تین چار آدمی بیٹھے تھے۔ حضور تشریف لائے اور فرمایا تار برقی کی طرح اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ۔ اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ گھڑی گھڑی الہام ہوتا ہے۔ اور میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ جب کوئی بات جلد وقوع میں آنیوالی ہوتی ہے۔ تو اس کا بار بار تکرار ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر بیٹھکر جب آپ تشریف لے گئے۔ اور پھر واپس آئے اور فرمایا، کہ وہی سلسلہ پھر جاری ہو گیا اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ۔ اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ۔ ان دنوں میر ناصر نواب صاحب کا کنبہ پٹیالہ میں تھا، اگلے دن پٹیالہ سے خط آیا۔ کہ اسحاق کا انتقال ہو گیا ہے اور دوسرے بیمار پڑے ہیں۔ اور والدہ صاحبہ بھی قریب الموت ہیں۔ یہ خط حضرت ام المومنین کی خدمت میں تھا۔ کہ صورت دیکھنی ہو تو جلد آجاؤ۔ حضور وہ خط لیکر ہمارے پاس تشریف لائے۔ مولوی عبدالکریم صاحب، محمد خان صاحب اور خاکسار ہم تینوں بیٹھے تھے۔ جو حضور تشریف لائے فرمانے لگے۔ کہ یہ ایسا خط آیا ہے۔ اور حضرت ام المومنین کے متعلق فرمایا کہ وہ سخت بیمار ہیں۔ اگر ان کو دکھایا جائے تو ان کو سخت صدمہ ہوگا۔ اور نہ دکھائیں تو یہ بھی ٹھیک نہیں۔ ہم نے مشورہ دیا کہ حضور انہیں خط نہ دکھائیں۔ نہ کوئی ذکر ان سے کریں۔ کسی کو وہاں بھیجیں۔ چنانچہ حافظ حامد علی صاحب مرحوم کو اسی وقت روانہ کر دیا گیا۔ اور انہوں نے جاکر خط لکھا۔ کہ سب سے پہلے مجھے اسحاق ملا۔ اور گھر جاکر معلوم ہوا۔ کہ سب خیریت سے ہیں۔ حافظ حامد علی پھر واپس آگئے۔ اور سارا حال بیان کیا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ کا یہ مطلب تھا۔ یہ واقعہ شائع شدہ ہے مگر میرے سامنے کا ہے۔

۵۸۔ ایک شخص شملے میں رہتا تھا۔ اور اس کی بہن احمدی تھی۔ وہ شخص بڑا عیاش تھا۔ اس کی بہن حاملہ تھی اور حالات سے وہ سمجھتی تھی، کہ اس دفعہ میں ایام حمل میں بچنے کی نہیں۔ کیونکہ اسے تکلیف بہت تھی۔ اس نے اپنے بھائی کو مجبور کیا، کہ اُسے قادیان پہونچا دے۔ چنانچہ وہ اُسے قادیان لے آیا۔ اور کچھ دنوں کے بعد جب بچہ پیدا ہونے لگا۔ تو پیروں کی طرف سے تھوڑا سا نکلکر اندر ہی مر گیا۔ یہ حالت دیکھکر حضرت ام المومنین روتی ہوئی

حضرت صاحب کے پاس آئیں، اور فرمایا، کہ عورت مرنیوالی ہے اور یہ حالت ہے۔ آپنے فرمایا۔ ہم ابھی دعا کرتے ہیں۔ اور آپ بیت الدعا میں تشریف لے گئے۔ دو چار ہی منٹ کے بعد وہ بچہ خود بخود اندر کو جانا شروع ہو گیا۔ اور پھر پلٹا کھا کر سر کے راستے باہر نکل آیا۔ اور مرا ہوا تھا۔ وہ عورت بچ گئی، اور اس کا بھائی توبہ کر کے اس وقت احمدی ہو گیا اور بعد میں صوفی صاحب کے نام سے مشہور ہو گیا۔

۵۹۔ قادیان میں آریوں نے ایک اخبار نکالا تھا۔ اور اس میں سلسلہ کے خلاف سخت کلامی اختیار کی پھر حضرت صاحب نے "قادیان کے آریہ اور ہم" کتاب لکھی۔ اور حضور نے فرمایا تھا کہ خدا ایسا نہیں کرسکتا کہ یہ ہمارے ہمسائے میں رہکر بدزبانی کریں اور بچ جائیں۔ پھر آریوں میں طاعون پھوٹی جس کو طاعون ہوتی میں اور شیخ یعقوب علی صاحب اُسے دیکھنے جاتے۔ اور سب آریہ کارکن اخبار مذکور کے مر گئے۔ صرف مالک اخبار بچ رہا۔ پھر اسے بھی طاعون ہوئی۔ میں اور شیخ صاحب اسے دیکھنے جاتے۔ پھر اُسے پلنگ سے نیچے اتار لیا گیا۔ جیسا کہ ہندو مرتے وقت کرتے ہیں۔ مگر پھر وہ ذرا اچھا ہو گیا۔ اور اسے پلنگ پر لٹا دیا گیا۔ اور وہ باتیں کرنے لگ گیا۔ بعض آریہ جو ہمیں جانتے تھے ہم سے کہنے لگے "تمہاری یہ مراد پوری نہیں ہوگی کہ یہ مرے۔ جب میں اور شیخ صاحب اس کے گھر سے واپس آئے۔ تو ہمارے آنے سے پہلے کسی نے حضرت صاحب کی خدمت میں شکایت کر دی۔ کہ یہ دونوں اس طرح آریوں کو مرتے دیکھنے جاتے ہیں۔ حضور بالائی نشست گاہ میں تشریف فرما تھے اور ہمیں وہاں بلوایا کیونکہ ہمیں معلوم ہو گیا تھا کہ کسی نے ہماری شکایت کر دی ہے۔ شیخ صاحب نے مجھے بھیجا۔ جب میں حاضر ہوا۔ تو آپنے فرمایا۔ آپ کیوں وہاں جاتے ہیں؟ اور اسی وقت حضور نے فرمایا۔ کہ مجھے ابھی الہام ہوا ہے۔ جس کے معنی تھے کہ مرگئے خائن۔ اس الہام پر حضور نے فرمایا، کہ اب جا کر دیکھو۔ میں اور شیخ صاحب اسی وقت گئے۔ تو چیخ پکار ہو رہی تھی۔ اور وہ مر چکا تھا۔ ہم وہاں بیٹھے رہے اور پھر چلے آئے۔ رات کو مفتی فضل الرحمن صاحب کی بیٹھک میں اس کے مرنے پر ہم نے ایک قسم کی خوشی کی۔ حضرت صاحب پر یہ بھی کسی نے ظاہر کر دیا۔ صبح کو جب آپ سیر کیلئے تشریف لے گئے۔ تو ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ کہ میرا ایک آدمی مر گیا ہے اور تم خوشی کرتے ہو۔ (مطلب یہ تھا کہ میں تو اس کے اسلام لانے کا خواہاں تھا) اور فرمایا۔ مجھے خوف ہے کہ ہم میں ایسا واقعہ نہ ہو جائے بلکہ اس پر بہت شرمندگی ہوئی۔ راستے میں لاہور سے تار آیا، کہ الٰہی بخش اکونٹنٹ پلیگ سے مر گیا جس نے حضور

کے خلاف ایک کتاب میں اپنے آپ کو موسٰی اور حضرت صاحب کو فرعون اپنے الہام کی رُو سے لکھا تھا۔ میں اس تار کو سُنکر بے اختیار ہنس پڑا۔ حضرت صاحب میری طرف ذرا دیکھنے لگے۔ تو میں نے عرض کی۔ کہ حضور مجھے ہنسی اس لئے آگئی کہ یہ موسٰی اپنے آپ کو کہتا تھا۔ اور موسٰی صاحب پہلے ہی پلیگ سے چلدیئے۔ آپ نے فرمایا اس کی کتاب میں سے تمام وہ الہامات جو اس کو ہمارے خلاف ہوئے ہیں۔ مجھے نکالدو۔ چنانچہ میں نے وہ نوٹ کرکے دیئے ؂

۷- اسی حالت میں ایک طالب علم محمد حیات نامی کو پلیگ ہوگیا۔ اس کو فوراً باغ میں بھیجکر علیٰحدہ کردیا گیا۔ اور حضور نے حضرت مولوی نورالدین صاحب کو بھیجا۔ کہ اس کو جا کر دیکھو۔ اسے چھ گلٹیاں نکلی ہوئی تھیں اور بخار بہت سخت تھا اور پیشاب کے راستے خون آتا تھا۔ حضرت مولوی صاحب نے ظاہر کیا۔ کہ رات رات میں اس کا مرجانا اغلب ہے۔ اس کے بعد ہم چند احباب حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے محمد حیات کی تکلیف اور مولوی صاحب کی رائے کا اظہار کرکے دُعا کے لئے عرض کی۔ حضرت صاحب نے فرمایا میں دُعا کرتا ہوں۔ اور ہم سب روتے تھے۔ میں نے روتے روتے عرض کی۔ کہ حضور دُعا کا وقت نہیں رہا سفارش فرمائیں۔ میری طرف مڑ کر دیکھکر فرمایا۔ بہت اچھا۔ مسجد کی چھت پر میں منشی روڑا صاحب اور محمد خانصاحب روتے تھے۔ دو بجے رات کے حضرت صاحب اوپر تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ حیات خان کا کیا حال ہے۔ ہم میں سے کسی نے کہا کہ شاید مرگیا ہو۔ فرمایا کہ جا کر دیکھو۔ اسی وقت ہم تینوں یا اور کوئی بھی ساتھ تھا باغ میں گئے تو حیات خان قرآن شریف پڑھتا اور ٹہلتا پھرتا تھا۔ اور اس نے کہا میرے پاس آجاؤ میرے گلٹی اور بخار نہیں رہا۔ میں اچھا ہوں چنانچہ ہم اس کے پاس گئے۔ تو کوئی شکایت اس کو باقی نہ تھی۔ ہم نے آکر عرض کی کہ حضور اس کو تو بالکل آرام ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ساتھ کیوں نہیں لیتے آئے۔ پھر یاد نہیں وہ کس وقت آیا۔ غالباً صبح کو آگیا۔ چونکہ اس کے باپ کو تار دیا گیا تھا۔ اور ہم تینوں یہ عظیم الشان معجزہ دیکھکر اجازت لیکر قادیان سے روانہ ہوگئے۔ نہر پر اس کا باپ ملا۔ جو یکہ دوڑا ئے آرہا تھا۔ اس نے ہمیں دیکھکر پوچھا۔ کہ حیات کا کیا حال ہے۔ ہم نے یہ سارا قصہ سُنایا۔ وہ یہ سُنکر گر پڑا دیر میں اُسے ہوش آیا۔ اور پھر وہ وضو کرکے نوافل پڑھنے لگ گیا۔ اور ہم چلے آئے ؂

۱۶۱۔ کلکتہ کا ایک برہمن مجسٹریٹ خدا تعالیٰ کی ہستی کا قائل نہ تھا۔ وہ قادیان آیا۔ اور حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ میں خدا کا قائل نہیں ہوں اور سُنی سنائی باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ کیا آپ مجھے خدا دکھا دینگے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کچھ عرصہ آپ ہمارے پاس ٹھہر ینگے تو ہم آپ کو دکھا دینگے۔ اور یہ دریافت فرمایا کہ آپ کچھ عرصہ ٹھہر سکتے ہیں۔ اس نے کہا میں چھ ماہ کی رخصت پر ہوں۔ اور میں سارا عرصہ ٹھہر سکتا ہوں بشرطیکہ آپ خدا مجھے دکھا دیں۔ حضور نے فرمایا کہ آپ لندن گئے ہیں۔ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا لندن کوئی شہر ہے۔ اس نے کہا، ہے۔ سب جانتے ہیں۔ فرمایا آپ لاہور تشریف لے گئے ہیں۔ اس نے کہا میں لاہور ہیں بھی نہیں گیا۔ فرمایا۔ قادیان آپ کبھی پہلے بھی تشریف لائے تھے۔ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ قادیان کوئی جگہ ہے اور وہاں پر کوئی ایسا شخص ہے جو تسلی کر سکتا ہے۔ اس نے کہا سُنا تھا۔ آپ نے ہنسکر فرمایا۔ آپ کا سارا دارو مدار سماعت پر ہی ہے اور اس پر پورا یقین رکھتے ہو۔ پھر آپ نے ہستی باری پر تقریر فرمائی۔ اور سامعین پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ اور اس شخص کی دماغی حالت کی یہ کیفیت تھی۔ کہ وہ اقلیدس کی شکلوں کا ذکر کرنے لگا۔ اور حضرت مولوی صاحب نے اسے دوا منگوا کر دی۔ جب اس کی حالت درست ہوئی۔ تو وہ حضرت صاحب کے پیروں کو ہاتھ لگا کر مسجد سے نیچے اُتر آیا۔ اور حضرت مولوی صاحب اس کے ساتھ ہی اُتر آئے۔ اس نے یکہ منگایا اور سوار ہو گیا۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ ایسی جلدی کیوں جاتے ہیں۔ اس نے کہا میں مسلمان ہونے کی تیاری کر کے نہیں آیا تھا۔ اور مجھے پورا یقین ہے کہ اگر رات کو میں یہاں رہا۔ تو صبح ہی مجھے مسلمان ہونا پڑیگا۔ مجھے خدا پر ایسا یقین آگیا ہے کہ گویا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ میرے بیوی اور بچے ہیں۔ ان سے مشورہ کر لوں۔ اگر وہ متفق ہوئے تو پھر آؤنگا پھر وہ چلا گیا۔

۶۲۔ ایک شخص یہودی تھا، وہ مسلمان ہو کر حضور کی بیعت میں داخل ہو گیا تھا۔ ایک دن میں حضور کی محفل میں بیٹھا تھا۔ کسی دوست نے حضور سے اس کے متعلق پوچھا۔ آپ کی تعریف۔ تو حضور نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ یہ یہودی ہیں۔ بلکہ یہ فرمایا کہ آپ بنی اسرائیل صاحبان میں سے ہیں۔"

۴۳۔ حضور ایک دن سیر کو تشریف لے جا رہے تھے۔ اور میرے پاس ڈبیا میں پان تھے چلتے چلتے مَیں نے ایک پان نکال کر کھایا۔ آپ نے فرمایا۔ ہمیں بھی دو۔ مَیں نے ایک پان پیش کر دیا۔ بغیر اس خیال کے کہ پان میں زردہ تھا مَیں نے دیدیا۔ اور آپ نے کھالیا۔ کھاتے ہی چکر آیا ہوگا۔ کیونکہ حافظ حامد علی سے حضور نے فرمایا کہ ذرا پانی کا لوٹا لیکر ہمارے ساتھ چلو۔ وہاں قریب کے کنوئیں سے پانی لیا گیا۔ اور آپ دُور تشریف لے گئے حافظ صاحب کے ساتھ۔ کیونکہ آپ کی عادت شریفہ تھی۔ کہ راستے میں اگر پیشاب کرنے کی حاجت ہو جاتی تو اتنی دور چلے جاتے تھے، جتنا کہ قضائے حاجت کے لئے جاتے ہیں۔ اس لئے مَیں نے سمجھا کہ پیشاب کرنے تشریف لے گئے ہیں۔ وہاں جاکر آپ کو استفراغ ہُوا۔ اور پانی سے مُنہ صاف کر کے تشریف لے آئے مجھے جب خیال آیا کہ پان میں زردہ تھا تو مَیں سخت نادم تھا۔ آپ نے مجھے دیکھکر ہنستے ہوئے فرمایا "منشی صاحب آپکے پان نے تو دوا کا کام کیا۔ مجھے کچھ گرانی سی تھی بالکل رفع ہوگئی"۔

۴۴۔ ایک دفعہ مولوی محمد احسن صاحب امروہی، مولوی عبدالرحیم صاحب میرٹھی چند اور احباب اور خاکسار حضور کے پاس بیٹھے تھے۔ حضور نے ایک اُردو عبارت سنا کر فرمایا۔ کہ اس مضمون کی مجھے یاد ہے کہ ترمذی میں ایک حدیث ہے اور ترمذی شریف جو عربی میں تھی، منگوا کر مولوی محمد احسن صاحب کو دی، کہ اس میں سے نکالیں مولوی صاحب موصوف علم حدیث میں بہت کامل سمجھے جاتے تھے انہوں نے بہت دیر تک دیکھکر فرمایا کہ حضور اس میں تو یہ حدیث نہیں ہے آپ نے فرمایا۔ مولوی عبدالرحیم صاحب کو کتاب دیدو۔ ان کو بھی وہ حدیث نہ ملی۔ پھر آپ نے فرمایا منشی صاحب کو یعنی خاکسار کو دیدو۔ مَیں نے کتاب کھولکر دو تین ورق ہی اُلٹے تھے کہ وہ حدیث نکل آئی۔ اور مَیں نے حضور کی خدمت میں پیش کر دی، کہ حدیث تو یہ موجود ہے۔ آپ اسے پڑھتے رہے اور مولوی محمد احسن صاحب حیران ہوکر مجھے کہنے لگے کہ آپ بڑے فقیہہ ہیں۔ مَیں نے کہا میری فقاہت اس میں کیا ہے یہ حضور کا تصرّف ہے مجھے تو اچھی طرح عربی بھی نہیں آتی۔

۴۵۔ بعض دفعہ آپ سیر کو تشریف لے جاتے، تو کنوئیں سے پانی کا ڈول نکلوا کر ڈول کو مُنہ لگا کر ہی پانی پی لیتے اور لوگ منتظر رہتے کہ آپ کا چھوڑا ہُوا پانی پئیں۔ مگر حضور عمومًا وہ ڈول مجھے عطا فرماتے۔ بعض دفعہ کسی اور کو بھی دے دیتے۔

۶۶ - ایک شخص محمد سعید صاحب عرب تھے اور وہ داڑھی منڈوایا کرتے تھے جب وہ قادیان میں زیادہ عرصہ رہے تو لوگوں نے انہیں داڑھی رکھنے کے لئے مجبور کیا۔ آخر انہوں نے داڑھی رکھ لی۔ ایک دفعہ میرے سامنے عرب صاحب نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ حضور میری داڑھی دیکھیں ٹھیک ہے آپ نے فرمایا۔ اچھی ہے۔ اور پہلے کیسی تھی۔ گویا آپ کو یہ خیال ہی نہ تھا کہ پہلے یہ داڑھی منڈوایا کرتے تھے۔

۶۷ - اس وقت ایک شخص نے عرض کی کہ حضور داڑھی کتنی لمبی رکھنی چاہیئے۔ فرمایا میں داڑھیوں کی اصلاح کے لئے نہیں آیا۔ سب چپ ہو گئے۔

۶۸ - حضرت صاحب مسجد مبارک میں ایک دن ریا پر تقریر فرما رہے تھے کہ ریا شرک ہے۔ تھوڑی سی دیر میں ایک دوست نے پوچھا کہ حضور کو بھی کبھی ایسا خیال آیا ہے۔ فرمایا کہ ریا ہم جنس سے ہوا کرتی ہے۔

۶۹ - جب میں قادیان میں ہوتا، تو حضور کی ڈاک میرے سپرد ہوتی۔ میں ڈاک سنایا کرتا تھا۔ ایک خط پر لکھا ہوا تھا۔ کہ کوئی دوسرا نہ کھولے۔ باقی خطوط تو میں نے سنائے۔ لیکن وہ خط حضور کے پیش کر دیا۔ آپ نے فرمایا کھول کر سنائیں۔ دوسرے کے لئے ممانعت ہے۔ "ہم اور آپ کوئی دو ہیں"۔ میں نے وہ خط پڑھ کر سنا دیا۔ نویسندہ نے اپنے گناہوں کا ذکر کر کے دعا کی درخواست کی تھی۔ اور بڑی عاجزی اور انکساری سے خط لکھا تھا۔ اسکی تحریر سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ ایک آگ میں پڑا ہوا ہے اور حضور اُسے جلدی کھینچ کر نکالیں۔ آپ نے فرمایا یہ خط مجھے دیدیں۔ میں خود اس کا جواب لکھونگا جس طرح وانشگاف حال اس نے لکھا ہے مجھے اس کی خوشی ہوئی۔ ایسے لوگ کم دیکھے گئے ہیں۔

۷۰ - حضرت ام المومنین نے مجھے ارشاد فرمایا کہ میرے لئے ایک ٹیک اور عمدہ دیسی جوتا بنوا کر لائیں۔ میں پیر کا ماپ بھی لایا۔ اور پھگواڑہ کے ایک معروف موچی سے جوتا بنوا کر لے گیا۔ حضرت ام المومنین کے پیر میں وہ ڈھیلا آیا۔ حضور اندر سے خود پہنکر باہر تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ ان کے پیر میں تو ڈھیلا ہے مگر ہم پہنا کرینگے۔ میں نے پھر دوبارہ اور جوتا بنوا کر بھی بھیجا۔

۷۱ - ایک دفعہ لدھیانہ میں آپ سیر کو تشریف لے جا رہے تھے۔ پیر میں جو جوتا تھا اس کو پیوند لگے ہوئے تھے اور بدزیب معلوم ہوتا تھا۔ میں آپ کی ہمراہی سے ہٹ کر ایک دکان پر گیا۔ اور آپ کے پیر کا بہت نیک جوتا خرید کر لے آیا۔ آپ مجھے سیر سے واپسی پر ملے۔ میں جوتا لئے ساتھ چلا آیا۔ اور مکان پر آ کر پیش کیا۔ کہ حضور وہ جوتا تو برا لگتا

ہے۔ آپ نے جزاکم اللہ فرما کر نیا جوتا رکھ لیا۔ اور پہنکر بھی دیکھا تو بہت ٹھیک تھا۔ اگلے دن جب حضور سیر کو تشریف لے گئے تو وہی پرانا جوتا گھسا ہوا پہنے ہوئے تھے میں نے عرض کی۔ کہ حضور نے تو پھر وہی جوتا پہن لیا۔ آپ نے فرمایا اس میں مجھے آرام معلوم ہوتا ہے اور اس کو پَیر سے موافقت ہو گئی ہے ؛

۷۲۔ میں ایک دفعہ بوٹ پہنے حضور کے ساتھ تھا۔ میرا بوٹ ذرا تنگ تھا۔ اس لئے میں تکلیف سے چلتا تھا۔ کیونکہ حضور بہت تیز چلتے تھے۔ آپ نے مجھے دیکھکر اپنے پرانے جوتے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ ہم تو ایسا پہنتے ہیں۔ یعنی آپ کیوں تکلیف اُٹھاتے ہیں ؛

۷۳۔ ایک دفعہ لدھیانہ میں ہیضہ بہت پھیلا ہوا تھا۔ اور منادی ہو رہی تھی۔ چراغ خادم نے آکر کہا کہ پوریاں اور حلوا خوب کھایا جائے اس سے ہیضہ نہیں ہوگا۔ اس نے زنانے میں آکر یہ ذکر کیا تھا۔ دراصل اس نے مذاق کیا تھا۔ حضرت صاحب پانچ چھ روپے لیکر باہر تشریف لائے اور مولوی عبدالکریم صاحب سے فرمایا کہ دوستوں کو کھلایا جائے۔ کیونکہ چراغ کہتا ہے کہ ایسی منادی ہو رہی ہے۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ چراغ تو شریر ہے۔ یہ چیز تو ہیضہ کیلئے مضر ہے۔ چراغ نے تو ویسے ہی کہدیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے یہ سمجھا تھا کہ اسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ شاید کوئی نئی تحقیق ہوئی ہو۔ آپ پھر گھر میں تشریف لے گئے۔ میں نے بعد میں چراغ کو ڈانٹا۔ کہ تم نے یہ کیا بات کی تھی۔ اس نے کہا مجھے کیا معلوم تھا، کہ حضرت جی اندر بیٹھے ہیں ؛

۷۴۔ ایک دفعہ مولوی محمد احسن صاحب امروہی اپنے ایک رشتہ دار کو امروہے سے قادیان ہمراہ لائے وہ شخص فربہ اندام پچاس ساٹھ سال کی عمر کا ہوگا اور کانوں سے اس قدر بہرہ تھا کہ ایک ربڑ کی نلکی کانوں میں لگایا کرتا تھا۔ اور زور سے بولتے تو وہ قدرے سُنتا۔ حضرت صاحب ایک دن تقریر فرما رہے تھے اور وہ بھی بیٹھا تھا اس نے عرض کی کہ حضور مجھے بالکل سنائی نہیں دیتا۔ میرے لئے دُعا فرمائیں۔ کہ مجھے آپ کی تقریر سنائی دینے لگے۔ آپ نے دورانِ تقریر میں اس کی طرف رُوئے مبارک کرکے فرمایا۔ کہ خدا قادر ہے۔ اسی وقت اس کی سماعت کُھل گئی۔ اور وہ کہنے لگا کہ حضور مجھے ساری تقریر آپ کی سُنائی دیتی ہے۔ اور وہ شخص نہایت خوش ہُوا۔ اور نلکی ہٹادی۔ اور پھر وہ سننے لگ گیا ؛

۷۵۔ ایک دفعہ حضرت صاحب کو خارش ہو گئی اور انگلیوں کی گھائیوں میں پھنسیاں تھیں۔ اور تر تھیں۔

دس گیارہ بجے دن کے مَیں نے دیکھا تو آپ کو بہت تکلیف تھی۔ مَیں تھوڑی کا دیر بیٹھکر چلا آیا۔ عصر کے بعد جب مَیں پھر گیا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ مَیں نے عرض کی کہ خلاف معمول آج حضور کیوں چشم پُرنم ہیں آپ نے فرمایا۔ کہ میرے دل میں ایک خیال آیا۔ کہ اے اللہ اس قدر عظیم الشان کام میرے سپرد ہے اور میری صحت کا یہ حال ہے۔ اس پر مجھے پُرہیبت الہام ہوا۔ کہ تیری صحت کا ہم نے ٹھیکہ لیا ہُوا ہے۔ فرمایا کہ اس الہام نے میرے وجود کا ذرہ ذرہ ہلا دیا۔ اور مَیں نہایت گریہ وزاری کے ساتھ سجدہ میں گر گیا۔ خدا جانے کس قدر عرصہ مجھے سجدہ میں لگا۔ جب مَیں نے سر اٹھایا تو خارش بالکل نہ رہی تھی۔ اور مجھے اپنے دونوں ہاتھ حضور نے دکھائے۔ کہ دیکھو کہیں پھنسی ہے۔ مَیں نے دیکھا تو ہاتھ بالکل صاف تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی پھنسی بالکل نکلی ہی نہیں ۔

۷۶ ۔ ایک دفعہ جلسہ سالانہ پر بہت سے آدمی آئے تھے۔ جن کے پاس کوئی پارچہ سرمائی نہ تھا۔ ایک شخص نبی بخش نمبردار ساکن بٹالہ نے اندر سے لحاف بچھونے منگانے شروع کئے اور مہمانوں کو دیتا رہا۔ عشا کے بعد مَیں حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ تو آپ بغلوں میں ہاتھ دیئے بیٹھے تھے۔ اور ایک صاحبزادہ جو غالباً حضرت خلیفۃ المسیح الثانی تھے، پاس لیٹے تھے اور ایک شتری چوغہ انہیں اُوڑھا رکھا تھا۔ معلوم ہُوا کہ آپ نے بھی اپنا لحاف بچھونا طلب کرنے پر مہمانوں کے لئے بھیج دیا۔ مَیں نے عرض کی کہ حضور کے پاس کوئی پارچہ نہیں رہا۔ اور سردی بہت ہے۔ فرمانے لگے کہ مہمانوں کو تکلیف نہیں ہونی چاہیئے۔ اور ہمارا کیا ہے رات گذر جائیگی نیچے آکر مَیں نے نبی بخش نمبردار کو بہت بُرا بھلا کہا۔ کہ تم حضرت صاحب کا لحاف بچھونا بھی لے آئے۔ وہ شرمندہ ہُوا اور کہنے لگا کہ جس کو دے چکا ہوں اس سے کس طرح واپس لوں۔ پھر مَیں مفتی فضل الرحمٰن صاحب یا کسی اور سے ٹھیک یاد نہیں رہا، لحاف بچھونا مانگ کر اُوپر لے گیا۔ آپ نے فرمایا کسی اور مہمان کو دیدو۔ مجھے تو اکثر نیند بھی نہیں آیا کرتی۔ اور میرے اصرار پر بھی آپ نے نہ لیا۔ اور فرمایا کسی مہمان کو دیدو۔ پھر مَیں لے آیا۔

۷۷ ۔ چوہدری رستم علی خانصاحب مرحوم انسپکٹر ریلوے تھے۔ ایک سو پچاس روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے بڑے مخلص اور ہماری جماعت میں قابلِ ذکر آدمی تھے۔ وہ بیس روپیہ ماہوار اپنے پاس رکھکر باقی کل تنخواہ حضرت صاحب کو بھیجدیتے تھے۔ ہمیشہ ان کا یہ قاعدہ تھا۔ ان کا محض ایک لڑکا تھا۔ وہ بیمار ہُوا تو وہ اُسے قادیان لے آئے معہ اپنی اہلیہ کے۔ حضرت صاحب کے مکان میں قیام پذیر ہوئے۔ حضرت اقدسؑ نے ایک دن فرمایا۔ کہ

رات کو مَیں نے رویا دیکھا کہ میرے خدا کو کوئی گالیاں دیتا ہے۔ مجھے اس کا بڑا صدمہ ہوا۔ جب آپ نے رویا ذکر فرمایا۔ تو اس سے اگلے روز چودھری صاحب کا لڑکا فوت ہوگیا۔ کیونکہ ایک ہی لڑکا تھا۔ اس کی والدہ نے بہت جزع فزع کی۔ اور اس حالت میں اس کے مُنہ سے نکلا۔ اے ظالم تو نے مجھ پر بڑا ظلم کیا۔ ایسے الفاظ وہ کہتی رہی۔ جو حضرت صاحب نے سُن لئے۔ اسی وقت آپ باہر تشریف لے آئے۔ اور آپ کو بڑا رنج معلوم ہوتا تھا۔ اور بڑے جوش سے آپ نے فرمایا۔ کہ اسی وقت وہ مُردار عورت میرے گھر سے نکل جائے۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کی والدہ جو بڑی دانشمند اور فہمیدہ تھیں۔ انہوں نے چودھری صاحب کی بیوی کو سمجھایا۔ اور کہا کہ حضرت صاحب سخت ناراض ہیں۔ اُس نے توبہ کی۔ اور معافی مانگی۔ اور کہا کہ اب مَیں رونے کی بھی نہیں۔ میر صاحب کی والدہ نے حضرت صاحب سے آکر ذکر کیا۔ کہ اب معافی دیں۔ وہ توبہ کرتی ہے۔ اور اس نے رونا بھی بند کردیا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ اچھا اُسے رہنے دو۔ اور تجہیز و تکفین کا انتظام کرو۔

۸۷۔ صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کا جب انتقال ہوا ہے تو آپ باہر تشریف لائے۔ مَیں موجود تھا۔ فرمایا کہ لڑکے کی حالت نازک تھی۔ اس کی والدہ نے مجھ سے کہا کہ آپ ذرا اس کے پاس بیٹھ جائیں۔ مَیں نے نماز نہیں پڑھی۔ مَیں نماز پڑھ لوں۔ فرمایا کہ وہ نماز میں مشغول تھیں کہ لڑکے کا انتقال ہوگیا۔ مَیں ان خیالات میں پڑ گیا۔ کہ جب اس کی والدہ لڑکے کے فوت ہونے کی خبر سنے گی تو بڑا صدمہ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے سلام پھیرتے ہی مجھ سے پوچھا کہ لڑکے کا کیا حال ہے۔ مَیں نے کہا کہ لڑکا تو فوت ہوگیا۔ انہوں نے بڑے انشراح صدر سے کہا۔ کہ الحمدللہ۔ مَیں تیری رضا پر راضی ہوں۔ ان کے ایسا کہنے سے میرا غم خوشی سے بدل گیا۔ اور مَیں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تیری اولاد پر بڑے بڑے فضل کریگا۔ باہر جب آپ تشریف لائے ہیں تو اس وقت آپ کا چہرہ بشاش تھا۔ کئی دفعہ مَیں نے حضرت صاحب کو دیکھا ہے کہ کسی کی بیماری کی حالت میں بہت گھبراتے تھے۔ اور مریض کو گھڑی گھڑی دیکھتے اور دوائیں بدلتے رہتے تھے۔ مگر جب وہ مریض فوت ہوجاتا۔ تو پھر گویا حضور کو خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ میاں مبارک احمد صاحب کی بیماری میں بہت گھبراہٹ حضور کو تھی۔ اور گھڑی گھڑی باہر آتے۔ پھر دوا دیتے۔ لیکن اس کی وفات پر حضرت ام المؤمنین کے صدر رہ کے صبر کا ذکر کرکے حضور بڑی دیر تک تقریر فرماتے رہے فرمایا کہ قرآن شریف میں ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ جب صابروں کے

ساتھ اللہ کی معیت ہے تو اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے۔ لڑکے کا فوت ہونا اور حضور کا تقریر کرنا ایک عجیب رنگ رکھتا تھا۔

۷۹ - منشی علی گوہر صاحب کپورتھلہ میں ڈاکخانہ میں ملازم تھے۔ اڑھائی روپیہ ان کی پنشن ہوئی۔ گزارہ ان کا بہت تنگ تھا۔ وہ جالندھر اپنے مکان پر چلے گئے۔ انہوں نے مجھے خط لکھا کہ جب تم قادیان جاؤ تو مجھے ساتھ لیتے جانا۔ وہ بڑے مخلص آدمی تھے۔ چنانچہ میں جب قادیان جانے لگا۔ تو ان کو ساتھ لینے کے لئے جالندھر چلا گیا وہ بہت متواضع آدمی تھے۔ میرے لئے انہوں نے پر تکلف کھانا پکوایا۔ اور مجھے یہ پتہ لگا کہ انہوں نے کوئی برتن وغیرہ بیچکر دعوت کا سامان کیا ہے۔ میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ہم حج کو جاتے ہیں اور جہاز راستے سے اُتر گیا۔ اگلے دن گاڑی میں سوار ہو کر جب ہم دونوں چلے ہیں۔ تو مانانوالہ سٹیشن پر گاڑی کا پہیہ پٹڑی سے اُتر گیا۔ گاڑی اسی وقت کھڑی ہو گئی۔ دیر تک پہیہ سڑک پر چڑھایا گیا۔ کئی گھنٹے لگے۔ پھر ہم قادیان پہونچ گئے۔ میں نے منشی علی گوہر صاحب کا ٹکٹ خود ہی خرید لیا تھا۔ وہ اپنا کرایہ دینے پر اصرار کرنے لگے تو کہا یہ آپ حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کر دیں۔ چنانچہ دو روپے انہوں نے حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ آٹھ دس دن رہ کر جب ہم واپسی کے لئے اجازت لینے گئے۔ تو حضور نے اجازت فرمائی اور منشی صاحب کو کہا ذرا آپ ٹھہریئے۔ پھر آپ نے دس یا پندرہ روپے منشی صاحب کو لا کر دیئے۔ منشی صاحب رونے لگے اور عرض کہ حضور مجھے خدمت کرنی چاہیئے۔ یا میں حضور سے لوں۔ حضرت صاحب نے مجھے ارشاد فرمایا کہ یہ آپ کے دوست ہیں آپ انہیں سمجھائیں۔ پھر میرے سمجھانے پر کہ ان میں برکت ہے انہوں نے لے لئے۔ اور ہم چلے آئے۔ حالانکہ حضرت صاحب کو منشی صاحب کی حالت کا بالکل علم نہ تھا۔

۸۰ - ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر خرچ نہ رہا۔ ان دنوں جلسہ سالانہ کے لئے چندہ ہو کر نہیں جاتا تھا۔ حضور اپنے پاس سے ہی صَرف فرماتے تھے۔ میر ناصر نواب صاحب مرحوم نے آکر عرض کی کہ رات کو مہمانوں کے لئے کوئی سالن نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ بیوی صاحب سے کوئی زیور لیکر جو کفایت کر سکے۔ فروخت کر کے سامان کر لیں۔ چنانچہ زیور فروخت یا رہن کر کے میر صاحب روپیہ لے آئے۔ اور مہمانوں کے سامان بہم پہونچا دیا۔ دو دن کے بعد پھر میر صاحب نے رات کے وقت میری موجودگی میں کہا کہ کل کیلئے پھر کچھ

فرمایا کہ ہم نے برعایت ظاہری اسباب کے انتظام کر دیا تھا۔ اب ہمیں ضرورت نہیں جسکے مہمان ہیں وہ خود کریگا۔ اگلے دن آٹھ یا نو بجے جب چٹھی رسان آیا تو حضور نے میر صاحب کو اور مجھے بلایا۔ چٹھی رسان کے ہاتھ میں دس پندرہ کے قریب منی آرڈر ہونگے جو مختلف جگہوں سے آئے ہوئے تھے۔ سو سو، پچاس پچاس روپے کے اور ان پر لکھا تھا۔ کہ ہم حاضری سے معذور ہیں۔ مہمانوں کے صرف کیلئے یہ روپے بھیجے جاتے ہیں۔ آپ نے وصول فرما کر توکل پر تقریر فرمائی۔ اور بھی چند آدمی تھے۔ جہاں آپ کی نشست تھی وہاں کا یہ ذکر ہے۔ فرمایا کہ جیسا ایک دنیادار کو اپنے صندوق میں رکھے ہوئے روپوں پر بھروسا ہوتا ہے کہ جب چاہونگا نکال لونگا۔ اس سے زیادہ ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ پر پورا توکل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر یقین ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب ضرورت ہوتی ہے فوراً خدا تعالیٰ بھیجدیتا ہے ⁂

۸۱ - آپ کی عادت تھی کہ مہمانوں کے لئے دوستوں سے پوچھ پوچھ کر عمدہ سے عمدہ کھانے پکواتے تھے۔ کہ کوئی عمدہ کھانا بتاؤ جو دوستوں کے لئے پکوایا جائے۔ حکیم حسام الدین صاحب سیالکوٹی میر حامد شاہ صاحب مرحوم کے والد تھے ضعیف العمر آدمی تھے انکو بلایا اور فرمایا کہ میر صاحب کوئی عمدہ کھانا تبلا یئے۔ جو مہمانوں کیلئے پکوایا جائے۔ انہوں نے کہا میں شب دیگ بہت عمدہ پکوانی جانتا ہوں۔ آپنے فرمایا بہت اچھا۔ اور ایک مٹھی روپوں کی نکال کر ان کے آگے رکھدی انہوں نے بقدر ضرورت روپے اٹھا لئے۔ اور آکر انہوں نے بہت سے شلجم منگوائے اور چالیس پچاس کے قریب کھونٹیاں لکڑی کی بنوائیں۔ شلجم چھلوا کر کھونٹیوں سے کوچے لگوانے شروع کئے اور ان میں مصالحہ اور زعفران وغیرہ ایسی چیزیں بھروائیں پھر وہ دیگ پکوائی۔ جو واقعہ میں بہت لذیذ تھی۔ اور حضرت صاحب نے بھی بہت تعریف فرمائی اور مہمانوں کو کھلائی گئی ⁂

۸۲ - ایک دفعہ ایک انسپکٹر جنرل پولیس کا ایک باورچی قادیان میں آیا۔ بوڑھا آدمی تھا اور بیعت میں داخل تھا اس نے آپسے فرمایا۔ کہ آپ ایک بڑے آدمی کا کھانا پکاتے رہے ہیں۔ کوئی بہت عمدہ چیز دوستوں کیلئے پکائیں انہوں نے کہا پہلے حضور نمونہ ملاحظہ فرمالیں۔ پھر اس نے بکرے کی ران اور گھی منگا کر روسٹ کیا (یعنی بھونا) مگر وہ گوشت بالکل نہ گلا حضرت صاحب کی خدمت میں جا کر پیش کیا۔ میں اور مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم بیٹھے ہوئے تھے وہ گوشت چاقو سے بمشکل کٹتا تھا۔ بڑی مشکل سے تھوڑا سا ٹکڑہ کاٹ کر اس نے حضرت صاحب کو دیا۔ آپنے منہ میں ڈال لیا۔ اور چبانے کی کوشش فرماتے رہے مگر وہ چبایا نہ جا سکا۔ مگر اس باورچی کی تعریف فرمائی کہ آپنے بہت عمدہ پکایا ہے

کہا کہ یہ نہ تو کاٹا جاتا ہے نہ چبایا جاتا ہے۔ گھی بھی ضائع کر دیا۔ فرمانے لگے منشی صاحب آپ کو علم نہیں۔ انگریز ایسا ہی کھاتے ہیں اور ران کے نقطۂ نظر سے بہت اعلیٰ درجہ کا پکا ہوا ہے۔ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم ہنسنے لگے۔ اور انہوں نے بھی کہا کہ یہ ٹھیک نہیں پکایا۔ فرمانے لگے نہیں نہیں آپ نہیں جانتے۔ پھر اس باورچی سے فرمایا کہ آپ کوئی اور چیز مہمانوں کے لئے تیار کریں۔ باورچی موجود ہیں ان کو آپ بتلاتے جائیں۔ اس نے تو شرم کے مارے کوئی چیز تیار نہ کروائی۔ اور کوئی اَور صاحب تھے جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ انہوں نے بریانی مہمانوں کے لئے پکوائی اور ہم نے بہت محظوظ ہو کر کھائی۔ حضرت صاحب کی خدمت میں بھی پہنچائی گئی۔ آپ نے مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور مجھے بلوایا اور فرمایا کہ دیکھو کیسی عمدہ پکوائی ہے وہ انگریزی قسم کا کھانا تھا جس سے آپ واقف نہ تھے یہ دیسی قسم کا کھانا کیسا عمدہ ہے۔ حضرت صاحب نے یہی سمجھا کہ اسی باورچی نے پکوائی ہے پھر ہم دونوں نے ظاہر نہیں کیا کہ اس نے نہیں پکوائی۔ غرض کوئی ناقص شے بھی آپ کی خدمت میں کوئی پیش کرتا تو آپ اس کی تعریف فرماتے۔

۸۳ - ایک دفعہ آپ مسجد اقصیٰ سے ظہر کی نماز پڑھ کر آ رہے تھے۔ پیچھے سے میراں بخش جو مخبط الحواس تھا آ رہا تھا۔ اس نے آواز دی "او غلام احمدا" آپ اسی وقت کھڑے ہو گئے اور فرمایا "جی" اس نے کہا "او سلام نے آکھیا کر" آپ نے فرمایا "السلام علیکم" اس نے کہا "معاملہ ادا کر" جیب میں سے رومال نکال کر جس میں چوّنی یا اٹھنی بندھی ہوئی تھی۔ آپ نے کھول کر اسے دیدی۔ وہ خوش ہو کر گھوڑیاں گانے لگا۔

۸۴ - حضور نے فرمایا ایک دفعہ یہ میراں بخش زمین پر بیٹھا ہوا تھا گول لکیرے کئے ہوئے۔ ایک ہندو مست بڑا موٹا ڈنڈا لئے آیا۔ میراں بخش اس سے کہنے لگا کہ پڑھ کلمہ۔ اور اسکے ہاتھ میں سے ڈنڈا لیکر مارا۔ کہ پڑھ کلمہ لا الٰہ الا اللہ۔ اس نے جس طرح میراں بخش نے کہلوایا کہا۔ تو اس کو میراں بخش نے ایک دوّنی دیدی۔ فرمایا کہ ہمیں بہت خوش ہوا۔ کہ ایک مسلمان پاگل نے ایک ہندو پاگل کو مسلمان کر لیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں تبلیغی مادہ ضرور ہے۔

۸۵ - یہی میراں بخش ایک دفعہ مسجد اقصیٰ کے قریب مندر پر نہ معلوم کس طرح جا چڑھا۔ اور اذانیں دینے لگا۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اور گالیاں دیکر کہتا کہ "تہانوں بانگاں نال مسلمان کرنا ہے" (تمہیں اذان سے مسلمان بنانا ہے) ہندو لاٹھیاں لیکر اکٹھے ہو گئے۔ اوپر تو چڑھ نہ سکتے تھے۔ مرزا نظام الدین صاحب جن کا رعب داب بہت تھا آ گئے۔ اور ہندوؤں کو آکر برا بھلا کہا۔ کہ وہ تو پاگل ہے تم بھی پاگل ہو گئے ہو۔ پھر وہ اُتر آیا عید کا دن تھا۔

جب جماعت اور قرأت شروع ہوگئی۔ تو جماعت کو چیرتا ہؤا حضرت صاحب پاس کھڑا ہو کر پوچھنے لگا "میں کتھے کھڑا ہووان" (میں کہاں پر کھڑا ہوں) پھر کہنے لگا "تے نہیں بولدا تے اسی خواج خضر" یعنی کنوئیں پر کھڑے ہوجانے آں" (یعنی آپ نہیں بولتے تو اسی خواجہ خضر یعنی کنوئیں پر کھڑا ہوجاتا ہوں)؛

۸۶۔ ایک دفعہ ہم گرمیوں کے موسم میں گول کمرے کے سامنے سوتے تھے۔ رات کے دو بجے کے قریب میراں بخش نے اذان دینی شروع کردی۔ اور کہنے لگا "او اُٹھو تسی ایتھے سون واسطے آیا کردے او" (یعنی جاگو۔ کیا تم لوگ یہاں سونے کے لئے آیا کرتے ہو) پھر گاتا ہؤا چلا گیا۔

۸۷۔ لدھیانہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص جو بظاہر فاتر العقل معلوم ہوتا تھا۔ حضرت صاحب کے پاس خاکی وردی اور بوٹ پہنے آیا۔ اور سر پر کلاہ اور پگڑی تھی۔ وہ آکر حضرت صاحب کے سامنے جُھک گیا۔ سر زمین سے لگا دیا حضور نے اسکی کمر پر تین تھپکیاں دیں۔ اور وہ اُٹھکر ہنستا ہؤا چلا گیا۔ مولوی عبد الکریم صاحب نے دریافت بھی کیا۔ مگر حضور مسکراتے رہے اور کچھ نہ بتایا؛

۸۸۔ دہلی سے حضور نے ایک خط بھیجا۔ لفافہ پر محمد خانصاحب منشی روڑا صاحب اور خاکسار تینوں کا نام تھا خط میں یہ لکھا ہؤا تھا کہ یہاں کے لوگ اینٹ پتھر بہت پھینکتے ہیں اور علانیہ گالیاں دیتے رہتے ہیں۔ میں بعض دوستوں کو اس ثواب میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ اسلئے تینوں صاحب فوراً آجائیں۔ ہم تینوں کچہری سے اُٹھکر چلے گئے۔ گھر بھی نہیں آئے۔ کرتارپور جب پہونچے۔ تو محمد خانصاحب اور منشی روڑا صاحب نے مجھے ٹکٹ لانے کو کہا۔ میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ اور نہ مجھے یہ خیال ہؤا۔ کہ اپنے کرایہ کے لئے بھی ان سے کچھ لے لوں انہوں نے اپنے ٹکٹوں کا کرایہ مجھے دیا تھا۔ میں نے ان دونوں کے ٹکٹ لے لئے۔ اور گاڑی آگئی چودھری رستم علی خانصاحب مرحوم گاڑی میں کھڑے آواز دے رہے تھے کہ ایک ٹکٹ نہ لینا۔ میرے ساتھ سوار ہوجانا۔ میں چودھری صاحب مرحوم کے ساتھ بیٹھ گیا اور ہم دہلی پہونچ گئے۔ دہلی میں حضرت صاحب نے ایک بڑا دو منزلہ مکان کرایہ پر لیا ہؤا تھا۔ اوپر زنانہ تھا۔ اور نیچے مردانہ رہائش تھی۔ واقعہ میں روز صبح و شام گالی گلوچ کرتے تھے اور ہجوم اینٹ پتھر پھینکتا تھا۔ انسپکٹر پولیس جو احمدی تو نہ تھا لیکن احمدیوں کی امداد کرتا تھا۔ اور ہجوم کو ہٹا دیتا تھا۔ ایک دن مرزا حیرت آیا۔ میں اسوقت کہیں گیا ہوا تھا۔ اس نے آکر حضرت صاحب کو بلوایا۔ اور کہا میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ہوں مجھے ہدایت ہوئی ہے

کہ میں اسے دریافت کروں کہ آپ کس غرض کے لئے آئے ہیں اور کس قدر عرصہ شہر ینگے۔ اور اگر کوئی فساد ہو، تو اس کا ذمہ دار کون ہے۔ آپ مجھے اپنا بیان لکھا دیں۔ اسی اثنا میں مَیں آگیا۔ میں اس کو جانتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان لکھا رہے تھے۔ اور مَیں یہ دیکھ کر خاموشی سے زینے سے نیچے اتر آیا۔ اس نے مجھے دیکھ لیا۔ اور اُتر کر بھاگ گیا۔ مَیں دراصل پولیس میں اطلاع دینے کے لئے نیچے اُترا تھا۔ اس کو اُترتے ہوئے دیکھ کر ایک عورت نے جو اُوپر تھی اسے بُرا بھلا کہا۔

۸۹۔ مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی دہلی آگئے۔ جنکو علی جان والوں نے مباحثہ کے لئے بُلایا تھا۔ علی جان والے ٹوپیوں کے بڑے سوداگر اور وہابی تھے۔ انہوں نے آکر عرض کی۔ کہ مولوی صاحب کو بھوپال سے آپ کے ساتھ مباحثہ کرنے کے لئے بُلایا ہے۔ لہٰذا مناظرہ طے کر لیجئے۔ حضور نے فرمایا کہ کسی شرط کی ضرورت نہیں۔ احقاقِ حق کے لئے یہ بحث ہے۔ وہ آجائیں۔ اور جو دریافت فرمانا چاہیں دریافت فرمالیں۔ پھر ایک تاریخ مقرر ہوگئی۔ مجھکو اور پیر سراج الحق صاحب مرحوم کو حضور نے حکم دیا۔ کہ آپ کچھ کتابیں اپنے واقفوں سے لے آئیں۔ ہمیں تو ضرورت نہیں۔ مگر انہی کے مسلّمات سے ان کو ساکت کیا جا سکتا ہے۔ ہم دونوں بہت جگہ پھرے۔ لیکن کسی نے کتابیں دینے کا اقرار نہ کیا۔ امام کی گلی میں مولوی محمد حسین صاحب فقیر رہتے تھے۔ انہوں نے وعدہ کیا، کہ جس قدر کتابوں کی ضرورت ہو۔ کل لے جانا۔ اگلے روز جب ہم گئے تو وہ نہ ملے۔ اور ان کے بیٹوں نے ہمیں گالیاں دینی شروع کر دیں۔ کہ جو ملحدوں کی مدد کرے وہ بھی ملحد ہے۔ ہم دونوں ان کے پاس سے اُٹھکر چلے آئے۔ پیر سراج الحق تو مجھ سے علیٰحدہ ہو کر کہیں چلے گئے۔ مَیں تھوڑی دور کھڑا ہو کر ان سے سخت کلامی کرنے لگ گیا۔ وہاں آدمی جمع ہو گئے۔ اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے۔ مَیں نے کہا امام اعظم کو یہ بُرا کہتے ہیں۔ وہ کہنے لگے۔ ہمیں معلوم ہے یہ بڑے بے ایمان ہیں۔ یہ چھپے ہوئے وہابی ہیں۔ وہابیوں کی مسجد میں نماز پڑھنے جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ میرے ساتھ ہو کر اُنکے خلاف ہو گئے۔ پھر مَیں وہاں سے چلا آیا۔ جب امام صاحب کے مکان کے آگے سے گذرا۔ تو انہوں نے مجھے اشارے سے اپنی بیٹھک میں بلا لیا۔ اور کہنے لگے کہ اگر آپ کسی سے ذکر نہ کریں، تو جس قدر کتابیں مطلوب ہوں مَیں دے سکتا ہوں۔ مَیں نے کہا آپ اتنا احسان فرمائیں تو مَیں کیوں ذکر کرنے لگا۔ کہنے لگے کہ جب مرزا صاحب مولوی نذیر حسین سے قسم لینے کے لئے جامع مسجد میں بیچ کے دروازے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اُس وقت مَیں دیکھتا تھا۔ کہ

انوارِ الٰہی آپ پر نازل ہوتے ہیں اور ان کی پیشانی سے شانِ نبوت عیاں تھی۔ مگر میں اپنی اس عقیدت کو ظاہر نہیں کر سکتا۔ غیر میں کتابیں لیکر چلا آیا۔ اور حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کر دیں۔ آپ بہت خوش ہوئے اس پر دہلی والوں نے کہا تھا دہولی ہے بھی ہولی ہے پاس کتابوں کی جھولی ہے۔ تفسیر مظہری اور صحیح بخاری دستیاب نہ ہوئی تھیں۔ اس زمانے میں مولوی رحیم بخش صاحب فتح پوری مسجد کے متولی تھے۔ وہ سید امام علی شاہ رتڑ چھتڑ والوں کے خلیفہ تھے۔ اور میرے والد صاحب مرحوم کا ان سے جبکہ والد صاحب گجرات میں بندوبست میں ملازم تھے سید امام علی شاہ صاحب سے بہت عمدہ تعلقات قائم ہو گئے تھے۔ رحیم بخش صاحب سے جب میں نے اس تعلق کا ذکر کیا۔ تو وہ بہت خوش ہوئے۔ میں نے ان سے کتابیں طلب کیں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ ہمارے ہو کر مرزا صاحب کے ساتھ کس طرح ہیں۔ میں نے کہا ان وہابیوں کی شکست ہماری فتح ہے۔ کہنے لگے یہ بات تو ٹھیک ہے۔ چنانچہ انہوں نے کتابیں دیدیں۔ وہ بھی لا کر میں نے حضور کو دیدیں۔ صحیح بخاری ابھی تک نہ ملی تھی۔ پھر حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم جو اس اثنا میں حاجی پور سے دہلی آ گئے تھے۔ اور میں مدرسہ شاہ عبدالعزیز صاحب میں گئے اور اس مدرسہ کے پاس میرے ماموں حافظ محمد صالح صاحب صدر قانونگو دہلی کا مکان تھا۔ وہاں جا کر ہم نے بخاری شریف کا آخری حصہ دیکھنے کے لئے مانگا۔ انہوں نے دیدیا۔ ہم لے آئے مولوی محمد بشیر صاحب مباحثہ کے لئے آ گئے۔ ایک بڑا لمبا دالان تھا جس میں ایک کوٹھڑی تھی اس کوٹھڑی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام مولوی عبدالکریم صاحب اور عبدالقدوس غیر احمدی ایڈیٹر صحیفہ قدسی اور ہم لوگ بیٹھے تھے۔ مولوی محمد بشیر صاحب آ گئے بظاہر بڑے خضر صورت تھے اور حضرت صاحب سے بڑے ادب اور تعظیم کے ساتھ ملے۔ اور معانقہ کیا۔ اور بیٹھ گئے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ یہ کوئی ہار جیت کا معاملہ نہیں۔ یہیں بیٹھے ہوئے آپ سوال کریں میں جواب دوں۔ بات طے ہو جائے مگر اس کو یہ حوصلہ نہ ہوا۔ کہ حضور کے سامنے بیٹھکر سوال جواب کر سکتا۔ اس لئے اس نے اجازت چاہی، کہ وہ دالان میں ایک گوشہ میں بیٹھکر لکھ لے۔ دالان میں بہت سے آدمی محلی جان والوں کے بیٹھے تھے۔ حضور نے فرمایا۔ بہت اچھا۔ سو وہ سوالات جو اپنے گھر سے لکھکر لایا تھا ایک شخص سے نقل کرانے لگا۔ وہ بھی میرا واقف تھا۔ مجید علی خاں اس کا نام تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ حضرت صاحب خالی بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب آپ سوال لکھکر لائے ہیں تو دیدیں تاکہ حضور جواب لکھیں۔ وہ کہنے

لگے کہ یہ تو نوٹ ہیں۔ حالانکہ وہ حرف بحرف نقل کرا رہے تھے۔ دہلی والوں نے میرے خلاف شور کیا۔ کہ آپ کیوں اس بارہ میں دخل دیتے ہیں۔ مجھے مولوی عبدالکریم صاحب نے آواز دی۔ کہ آپ یہاں آجائیں۔ میں چلا گیا لیکن تھوڑی دیر میں اُٹھ کر میں مولوی محمد بشیر صاحب کے پاس چلا گیا۔ کہ دیکھوں انہوں نے ختم کیا ہے یا نہیں میں نے کہا مولوی صاحب! پلیسے بُوٹے کو پیسنا یہ کوئی دانائی ہے۔ پھر مجھے مولوی عبدالکریم صاحب نے آوازیں دیں کہ تم یہاں آجاؤ۔ مَیں پھر چلا گیا۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ آپ کیوں جاتے ہیں۔ تیسری دفعہ مَیں پھر اُٹھ کر چلا گیا پھر حضرت صاحب اُوپر اُٹھ کر چلے گئے۔ اور میرے متعلق کہا کہ یہ بہت ہوش میں ہیں۔ جب وہ لکھ چکیں مجھے بھیج دینا۔ پھر جب وہ اپنا مضمون تیار کر چکے۔ تو ہم نے حضرت صاحب کے پاس پہنچا دیا۔ آپ نے مجھے فرمایا۔ کہ تم یہیں ٹھہرے رہو۔ دو ورقہ جب تیار ہو جائے۔ تو نقل کرنے کے لئے دوستوں کو دیدینا۔

مَیں نے دیکھا کہ حضور نے اس مضمون پر صفحہ وار ایک اُچٹتی نظر ڈالی اُنگلی پھیرتے ہوئے اور پھر ورق اُلٹ کر اس پر بھی انگلی پھیرتے ہوئے نظر ڈال لی۔ اُسے علیحدہ رکھدیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پڑھا نہیں محض ایک سرسری نگاہ سے دیکھا ہے اور جواب لکھنا شروع کر دیا۔ جب دو ورقہ تیار ہو گیا تو مَیں نیچے نقل کرنے کے لئے دے آیا۔ دو ورقے کو ایک ایک ورق کر کے ایک مولوی عبدالکریم صاحب نے نقل کرنا شروع کیا۔ اور ایک عبدالقدوس نے۔ اس طرح مَیں اُوپر سے جب دو ورقہ تیار ہوتا لے آتا۔ اور یہ نقل کرتے رہتے۔ حضرت صاحب اس قدر جلدی لکھ رہے تھے۔ کہ ایک دو ورقہ نقل کرنیوالوں کے ذمہ فاضل رہتا تھا۔ عبدالقدوس جو خود بہت زود نویس تھا۔ حیران ہو گیا۔ اور ہاتھ لگا کر سیاہی کو دیکھنے لگا۔ کہ یہ پہلے کا تو لکھا ہوا نہیں۔ میں نے کہا اگر ایسا ہو تو یہ ایک عظیم الشان معجزہ ہے کہ جواب پہلے سے لکھا ہو۔

غرض اس طرح جھٹ پٹ آپ نے جواب لکھدیا۔ اور ساتھ ہی اس کی نقل بھی ہوتی گئی میں نے مولوی محمد بشیر صاحب کو وہ جواب دیدیا۔ کہ آپ اس کا جواب لکھیں۔

اس نے کہا مَیں حضرت صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ ہم نے تو نہیں لیکن کسی نے حضرت صاحب کو اطلاع کر دی کہ مولوی محمد بشیر صاحب ملنا چاہتے ہیں۔ حضور فوراً تشریف لے آئے۔ اور مولوی محمد بشیر صاحب نے کہا۔ کہ اگر آپ اجازت فرمائیں تو مَیں کل جواب لکھ لاؤنگا۔ آپ نے خوشی سے اجازت دیدی۔ حضرت صاحب تو

اور تشریف لے گئے۔ مگر ہم ان کے پیچھے پڑ گئے۔ کہ یہ کوئی بحث ہے اس طرح تو آپ بھوپال میں بھی کر سکتے تھے۔ جب بہت کش مکش اس بارے میں ہوئی تو دہلی والوں نے کہا کہ جب مرزا صاحب اجازت دے گئے ہیں تو آپ کو روکنے کا کیا حق ہے۔ ہم تو خود سمجھ گئے ہیں کہ یہ بالمقابل بیٹھکر بحث نہیں کر سکتے۔ پھر ہم نے مولوی صاحب کو چھوڑ دیا۔ آخری مباحثہ تک مولوی محمد بشیر صاحب کا یہی رویہ رہا کبھی انہوں نے سامنے بیٹھکر نہیں لکھا اجازت لیکر چلے جاتے ؛

ایک مولوی نے مولوی محمد بشیر صاحب کو کہا کہ بڑی بات آپ کی بحث میں نُونِ ثقیلہ کی تھی مگر مرزا صاحب نے تو نُونِ ثقیلہ کے پُل باندھ دیئے۔ بحث ختم ہونے پر چلتے وقت مولوی محمد بشیر صاحب حضرت صاحب سے ملنے آئے اور حضرت صاحب سے کہا میرے دل میں آپ کی بڑی عزت ہے۔ آپ کو جو اس بحث کیلئے تکلیف دی ہے میں معافی چاہتا ہوں غرضیکہ وہ حضرت صاحب کا بڑا ادب کرتا تھا ؛

۹۰- دہلی سے حضرت صاحب تو واپس تشریف لے گئے میں کتابیں واپس کرنے کیلئے ایک روز ٹھہر گیا جسے کتابیں واپس دینے جاتا وہ گالیاں دیتا۔ مگر میں ہنس پڑتا۔ اس پر وہ اور کوستے چونکہ ہمیں کامیابی ہوئی تھی اس لئے ان کی گالیوں پر بجائے غصے کے ہنسی آتی تھی اور بے اختیار ؛

۹۱- دہلی میں جب آپ تشریف فرماتے۔ تو ایک دن حضور شاہ ولی اللہ صاحب کے مزار پر تشریف لیگئے فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ یہ اپنے زمانے کے مجدد تھے ؛

۹۲- ایک دفعہ میں قادیان سے رخصت ہونے لگا۔ اور حضور نے اجازت دی پھر فرمایا کہ ٹھیر جائیں آپ دودھ کا گلاس لے آئے۔ اور فرمایا یہ پی لیں۔ شیخ رحمت اللہ صاحب بھی آ گئے۔ پھر ان کے لئے بھی حضور دودھ کا گلاس لائے۔ اور پھر نہر تک ہمیں چھوڑنے کیلئے تشریف لائے۔ اور بہت دفعہ حضور نہر تک ہمیں چھوڑنے کیلئے تشریف لاتے ؛

۹۳- میر عباس علی صاحب لدھیانوی بہت پرانے معتقد تھے۔ وہ حضرت صاحب سے اصطلاح صوفیا میں معنی دریافت کرتے رہتے۔ اور تصوف کے مسائل پوچھتے رہتے۔ اس بارے میں حضرت صاحب نے کئی مبسوط خط انہیں لکھے تھے جو ایک کتاب میں انہوں نے نقل کر رکھے تھے۔ اور بہت سے معلومات ان خطوط میں تھے۔ گویا تصوف کا نچوڑ تھا

میر عباس علی کا قول تھا کہ انہوں نے بے وضو کوئی خط نقل نہیں کیا۔ حضرت صاحبؑ نے براہین احمدیہ کے بہت سے نسخے میر صاحب کو بھیجے تھے اور لکھا تھا کہ یہ کوئی خرید فروخت کا معاملہ نہیں۔ آپ اپنے دوستوں کو دے سکتے ہیں چونکہ میرا ان سے بڑا تعلق تھا میں ان سے وہ مخطوطہ والی کتاب دیکھنے کو لے آیا۔ ابھی وہ کتاب میرے پاس ہی تھی کہ میر صاحب مرتد ہوگئے۔ اس کے بعد کتاب مذکور کا انہوں نے مجھ سے مطالبہ کیا۔ میں نے نہ بھیجی۔ پھر انہوں نے حضرت صاحبؑ سے میری شکایت کی کہ کتاب نہیں دیتا۔ حضرت صاحبؑ نے مجھے لکھا کہ آپ ان کی کتاب ان کو واپس کردیں۔ میں خاموش ہوگیا۔ پھر دوبارہ میر صاحب نے شکایت کی اور مجھے دوبارہ حضور نے لکھا۔ ان دنوں ان کے ارتداد کی وجہ سے الہام اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ پر مخالفین بہت اعتراض کرتے تھے میں قادیان گیا۔ مولوی عبداللہ صاحب سنوری کی موجودگی میں حضور نے مجھے فرمایا۔ کہ آپ ان کی کتاب کیوں نہیں دیتے۔ مولوی عبداللہ صاحب سنوری مرحوم نے عرض کی، کہ حضور کی ضمانت پر تو اس نے کتاب نہیں دی تھی۔ (نوٹ:۔ بعض دفعہ مولوی عبداللہ صاحب اور میں حضرت صاحب سے اس طرح بے تکلف باتیں کرلیا کرتے تھے جس طرح دوست دوست سے کرلیتا ہے۔ اور حضور ہنستے رہتے) اور میں نے عرض کی کہ ذخیرہ عرفان و معرفت کا اس کتاب کے اندر ہے میں کس طرح اسے واپس کردوں۔ حضور نے فرمایا۔ واپس کرنی چاہیئے۔ آپ جائیں وہ جانیں۔ اس کے بعد میں کپورتھلہ آیا۔ ایک دن میں وہ کتاب دیکھ رہا تھا تو اس میں ایک خط عباس علی کے نام حضرت صاحبؑ کا عباس علی کے قلم سے نقل کردہ درج تھا جس میں لکھا تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کسی وقت مرتد ہو جائیں گے۔ آپ کثرت سے توبہ استغفار اور مجھ سے ملاقات کریں۔ جب یہ خط میں نے پڑھا۔ تو میں فوراً قادیان چلا گیا۔ اور حضور کے سامنے وہ عبارت نقل کردہ عباس علی پیش کردی فرمایا یہی بہتر تھا۔ جو آپ کتاب واپس نہیں کرتے تھے۔ پھر وہ کتاب شیخ یعقوب علی صاحبؓ نے مجھ سے لے لی۔

۹۴۔ میرے کئی خواب حضرت صاحبؑ نے اپنی کتاب ازالہ اوہام کے اوراق پر اپنے قلم سے درج فرمائے تھے۔ ایک دفعہ کسی شخص نے غالباً مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کے مریدوں میں سے کسی نے اشتہار دیا۔ اور اس میں اپنے خواب اور کشوف درج کئے۔ اس پر حضرت صاحبؑ نے مجھے الہام فرمایا کہ آپ نے جو خواب دیکھے ہیں۔ وہ اس کے جواب میں آپ اشتہار کے طور پر شائع کریں۔ چنانچہ آپ کے فرمودہ کے مطابق میں نے اشتہار شائع کردیا

جس کی سرخی یہ تھی :-

الا اے بلبل نالاں چہ چندیں ماجرا داری

بیا داغیکہ من در سینہ دارم تو کجا داری

وہ خواب جہاں تک مجھے یاد ہے حسب ذیل تھے :-

۱۔ بیعت اولیٰ کے موقعہ پر جب میں لدھیانہ میں تھا تو ایک صوفی نے حضور سے دریافت کیا کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کرا سکتے ہیں۔ اور آپ نے فرمایا کہ اس کے لئے مناسبت شرط ہے اور میری طرف منہ کر کے فرمایا یا جس پر خدا فضل کرے مجھے اسی رات خواب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔

۲۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری ہو گیا۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ حسو خاں احمدی جو پہلے وہابی تھا اس کو دیکھا۔ کہ وہ بھی کھڑا ہے اور اس نے شکایتاً آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی کہ یہ (یعنی خاکسار) یا رسول اللہ آپکی حدیثوں کو نہیں مانتے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ کہ مرزا صاحب میرے فرزند ہیں۔ اور جب وہ قرآن پڑھتے ہیں۔ میری روح تازہ ہو جاتی ہے۔ اور میری طرف منہ کر کے فرمایا۔ کہ مرزا صاحب سے کہیں کہ وہ کچھ قرآن شریف سنائیں۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔

۳۔ ایک دفعہ میں مسجد احمدیہ کپورتھلہ میں عصر کی نماز پڑھ رہا تھا جب میں التحیات میں بیٹھا۔ تو میں نے محراب کے اندر آنحضرتؐ کو سامنے دیکھا۔

۴۔ ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ حضرت صاحب مجھے مدینہ منورہ لے گئے اور جالیوں میں سے میں زیارت قبر کرنا چاہتا ہوں۔ مگر وہ جالی میرے قد سے اونچی ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے میری دونوں بغلوں میں ہاتھ دیکر اونچا کر دیا۔ تو پھر میں نے دیکھا کہ سامنے کی عمارت کوئی نہیں رہی اور آنحضرتؐ کی قبر کھلی ہوئی ہے۔ اور آپ بیٹھے ہیں۔

۵۔ ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعودؑ مجھے آنحضرتؐ کے مزار پر ساتھ لے گئے۔ وہاں پر ایک چبوترہ سا تھا جس پر آنحضرتؐ رونق افروز تھے۔ اور وہاں کسی قدر فاصلہ پر ایک شخص جرنیلی وردی پہنے ایک چبوترے پر بیٹھا تھا۔ مجھے حضرت مسیح موعودؑ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ کہ آپ اسے بیعت فرما لیں۔ چنانچہ میں نے آنحضرتؐ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدیا۔ اور آنحضرتؐ نے عربی میں ایک فقرہ فرمایا۔ جو مجھے اب یاد نہیں رہا جس کا مطلب یہ تھا کہ تمام نیکیوں کو اختیار کرنا۔ اور تمام بدیوں سے پرہیز کرنا۔ میں بیعت کرنے کے بعد مصافحہ کرنے کے لئے اس شخص کی طرف گیا

جو جرنیلی وردی پہنے بیٹھا تھا۔ مجھے آنحضرتؐ نے جاتے ہوئے روک دیا یعنی میرا ہاتھ پکڑ کر واپس کر دیا اور فرمایا کہ وہ معاویہ ہے ؛

۳۔ ایک دفعہ میں تہجد پڑھتا تھا ایک دم مجھے اس قدر خوشبو آئی کہ تمام مکان معطر ہو گیا۔ میری بیوی سوئی ہوئی تھی اسے چھینکیں آنے لگیں۔ اور اُس نے کہا کہ تم نے بہت سا عطر لگایا ہے جس کی وجہ سے مکان معطر ہے۔ میں نے کہا میں نے کوئی خوشبو نہیں لگائی ؛

۴۔ ایک دفعہ میں نے خواب میں حضرت عمرؓ کو دیکھا۔ کہ آپ کی بڑی بڑی آنکھیں ہیں۔ آپکے پاس تلوار رکھی ہوئی ہے جس سے موتی اُوپر نیچے جھڑ رہے ہیں۔ میں نے یہ خواب حضرت صاحب کی خدمت میں لکھکر بھیجا۔ تو آپ نے جواب میں فرمایا۔ کہ فاروق کی زیارت سے دین میں استقامت اور شجاعت پیدا ہوتی ہے ؛

۹۵۔ حضرت صاحب دہلی میں قیام فرما تھے اور وہاں کے لوگوں نے تجویز کی کہ مولوی نذیر حسین صاحب حضرت صاحب سے بحث کریں۔ مولوی نذیر حسین صاحب نے بحث کرنے سے انکار کر دیا۔ حضور نے مولوی نذیر حسین صاحب کو خط لکھا تھا کہ میں جامع مسجد میں عیسےٰ علیہ السلام کی وفات پر دلائل بیان کرونگا۔ اگر آپ قسم کھا کر کہدیں کہ یہ صحیح نہیں ہیں تو پھر ایک سال کے اندر اگر آپ پر عذاب نہ آئے تو میں خدا کی طرف سے نہیں۔ اس کا جواب مولوی نذیر حسین صاحب نے کوئی نہ دیا۔ جواب نہ آنے پر حضور نے ایک دوسرا خط لکھا۔ جو محمد خاں صاحب اور خاکسار لیکر مولوی نذیر حسین صاحب کے پاس گئے۔ اس میں حضور نے لکھا تھا۔ کہ کل ہم جامع مسجد میں پہونچ جائینگے۔ اگر تم نہ آئے تو خدا کی لعنت ہوگی۔ یہ خط جب ہم لیکر گئے تو مولوی نذیر حسین نے ہمیں کہا کہ تم باہر مولوی محمد حسین بٹالوی کے پاس چلکر بیٹھو خط انہیں دیدو۔ میں آتا ہوں۔ مولوی محمد حسین نے وہ خط کھول لیا۔ پھر مولوی نذیر حسین صاحب آگئے۔ اور انہوں نے مولوی محمد حسین سے پوچھا کہ خط میں کیا لکھا ہے۔ مولوی محمد حسین نے کہا کہ میں نہیں سنا سکتا آپ کو بہت گالیاں دی ہیں۔ اس وقت ایک دہلی کا رئیس وہاں بیٹھا تھا۔ اور اس نے بھی مولوی محمد حسین کے پاس بیٹھے وہ خط پڑھ لیا تھا۔ اس نے کہا کہ خط میں تو کوئی گالی نہیں۔ مولوی نذیر حسین نے اُسے کہا تو بھی مرزائی ہو گیا ہے۔ وہ پھر چُپ ہو گیا۔ پھر ہم نے مولوی نذیر حسین سے کہا آپ نے جو کچھ جواب دینا ہو دیدیں۔ مولوی محمد حسین نے کہا ہم کوئی جواب نہیں دیتے تم چلے جاؤ۔ تم ایلچی ہو۔ خط تم نے پہونچا دیا ہے۔ ہم نے کہا ہم جواب لیکر جائینگے۔ پھر

لوگوں نے کہا۔ جانے دو۔ غرض انہوں نے جواب نہیں دیا اور ہم نے سارا واقعہ حضرت صاحب کے پاس آکر عرض کر دیا اگلے دن ہم سب جامع مسجد میں چلے گئے۔ ہم بارہ آدمی حضرت صاحب کے ساتھ تھے۔ جہاں تک یاد ہے محمد خاں صاحب شیخ رحمت اللہ صاحب منشی روڑا صاحب حافظ حامد علی صاحب مولوی عبدالکریم صاحب محمد سعید صاحب جو میر ناصر نواب صاحب کے بھانجے تھے۔ اور خاکسار۔ باقیوں کے نام یاد نہیں رہے۔ جامع مسجد کے بیچ کے دروازے میں جا کر ہم بیٹھ گئے۔ حضرت صاحب بھی بیٹھ گئے یہ یاد پڑتا ہے کہ سید امیر علی اور سید تفضیل علی سیالکوٹی بھی تھے دروازے کے دائیں طرف یعنی دریچے کی طرف ہم تھے اور فرش کے ایک طرف مولوی نذیر حسین مولوی محمد حسین آٹھ سات آدمی تھے۔ تمام صحن مسجد کا لوگوں سے پُر تھا۔ ہزاروں آدمی تھے۔ انگریز کپتان پولیس آیا۔ کثرت ہجوم کی وجہ سے وہ گھبرایا ہوا تھا اس نے حضرت صاحب سے آکر مسجد میں پوچھا کہ آپ کا یہاں آنے کا کیا مقصد ہے۔ شیخ رحمت اللہ صاحب نے انگریزی میں اس سے ذکر کیا کہ یہ غرض ہے کہ حضرت صاحب دلائل وفات مسیح بیان کریں گے۔ اور نذیر حسین صاحب قسم کھا کر کہدیں کہ یہ صحیح نہیں۔ وہ پھر مولوی نذیر حسین صاحب کے پاس گیا۔ اور اُن سے پوچھا کہ تمہیں ایسی قسم منظور ہے اس نے کہا میں قسم نہیں کھانے کا۔ اس نے آکر حضرت صاحب سے کہا کہ وہ آپ کے دلائل سُن کر قسم کھانے پر آمادہ نہیں۔ اس لئے آپ چلے جائیں۔ حضرت صاحب چلنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ میں نے حضور کا ہاتھ پکڑ کر عرض کی۔ کہ حضور ذرا ابھی ٹھہر جائیں۔ اور میں نے شیخ رحمت اللہ صاحب سے کہا کہ آپ کپتان پولیس سے کہیں کہ پہلے فریق ثانی چلا جائے۔ پھر ہم جائیں گے۔

پھر اس نے انہیں کہا تو وہ مُصر ہوئے کہ پہلے ہم جائیں۔ غرض اس بارے میں کچھ قیل قال ہوتی رہی۔ پھر کپتان پولیس نے قرار دیا۔ کہ دونوں ایک ساتھ اُٹھیں۔ اور ایک دروازے سے وہ اور دوسرے سے ہم چلے جائیں غرض اس طرح ہم اُٹھے۔ ہم بارہ آدمیوں نے حضرت صاحب کے گرد حلقہ باندھ لیا۔ اور ہمارے گرد پولیس نے۔ اس وقت دہلی والوں نے اینٹ پتھر بہت پھینکے۔ مولوی نذیر حسین صاحب پر بھی اور ہم پر بھی۔ ہم دریچے کی جانب والے دروازے سے باہر نکلے۔ تو ہماری گاڑی جس میں ہم آئے تھے۔ دہلی والوں نے کہیں ہٹا دی تھی۔ کپتان پولیس نے ایک شکرم میں ہمیں سوار کرایا۔ کوچ مین پر انسپکٹر پولیس دونوں پائدانوں پر دو سب انسپکٹر اور پیچھے سپاہی گاڑی پر تھے۔ گاڑی میں حضرت صاحب۔ محمد خاں صاحب۔ منشی روڑا صاحب۔ خاکسار اور

حافظ حامد علی تھے۔ پھر بھی گاڑی پر اینٹ پتھر برستے رہے۔ جب ہم چلے تو مولوی عبدالکریم صاحب پیچھے رہ گئے محمد خانصاحب گاڑی سے کود پڑے اور مولوی صاحب کے گرد لوگ جمع ہوگئے تھے۔ جو محمد خانصاحب کو دیکھکر ہٹ گئے۔ اور محمد خانصاحب مولوی صاحب کو لے آئے۔

۹۶۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عید الضحیٰ کے روز مسجد اقصیٰ میں کھڑے ہوکر فرمایا کہ میں الہاماً چند الفاظ بطور خطبہ عربی میں سنانا چاہتا ہوں۔ مولوی نورالدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب دونوں صاحب تمام و کمال لکھنے کی کوشش کریں۔ یہ فرماکر آپ نے خطبہ الہامیہ عربی میں فرمانا شروع کر دیا۔ پھر آپ اس قدر جلدی بیان فرما رہے تھے کہ زبان کے ساتھ قلم کا چلنا مشکل ہو رہا تھا۔ اور ہم نے اس خطبہ کا خاص اثر یہ دیکھا کہ سب سامعین محویت کے عالم میں تھے۔ اور خطبہ سمجھ میں آ رہا تھا۔ ہر ایک اس سے متاثر تھا۔ مولوی نورالدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب بعض دفعہ الفاظ کے متعلق پوچھکر لکھتے تھے۔ ایک لفظ خناطیل مجھے یاد ہے کہ اس کے متعلق بھی پوچھا۔ خطبہ ختم ہونے پر جب حضور مکان پر تشریف لائے۔ تو مجھے اور مولوی عبداللہ صاحب سنوری اور میر حامد شاہ صاحب ہم تینوں کو بلایا۔ اور فرمایا کہ اس خطبہ کا جو اثر ہوا ہے اور جو کیفیت لوگوں کی ہوئی ہے اپنے اپنے رنگ میں آپ لکھکر مجھے دیں۔ مولوی عبداللہ صاحب اور میر صاحب نے تو مہلت چاہی لیکن خاکسار نے اپنے تاثرات جو کچھ میرے خیال میں تھے اسی وقت لکھکر پیش کر دیئے۔ میں نے اس میں یہ بھی لکھا کہ مولوی نورالدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب بعض الفاظ دوران خطبہ میں دریافت فرماتے رہے وغیرہ۔ حضور کو میرا مضمون بہت پسند آیا۔ اس میں لوگوں کی محویت کا عالم اور کیفیت کا ذکر تھا۔ کہ باوجود بعض لوگوں کے عربی نہ جاننے کے وہ سمجھ میں آ رہا تھا۔ (حق بات یہ ہے کہ اس کا عجیب ہی اثر تھا جو ضبط تحریر میں نہیں آسکتا) دوران خطبہ میں کوئی شخص کھانستا تک نہیں تھا۔ غرض حضرت صاحب کو وہ مضمون پسند آیا۔ اور مولوی عبدالکریم صاحب کو بلاکر خود حضور نے وہ مضمون پڑھکر انہیں سنایا۔ اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ خطبے کے ساتھ اس مضمون کو شائع کروں۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے فرمایا۔ کہ اس نے (عاجز نے) تو ہمیں زندہ ہی دفن کر دیا ہے۔ (مولوی عبدالکریم صاحب کی خاکسار سے حد درجہ دوستی اور بے تکلفی تھی) حضرت صاحب نے ہنسکر فرمایا اچھا ہم شائع نہیں کرینگے۔ پھر میں کئی روز قادیان رہا۔ اور خطبہ الہامیہ کا ذکر اذکار ہوتا رہا۔ مولوی عبدالکریم صاحب زبان سے بہت مذاق رکھتے تھے۔ اسلئے خطبے کی بعض عبارتوں پر جھومتے اور وجد میں آجاتے تھے۔

اور سناتے رہتے تھے۔ اور اس خطبے کے بعض حصے لکھکر دوستوں کو بھی بھیجتے رہتے تھے ؛

۹۷ - ایک مرتبہ حضور سیالکوٹ میں ایک ماہ تک ٹھہرے رہے۔ حضور کا وہاں لیکچر تھا۔ عبدالحمید خانصاحب مولوی عبدالقادر صاحب لدھیانوی اور خاکسار لیکچر والے دن پہونچے۔ تقریر کے ختم ہونے پر میں نے جا کر مصافحہ کیا اور گاڑی کا وقت قریب تھا اس لئے رخصت چاہی۔ آپ نے فرمایا اچھا اب آپکو ایک ماہ کے قریب یہاں ٹھہرے ہوگیا ہے اب آپ گھر جائیں۔ جب میں اجازت لیکر نیچے اُترا۔ تو سید حامد شاہ صاحب نے کہا کہ ایک مہینے کی خدمت کا ثواب آپنے لیا۔ گویا حضور کے نزدیک آپ ایک مہینے سے آئے ہوئے ہیں۔ اور میر حامد شاہ صاحب نے یہ بھی ذکر کیا کہ ایک عورت خادمہ حضور کو کھانا کھلاتی رہی اور اس کے اولاد نہ تھی۔ اس لئے دعا کیلئے عرض کرتی رہی۔ ایک دفعہ پھر جو اس نے دعا کے لئے دس پندرہ دن بعد عرض کی تو حضور نے فرمایا کہ تم کہاں رہی تھیں۔ اس نے کہا میں تو حضور کو دونوں وقت کھانا کھلاتی ہوں۔ فرمانے لگے اچھا تم کھانا کھلانے آیا کرتی ہو؛

۹۸ - حضور کے عہد مبارک میں ایک دفعہ قادیان میں زیادہ عرصہ تک نمازیں جمع ہوتی رہیں۔ مولوی محمد احسن صاحب نے مولوی نورالدین صاحب کو خط لکھا کہ بہت دن نمازیں جمع کرتے ہوگئے ہیں لوگ اعتراض کرینگے تو ہم اس کا کیا جواب دینگے۔ حضرت مولوی صاحب نے جواب دیا کہ اُنہیں سے پوچھو (یعنی حضرت صاحب سے) مولوی انوار حسین صاحب شاہ آبادی اس خط و کتابت میں قاصد تھے۔ ان سے مجھے اس کا حال معلوم ہوا۔ تو میں نے حضرت صاحب سے جا کر عرض کر دی۔ اس وقت تو حضور نے کچھ نہ فرمایا لیکن بعد عصر جب حضور معمولاً مسجد میں چھت پر تشریف فرما تھے۔ تو آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ کہ ایسے اعتراض دل میں کیوں اُٹھتے ہیں کیا حدیثوں میں نہیں آیا کہ وہ مسیح موعود نماز جمع کریگا۔ ویسے تو جمع نماز کا حکم عام ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے کاموں میں اس قدر منہمک ہوگا۔ کہ اس کو نمازیں جمع کرنی پڑینگی۔ اس وقت سید محمد احسن صاحب زار زار رو رہے تھے اور توبہ کر رہے تھے ؛

۹۹ - حضرت مولوی نورالدین صاحب نے ایکدفعہ مجھے فرمایا۔ کہ ہم نے ایک باغیچہ لگایا ہے۔ آؤ آپ کو دکھاتے ہیں۔ آپ مجھے اپنے زنانے مکان میں لے گئے اور وہاں اپنے کتب خانے میں بٹھا دیا۔ کہ یہ باغیچہ ہے۔ تمام عربی کتب تھیں۔ ایک جگہ میں نے دیکھا کہ متکلمین کی کتابیں اوپر نیچے رکھی تھیں۔ سب سے اوپر براہین احمدیہ۔ اس کے نیچے حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ صاحب کی۔ اور اس کے نیچے اور کتابیں۔ میں نے آپ سے دریافت کیا کہ آیا یہ ترتیب

اتفاقی ہے یا آپ نے مدارج کے لحاظ سے لگائی ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے اپنے خیال میں درجے وار لگائی ہیں۔ پھر مجھے الماری کے نیچے مولوی صاحب کے دستخطی کچھ عربی میں لکھے ہوئے کاغذ ملے۔ جو پھٹے ہوئے تھے۔ میں وہ نکال کر پڑھنے لگا۔ آپ نے منع فرمایا۔ میں نے کہا۔ قرآن شریف کی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔ فرمانے لگے کیا پوچھتے ہو۔ میں منطق الطیر کی تفسیر کی تھی۔ نہایت ذوق شوق سے۔ اور میں سمجھتا تھا کہ میں اس مسئلے کو خوب سمجھا ہوں۔ لیکن کل حضرت صاحب نے منطق الطیر پر تقریر فرمائی۔ تو میں بہت شرمندہ ہوا۔ اور میں نے آکر یہ مضمون پھاڑ دیا۔ اور اپنے آپ کو کہا کہ تو کیا جانتا ہے۔

۱۰۰۔ منشی روڑا صاحب کے پاس کپورتھلہ خط آیا۔ کہ حضرت صاحب پر مقدمہ قتل بن گیا ہے۔ وہ فوراً روانہ بٹالہ ہو گئے۔ ہمیں اطلاع تک نہ کی۔ میں اور محمد خان صاحب تعجب کرتے رہے کہ منشی صاحب کہاں اور کیوں چلے گئے ہیں۔ ہمیں کچھ گھبراہٹ سی تھی۔ خیر اگلے دن میں قادیان جانے کے ارادے سے روانہ ہو گیا۔ بٹالہ جا کر معلوم ہوا۔ کہ حضرت صاحب یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ اور مارٹن کلارک والا مقدمہ بن گیا ہے۔ ابھی میں حضور کی قیامگاہ پر جا کر کھڑا ہی ہوا تھا۔ اور حضور نے مجھے دیکھا بھی نہ تھا۔ نہ میں نے حضور کو۔ کہ آپ نے فرمایا کہ منشی ظفر احمد صاحب کو بلالو۔ میں حاضر ہو گیا۔ منشی روڑا صاحب کی عادت تھی۔ کہ حضرت صاحب کے پاس ہمیشہ بیٹھے پیر دباتے رہتے تھے۔ اس وقت منشی روڑا صاحب کسی ضرورت کے لئے اٹھ کر گئے ہوئے تھے۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ مقدمہ کے متعلق میں کچھ لکھانا چاہتا ہوں۔ آپ لکھتے جائیں۔ اور اس بات کا خیال رکھنا کہ کوئی لفظ خلاف قانون میری زبان سے نہ نکل جائے۔ گو میں نے سینکڑوں فیصلے ہائی کورٹوں کے پڑھے ہیں۔ مگر پھر بھی اگر تمہارے خیال میں کوئی ایسا لفظ ہو تو روک دینا۔ غرض آپ لکھاتے رہے اور میں لکھتا رہا۔ اور میں نے عرض کیا کہ منشی روڑا صاحب کو قانون کی زیادہ واقفیت ہے انہیں بھی بلا لیا جائے۔ حضور نے فرمایا وہ مخلص آدمی ہیں اگر ان کو رخصت ملتی تو بھلا ممکن تھا کہ نہ آتے۔ میں نے ذکر نہیں کیا کہ وہ تو آئے ہوئے ہیں۔ منشی روڑا صاحب کو جب یہ علم ہوا۔ تو وہ کہنے لگے کہ تم نے کیوں نہ بتایا کہ وہ تو کل کا آیا ہوا ہے۔ میں نے کہا تم ہمیں اطلاع کر کے کیوں نہیں آئے تھے۔ اب دیکھ لو۔ ہم حاضر ہیں۔ اور آپ غائب ہیں۔ غرض اس طرح ہم ہنستے رہے۔

۱۰۱۔ جب حضور جالندھر میں قیام فرما تھے۔ تو میں اوپر کوٹھے پر گیا۔ حضور تنہائی میں بہت لمبی نماز

اور کوچ بجو دلپے کر رہے تھے۔ ایک خادمہ فانیا مائی تابی اس کا نام تھا۔ وہ بہت بڑھیا تھی۔ حضور کے برابر مصلے پر کھڑی ہوکر نماز پڑھکر چلی گئی۔ میں دیر تک بیٹھا رہا۔ جب حضور نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے یہ مسئلہ پوچھا کہ عورت مرد کے ساتھ کھڑی ہوکر نماز پڑھ سکتی ہے یا پیچھے۔ حضور نے فرمایا اُسے پیچھے کھڑا ہونا چاہیئے۔ میں نے کہا حضور یہ تابی تو ابھی حضور کے برابر نماز پڑھکر چلی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہمیں تو خبر نہیں وہ کب کھڑی ہوئی اور کب چلی گئی۔

۱۰۲۔ جماعت علی شاہ صاحب نے منشی فاضل کا امتحان محمد خانصاحب مرحوم کے ساتھ دیا تھا اس تعلق کی وجہ سے وہ کپورتھلہ آگئے۔ محمد خانصاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر ان سے کیا۔ اور کچھ اشعار کا بھی ذکر ہوگیا۔ جماعت علی شاہ صاحب نے کہا، کہ نظامی سے بڑھکر فارسی میں کوئی اور لکھنے والا نہیں ہوا۔ میں نے کہا کوئی شعر نظامی کا نعت میں سناؤ۔ انھوں نے یہ شعر پڑھا ؎

فرستادۂ خاص پروردگار ٭ رسانندۂ حجت استوار

میں نے حضرت صاحب کا یہ شعر انہیں سنایا ؎

صدرِ بزمِ آسمان وحجۃ اللہ بر زمیں ٭ ذاتِ خالق رانشانِ ایں بزرگ واستوار

وہ کہنے لگا کوئی اُردو کا شعر بھی آپ کو یاد ہے۔ میں نے قرآن شریف کی تعریف میں یہ اشعار سنائے ؎

اس کے منکر جو بات کہتے ہیں ٭ یونہی اک واہیات کہتے ہیں

بات جب ہو کہ میرے پاس آئیں ٭ میرے منہ پر وہ بات کہہ جائیں

مجھ سے اس دلستاں کا حال سنیں ٭ مجھ سے وہ صورت وجمال سنیں

آنکھ پھوٹی تو خیر کان سہی ٭ نہ سہی یونہی امتحان سہی

وہ کہنے لگا۔ اہلِ زبان اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ جماعت علی شاہ صاحب کے پاس ایک سرمۂ چشم کی کتاب تھی۔ اور وہ کہنے لگے یہ ہمارے کھانے کمانے کا شغل ہے۔

۱۰۳۔ میں قادیان میں مسجد مبارک سے ملحق کمرے میں ٹھہرا کرتا تھا۔ میں ایک دفعہ سحری کھا رہا تھا حضور تشریف لے آئے۔ دیکھکر فرمایا۔ آپ دال سے روٹی کھا رہے ہیں اور اسی وقت منتظم کو بلوایا۔ اور فرمانے لگے

کہ آپ سحری کے وقت دوستوں کو ایسا کھانا دیتے ہیں۔ یہاں ہمارے جس قدر احباب ہیں وہ سفر میں نہیں، ہر ایک سے معلوم کرو کہ ان کو کیا کیا چیز کھانے کی عادت ہے۔ اور وہ سحری کو کیا کیا چیز پسند کرتے ہیں۔ ویسا ہی کھانا ان کے لئے تیار کیا جائے۔ پھر منتظم میرے لئے اور کھانا لایا۔ مگر میں کھانا کھا چکا تھا۔ اور اذان بھی ہو گئی تھی۔ حضور نے فرمایا کھالو۔ اذان جلد دی گئی ہے۔ اس کا خیال نہ کرو۔

۱۰۴۔ ایک دفعہ میں نے رمضان شریف میں قادیان سے گھر آنے کا ارادہ کیا۔ حضور نے فرمایا۔ نہیں سارا رمضان یہیں رہیں۔ میں نے عرض کیا۔ حضور ایک شرط ہے۔ حضور کے سامنے کا جو کھانا ہو۔ وہ میرے لئے آجایا کرے۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا۔ چنانچہ دونوں وقت حضور برابر اپنے سامنے کا کھانا مجھے بھجواتے رہے۔ لوگوں کو بھی خبر ہو گئی۔ اور وہ مجھ سے چھین لیتے۔ وہ کھانا بہت سا ہوتا تھا۔ کیونکہ حضور بہت کم کھاتے تھے۔

۱۰۵۔ ایک دفعہ میں اور منشی روڑا صاحب مرحوم قادیان گئے۔ منشی روڑا صاحب اس وقت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سررشتہ دار تھے۔ اور میں اپیل نویس تھا۔ باتوں باتوں میں میں نے عرض کی۔ کہ حضور مجھے اپیل نویس ہی رہنے دینا ہے۔ فرمایا کہ اس میں آزادی ہے۔ آپ ایک ایک دو دو ماہ ٹھہر جاتے ہیں۔ پھر خود بخود ہی فرمایا۔ کہ ایسا ہو کہ منشی روڑا صاحب کہیں اور چلے جائیں (مطلب یہ کہ کسی اور آسامی پر) اور آپ ان کی جگہ سررشتہ دار ہو جائیں۔ اس سے کچھ مدت بعد جبکہ حضور علیہ السلام کا وصال ہو چکا تھا۔ منشی روڑا صاحب تو نائب تحصیلدار ہو کر تحصیل پھگواڑہ میں تعینات ہو گئے۔ اور میں ان کی جگہ سررشتہ دار ہو گیا۔ پھر منشی صاحب مرحوم نائب تحصیلداری سے پنشن پا کر قادیان جا رہے۔ اور میں سررشتہ داری سے رجسٹراری ہائی کورٹ تک پہنچا۔ اور اب پنشن پاتا ہوں۔ بہت دفعہ ہم نے دیکھا کہ حضور نے بغیر دعا کے کوئی بات فرما دی ہے۔ اور پھر وہ اسی طرح وقوع میں آگئی ہے۔[1]

۱۰۶۔ ایک دفعہ میری اہلیہ لدھیانہ گئی ہوئی تھیں۔ گھر خالی تھا۔ تین دن کی تعطیل ہو گئی۔ دیوانی مقدمات کی مثلیں میرے پاس تھیں۔ میں مثلیں صندوق میں بند کر کے قادیان چلا گیا۔ وہاں پر جب تیسرا دن ہوا۔ تو

[1] نوٹ:۔ پہلے والد صاحب جب اپیل نویس تھے تو بھی سررشتہ داری کا کام کرتے تھے۔ مگر مستقل تقرر آپکا بعد میں ہوا۔ محمد احمد

میں نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ حضور تعطیلیں ختم ہو گئی ہیں۔ اجازت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ ابھی ٹھہرو میں ٹھہر گیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد منشی روڑا صاحب کا خط آیا۔ کہ مجسٹریٹ بہت ناراض ہے۔ مثلیں نداردیں۔ تم فوراً چلے آؤ۔ مجھے بہت کچھ تاکید کی تھی۔ میں نے وہ خط حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے فرمایا لکھدو۔ ہمارا آنا نہیں ہوتا۔ میں نے یہی الفاظ لکھدیئے۔ کہ اہنی ہی برکت ہے۔ پھر میں ایک ہفتہ تک وہاں رہا۔ اور کپورتھلہ سے جو خط آتا۔ میں بغیر پڑھے پھاڑ دیتا۔ ایک مہینے کے بعد آپ جب سیر کو تشریف لے جانے لگے۔ تو مجھے فرمانے لگے کہ آپ کو کتنے دن ہو گئے۔ میں نے کہا حضور ایک مہینے کے قریب ہو گیا ہے۔ تو آپ اس طرح گننے لگے ہفتہ ہفتہ آٹھ۔ اور فرمانے لگے ہاں ٹھیک ہے۔ پھر فرمایا کہ اچھا اب آپ جائیں۔ میں کپورتھلہ پہنچا اور عملہ والوں نے بتایا کہ مجسٹریٹ بہت ناراض ہے۔ میں شام کو مجسٹریٹ کے مکان پر گیا۔ کہ وہاں جو کچھ کہنا ہے وہ کہہ لیگا۔ اس نے کہا۔ آپ نے بڑے دن لگائے۔ اور اس کے سوا کوئی بات نہیں کہی۔ میں نے کہا حضرت صاحب نے آنے نہیں دیا۔ وہ کہنے لگا۔ ان کا حکم تو مقدم ہے۔ تاریخیں ڈالتا رہا ہوں۔ مثلوں کو اچھی طرح دیکھ لینا اور بس۔ میں ان دنوں ایک سر رشتہ دار کی جگہ کام کرتا تھا۔

۱۰۷۔ لدھیانہ حضور باہر سیر کو تشریف لے جا رہے تھے کہ کرنا کھلا ہوا تھا اور بہت مہک رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ دیکھو کرنا اور کہنا اس میں بڑا فرق ہے۔ حضور نے فرمایا پنجاب میں کہنا مکڑی کو کہتے ہیں (یعنے کرنا خوشبودار ہے اور کہنا ایک مکروہ چیز)

۱۰۸۔ لدھیانہ کا واقعہ ہے کہ بارش ہو کر تھمی تھی۔ حضور باہر سیر کو جا رہے تھے۔ میاں چراغ جو اس وقت لڑکا تھا۔ اور بہت شوخ تھا۔ چلتے چلتے گر پڑا۔ میں نے کہا اچھا ہوا۔ یہ بڑا شریر ہے۔ حضرت صاحب نے چپکے سے فرمایا کہ بڑے بھی گر جاتے ہیں۔ یہ سنکر میرے تو ہوش گم ہو گئے۔ اور بمشکل وہ سیر طے کر کے واپس پر اسی وقت اندر گیا جبکہ حضور واپس آکر بیٹھے ہی تھے۔ میں نے کہا حضور۔ میرا قصور معاف فرمائیں۔ میرے آنسو جاری تھے۔ حضور فرمانے لگے۔ کہ آپ کو تو ہم نے نہیں کہا۔ آپ تو ہمارے ساتھ ہیں۔

روایات حضرت منشی ظفر احمد صاحب

(حصّہ دوم)

۱۔ حضور کے پاس مشک ہوتا تھا۔ میں نے ایک دفعہ ذکر کیا۔ کہ حضور مجھے مشک چاہیئے۔ حضور نے ڈبیہ میرے سامنے کر دی کہ اس میں سے جتنا چاہیں لے لیں۔ میں نے اس میں سے تھوڑا سا اٹھایا۔ مسکرا کر فرمانے لگے۔ کہ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ اور پھر تولہ ڈیڑھ تولے کے قریب مشک خود حضور نے مجھے دیدیا۔

۲۔ ایک دفعہ ضرورت اس بات کی ہوئی کہ ایک عبرانی کا عالم بلا لیا جائے۔ چنانچہ ایک ایسا شخص کسی جگہ سے بلایا گیا۔ مجھے اب اس جگہ کا نام یاد نہیں۔ غرض وہ آگیا۔ اور حضور نے باتوں باتوں میں اس سے دریافت کیا کہ آپ کیا کام کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں عیسائی مشن میں ملازم ہوں۔ اور انجیل تورات اور عبرانی پڑھاتا ہوں۔ یہ سنکر آپ اندر چلے گئے۔ اور حضرت مولوی نورالدین صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح اول) کے ذریعہ سے اس کی آمد و رفت کا کرایہ اور کچھ زیادہ حضور نے بھجوا دیا۔ کہ ایسے بے غیرت آدمی کو جس میں اسلام کی حمیت نہیں میں رکھنا نہیں چاہتا۔ اُسے واپس کر دو۔ وہ شخص مسلمان تھا۔ چنانچہ وہ شخص اگلے روز ہی واپس کر دیا گیا۔

۳۔ ایک مرتبہ حضور وضو فرما رہے تھے۔ اور جراب ایڑی کی طرف سے دریدہ تھی۔ میں نے عرض کی۔ کہ کس قدر دریدہ جراب پر مسح جائز ہے۔ حضور نے اس بات کا جواب مجھے نہیں دیا۔ بلکہ اپنی جراب پر مسح میرے سامنے کیا۔ گویا مجھے اپنے فعل سے جواب دیدیا۔ ایڑی حضور کی جراب دریدہ میں سے نظر آتی تھی۔

۴۔ ایک شخص کسی عورت پر عاشق تھا۔ اور اس میں بے خود تھا۔ اور گریہ وزاری کرتا تھا۔ اور تعویذ وغیرہ لوگوں سے کراتا۔ اور وظائف وغیرہ پر عمل کرتا تھا۔ اور اس عشق میں دیوانہ سا تھا۔ اور اشعار عاشقانہ پڑھا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک شعر اس کا اب یاد ہے ؎

شوخئے بہ زلف گذشت مارا تیرے بہ جگر نشست مارا

غرض اس حالت میں وہ قادیان آیا۔ اور حضور سے اپنا حال بیان کیا۔ حضور نے فرمایا کہ ہمارے پاس رہو۔ اس کے کچھ عرصہ بعد میں قادیان گیا۔ تو وہ کہنے لگا کہ میرا عشق کم ہوتا جا رہا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ وہ حضرت صاحب کی

بیعت میں شامل ہو گیا۔ اور حضور کا نہایت مخلص عاشق ہو گیا۔

۵۔ ایک دوست نے بہت محنت کوشش اور صرف کثیر کر کے کسی شخص سے ایک کشتہ کا نسخہ حاصل کیا اور کشتہ بنا کر حضور کی خدمت میں پیش کیا اور نسخہ بھی دیا۔ ایک اور دوست نے مجھے کہا کہ وہ نسخہ حاصل کیا جائے مگر وہ دوست کسی کو بتاتے نہ تھے۔ میں حضرت صاحب کی خدمت میں گیا۔ اور عرض کیا۔ کہ فلاں دوست نے کوئی کشتہ حضور کو دیا ہے۔ فرمانے لگے۔ . . . . وہ شیشی پڑی ہے لے لو۔ میں نے عرض کیا اس کا نسخہ؟ حضور نے فرمایا وہ بھی پڑا ہے۔ چنانچہ وہ کشتہ مع نسخہ کے میں لے آیا۔ اور اس دوست کو دکھایا کہ دیکھو تم نہیں بتاتے تھے۔ میں لے آیا ہوں۔ یہ ہے۔ وہ حضور کی خدمت میں جا کر عرض کرنے لگا۔ کہ حضور نے وہ دیدیا ہے فرمانے لگے۔ وہ ہم سے لے گئے۔ اور پھر حضور نے مجھے یہ بھی فرمایا۔ کہ مرزا صاحب (یعنی حضور کے والد صاحب مرحوم) کی بیاض ہمارے پاس ہے۔ اس میں بہت عمدہ نسخے ہیں۔ آپ وہ لے لیں۔ پھر مجھے اس بیاض کے لینے کا خیال نہ رہا۔ گو حضور نے عنایت فرمانا چاہی تھی۔

۶۔ ایک احمدی حاجی حسین نامی تھے۔ وہ حج کر کے آئے۔ اور سچے سیپ کی ایک تسبیح لائے۔ اور لا کر تحفۃً حضور کی خدمت میں پیش کی۔ اس وقت خاکسار اور سیالکوٹ کے ایک دوست حضور کی خدمت میں حاضر تھے۔ ہمارے سامنے حاجی حسین صاحب نے تسبیح حضور کی خدمت میں پیش کی۔ حضور نے جزاک اللہ فرمایا۔ وہ تسبیح خوبصورت بہت تھی۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس کے جانے کے بعد میں یہ تسبیح لے لونگا۔ اور سیالکوٹ کے دوست جو تھے۔ انہوں نے بھی یہ ارادہ کیا ہوا تھا۔ جب حاجی حسین صاحب چلے گئے۔ تو سیالکوٹ والے دوست نے عرض کیا۔ کہ حضور یہ تسبیح بڑی خوشنما ہے آپ نے فرمایا اگر آپ کو پسند ہے تو آپ لے لیجئے۔ اور تسبیح انہیں دیدی۔ میں نے عرض کیا حضور ارادہ تو میرا بھی اسے لینے کا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ آپ دونوں نصفا نصف کرلیں۔ بعد میں سیالکوٹ والے دوست مجھے کہنے لگے کہ تسبیح سو دانے کی ہوتی ہے۔ میرے پاس ہی رہنے دیں۔ میں نے کہا اچھا۔ آپ ہی رکھ لیں۔

۷۔ میاں جی نظام الدین احمدی ساکن کپورتھلہ نہایت غریب آدمی تھے۔ پیدل چل کر وہ قادیان گئے اور دو آنے حضور کو نذر کے طور پر پیش کئے۔ حضور نے جزاکم اللہ کہکر دو آنے لے لئے۔ چند دن بعد نظام الدین

صاحب رخصت ہونے لگے حضور نے فرمایا ٹھہرو۔ اندر سے جا کر سات یا آٹھ روپے حضور لائے۔ اور میاں جی نظام الدین کو عنایت فرمائے۔

۸۔ مرزا نظام الدین صاحب اور مرزا امام الدین صاحب باوجودیکہ سخت مخالف تھے مگر ضرورت کے وقت جب کبھی انہوں نے سوال کیا۔ تو حضور اسے پورا کر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ میرے سامنے مرزا نظام الدین صاحب نے پچاس روپیہ یا کچھ کم وبیش حضور سے طلب کئے۔ اور حضور نے فوراً حافظ حامد علی کے ہاتھ بھجوا دیئے۔

۹۔ ایک دفعہ ایک مولوی قادیان آیا۔ اور حضور سے بحث کرنے لگا۔ پھر حضور نے اُسے جواب دینا شروع کیا۔ تو وہ خاموش ہوگیا۔ وفات حیات عیسےٰ علیہ السلام پر گفتگو تھی۔ اور ابتدائی زمانہ کا یہ واقعہ ہے۔ آپ نے جب اس کو سمجھایا اور وہ خاموش رہا۔ تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ سمجھ گئے ہیں۔ اُس نے کہا جی میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ دجّال ہیں۔ چونکہ دجّال کی صفت میں یہی آیا ہے کہ وہ بحث میں دوسروں کو بند کر دیا کریگا۔ آپ نے پھر کچھ نہیں فرمایا۔ اور وہ چلا گیا۔ امرتسر جا کر اس نے ایک اشتہار چھپوایا۔ اور اس میں یہ واقعہ بیان کیا۔ کہ میں نے یہ الفاظ کہے۔ لیکن باوجود اس کے جب آپ اندر تشریف لے گئے۔ تو میں نے ایک رقعہ بھیجا۔ کہ میں ضرورتمند ہوں۔ کچھ سلوک میرے ساتھ کرنا چاہیئے۔ آپ نے فوراً پندرہ روپے بھجوادیئے۔ آپ سخی بہت ہیں۔ اور آپ کے منہ پر بھی سخت لفظ کہا جائے تو آپ رنج نہیں کرتے۔ آپ نے خود اس آخری امر کا کسی سے ذکر نہیں کیا تھا۔ لیکن اس اشتہار سے اس پندرہ روپے دینے کا پتہ چلا۔

۱۰۔ حضور ایک مرتبہ لدھیانہ جا رہے تھے۔ ہم کرتار پور سے آپ کے ساتھ ریل میں سوار ہو لئے یعنی منشی روڑا صاحب۔ محمد خانصاحب اور خاکسار۔ حضور انٹر کے درجے میں تھے۔ ہم اتفاق سے وہیں جا بیٹھے۔ مگر ہمارے پاس تیسرے درجہ کا ٹکٹ تھا۔ حضور نے پوچھا آپ کے پاس ٹکٹ کونسے درجے کے ہیں (یہ محض اتفاقیہ اور خلاف معمول بات تھی۔ جو حضور نے دریافت فرمایا) ہم نے کہا سوئم درجے کے ٹکٹ ہیں۔ آپ نے فرمایا انٹر کا کرایہ جا کر ادا کر دینا۔ جب اسٹیشن پر ہم نے وہ زائد پیسے دیئے۔ تو سٹیشن ماسٹر نے جو ہمارا واقف تھا لینے سے انکار کیا۔ کہ معمولی بات ہے۔ منشی روڑا صاحب نے کہا کہ یہ ہمارے مرشد کا حکم ہے۔ اس پر بہت اثر ہوا۔ اور وہ پیسے ادا کئے گئے۔

۱۱۔ جب میرا لڑکا محمد احمد پیدا ہوا۔ تو مَیں نے ابھی حضور کو اطلاع نہیں دی تھی۔ آپ کو کسی اَور سے اطلاع دیدی۔ آپ نے مجھے خط ارقام فرمایا کہ "لڑکا نوزاد مبارک ہو۔ اس کا نام محمد احمد رکھدیں۔ خدا تعالیٰ با عمر کرے" حضور نے بلا میری درخواست کے یہ نوازش فرمائی۔ اور نام تجویز فرمایا۔

۱۲۔ جب حضور کو مسیح موعود ہونے کا الہام ہوا۔ تو میرے دوست منشی روڑا صاحب نے ذکر کیا کہ ایک بڑا ابتلاء آنیوالا ہے۔ وہ قادیان سے یہ الہام سُنکر آئے تھے۔ مَیں نے اُن سے دریافت کیا۔ مگر انہوں نے نہ بتلایا۔ مگر یہی کہتے رہے کہ ایک بڑا ابتلا آنیوالا ہے۔ اس پر مَیں خود قادیان چلا گیا تو حضور نے فرمایا، کہ ہمیں یہ الہام ہُوا ہے۔ مَیں نے اسی وقت عرض کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو شخص ان کا زمانہ پائے وہ میرا سلام انہیں پہونچا دے۔ اس لئے مَیں آنحضرت کی طرف سے حضور کو سلام پہونچاتا ہوں۔ حضور بہت ہی خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ جس اخلاص اور محبت سے کپورتھلہ والوں نے مانا ہے۔ اس کی نظیر کم ہے اسکے کچھ دن بعد مَیں نے واپسی کی اجازت چاہی کہ اپنے دوستوں کو جاکر اطلاع دوں۔ حضور نے فرمایا آپ ذرا ٹھہریں۔ مَیں ایک کتاب فتح اسلام لکھ رہا ہوں۔ وہ چھپ جائے تو لیکر جائیں۔ مَیں ایسے دلائل دُونگا۔ کہ مخالفوں کو ڈھونڈ ھےگے۔ تو گھر سے نہ ملیں گے۔

مَیں کپورتھلہ واپس آیا۔ تو منشی روڑا صاحب محمد خاں صاحب سے اس دعوے کا ذکر کر چکے تھے اور دونوں میرے انتظار میں یکہ خانہ کپورتھلہ پر جایا کرتے تھے۔ مَیں جب واپس آیا۔ تو مَیں نے یکے میں سے ہی کہا کہ ہمارا تو پہلے سے ہی ایمان ہے۔ آپ (منشی روڑا صاحب) یہ ابتلا کیا لئے پھرتے تھے۔ اس پر دونوں صاحب مجھ سے لپٹ گئے (بغلگیر ہو گئے) کہ ہم اب تین ہو گئے۔

پھر ہم نے اسی وقت بلا توقف جاکر منشی عبد الرحمن صاحب سے ذکر کیا تو انہوں نے فوراً کہا۔ اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا

۱۳۔ حضور کا ایک خط آیا۔ لفافہ پر ہم تین آدمیوں کا نام لکھا تھا۔ منشی روڑا صاحب کا محمد خاں صاحب کا اور میرا۔ بات یہ ہوئی تھی۔ کہ حضور کے اں کوئی ختنہ یا عقیقہ یا اسی قسم کی کوئی تقریب تھی۔ اس کی اطلاع ہمیں نہیں آئی تھی۔ اس پر ہم تینوں نے حضور کو لکھا کہ ہمیں اس بارے میں اطلاع نہیں ہوئی اور شرف شمولیت نہیں ملا۔ اس کا ہمیں صدمہ ہے۔ اس پر آپ کا یہ خط آیا۔ کہ واقعی آپ کو صدمہ ہُوا ہوگا۔ میں نے

مولوی عبدالکریم صاحب کو کہدیا تھا کہ بعض خاص خاص دوستوں کو شامل ہونے کیلئے اطلاع دیدو۔ انہیں سہو ہو گیا جو آپ کو اطلاع نہیں دی۔ اور اس کا مجھے بھی قلق ہے ؛

۱۴۔ جب حضور عربی لکھتے تھے۔ تو ساتھ ساتھ خوش الحانی سے پڑھتے جاتے تھے۔ میں نے بارہا دیکھا ہے ؛

۱۵۔ ایک دفعہ حضور کوئی کتاب لکھ رہے تھے۔ ملاقات بند تھی۔ مولوی عبدالکریم صاحب کھڑکی میں اوپر بیٹھے تھے۔ میں حضور کی ملاقات کیلئے جا رہا تھا۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے مجھے جاتا دیکھکر کہا یا ظفر و آ خدا کے واسطے یہ وقت نہیں ہے (مولوی صاحب مرحوم مجھ سے بہت ہی بے تکلفی اور محبت رکھتے تھے) لیکن میں نے جا کر دستک دی۔ حضور نے کواڑ کھول دیئے۔ میں ذرا سی دیر بیٹھکر چلا آیا ؛

۱۶۔ حضور فرماتے تھے کہ جو کتاب میں لکھتا ہوں وہ پوری مکمل میرے اندر تیار ہو جاتی ہے حتیٰ کہ میرا قلم اتنی جلدی نہیں چل سکتا۔ جتنی جلدی مضمون ؛

۱۷۔ حضور میں یہ ایک خاص بات ہم نے دیکھی۔ کہ اگر معترض کے پاس اعتراض کے لئے کافی الفاظ نہ ہوتے تھے تو حضور اس کو اظہار مدعا میں مدد دیتے تھے۔ حتیٰ کہ معترض سمجھتا کہ اب جواب نہیں ہو سکیگا۔ پھر حضور جب جواب دیتے تو سماں بندھ جاتا ؛

(نوٹ از جانب عاجز محمد احمد کاتب روایات) ۱۷ اگست ۱۹۴۱ء کو عاجز نے مندرجہ بالا روایات لکھیں اور اس روایت کے بعد کہ "حضور میں یہ ایک خاص بات ہم نے دیکھی" عرض کیا کہ کچھ اور لکھوائیں۔ والد صاحب نے نہایت دردمندانہ الفاظ میں آبدیدہ ہو کر فرمایا "محمد احمد! ہمیں خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسی خاص الخاص خدمات کا موقعہ ملا ہے کہ ہم تو وہ باتیں اب بیان بھی نہیں کر سکتے" روایات کے متعلق آپکے یہ آخری الفاظ تھے جو بعد میں مضمون کو ختم کرنیوالے ثابت ہوئے۔ کیونکہ اس کے بعد روایات لکھنے کا عاجز کو موقعہ نہیں ملا۔ اور ۱۸ اگست ۱۹۴۱ء کو آپ بیمار ہو گئے۔ ۱۹ اگست ۱۹۴۱ء کو بہت کمزور ہو چکے تھے۔ اس حالت میں میں نے دریافت کیا۔ کہ آپ ایک روایت بیان فرمایا کرتے تھے۔ کہ ایک دفعہ سردی کے موسم میں گورداسپور کے مقام پر حضور نے اپنے لحاف میں اپنے ساتھ مجھے سُلا لیا۔ وہ روایت لکھوا دیں۔ فرمایا "اس وقت بیان نہیں کر سکتا" اس وقت آپ اتنے کمزور تھے کہ آپکے منہ کے پاس کان لگا کر میں نے یہ الفاظ سُنے۔ پھر

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا عیادت کا خط آپکو سنایا۔ اور آپ نے جواب میں وعلیکم السلام کہا۔ اس سے ذرا پیشتر یہ دریافت فرمایا :۔ "اور حضرت صاحب کہاں ہیں" میں نے عرض کیا حضور تو ڈلہوزی میں ہیں۔

۲۰ اگست ۱۹۲۱ء کو صبح ۶¼ بجے آپ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٭

پس آخری روایت یہ تھی کہ "محمد احمد ہمیں خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسی خاص الخاص خدمات کا موقعہ ملا ہے کہ ہم تو وہ باتیں اب بیان بھی نہیں کر سکتے ۔"

۱۷ اگست ۱۹۲۱ء کو فرمایا " اس بات کا تو ذرا بھی ڈر نہیں کہ موت آئی۔ میرا جہاز خدا کے فضل سے بھرا ہوا ہے ۔"

۱۹ اگست ۱۹۲۱ء کو فرمایا :۔ "حضرت صاحب کہاں ہیں؟" اور پھر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے عیادت نامے اور سلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے کوئی لفظ نہیں فرمایا۔

وصال سے ڈیڑھ سال پیشتر آپ کو رویا کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور میں آپ کو بلایا گیا ہے۔ چنانچہ آپ کو یقین تھا کہ اب آپ کے وصال کا وقت قریب ہے اور بعض دوستوں سے اس رویا کے بعد اس امر کا اظہار اور آخری ملاقات آپ نے کی۔

۲۰ کو والد صاحب اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ علاوہ مندرجہ بالا روایات کے چند روایات آپ کی بیان کردہ مجھے یاد ہیں۔ جو اپنی یادداشت سے حتی الوسع والد صاحب کے لفظوں میں درج ذیل کرتا ہوں :۔

۱۔ فرمایا۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے تھے کہ حدیث میں جو لفظ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلے ہیں وہ دوسرے الفاظ سے جو راوی کے اپنے ہوں مجھے اس طرح نمایاں نظر آتے ہیں جیسے پتھر میں لعل اور ہیرا جڑا ہو۔

۲۔ فرمایا۔ حضور ایک دفعہ بہت بیمار ہوئے۔ حضور کے ہاتھ پاؤں سرد پڑ گئے۔ اور بظاہر حال آخری وقت معلوم ہوتا تھا۔ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم موجود تھے۔ اور زار زار رو رہے تھے۔ اتنے میں حضور نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا۔ موت کیا ہے یہ ایک مرکب ہے جو دوست کو دوست کے پاس پہونچا دیتا ہے۔ اگر

موت نہ ہوتی تو سالکوں کے تمام سلوک ناتمام رہ جاتے ۔

۳۔ فرمایا۔ حضور جب کسی شخص کی سفارش فرماتے تو عموماً یہ الفاظ ارقام فرماتے۔ کہ جہاں تک حق و انصاف اجازت دے۔ آپ اس کی رعایت رکھیں ۔

۴۔ فرمایا۔ حضرت صاحب نے مجھے ایک راز بتایا ہوا ہے۔ میں وہ کسی کو بتا نہیں سکتا ۔

۵۔ ایک دفعہ حضور نے فرمایا۔ میں تمہیں مسیح پرست بنانے کیلئے نہیں آیا بلکہ مسیح بنانے کیلئے آیا ہوں ۔

۶۔ فرمایا۔ مسجد نور کے سامنے جہاں اب جلسہ سالانہ ہوتا ہے۔ یہ جگہ کف دست میدان تھا۔ ایک دفعہ سیر کو جاتے ہوئے اس جگہ پر حضور نے فرمایا۔ جی یہ چاہتا ہے کہ یہاں چاروں طرف سے اللہ اکبر کی آوازیں آئیں۔ پھر والد صاحب نے فرمایا۔ دیکھ لو اس جگہ کے چاروں طرف مساجد ہیں اور اللہ اکبر کی آوازیں آتی ہیں ۔

۷۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ قرآن شریف کی آیت سکراً ورزقاً حسناً۔ میں سکر کا لفظ آیا مقام مدح میں ہے۔ حضور نے فرمایا سکر کے معنی عرق بھی ہوتے ہیں ۔

۸۔ ایک دفعہ حضور دہلی تشریف لے جا رہے تھے۔ میں ساتھ تھا۔ امرتسر کے سٹیشن پر مولوی محمد حسین بٹالوی موجود پائے گئے۔ میں نے حضور سے عرض کی کہ مولوی محمد حسین یہاں ہیں۔ حضور نے فرمایا انہیں ہماری اطلاع کر دو۔ میں مولوی محمد حسین کے پاس گیا۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا۔ او کپور تھلیو! تم بھی گمراہی میں پڑے ہو۔ میں نے کہا حضرت صاحب دہلی تشریف لے جا رہے ہیں۔ کہنے لگا۔ پھر مجھے اس سے کیا۔ میں نے کہا پھر تمہارا کام وہاں کون کریگا۔ اس پر وہ جھنجلا کر مجھے بے تکلفی سے برا بھلا کہنے لگا پھر خود ہی اس نے کہا میں نے مرزا کے خلاف ایک مضمون لکھا تھا جس بیگ میں وہ مضمون تھا وہ بیگ گم ہو گیا ہے۔ میں نے کہا اب بھی آپ ایمان نہیں لاتے۔ کہنے لگا اچھا یہ بھی مرزا کی کرامت ہوئی۔ میں نے کہا تو اور کیا ہوا۔ کہنے لگا کیا میں دوبارہ وہ مضمون نہیں لکھ سکتا۔ میں نے کہا۔ کیا خدا تعالیٰ دوبارہ اُسے ضائع نہیں کر سکتا۔ اس پر وہ چپ ہو گیا ۔

اسی طرح ایک دفعہ مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی نے مجھے کہا۔ مجھے ایک ایسی حدیث معلوم ہے کہ اگر میں وہ بتا دوں تو مرزا کو بڑی مدد ملے۔ میں نے کہا مولوی صاحب ذرا اس آیت کا ترجمہ مجھے بتا دیں۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللّٰهِ۔ بس پھر وہ خاموش ہو گئے ۔

دواخانہ نورالدینؓ

(بیادگار)

حضرت حکیم الامتہ طبیب شاہی حاجی الحرمین سیدنا نورالدین خلیفۃ المسیح الاولؓ

(زیر نگرانی)

ابناء حکیم الامت حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ

آپ اپنی تمام طبی ضرورتوں کے لئے "دواخانہ نورالدینؓ" کو لکھئے کیونکہ اوّل یہی وہ دواخانہ ہے جسکے پاس حضرت حکیم الامتہ کی تمام عمر کے مجربات کا نچوڑ جس کو آخری عمر میں حضور نے ایک قلمی بیاض میں جمع کر دیا تھا بعینہٖ محفوظ ہے۔ دوئم دواؤں کی تیاری میں نہایت درجہ احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ اور چُن چُن کر صحیح، خالص اور مؤثر اجزاء خریدے اور فراہم کئے جاتے ہیں۔ اور وہ تمام جڑی بوٹیاں جو عام طور پر بازاروں میں نہیں ملتیں۔ یا جن کی بجائے عطار اور پنساری غلط چیزیں فروخت کر دیتے ہیں۔ خاص طور پر صحیح جگہوں اور صحیح وقتوں میں کوشش کر کے مہیا کی جاتی ہیں۔ اور کسی نسخہ میں اس کے قیمتی اجزاء کے قلیل القیمت بدل نہیں ڈالے جاتے۔

اس دواخانہ کے چند خاص الخاص مجربات کی فہرست آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

المشتہرین

ابناء حکیم الامت طبیب شاہی حضرت سیدنا نورالدینؓ

سرمۂ مبارک

شہنشاہِ طب کی بیاضِ خاص کا تحفہ

یہ سرمہ ککروں کو زائل کرتا ہے۔ ان کی وجہ سے آنکھوں میں آشوب یا زخم آگیا ہو۔ اور بینائی کم ہوتی جاتی ہو۔ آنکھوں میں خارش اور کھجلی ہو تو ان حالتوں میں "سرمۂ مبارک" کا استعمال بہت مفید ہے۔ یہ سرمہ آنکھوں کو ہلکا اور صاف کرتا ہے۔ اس کا دائمی استعمال آنکھوں کو امراض و آفات سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس سرمہ کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ یہ حضرت حکیم الامت کے اپنے نادر قیمتی اور نہ گھسنے والے کھرل میں ہفتوں کی محنت سے تیار کیا گیا ہے۔

قیمت ایک تولہ اڑھائی روپیہ۔ چھ ماشہ ایک روپیہ آٹھ آنہ۔ تین ماشہ بارہ آنہ صرف

مرہم نور

یہ عجیب و غریب مرہم ہر قسم کے گھاؤ، دنبل، پھوڑے، پھنسیوں اور زخموں کو گلنے سڑنے سے بچا کر تمام زہریلے اور فاسد مادوں کو ان کی جڑوں سے کھینچ نکالتا ہے بگڑے ہوئے اور گندے سے گندے زخم اس کے استعمال سے اچھے ہو جاتے ہیں۔ اس کا ایک ہی پھایا اپنے حیرت انگیز اثرات دکھا دیتا ہے۔ اس مرہم کو استعمال کرنے کے بعد یقیناً آپ کسی دوسری مرہم کی تلاش نہیں کرینگے۔ ایسی بہترین مرہم کا ہر گھر میں موجود رہنا نہایت ضروری ہے۔

قیمت بڑی ڈبیہ ایک روپیہ بارہ آنہ۔ چھوٹی ڈبیہ ایک روپیہ صرف

سخت امراض کی فہرست

کیا آپ خدانخواستہ ان میں سے کسی مرض میں

مبتلا ہیں؟

آنکھوں کی بیماریاں

بچوں کی بیماریاں

امراض جگر و معدہ

ذیابیطس

پیچش

نزلہ

بالوں کی بیماریاں

کمزوری دماغ

کمزوری اعضائے ہضم

ضعف ہاضمہ

ضعف قلب

ضعف جگر

اٹھرا

سرطان

اسقاط حمل

خرابی ایام

سیلان الرحم

ضعف باہ

امراض خون

دق وسل

کنٹھ مالا

پائیوریا

تلی

کنٹھیا

زچہ کا بخار

جنون

اگر ایسا ہے

تو اپنے مرض کے مفصل حالات لکھکر بھیجئے۔ ہر قسم کی خط وکتابت کیلئے صرف یہ پتہ یاد رکھیں:۔

دواخانہ نور الدین قادیان

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز

(یعنی)

دنیا کے مذاہب پر ناظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد | ماہِ محرم الحرام ۱۳۶۱ھ مطابق ماہِ فروری ۱۹۴۲ء | عدد ۲

فہرست مضامین

مذہب کی ابتداء

(از جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب ایم۔ اے گورنمنٹ کالج لاہور)

{یہ تقریر جناب پروفیسر صاحب موصوف نے "مذہب" کے موضوع پر مختلف تقریروں کے سلسلہ میں آل انڈیا ریڈیو لاہور سے نشر کی۔ ڈائرکٹر صاحب آل انڈیا ریڈیو لاہور کی اجازت سے اسے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔}

مذہب کے متعلق جو بھی سوال ہو، اس کے دو جواب ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو مذہب کے ماننے والوں کی طرف سے دیا جاتا ہے، اور دوسرا وہ جو مذہب کے نہ ماننے والوں کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ اسی سوال کو لیجئے، کہ مذہب کی ابتداء کیسے ہوئی؟ یعنی شروع شروع میں مذہب کی کیا صورت تھی، اور پھر مختلف تاریخی دوروں میں سے گذر کر وہ صورت کیا سے کیا ہوگئی؟ اس کے بھی دو جواب ہیں۔ مذہب کو ماننے والے تو یہ جواب دیتے ہیں، کہ مذہب انسان کو خدا نے خود سکھایا، اس لئے ابتداء ہی سے مذہب کی مرکزی تعلیم یعنی ایک خدا کا خیال دنیا کی مختلف قوموں میں موجود رہا ہے۔ اور یہ کہنا کہ ابتداء میں ایک خدا کا خیال کہیں بھی موجود نہ تھا، اور لوگ مختلف قسم کے توہمات میں گرفتار تھے، جو آہستہ آہستہ ایک خدا کے عقیدہ میں بدل گئے، بالکل غلط ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ مذہب کو نہیں مانتے۔ ان کا خیال یہ ہے، کہ چونکہ خدا کا وجود دراصل خود ایک واہمہ ہے، اس لئے خدا کا عقیدہ بھی انسان کے وہم نے خود ایجاد کیا ہے۔ اور چونکہ ایک خدا کا عقیدہ یک بیک پیدا ہونا محال تھا، اس لئے وہ کھینچ تان کر یہی دکھانے کی کوشش کرتے ہیں، کہ یہ عقیدہ آہستہ آہستہ پیدا ہوا ہے، اور کئی منزلوں سے گذر کر اپنی موجودہ شکل کو پہونچا ہے۔

اب اگر ہم مذہب کے تاریخی حصے پر نظر ڈالیں، یعنی اس وقت سے مذہب کو دیکھیں جب سے وہ

باقاعدہ ریکارڈ میں آنے لگا ہے، تو ہمیں کوئی ایسا ارتقاء نظر نہیں آتا، جیسا کہ مذہب کے منکر ہم سے منوانا چاہتے ہیں۔ بے شک مذہب کا ہر دور اپنا مخصوص پیغام لایا ہے۔ اور بے شک ہر دور میں ایک تبدیلی اور ایک ترقی نظر آتی ہے، لیکن ہمیں یہ نظر نہیں آتا، کہ ابتداء میں جو مذہبی رہنما دنیا میں آئے، انہوں نے تو توہمات کی تعلیم دی ہو، یعنی مثلاً درختوں، جانوروں اور ستاروں و سیاروں وغیرہ کی پرستش سکھلائی ہو، اور بعد میں آہستہ آہستہ یہ تعلیمیں ایک خدا کے خیال میں ڈھل گئی ہوں۔ بلکہ اس کے برعکس یہ نظر آتا ہے، کہ شروع ہی میں ایک خدا کا خیال پیش کر دیا گیا تھا۔ بعد میں یہ خیال اپنی تفاصیل کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی بدل گیا ہو، اور ان تفاصیل کے نتیجہ میں وہ عملی تعلیم جو مذہب نے آخر جا کر پیش کی ہو، پہلے سے کتنی ہی مختلف کیوں نہ ہو، لیکن اصولی صورت میں ایک خدا کا خیال قدیم سے قدیم مذہب میں بھی ہمیں موجود نظر آتا ہے۔ لیکن مذہب کے منکر عموماً مذہب کے تاریخی حصے کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ یہ تو اس زمانے کی بات ہے، جبکہ مذہب کی ایک معین شکل بن چکی تھی۔ ہمیں تو اس سے بھی پہلے کا حال معلوم کرنا چاہیئے۔ اور اس زمانے کے متعلق چھان بین کرنی چاہیئے، جبکہ انسانی سوسائٹی ابھی بالکل ابتدائی حالت میں تھی، اور انسانی تمدن کو پیدا ہوئے کوئی زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا۔ ایسے زمانے کے حالات تاریخ میں تو ملتے نہیں۔ لیکن یہ لوگ کہتے ہیں، کہ ابھی دنیا میں کئی ایسی قومیں باقی ہیں، جو تہذیب و تمدن اور علم کے لحاظ سے بالکل ابتدائی حالت میں ہیں۔ اگر ایسی قوموں کے حالات کا مطالعہ کیا جائے، تو ہمیں انسانی کلچر کے ہر شعبے کی ابتداء کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ پھر آثار قدیمہ یعنی وہ ریکارڈ جو پتھروں اور تصویروں کی صورت میں یا روزمرہ کے استعمال کی چیزوں کی صورت میں ہمیں مل جائیں اور جن سے قدیم سے قدیم انسانوں کے حالات معلوم کئے جا سکتے ہوں، ان سے ہمیں یہ پتہ لگ سکتا ہے، کہ ابتداء میں مذہب کی کیا صورت تھی لیکن قدیم قوموں اور قسم قسم کے آثار قدیمہ کے مطالعہ سے بھی جو کچھ معلوم ہو سکا ہے، یہ ہے، کہ دنیا میں اگرچہ کئی قسم کی توہم پرستی بھی موجود رہی ہے، اور اب تک موجود ہے، لیکن ایک خدا کا خیال اور ایک خدا کی پرستش بھی ہمیشہ سے موجود رہی ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک محقق تو دنیا کی قدیم قوموں کے

حالات بیان کرتا ہؤا صرف یہ بتاتا ہے، کہ وہ قومیں بُری طرح توہمات میں مبتلا تھیں۔ کوئی چیز نہ تھی، جس کی وہ پرستش کرنے کو طیار نہ تھیں۔ لیکن ایک دوسرا محقق ایسی ہی قوموں کے حالات بیان کرتا ہؤا ہمیں یہ بتاتا ہے، کہ وہ قومیں اگرچہ تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے بہت ادنیٰ حالت میں تھیں، اور ان کی موجودہ مثالیں بھی علم اور ہنر کے لحاظ سے نہایت ہی ابتدائی حالت میں ہیں۔ چنانچہ ان کی دماغی لیاقت کا یہ حال ہے کہ شاید دس۱۰ بیس۲۰ سے زیادہ گن نہیں سکتیں۔ لیکن پھر بھی ان قوموں میں ایک خدا کا خیال موجود تھا، اور ہے۔ اور ایک خدا بھی ایسا جو اَن دیکھا ہو، اور انسانی آنکھ سے پوشیدہ، قدرت کے تمام عجائبات کے پیچھے اپنا کام کر رہا ہو۔

قدیم قوموں میں ایک طرف توہمات اور مشرکانہ خیالات اور مشرکانہ رسوم کا موجود ہونا، اور دوسری طرف ایک خدا کا خیال اور ایک خدا کی پرستش کا پایا جانا صاف بتاتا ہے، کہ خدا کا عقیدہ کسی ایک ابتدائی نقطے سے شروع ہو کر اپنی موجودہ شکل کو نہیں پہونچا۔ بلکہ جیسا کہ مذہب کے ماننے والے کہتے ہیں، وہ ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔ اور یہ توہم پرستی جو قدیم قوموں میں ہمیں ملتی ہے، صرف اس بات کا ثبوت ہے، کہ ایک خدا کا خیال بنتا اور بگڑتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا، بلکہ خدا کا خیال ایک مسلسل ارتقاء کا نتیجہ ہوتا، تو پھر ہونا یہ چاہیئے تھا، کہ انسان ایک خدا کے خیال میں روز بروز پختہ ہوتا چلا جاتا، اور کم از کم اس ترقی کے زمانے میں جبکہ انسان کے تمام افکار ترقی کی اعلیٰ منزلوں پر پہونچے ہوئے ہیں، ہمیں سب طرف یا تو خدا اور تمام قسم کی پوشیدہ طاقتوں کا انکار نظر آتا یا پھر ایک خدا کا خیال اور ایک خدا کی پرستش نظر آتی۔ لیکن واقعہ یہ نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس ہمیں یہ نظر آتا ہے، کہ خدا کے منکر تو خیر موجود ہیں، اور ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ مگر خدا کے ماننے والوں میں اگر ایک طرف ایسے ہیں، جو خدا کے مقابلے میں کسی اور چیز کے خیال کو برداشت بھی نہیں کر سکتے تو دوسری طرف بظاہر ایک خدا کو ماننے والے ایسے بھی ہیں جو طرح طرح کے توہمات میں مبتلا ہیں۔ آج قریباً ہر مذہب والے اس بات کا اقرار کرتے ہیں، کہ خالص ایک خدا کا خیال جیسا کہ پہلے ان کو سکھایا گیا تھا، اب موجود نہیں رہا۔ وہ کتابوں میں تو موجود ہے، اور مذہبی پیشواؤں کی تعلیم اور ان کے

نمونے میں تو وہ نظر آتا ہے، لیکن ان کے ماننے والوں کے دلوں میں وہ موجود نہیں، اور ان کے اعمال سے وہ خیال ظاہر نہیں ہوتا۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، کہ ایک خدا کا خیال بنتا اور بگڑتا رہتا ہے۔ اور اس کے بننے اور بگڑنے پر ذرا بھی تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ آخر انسان آزاد ہے اور مذہب کے ماننے والے بھی یہی کہتے ہیں، کہ خدا نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔ اور آزاد رہ کر ہی انسان خدا کی تمام صفات کا نمونہ ہو سکتا ہے۔ پس جب انسان آزاد ہے، یعنی آزاد ہے اپنے فکر میں اور اپنے عمل میں، تو وہ مجبور نہیں کہ ہمیشہ ایک ہی خیال پر قائم رہے۔ اور چونکہ خدا یہ بھی نہیں چاہتا، کہ کبھی انسان غلطی کرتا کرتا بالکل اندھیرے میں ہی جا پڑے، اس لئے وہ کبھی کبھی بھولے بھٹکے ہوئے انسان کا منہ پھر روشنی کی طرف موڑ دیتا ہے۔ اسی وجہ سے ہمیں انسان کی مذہبی تاریخ میں کہیں اندھیرے کے دور اور کہیں روشنی کے دور نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں قدیم قوموں میں توہم پرستی کے ہمراہ ایک خدا کا خیال بھی برابر نظر آتا ہے۔

جب ہم مذہب کے منکروں کا خیال تاریخی لحاظ سے غلط پاتے ہیں، تو وہ کہتے ہیں، کہ تاریخی لحاظ سے یہ غلط سہی، مگر نفسیاتی لحاظ سے یہ خیال غلط نہیں ہو سکتا، کہ ایک خدا کا عقیدہ آہستہ آہستہ بعض نہایت ہی ابتدائی اور نہایت ہی ادنےٰ جذبات سے پیدا ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں، کہ اگر نفسیاتی لحاظ سے ہی ایسا ارتقاء ثابت ہو جائے، تو مذہب کے ماننے والوں کے لئے بڑی مشکل کا باعث ہوگا۔ لیکن اول تو ہم دیکھتے ہیں، کہ نفسیاتی نظریوں کی اتنی کثرت ہے، اور ان نظریوں کا آپس میں اس قدر اختلاف ہے، کہ اگر ہم یہ کہہ کر ان سب کو رد کر دیں، کہ جس دعویٰ میں گواہ ایسے الگ الگ بیان دیتے ہوں، وہ دعویٰ ضرور کچا ہے، تو ہرگز بے جا نہ ہوگا۔ مگر ہم ایسا ہرگز نہیں کہتے۔ بلکہ ایک ایک نظریئے پر غور کرنے کے لئے طیار ہیں۔ شرط صرف یہ ہے، کہ ہمیں وہ نظریہ تاریخی بانیانِ مذاہب کے تمام مخصوص حالات پر حاوی اور مسلط نظر آئے۔ مثلاً یہ کہنا کہ مذہب خوف کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے بالکل باور نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ بانیانِ مذاہب جہاں اور باتوں میں عام لوگوں سے ممتاز نظر آتے ہیں، وہاں نڈر اور بے خوف ہونے کے لحاظ سے بھی وہ دوسروں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ اور نہ صرف

وہ بالکل ان کی حاجتیں بھی نظر معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان کی تعلیموں میں ایسا نظام اور ایسی حکیمانہ تفاصیل نظر آتی ہیں، جو پراگندگی اور انتشار دماغی کے نتیجہ میں ہرگز پیدا نہیں ہو سکتیں۔ پس یہ کیونکر مانا جا سکتا ہے، کہ مذہب خوف کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔

اسی طرح یہ کہنا جیسا کہ اکثر آجکل کہا جاتا ہے، کہ مذہب امیری اور غریبی کی تفریق کو قائم کرنے کے لئے آتا ہے، یہی اس کا کام گذشتہ زمانے میں بھی رہا ہے اور یہی اس کا کام آجکل ہے، یہ بھی ہرگز قبول کئے جانے کے قابل نہیں۔ کیونکہ مذہب اگر ایسا کرتا، تو اس کی تعلیم میں امیری اور غریبی کی تفریق کو قائم کرنے کے سامان ہونے چاہئیں تھے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے، کہ مذہبی تعلیم میں امیری اور غریبی کی تفریق کو مٹانے کے سامان رکھے گئے ہیں۔ چنانچہ اسلام میں سود بالکل منع ہے۔ ہر شخص کے ترکہ کے اس کے مرنے کے بعد ایسے ٹکڑے کئے جاتے ہیں، کہ دولت ایک جگہ قائم نہیں رہ سکتی۔ پھر ہر شخص کے جمع شدہ مال پر چاہے وہ مال تجارت اور کاروبار میں ہی استعمال ہوتا ہو، اڑھائی فیصدی ٹیکس لگایا گیا ہے، جو حکومت کے خزانہ میں جمع ہونا چاہیئے۔ اور یہ ٹیکس کسی صورت میں بھی معاف نہیں ہو سکتا۔ پھر عبادات میں روزانہ اور سال میں بعض مواقع پر خاص اہتمام کے ساتھ امیروں اور غریبوں کو جمع کیا جاتا ہے۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے، کہ اسلام کی تعلیم میں امیری اور غریبی کی تفریق کو قائم نہیں کیا گیا، بلکہ اس کو مٹایا گیا ہے۔ پس مذہب کے متعلق یہ کہنا کہ یہ امیری اور غریبی کی تفریق کو قائم کرتا ہے، کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

بعض لوگ اس زمانے کے مشہور ماہر نفسیات فرائیڈ کے نظریہ سے مرعوب ہیں۔ فرائیڈ نے مذہب کی جڑھ گناہ کا احساس بتلائی ہے۔ اور گناہ کا احساس کیسے پیدا ہوا؟ اس کے لئے اس نے ایک عجیب افسانہ گھڑا ہے۔ وہ کہتا ہے، کہ ابتداء میں ہر باپ اپنے قبیلے کی سب عورتوں پر تصرف رکھتا تھا۔ اس پر اس کے لڑکے کڑھتے تھے۔ ایک روز تنگ آکر لڑکوں نے باپ کو قتل کر ڈالا لیکن اس خون بہانے پر وہ ندامت اور تاسف سے بھر گئے۔ اور اس طرح گناہ کا احساس پیدا ہوا، اور اسی طرح مذہب۔

اس پر ہمارا سوال یہ ہے کہ بچوں کو باپ کے قتل پر ندامت کیوں پیدا ہوئی؟ جب ابھی کوئی شریعت اور کوئی تعلیم موجود ہی نہ تھی، تو قتل کرنے پر ندامت کیسی؟ اور باپ کے تصرف پر کڑھنا اور اپنی طبیعتوں پر جبر کرنا کیوں؟ کیا وہ بھی بلا روک ٹوک اپنی ہوس کو پورا نہ کر سکتے تھے؟......

...بات یہ ہے، کہ فرائیڈ کا نظریہ سراسر افسانہ ہے۔ اور کسی معروف بانی مذہب پر پورا نہیں اترتا۔

اس جگہ ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر مذہب میں اس طرح کا ارتقاء نہ بھی ہوا ہو، جس طرح کا مذہب کے منکر مانتے ہیں، تو کیا مذہب میں بالکل کسی قسم کا ارتقاء نہیں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے، کہ ہوا ہے، اور ضرور ہوا ہے۔ اور یہ ارتقاء جو مذہب میں ہوا ہے، ٹھیک اسی طرح کا ہوا ہے جس طرح عالم حیات میں ہوا ہے۔ اور وہ یوں کہ ایک خدا کا خیال اصولی صورت میں تو ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔ لیکن اس تصویر میں جو پہلے ایک خاکے کے طور پر تھی، قسم قسم کی تفاصیل پیدا ہوگئیں۔ پھر ایک وقت آیا، کہ یہ تصویر مکمل ہوگئی۔ عین اسی طرح جس طرح کہ انسان کی ظاہری شکل مکمل ہوگئی۔ لیکن جس طرح انسان کے جسم کے مکمل ہونے کے باوجود اس کی دماغی، اخلاقی اور روحانی ترقیات جاری ہیں، عین اسی طرح مذہب کی ظاہری شکل مکمل ہوجانے کے باوجود مذہب کے باطنی فیوض جاری ہیں، اور جاری رہیں گے، اور ہر زمانے میں ایک نئے رنگ میں ظاہر ہوا کریں گے۔

ایک پُرانی تحریر

بَراہینِ احمدیہ پر تقریظ

[سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شہرہ آفاق تصنیف براہین احمدیہ پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں جو ریویو لکھا، اس سے بہت لوگ واقف ہیں۔ مگر غیروں کا تو کیا ذکر خود ہماری جماعت کے بھی اکثر احباب کو علم نہیں ہے، کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے علاوہ اور بھی بہت سے دردِ دل رکھنے والے مسلمانوں نے اس کتاب کی اشاعت پر خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا تھا، اور اہل قلم اصحاب نے اس پر شاندار تقریظیں شائع کی تھیں۔ ذیل میں ہم اخبار "منشور محمدی" کی تقریظ درج کرتے ہیں جو اُن دنوں بنگلور سے مولٰنا محمد شریف صاحب کی زیر ادارت شائع ہوتا تھا۔ یہ وہ روزہ اخبار صرف عیسائیوں کے اسلام پر حملوں کے جواب کے لئے وقف تھا۔ براہین احمدیہ کی اشاعت پر اس نے جو تقریظ لکھی، وہ آئندہ صفحات میں آپ ملاحظہ فرمائینگے۔ اس تقریظ سے دو باتیں نہایت نمایاں ہیں۔ اوّل یہ کہ اُس وقت مخالفین اسلام آریوں، برہموؤں اور عیسائیوں وغیرہ نے اسلام پر پورے زور سے یورش کر رکھی تھی۔ اور مسلمانوں کو ایک ایسے مردِ مجاہد کی ضرورت تھی، جو معقولی اور منقولی طور پر مخالفین کو ساکت کرنے کے علاوہ روحانی طور پر بھی اسلام کو دیگر مذاہب پر برتر و فائق ظاہر کرے۔ کیونکہ گو علماء اسلام انفرادی طور پر کہیں کہیں مخالفین اسلام کا مقابلہ

کر رہے تھے، مگر اسلام کو روحانی میدان میں غالب ثابت کرنا کسی ایسے شخص ہی کا کام ہو سکتا تھا، جو فی الحقیقت مقبول بارگاہِ ایزدی ہو، اور جسے مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کا شرف حاصل ہو۔ سو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وجود میں یہ ضرورت پوری ہوئی۔ آپ نے براہین احمدیہ میں جہاں معقولی اور منقولی طور پر مخالفین کے حملوں کے مُنہ توڑ جواب دیئے وہاں ان کو روحانی مقابلہ کے لئے بھی پُر زور تحدّی کی۔ اور یہی چیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اُس زمانہ کے دیگر خادمانِ اسلام سے ممتاز کرتی ہے۔

دوسری چیز جو اس تقریظ سے واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے، کہ اُس وقت درد مند دل رکھنے والے مسلمان ایک ایسی سوسائٹی کی ضرورت محسوس کر رہے تھے، جس کا کام تبلیغ اسلام ہو۔ اور یہ ضرورت بھی سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ پوری ہوئی آپ نے جماعت احمدیہ کی بنیاد جس مقصد کے پیش نظر ڈالی، وہ یہی تبلیغِ اسلام تھا۔ مسلمانوں کی خدمتِ دین سے غفلت ولاپرواہی اور بےحسی کا نوحہ اس تقریظ کے لفظ لفظ سے ظاہر ہے۔ ان حالات میں یہ ازبس ضروری تھا، کہ ایک ایسی فعّال جماعت قائم کی جاتی؛ جو تبلیغ اسلام کو اپنا شعار بناتی، اور حفاظتِ اسلام اس کا نصب العین ہوتا۔ الحمد للہ! کہ یہ سعادت جماعت احمدیہ کو نصیب ہوئی، جس نے اس ضرورت کو پورا کیا۔ چنانچہ یہ جماعت اسی وقت سے پوری تندہی اور انہماک کے ساتھ تبلیغ و دفاعِ اسلام میں مصروف ہے۔ جب دوسرے مسلمان کہلانے والے لوگوں میں سے بعض سیاسی الجھنوں میں پڑے ہوئے ہیں، اور بعض عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں، تو جماعت احمدیہ ہی ایک ایسی جماعت ہے، جو باوجود غریب اور کمزور ہونیکے اپنے اموال و نفوس کے ذریعہ ساری دنیا میں تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کر رہی ہے۔ جماعت احمدیہ کی گذشتہ اسلامی خدمات اس کے علیحدہ وجود کا جواز ثابت کر رہی ہیں۔ جو لوگ جمہور اہلِ اسلام سے ہماری علیحدگی پر اعتراض کیا کرتے ہیں، ان کیلئے اس میں جواب ہے۔

ملک فضل حسین صاحب احمدی مہاجر ہمارے دلی شکریہ کے مستحق ہیں، کہ ان کی کوششوں سے منشور محمدیؐ کی یہ تقریظ ہمیں میسر آئی۔ جزاہ اللہ خیراً۔ (ایڈیٹر)

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

براہین احمدیہ

ملقّب بہ

البراہین الاحمدیّہ علیٰ حقیّت کتاب اللہ القرآن والنّبوۃ المحمدیّہ

دامانِ نگہ تنگ گلِ حسن تو بسیار
گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

سُبحان اللہ! دنیا میں ایسے بھی لوگ ابھی موجود ہیں، کہ حمایت دینِ اسلام کے لئے محنت شاقہ اپنے پر گوارا کرتے ہیں۔ دین حق کی غمخواری میں زحمتیں اُٹھاتے، اور مصیبتیں جھیلتے ہیں۔ یا وہ لوگ بھی ہیں، جن کو دین سے سروکار نہیں۔ پاسداری دین کا آئین نہیں۔ دن رات دُنیا کمانے سے کام ہے۔ دین ان کے پاس برائے نام ہے۔ غفلت کے نشہ میں چُور ہیں۔ شراب نخوت سے مخمور ہیں۔ دنیا کے کاموں میں ہزار ہا روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ نام ونمود پر مرتے ہیں۔ دین جائے، ایمان جائے غم نہیں۔ ہاں غم ہے تو یہی کہ جیب سے دمڑی نہ جائے۔ کوئی کیسا ہی دین کا کام ہو، اگر اس میں پیسے کا کچھ صرف نظر آتا ہو، تو کچھ نہ کچھ حیلے سے ٹال دیتے ہیں۔ کہتے ہیں، کہ اس کی کیا ضرورت ہے! ضرورت ہے تو یہ ہے، نہ وہ ہے۔ غرض جس امر میں صرفِ زر کا گمان ہوتا ہے، ہر چند وہ سراسر دین ہے، مگر یہ لوگ کچھ نہ کچھ کہہ کر اس کی معاونت ومشارکت سے علیحدگی اختیار کرتے ہیں۔ ہنود کو دیکھو عیسائیوں کو دیکھو، مجوسیوں کو دیکھو، مختصر یہ کہ مذاہب باطلہ کے پیروؤں کو دیکھو، کہ وہ اپنے اپنے مذہب کی اشاعت میں کیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔ دین کے پھیلانے میں کیسا بار اُٹھاتے ہیں صعوبت گر

ان کے پاس کوئی چیز نہیں۔ صرف ذکر خیر کسی شمار میں نہیں۔ گالیاں دو، مارو، مگر ان کا ارادہ یہی ہوتا ہے، کہ کسی طرح اور کسی پیرایہ میں اپنے دین کی اشاعت ہو۔ اقسام کی تکالیف گوارا کرتے ہیں۔ مذہب کے پھیلانے میں جان تک دیتے ہیں۔ جیتے ہیں تو اس شوق میں کہ مذہب پھیلایا جائے مرتے ہیں تو اس میں کہ مذہب کی اشاعت ہو۔ یہ ان کی محنت اور یہ عرق ریزی گو باطل پر سہی۔ مگر ان کا نتیجہ ان کو ملتا رہتا ہے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی مقصد حاصل ہوتا ہے۔ کوئی زبان نہیں جس میں پادری لوگوں کے ٹراکٹ (چھوٹے چھوٹے رسالے) نہ چھپتے ہوں۔ راہ کی آمدورفت کرنے والوں کو مفت تقسیم نہ ہوتے ہوں۔ دین و مذہب کا چرچا اور دین کی اشاعت کی کوشش اگر ہے، تو مذاہب باطلہ میں ہے۔ مفت رسالجات اس لئے تقسیم ہوتے ہیں، کہ آخر کوئی شخص تو ان کے مطلب کو دیکھیگا کچھ نہ کچھ غور کرے گا۔ ذرا تو اثر ہوگا۔ بس یہی مقصد ہے۔ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو پادریوں کا یہ آئین ایسا ہے، کہ جس میں ان کا مطلب بوجہ احسن حاصل ہوتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ سُنی سُنائی بات کا کبھی نہ کبھی اثر ہوتا ہے۔ جاہل آدمی اپنے مذہب سے محض ناواقف جب ایسے رسالوں کو پڑھتا یا سنتا ہے، تو ضرور اس کے عقائد میں خلل آتا ہے۔ اگر فی الفور مذہب عیسوی میں نہ داخل ہُوا، تو اتنا تو ہوتا ہے، کہ یا وہ لامذہب یا دہریہ بن جاتا ہے۔ پس مقصد جو ان رسالوں کی اشاعت اور تقسیم مفت سے تھا حاصل ہوگیا۔

یورپ و امریکہ میں ہزاروں بلکہ لاکھوں ایسے اشخاص ہیں، جو دُنیا کو ترک کئے ہوئے اشاعت مذہب میں سرگرم ہیں۔ صدہا سوسائٹیاں ہیں، جن کا یہی کام ہے۔ کہ مذہب پھیلایا جائے۔ اخبار جاری ہیں۔ رسالجات چھپتے ہیں۔ ٹراکٹ لاکھوں شائع ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ مذہب کی اشاعت ہو۔ پادری صاحبان ترک وطن کئے ہوئے ہندوستان کو آتے ہیں۔ چین کو جاتے ہیں۔ جاپان کو روانہ ہوتے ہیں کاہیکو؟ اس لئے کہ جس دین کو وہ حق سمجھے ہوئے ہیں، اور جس پر نجات ان کے زعم میں منحصر ہے، اسی دین پر اَور لوگوں کو دعوت کر کے لائیں۔ اتنا بڑا کام اور عام منادی کے خرچ کے لئے عقل یہی چاہتی ہے، کہ لاکھوں روپیہ کا سرمایہ ہو۔ ورنہ ممکن بھی ہے کہ دنیا بھر کے لوگوں کو دین کی دعوت کی جائے؟

کوئی جزیرہ ایسا نہ ہو جس میں پادری لوگ اپنا تقل بڑا جمائے نہ بیٹھے ہوں۔ اور باوجود اس کے یہ سب کام کم خرچ میں ہو سکے۔ ایسا نہیں۔ سالانہ لاکھوں اس امر میں خرچ ہوتے ہیں۔ کروڑوں کی آمد بھی ہے کوئی عیسائی یورپ و امریکہ میں ایسا نہیں، جو مذہب کی اشاعت کے لئے اپنے مقدور بھر روپیہ نہ دیتا ہو۔ گرجا گھروں میں ہر ہفتہ چندہ ہوتا ہے۔ ماہانہ چندہ دینے والے موجود ہیں۔ سالانہ چندہ دینے والے علیحدہ ہیں۔ اکثر دولتمند ایسے ہیں، جنہوں نے اپنی جائیداد سے ایک حصہ اسی امر اشاعت مذہب کے لئے وقف کر دیا ہے۔ جو دولتمند لاوارث مرتے ہیں، وہ وصیت کرتے ہیں، کہ اپنی ساری ملک فلاں سوسائٹی اشاعت مذہب کے حوالہ ہو۔ ہزارہا روپیہ سود کا آتا ہے، کہ پادریوں کے صرف میں جاتا ہے۔ ادنیٰ و اعلیٰ مرتے وقت کچھ نہ کچھ بپاس مذہب وقف پادر کرتے ہیں۔ پس یہ مذہب کی عام خیرات ہے کہ اشاعت مذہب میں کام آتی ہے۔ اسی کے بدولت لاکھوں بت پرست دہریہ و لا مذہب مذہب عیسوی میں جیل در جیل آتے ہیں۔ پادریوں کے فخر کا باعث ہوتے ہیں۔

ملکہ معظمہ کوئین وکٹوریہ، پرنس آف ویلس، وزراء سلطنت انگلستان سے لیکر ادنیٰ مزدور تک مذہب کی تائید میں لقدر حوصلہ دیا کرتے ہیں۔ امریکہ اور دیگر ممالک یورپ میں بادشاہ سے لیکر فقیر تک کا یہی دستور ہے۔ کوئی گرجا گھر نہیں جس میں اتوار کے دن بقدر ضرورت چندہ نہ اٹھایا جاتا ہو۔ پس جہاں کہیں یہ وتیرہ ہو اور جس دین کے پیروؤں کا یہ حال ہو، تو پھر لاکھوں کروڑوں روپوں کا سرمایہ کس طرح بہم نہ آوے؟ لاکھوں کتب تائید مذہب، کروڑوں رسالے ترغیب دین میں کیونکر تالیف و شائع نہ ہوں؟ جس دین کے پیرو ایسے ہیں، کہ اپنے مذہب کے پاس میں صرف کثیر گوارا کرتے ہیں، اگر ان کا دین دنیا کے ہر ایک حصے میں پھیل جاوے، اور دین حق کے مقابلہ میں انہی کثرت کو وحدت پر غلبہ دے، تو یہ کون تعجب کی بات ہے؟

انصاف کہاں ہے؟ شیوہ دینداری کیا اسی کا نام ہے کہ ارباب مذاہب باطلہ تو اپنے مذاہب و ادیان کے پھیلاؤ میں اس طرح سرگرم ہوں، اور مسلمان جن کے دین متین کے منجانب اللہ ہونے پر شہادت عقلی و نقلی ہے، ایسے بے خبر پڑے ہیں کہ باوجود چو طرف کے ہنگامہ کے ہنوز ان کی آنکھ بھی نہ کھلی۔

اُٹھو بیٹھنا تو درکنار، صاحبو! یہ غفلت سراسر مذلت ہے، نہ یہ شیوۂ دین ہے، اور نہ اسلام کا آئین ہے۔ خیال تو کیجئے گا، کہ دین اسلام کی کیا حالت ہے۔ از تمادِ زمانہ نے اس حصن حصین وحدت کو کس طرح گھیر رکھا ہے۔ افواج مذاہب باطلہ کا کیا زور شور سے دھاوا ہو رہا ہے۔ اعتراضات کی توپیں کیسی اس کی فصیلوں پر چلائی جاتی ہیں۔ اہل قلعہ سے وہ لوگ جو اپنے پاس دین کا علم نہیں رکھتے اور اس کی خوبی کا امتیاز نہیں کر سکتے کیسی ابتر حالت سے دشمن کی قید میں پھنس جاتے ہیں سبحان اللہ حقیقت دین اسلام کا یہ کچھ اسباب مسلمانوں کے پاس موجود ہو اور وہ اپنے دین کے قلعہ کو دشمنوں کے سخت حملے سے نہ بچائیں۔ اور غفلت میں بیٹھے رہیں۔ یہ نہایت تعجب کی بات ہے۔ جب تک اہل قلعہ یعنی دین اسلام کے پیرو بالاتفاق دشمنوں کے مستاصل کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ اور جو اسباب قلعہ میں رکھا ہوا ہے، اس کو برابر طور سے استعمال میں نہ لاویں۔ یعنی خدا نے دین اسلام میں جو خوبی رکھی ہے، اور اس دین کو جیسا استحکام بخشا ہے، دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے دشمنوں پر غلبہ حاصل نہ کریں۔ تو پھر مسلمانی پر حیف ہے۔ اگر سردار قلعہ یہ حکم کر رہا ہے، کہ اس امر میں کوشش کرو، اور جانبازی سے تعاون ایک دیگر پر ہمت کرو تو مردی اور ثبات یہی ہے، کہ سارے مسلمان ایکدم حملہ آوری کی تیاری کریں۔ اس متفقہ حملہ سے بیقین واثق ہوگا کہ دشمنوں کی فوج پسپا ہو گی، اور حصن حصین اسلام اعداد کے شر سے محفوظ رہے گا۔

منافقوں اور دشمنوں کے سارے حملے دینِ اسلام پر ہو رہے ہیں۔ اُدھر دہریہ پن کا زور۔ اِدھر لامذہبی کا شور۔ کہیں برہمو سماج والے اپنے مذہب کو فیلسوفانہ تقریروں سے دین اسلام پر غالب کیا چاہتے ہیں۔ ہمارے عیسائی بھائیوں کی ساری پوری ہمت تو اسلام کے استیصال پر مصروف ہے، اور ان کو اس بات کا یقین ہے، کہ جب تک آفتاب اسلام اپنی پُرتاب شعاعیں دُنیا میں ڈالتا رہے گا، تب تک عیسوی دین کی ساری کوششیں بیکار اور تثلیث تین تیرہ رہے گی۔ غرض سارے مذہب اور تمامی دین والے یہی چاہتے ہیں، کہ کسی طرح دین اسلام کا چراغ گل ہو، اور اُدھر حوادث کا ایسا زور ہے، کہ فی الحقیقت اگر اس چراغ ہدایت کو تند باد دہریت اور کفر سے نہ بچایا جائے

تو کوئی عرصہ میں قیامت نمودار ہو گی۔ اس محافظت کے لئے جو حقیقت میں خوشنودی خدا و رسول ہے، مسلمانوں کی شرکت درکار ہے۔ یہ ایسا کام ہے، کہ ایک دو برگزیدہ اور منتخب اشخاص کی ہمت اور کوشش سے اس کا انجام ہو نہیں سکتا۔ قوم کی سعی دینداروں کی ہمت۔ مالداروں کی جرأت امیروں کی سخاوت غریبوں کی مشارکت فاضلوں کی تقریر علماء کی تحریر زاہدوں کی دعا کی ضرورت ہے۔ انجمنوں کی کارروائی اراکین دین کی باہمی کوشش چاہیئے۔ چونکہ یہ دین ہے اس لئے ہر دیندار کو تائید لازم ہے۔ اور جو تائید سے پہلو تہی کرے وہ سب کے پاس بے دین ہے۔ جب اہل اسلام اس طرح کی تائید و تدبیر کریں تو ہم ذمہ لیتے ہیں کہ آج دین اسلام کا جھنڈا ان ملکوں میں کھڑا ہو جہاں اب تک اس کا پرتو ہدایت پڑا ہی نہیں۔

مسلمانوں کی کم ہمتی کا اس سے بڑا کیا ثبوت ہے، کہ ان میں آج کوئی ایسا فنڈ نہیں، یا کوئی ایسی سوسائٹی نہیں، جس کا مقصد اشاعت دین اسلام ہو، اور جس کے پاس مسلمانوں کے علماء فضلا کا ایک ایسا گروہ ہو، جو اُن ملکوں میں جہاں تثلیث، اور بُت پرستی ہو رہی ہے جاوے، اور اپنے وعظ اور منادی سے لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھلاوے۔ اور ایسے گروہ کا خرچ سوسائٹی کے فنڈ سے دیا جاوے۔ جہاں مذاہب باطلہ کی ترویج میں ایسی صدہا سوسائٹیاں ہیں۔ آیا کوئی مسلمانوں کی انجمن اشاعت مذہب بھی موجود ہے؟ اس سوال کے جواب دینے میں ہر اک مسلمان کو شرم آنی چاہیئے کہ دین حق کا دعویٰ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کوئی انجمن مکتفی سرمایہ کی موجود نہیں۔ ابھی خدا کے فضل سے اسلامی سلطنتیں اور اسلامی ریاستیں موجود ہیں۔ مگر کوئی مسلمان یہ بتلا نہیں سکتا۔ کہ جیسی عیسویوں میں وزلین مشن سوسائٹی، لنڈن مشن سوسائٹی۔ چرچ مشن سوسائٹی، امریکن مشن سوسائٹی اور ایسی ہی صدہا سوسائٹیاں ہیں، ایسا ہی مسلمانوں کی کوئی سوسائٹی ہے۔ اگر اس غیرت سے مسلمانوں کی قوم مر جائے تو بہتر ہے۔ اب جو مسلمان دعویٰ اسلام کر رہے ہیں ان کو لازم ہے کہ ذرا گریبان میں منہ ڈال کر جھانکیں کہ کس منہ سے مسلمان کہلاتے ہیں نہ دنیا کے رہے نہ دین کے۔ پس جو مسلمان مسلمان کہلانے کے لائق ہیں، اگر وہ بھی ہمت کو ہار دیں، اور مذہب کی تائید میں سرگرمی نہ دکھلائیں

تو پھر دین کا خاتمہ ہے۔ تو عیسائی ہو جاؤ۔ برہمو سماج بن جاؤ۔ تاکہ جہان سے مسلمانوں کا نام ہی مٹ جائے۔ اگر یہ منظور نہیں، تو پھر دین کی تائید کرو۔ خدا کے مقبول ہو۔ رسول کے انصار بنو۔

آفتاب دینِ محمدی کی روشنی ایسی ہے کہ عرصہ تیرہ سو سال سے اپنی اصل پر قائم ہے۔ دینِ اسلام کی حقانیت کی بڑی دلیل یہی ہے، کہ باوجودیکہ ساری دنیا کے ادیان والے اس روشنی کو زائل کرنے کی کوششیں اور تدبیریں کر رہے ہیں، مگر اس کی حقانی روشنی ہرگز زوال پذیر نہیں سلطنتیں اور دولتیں برباد ہوگئیں، ملک اور جزائر دست بدست منتقل ہو گئے، قوانین سیاست میں تغیر و تبدل ہوگیا، مگر دینِ اسلام اپنی اصالت پر قائم رہا۔ نہ صرصرِ کفر کی کچھ پیش گئی، اور نہ تندبادِ دہر نے اس کو نقصان پہونچایا۔ یہ تو اسلام کی اصلی حقیقت کی تعریف ہوئی۔ رہا یہ امر کہ اس ہدایت کا نور کفر کے تاریک گھروں میں پہونچایا جاوے، البتہ یہ ضروری ہے۔ پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کی کوشش کریں۔

اربابِ مذاہبِ باطلہ جو اپنی کوششوں اور بلیغ جہدوں سے دینِ اسلام پر سبقت لیجانا چاہتے ہیں، وہ کچھ اس لئے نہیں، کہ دینِ اسلام میں درحقیقت حقانیت نہیں۔ بلکہ اس لئے کہ دینِ اسلام کی حقیقت اور اس دین کے ثبوت سے ان کو کما حقہٗ واقفیت نہیں۔ چونکہ اکثر دہریہ اور لامذہبوں کے دہریہ خیالات اور لامذہبی مطاعن سے اس زمانہ کے اکثر کم علم اور جاہل بھی اسلام کو بنظرِ استخفاف دیکھتے ہیں، اور دہریہ پن اختیار کرتے ہیں، اور پیروانِ ادیانِ باطلہ اور معتقدانِ مذاہب کاذبہ اس ذریعہ کو مایۂ فخر گردانتے ہیں۔ لہذا نظر بحال زمانہ حامیانِ دینِ اسلام کو ضرور تھا، کہ اس امر کا بھی خوب قلع قمع کرتے۔ مگر اہل اسلام کی موجودہ حالت اور حمیت سے غمخوارانِ دینِ اسلام کو یہ امید کہاں تھی، کہ آجکل جاہلانہ تقلید اور عقل کی بے تمیزی سے جو طوفان بپا رہا ہے، اس کا بند و بست کیا جاتا۔ سچ ہے کہ ہمارے زمانہ کی نئی روشنی (کہ خاک بر فرقِ ایں روشنی) نوآموزوں کی روحانی قوتوں کو افسردہ کر رہی ہے۔ ان کے دلوں میں بجائے خدا کی تعظیم کے اپنی تعظیم سما گئی ہے۔ اور بجائے خدا کی ہدایت کے آپ ہی ہادی بن بیٹھے ہیں۔

تمام نوآموزوں کا قدرتی میلان وجوہات عقلیہ کی طرف ہوگیا ہے۔ اور افسوس ہے کہ یہی میلان بباعث عقل ناتمام اور علم خام کے بجائے رہبر ہونے کے رہزن ہوتا جاتا ہے۔ فکر اور نظر کی کجروی نے لوگوں کے قیاسات میں بڑی بڑی غلطیاں ڈال دی ہیں۔ اور مختلف رایوں اور گوناگوں خیالات کے شائع ہونے سے کم فہم لوگوں کے لئے بڑی دقتیں پیش آگئی ہیں۔ سوفسطائی تقریروں نے طبائع میں طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں، جو امور نہایت معقولیت میں تھے، وہ اُن کی آنکھوں سے چھپ گئے ہیں۔ جو باتیں بنہایت درجہ نامعقول ہیں، وہ ان کو اعلیٰ درجہ کی صداقتیں سمجھ رہے ہیں۔ وہ حرکات جو منشاء انسانیت سے مغائر ہیں، ان کو وہ تہذیب خیال کئے بیٹھے ہیں۔ پس ایسے وقت میں اس طرح کے خیالات کا ابطال دین اسلام کی سچائی اور حقیقت کے لئے ضرور تر تھا، مگر یہ کام بھی ایسا ہی تھا، کہ جس کا بار اٹھانا ہر کہ ومہ کا کام نہیں تھا، بلکہ ایسا شخص ضرور تھا، جو علوم عقلی ونقلی اور کتب ادیان مختلفہ کا جاننے والا ہو۔

مدت سے ہماری آرزو تھی، کہ علماء اہل اسلام سے کوئی حضرت جن کو خدا نے دین کی تائید اور حمایت کی توفیق دی ہے، کوئی کتاب ایسی تصنیف یا تالیف کریں، جو زمانہ موجودہ کی حالت کے موافق ہو، اور جس میں دلائل عقلیہ اور براہین نقلیہ قرآن کریم کے کلام الٰہیہ ہونے پر اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت پر قائم ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ آرزو بھی برآئی۔ یہ وہی کتاب ہے جس کی تالیف یا تصنیف کی مدت سے ہم کو آرزو تھی۔ براہین احمدیہ ملقب بہ البراہین الاحمدیہ علیٰ حقیت کتاب اللہ القرآن والنبوۃ المحمدیہ۔ جس میں مصنف زاد قدرہ اللّٰھم متع المسلمین بطول حیاتہٖ نے تین سو براہین قطعیۂ عقلیہ سے حقیت قرآن اور نبوت محمدیہ کو ثابت کیا ہے۔ افضل العلماء فاضل جلیل جرنیل فخر اہل اسلام ہند مقبول بارگہ صمد جناب مولوی میرزا غلام احمد صاحب رئیس اعظم قادیان ضلع گورداسپور پنجاب کی تصنیف ہے۔ سبحان اللہ! کیا تصنیف منیف ہے۔ کہ جس سے دین حق کا لفظ لفظ سے ثبوت ہورہا ہے۔ ہر ہر لفظ سے حقیت قرآن ونبوت ظاہر ہورہی ہے۔ مخالفوں کو کیسے آب وتاب سے دلائل قاطعہ سنائے گئے

ہیں۔ دعویٰ ہی مدلل بہ براہین ساطعہ ثبوت سے مثبت بہ دلائل قاطعہ تاب دم زدنی نہیں۔ اقبال کے سوا چارہ نہیں۔ اس انصاف شرط ہے۔ ورنہ کچھ بھی نہیں۔ ایہا الناظرین! یہ وہی کتاب ہے، جو فی الحقیقت لاجواب ہے۔ زور دعویٰ تو یہ ہے کہ اس کا جواب ممکن نہیں۔ اگر مخالف بشرائط مندرجۂ اشتہار جواب لکھیں تو پھر دس ہزار روپیہ مفت نذر ہے اور حال یہ ہے کہ اگر مخالفوں کو کچھ بھی خدا ترسی ہو، تو ان کو بمجرد مطالعہ اس کتاب کے جواب یہی دینا چاہیئے، کہ لا الٰہ الا اللہ حق اور محمد رسول اللہ برحق۔ ہم تو فخریہ یہ کہتے ہیں، کہ جواب ممکن نہیں۔ ہاں قیامت تک محال ہے۔ مخالفوں سے ہمارا ابھی یہی سوال ہے، کہ اگر اپنے مذہبوں کو حق جانتے ہوں، تو آیئے ہمیں کو ہمیں میدان ہیں۔ اگر جواب براہ صواب لکھا جاوے، تو دس ہزار روپیہ کا انعام ہے۔ وعدۂ مصنف لاکلام ہے۔ لیجئے ہم بھی ایک ہزار روپیہ مزید بر آں کرتے ہیں۔ دیکھیں ہمارے مخالف بھائی اب بھی حمیت کو کام فرماتے ہیں، یا اپنی ہی لکیر کو پیٹتے ہیں۔

اب روئے کلام مسلمانوں کی طرف ہے۔ بھائیو! کتاب براہین احمدیہ ثبوت قرآن و نبوت میں ایک ایسی بے نظیر کتاب ہے، کہ جس کا ثانی نہیں۔ مصنف نے اسلام کو ایسی کوششوں اور دلیلوں سے ثابت کیا ہے، کہ ہر منصف مزاج یہی سمجھیگا، کہ قرآن کتاب اللہ اور نبوت پیغمبر آخر الزمان حق ہے۔ دین اسلام منجانب اللہ اور اس کا پیرو حق آگاہ ہے۔ عقلی دلیلوں کا انبار ہے خصم کو نہ جائے گریز اور نہ طاقت انکار ہے۔ جو دلیل ہے بیّن ہے، جو برہان ہے روشن ہے۔ آئینہ ایمان ہے۔ لب لباب قرآن ہے اس طریق مستقیم مشعل راہ قویم۔ مخزنِ صداقت۔ معدنِ ہدایت برق خرمن اعداء عدو سوز پُر دلیل ہے مسلمانوں کے لئے تقویت کتاب الجلیل ہے۔ ام الکتاب کا ثبوت ہے۔ بے دین حیران ہے مبہوت ہے۔ افسوس ہے کہ باوجودیکہ یہ خزینۂ ہدایت ہے، مگر بے اعانتی کی وجہ سے طبع کتاب میں زر کی حاجت ہے۔ چونکہ بڑی کتاب ہے، اس لئے تو دس ہزار روپیہ طبع کتاب میں صرف ہوتا ہے۔ خریداروں کی قلت اور قوم کے مالداروں کی کم توجہی سے طبع کتاب میں عجلت نہیں۔ مصنف کو خود صرف کثیر گوارا کرنے کی ہمت نہیں۔ بعض دیندار بزرگوں اور خدا ترسوں کی اعانت خریداری سے تین حصے اس کتاب لاجواب کے طبع ہو چکے۔ ہنوز کئی سو جز چھپنا باقی ہے۔ صفائی طبع اور خوشخطی سے کتاب کا چھپوانا منظور ہے۔ عمدگی کتاب اور اس کے مفید

ہونے کے نظر کرتے ہوئے سو روپیہ قیمت بھی کم ہے۔ اور مصارف طبع کا لحاظ کرتے ہوئے اصل قیمت بلانفع ۲۵ روپیہ پڑتی ہے۔ پس خریداروں سے یہ توقع ہے کہ قیمت بہ پیشگی روانہ فرماویں۔ کم بضاعت مسلمانوں کو نقصان سے بھی فروخت کتاب منظور ہے یعنی ۱۰۰ روپیہ۔ اور اقوامِ دیگر سے ۲۵ روپیہ۔

کیا خوب ہے یہ کتاب سبحان اللہ ایک دم میں کرے ہے دینِ حق سے آگاہ
ازبس کہ یہ مغفرت کی بتلاتی ہے راہ تاریخ بھی یا غفور (۱۲۹۷) نکلی واہ واہ

ایسی عمدہ کتاب جس کو مصنف نے کمال تحقیق اور تدقیق سے تالیف کر کے منکرینِ اسلام پر حجت پوری کرنے کے لئے بوعدہ انعام دس ہزار روپیہ شائع کیا۔ افسوس ہے، کہ بوجہ عدم اعانت پوری طبع ہونے سے رہ گئی ہے۔ ہندوستان میں کئی اسلامی ریاستیں ہیں، اور مسلمان تو بے شمار ہیں۔ اگر ایک رئیس چاہے، تو خوشنودی خدا و رسول کے لئے تو دس ہزار روپیہ دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ یوں یہ حضرات دنیا کی ناموری کے لئے ہزارہا بلکہ لاکھ لاکھ روپیہ تک دے چکے ہیں سب سے مالدار مسلمان۔ اگر یہ بھی ذرا دین کا پاس کریں، تو دو مہینوں کے عرصہ میں پوری کتاب چھپ جا سکتی ہے۔ عام مسلمانوں کی حالت کیا کہیں اگر یہ دینی و قومی بھائی فی کس ایک پائی بھی دینا چاہیں۔ تو براہین احمدیہ کے حجم کی کئی سو کتابیں طبع ہو سکتی ہیں۔ ہماری اوپر کی تمہیدوں میں ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ ادیانِ باطلہ کے پیرو اشاعتِ مذہب کے لئے کیا کچھ مصارف گوارا کرتے ہیں۔ اگر مسلمان ان مذہب والوں سے ایک عشر عشیر بھی اشاعت مذہب کے لئے خرچ کریں تو کافی ہے۔ امیروں اور مالدار مسلمانوں کو ہم یہ بھی نہیں کہتے۔ کہ مبلغ کثیر بغیر کسی عوض کے دیں، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ عوض جاودانۂ آخرت کے علاوہ کتاب براہین احمدیہ بھی عوض مبلغ ہی لیں۔ پس باایں کم ہمتی اور عدم توجہی ظاہر کرنی شیوہ دینداری سے بعید ہے۔

الٰہی مصنف کتاب مبارک براہینِ احمدیہ کی محنتوں اور عرق ریزیوں کا تو ہی صلہ دے۔ کہ ہم ہیں عاجز بندے محض بے مقدور۔ اور مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ تیرے دین کی تائید میں سرگرمی دکھلائیں۔ اور خریدیں کتاب براہین احمدیہ کو بلا قصور۔ الٰہی ہمارے مذہب کے جو رئیس ہیں۔ یا مقدور ان کو ہدایت نصیب کیجئے، کہ وے اشاعت مذہب میں کریں نہ قصور۔ خداوندا جن امیران عالی ہمم نے اس کتاب کی طبع میں اعانت کی ہے اور

ی مصنف نے بشکوری لکھے ہیں، اس کا عوض ان کو یہاں بھی دیکھو اور وہاں بھی۔ با الہ یا غفور
خبار منشور محمدی مورخہ ۲۵ رجب المرجب ۱۳۰۰ھ ص ۲ جلد ۱۲ ص ۲۱۲ تا ۲۱۸؛
، احمدیہ کی چوتھی جلد شائع ہونے پر اسی اخبار نے لکھا۔
لاجواب کتاب ہے، جس کو فخر اہلِ اسلام مسند اسوۃ المحققین قدوۃ المدققین مقبول بارگاہ
زا غلام احمد صاحب رئیس اعظم قادیان ضلع گورداسپور پنجاب دام فیوضہ نے کمال تحقیق و
یف کر کے منکرین اسلام پر حجت اسلام پوری کرنے کے لئے بوعدہ انعام دس ہزار روپیہ شائع
نے اس کتاب کے اگلے حصوں پر منشور محمدی نمبر ۱۲ جلد ۲، مورخہ ۲۵ رجب ۱۳۰۰ھ میں
ہ۔ اب جس پر ہم پنا ریویو لکھتے ہیں، وہ اسی کتاب کا چوتھا حصہ ہے، جس میں مضامین ذیل
ہے:
م الٰہی کی ضرورت کے ثبوت میں اور اس بات کے اثبات میں کہ حقیقی اور کامل ایمان اور معرفت
ت کے لئے اس دنیا میں حاصل کرنا چاہیئے بجز کلام الٰہی کے غیر ممکن ہے۔ اور اس کے ضمن
ہ خیالات برہموؤں اور فلسفیوں اور نیچریوں کا رد لکھا گیا ہے۔
ن شریف کی ایک سورۃ یعنی سورۃ فاتحہ کے بے مثل دقائق و حقائق و خواص کا بیان۔
ن شریف کی بعض دوسری آیتوں کا بیان جو توحید الٰہی کے مضمون پر مشتمل ہیں۔
تعلیم توحید اور فصاحت و بلاغت سے خالی ہے۔
ہ کے عقائد باطلہ کا ذکر۔
ت دیانند پیشوائے آریہ سماج کے لاجواب رہنے کا بیان۔
یل اور قرآن شریف کی تعلیم کا مقابلہ۔
تمام پیشگوئیوں کا ذکر جو بعض آریوں کو بتلائی گئیں۔
مدہ پیشگوئیوں کا بیان۔
سے کوئی معجزہ ظہور میں آیا یا ان کا کوئی پیشگوئی بتلانا ثابت نہیں۔

۱۱۔ حقیقی نجات کیا چیز ہے اور کیونکر مل سکتی ہے؟

اس کتاب کی زیادہ تعریف کرنی ہماری حد امکان سے باہر ہے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ جس تحقیق و تدقیق سے اس کتاب میں مخالفین اسلام پر حجت اسلام قائم کی گئی ہے۔ وہ کسی کی تعریف و توصیف کی محتاج نہیں۔ ع حاجت مشاطہ نیست روئے دلارام را۔ مگر اتنا تو کہنے سے ہم بھی دریغ نہیں کر سکتے۔ کہ بلاشبہ کتاب لاجواب ہے۔ اور جس زور شور سے دلائل حقہ بیان کئے گئے ہیں۔ اور مصنف مدظلہ نے اپنے مکشوفات و الہامات کو بھی مخالفان اسلام پر ظاہر کر دیا ہے۔ اس میں اگر کسی کو شک ہو، تو مکاشفات الہی اور انوار نامتناہی جو عطیہ الہی ہیں، ان سب کو فیض صحبت مصنف سے مستفیض ہو کر پاوے اور عین الیقین حاصل کرے۔

اثبات اسلام و حقیت نبوت و قرآن میں یہ لاجواب کتاب اپنا نظیر نہیں رکھتی۔

ابھی آغاز ہے، مگر اس کتاب کے مطالعہ سے انجام کا مزہ ملتا ہے۔ افسوس ہے۔ کہ کتاب تو ثبوت دین الہی میں بےنظیر ہے، مگر مسلمانوں کی کم توجہی سے مکمل چھپ جانے میں دیر پر دیر ہے۔ بڑی کتاب ہے حجت اسلامی قائم کرنے میں لاجواب ہے۔ پر بے قدری ارباب زمانہ سے اس کا طبع التوا میں پڑ گیا ہے جو امیر ذی مقدور ہیں، وہ بدعت کے پیچھے، اور دین کے کاموں میں از بس لپسپا ہیں۔ مالدار مسلمانوں کو مال کمانے کا ہی دُھن ہے۔ محبت خدا و رسول کا نہ ان کو خیال ہے، اور نہ ان کو پروا۔ پس یہ عمدہ کتاب چھپے تو کیونکر چھپے اور کس طرح حجۃ البالغۃ الاسلام مخالفوں پر ظاہر ہو؟ الٰہی تیرا ہی فضل چاہیئے۔ کہ ہمارے رئیسوں اور مالدار مسلمانوں کا دل اس کی تائید کی طرف آوے۔ آمین۔

مضامین عالیہ مندرجہ کتاب براہین احمدیہ کی تعریف کیونکر ہو سکے۔ یہ وہ عالی مضامین اور قاطع دلائل ہیں، جن کے جواب کے لئے مخالفین کو دس ہزار روپیہ کی ترغیب دلائی گئی ہے اور اشتہار دیئے ہوئے عرصہ ہو چکا۔ مگر کسی کو قلم اٹھانے کی اب تک طاقت نہ ہوئی۔ ہم بلاتصنع کہتے ہیں کہ ساری جلد چہارم حقائق و معارف اسلام سے بھری ہوئی ہے۔ اور جا بجا دعویٰ یہ کیا گیا ہے کہ اگر کسی کو شبہ ہو تو ہمارے پاس آوے اور اپنی آنکھوں ہر بات کا مشاہدہ کرے۔ پس مسلمان اگر اس مبارک

کتاب کی خریداری نہ کریں۔ اور اعانت سے قاصر رہیں، تو فردائے قیامت خدا و رسول کو کیا جواب دیں گے؟ اس کتاب کے چھپنے کو البتہ صرف کثیر درکار ہے۔ دس پندرہ ہزار روپیہ تکمیل الطباع کے لئے چاہیئے مگر یہ رقم کچھ ایسی کثیر نہیں، جو فراہم نہ ہو۔ بشرطیکہ قوم چاہے۔ یوں تو ہمارے امرائے عالی شان ہزاروں لاکھوں روپیہ اپنے عیش و عشرت میں صرف کر دیتے ہیں۔ اور مالدار مسلمان شادی و غمی میں دس پندرہ ہزار کے صرف کی کچھ مالیت نہیں سمجھتے۔ دین کی اعانت بھی اگر ان سے نہ ہو تو پھر کس سے ہو۔ آیا غریب مسلمانوں کو یہ مقدور ہے کہ وہ بلا شراکت امرائے اسلام پندرہ ہزار روپیہ خرچ کر دیں۔ ہمارے امیروں کی کوتاہ دلی کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکے۔ کہ اس کتاب کی اصل لاگت سو روپیہ ہے۔ اور غریب و کم استطاعت مسلمانوں کو عہ روپیہ پر فروخت کی جاتی ہے۔ ظلم ہے اگر رئیس بھی اسی قیمت پر کتاب کو چاہیں۔ اور خریداری کی آمادگی صرف دس روپیہ بھیجنے پر ظاہر کریں۔ حضرت مصنف نے عنوان کتاب میں ایک نواب صاحب کا حال لکھا ہے جو قال اللہ و قال رسول اللہ کے شیدا و والہ ہیں۔ جب ان سے اعانت کی درخواست کی گئی۔ تو پہلے لکھا، کہ البتہ بیس پچیس جلد ریاست کی جانب سے خریدی جائینگی۔ دوبارہ یاد دہانی پر جواب ملا۔ کہ کتب مباحثات دینی کی اعانت خلاف منشاء سرکار ہے اس لئے اعانت ممکن نہیں۔ سبحان اللہ! حضرت نواب صاحب کی یہ دلسوزی دین قابل تعریف ہے۔ گورنمنٹ کے منشاء کو ان رئیس عالی بخت کے سوا اور کسی نے نہ پایا۔ حضرت ریاست سے خریداری بفرض محال خلاف منشاء گورنمنٹ تصور کر لی جائے۔ تو آپ کے جیب خاص سے بطور اعانت دس ہزار پانسو روپیہ دینا خلاف منشاء سرکار نہ تھا۔ دیکھو گورنر جنرل لارڈ رپن لفٹنٹ گورنر وغیرہ اس فنڈ کے معاونوں میں داخل ہیں جس فنڈ سے پادری اشاعت دین پولوسی پر کمر باندھے ہیں۔ اور جس فنڈ سے مذہب اسلام کی خلاف میں عماد الدین و صفدر علی وغیرہ کتابیں لکھتے ہیں۔ پس اگر آپ اپنے صرف سے کچھ عنایت فرماتے تو پھر یہ گلہ ہی نہ ہوتا۔ جب قرآن و حدیث کے عامل رئیسوں کا یہ حال ہے، تو پھر شارب الخمر اور فسق و فجور کے مرتکب امیروں سے کیا امید اعانت دین ہو سکتی ہے! حضرات اہل اسلام سے ہم بارہا درخواست کر چکے ہیں، کہ ایک فنڈ ایسا قائم کیا جائے، جس کے سرمایہ سے کتب رد نصاریٰ چھپ کر شائع ہوں۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں کا ادھر خیال ہی نہیں آتا۔ دین اسلام کی اشاعت

جو آجکل مذہب پولوسی سے ہزار ہا درجے ترقی پر ہے۔ اس کی وجہ حقیت اور سچائی اسلام ہی ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ مسلمان اس کی تائید کرتے ہیں۔ اگر مسلمان دین کی تائید کرتے تو علی وجہ الکمال اسلام اور بھی رونق پذیر ہوتا۔ اکثر رسائل و کتب مضامین رد مذہب پولوسی قالب تالیف میں آکر بے اعانتی کی وجہ سے مشتہر نہیں ہوئے ہیں۔ چنانچہ یہ کتاب جس کا ہم ریویو لکھ رہے ہیں، ایسی عمدہ اور مکمل کتاب ہے، کہ اس کا مطالعہ کرکے ہر ایک دین سے بدلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ مقابلہ اسلام کرکے حجتِ اسلام کرسکتے ہیں۔ افسوس ہے کہ مسلمان ایسی کتاب کی تائید سے باز ہیں۔ مالدار مسلمان اگر زکوٰۃ کا مبلغ ہی اس کام کے لئے بخش دیں، تو آج تمامی کتب نامطبوعہ چھپ کر مشتہر ہوسکتی ہیں۔ زیادہ افسوس یہ ہے کہ آریہ اور برہمو سماج کے مذاہب باطلہ کی اشاعت کے لئے ہزاروں لاکھوں روپیہ اس مذہب کے پیرو خرچ کرتے ہیں، اور مسلمان جن کو مذہبی طور پر اعانتِ دین واجب ہے، اعانت سے پہلو تہی کر رہے ہیں۔ صاحبو! فردائے قیامت خدا و رسول کو کیا جواب دوگے۔ بھائی دنیا کے لئے سب کچھ، تو کچھ عقبیٰ کے لئے بھی خرچ کریں۔ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ کا ثمرہ حاصل کریں۔ مالدار مسلمان سو پچاس سے کمک کریں۔ جو کم مقدور ہیں وہ ایک دو پیسے ایک پائی تک دیں۔ اگر اس طرح کا سرمایہ بہم پہونچے، تو کیا کچھ اسلام کی ترقی نہیں ہوسکتی۔ اب مسلمانوں کو ضرور ہے، کہ خریداری براہین احمدیہ پر مستعد ہوں۔ اگر ایک شخص سے اس کتاب کی تائید نہ ہوسکے، تو ہر شہر و قصبہ میں دس دس پچاس پچاس مسلمان جمع ہوں، اور چندہ کریں۔ جو مبلغ چندہ سے حاصل ہو، وہ مصنف کتاب کے پاس بھیجا جاوے۔ اگر ہندوستان و پنجاب بمبئی و دکن کے مسلمان ذرا بھی اس طرف متوجہ ہوں، تو عرصہ قلیل میں ساری کتاب براہین احمدیہ چھپکر نور افزائے دیدۂ اہلِ علم ہوجائے گی۔

الٰہی! مسلمانوں کو دین کی اعانت کی توفیق دے۔ اسلامی ریاستوں کے امیر و نواب دین متین کی تائید میں کمر باندھیں۔ الٰہی! مصنف اللّٰھم متع المسلمین بطول حیاتہ کو اس کتاب کی تصنیف کا اجر دے۔ آمین ثم آمین فقط۔ (مورخہ ۱۵ رجمادی الآخر ۱۳۰۱ھ ۔ ۱۲ جلد ۱۳ ص ۱۹۵ تا ۱۹۸)

اسلامی کلچر کی روح

تہذیبی (کلچرل) اتحاد کیلئے ایک زبردست برہان

(از جناب خان بہادر مولوی عطاء الرحمٰن صاحب ایم۔اے اسسٹنٹ ڈائرکٹر محکمہ تعلیم شیلانگ صوبہ آسام)

{یہ وہ خطبہ ہے، جو مولوی صاحب موصوف نے آل انڈیا اورینٹل کانفرنس حیدر آباد دکن منعقدہ ۲۰ر دسمبر ۱۹۴۱ء میں دیا۔ اصل خطبہ فصیح انگریزی میں ہے، ہم یہاں اس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر)}

اسلامی کلچر کی روح خود اسلام کی روح کی مرادف ہے۔ آغاز ہی سے اسلام میں کلچر کا مذہب کے ساتھ اِس حد تک ربط و تعلق ہے، کہ ایک کو دوسرے سے علیحدہ کرنا ناممکن ہے۔ اسلام جس طرح ایک مذہبی نظام ہے، اسی طرح ایک الگ فلسفۂ حیات بھی ہے۔ قرآن مجید نے، جو اسلامی معتقدات کا سرچشمہ ہے، نہایت شدومد سے دنیوی علائق اور ذمہ داریوں سے علیحدگی کی مخالفت کی ہے۔ اور جیسا کہ اُس نے مذہبی نظریوں کو پیش کیا ہے، ویسا ہی اس نے بہت سی ہدایات اس ضمن میں بھی دی ہیں، کہ انسان کو دنیا میں کس طرح رہنا چاہیئے، اور بنی نوع انسان کے ساتھ اپنے تعلقات کیسے رکھنے چاہئیں؟

انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو شامل کرتے ہوئے وہ ایک خاندان کو ایک یونٹ قرار دیتا ہے، اور اس کے افراد کے حقوق و فرائض کو متعین کرتا ہے، پھر یہ انسان کو تعلیم دیتا ہے، کہ وہ اپنی سماجی ذمہ داریوں کو سمجھے، اور ان کو پورا کرے۔ اور نجی فوائد کو قومی بہبود کے تابع رکھے۔ اسلام اپنی تمام تعلیمات کو اس اصل کے تابع رکھتا ہے، کہ فرد خاندان کے لئے زندہ ہے، اور خاندان قوم کے لئے، اور قوم انسانیت کے لئے۔ اس طرح اس نے اپنے وابستگان کی زندگی کو منضبط کرنے کے لئے ایک مفصل

اخلاقی نظام پیش کیا ہے۔ مذہب اور اخلاق کے اس مخلوط نظام نے مسلمانوں کے ذہنی رجحانات کو ایک مخصوص میلان عطا کیا ہے۔ اسی نے ان کے کلچر کی تشکیل کی ہے، اور اس تہذیب کو ڈھالا ہے جو مسلمانوں کے دنیا کی تاریخ میں حصہ لینے کے نتیجہ میں پیدا ہوئی۔ اس ثقافت اور تہذیب سے اسلام کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ پروفیسر گِب نے بالکل صحیح کہا ہے، کہ:۔

"اسلام ایک دینیاتی مسائل کے مجموعہ سے بہت کچھ زیادہ ہے۔ یہ ایک مکمل تہذیب ہے۔ اگر ہم متوازی اصطلاحات کو تلاش کریں، تو ہم اسلام کو عیسویت نہیں، بلکہ پوری دنیائی عیسویت، اور کنفیوشس ازم نہیں، بلکہ پورا ملکِ چین قرار دینگے۔[1] اس میں وہ تمام تہذیبیں شامل ہیں، جو اس کی مذہبی روح کا نتیجہ ہیں۔ یہ مختلف تہذیبوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے، جس کے خط و خال سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی عمارت، قانون کے تصور، اخلاقی نقطۂ نظر، ذہنی رجحانات اور عمل و فکر کے عادات میں مخصوص اور جداگانہ ہیں۔"

اپنی گوناگوں زندگی کی بہت سی صدیوں میں اسلام (اس لفظ کو اب ہم ایسے جامع مفہوم کے لئے استعمال کرینگے، جس میں اس کی ثقافت اور تہذیب دونوں شامل ہوں گی) کو مشرق و مغرب کی بہت سی تہذیبوں سے ملنے کا موقعہ ملا ہے۔ جس کے نتیجہ میں یہ اپنے مختلف دائروں میں ان سے بہت حد تک متاثر بھی ہُوا ہے۔ اور بسا اوقات اس میں بہت بڑے تغیرات بھی واقع ہوئے ہیں۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، کہ آج تک اس نے اپنی تہذیبی انفرادیت کو قائم رکھا ہے اس کی جائے پیدائش (عرب) کی جغرافیائی پوزیشن یہ تھی، کہ اُس وقت کی دو عظیم الشان سلطنتیں یعنی ایرانی اور بازنطینی اسے

[1] یعنی اگر ہم دوسرے مذاہب یا مذہبی نظاموں کے لئے متوازی اصطلاحات تلاش کریں تو پھر ہم عیسائیت کے لئے کرسچیانٹی (Christianity عیسائیت) نہیں بلکہ لفظ کرسنڈم (Christendom دنیائے عیسائیت) استعمال کرینگے۔ اور اسی طرح کنفیوشسی تہذیب کے لئے لفظ کنفیوشس ازم نہیں، بلکہ اس سے بہت زیادہ جامع لفظ چین استعمال کریں گے۔ کیونکہ لفظ کرسچیانٹی اور کنفیوشس ازم اپنے اندر بہت محدود مفہوم رکھتے ہیں۔ لیکن الفاظ کرسنڈم اور چین بہت زیادہ وسیع مفہوم پر مشتمل ہیں۔ (مترجم)

سے مشرق و مغرب سے گھیرے ہوئے تھیں۔ یہ دونوں حکومتیں دو زبردست تہذیبوں کی نمائندہ تھیں جن کا ماضی بہت درخشندہ تھا۔ گو ظہور اسلام کے وقت ان کی حالت کمزور تھی۔ یہ دونوں اسلام پر اس کے عنفوانِ شباب میں بھی اس حد تک اثر انداز ہوئیں، کہ تہذیبی (کلچرل) امتزاج کا ایک ایسا عمل قائم ہو گیا جس کا لازمی طور پر اسلامی تاریخی زندگی پر بہت بڑا اثر ہؤا۔ بعد میں منگولوں اور ترکوں کے دائرۂ اسلام میں داخلہ نے بھی اسلام کی کلچرل تاریخ پر اپنے اثرات چھوڑے۔ پھر مسلمانوں کی ہندوستان میں فتوحات نے اسلام کو مشرق میں براہ راست ایک بہت بڑی تہذیب سے ملا دیا۔ جو اپنے پیچھے ہزارہا سال کی تاریخ رکھتی تھی۔ آخر میں ان ثقافتی انقلابات کے سلسلہ میں اس مغربی تہذیب کے دباؤ کا ذکر بھی ضروری ہے، جو ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں اسلام پر پڑا۔ اور جس نے بہت سے پریشان کن پیچیدگیوں والے نئے مسائل پیدا کر دیئے۔ خوش قسمتی سے مختلف ملکوں کے باشندے اپنے رجحانات اور دماغی قابلیتوں کے مطابق اب انہیں حل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسلام نے اتنی ہی آزادی سے دوسروں سے اخذ کیا ہے، جتنی آزادی سے دوسروں کو دیا ہے۔ اس نے حیرت انگیز طور پر خارجی کلچر کے اجزاء کو جذب کیا ہے۔ جن میں سے بعض براہ راست اس کی اپنی روح کے بھی قطعاً مخالف واقع ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بیان کر دینا ضروری ہے، کہ جہاں اس نے اپنی ساری تاریخ میں ایک حیرت انگیز لوچ کا اظہار کیا ہے، وہاں اس نے قابلِ رشک طور پر اپنے کلچر کے بنیادی اصولوں کو بھی قائم رکھا، اور ان کی حفاظت کی ہے۔ اس کلچرل امتزاج کی جو نوعیت اور کیفیت بھی ہو، اور اس کے اثرات کی مدت خواہ کتنی ہی ہو، اسلام نے ہمیشہ ہی اس بات سے انکار کیا ہے، کہ وہ بیرونی اثرات سے اتنا متاثر ہو کہ اس کی اپنی شکل ہی بدل جائے۔

موجودہ زمانہ کے زبان و ادب اور سیاست و معاش کے متعلق اندرون اور بیرون ملک کے بحث و جدال بھی کھلے کھلے طور پر مسلمانوں کی اس وفاداری (جو بعض اوقات حد اعتدال سے بھی آگے گذر جاتی ہے) اور مستعدانہ فکر کے آئینہ دار ہیں، جو وہ اپنی روایات اور کلچر کی حفاظت کے لئے کرتے ہیں۔ اسلامی کلچر اپنے معنویات و تصورات کے رُو سے بنیادی طور پر مذہبی ہے۔ اس لئے جیسا کہ

اسے چاہیئے تھا۔ اس نے ہر ایسی تحریک سے کسی قسم کا سمجھوتہ روا نہیں رکھا، جو اس کی مذہبی بنیاد کو ذرا بھی کمزور کرے۔ لیکن دوسری طرف اس نے اپنے تار و پود میں شامل کرنے کے لئے ایسے خارجی عناصر کا ہمیشہ کھلے ہاتھوں خیر مقدم کیا ہے، جن سے اس کا ملاپ ہوسکتا ہے، یا جن کو مذہب کے اصل مقصد و مدعا کے تحت لایا جاسکتا ہے۔ اور اس طرح وہ ان عناصر کو بھی فوراً اپنی طاقت و استحکام عطا کر دیتا ہے۔

ابتدائی زمانہ میں اسلام پر یونانی فلاسفی کا بہت گہرا رنگ چڑھا ہے، جو یقیناً اس کی روح اور مغز سے کلیتاً مطابقت نہ رکھتی تھی۔ اس علم کی نشاۃ ثانیہ کو بعض اوقات حصار ایمان پر ایک حملہ تصوّر کیا گیا ہے۔ بعض مسائل جو یہ اپنے ساتھ لایا، وہ مخالف اسلام تو نہیں، مگر غیر اسلامی ضرور سمجھے گئے۔ علمی مباحثات میں جو طبعی طور پر پیدا ہو گئے، معتزلانہ رجحانات صاف طور پر نظر آرہے تھے، اور ایمان خطرہ میں تھا۔ تاہم آخر میں غزالی جیسی شخصیتوں کی عظیم الشان کوششوں کی بدولت یونانی فلسفہ اسلام کے مطابق کر لیا گیا۔ اور اس طرح وہ خطرہ جو سر پر منڈلا رہا تھا دُور ہو گیا۔ اس غلط ملط سے اسلام نہ صرف یہ کہ صحیح سالم نکل آیا، بلکہ اس کا ثقافتی ذخیرہ اس یونانی میراث کی وجہ سے بہت بڑھ گیا جسے بالآخر وہ جذب کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کے نتیجہ میں ایک نیا علم کلام پیدا ہو گیا جس نے روئے زمین کے تمام مسلمانوں کے تخیلات اور زندگی پر نہایت گہرا اثر ڈالا۔ ایران میں بھی جذب کا ایک ایسا ہی عمل رمگر مختلف حالات میں جاری رہا۔ ایرانی کلچر جو اپنی اصلیت اور روح کے لحاظ سے آرین تھا، فاتح عربوں کی سامی ذہنیت سے بالکل اجنبی تھا، پھر بھی ہم دیکھتے ہیں، کہ ایک صدی کے مختصر عرصہ میں سامی اور آرین تہذیبیں ایک ہم آہنگ وحدت میں ڈھل گئیں۔ بلاشبہ تاریخ میں یہ ایک غیر معمولی واقعہ ہے جس کے نتائج بہت دُور رس ہیں۔ عربوں کو ایرانی اور ایرانیوں کو عرب بنائے جانے کا عمل جاری ہؤا۔ اور انقلابی تغیرات کے باوجود اسلامی ثقافت نہ صرف یہ کہ اپنی جگہ پر جمی رہی، بلکہ جذب کرنے کی وجہ سے یہ آزادانہ اور نہایت کثرت سے بابرگ و بار ہوئی، جس سے دونوں قوموں کو فائدہ پہونچا۔

اس باہمی مصالحانہ عمل کی وجہ سے ایک مشترک کلچر نے جنم لیا جو نہ عربی تھا اور نہ ایرانی۔ بلکہ اپنی خصوصیات اور بناوٹ کے اعتبار سے اسلامی تھا۔ سامی تہذیب کی درشتی ایرانیوں کی شستگی سے نرم ہوگئی۔ ایرانیوں نے اپنی جگہ رخت عربوں سے ملنے پر اپنی قومی وضع کو مضبوط بنا لیا۔ نہایت ذی فہم لوگ ہونے کی وجہ سے انہوں نے عربی زبان میں بہت جلد دسترس حاصل کرلی۔ اور اپنی کثیر تصانیف سے اسلام کی عموماً اور عربی لٹریچر کی خصوصاً نمایاں خدمت سرانجام دی۔ یہ بات عام طور پر معلوم نہیں کہ مذہبی اور مذہب کے متعلق مضامین کے بڑے مصنفین میں سے بعض ایرانی نسل کے تھے۔ صحاح ستہ میں سے چار یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، اور نسائی کے مصنف خراسان کے باشندے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں، کہ اس اختلاط کا عمل سراسر اچھا تھا۔ بلکہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔ معاشرتی نظام اور سیاسی طرز عمل میں بھی تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں، جو غالباً اسلام کے مسلّمہ اصول کے موافق نہیں تھیں۔ نہ اس کا یہ مطلب ہے، کہ اس کے خلاف اثرات کام نہیں کر رہے تھے۔ درحقیقت عربوں کے تمدنی اقتدار کے خلاف کارروائیوں کے طور پر شعوبیہ تحریک کی طرح کی تحریکیں ظہور میں آئیں۔ اور ان کے مجموعی اثر نے عباسی حکومت کو کمزور کر دیا۔

یہ تحریکیں اپنی اصلیت میں قومی اور سیاسی تھیں۔ اور یہ اس کلچر کے خلاف نہیں تھیں، جو عربوں اور ایرانیوں کی متحدہ کوششوں کے نتیجہ میں پیدا ہوا تھا۔ اس مشترک کلچر پر دونوں قومیں خوشی اور فخر محسوس کرتی تھیں اگرچہ اس کلچر کی ظاہری شکل میں تبدیلیاں ہوئی ہونگی، مگر اس کی مذہبی بنیاد غیر متزلزل رہی۔

دوسرے ممالک میں بھی جہاں اسلام پہونچا، بالخصوص ہندوستان میں ایسی ہی تبدیلیاں عمل میں آئیں۔ اور اسلام کی حیرت انگیز صلاحیت قبول نے اس کی کلچرل مطابقت کی رفتار کو تیز کر دیا۔ تاہم اس عمل مطابقت میں ہر حالت میں یہ شرط ہوتی تھی، کہ اس عمل کے کسی درجہ پر بھی مذہب کے بنیادی اصول کو جو اسلامی کلچر کے زیر اثر تھے، کسی طور پر بھی نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ مسلمانوں نے خواہ وہ کسی ملک میں پیدا ہوئے ہوں، یا کسی مقام کو انہوں نے اپنی جائے رہائش بنا لیا ہو، اپنے کلچر کی مذہبی

ہیئت سالمہ کی حفاظت کے لئے اپنی گذشتہ تاریخ میں جس غیر معمولی جوش کا اظہار کیا ہے، اس نے اِس وقت تک ان کے اتحاد کو قائم رکھا ہے۔

موجودہ بحث کے دوران میں ہمارا یہ کام بھی ہے، کہ ہم بتائیں کہ اپنے ایمان کے لئے مسلمانوں کی وفاداری اور اپنی کلچرل انفرادیت کو بچانے کے لئے ان کی انتہائی احتیاط کبھی بھی کلچرل امتزاج کے راستہ میں روک ثابت نہیں ہوئی۔ اور نہ اس کی ضرورت تھی، بلکہ انسانی معاملات میں آسمانی بادشاہت اور اس کے متعلقات نے کسی قسم کی روک ڈالنے کے بجائے مفاہمت کے لئے راستہ ہموار کیا ہے۔ تاریخ کا ایک منصفانہ اور بے لاگ مطالعہ بتاتا ہے، کہ یہ تشدد کی تلوار اور آگ نہ تھی، جس نے دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کو متمکن ہونے میں مدد دی، بلکہ یہ ان کی مذہب کے لئے سچی دھن اور لگن تھی، جس کے ساتھ یہ خیال بھی کام کر رہا تھا، کہ خدا تعالےٰ صرف مسلمانوں ہی کا رب نہیں، بلکہ وہ رب العالمین یعنی تمام جہانوں کا رب ہے۔ اس نے مسلمانوں کو امت وسطیٰ بنایا ہے۔ اور ان پر مختلف قوموں کے درمیان میل جول اور خیر خواہی کے جذبات پیدا کرنے کی بھاری ذمہ داری ڈالی ہے۔ اور ان کا فرض قرار دیا ہے، کہ وہ اپنی جدوجہد میں اپنے پروردگار کے ساتھ جو رب العالمین ہے صلح کرانے میں قوموں کے مددگار بنیں۔ دُنیا نے اب تک جان لیا ہوگا، اور اگر ابھی نہیں جانا، تو جلد یا بدیر جان لے گی، کہ سقراط اور افلاطون سے لیکر اب تک کے تمام فلاسفر انسانی اخلاق کا کوئی ایسا ضابطہ ترتیب دینے میں ناکام ہو چکے ہیں، جو انسانوں کو اس قابل بنا سکے، کہ وہ پُر امن زندگی بسر کریں، اور دوسرے انسانوں کے حقوق کا ایسا پاس کیا کریں، کہ قومی اور انفرادی طور پر لوگ اپنی زندگی بے روک ٹوک بسر کر سکیں۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے اس ناکامی کی وجہ ان کے ہاں اس رب العالمین خدا کی ہستی پر ایمان کا فقدان ہے جس کی نظر میں کوئی منتخب قوم یا کوئی منظور نظر نسل نہیں۔ مسلمانوں کا یہ پختہ ایمان ہے، کہ کوئی تہذیب کسی ایسے اخلاقی ضابطہ کے سہارے نہیں ٹھہر سکتی، جسے انسان نے تجویز کیا ہو اور جس کے شامل حال الٰہی مدد نہ ہو۔ اور جو کسی ایسے آسمانی وجود کو تسلیم نہ کرتی ہو، جس کے

سامنے نہ صرف افراد بلکہ قومیں بھی اپنے اعمال کے لئے جوابدہ ہیں۔

رب العالمین خدا کی وحدانیت کے اسی تصور میں سے اسلامی کلچر کی حقیقی روح کا چشمہ ابلتا ہے ـــــ وہ روح جو اسلام کے ان اساسی قوانین سے ہم آہنگ ہے۔ جنہوں نے تہذیب کو نوع انسانی کے لئے باعث رحمت و برکت بنا دیا ہے۔ ہم اس جگہ ان میں سے صرف تین اصول بیان کرتے ہیں۔

(۱) مساوات اور اخوت انسانی۔ (ب) رواداری اور آزادی کی روح (ج) ترقی علم۔

(۱) صرف مساوات اور اخوت انسانی ہی کا ایک ایسا تصور ہے، جو اسلام کی جامد وحدانیت سے مطابقت کھاتا ہے۔ ایک منصف خدا کی مخلوق ہونے کی وجہ سے ضروری ہے، کہ تمام بنی نوع انسان کو ایک دوسرے کا بھائی سمجھا جاوے، اور سب کو ایک حیثیت دی جاوے اور سب سے برابر کا سلوک روا رکھا جاوے۔ اس خیال سے کہ کہیں آپ کی وفات کے بعد اس عظیم الشان اصل کے متعلق کوئی شک و شبہ نہ پیدا ہو جاوے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں جو حضور نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر دیا فرمایا:۔

"اے لوگو! سنو تم سب ایک دوسرے کے بھائی ہو۔ تم میں سے ہر ایک کی جان، مال اور عزت اِس دن اِس مہینہ اور اِس شہر کی طرح معزز ہے۔ سنو! کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں۔ تم سب آدم کی اولاد ہو۔ اور آدم مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ اور تمہاری عورتیں! تمہاری عورتیں! دیکھو ان کے معاملہ میں تقویٰ اللہ اختیار کرنا۔ جس طرح تمہارے حقوق ان پر ہیں، ان کے حقوق تم پر ہیں۔ اور تمہارے غلام! تمہارے غلام!! دیکھو ان سے انصاف کا برتاؤ کرنا، ان کو وہ کھلانا جو تم کھاتے ہو، اور ان کو وہ پہنانا جو تم پہنتے ہو۔"

رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے ان دلکش اور اثر کرنے والے الفاظ کا آج تک احترام کیا جاتا ہے۔ رنگین مصنوعی امتیازات کو ہر جگہ دبا یا گیا۔ اسلام کے ارتقاء کی کسی منزل میں بھی

رنگ کی بنا پر کوئی قانونی یا معاشرتی امتیاز نہیں پایا جاتا۔ ڈیوک پکتھال مرحوم نے لکھا ہے، کہ

"اسلام میں رنگ کا تعصب بالکل ناپید ہے۔ سیاہ و سفید یا زرد اور گندمی رنگ کے لوگ بازاروں مسجدوں اور محلات میں مکمل مساوات اور دوستانہ طور پر میل جول رکھتے تھے۔ اسلام میں بعض زبردست فرمانروا، اولیاء اور علماء کے رنگ کوئلے کی طرح سیاہ تھے۔ مثلاً حبیاش جوبین کا ایک عالم بادشاہ تھا۔ اور اگر کوئی یہ خیال کرے، کہ اس عظیم الشان برادری میں کوئی بھی سفید رنگ کا نہ تھا، تو اسے معلوم ہونا چاہیئے، کہ سنہرے بالوں والے Circassians اور اناطولیہ کے پہاڑی باشندوں سے بڑھکر سفید رنگ کسی کا نہیں۔ اور یہ وہ لوگ تھے، جنہیں بہت ابتداء سے اسلامی برادری میں شامل ہونے کا موقع مل گیا تھا"

اس موقعہ پر مَیں ایک مشہور شخصیت یعنی مہاتما گاندھی کے ایک اقتباس کو پیش کرنیکی جرأت کرونگا۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے، ان کی واقفیت افریقہ کے متعلق جہاں ابھی حال تک رنگ کا سوال بہت نازک رہا ہے، بہت گہری ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"کہا جاتا ہے کہ یورپ کے لوگ جنوبی افریقہ میں اسلام کی آمد سے خائف ہیں ـــ وہ اسلام جس نے سپین کو مہذب بنایا۔ وہ اسلام جو نور کی مشعل لے کر سپین پہونچا، اور جس نے دُنیا کو اخوت کی بشارت دی۔ جنوبی افریقہ کے یورپی باشندے اسی لئے اسلام کی آمد سے خائف ہیں کہ ان کو اس بات کا ڈر ہے، کہ اگر یہاں کے ملکی باشندوں نے اسلام قبول کر لیا، تو ممکن ہے، کہ وہ سفید اقوام سے برابری اور مساوات کا مطالبہ کریں۔ کیونکہ مَیں نے دیکھا ہے کہ جب کسی زولو[1] نے عیسویت کو قبول کیا، تو محض عیسائیت قبول کرنے سے وہ دوسرے عیسائیوں کی برابری حاصل نہ کر سکا۔ لیکن اس کے برخلاف اگر وہ مسلمان ہوجاتا تو وہ اسی پیالہ سے پیتا اور

---

[1] جنوبی افریقہ کی ایک کافر قوم کے ایک قبیلے کا فرد ؛

اسی رکابی میں کھانا جس سے مسلمان پیتے یا کھاتے تھے، اور یہی وہ چیز تھی جس کا انہیں خوف ہے"
اس پر ہم یہ اضافہ کرتے ہیں۔ کہ شمالی افریقہ نے بربروں کے معاملہ میں ایک سنہری مثال قائم کی ہے۔ شمالی افریقہ میں اسلام پہونچنے سے پہلے ان کی حالت وحشیوں سے بہتر نہ تھی۔ لیکن اسلام کے نورپاش اثرات کے ماتحت نصف صدی کے اندر اندر وہ ایک مہذب قوم بن گئے۔ وہ جلد ہی ذہنی لحاظ سے اس سطح پر پہونچ گئے، اور اس مقام کو انہوں نے حاصل کر لیا، کہ بادشاہوں نے امور مملکت ان کے سپرد کر دیئے۔ ان میں سے بہت سے فوج میں افسر بنائے گئے، اور بعض کو سول کا انتظام سپرد کیا گیا۔

اسلام نے نسلی تفوق اور برتری کے تصور کو کبھی بھی روا نہیں رکھا۔ اور اسلام کبھی ان مشکلات میں مبتلا نہیں ہوا، جو نارڈک[1] اقوام کی میراثی برتری کے نظریوں وغیرہ سے پیدا ہوئی تھیں۔ اسلام میں کوئی زرد، بھورا یا سیاہ خطرہ نہیں۔ کوئی "اتحاد رنگی" کی تحریک نہیں۔ ایشیائی علیحدگی کا کوئی سوال نہیں۔ اسی طرح اسلام کے سامنے چھوت چھات کے مسائل کبھی نہیں آئے۔ جس کا سبب بالکل معمولی ہے، کہ اسلام میں کوئی اچھوت نہیں۔ اسلام نے ہمیشہ زبردستوں کے مقابلہ میں زیردستوں کی حمایت کی ہے۔ اسلام جہاں کہیں بھی گیا ہے، اس کا سب سے پہلے استقبال کرنے والے کمزور اور پامال اشخاص تھے۔ سر ٹامس آرنلڈ لکھتے ہیں، کہ شام میں وطنی عیسائیوں نے صلیب پرستوں کے مقابلہ میں یقیناً اسلامی حکومت کو پسند کیا تھا۔ اور جب ۱۲۴۴ء میں بیت المقدس آخری دفعہ اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا، تو فلسطین کے باشندوں نے ان نئے فرمانرواؤں کا دلی خوشی سے استقبال کیا، اور پورے اطمینان اور سکون کے ساتھ ان کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔"

سپین کے یہودیوں نے، جو ایک بداطوار پادری سے اذیت اٹھا چکے تھے، عربوں کو اپنا منجی سمجھا۔ مظلوم غلاموں نے جن کی حالت گاتھ حکومت کے ماتحت حد درجہ خراب تھی، مسلمانوں کا پرتپاک

[1] فرنگیوں کی ایک نسل ہے، جس کا قد لانبا اور رنگ گورا ہوتا ہے، یہ سکنڈے نیویا اور شمالی برطانیہ میں آباد ہے۔

خیر مقدم کیا۔ اور یہی وہ لوگ تھے، جو سپین میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ اسلام نے کردستان کے ان کردوں کو جو صدیوں سے کسریٰ کی غلامی میں پڑے تھے، اس کے پنجۂ استبداد سے رہائی دلوائی۔ انہوں نے پھر ایک مرتبہ آزادی کا سانس لیا۔ اور محاربہ صلیبی کے ہیرو صلاح الدین ایوبی جیسے جانباز جوان پیدا کئے۔ خود ہمارے ملک میں بالخصوص اس کے ساحلی علاقوں میں اسلامی فتوحات سے بہت پہلے اسلام کو استحکام حاصل ہو چکا تھا۔ ذات پات کی سختی اور اصلی باشندوں کی بہت بڑی تعداد کی ملکی حقوق سے محرومی بالواسطہ طور پر ہندوستان میں اسلام کے پھیلنے کا باعث ہوئی ہے جس کا اسی لئے صمیم قلب سے استقبال کیا گیا۔ کہ وہ انسانوں میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھتا۔ اور وہ اچھوتوں کو بھی اسی کلچر کا برابر حصہ دار بناتا ہے، جسے وہ پیش کرتا ہے۔

غلامی کو بطور ایک قانون اور آئین کے اسلام نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف قول سے بلکہ اپنے عمل سے بھی غلاموں کی تعداد کو کم سے کمتر کرنے کے لئے لوگوں کو ابھارا ہے۔ حضرت عمرؓ حبشی غلام بلالؓ کو سیدی یعنی اے میرے سردار کہکر خطاب کرتے تھے، اور ملاقاتوں میں ہمیشہ ان کو ترجیح دیتے تھے۔ اسامہ بن زید کو کہ وہ بھی ایک غلام تھے، ایک فوج کا جرنیل بنایا گیا تھا۔ سمیہ لونڈی کے لڑکے زیاد ایران کے گورنر تھے۔ شمالی افریقہ میں قیروان کا انتظام ابو المہاجر کے سپرد تھا، جو وہ بھی ایک غلام تھے۔ نامور طارق جن کے نام پر جبل الطارق ہے موسیٰ بن نصیر کے آزاد کردہ غلام تھے۔ خلیفہ واثق باللہ نے امور سلطنت کا انتظام عملاً ایک ترکی غلام اسنر کے سپرد کر دیا تھا۔ ممالیک (جو ایک غلام خاندان تھا) کی حکومت کا سہ صد سالہ عہد مصر کی تاریخ کا ایک زریں عہد سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان کو چنگیز اور اس کے ذلیل گروہ کی غارتگری سے بچانے میں قطب الدین ایبک اور اس کے غلام جانشینوں کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔

کمزوروں اور کم حیثیت کے لوگوں کو اٹھا کر سماج کے خوش قسمت افراد کے ہم مرتبہ کر دینا اس زمانہ میں انسانیت کے لئے ایک بالکل نیا تجربہ تھا۔ یہ کہنے میں ہم بھی اقبال کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکتے ہیں۔

عبدِ مسلم کمتر از احرار نیست خوں شہ رنگیں تر از معمار نیست

پیشِ قرآں بندہ و مولےٰ یکے ست بوریا و مسند و دیبا یکے ست

اسلام میں عورت کی حیثیت کا کیا حال ہے؟ اسلام نے اسے ایسی حیثیت دی ہے، جو اس حیثیت سے بڑھکر ہے، جو مشرق و مغرب کے کسی بھی ترقی یافتہ ملک نے اسے دی ہے۔ وراثت اور جائیداد کی مستقل ملکیت کے ایسے حقوق اُسے حاصل ہیں، جن کا جواب کسی سماج میں نہیں ملتا۔ ابھی حال ہی میں ہندوستان کی مجالس وضع قوانین نے عورتوں کے حقوق کے متعلق جو قوانین بنائے ہیں وہ ان سے بہت کم ہیں، جو اسلامی قانون کی رُو سے عورت کو حاصل ہیں۔

(ب) مساوات کی روح کے بعد نظام فلسفہ اور طریق زندگی کے متعلق رواداری کی روح کا نمبر آتا ہے۔ رواداری کی روح کے بغیر کوئی کلچرل ہم آہنگی پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس کے یہ معنیٰ ہیں، کہ دوسرے فرقوں کو اپنے معاشرتی اور مذہبی نظاموں کو قائم رکھنے کے راستہ میں کسی قسم کی روک پیدا نہ کی جاوے۔ قرآن مجید میں بھی ایسی آزادی دیئے جانے کی اجازت کا ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ سورۃ یونس ۱۱ میں فرمایا ہے: تو کہدے، کہ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کیطرف سے حق آگیا ہے۔ پس جو کوئی ہدایت کو اختیار کرے، تو وہ اپنی جان ہی کے لئے ہدایت کو اختیار کرتا ہے۔ اور جو بھٹک جائے تو اسکا بھٹکنا بھی اُسکی ہی جان پر وبال ہوگا۔ اور میں کوئی تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔ بعض رومی عیسائیوں کی باغیانہ سرگرمیوں کی وجہ سے خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا ان کے چند گرجوں کو توڑا جاسکتا ہے، یا نہیں۔ علامہ قاضی یوسف کے پاس جو اس وقت محکمہ امور مذہبیہ کے انچارج تھے، یہ سوال لایا گیا تو انہوں نے معاملہ کو سُنکر بغیر تامل کے فرمایا، کہ مسلمانوں کو ان گرجوں کے برباد کرنے کا قطعاً کوئی حق حاصل نہیں۔ مؤرخ مقریزی نے اس واقعہ کو درج کیا ہے، کہ کس طرح مفتی اعظم لیث بن سعد کے فتویٰ کی بناء پر حکومت کے خرچ پر اُن گرجوں کو تعمیر کروایا گیا جسے خلیفہ ہادی نے گروا دیا تھا۔

اب ہندوستان کو لیجیئے۔ ہم دیکھتے ہیں، کہ اسلامی حکومت کے دوران میں غیر مسلموں کے ساتھ اسی رواداری کا سلوک روا رکھا گیا۔ نوجوان محمد بن قاسم نے سندھ کی فتح کے مابعد یہ عام اعلان کیا، کہ ہندوؤں کو اپنے قوانین اور رسوم ادا کرنے کی پوری آزادی ہے۔ جنگ کے دوران میں

چند ایک مندروں کو کچھ نقصان پہونچا تھا۔ برہمن آباد کے ہندوؤں نے جب اس کی شکایت کی، تو حکم دیا گیا، کہ فوراً ان کی درستی کردی جاوے۔ اس کے علاوہ محمد بن قاسم نے حکم دیا کہ ٹیکس کا تین فیصدی مندروں کی مرمت کے لئے علیحدہ کردیا جایا کرے۔ شہنشاہ بابر نے اپنی آخری وصیت میں اپنے بیٹے ہمایوں کو دوسری نصائح کے ساتھ یہ نصیحت بھی کی، کہ کسی شخص کے خلاف تعصب تمہارے فیصلہ کو متاثر نہ کرنے پائے۔ تمام فرقوں کے جذبات اور احساسات کا احترام کرنا۔ اگر تم چاہتے ہو، کہ ملک میں امن و امان کا دور دورہ ہو، تو عبادت گاہوں کو کبھی برباد نہ کرنا، اور سب کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرنا" اکبر کے متعلق تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اس کا تو نام ہی بے تعصبی اور انتہائی رواداری کے لئے بطور ضرب المثل مشہور ہے۔ برنیر جو اورنگ زیب کے عہد میں ہندوستان میں تھا، اپنے سفرنامہ میں اس آزادی کی شہادت دیتا ہے، جو غیر مسلموں کو اپنی مذہبی رسوم کی ادائیگی میں اس شہنشاہ کے عہد میں حاصل تھی۔ شہنشاہ اورنگ زیب کو جب یہ شکایت پہنچی، کہ اس کے بعض افسر بنارس کے چند مندروں کے پروہت برہمنوں کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں، تو انہوں نے اسی وقت ایک فرمان جاری کیا، جس میں اپنے افسروں کو سختی سے حکم دیا، کہ وہ انہیں تنگ کرنے اور ان کے معاملات میں دخل دینے سے قطعاً باز رہیں۔ اورنگ زیب کے متعلق جس پر ہندوؤں کو مبتلائے آلام رکھنے کا ناحق الزام ہے، آچاریہ پی۔ سی۔ رائے کے ایک اقتباس کو درج کرنے کے لئے شاید ہمیں کسی معذرت کی ضرورت نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:-

اورنگ زیب کے عہد میں بھی ہندوؤں کے پاس حکومت کی بڑی قابل اعتماد جگہیں تھیں۔ بنگال میں اورنگ زیب کے وائسرائے مرشد قلی خاں کے ماتحت بلا شرکت غیرے محکمہ سول ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا۔ بعض اہم فوجی ملازمتیں بھی ان کے پاس تھیں۔ جن میں سے درپا نرائن۔ بھوپتی رائے۔ جسونت رائے۔ راگھونندن۔ لاہوری مل۔ دلیپ سنگھ۔ رام جیون اور دیارام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ خود دہلی میں بھی محکمہ مال کا افسر اعلیٰ عملاً ایک ہندو تھا۔ مسلمانوں کے عہد میں جس کا دامن تیرھویں صدی سے

لیکر جنگ پلاسی تک پھیلا ہوا ہے ہندوؤں کو کبھی بھی یہ محسوس نہیں ہوا، کہ وہ کسی بدیسی راج میں زندگی بسر کر رہے ہیں"۔ بعض دفعہ یہ کہا جاتا ہے، کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے عہد میں کوئی نیا مندر تعمیر نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اس سے زیادہ کوئی چیز صداقت سے دور نہیں ہو سکتی۔ رائے بہادر لالہ بیجناتھ نے اپنی کتاب ہندوستان ماضی اور حال (India Past & Present) میں اس صریح غلطی کو ظاہر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں، کہ آجتک بھی آگرہ اور دہلی میں بہت سے ایسے مندر موجود ہیں، جو اسلامی عہد میں تعمیر ہوئے تھے۔ برندابن، گووندا جی، گوپی ناتھ جی اور مدن موہن جی کے مشہور مندر اسلامی عہد ہی میں تعمیر ہوتے تھے۔

(ج) اسلامی ثقافت کی رُوح کا مخصوص اظہار بھی ان کوششوں میں ملتا ہے، جو مسلمانوں نے فنون کو پھیلانے اور علم و ادب کو ترقی دینے میں کیں۔ وہی وسیع روح جو ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں اسلامی طرزِ حکومت کا طغرۂ امتیاز تھی، علم کو پھیلانے میں بھی ہمیں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ انہیں کی حوصلہ افزائی تھی، کہ مسلمانوں نے علم کے خزانوں کو خواہ وُہ بازنطینی حکومت میں تھے، یا ایران میں، ہندوستان میں تھے یا چین میں، غرض جہاں کہیں بھی وہ تھے، انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا۔ انہوں نے تمام ذرائع سے جو انہیں میسر آئے، علوم کو جمع کیا۔ نسطوری عیسائیوں سے بھی، یہودیوں سے بھی اور قدیم ایرانیوں اور ہندوؤں سے بھی۔ فزیکل سائنس کے مطالعہ میں تجرباتی طریق کو سب سے پہلے مسلمانوں ہی نے رائج کیا۔ اور انہیں نے سب سے پہلی رصدگاہیں قائم کیں۔ علم، ادب اور فلسفہ کا کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا، جو ان کی فہیمانہ تحقیقات کی زد سے باہر رہا ہو۔ مشرق و مغرب میں علم کا اجارہ داری صرف اِن لوگوں کو حاصل تھی، جو مخالفین مذہب کے نام سے مشہور تھے۔ مسلمانوں نے عبادتگاہوں اور راہب خانوں سے کتابیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالیں، ان کا ترجمہ کیا، اور ان کو سب کی مشترکہ دولت بنا دیا۔ دارالخلافے خواہ وہ بغداد اور دمشق میں رہے ہوں، یا قاہرہ اور قرطبہ میں ہمیشہ علم کا مرکز رہے ہیں۔ خود خلفاء علم کے سرپرست ہوتے تھے۔ اور اس کے چھپے ہوئے خزانوں کو باہر نکالنے میں بڑی بڑی

رقمیں خرچ کرتے تھے۔ انہوں نے عظیم الشان یونیورسٹیاں قائم کیں۔ جہاں علم کے ہر ایک شعبہ کی تعلیم کا انتظام تھا۔ اور لائق عالموں کی زیر نگرانی تحقیق کا کام ہوتا تھا۔ علم کی ان درسگاہوں میں تمام دُنیا کے طلبا جمع ہوتے تھے۔ قرطبہ میں عیسائی طلباء کی ایک بہت بڑی جماعت تھی، جس نے اپنے وقت میں عربی علوم و فنون کو یورپ کے کل حصوں میں پھیلایا۔ کتابوں کے جمع کرنیکے شوق نے تو سچ مچ ایک جنون کی شکل اختیار کرلی تھی جس کا طبعی نتیجہ یہ ہوا، کہ بہت سی لائبریریاں قائم ہوگئیں۔ قرطبہ کے شاہی کتب خانہ میں چار لاکھ کتابیں تھیں۔ خلیفہ کو کتابوں کے جمع کرنیکی اس قدر دھن تھی، کہ جب عباسی خلیفہ مامون اور مائیکل ثالث (Greek Emperor) کے درمیان ایک معاہدہ لکھا گیا۔ تو کہا جاتا ہے، کہ اس کی ایک طے شدہ شرط یہ بھی تھی، کہ قسطنطنیہ کی لائبریری خلیفہ کے سپرد کردی جائیگی۔ سپین کے عبدالرحمٰن الثالث کو خوش کرنے کے لئے بازنطینی شہنشاہ کو اس سے بہتر اور کوئی چیز نہ ملی، کہ اس نے Dioscorides کی دواسازی کی کتاب کو نہایت خوبصورت جلد بندھوا کر پیش کیا۔ اور چونکہ اس وقت تک ابھی مسلمانوں کو یونانی زبان نہیں آتی تھی، اس لئے اس بیش بہا تحفہ کے ساتھ نکولس (Nicolas) نام ایک راہب کو بھیجا گیا۔ تا وہ کتاب کا عربی میں ترجمہ کردے۔

کتابوں کی اس تلاش اور علم کی افزائش نے جس میں مختلف مذاہب اور فرقوں نے کام کیا، اعلیٰ مقاصد کے لئے ملکر کام کرنے کی روح پیدا کردی، اور بہت سی فرقہ دارانہ گتھیوں کو سلجھانے میں مدد دی۔ علم کے اس عظیم الشان شوالہ کے گرد اس عہد کی رواداری اور آزادی کی فضا سانس لے رہی تھی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے یہ حکم جاری کر رکھا تھا، کہ مملکت کی ہر مسجد کے ساتھ ایک سکول ہو۔ اور ایک نسطوری عیسائی یوحنا میسو کو تعلیم عام کا جنرل سپرنٹنڈنٹ بنادیا تھا۔ عبدالرحمٰن الثالث کے دربار میں یہودی عالم Hasdai نامی کے عیسائی کیمیادان [illegible] نامی کے ساتھ انتہائی گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ ادب کے مختلف میدانوں میں حقیقی طور پر مسلمانوں نے کیا امداد دی؟ اس کا شمار موجودہ مضمون کے دائرہ سے باہر ہے۔ اس موقعہ پر ہم صرف یہ بتا سکتے ہیں، کہ دُنیا ہمیشہ مسلمانوں کی ممنونِ احسان رہے گی ـــ نہ صرف اس لئے کہ انہوں نے قدماء کے ذہنی خزانوں کو گوشۂ گمنامی سے نکالا، بلکہ اس لئے بھی کہ انہوں نے اپنی پیدا کار اور تخلیقی روح کی برکت سے اس دولت میں بہت بڑا اضافہ بھی کیا۔ یہ کلیتہً مسلمان علماء کی سرتوڑ جدوجہد تھی، جس نے یورپ کی اس علمی آزادی کو ممکن بنادیا جس نے بعد میں نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کی شکل میں ظہور کیا۔

(باقی)

سکھوں اور مسلمانوں کے تعلقات

(۲)

(از جناب گیانی واحد حسین صاحب مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ)

بابا نانک صاحبؒ کی یادگاریں اور مسلمان

کئی ایسے مقامات مسلمانوں کے قبضہ میں آجتک چلے آتے ہیں جہاں حضرت بابا نانک صاحبؒ تشریف لے گئے، اور چلہ کشی کی۔ مسلمانوں کی باباصاحبؒ سے محبت کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے، کہ انہوں نے آپ کی یادگاروں کو آجتک بڑی عزت و احترام سے قائم رکھا۔ یہ یادگاریں ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کی زیارتگاہیں بنی ہوئی ہیں۔ چند کے نام یہ ہیں:-

۱- گوردوارہ نانک جھیرو - محافظ مسلمان ہیں - (خورشید خالصہ صفحہ ۲۱۹ گوردوارہ درشن صفحہ ۳۷)

۲- گوردوارہ بغداد صاحب - " " " (دوسری گوردوارہ درشن صفحہ ۵۶ مصنفہ ٹھاکر سنگھ)

۳- " ملتان شہر " " " " " " صفحہ ۱۵ " " " ")

۴- " سرسہ صاحب - " " " " " صفحہ ۲۲ (خورشید خالصہ صفحہ ۲۱۹)

۵- " ننکانہ صاحب - " " " (خورشید خالصہ صفحہ ۲۲۲ مصنفہ باوا نہال سنگھ)

۶- " بالاکوٹ " " " (رسالہ امرت ماہ نومبر ۳۸ء مضمون سردار گوربخش سنگھ)

۷- ۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم کے دوران میں جب سکھ پلٹنیں بغداد پہونچیں، تو ان کے سرداروں نے ایک مقام دیکھا، جہاں بابا نانک صاحبؒ نے شاہ بہلول صاحب سے گفتگو کی تھی۔ اس جگہ کے مجاور سید محمد یوسف صاحب نے بیان کیا، کہ وہ دسویں پشت اس جگہ کے جانشین مقرر ہوئے ہیں۔ اس مقام کے ارد گرد ایک دیوار بنی ہوئی ہے۔ جس میں ایک کتبہ لگا ہوا ہے۔ کتبہ پر حسب ذیل حروف منقش ہیں:-

گورو مرا وا ایلدی حضرت رب المجید با بانانک فقیر اولہ تاکہ عمارت جدید بدید امداد ایددب کلدی کہ تاریخندہ یا یدی ثواب اجرائیدہ النی مرید سعید۔ ۹۲۷ سنہ۔

گورمت سدھانت ص۳۵ مصنفہ پرتاپ سنگھ)

اس کا ترجمہ جو سنٹرل سکھ کمیٹی بغداد نے کرا کر بھیجا ہے اور جسے سردار گوربخش صاحب شمشیر نے رسالہ امرت میں درج کیا ہے، یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

"دیکھو حضرت پروردگار بزرگ نے کیسی مراد پوری کی ہے، کہ بابا نانک کی تعمیر نئے سرے سے بن گئی۔ سات بڑے بڑے ولیوں نے اس میں امداد کی۔ اور اس کی تاریخ یہ نکلی کہ نیک بخت مرید نے پانی کے لئے زمین میں فیض کا چشمہ جاری کر دیا۔"

(رسالہ امرت ماہ نومبر ۱۹۳۸ء ص۳۸)

۸۔ گیانی ڈاکٹر اوتار سنگھ صاحب اپنے سفر کے حالات تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"افغانستان میں ایک گوردوارہ جس کا نام "زیارت شاہ ولی بابانانک" ہے، قندھار سے جنوب مغرب کی طرف ۲۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بشکل ۸ مربع فٹ کا ایک ٹکڑا۔ اس کا مجاور ایک مسلمان مسمی نور بادشاہ ہے۔ جو اشنان کئے بغیر کسی شخص کو اندر نہیں جانے دیتا۔ اس مجاور کے ہاتھ کا سب سکھ اور ہندو کھا لیتے ہیں۔"

(اخبار شیر پنجاب لاہور کا شہید نمبر ۹ رجون ۱۹۴۰ء)

گوردواروں کو مسلمانوں کے عطیے

ا۔ گوردوارہ نانک جھیرہ ریاست حیدرآباد دکن میں واقع ہے۔ سری اپچن نگر حضور صاحب جہاں پر گورو گوبند سنگھ صاحب نے وفات پائی، وہاں سے چالیس کوس اُتر کی طرف ہے۔ نظام صاحب حیدرآباد دکن نے گذارے کے لئے گوردوارے کے ساتھ جاگیر لگائی ہوئی ہے۔" (سری گوردوارے درشن ص۴۸ مصنفہ گیانی ٹھاکر سنگھ)

۲۔ سردار گوربخش سنگھ صاحب شمشیر اتہاس کرتا پوری سکانہ صاحب زیر عنوان جھنڈن کا بے نظیر چھوڑ لکھتے ہیں:۔

۲۔ ایک مسلمان فقیر حاجی محمد مسکین صاحب سری گورو نانک صاحب کے پریم میں رنگین سری امرتسر آیا۔ اور ۱۳ر دسمبر ۱۹۳۵ء جمعرات کے دن دو بجے اس نے یہ چنور بڑی عقیدت کے ساتھ مرحوم بھائی ہیرا سنگھ راگی کی معرفت سری دربار صاحب کی نذر کیا تھا۔ اس گورو گھر کے شردھالو نے پانچ برس اور سات ماہ میں بڑی محنت کے ساتھ یہ بے نظیر چندن کا چنور تیار کیا تھا۔ جس کی باریک تاریں ایک لاکھ ۴۵ ہزار ہیں۔ جو ۹ من چودہ سیر چندن میں سے تیار کی گئی ہیں۔ اس دن اکال تخت کے سامنے بڑا بھاری دیوان لگایا گیا۔ وہ چندن کا چنور ایک ساگوان اور ہاتھی دانت کی گولائی کے ساتھ شیشے کے صندوق میں بڑی حفاظت کے ساتھ جلو خانہ میں رکھا ہوا ہے۔ اس چنور کے درشن سادھ سنگت کو کرائے گئے۔ اور فقیر کو سری ہری مندر صاحب کی طرف سے ایک سو پونڈ اور قیمتی دو شالے بطور سروپاؤ عنایت کئے گئے۔" (رسالہ امرت ماہ مئی ۱۹۳۶ء صفحہ ۴۰)

۳۔ ضلع کیمبل پور حسن ابدال میں بابا نانک صاحب کے گوردوارہ کو جو پنجہ صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت امام جماعت احمدیہ نے مبلغ پانچ صد روپیہ کی رقم عطا فرمائی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے سکھ اخبار "شیر پنجاب" لاہور کے ایڈیٹر سردار امر سنگھ صاحب زیر عنوان "خلیفہ قادیان کا پنجہ صاحب کے لئے عطیہ" لکھتے ہیں:۔

"امرتسر ۲۸ر فروری۔ خلیفہ قادیان نے ۵۰۰ روپیہ گوردوارہ پنجہ صاحب کی عمارت کے لئے دیا۔" (اخبار شیر پنجاب ۱۳ر مارچ ۱۹۳۵ء)

۴۔ ننکانہ صاحب گوردوارہ سری جنم استھان کے شمال مشرقی دروازہ کے دونوں جانب سنگ مرمر کے دو سفید پتھر دیواروں میں چسپاں ہیں۔ جن پر گورمکھی اور اردو حروف میں یہ عبارت مرقوم ہے۔

ਸੇਵਾ ਕਰਾਈ ਹਕੀਮ ਭੋਲੇ ਖਾਂ (ਮੌਜ਼ਾ ਰੁੜਕਾ ਚਕ ਨੰ.
੧੦੦ ਰਖ. ਬ੍ਰਾਂਚ (ਜ਼ਿ: ਲੈਲ ਪੁਰ ੧ ਹਾੜ ਸੰ: ੧੯੮੬

سیوا کرائی حکیم بھولے خاں موضع رڑکا چک نمبر ۱۰۰ رکھ برانچ ضلع لائلپور یکم ہاڑ سمت ۱۹۸۶ بکرمی

ਸੇਵ ਕਰਾਈ ਬੇਗਮ ਧਰਮ ਪਤਨੀ سیوا کرائی بیگم دھرم پتنی حکیم بھولے

خان سومنج ڑنکا چک ۳۲ رکھ برانچ ਜਮੀਨ ਤ੍ਰੇਹੇ ਘਾਂ [illegible]
ضلع لائل پور یکم ہاڑ سمت ۱۹۸۶ بکرمی ੨੧੦੦ ਰੁਪਏ ਸਾਲਾਨਾ [illegible]
੧ [illegible] ੧੯੮੬ ਨੂੰ "

۵- "یہ گوردوارہ (سَن صاحب) سری گورو امرداس صاحب کا ہے۔ اس جگہ گورو صاحب باؤلی بھی جو گورو انگد صاحب کے صاحبزادے تھے کی مخالفت کی وجہ سے آکر چھپ گئے اور کمرہ کا دروازہ اندر سے بند کر دیا اور باہر لکھوا دیا۔ کہ جو کوئی دروازہ کھولیگا، ہم سے بے مُکھ ہوگا۔ سکھ بابا بڈھا جی کو ساتھ لے کر گئے۔ بابا جی نے دروازے پر لکھا ہُوا پڑھ کر دوسری طرف سے کمرہ میں نقب لگائی اور اندر جاکر آپکے درشن کئے۔ تب گورو صاحب نے خوش ہوکر فرمایا، کہ جو کوئی اِس سَن[1] صاحب کے راستے گذریگا نجات پاویگا۔ اس گوردوارے کے ساتھ ایک مسلمان راجپوت چودھری سمند خان صاحب سکنہ کوٹلی نے ۴۸ گھماؤں زمین نہری لگادی اور ۲۸ روپے سالانہ جاگیر و ۱۲ بیگھے زمین گاؤں کی طرف سے لگی ہوئی ہے۔" (گوردھام درشن صفحہ ۹۹)

سلطنت مغلیہ اور سکھ گورو صاحبان | گورو نانک صاحب فرماتے ہیں:-

" تخت راجہ سو بہے جے تختے لائق ہوئے۔ (محلہ ۱ صفحہ ۱۰۱ گرنتھ صاحب)

یعنی خدا تعالیٰ اس راجہ کو تخت پر بٹھاتا ہے، جو تخت کے لائق ہوتا ہے۔ اور سری گورو گوبند سنگھ صاحب فرماتے ہیں:-

باب کے بابر کے دوؤ — آپ کرے پرمیشر سوؤ
دین شاہ اِن کو پہچانوں — دُنی پت اُن کو انو مانوں
جو بابے کے دام نہ دے ہیں — تِن تے گہہ بابر کے لٹے ہیں
(دسم گرنتھ [illegible])

یعنی پرمیشر نے دو تخت بنائے ہیں ایک بابا نانک صاحب کا اور دوسرا بابر بادشاہ کا۔ دین کا بابا نانک صاحب کو اور دُنیا کا بادشاہ بابر کو مقرر کیا۔ جو لوگ بابا نانک صاحب کا حصہ ادا

[1] پنجابی میں نقب کو سَن کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کا نام سَن صاحب رکھا گیا۔

نہ کریں گے، ان سے بابر کے چھین لیں گے۔ گویا خدا تعالیٰ نے بابا نانکؒ کی گدی کی حفاظت کے لئے بابر کی سلطنت قائم کی ہے۔ چنانچہ واقعات اس پر گواہ ہیں، کہ مسلمان عموماً اور مغل بادشاہ خصوصاً سکھ گورو صاحبان سے نیک سلوک کرتے اور ان کی ترقی کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ اس جگہ اختصار کے ساتھ چند واقعات پیش کرتا ہوں۔

۱۔ بھوپال کے کتب خانہ میں شہنشاہ بابر کا ایک وصیت نامہ موجود ہے جو آپ نے اپنے بیٹے ہمایوں کے لئے لکھا۔ وَھُوَ ھٰذَا:۔

"وصیت نامہ مخفی ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی بشاہزادہ نصیر الدین ہمایوں اطال اللہ عمرہٗ برائے استحکام سلطنت نوشتہ شد۔

اے فرزند مملکت ہندوستان از مذاہب مختلفہ معمور ست۔ الحمد للہ کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ بادشاہی آں بتو کرامت فرمود باید کہ تعصبات مذہبی از لوح دل نمودہ موافق طریق ہر ملت معدلت کن۔ خصوصاً از قربانی گاؤ بپرہیز کہ تسخیر قلوب اہل ہندوستان ست و رعیت ایں ولایت باحسانات شاہی وابستہ شود۔ و مناور و معبدگاہ ہر قومیکہ زیر فرمان بادشاہی ست خراب مکن۔ چناں عدل گستری اختیار کن کہ شاہ از رعیت و رعیت از شاہ آسودہ شود۔ ترقی اسلام از تیغ احسان بہتر ست نہ از تیغ ظلم و از مناقشات اہل سنت و شیعہ چشم پوشی کن والاضعف اسلام موجود ست و رعیت مختلف القلوب را بحکم اربعہ عناصر قائم کن کہ جسم سلطنت از امراض مختلفہ ایمن باشد۔ و کارنامہ حضرت امیر تیمور صاحبقران پیش نظر باید داشت کہ بامور شہریاری پختہ شوی۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ ۔ یکم جمادی الاولیٰ ۹۳۵ھ

(منقول از گومیدہ یگیہ صفحہ ۱۵۹ مصنفہ آتما نند)

ترجمہ:۔ وصیت نامہ مخفی ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی جو شہزادہ نصیر الدین ہمایوں اطال اللہ عمرہٗ کے لئے بغرض استحکام سلطنت لکھا گیا۔

اے فرزند! ہندوستان کا ملک مختلف مذاہب سے معمور ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس ملک کی بادشاہی تم کو عطا کی۔ تمہیں چاہیئے، کہ دل کو تعصبات مذہبی سے پاک کر کے ہر طریقہ اور ہر ملت

کے مطابق انصاف کرو۔ خاص کر قربانی گاؤ سے پرہیز کرو۔ اس سے ہندوستانیوں اور اس ملک کی رعایا احسانات شاہی سے مسخر ہو جائے گی۔ کسی قوم کی عبادتگاہ زیر نگین ہو برباد نہ کرو۔ ایسی عدل گستری اختیار کرو کہ رعیت بادشاہ سے اور خوش رہے۔ اسلام کا احسان کی تلوار سے جتنا بھلا ہے، ظلم کی تلوار سے نہیں۔ جھگڑوں سے چشم پوشی کرو۔ ورنہ اسلام کمزور ہو جائے گا۔ مختلف دلوں کی رعیت درج اعتدال پیدا کرو۔ تاکہ سلطنت کا جسم مختلف امراض سے محفوظ رہے۔ حضرت قران کا کارنامہ پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ تاکہ تمہیں امور سلطنت میں پختگی حاصل ہو۔

۲۔ "گور بلاس پاتشاہی چھ" میں لکھا ہے، کہ اکبر بادشاہ نے گورو امرداس صاحب کو چوراسی گاؤں کی جاگیر پیش کی۔ لیکن آپ نے سری گورو رام داس صاحب کو دلوا دی:

سری محے سو گور کین اُچارا   رام داس مالک
تن کو دیہو شاہ تب کینے   چوراسی گاؤں گورو
رام داس گور گاؤں سوپائے   اچھ شاہ کی پور

یعنی گورو امرداس نے فرمایا کہ گورو رام داس کو یہ گاؤں دیدو۔ تب بادشاہ نے گاؤں گورو صاحب کو دیدیئے۔ گورو رام داس نے گاؤں لیکر بادشاہ کی خواہش پوری کی۔

ان چوراسی گاؤں کے نام یہ ہیں:۔

(۱) جھبال (۲) گدڑی (۳) بگیاڑی (۴) ایمان (۵) ٹھٹھار (۶) کسیل (۷) ... (۹) سنگھ پورہ (۱۰) نوردی (۱۱) پنڈوری نخت مل (۱۲) جبہ (۱۳) گلوآلی (۱۴) بابا ... خیروی (۱۷) میاں پور (۱۸) جگت پور (۱۹) ٹھٹھہ گرام (۲۰) ساجڑاں (۲۱) ... (۲۳) تھانے (۲۴) مولاچک (۲۵) سبراڑی وال (۲۶) گمان پور (۲۷) رام ... (۲۹) کوٹ سید محمود (۳۰) گول وڑ (۳۱) رنول (۳۲) درپال (۳۳) جاتی وتڈ ... سلطان ونڈ (۳۶) ڈوبرجی (۳۷) ٹنگ (۳۸) ولہ (۳۹) ویرکا (۴۰) نگلی رام ...

(۴۳) مراد پور (۴۴) گلشالہ (۴۵) بل سوچندر (۴۶) ہیر کبو (۴۷) میراں کوٹ (۴۸) ماہل (۴۹) گھنو پور کلاں (۵۰) خیر آباد (۵۱) دھول کلاں (۵۲) خاصہ (۵۳) کھور ملیاں (۵۴) ہوشیار نگر (۵۵) نتھو پور (۵۶) تاجو چک (۵۷) بھکنہ (۵۸) جیچیپر (۵۹) مہانان (۶۰) راجہ تال (۶۱) بھروپال (۶۲) بھیتے (۶۳) دودھے (۶۴) لبہ (۶۵) سکھو چک (۶۶) گنڈی ونڈ (۶۷) سرائے امانت خان (۶۸) نوشہرہ ڈھالہ (۶۹) چاہل (۷۰) بھچر (۷۱) سوہل شٹھی (۷۲) گگوبوا (۷۳) پنج وڑ (۷۴) نالو گمن (۷۶) مولووال (۷۷) موسے پور (۷۸) پلا لور (۷۹) رسول پور (۸۰) مغل چک (۸۱) روڑے حاصل (۸۲) قد گل (۸۳) پنڈوری گولہ (۸۴) ملیاں ۔ (گوردھام درشن صفحہ ۹۱)

۳۔ اکبر کی عطا کردہ جاگیر کے متعلق گیانی ٹھاکر سنگھ صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"سری گورو امرد یوجی مہاراج کا زمانہ اکبر کے ساتھ بہت تعلق رکھتا ہے۔ اکبر سے پہلے بھی تو اسلامی بادشاہوں نے گورو گھر کے ساتھ پریم کیا تھا۔ لیکن اس بادشاہ نے اسلام کا سکھوں کے ساتھ وہ رشتہ قائم کیا۔ جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔ پرگنہ جھبال کے چوراسی گاؤں سری گورو امردیو بادشاہ کی سپتری بوجیہ بی بی بھانی جی کے نام جاگیر لگا دی" (رسالہ اپدیشک امرتسر جون و جولائی ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۶)

۴۔ مصنف تواریخ گورو خالصہ گورو امرداس جی کے حالات میں لکھتے ہیں :۔

"گورو کھشیتر سے چل کر جب دریائے جمنا کو عبور کر کے قصبہ عملی میں پہنچے، تو ٹھیکیدار نے حسب دستور سوا روپیہ فی کس محصول ان سے طلب کیا۔ کیونکہ ان کے ہمراہ ایک بڑا ہجوم تھا انہوں نے محصول دینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ ہم فقرا سے تو دھرم راج بھی محصول نہیں مانگتا۔ تم کیونکر لے سکتے ہو؟ یہ کہکر وہیں مقام کر دیا۔ ان کو دیکھکر جاتری بھی محصول سے بچنے کے لئے وہیں اتر پڑے۔ جب یہ خبر اکبر بادشاہ کو دیوان ٹوڈرمل نے جو گورو صاحب کا معتقد تھا، پہنچائی، تو بادشاہ نے فوراً معافی محصول کا حکم ٹھیکیدار کو لکھ بھیجا۔ جب ٹھیکیدار کے پاس یہ حکم پہونچا، تو کل لوگوں کو معلوم ہو گیا۔ کہ بادشاہ نے گورو امرداس صاحب اور ان کے ہمراہی سکھوں کو محصول سے مبرا کر دیا ہے۔ تو سارے جاتری جو ان کو دیکھکر اتر پڑے تھے۔ ان کے سکھ بن گئے۔ اور ان کے ہمراہ

بلا محصول چلے گئے۔ ٹھیکیدار کا اس سے بڑا نقصان ہوا۔ اور کہتے ہیں کہ وہ آزردہ خاطر ہو کر بادشاہ کے پاس دہلی واسطے اپنی حق رسی کے چلا گیا۔ اُدھر سارے جاتری ہردوار اشنان کر کے اپنے اپنے گھروں کو بلا روک ٹوک محصول واپس چلے گئے۔" (تواریخ گورو خالصہ اُردو ص۸۳)

۵۔ موضع گوئیندوال کے ایک شخص گوبند نامی نے جو مروا ہے کھتریوں کا گورو تھا، گدی کے متعلق گورو صاحب پر ایک مقدمہ دائر کیا۔ وہ مقدمہ مسلمان حاکم کے سامنے پیش ہوا۔ مرزا جعفر بیگ صوبیدار لاہور نے گورو صاحب کو طلب کیا۔ گورو صاحب خود تو نہ گئے، لیکن بھائی جگا، کیداری، بولا اور ہا پانڈا وغیرہ پانچ سکھوں کو بھیجدیا۔ حاکم خود گوئندوال گورو صاحب کے پاس پہونچا۔ اور مقدمہ کا فیصلہ گورو صاحب کے حق میں سُنایا۔ مخالف فریق نے دہلی جا کر اپیل کی، جو خارج ہوئی۔ پھر وہ سیاہ جامہ پہنکر بادشاہ کے پاس گیا۔ لیکن بادشاہ نے بھی گورو صاحب کے خلاف ایک نہ سُنی۔" (تواریخ گورو خالصہ ص۹۲)

صاف ظاہر ہے کہ مسلمان حاکم گورو صاحبان کی ترقی میں معاون و مدد تھے۔ گورو امرداس صاحب کی خاطرداری کے لئے بادشاہ محصول معاف کر دیتا ہے۔ ہزاروں یاتری محصول سے بچکر اور آپ کی عزت افزائی کا اثر لیکر آپ کے حلقۂ مریدی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ہندو آپ پر مقدمہ دائر کرتا ہے۔ مسلمان حاکم جانتا ہے، کہ سکھوں کی طاقت دن بدن ترقی کر رہی ہے۔ اگر حاکم چاہتا اور گورو صاحب کا مخالف ہوتا، تو فیصلہ مخالف فریق کے حق میں دے کر سکھوں کی طاقت کو تقسیم کر کے کمزور کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔ اور اپنی انصاف پسندی کا ثبوت دیا۔

۶۔ لالہ سوہن لال صاحب اپنی کتاب عمدۃ التواریخ میں لکھتے ہیں:۔

"القصہ ایں رام داس مرد بزرگ شدہ تا آنکہ در آں روزہا کہ اکبر بادشاہ چندسال در لاہور مقام داشت سخن خداشناسی بگوش بادشاہ رسید بر بعزت و احترام پرداختہ کہ زمینے از حوالی بُریدہ چک لبستہ بفقیر بد ہندو از آنجا بہ چک رام داس موسوم ساخت و رام داس در آنجا ہی بنا ساخت۔" (تتمہ دفتر اوّل ص۲)

ترجمہ:۔ الغرض گورو رام داس بزرگ مرد ہوا۔ ان دنوں میں اکبر بادشاہ نے کچھ سال لاہور میں قیام

کیا تھا۔ اس کی خداشناسی کی باتیں بادشاہ کے کان میں پہونچیں۔ بادشاہ نے اس کی عزت واحترام میں مشغول ہو کر کچھ زمین مقرر کر کے گاؤں بنانے کے لئے فقیر کو دی۔ وہ جگہ چک رام داس کے نام سے موسوم ہوئی۔ اور گورو رام داس نے وہاں پر ایک گاؤں کی بنیاد ڈالی۔

۷۔ گیانی پرتاپ سنگھ صاحب اپنی کتاب گورمت سدھانت میں بحوالہ امپیریل گزیٹر آف انڈیا لکھتے ہیں:۔

Guru Ramdass first settled near the tank about 1574 and obtaind a grant of the site with 500 Bighas of land from Akbar in 1577.

ترجمہ:۔ گورو رام داس صاحب نے سب سے پہلے ۱۵۷۴ء کے قریب سرودر (تالاب) کے نزدیک قیام کیا۔ ۱۵۷۷ء میں تالاب کی جگہ اور پانچ صد بیگھہ زمین اکبر بادشاہ سے حاصل کی۔ (گورمت سدھانت صفحہ ۲۳۳)

۸۔ گیانی گیان سنگھ صاحب لکھتے ہیں:۔ "اکبر بادشاہ کابل کا دورہ کرتا ہوا گورو رام داس صاحب کو۔ جو گورو امر داس کے بعد گدی پر بیٹھے تھے، ملنے آیا۔ اس وقت ایک سو ایک اکبری مُہر نذر گورو صاحب کو دی۔ اور لاہور کے حاکم کو حکم دیکر امرتسر کی حد بندی کرا دی۔ نیز بادشاہ کے آنے کی وجہ سے رونق بڑھ گئی۔ اور شاہی حاکم اور رعایا گورو صاحب کی طرف مائل ہو گئے۔" (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۲۲۸)

۹۔ گورو رام داس صاحب کے بعد گورو ارجن صاحب گدی نشین ہوئے، تو آپ کے بڑے بھائی پرتھی چند کو بہت رنج ہوا۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو گدی کا وارث یقین کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے گدی کے حصول کے لئے آپ پر دعویٰ دائر کر دیا۔ اور صلہی خاں حاکم جو اس کا دوست تھا کے پاس موضع ہیری پہونچا۔ تاکہ اس مقدمہ میں اس سے امداد طلب کرے۔ گوربلاس پادشاہی چھ صفحہ ۴۳ میں لکھا ہے کہ "جب پرتھی چند آیا، تو صلہی خاں نے اس کا بہت عزت سے استقبال کیا۔ اور آنے کی وجہ دریافت کی۔ پرتھی چند نے جواب دیا، کہ گورو کی گدی ارجن نے لے لی ہے۔ اور مجھے نکال دیا ہے۔

تب صلہی خاں نے کہا، آپ آرام سے یہاں قیام فرمائیں۔ جب ہم دہلی جائیں گے، تو بادشاہ سے انصاف کروالیں گے۔ بادشاہ نے مجھے ایک گاؤں جس کا نام بیر ہے، عطا کیا ہے، سو وہ تم لیلو اور آرام سے زندگی بسر کرو۔ اور جس قدر ضرورت ہو، روپیہ بھی مجھ سے لے لو۔ گورو ارجن صاحب کی طرح مندر بنوالو۔ تب پرتھی چند نے گاؤں کی معافی کا پٹہ لکھوا کر قبضہ کرلیا۔" (ترجمہ از گورمکھی)

گو صلہی خان گورو ارجن صاحب کا شدید مخالف بیان کیا گیا ہے، لیکن پھر بھی اس شخص نے پرتھی چند کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے شریفانہ برتاؤ کیا۔ اور اپنی حاصل کردہ جاگیر اور بہت سا روپیہ دے کر پرتھی چند کو ٹال دیا۔ اور کہا، کہ جب ہم دہلی جائینگے۔ تو بادشاہ سے فیصلہ کروالینگے فی الحال ایک گاؤں جاگیر اور روپیہ لیکر تم بھی مندر اور تالاب بنالو تاکہ مسند نشینی کا شوق پورا ہوتا رہے۔ اور اس طرح معاملہ کو رفع دفع کرکے، اس کو گورو صاحب کی مخالفت سے باز رکھا۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ موقعہ ملنے پر صلہی خان نے بادشاہ کے حضور پرتھی چند کی عرض پیش کرادی جہانگیر نے جواب میں کہا:-

گورو نانک گر یہہ کے ہم داسا   ان کا نیاؤں سری گور پاسا
گورو رام داس دینی گوریائی   سوہم تے نہیں جات مٹائی
جے گوریائی تم کو ہوتی   جیوت دیوت سری گورو جوتی
اب تن کے تم لاگو پائے   جہانگیر اس بین الائے

یعنی ہم تو گورو نانک صاحب کے خادم ہیں۔ اُن کا فیصلہ تو گورو ہی کے پاس ہے جس کو گورو رام داس نے گدی دی ہے۔ اس کو ہم نہیں ہٹا سکتے۔ اگر گورو کی گدی پر بیٹھنے کا حق تمہارا ہوتا تو گورو صاحب اپنی زندگی میں ہی تم کو دیدیتے۔ اب تم گورو ارجن صاحب کے قدموں میں گرو۔

پرتھی چند نے اہلکاروں کو رشوت دے کر سفارش کروائی۔ بادشاہ نے اصل بات جان کر پرتھی چند کو بلایا۔ "گور بلاس پادشاہی چھ ص۲۳" میں لکھا ہے:-

بادشاہ نے پرتھی چند کو بلا کر بہت عزت بخشی۔ اور ارشاد فرمایا کہ جب ہم دہلی سے لاہور

جائیں گے۔ تو دونوں بھائیوں کی باتیں سُنکر فیصلہ کرینگے۔ آپ اب وہاں نہ جائیں۔ ہم سے ایک گاؤں لے لیں، اور وہاں جس طرح چاہیں آباد ہوجائیں۔ بادشاہ نے پرتھی چند کو گاؤں کی معافی کا پٹا لکھ دیا۔ اور فرمایا کہ ہم لاہور جائیں گے۔ تم ہمارے ساتھ چلنا۔ تب پرتھی چند نے علاقہ مالوہ میں ایک گاؤں جاگیر لے کر رہائش اختیار کی[1]" (ترجمہ از گورمکھی)

اس کے متعلق لالہ کنہیا لال نے اپنی کتاب تاریخ پنجاب میں اس طرح لکھا ہے:۔

"پرتھی چند، گورو ارجن جی کا بڑا بھائی جس کو والد نے مسند نشینی سے محروم کر دیا تھا، گورو جی کے ساتھ دشمنی رکھتا تھا، چنانچہ مسند نشینی کا دعویٰ بادشاہ کے رُوبرو گیا۔ بادشاہ نے اس امر میں مداخلت نہ کی۔ مگر اس کے گذارے کے لئے دو گاؤں جاگیر دیدیئے۔ جو اب ریاست پٹیالہ کے متعلق کوٹلہ گورو مشہور ہیں۔" (تواریخ پنجاب صنۃ معنفہ کنہیا لال)

ناظرین! غور فرمائیں۔ حاکم وقت صلحی خان نے اپنی حاصل کردہ جاگیر پرتھی چند کو دے کر اس کا جوش انتقام ٹھنڈا کیا۔ اور فساد مٹانے کی کوشش کی۔ اور بادشاہ جہانگیر نے کیسے تدبر سے کام لیتے ہوئے فیصلہ گورو ارجن صاحب کے حق میں صادر فرمایا۔ اور ان کے مقابل پرتھی چند کو علاقہ مالوہ میں ایک گاؤں جاگیر عطا کی۔ اور فرمایا، کہ جب لاہور جائینگے تو دونوں بھائیوں کی باتیں سُنینگے۔ اس وقت یہی فیصلہ ہے کہ جس کو باپ گدی دے گیا ہے، وہی گدی نشین رہے گا۔ ایسے اتفاقات کی موجودگی میں کون کہہ سکتا ہے کہ مغل بادشاہ سکھ گورو صاحبان کے دشمن تھے۔ بلکہ وہ تو ہر وقت گورو صاحبان کی ترقی چاہتے اور عطیات سے مالا مال کرتے رہتے تھے۔

۱۰۔ گورو ارجن صاحب علاقہ ماجھہ سے ہوتے ہوئے دریائے بیاس کے پار موضع ڈلہ میں پہنچے تو آپ کی تعریف سُنکر سید عظیم خان صاحب جو کہ جالندھر کے صوبیدار تھے، آپ کی ملاقات کیلئے آئے

---

[1] گورو گوبند سنگھ صاحب فرماتے ہیں "اکبر بادشاہ کا بیٹا جہانگیر دھرم آتما بادشاہ جنتا تھا" (بچتر ناٹک گرنتھ صفحہ ۱۳ ساکھی نمبر)

اور شبد سُنکر بہت خوش ہوئے۔ اور کہا، میری مرضی ہے، کہ آپ ہمارے پاس رہیں۔ گورو صاحب کو ایک گاؤں آباد کرنے کا حکم دے دیا۔ جس کی بنیاد سمت ۱۶۵۱ بکرمی ۱۱ مگھر کو رکھی گئی۔ اور اس کا نام کرتار پور رکھا گیا۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۶۱۲)

یہ وہی کرتار پور ہے، جو آج سکھوں کے متبرک مقامات میں شمار ہوتا ہے ۔

۱۱۔ بابو تیجا سنگھ صاحب نے اپنی کتاب "راگ مالا کھنڈن" میں سردار بہادر کاہن سنگھ صاحب آف نابھہ کی ایک چٹھی درج کی ہے۔ جس میں سردار صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"کرتار پور والے گورو گرنتھ صاحب کے آخر میں لکھا ہے کہ سمت ۱۶۵۵ بکرمی جہانگیر بادشاہ نے گورو ارجن صاحب کو رقبہ کرتار پور کا دیا۔ دھرم سالہ کو ۲۴۹۴ گھماؤں ۷ کنال ۱۵ مرلے زمین ہے" (راگ مالا کھنڈن صفحہ ۷)

۱۲۔ چندو لال جو بادشاہ کا مشیر خاص تھا، اس نے اپنی لڑکی کا رشتہ گورو ارجن صاحب کے لڑکے کو دینا چاہا۔ لیکن گورو صاحب نے انکار کر دیا۔ اس پر وہ ہر وقت اپنی ہتک کا بدلہ لینے کی فکر میں تھا۔ چنانچہ اس نے بادشاہ سے شکایت کی۔ کہ گورو صاحب نے جو گرنتھ صاحب بنایا ہے، اس میں اسلام کی توہین کی گئی ہے۔ اس پر شاہی حکم سے سری گورو گرنتھ صاحب دربار میں طلب کیا گیا۔ گورو صاحب خود تو نہ گئے۔ بھائی گورداس اور پانچ سکھوں کو گرنتھ صاحب دیکر روانہ کیا۔ بادشاہ نے چند ایک شبد سُنے اور خوش ہو کر ۵ مُہریں بطور نذر دیں اور سکھوں کو جو ساتھ تھے، قیمتی دوشالے دیئے اور ایک خلعت گورو صاحب کے لئے روانہ کیا۔ اور چندو لال کو جھوٹا قرار دیا" (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۴۹۱)

۱۳۔ سردار کاہن سنگھ صاحب آف نابھہ اپنی کتاب گورشبد رتناکر میں جس کا نام مہان کوش بھی ہے تحریر فرماتے ہیں:۔

۵۔ گیانی گیان سنگھ صاحب لکھتے ہیں۔ جہانگیر نے رعایا کو بہت آرام پہنچایا جتنے قسم کے جزیئے تھے سب اٹھا دیئے اور حکم دیا کہ جو شخص رعایا کے کسی آدمی سے بیگار لیگا اسکو سخت سزا دیجائے گی (تواریخ گورو خالصہ گورمکھی صفحہ ۱۲۲۸ حاشیہ)

ما گوندوال ۱۵۵۱ روپے کی جاگیر مغل بادشاہ نے دی اور وہ زمین موضع ٹوڈے وال ڈگل والا اور پچھے وال میں ہے۔" (مہان کوش ص ۱۲۷۶)

۱۴۔ نیز سردار صاحب فرماتے ہیں:۔

"چولا گاؤں ضلع امرتسر سٹیشن پٹی کے قریب ہے مغل راج میں اس کے ساتھ جاگیر لگائی گئی۔"

(مہان کوش ص ۱۴۲۶)

اس کے متعلق کتاب "گوردھام دیدار" میں لکھا ہے:۔ "علاقہ ماجھہ میں یہ مشہور گاؤں ہے پہلے اس کا نام بھینی تھا۔ اس جگہ گورو ارجن صاحب کا گوردوارہ ہے اس کا نام چولا گورو صاحب نے رکھا۔ جب اس جگہ کے نمبردار ۵۵۰۰ روپیہ مالیہ لیکر دہلی گئے، تو اس جگہ کا نام سرکاری کاغذات میں بھی چولا ہی نکلا۔ جس کی اطلاع بادشاہ کو دی گئی تو بادشاہ نے ۳۰۰ روپیہ اور ملا کر ساری رقم واپس کر دی اور مبلغ ۵۸۰۰ روپیہ کی سالانہ جاگیر لگا دی۔ جو اب تک قائم ہے اور ایک ہزار بیگھہ ہے۔" (گوردھام دیدار ص ۹۶)

۱۵۔ مصنف تواریخ گورو خالصہ لکھتا ہے:۔ "بھادوں کے مہینے اکبر بادشاہ دورہ کرتا ہوا امرتسر ٹھہرا۔ گورو صاحب کو ملکر بہت خوش ہوا۔ گورو صاحب نے عرض کی، کہ بارش نہ ہونیکی وجہ سے آپ کی رعایا بھوکوں مر رہی ہے۔ اسکی پرورش فرمائی جائے۔ تب بادشاہ نے فرمایا۔ کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ گورو صاحب نے جواب میں کہا۔ کہ رعایا کا معاملہ معاف کر دیں۔ تب بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ اور گورو صاحب کے کہنے پر سارے پنجاب کا معاملہ معاف کر دیا۔ اور اپنے پاس سے بہت سا غلہ بھی دیا۔ اس پر لوگ گورو صاحب کی بہت عزت کرنے لگے۔" (تواریخ گورو خالصہ ص ۲۷۶)

۱۶۔ "سری گورو ارجن صاحب لاہور ڈبی بازار میں باؤلی تعمیر کرانے کیلئے تشریف لیگئے۔ وہاں پر شاہ سلیمان سکنہ بھیلووال اور شیخ جھیل شاہ و شاہ عنایت قادری و شاہ حسین وغیرہ مسلمان فقراء سے ملاقات ہوئی اور انکے ساتھ دیر تک تذکرات معرفت الٰہی ہوتے رہے۔ آپ کی آمد کی خبر سنکر حاکم لاہور حسن خان چند امیروں کو ساتھ لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ملاقات کر کے بہت خوش ہوا۔ اور گورو صاحب کی باؤلی تیار کروانے میں بہت مدد کی۔" (تاریخ گورو خالصہ ص ۹۶)

(باقی)

نئی کتابوں پر تبصرہ

اسلام اور مسیحیت :-

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری بامرہ تعالیٰ اپنی عمر طبعی کو پورا کر چکے ہیں۔ اور ان کی عمر کی یہ آخری منزل ہے۔ ایسے وقت میں انہوں نے پادری برکت اللہ ایم۔ اے کی تین کتابوں یعنی "توضیح البیان فی اصول القرآن" "مسیحیت کی عالمگیری" اور "دین فطرت" کا جواب "اسلام اور مسیحیت" کے عنوان سے دیا ہے۔ کتاب درمیانہ سائز کے ۴۴۲ صفحات پر تمام ہوئی ہے۔ اس میں ایک دیباچہ، ایک تمہید اور تین باب ہیں۔ ان تین بابوں میں علی الترتیب پادری صاحب کی تینوں کتابوں کا جواب دیا گیا ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب ایک کہنہ مشق مصنف ہیں۔ اور اب تک وہ بیسیوں کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔ لیکن اپنی جملہ تصانیف میں سے دو کتابوں کی نسبت انہیں زیادہ یقین ہے۔ کہ خدا ان کو ان کی نجات کا ذریعہ بنائیگا۔ ان میں سے ایک کتاب "مقدس رسول" ہے۔ جو رسوائے عالم کتاب "رنگیلا رسول" کے جواب میں ہے۔ دوسری کتاب یہی "اسلام اور مسیحیت" ہے۔ اور ہم بھی یہی سمجھتے ہیں، کہ یہی وہ راہ تھی جس میں مولوی صاحب کو اپنی قابلیت، علم، طاقت اور وقت کو خرچ کرنا چاہئے تھا۔ اور یہی کام کرنے کا بھی تھا۔ ورنہ "الہامات مرزا" "تعلیمات مرزا" "نکات مرزا" "چیستان مرزا" اور "عجائبات مرزا" وغیرہ بے معنی اور لچر رسالے شائع کرکے تو انہوں نے صرف اپنی عاقبت ہی برباد کی ہے۔ کاش وہ ان لاطائل باتوں میں نہ الجھتے۔ اور اس موضوع کو اختیار کرتے جس کے متعلق انہیں زیادہ یقین ہے۔ کہ خدا اسے ان کی نجات کا ذریعہ بنالے گا۔

مولوی صاحب نے کتاب کا آغاز "پہلے مجھے دیکھئے" کے زیر عنوان بالکل غیر متعلق طور پر حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان تحریرات سے کیا ہے:۔

"مسیح سے مجھے ایک خاص نسبت ہے، اور اس فطرتی مشابہت کی وجہ سے مسیح کے نام پر عاجز بھیجا گیا ہے۔ تا صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کر دیا جائے۔ سو مَیں صلیب کے توڑنے اور خنزیروں کے قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں" (فتح اسلام)

"میرے آنے کے دو مقصد ہیں مسلمانوں کے لئے یہ کہ اصل تقویٰ اور طہارت پر قائم ہو جائیں اور عیسائیوں کے لئے کسر صلیب ہو۔ اور ان کا مصنوعی خدا نظر نہ آئے۔ دنیا اس کو بھول جائے، اور خدائے واحد کی عبادت ہو" (الحکم)

"مَیں عیسٰی پرستی کے ستون کو نہ توڑوں، تو جھوٹا ٹھہرونگا" (بدر)

ان تحریرات کو پیش کر کے مولوی صاحب حیرت کا اظہار کرتے ہیں، کہ مرزا صاحب کی بعثت ہو جانیکے باوجود ابتک عیسویت دنیا میں موجود ہے۔ اور عیسےٰ پرستوں کا نہ صرف یہ کہ شمار بڑھ رہا ہے۔ بلکہ ان کی طرف سے حملے بھی آئے دن تعداد میں زیادہ اور کیفیت میں سنگین ہو رہے ہیں۔

فرض کیجئے مولوی صاحب کی یہ حیرانی بجا ہے، اور حضرت مرزا صاحب عیسٰی پرستی کے ستون کو توڑنے میں کامیاب نہیں ہوئے، تو کیا اس سے عیسویت کی تردید اور اس کے مقابلہ میں اسلام کی برتری ثابت ہو گئی، اور اس طرح پادری برکت اللہ صاحب کی کتاب کا جواب ہو گیا؟ بے شک مولوی صاحب سالخوردہ ہیں، اور یہ کتاب انہوں نے ایسے وقت میں لکھی ہے، جبکہ وہ اپنی عمر طبعی کو پورا کر چکے ہیں، لیکن پھر بھی ان کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے تھا، کہ وہ ایک عیسائی کی تحریروں کا جواب دے رہے ہیں، اور اس ضمن میں احمدیت پر حملہ بالکل بے موقعہ اور بے محل ہے۔ وہ ایک ہفتہ وار اخبار کے ایڈیٹر ہیں جس کا ایک مستقل عنوان "قادیانی مشن" ہے اور اس میں وہ احمدیت کے خلاف بہت کچھ اناپ شناپ لکھتے رہتے ہیں۔ اور بعینہٖ یہ اعتراض وہ اس سے قبل پچاسوں مرتبہ کر کے جواب حاصل کر چکے ہیں۔ مثال کے طور پر ۹ راگست ۱۹۵۰ء کا پرچہ "الحدیث" پیش کیا جا سکتا ہے، جس میں آپ نے اسی نوع کا اعتراض کیا تھا۔ اور اس کا جواب ہم "ریویو" ماہ اکتوبر ۱۹۵۰ء کے پرچہ میں دے چکے ہیں۔ اس کے علاوہ کتنی ہی

مرتبہ آپ اس فرسودہ اعتراض کو دُہرا کر جواب سُن چکے ہیں۔ اور یہ سلسلہ آئندہ بھی جب تک مولوی صاحب چاہیں اور قدرت ان کو مہلت دے، جاری رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر ایک عیسائی کے جواب میں کتاب لکھتے ہوئے یہ کیا ضرورت پیش آئی تھی، کہ اس بحث کو چھیڑا جاتا۔ اس ہوتو پر ایسی غیر متعلق بحث میں الجھنے کا نتیجہ یہ ہوا ہے، کہ پادری برکت اللہ صاحب نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں مسلمانوں کے تعصب کے متعلق اپنی طرف سے جو چند تاریخی واقعات بیان کئے تھے۔ مولوی صاحب کی کتاب کا دیباچہ ان کے جواب سے خالی رہ گیا۔

دیباچہ میں مولوی صاحب تینوں زیر بحث کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں "ان تینوں کے لئے ہم نے اس کتاب میں تین باب تجویز کئے ہیں۔ پہلے باب میں ہماری طرف سے مدافعت ہوگی، دوسرے میں تنقید اور تیسرے میں مدافعت کے علاوہ حسب ضرورت تنقید بھی ہوگی" ہمیں اعتراف کرنا چاہیئے کہ باوجود کوشش کے ہم مولوی صاحب کی اس تقسیم کو سمجھ نہیں سکے کہ پہلے باب میں مدافعت، دوسرے میں تنقید اور تیسرے میں مدافعت کے علاوہ حسب ضرورت تنقید بھی، آخر اس کا مطلب کیا ہے! بات صاف تھی۔ مولوی صاحب نے پادری صاحب کی تین کتابوں کا جواب اپنی کتاب کے تین بابوں میں دیا ہے۔ پہلے باب میں پہلی کتاب کا جواب ہے۔ دوسرے باب میں دوسری کتاب کا، اور تیسرے باب میں تیسری کتاب کا۔ ہر ایک باب میں مدافعت بھی ہے اور تنقید بھی۔ پھر مولوی صاحب کے یہ لکھنے کا کیا مطلب ہے کہ پہلے میں مدافعت ہے، دوسرے میں تنقید اور تیسرے میں مدافعت اور تنقید دونوں؟ کیا پہلے باب میں کتاب "توضیح البیان فی اصول القرآن" کا جواب دیتے ہوئے مدافعت کے ساتھ تنقید نہیں کی گئی۔ کیا پہلے باب میں سب سے پہلی بات ہی مولوی صاحب نے تنقید میں پیش نہیں کی۔ اور پھر کیا دوسرے باب میں مدافعت مفقود ہے۔ اور پھر یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ جب مدافعت اور تنقید کے دو علیحدہ علیحدہ ابواب قائم کئے جا چکے تھے، تو پھر تیسرے باب کی کیا ضرورت تھی جس میں بقول مولوی صاحب "مدافعت کے علاوہ حسب ضرورت تنقید بھی ہے" اصل بات صرف اتنی ہے کہ پادری برکت اللہ صاحب کی تینوں مذکورۃ الصدر کتابوں کے جواب کے لئے مولوی صاحب نے اس کتاب

میں تین باب تجویز کئے ہیں۔ اس کے بعد کی عبارت پہلے باب میں ہماری طرف سے مدافعت ہوگی۔ دوسرے میں تنقید اور تیسرے میں مدافعت کے علاوہ حسب ضرورت تنقید بھی ہوگی" مولوی صاحب پیرانہ سالی کی وجہ سے ذہول کے عالم میں لکھ گئے ہیں۔

تمہید کے بعد پہلا باب شروع ہوتا ہے۔ یہ باب چالیس صفحات میں تمام ہوا ہے۔ پادری برکت اللہ صاحب نے اپنی کتاب توضیح البیان کے صفحہ ۱ میں لکھا تھا کہ "عالمگیر مذہب کی لازمی شرط یہ ہے کہ اس کے اصول دنیا کے کل ممالک اور اقوام پر حاوی ہوسکیں۔ اور اس کا پیغام یہ اہلیت رکھتا ہو کہ زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہو۔ اور کسی خاص قوم یا زبان یا ملک سے متعلق نہ ہو۔ تاکہ ہر قوم اور ملک اور زمانہ کے افراد اپنے خاص حالات پر اس کا اطلاق کرکے اس کی تعمیل کرسکیں"

مولوی صاحب فرماتے ہیں "عالمگیر مذہب کی یہ تعریف ہمیں بھی مسلّم ہے . . . . ."

اس کے بعد آگے چلکر آپ پادری صاحب کی دوسری کتاب "مسیحیت کی عالمگیری" سے چند فقرات نقل کرتے ہیں۔ اور پھر اظہار تعجب کی بغلی سرخی دیکر لکھتے ہیں:۔ "پادری برکت اللہ صاحب کے نام کے ساتھ ایم۔اے کی ڈگری لکھی ہوئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ذی علم صاحب قلم ہیں۔ آپ نے عربی میں منطق نہ پڑھی ہو تو انگریزی میں لاجک ضرور پڑھی ہوگی۔ اس لحاظ سے میں آپ کا ایک فقرہ نقل کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ "پہلی شرط کا لازمی نتیجہ یہ ہے، کہ عالمگیر مذہب کے اصول عالمگیر ہوں۔ کوئی نیا مذہب عالمگیر کہلانے کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ جس کے اصول عالمگیر نہ ہوں"

منطق کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ کسی چیز کی تعریف (ڈیفینیشن) دوری نہیں ہونی چاہیئے . . . . پادری صاحب کے مذکورہ بالا فقرہ میں یہ دوری تعریف صراحۃً پائی جاتی ہے۔ ایسے متکلم کے حق میں اہل منطق کہا کرتے ہیں" تو آشنائے حقیقت نۂ خطا ایں جاست"

ہم نے مولوی صاحب کے اس اظہار تعجب کو بار بار پڑھا ہے۔ مگر ہمیں قطعاً معلوم نہیں ہوسکا، کہ مولوی صاحب کے اس بیان کا مطلب کیا ہے۔ مولوی صاحب نے پہلے خود ہی پادری صاحب کے متعلق فرض کرلیا ہے، کہ "چونکہ انہوں نے اسلام کے اصول میں عالمگیر ہونے کی عدم صلاحیت

کا ذکر کیا ہے اس لئے ان کا فرض ہے کہ جس چیز کی اسلام سے نفی کریں پہلے اس کی تعریف بتائیں۔ اور پھر خود ہی کتاب کی کسی جگہ کی ایک عبارت نقل کر کے کہدیا کہ واہ واہ پادری صاحب نے اپنے فرض کو خوب پہچانا کہ اس جگہ اس کی تعریف کر دی۔ اس کے بعد ایک دوسری کتاب سے چند اقتباسات دیدیئے اور پھر لگے اظہار تعجب کرنے، کہ دیکھو ایک ایم۔ اے کو جس نے مولوی صاحب کی طرح عربی میں منطق نہ پڑھی ہو تو انگریزی میں لاجک ضرور پڑھی ہو گی، کسی چیز کی تعریف بھی نہیں کرنا آتی۔ ہم نے پادری صاحب کی اصل عبارتیں پڑھی ہیں۔ کہیں بھی دوری تعریف کا اعتراض پادری صاحب پر عائد نہیں ہوتا۔

صفحہ ۱۷۰ و ۱۸۰ پر مولوی صاحب نے اب اور رب کی بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ رب کے لفظ کو چھوڑ کر اب کے لفظ کو اختیار کرنا جس سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے، درست نہیں۔ اس موقعہ پر اگر مولوی صاحب رب کے لفظ میں جو وسعت اور بلندی پائی جاتی ہے اور جس کی وجہ سے وہ لفظ اب سے فائق ہے، اُسے بھی بیان کر دیتے، تو عین مناسب تھا۔ مجموعی طور پر یہ باب بہت اچھا لکھا گیا ہے۔

کتاب کے صفحہ ۵۲ سے دوسرا باب شروع ہوتا ہے جس میں پادری صاحب کی دوسری کتاب "مسیحیت کی عالمگیری" کا جواب دیا گیا ہے۔ اور خوب دیا گیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کم سے کم پادری برکت اللہ صاحب کو اس کے بعد اس موضوع پر قلم نہیں اٹھانا چاہیئے۔ اس بحث میں پادری برکت اللہ صاحب نے جس قدر اعتراضات کئے ہیں، وہ فی الحقیقت اسلام پر نہیں بلکہ نفسِ شریعت پر ہیں۔ اور مولوی صاحب کے جوابات کا محوری نکتہ یہ ہے کہ

بازی بازی بارِیشں بابا ہم بازی

یعنی بائبل مقدس میں بھی تو احکام شریعت موجود ہیں اور اس میں بھی وہ احکام ملتے ہیں، جن پر پادری صاحب نے اعتراض کیا ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، قربانی، خوراک کے حلال و حرام کی تمیز، قصاص اور بہشت و دوزخ وغیرہ کے مسائل و احکام بائبل میں بھی موجود ہیں۔ اس لئے جو اعتراض اسلام پر ہے، کہ ان احکام کی [illegible]

[illegible] میں فرق آتا ہے، وہی اعتراض بائبل پر بھی پڑتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس بارہ میں [illegible] کی پوزیشن بڑی نازک ہے اور انہوں نے دو مخالف سمتوں میں جانے والی کشتیوں میں پاؤں [illegible] ہیں۔ مسیح نے انہیں کہا ہے کہ میں شریعت کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ کامل کرنے آیا ہوں۔ اس لئے [illegible] شریعت کو نہیں چھوڑ سکتے۔ دوسری طرف مقدس پولوس نے انہیں تعلیم دی ہے کہ شریعت لعنت ہے۔ پس وہ بیچارے کریں تو کیا کریں۔ ع

مصیبت میں پڑا ہے سینے والا چاک داماں کا
جو یہ ٹانکا تو وہ اُدھڑا جو وہ ٹانکا تو یہ اُدھڑا

صفحہ [illegible] پر مولوی صاحب لکھتے ہیں: کہ "قرآن مجید عورت پر جبر نہیں کرتا۔ کہ وہ ضرور شادی کرے۔ کوئی عورت اگر کنواری رہنا چاہے۔ تو بے شک رہے۔" ہمیں بہت حیرت ہوئی جب ہم نے "اہلحدیث" کے ایڈیٹر کے قلم سے یہ الفاظ پڑھے۔ کیا مولوی صاحب کا یہی مذہب ہے کہ اسلام میں شادی کرنا ضروری نہیں۔ اگر ایسا ہے، تو کیا آپ حدیث کے ان الفاظ کا مطلب بیان فرمائیں گے۔ اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریدہ دہن پادریوں اور عیسائی مناظرین کے اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ناپاک اعتراضات کا الزامی جواب دینے کے لئے خود بائبل اور عیسائیوں کی [illegible] سے یسوع مسیح کی سخت قابل اعتراض شخصیت کو پیش کیا، تو مولوی ثناء اللہ صاحب [illegible] کی تمام مسلک کے دیگر مولویوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا کہ دیکھو مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کر دی۔ لیکن آج مولوی صاحب کو ایک عیسائی کی کتابوں کا جواب لکھنا پڑا۔ تو آپ نے بھی وہی [illegible] اختیار کیا، جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اختیار فرمایا تھا۔ چنانچہ یسوع مسیح کے اوصاف [illegible] کی شکل میں آپ نے کتاب کے صفحہ [illegible] سے صفحہ ۱۱۳ تک خوب دکھایا ہے۔ پھر انجیل [illegible] آپ نے اُسے تصویر کی شکل میں دکھانا بھی ضروری سمجھا اور صفحہ ۱۰۹ پر حضرت یسوع مسیح کو صلیب [illegible] کس قدر تعریف کر کے غالب کا یہ مصرع [illegible]

کہ حضور سب لوگوں کو اسلام کی طرف لے آئیں۔ کیا مولوی صاحب بتا سکتے ہیں، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سب لوگ اسلام میں داخل ہو گئے؟ اگر نہیں، بلکہ کفار کا شمار مسلمانوں سے بہت زیادہ ہے، تو کیا انکے معیار کے مطابق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ ناکام رہے؟ جو جواب اسکا مولوی صاحب دینگے وہی ہماری طرف سے ان اعتراضات کا سمجھ لیں جو انہوں نے پیش کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اعتراض کیا ہے۔

(زیر تبصرہ کتاب کی قیمت ڈیڑھ روپیہ، اور ملنے کا پتہ مینیجر صاحب "اہلحدیث" امرتسر ہے۔

مجمع البحرین یا اسلامی تصوف

اس کتاب میں دو مضمون ہیں۔ ایک وہ جو سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے "حقیقی اسلام یا سلسلہ احمدیہ" کے موضوع پر ویمبلے (انگلینڈ) کی مذہبی کانفرنس کیلئے رقم فرمایا۔ اور دوسرا وہ جو اسی کانفرنس میں پڑھنے کیلئے "اسلامی تصوف" کے موضوع پر حضرت علامہ حافظ روشن علی صاحب نے تحریر فرمایا۔ یہ مضامین یورپ اور مختلف ممالک کے عمائد میں نہایت پسند کئے گئے۔ اور سب مضامین پر بالا رہے۔ "اسلامی تصوف" اور سلسلہ احمدیہ کی تعلیمات کو ایک نظر سے سمجھنے کے لئے یہ رسالہ بہت موزوں ہے قیمت ۳ر محصولڈاک ۱ر

مقصد مذہب

یہ وہ مضمون ہے، جو سر محمد ظفر اللہ خان صاحب بالقابہ نے مذہبی کانفرنس لاہور میں مختلف مذاہب کے نمائندوں کے سامنے پڑھ کر سنایا تھا۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے، کہ مذہب کا مقصد کیا ہے، اور اسے اسلام کس خوبی سے مکمل طور پر پورا کرتا ہے۔ قیمت فی نسخہ ۳ر محصولڈاک ۹ پائی۔

اسلامی اخلاق

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب فاضل نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پانچسو احادیث کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، یہ اخلاقی، علمی اور عملی اسباق کا بے نظیر مجموعہ ہے۔ اسکے مطالعہ سے آپ اسلام اور بانی اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کے ہر خد و خال سے واقف ہو سکیں گے۔ اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ دنیا کے اس عظیم الشان مصلح نے کس طرح اپنے پاکیزہ اقوال سے انقلاب پیدا کیا۔ قادیان کے لڑکوں اور لڑکیوں کی درسگاہوں میں یہ کتاب بطور نصاب داخل ہے کیونکہ بچوں کیلئے یہ نہایت مفید ہے۔ ضخامت دو سو صفحہ۔ کاغذ، کتابت اور طباعت نہایت عمدہ۔ قیمت فی نسخہ ۸ر تین نسخوں کی قیمت ایک روپیہ۔ ملنے کا پتہ:- مکتبہ احمدیہ۔ قادیان۔

دیکھیے مجھے ... جو ...

اور اس طرح بقول خود ایک مکروہ فعل کا ارتکاب کیا۔"

کتاب کے تیسرے باب کا آغاز صفحہ ۱۴۰ سے ہوتا ہے۔ اس میں پادری صاحب کی کتاب "دین فطرت اسلام ہے یا مسیحیت" کا بہت شافی جواب دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں اعتراضات تو وہی دہرائے گئے ہیں جو ... ہیں لیکن انداز بیان مختلف تھا۔ ... مباحث کے لیے اس میں ... پیش کیا گیا تھا اس لئے ضروری تھا، کہ ان کے جواب میں بھی اسی انداز کو اختیار کیا جاتا لیکن مولوی صاحب کا انداز وہی قدیم مناظرانہ ہے۔ جس کے بیان میں کوئی ندرت نہیں۔

پادری صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۹۰ پر لکھا تھا، کہ نکاح متعہ قرآن سے ثابت ہے۔ اس پر مولوی صاحب نے پادری صاحب کو چیلنج کیا ہے کہ لاہور میں جلسہ منعقد کر کے قرآن مجید کے متن سے متعہ کا ثبوت دیا جائے۔ کیا پادری صاحب اس چیلنج کو قبول کریں گے؟ دیدہ باید۔ ایک بات کا دعوی کرنا تو آسان ہے لیکن ... پایۂ ثبوت تک پہنچانا امر مشکل ہوتا ہے۔ پس ہم منتظر ہیں، کہ پادری صاحب اس چیلنج کو قبول کر کے اپنے دعوی کا ثبوت پیش کریں۔

مولوی صاحب نے جو بے موقع ... اعتراض اپنی کتاب کے دیباچہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کیا ہے۔ اس کا مفصل جواب تو ہم اکتوبر ۱۹۴۱ء کے پرچہ میں دے چکے ہیں۔ اس جگہ مختصراً صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں، کہ اگر خدا کے ماموروں اور نبیوں کی کامیابی و ناکامی کے بارے میں مولوی ثناء اللہ صاحب کا معیار درست تسلیم کیا جائے، تو کسی نبی اور مامور الٰہی کو بھی کامیاب نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۔ (ابراہیم - ع ۱) یعنی ہم نے یہ کتاب تیری طرف اس غرض سے اتاری ہے، تاکہ تو سب لوگوں کو ان کے رب کے حکم کے ساتھ اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جا... عزیز و حمید خدا کے راستہ کی طرف۔

... میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ پر قرآن مجید کے نزول کی غرض یہ بتائی گئی ہے

تو حضورؐ سب لوگوں کو اسلام کی طرف لے آئیں۔ کیا مولوی صاحب بتا سکتے ہیں، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سب لوگ اسلام میں داخل ہو گئے؟ اگر نہیں، بلکہ کفار کا شمار مسلمانوں سے بہت زیادہ ہے، تو کیا انکے معیار کے مطابق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ ناکام رہے؟ جو جواب اسکا مولوی صاحب دینگے وہی ہماری طرف سے ان حوالجات کا سمجھ لیں جو انہوں نے پیش کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اعتراض کیا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب کی قیمت ڈیڑھ روپیہ؁ اور ملنے کا پتہ مینجر صاحب "اہلحدیث" امرتسر ہے؛

مجمع البحرین یا اسلامی تصوف

اس کتاب میں دو مضمون ہیں۔ ایک وہ جو سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حقیقی اسلام سلسلہ احمدیہ" کے موضوع پر ویمبلے (انگلینڈ) کی مذہبی کانفرنس کیلئے رقم فرمایا۔ اور دوسرا وہ جو اسی کانفرنس میں پڑھنے کیلئے "اسلامی تصوف" کے موضوع پر حضرت علامہ حافظ روشن علی صاحب نے تحریر فرمایا۔ یہ مضامین یورپ اور مختلف ممالک کے عمائد میں نہایت پسند کئے گئے۔ اور سب مضامین پر بالا رہے۔ "اسلامی تصوف" اور سلسلہ احمدیہ کی تعلیمات کو ایک نظر سے سمجھنے کے لئے یہ رسالہ بہت موزون ہے قیمت ۳ر محصول ڈاک ۱ر

مذہب کا مقصد

یہ وہ مضمون ہے، جو سر محمد ظفر اللہ خان صاحب بالقابہ نے مذہبی کانفرنس لاہور میں مختلف مذاہب کے نمائندوں کے سامنے پڑھکر سنایا تھا۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے، کہ مذہب کا مقصد کیا ہے، اور اسے اسلام کس خوبی سے مکمل طور پر پورا کرتا ہے۔ قیمت فی نسخہ ۳ر محصول ڈاک ۹ پائی؛

اسلامی اخلاق

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب فاضل نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پانچسو احادیث کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، یہ اخلاقی، علمی اور عملی اسباق کا بے نظیر مجموعہ ہے۔ اسکے مطالعہ سے آپ اسلام اور بانیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کے ہر خد وخال سے واقف ہو سکیں گے۔ اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ دنیا کے اس عظیم الشان مصلح نے کس طرح اپنے پاکیزہ اقوال سے انقلاب پیدا کیا۔ قادیان کے لڑکوں اور لڑکیوں کی درسگاہوں میں یہ کتاب بطور نصاب داخل ہے کیونکہ بچوں کیلئے یہ نہایت مفید ہے۔ ضخامت دو سو صفحہ۔ کاغذ، کتابت اور طباعت نہایت عمدہ قیمت فی نسخہ ۱۲ر تین نسخوں کی قیمت ایک روپیہ؛ ملنے کا پتہ:۔ **مکتبہ احمدیہ۔ قادیان؛**

ہمارے معاونین

گذشتہ پرچہ میں ہم نے احباب جماعت کو رسالہ کی امداد کی پرزور تحریک کی تھی۔ الحمد للہ کہ اس کا بعض حلقوں میں خاطر خواہ اثر ہوا۔ اور بہت سے دوستوں نے رسالہ کی امداد پر فوری توجہ مبذول فرمائی۔ جناب مولوی محمد عثمان صاحب ڈیرہ غازیخاں سے تحریر فرماتے ہیں:۔ "ریویو بابت ماہ جنوری پہونچا۔ آپ کی دردمندانہ اپیل کو پڑھا۔ خاکسار نے مسجد احمدیہ میں جلسہ کا اعلان کر کے رسالہ کی خریداری کی اپیل کی۔ خدا کے فضل سے تین دوستوں نے خریداری منظور کی۔ مَیں نے ارادہ کیا ہے کہ کم از کم پچاس خریدار اس رسالہ کے مہیا کرنیکی کوشش کروں۔ خداوند کریم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواہش کو پورا کرنیکی ہمیں توفیق دے آمین۔" دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کے عزم میں برکت دے اور دیگر احباب کو بھی رسالہ کی امداد کرنیکی توفیق عطا فرمائے۔

مولوی صاحب موصوف کے علاوہ مندرجہ ذیل اصحاب نے اس ماہ رسالہ کی خاص طور پر امداد فرمائی۔

(۱) جناب بابو محمد قاسم دین صاحب سیالکوٹی نے جو رسالہ ہذا کے خاص سرپرستوں میں سے ہیں۔ اور اس سے قبل کافی امداد رسالہ کو دے چکے ہیں، مزید پچیس روپیہ بطور اعانت رسالہ بھجوائے (۲) جناب ڈاکٹر محمد زبیر صاحب بھوالی سینی ٹوریم نے دو پرچے اپنے خرچ پر جاری کرائے۔ (۳) جناب سیٹھ محمد اعظم محمد معین الدین صاحب چنت گنٹہ (حیدرآباد دکن) نے گذشتہ ماہ دس روپیہ بطور عطیہ ارسال فرمائے تھے اب آپ نے دو روپیہ مزید عنایت فرمائے ہیں (۴) جناب جمعدار میر نواب علی صاحب سیالکوٹ چھاؤنی نے ترقی ملنے کی خوشی میں مبلغ تین روپیہ بہ اعانت رسالہ عنایت فرمائے۔ (۵) ایم نذیر احمد صاحب بنگلور نے ایک نیا خریدار عطا فرمایا۔ (۶) عزیز بشارت احمد صاحب طالب العلم مدرسہ احمدیہ نے بھی ایک نیا خریدار عطا فرمایا (۷) چوہدری فضل کریم صاحب قادیانی نے لکھنؤ چھاؤنی سے ایک نیا خریدار دینے کے علاوہ خود بھی خریداری منظور فرمائی۔ (۸) جناب مولوی علی احمد صاحب بھاگلپوری نے ایک نیا خریدار عطا فرمایا (۹) جناب سید احمد صاحب وکیل رامپور نے بھی ایک نیا خریدار عطا فرمایا۔ (۱۰) جناب ڈاکٹر محمد عبدالحق صاحب لاہور نے دو نئے خریدار عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان سب کو اپنی جناب سے بہتر اجر دینی و دنیاوی عطا فرمائے۔ آمین۔

وصیتیں

نوٹ:۔ وصایا منظوری سے پہلے اس لئے شائع کی جاتی ہیں کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو دفتر کو اطلاع دے۔

نمبر ۱۲۰۱:۔ میں محمد امین الدین عامر ولد حکیم مولوی محمد شریف الدین صاحب قوم راجپوت پیشہ ڈاکٹری عمر ۲۴ سال تاریخ بیعت یکم مئی ۱۹۱۲ء ساکن امرتسر بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۰ جون ۱۹۱۵ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔ (۱) اسوقت میری کوئی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ نہیں ہے۔ آئندہ اگر کوئی جائداد ہوئی۔ تو اسکا دسواں حصہ بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان بمد وصیت ادا کرونگا۔ میری وفات پر میرے متروکہ کے دسویں حصہ کی مالک بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر زندگی میں حصہ جائداد ادا کر دوں تو وہ میرے متروکہ میں سے منہا تصور ہوگا۔ (۲) میری ماہوار آمدنی فی الحال مبلغ پچیس روپے ماہانہ ہے میں اپنی اس آمدنی کا ۱/۱۰ حصہ ماہ بماہ بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان بمد حصہ آمد ادا کرتا رہونگا۔ انشاء اللہ۔ العبد:۔ محمد امین الدین عامر کوچہ قاصداں امرتسر۔ گواہ شد:۔ سید بہاول شاہ سیکرٹری وصایا امرتسر۔ گواہ شد:۔ چوہدری نذیر احمد سیکرٹری تبلیغ چوک قلعی فروشی چوک لوہ گڑھ امرتسر۔

نمبر ۷۰۹:۔ منکہ محمد اکرم بیگ ولد مرزا جیون بیگ قوم مغل ذات برلاس پیشہ پنشنر عمر تخمیناً ۶۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۰ء سکنہ گجرات پنجاب محلہ فتو پورہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج تاریخ ۱۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری کوئی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ نہیں ہے۔ میرا گذارہ صرف ماہوار آمدنی پر ہے جو حسب ذیل ہے۔ مبلغ للعہ پنشن ماہواری اور دو روپے انجمن احمدیہ محصل کل ماہوار آمدنی مبلغ ہوتی ہے اسکی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱/۱۰ حصہ ادا کرتا رہونگا۔ بعد میں جو جائیداد اسکے علاوہ میری زندگی میں یا میرے مرنیکے بعد ثابت ہوگی۔ اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور میں خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ اس وصیت پر قائم رہونگا۔ العبد:۔ محمد اکرم بیگ پنشنر گجرات محلہ فتو پورہ۔ گواہ شد:۔ محمد یوسف رنگپورہ سٹریٹ گجرات۔ گواہ شد:۔ فضل احمد خاں پی۔ ٹی۔ ایس گجرات۔ گواہ شد:۔ احمد الدین ولد اللہ دین موصی:

نمبر ۷۰۳:۔ منکہ سیدہ رضیہ بیگم زوجہ سید اعجاز احمد صاحب مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ عمر ۱۹ سال پیدائشی

احمدی ساکن قادیان ضلع گورداسپور صوبہ پنجاب بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱/۲۸ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ اسوقت میرا زیور طلائی کانٹے وزنی ۲ ماشہ ۴ رتی قیمتی صہ روپے ایک عدد انگوٹھی طلائی وزنی ۳ ماشہ ۷ رتی قیمتی مہ کل قیمت مللعہ نیز میرا حق مہر مبلغ -/۵۰۰ روپے ہے جو ابھی تک میرے شوہر کے ذمہ قابل ادا ہے علاوہ اسکے میری اسوقت کوئی اور جائداد نہیں ہے۔ میں اپنی اس موجودہ جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ نیز میرے مرنیکے بعد جس قدر جائداد ثابت ہوگی۔ اسکی بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بعد وصیت داخل یا حوالہ کرکے رسید حاصل کرلوں تو ایسی رقم یا ایسی جائداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کردی جائیگی۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ الامۃ: سیدہ رضیہ بیگم۔ گواہ شد: سید اعجاز احمد مولوی فاضل خاوند موصیہ مبلغ سلسلہ احمدیہ۔ گواہ شد: سید موسیٰ رضا احمدی۔ والد موصیہ۔

نمبر ۶۰۰۰ ۔ منکہ زبیدہ خاتون احمدی بیگم زوجہ خلیل الرحمن صاحب قوم شیخ قانونگو عمر ۲۸ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۸ء ساکن حاجی پورہ ڈاکخانہ پھگواڑہ ریاست کپورتھلہ بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱/۲۸ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری وفات کے وقت جس قدر میری جائداد ثابت ہو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی (۲) اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں بعد وصیت داخل یا حوالہ کرکے رسید حاصل کرلوں تو ایسی رقم یا ایسی جائداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کردی جائیگی۔ میری موجودہ جائداد حسب ذیل ہے۔ (۱) گلوبند طلائی ۲ تولہ مالیتی (۲) ہار ۱/۲ تولہ مالیتی (۳) ہار ایک تولہ مالیتی (۴) انگوٹھی ۱/۲ تولہ مالیتی (۵) دست بند طلائی ۵ تولہ مالیتی (۶) چوڑیاں طلائی ۵ تولہ مالیتی (۷) جھمکے یک تولہ مالیتی (۸) توڑے نقرئی ۲۰ تولہ مالیتی (۹) پچھے ۳۰ تولہ مالیتی (۱۰) چوراگل ۲۵ تولہ مالیتی نوٹ: سب زیورات کی قیمت بموجب موجودہ نرخ درج ہے) کل قیمت زیورات میں اس جائداد کے دسویں حصہ کی وصیت کرتی ہوں اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور جائداد میری وفات کے وقت ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ فقط۔ الامۃ: زبیدہ خاتون۔ گواہ شد: خلیل الرحمن شوہر موصیہ حال ملازم ایریا آفس لودھی روڈ نئی دہلی۔ گواہ شد: محمد شریف چغتائی دفتر ڈائرکٹر جنرل پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف نئی دہلی۔

دواخانہ نورالدینؓ

(بیادگار)

حضرت حکیم الامۃ طبیب شاہی حاجی الحرمین سیدنا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ

(زیر نگرانی)

ابناء حکیم الامت حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ

آپ اپنی تمام طبی ضرورتوں کے لئے دواخانہ نورالدینؓ کو لکھئے کیونکہ اوّل یہی دواخانہ ہے جسکے پاس حضرت حکیم الامۃ کی تمام عمر کے مجربات کا نچوڑ جس کو آخری عمر میں حضور نے ایک قلمی بیاض میں جمع کر دیا تھا بعینہٖ محفوظ ہے۔ دوئم دواؤں کی تیاری میں نہایت درجہ احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ اور چونکہ صحیح، خالص اور مؤثر اجزاء خریدے اور فراہم کئے جاتے ہیں۔ اور وہ تمام جڑی بوٹیاں جو عام طور پر بازاروں میں نہیں ملتیں۔ یا جن کی بجائے عطار اور پنساری غلط چیزیں فروخت کر دیتے ہیں۔ خاص طور پر صحیح جگہوں اور صحیح وقتوں میں کوشش کر کے مہیا کی جاتی ہیں۔ اور کسی نسخہ میں اس کے قیمتی اجزاء کے قلیل القیمت بدل نہیں ڈالے جاتے۔

اس دواخانہ کے چند خاص الخاص مجربات کی فہرست آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

المشتہرین

ابناء حکیم الامت طبیب شاہی حضرت سیدنا نورالدینؓ

صندلین

انیمیا یا کمی خون کا بہترین علاج ہے۔ خون تمام اعضاء بدن کو غذا اور روح پہنچاتا اور زہریلے مادوں کو جسم سے خارج کرتا ہے۔ تمام اعضاء جسم خون سے ہی زندہ ہیں۔ خون بدن کے ہر ایک حصہ کی غذا کے لئے مناسب مواد مہیا کرتا ہے اور پستانوں میں ایسے اجزا لے جاتا ہے جو دودھ بننے کے لائق ہوں۔ اور خصیوں میں ایسی چیزیں پہنچاتا ہے جس سے مادۂ حیات بنتا ہے۔ اور صندلین میں وہ تمام اجزا بہت بڑی مقدار میں موجود ہیں جن پر خون کے پیدا ہونیکا انحصار ہے۔

کمی خون خواہ کثرت حیض اور بواسیر سے ہو یا عرصہ تک کی بیماری مثلاً ملیریا وغیرہ میں مبتلا رہنے سے ان تمام حالات میں صرف صندلین کا استعمال ہی آپ کے لئے مفید ہے۔ صندلین خون کو صاف کرنے اور چہرہ کے رنگ کو نکھارنے کیلئے بھی اکسیر ہے اور حیض کی خرابیوں میں بھی اسکے استعمال کی سفارش کی جاتی ہے۔

قیمت یکصد قرص ایک روپیہ بارہ آنہ پچاس قرص ایک روپیہ

اکسیر معدہ

یہ بیضہ زر مرکب معدہ کی خاص دوا ہے۔ اس کے استعمال سے معدہ کے نازک نظام پر بڑا تسکین بخش اثر پڑتا ہے۔ بدہضمی، نفخ، کھٹے ڈکار، سینے کی جلن، پیٹ کی درد، باؤگولہ، جی کا متلانا، بھوک کم لگنا، خرابی جگر۔ ان تمام بیماریوں کے لئے اکسیر معدہ کا استعمال بہت مفید ہے۔ بیماری کے بعد یا کمزوری، کثرت کار یا ثقیل غذاؤں کے زیادہ استعمال سے جب معدہ کمزور ہو گیا ہو۔ تب ان خوش ذائقہ ٹکیوں کے استعمال سے بھوک بڑھ جاتی ہے۔ اور ہاضمہ کی قوت تیز ہو کر آپ کو اپنی غذا سے زیادہ سے زیادہ قوت حاصل کرنے کے قابل بناتی ہے۔ اور بواسیر میں بھی مفید پائی گئی ہے۔

قیمت یکصد قرص ایک روپیہ بارہ آنہ (عہ) پچاس قرص ایک روپیہ (عصہ)

قرص جواہر

طاقت کی بے نظیر دوا ۔ یہ دوا اعصاب کو طاقت دیتی، دماغ کو تقویت پہونچاتی، دل کو مضبوط کرتی اور باہ کو حد درجہ بڑھاتی ہے۔ اس کا چند روزہ استعمال ہر طرح کی کمزوری دور کر کے نئی قوت اور توانائی پیدا کرتا اور جسم کی زائل شدہ طاقتوں کو بحال کرتا ہے۔ اس کا اثر مستقل اور دیرپا ہے مردانہ قوت کو بڑھانے میں اس کے نتائج بہت ہی شاندار ثابت ہوئے ہیں۔

قیمت یکصد قرص چار روپیہ چودہ آنہ (۴/۱۴)

نور منجن

اگر آپ کے مسوڑھوں سے خون یا پیپ بہتی ہے۔ مسوڑھے پھولتے یا درد کرتے ہیں۔ منہ سے بدبو آتی ہے، دانت میلے رہتے ہیں، دانتوں میں کیڑا لگ گیا ہے۔ پانی پینے سے ٹیس سی لگتی ہے تو آپ کو نور منجن کا استعمال فوراً شروع کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ یہ بے مثال منجن دانتوں کی آب قائم رکھتے ہوئے انہیں موتیوں کی طرح صاف چمکدار اور خوشنما ہی نہیں بناتا، بلکہ منہ کی بدبو دور کر کے ان خطرناک جراثیم کو بھی ہلاک کرتا ہے، جو دانتوں کی بیماریوں کا موجب ہوتے ہیں۔ اور مسوڑھوں کے نارک پٹھوں کو طاقت دے کر انہیں اس قابل بناتا ہے، کہ خون سے اپنی غذائیت حاصل کر سکیں۔

نور منجن کا ذائقہ خوشگوار ہے۔ اور حجم کو بڑھانے کے لئے اس میں چاک وغیرہ کی قسم کی کوئی چیز شامل نہیں کی گئی۔ اس کا روزانہ استعمال دانتوں کی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے

قیمت ایک اونس کی شیشی تین آنہ (۳/)

نصف درجن ایک روپیہ

پائیوریا کے لئے ہماری مجرب دوا اکسیر پائیوریا استعمال کریں۔

قیمت شیشی کلاں ایک روپیہ ۔ شیشی خورد دس آنہ (۱۰/)

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز

(اُردو)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر ناظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۱ | ماہِ صفر المظفر ۱۳۶۱ سنہ مطابق ماہِ مارچ ۱۹۴۲ سنہ ء | عدد ۳

فہرست مضامین

خدا تعالیٰ کی صِفتِ تکلم

اس کے متواتر جاری رہنے کی ضرورت اور فوائد

(یہ وہ تقریر ہے جو جماعت احمدیہ کے مرکزی جلسہ سالانہ میں ۲۸ دسمبر ۱۹۴۱ء کی صبح کو پروفیسر محمد اسلم صاحب ایم۔ اے گورنمنٹ کالج لاہور نے کی)

صفاتِ باری تعالیٰ کا مضمون جماعت احمدیہ کا خاص مضمون ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے متعلق جو ایمان جماعت احمدیہ رکھتی ہے، وہ بصیرت پر مبنی ہے۔ یعنی روایتی ایمان نہیں جو مرور زمانہ سے قومی عقائد کا جزو بن چکا ہے۔ بلکہ ایسا ایمان ہے جس کی بنیاد مشاہدہ پر ہے، اور جو جمودی حالت سے نکل کر زندگی کے آثار اختیار کر چکا ہے۔ اور یہی وہ ایمان ہے جس سے انسانی پیدائش کی غرض پوری ہو سکتی ہے۔

ایسے ایمان کے لئے ضروری ہے، کہ وہ محض مجمل نہ ہو، بلکہ اس ایمان میں باری تعالیٰ کی تمام صفات کا علم اور ان کے متعلق ایک اعلیٰ درجہ کا یقین بھی شامل ہو۔ اور یہ یقین اس کی ہر صفت کے متعلق ہو۔ ویسے تو کئی فلسفی ایسے مل جائیں گے، جو خدا کی ہستی کی تعلیم دیتے ہیں، اور اس کے وجود کو دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ اسی طرح کئی علماء ایسے مل جائیں گے، جو خدا تعالیٰ کے متعلق لوگوں کو اخلاص سے تلقین کرتے ہیں۔ لیکن ایسی تعلیم اور تلقین اجمال تک ہی رہتی ہے، اس سے آگے نہیں چلتی۔ حالانکہ اگر خدا ہے (جیسا کہ وہ واقعی ہے) تو پھر وہ اپنی تمام صفات کے ساتھ ہے اور اس کی ہر صفت کا علم اور اس کی ہر صفت پر ایمان ہونا چاہیئے۔ جو علم صفات پر حاوی نہیں وہ علم علم نہیں، اور جو ایمان صفات پر شامل نہیں وہ ایمان ایمان نہیں۔

فی زمانہ کسی شخص سے بات کرکے دیکھ لیں، جہاں تک خدا تعالیٰ کا مجمل ذکر ہو، وہ ہاں میں ہاں ملاتا چلا جائیگا۔ لیکن جہاں صفات کا ذکر ہوگا، اور یہ سوال ہوگا، کہ تم خدا کو واقعی خالق مانتے ہو یا نہیں، واقعی قادر مانتے ہو یا نہیں، واقعی دعاؤں کا سننے والا اور ان کو قبول کرنے والا مانتے ہو یا نہیں تو اس کریدسے معلوم ہوگا، کہ در اصل اس کے دل میں بہت سے شکوک و شبہات موجود ہیں، اور اس کا یہ کہنا کہ وہ وجود باری کا قائل ہے، کسی بصیرت پر مبنی نہیں۔ بلکہ روایتی رنگ میں ہے، اور اس نے خدا کو ماننے کی حقیقت کو نہیں پایا۔

اس زمانہ میں جماعت احمدیہ نے خدا کے فضل سے اپنے مقدس بانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل آپ کی روحانی تاثیر اور آپ کے نمونہ سے خدا پر بصیرت والا ایمان حاصل کیا ہے۔ اس واسطے جماعت احمدیہ جب خدا کو پیش کرتی ہے تو اُسے اس کی صفات کے ساتھ پیش کرتی ہے، اور اس کی کسی صفت کا انکار اُس حد تک خدا کا انکار گردانتی ہے۔ اسی لئے میں نے کہا ہے، کہ صفات باری تعالیٰ کا مضمون جماعت احمدیہ کا خاص مضمون ہے۔

اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وجود باری کے متعلق جہاں اور دلائل دیئے ہیں وہاں سب سے بڑی دلیل آپؑ نے یہ دی ہے، کہ آج بھی خدا تعالیٰ کی تمام صفات کا مشاہدہ ہو سکتا ہے اور خدا کا وجود ایک قصّۂ ماضی نہیں۔ بلکہ خدا ایک زندہ ہستی ہے، جس کی صفات آج بھی اسی طرح جلوہ گر ہو رہی ہیں، جس طرح پہلے زمانوں میں ہوتی رہی ہیں۔ اور اس میں کیا شک ہے، کہ جب تک ایسا نہ کیا جاتا، وجودِ باری کے بارے میں اس زمانہ کے شکوک و شبہات کا ازالہ نہیں ہو سکتا تھا۔

خدائی صفات میں غالباً سب سے زیادہ نمایاں صفت ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ اور بنی نوع انسان میں تعلق پیدا کرنے اور انسان کے دل میں خدا پر یقین پیدا کرنے کے لحاظ سے سب سے نمایاں صفت ـــــ صفتِ تکلّم ہے۔ اس صفت سے مراد یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنا وجود انسان سے چھپائے نہیں رکھتا۔ بلکہ اس صفت کے ذریعہ ظاہر کرتا رہتا ہے۔ بے شک خدا پردہ میں ہے اور لوگ اسے ظاہری آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے، لیکن پھر بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں، کہ وہ اپنے آپ کو

چھپائے نہیں رکھتا یعنی یہ نہیں، کہ وہ تو اپنے متعلق کچھ نہ بتائے، مگر لوگ اس کی جستجو میں حیران و سرگرداں پھرتے رہیں۔ اور آخر اس کا پتہ لگائیں تو چند عاقل۔ اور پھر ان عاقلوں کے ذریعہ باقی لوگوں کو بھی اس کی ہستی کا کچھ علم ہو۔ بلکہ خدا تعالیٰ ایک زندہ ہستی ہے، جو رحیم و کریم ہے۔ وہ انسان کو حیران و سرگرداں نہیں چھوڑتی، اور اپنا وجود خود اس پر ظاہر کرتی ہے۔ ہاں وہ پھر بھی پردہ میں ہے۔ کیونکہ اس کا بالکل ظاہر ہو جانا انسان کو اس درجہ، ور اس بلند مقام پر پہنچا نہیں سکتا، جس پر وہ اس صورت میں پہنچ سکتا ہے، کہ خدا ہو تو پردہ میں لیکن باوجود اس کے انسان اسے پہچان لے۔ خدا کا کام مدد دینا اور ہدایت دینا ہے۔ اس لئے وہ کبھی کبھی اپنا وجود خود ظاہر کر دیتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ وہ اپنے کسی بندے سے کلام کرتا ہے۔ اس کلام سے بندے کا دل یقین سے بھر جاتا ہے۔ اور اس یقین کی وجہ سے وہ خدا کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کے لئے طیار ہو جاتا ہے۔ اور اکثر زمانوں میں ایک ہی بندے کا یقین اس درجہ کا ہوتا ہے، کہ اس کو دیکھکر باقی لوگ بھی خدا کو دل سے ماننے لگ جاتے ہیں اور اس کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کے لئے طیار ہو جاتے ہیں۔

اِس زمانے کی بے حسی اس زمانے کی بے حسی اور بے دینی پر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے غور کیا، تو آپ کے دل میں ڈالا گیا، کہ اس زمانے کی تمام وہ بیماریاں جو انسانی عقائد، انسانی اعمال اور انسانی تمدن میں پیدا ہو رہی ہیں، اُن تمام کی جڑ خدا کی ذات پر یقین کا وہ فقدان ہے جو نہ صرف فلسفیوں میں اور ان لوگوں میں ہے جو بالعموم مذہب سے کسی رنگ میں بھی متاثر نہیں ہوا کرتے بلکہ خود اہلِ مذاہب میں بھی شدت سے پایا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے موجودہ زمانہ کے تمام عوارض کی ایک ہی تشخیص کی۔ اور وہ تشخیص خدا کے متعلق عدم یقین تھی۔ فلسفیوں کو خدا پر یقین نہیں، اس لئے وہ معمولی وسوسوں سے متاثر ہو جاتے اور دوسروں کو بھی ان وسوسوں میں مبتلا کر لیتے ہیں۔ امراء کو خدا پر یقین نہیں۔ اس لئے وہ بے دھڑک اور بلا خوف و خطر عیش و عشرت میں مصروف ہیں۔ علماء کو خدا پر یقین نہیں، اس لئے اُن کی عملی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ عوام کو خدا پر یقین نہیں۔ اور اس لئے یقین نہیں کہ اس زمانہ کے فلسفی، امراء اور علماء سب کا

یقین سے عاری ہیں۔ اور ان کا یقین سے عاری ہونا ان کے اعمال سے اور ان کی عام مایوسی اور بے اثری سے بالکل ظاہر ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مرض کی تشخیص کر کے اس کا علاج بھی بتایا۔ اور وہ علاج یہ تھا کہ آپ نے خدا تعالیٰ کا کلام سُنا اور متواتر سُنا۔ اپنے دعویٰ سے پہلے بھی اور اپنے دعوے کے بعد بھی۔ دن کی روشنی میں بھی، اور رات کی تاریکی میں بھی۔ وہ کلام دوستوں کے متعلق بھی تھا اور دشمنوں کے متعلق بھی۔ اپنے اہل کے متعلق بھی اور دوسروں کے متعلق بھی ہندوستان کے متعلق بھی تھا اور غیر ممالک کے متعلق بھی۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے متعلق بھی تھا، اور بڑی بڑی باتوں کے متعلق بھی۔ ایسا کلام سُنکر آپ نے دُنیا کو بتایا، کہ خدا کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے، جبکہ وہ اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے اور آج بھی ویسے ہی کلام کرتا ہے، جیسے وہ پہلے کیا کرتا تھا۔ جو خدا کو نہیں مانتا، یا اگر مانتا ہے مگر اس یقین سے نہیں مانتا جس سے گناہ کی آگ ٹھنڈی پڑ جاتی ہے، اور انسان خدا کا ہو کر رہ جاتا ہے، وہ میرے پاس آئے اور دیکھے کہ خدا کا معاملہ مجھ سے کیسا ہے؟ وہ کس طرح مجھے آئندہ ہونے والے واقعات کی خبر پہلے سے دیدیتا ہے۔ پھر وہ واقعات باوجود مخالف حالات کے ہو کر رہتے ہیں۔ چنانچہ کئی آپ کے پاس آئے اور انہوں نے وہ یقین حاصل کیا، جو انسانی زندگی کو آلائشوں سے پاک کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اور اب خدا کے فضل سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں، کہ اس تاریکی کے زمانہ میں ایک روشنی کا مینار بھی دُنیا میں موجود ہے۔ اور وہ مینار وہی مومنوں کی جماعت ہے جو اپنے سارے کام خدا کے لئے کرتی ہے، اور اس کی رضا کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کے لئے طیار ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود یقین کا مرتبہ حاصل کیا، اس کلام کے ذریعہ جو خدا نے آپ پر نازل کیا۔ اور آپ کی جماعت نے یقین حاصل کیا، اس یقین کی تاثیر سے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں کلام الٰہی سے پیدا ہوا۔ پھر آپ کی جماعت میں سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں افراد نے کلامِ الٰہی کا لطف اُٹھایا۔ اور ان کا خدا پر یقین اور ایمان بیا تھا جو دوسروں کیلئے بھی ایک نمونہ بن گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحیح تشخیص

کیسی صحیح تشخیص تھی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس زمانہ کی بیماریوں کی کی۔ آج بھی اگر کوئی شخص اس کا اندازہ کرنا چاہے۔ تو کوئی کتاب، کوئی مضمون اٹھا کر دیکھ لے۔ اس تشخیص کی سچائی کا ثبوت اس کو مل جائے گا۔ دنیا میں اِس وقت ایک عجیب جنگ ہو رہی ہے۔ ایسی عجیب کہ جب سے نسل انسانی پیدا ہوئی ہے، اس جنگ کی مثال نہیں ملتی۔ ایسے خطرے کے وقت میں انسان کا دل نرم ہو جاتا ہے۔ اور وہ کسی ایسی ہستی کی تلاش میں نکلتا ہے، جس کے آگے وہ اپنا سر جھکا سکے۔ لیکن لوگوں کی مایوسی کا یہ حال ہے، کہ بجائے خدا کی طرف متوجہ ہونے اور اس کو پکارنے کے وہ یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ اگر کوئی خدا تھا بھی، تو وہ بھی اب دنیا کو چھوڑ چکا ہے، اور بنی نوع انسان سے اس نے اپنا تعلق توڑ لیا ہے۔ اس کا نمونہ ایک صاحب مسٹر کریچ کی کتاب "ماڈرن ٹمپر" سے ملتا ہے۔ مسٹر کریچ لکھتا ہے:۔

"ہمارے تمام سہارے ایک ایک کر کے ہم سے رخصت ہو گئے، آخر خدا بھی رخصت ہو گیا۔ بے شک وہ آناً فاناً ہمیں جواب نہیں دے گیا۔ لیکن قدم بقدم وہ ہم سے دور ہی ہوتا گیا۔ اور اب دنیا کی باگ ڈور اس نے بالکل چھوڑ دی ہے۔ اور دنیا کا کوئی حال اُسے معلوم نہیں۔ ایک زمانہ میں ہم سمجھتے تھے، کہ ایک چڑیا کے حالات سے بھی اس کو گہرا تعلق ہے۔ اور وہ اس کی خوشی کا بھی خیال رکھتا ہے۔ پھر ایک زمانہ آیا جب ہم سمجھنے لگے، کہ خواہ وہ ہمارے معاملات میں زیادہ دخل نہ دیتا ہو، لیکن قدرت کے سلسلہ اسباب کا آخری سبب تو وہ خدا ہی ہے۔ آج بھی ہزار ہا لوگ ایسے موجود ہیں، جو اس سہارے کو بالکل کھو دینے کے لئے طیار نہیں، اور انہوں نے کسی نہ کسی طرح اپنے دلوں کو تسلّی دے رکھی ہے۔ کہ اس دھند لکے میں خدا کے نشان بھی کچھ کچھ موجود ہیں۔"

پھر وہ لکھتا ہے، کہ خدا پر یقین اُٹھ جانے سے انسان کو اپنے دوسرے مشاغل میں بھی وہ

دلچسپی نہیں رہی، جو کسی زمانہ میں اُسے ہوتی تھی۔ اب انسانوں کو یہ معلوم نہیں، کہ وہ انسان اور انسانیت کی رٹ کیوں لگا رہے ہیں۔ ان کو یہ بھی معلوم نہیں، کہ وہ سائنس کے مطالعہ، اس کی ریسرچ اور اس کے ذریعہ نئی نئی ایجادات کرنے میں کیوں منہمک ہیں۔ اور کس غرض سے وہ اپنے اوقات ان چیزوں کو حاصل کرنے میں صرف کر رہے ہیں۔ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ انسانی تعلقات میں محبت و مودّت کا سبق جو آج تک وہ ایک دوسرے کو دیتے رہے ہیں، اس کا مآل آخر کیا ثابت ہوا۔ انہیں یہ بھی پتہ نہیں، کہ وہ فنون، ادب اور علوم کے پیچھے کیوں لگے ہوئے ہیں؛

خدا نے دنیا کو ہوشیار کیا یہ مایوسی کی ایک بھیانک تصویر ہے۔ لیکن مسٹر کرچ کو کیا معلوم کہ اپنی نادانی میں جس خدا کو وہ جواب دے چکا ہے، اُسی خدا نے آج سے بہت عرصہ قبل دنیا کے مدبروں کو ہوشیار کیا تھا اور اپنے ایک بندے کے ذریعہ یہ پُر جلال پیغام دنیا کو پہنچایا تھا۔

"وہ دن نزدیک ہیں، بلکہ مَیں دیکھتا ہوں کہ دروازہ پر ہیں، کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی۔"

آخر یہ جنگ اور یہ دوسری آفتیں ہی ہیں، جن سے مایوسی کی یہ انتہائی کیفیت دنیا میں پیدا ہوئی ہے۔ اور کیا انہی آفتوں کی خبر دُنیا کو نہ دی گئی تھی، جبکہ خدا کے اس بندے نے کہا تھا۔

"نہ صرف زلزلے بلکہ اور بھی ڈرانے والی آفتیں ظاہر ہوں گی، کچھ آسمان سے اور کچھ زمین سے۔ یہ اس لئے کہ نوعِ انسان نے اپنے خدا کی پرستش چھوڑ دی۔ اور تمام دل اور تمام ہمت اور تمام خیالات سے دنیا پر ہی گر گئے ہیں۔"

لیکن خدا کا رحم دیکھو، اس کو جو خیال اپنی مخلوق کا ہے، اس کا اندازہ اس سے کرو، کہ اس نے بغیر حجت پوری کئے یہ آفتیں تجویز نہ کیں۔ چنانچہ اس نے اپنے بندے سے کہلوایا۔

"اگر مَیں نہ آیا ہوتا تو ان بلاؤں میں کچھ تاخیر ہو جاتی۔ پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے

غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدّت سے مخفی تھے، ظاہر ہو گئے۔ کیا تم خیال کرتے ہو، کہ تم ان زلزلوں سے امن میں رہو گے، یا تم اپنی تدبیروں سے اپنے تئیں بچا سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔"

یہیں پر بس نہیں، خدا کے اس بندے نے دنیا کے ایک ایک حصّے کو مخاطب کر کے پکارا، اور کہا:۔

"اے یورپ تو بھی امن میں نہیں، اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں۔ اور اے جزائر کے رہنے والو کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کریگا۔"

جزائر کی طرف اشارہ ان الفاظ کی شان کو بڑھا دیتا ہے۔ اس لئے کہ اب دنیا کی یہ حالت ہو چکی تھی، کہ جو جزائر طاقتور قوموں کے ہاتھوں میں ہے، ان کو کسی قسم کا گزند پہنچانا ناممکن سمجھا جانے لگا تھا۔ اور جو جزائر دوسری قوموں کے ہاتھوں میں تھے وہ قابل توجہ نہ سمجھے جاتے تھے۔ اور جنگ کا امکان ان کے لئے ختم ہو چکا تھا۔ لیکن دُنیا والوں کے قیاسات غلط نکلے، اور اس وقت جس مصیبت میں جزائر مبتلا ہیں، اس کا ان کو خواب وخیال بھی نہ تھا۔ پھر ان آفتوں کی نوعیت اور ان کا نتیجہ بھی بتا دیا گیا۔ کیونکہ اس بندے نے صاف کہدیا:۔

"مَیں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔"

یہ کیوں؟ اس لئے کہ:۔

"وہ واحد یگانہ ایک مدّت تک خاموش رہا۔ اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے، اور وہ چُپ رہا۔ مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائیگا۔ جس کے کان سُننے کے ہوں وہ سُنے کہ وہ وقت دُور نہیں۔ مَیں نے کوشش کی کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں۔ پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوتے۔" (حقیقۃ الوحی ص۲۵۷)

پس مسٹر کرپچ یا کسی اور کا یہ کہنا کہ خدا نے دُنیا کو چھوڑ دیا ہے نادانی اور سخت نادانی ہے۔ اس خدا نے تو دنیا کو واضح سے واضح الفاظ میں ہوشیار کیا۔ پر دُنیا اور دنیا والے ہوشیار نہ ہوئے۔

اب ان آفتوں سے بچاؤ کی یہی صورت ہے، کہ دنیا خدا کی طرف جھکے، اور اپنے پیدا کرنیوالے سے تعلقات استوار کرے۔

مذہبی لیڈروں میں مایوسی لیکن یہ مایوسی کا عالم صرف دنیاوی مفکروں میں ہی نہیں پایا جاتا، صرف فلسفی اور دنیا کے مدبر ہی اس کا شکار نہیں، بلکہ مذہبی لیڈر بھی اسی مایوسی میں مبتلا نظر آتے ہیں اور مذہبی لیڈروں میں جو مایوسی پائی جاتی ہے، وہ تو بہت ہی قابل رحم حد تک پہونچی ہوئی ہے۔ مذہب اور سائنس کا مقابلہ ہمیشہ اور ہر زمانہ میں رہا ہے۔ جو لوگ خدا اور خدا نمائی کے صحیح طریقوں کی طرف لوگوں کو بلاتے رہے ہیں، ان کا مقابلہ عقلی علوم کے حاملوں سے ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ اور اس زمانہ میں بھی ہو رہا ہے۔ اس مقابلہ میں مذہبی لیڈروں کی حالت عجیب ہو رہی ہے۔ کہنے کو تو وہ کہہ رہے ہیں، کہ مذہب قائم ہے اور سائنس نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا۔ اُدھر کچھ سائنس والے بھی مذہب کی تائید میں کبھی کبھی آواز اٹھا دیتے ہیں۔ جس سے مذہبی لیڈروں کی ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ لیکن باوجود اس کے دنیا کے مذہبی لیڈروں کا یہ حال ہے، کہ وہ اپنے مذاہب کے سب اصول ایک ایک کر کے چھوڑ رہے ہیں۔ چنانچہ جب بھی کوئی نیا اعتراض ہوتا ہے، تو وہ اپنے مذہب کے اس حصہ کو جس پر اعتراض ہوتا ہے چھوڑ کر کہتے ہیں، کہ اب اعتراض کر کے دیکھو! پھر کوئی اور اعتراض ہوتا ہے، تو وہ اپنے مذہب کے ایک اور حصے کو چھوڑ کر کہتے ہیں، کہ اب اعتراض کر کے دیکھو۔ اور اب یہ حال ہے، کہ مذہبی لیڈر اپنے مذہب پر کسی اعتراض کا معقول جواب نہیں دے سکتے۔ اور اگر جواب دیتے ہیں تو یہ کہ ہمارے خیالات ترقی کر گئے ہیں۔ اعتراض کرنے والے سوچ کر اعتراض کریں۔ اب ہم ان باتوں کو نہیں مانتے جن کو ہمارے بڑے بزرگ مانا کرتے تھے۔ یہ مذہب کی شکست نہیں تو اور کیا ہے؟ اور یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ اسی لئے کہ مذہبی لیڈر خود یقین اور معرفت سے بالکل کورے ہو چکے ہیں۔ ان کو خدا اور مذہبی حقیقتوں پر وہ ایمان نہیں جو اہل مذہب کو ہونا چاہیئے۔ اور یہ ایمان اس لئے نہیں کہ انہوں نے کلام الٰہی کو گذشتہ زمانوں میں محدود کر دیا۔ اور اپنی جھوٹی عزت اور جھوٹی برتری کا خیال زیادہ کیا۔ اور یہ نہ سوچا، کہ خدا پر ایمان جو تمام ترقیوں کی جڑ ہے، کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ وہ بھول گئے، کہ خدا پر ایمان خدا کے کلام سے پیدا ہوتا

ہے۔ اگر خدا ہر زمانہ میں اپنی آواز کسی بندے کے کان میں نہ ڈالے، اور اس کے ذریعہ وہ مُردوں کو زندہ اور خوابیدہ روحوں کو بیدار نہ کرتا رہے، تو دنیا سے ایمان بالکل غائب ہو جائے۔ اور ایمان کے غائب ہو جانے سے ہر قسم کا امن بھی جاتا رہے۔ پہلے زمانوں میں بھی ایمان خدا کے کلام ہی سے پیدا ہوتا رہا ہے۔ اور اب بھی اسی سے پیدا ہو سکتا ہے لیکن مذہبی لیڈر اس بات کو نہ سمجھے۔ ان میں سے کسی نے کہا، کہ فلاں وقت تک خدا اپنا کلام انسانوں کو پہونچاتا رہا ہے اس کے بعد نہیں۔ اور کسی نے کہا کہ اس کے بعد بھی فلاں زمانہ تک کلام الٰہی نازل ہوتا رہا اور اس کے بعد بند ہو گیا۔ پھر کسی نے کلام الٰہی کے نزول کے زمانہ کو ذرا اور بڑھا دیا۔ لیکن اس کے بعد کہا، کہ خدا نے اپنا کلام نازل کرنا بند کر دیا۔ غرض ہر ایک قوم نے ایک خاص زمانہ اور وقت تک کلام الٰہی کو محدود قرار دیا۔ نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ جب پرانی کتابوں اور الہامات کا اثر زمانہ نے مٹا دیا، تو اس کے بعد کچھ عرصہ تک تو قومی تعصب نے قومی روایات اور قومی عقائد کی تائید کی۔ اور ان کو قائم رکھا۔ لیکن چونکہ اس کے پیچھے کوئی بصیرت نہ تھی، اس لئے جب ضمیر کا اندرونی اطمینان الٰہی کلام کی دوری کا سے کم ہوتا چلا گیا، تو ایسا قومی تعصب جو کسی ٹھوس روحانی بنیاد پر قائم نہ تھا، وہ بھی آہستہ آہستہ متزلزل ہونے لگا۔ حتیٰ کہ آخر وہ زمانہ آیا، جس میں آج ہم ہیں۔ اس وقت دنیا میں بے شمار مذاہب ہیں۔ لیکن ایمان اور یقین کسی کو بھی حاصل نہیں۔ ہاں قومی تعصب کم و بیش سب میں ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے، کہ مذہب کے نام پر لوگ مرنے اور مارنے کے لئے تو طیار ہیں۔ لیکن مذہب پر عمل کرنے کے لئے بہت کم لوگ طیار ہیں۔ گویا مذہب اب کسی روحانی حقیقت کا حامل نہیں رہا۔ بلکہ زیادہ تر اس نے ایک قومی تعصب کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ہر شخص جو اپنے تئیں کسی مذہب کی طرف منسوب کرتا ہے، تو اس لئے نہیں، کہ وہ یہ سمجھتا ہے، کہ اس میں میری کوئی روحانی اصلاح ہوگی، اور مَیں خدا سے مل جاؤنگا۔ بلکہ محض اس لئے کہ اتفاق سے اس کی پیدائش ان لوگوں کے ہاں ہوئی جو قدیم زمانہ سے اس مذہب سے وابستہ چلے آتے ہیں۔ ظاہر ہے، کہ مذہب کے ساتھ ایسا تعلق انسانی سوسائٹی کے مختلف گروہوں میں اپنے اپنے مذہب کیلئے تعصب کا جذبہ تو پیدا کر سکتا ہے۔ مگر مذہب

کی حقیقی غرض اس سے پوری نہیں ہوسکتی۔

ہر قوم اور ہر زمانہ میں خدا کا کلام

لیکن کیا یہ صحیح ہے کہ خدا ایک زمانہ تک تو اپنی آواز بندوں تک پہونچاتا رہا۔ اور اس کے بعد اس نے آواز پہونچانی بند کردی؟ ہرگز نہیں۔ تاریخ شاہد ہے (اور تاریخ سے بڑھکر اس امر پر اور کیا گواہی ہوسکتی ہے) کہ ہر زمانہ اور ہر قوم میں خدا کا کلام سننے والے بزرگ پیدا ہوئے۔ خدا نے ان کی تائید کی، اور لوگوں نے ان کو قبول کیا۔ آدمؑ آئے۔ نوحؑ آئے۔ ابراہیمؑ آئے۔ موسیٰؑ آئے۔ عیسیٰؑ آئے، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آئے۔ اسی طرح دنیا کے مختلف حصوں میں اور بھی ایسے بزرگ آئے۔ چنانچہ ہندوستان میں کرشن۔ رام چندر جی اور بدھ آئے۔ چین میں کنفیوشس آئے۔ ایران میں زرتشت آئے۔ اور خدا جانے کہاں کہاں کون کون آئے۔ پس جب خدا نے اپنا کلام ہر زمانہ اور ہر قوم میں نازل کیا۔ اور ہر زمانہ اور ہر قوم کو خدا کے کلام کی ضرورت سمجھی جاتی رہی ہے، تو پھر یہ کیونکر مانا جاسکتا ہے، کہ وہ ایک زمانہ یا ایک قوم یا ایک ملک تک اپنی آواز پہونچا کر خاموش ہوگیا۔

پس جنہوں نے خدا کے کلام پر اپنی نادانی سے حد بندی کرنی چاہی، وہ اس کی برکتوں سے محروم ہوگئے۔ ان کے دلوں سے ایمان اٹھ گیا۔ اور اس کی جگہ تعصب اور قومی طرفداری نے لے لی۔ مذہب ایک رسم ہو کر رہ گیا، اور حقیقت اس میں سے غائب ہوگئی۔

معین الفاظ میں کلام الٰہی کی ضرورت

ہاں ایسے بھی مذہبی لیڈر ہیں، جو خدا کے کلام کو کسی زمانہ یا کسی قوم سے مختص تو نہیں کرتے، مگر وہ خدا کے کلام کی صورتوں پر حد بندی ضرور کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً ہمارے زمانہ میں ایک مسٹر گاندھی ہی کو دیکھ لیں۔ وہ یہ تو مانتے ہیں، کہ خدا ہر زمانہ میں اپنی آواز اپنے بندوں کو سُناتا ہے، لیکن وہ آواز معین الفاظ میں نہیں ہوتی، بلکہ ایک مفہوم ہوتا ہے، جو بندے کے دل میں ڈالا جاتا ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا، کہ ایسی حد بندی کیوں کی جاتی ہے۔ بندوں کی ضروریات کو خدا خود ہی بہتر سمجھتا ہے۔ وہ جس طرح مناسب سمجھتا ہے۔ اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے۔ کبھی دل میں ایک تحریک کرتا ہے، اور کبھی وہ آواز

دیتا ہے۔ جس میں پُرشوکت الفاظ ہوتے ہیں۔ یہ سب اس کی مرضی اور اس کے فیصلہ پر منحصر ہے۔ خدا اپنی حکمت کے ماتحت جس طرح چاہتا ہے کلام کرتا ہے۔ ہاں ہم اتنا کہہ سکتے ہیں، کہ بغیر معین الفاظ کے خدا کا کلام انسانوں پر حجت نہیں ہو سکتا۔ ہم یہ نہیں کہتے، کہ بغیر معین الفاظ کے خدا کا کلام نہیں ہو سکتا۔ ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے۔ لیکن انسان کے شکوک کو کچلنے کیلئے ایسا کلام کافی نہیں، اس لئے خدا کو بنی نوع انسان سے جو محبت اور ان کی ہدایت کا جو خیال ہے، اس کا یہ تقاضا ہے کہ خدا معین الفاظ میں بھی کلام کرے۔ بلکہ ہمیں کہنا چاہیئے کہ جیسے جیسے انسان ذہنی اور علمی لحاظ سے اور لکھنے پڑھنے کے فنون کے اعتبار سے ترقی کرتا چلا گیا، ویسے ویسے یہ اور بھی ضروری ہوتا گیا کہ خدا کا پاک کلام جو انسانوں کو شکوک کی دلدل سے نکال کر یقین کے بلند مقام پر کھڑا کر دیتا ہے معین الفاظ میں بھی نازل ہوا کرے۔ بغیر اس کے ہم کو کیسے پتہ لگ سکتا، کہ خدا کا کیا پیغام تھا۔ جو کسی نبی کے ذریعہ لوگوں کو پہونچا، اور اس پیغام کی سچائی اور عظمت لوگوں پر کیسے کھل سکتی تھی۔ جب تک یہ معلوم نہ ہوتا کہ وہ پیغام تھا کیا؟

فرعون کی لاش

یہ لفظی کلام ہی کی برکت ہے، کہ ہم کہہ سکتے ہیں، کہ آج سے چودہ سو سال پہلے خدا نے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بتایا، کہ ہم نے فرعون کو غرق کرتے وقت اس سے یہ وعدہ کر لیا تھا، کہ تمہاری لاش کو ہم ضائع نہیں ہونے دینگے، بلکہ محفوظ کر لیں گے، اور لوگوں کے لئے اسے سامانِ عبرت بنائیں گے۔ جب یہ خبر خدا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دی، اس وقت بائیبل موجود تھی۔ اور اس میں موسیٰ و فرعون کی تاریخ لکھی ہوئی تھی۔ مگر اس میں اس قسم کا کوئی اشارہ موجود نہ تھا، اور نہ اب ہے۔ یہ ایک زائد نہایت ہی اہم تفصیل تھی، جو پہلے خدا نے کسی پر ظاہر نہ کی تھی اور صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر آ کر ظاہر کی۔ اور لطف یہ کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں بھی فرعون کی لاش کا کسی کو کچھ پتہ نہ تھا، لیکن خدا کا سچا کلام معین الفاظ میں تھا، جنہیں محفوظ کر لیا گیا، چنانچہ یہ معین الفاظ قرآن مجید میں یوں آئے ہیں۔ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً۔ یعنی آج ہم تجھے نجات دینگے تیرے بدن کے ساتھ تاکہ تو اپنے بعد میں آنیوالوں کیلئے نشان ہو

بیچ جاسکے۔ قرآن شریف کے متن کا ایک ایک حرف اور ایک ایک شوشہ محفوظ موجود ہے۔ جب آثار قدیمہ والوں نے مصر کے قدیم بادشاہوں کی قبروں کو کھدوایا، اور ان میں فرعون کی لاش بھی محفوظ مل گئی، اور اس کے سب جسدی نشان پہچان لئے گئے تب قرآن شریف کے ان معین الفاظ کی شان اور عظمت ظاہر ہوئی۔ اور خدا کی خدائی ثابت ہوئی۔

گاندھی جی کا تجربہ: اگر کبھی بھی معین الفاظ میں خدا کا کلام نازل نہ ہو، تو پھر ہم یقین کے اعلیٰ درجہ تک نہیں پہونچ سکتے۔ ایسا کلام خود اس کے لئے تو حجت ہو سکتا ہے جس پر وہ نازل ہو لیکن دوسروں کے لئے حجت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اگر کلام الٰہی کے اثرات وسیع، دور رس اور دیرپا ہونے ہیں، تو ضروری ہے، کہ خدا اپنا کلام معین الفاظ میں بھی نازل کرے۔ گاندھی جی کہتے ہیں کہ خدا کی آواز ہے، اور وہ آواز بندوں تک پہونچتی بھی ہے۔ اس کی بہتر مثال ان کی زندگی میں ان کے اپنے قول کے مطابق وہ اکیس روز کا روزہ ہے، جو انہوں نے ہریجنوں کو ایک علیحدہ قوم قرار دیئے جانے کے خلاف رائے پیدا کرنے کے لئے رکھا تھا۔ گاندھی جی کہتے ہیں، کہ وہ جیل میں تھے، وہاں ان کو ملک کی خبریں ملا کرتی تھیں۔ ایک رات وہ بغیر کسی ارادے کے سوئے۔ لیکن رات کو وہ بیدار ہوئے تو ایک آواز ان کو گویا یہ کہہ رہی تھی، کہ تو روزہ رکھ۔ گاندھی جی نے پوچھا، کہ کتنے روز؟ تو آواز نے جواب دیا اکیس روز۔ گاندھی جی کو اس آواز کے متعلق یقین ہو گیا، کہ یہ خدا کی آواز ہے اس لئے انہوں نے مزید سوچ بچار فضول سمجھی، اور روزہ رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ صبح ہوتے ہی انہوں نے اپنے ساتھیوں کو کاغذ پر لکھکر اطلاع کر دی، کہ انہوں نے اکیس روز فاقہ کرنے کا اٹل فیصلہ کر لیا ہے۔ ساتھی بھی چپ چاپ ہو گئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے، کہ جب گاندھی جی کوئی ایسا فیصلہ کرتے ہیں تو وہ اسے ضرور عملی جامہ پہناتے ہیں۔

اب ہم نہیں کہہ سکتے، کہ یہ آواز کیا تھی! ممکن ہے، وہ خدا کی آواز ہی ہو، اور ممکن ہے نہ ہو بہرحال اگر وہ حجت ہے تو گاندھی جی کے لئے ہے، دوسروں کیلئے نہیں۔ لیکن اگر خدا کا کلام معین الفاظ میں ہو، اور اس کی حقیقت بعد میں کسی زمانہ میں جا کر کھلے، تو وہ کلام سب کے لئے حجت ثابت

ہوتا ہے۔ ایسے کلام کی سب سے شاندار مثال تو قرآن شریف ہے۔ جس کے عین اسی حالت میں محفوظ ہونے میں جس میں کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، کسی دشمن کو بھی شک نہیں ؛

معجزات کا سوال قرآن شریف کے اس طرح محفوظ ہونے نے مذہب کو ایک اور بڑی ذمہ داری سے بچا لیا ہے۔ اور وہ ذمہ داری معجزات دکھانے کی ہے۔ مذہب کا دعویٰ ہے کہ کبھی خدا اپنا تصرف اپنے عام قانونوں میں بھی کرتا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے، کہ ایسے تصرف کے بغیر خدا کی خاص الخاص صفات لوگوں کے دلوں پر نقش نہیں ہوسکتیں۔ چنانچہ ہر مذہب کا دعویٰ ہے کہ خدا نے ایسے تصرفات اپنے خاص بندوں کے ذریعہ دنیا کو دکھائے، اور دنیا نے ان تصرفات کو دیکھ کر ایمان میں ترقی کی لیکن اب وہ سب کے سب معجزات (خواہ وہ سچے ہی ہوں۔ اور یقیناً ان میں سے کئی سچے بھی ہیں) تاریخ کے رحم پر ہیں۔ اگر تاریخی لحاظ سے وہ ثابت ہو جائیں، تو ان کی کچھ قدر ہے، ورنہ وہ کسی کام کے نہیں اور سچ تو یہ ہے، کہ عام قانونوں میں تصرف لوگوں کو ایسا عجیب معلوم ہوتا ہے (اور ایسا تصرف ہے بھی عجیب کیونکہ عام حالات میں عام قانون ہی چلتے نظر آتے ہیں) کہ لوگ تاریخی ریکارڈ پر شبہ کرینگے، مگر ایسے تصرفات کی مثالوں کو آسانی سے قبول نہ کرینگے۔ ایسے معجزات کا فائدہ اس زمانہ کے لوگوں کو تو ہوا ہوگا، جس زمانہ میں وہ دکھائے گئے تھے۔ لیکن اس زمانے کے بعد کے لوگوں کیلئے ان کا کیا فائدہ؟ ہاں اگر معین کلام ہو، اور ہمیشہ کے لئے اس کو محفوظ کر لیا گیا ہو، اور وہ اپنی ظاہری و معنوی خوبیوں کے لحاظ سے بے نظیر ہو، جیسا کہ قرآن شریف کا کلام ہے، اور اگر اس کے بے نظیر ہونے کا دعویٰ پہلے سے کر دیا گیا ہو، جیسا کہ قرآن شریف کا دعویٰ ہے، اور پھر اس کے عجائبات ہر زمانے میں ظاہر ہوتے رہتے ہوں، جیسا کہ قرآنی پیشگوئیوں اور قرآنی تعلیمات کے عجائبات ہر زمانے میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں، تو پھر یہ ایک ایسی حجت دنیا کے سب لوگوں پر قائم ہوتی ہے کہ اس کے آگے سر تسلیم خم کئے بغیر دنیا کو کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔

قرآن شریف کے ذریعہ دُنیا پر حجت چنانچہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے، کہ یہ معین الفاظ ہی کی برکت ہے، جو قرآن شریف کے ذریعہ ایسی زبردست حجت دُنیا پر قائم ہوتی ہے۔

اس زمانہ میں اس حجت کی قوت کو اور بھی بڑھا دیا گیا ہے، اور وہ اس طرح کہ جب دنیا نے قرآن شریف [illegible] بغیر کلام الٰہی پر اعتراض کرنے شروع کر دیئے۔ تو خدا تعالیٰ نے اپنا ایک مامور بھیجا اور اس کے ذریعہ سے قرآن شریف کے اس دعویٰ کو سچا ثابت کیا، کہ جب مومن کہتے ہیں، کہ خدا ہے اور اس پر استقامت دکھاتے ہیں، تو ان پر فرشتے خدا کا کلام لیکر اُترتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حٰمٓ سجدہ ع) اس زمانہ کے معترضوں کے مُنہ بند کرنے کیلئے جنہوں نے قرآن شریف کے خلاف زبانِ اعتراض کھولی، خدا نے قرآن شریف کے ایک پَیرو کو اپنے کلام سے مشرف کرنے کے لئے چُنا۔ گاندھی جی دل میں یقین پیدا ہو جانے کو اس بات کا نشان قرار دیتے ہیں، کہ وہ بات خدا کی طرف سے ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ بے شک یہ ہو سکتا ہے، کہ ایسی بات خدا کی طرف سے ہی ہو۔ لیکن سوائے اس شخص کے جس پر یہ کیفیت طاری ہو، اور کسی کے لئے ایسا یقین حجت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو اس اکیلے شخص کے لئے بھی وہ اسی صورت میں حجت ہو سکتا ہے، اگر اس کو لفظی کلام بھی کبھی کبھی سُنایا جاتا ہو۔ مگر لفظی کلام جس طرح اس کے لئے حجت ہوتا ہے جس پر وہ نازل ہو، اسی طرح دوسروں کے لئے بھی حجّت ہوتا ہے۔ اور ساری دنیا اس سے فائدہ اٹھاتی ہے، اور اس کے بغیر انسانی شکوک و شبہات کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔

خدا نے اپنے فضل کا دروازہ اس زمانہ میں بھی کھولا۔ اور بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے ذریعہ اپنے لفظی کلام کے بے شمار نمونے دنیا کو دکھائے۔ اس لفظی کلام کو جو آپ پر نازل ہُوا ایک بڑی کتاب کی شکل میں شائع کیا جا چکا ہے (دیکھیں کتاب تذکرہ) اس کے کئی حصے بڑی شان و شوکت سے پورے ہو چکے ہیں، کئی ہیں، جو اپنے وقت پر پورے ہوں گے۔ اور کئی ہیں، جو بار بار پورے ہوتے رہتے ہیں، اور ہوتے رہیں گے۔ لفظی کلام کا ایک نمونہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں:-

معیّن الفاظ میں الٰہی بشارتیں

آپؑ کے ایک محبوب صحابی حضرت میاں عبداللہ صاحب سنوری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے، کہ ابھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ ماموریت نہیں کیا تھا، کہ ۱۸۸۴ء میں حضورؑ نے ارادہ فرمایا، کہ قادیان سے باہر جاکر کہیں چلّہ کشی کریں۔ پہلے ایک جگہ کے بارے میں ارادہ فرمایا، مگر آپ رُک گئے۔ اس کے بعد آپ نے ماہ جنوری ۱۸۸۶ء میں ہوشیارپور جانے کا قصد کر لیا، اور روانہ ہوگئے۔ مَیں (یعنی حضرت میاں عبداللہ صاحب سنوری) اور دو اَور خادم بھی ہمراہ تھے۔ راستے میں دریا پار کیا۔ اثناءِ راہ میں کچھ باتیں آپؑ نے ہم سے ازراہِ نصیحت کیں۔ اور کچھ باتیں اشارۃً سمجھائیں، جو ہم میں سے ایک کے متعلق تھیں۔ یہ باتیں بعد میں پوری بھی ہوگئیں۔ ہوشیارپور پہنچتے ہی حضورؑ نے ایک طویلہ کے بالاخانہ میں قیام فرمایا۔ اور بذریعہ دستی اشتہارات اعلان فرما دیا، کہ چالیس دن تک مجھے کوئی صاحب ملنے نہ آویں۔ اور نہ کوئی صاحب مجھے دعوت کیلئے بلائیں۔ نیز آپ نے ہم کو بھی حکم دیدیا۔ کہ ڈیوڑھی کے اندر کی زنجیر ہر وقت لگی رہے۔ اور گھر میں بھی کوئی شخص مجھے نہ بلائے۔ مَیں اگر کسی کو بلاؤں تو وہ اسی حد تک میری بات کا جواب دے، جس حد تک کہ ضروری ہے۔ اور بالاخانہ میں کوئی میرے پاس نہ آئے۔ میرا کھانا اُوپر پہونچا دیا جائے، مگر اس کا انتظار نہ کیا جائے، کہ مَیں کھانا کھالوں خالی برتن پھر دوسرے وقت لے جایا کریں۔ نماز مَیں اُوپر الگ پڑھا کرونگا۔ تم نیچے پڑھ لیا کرو۔ جمعہ کے لئے فرمایا۔ کہ کوئی ویران سی مسجد تلاش کرو، جو شہر کے ایک طرف ہو۔ اور جہاں ہم علیحدگی میں نماز ادا کرسکیں۔ چنانچہ شہر کے باہر ایک باغ تھا، اس میں ایک چھوٹی سی ویران مسجد تھی، وہاں جمعہ کے دن حضورؑ تشریف لے جایا کرتے تھے، اور ہم کو نماز پڑھاتے تھے اور خطبہ بھی خود ارشاد فرماتے تھے۔ حضرت میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں، کہ مَیں کھانا چھوڑنے اُوپر جایا کرتا تھا، اور حضورؑ سے کوئی بات نہ کرتا تھا۔ مگر کبھی حضورؑ مجھ سے خود کوئی بات کرتے تھے تو جواب دیدیتا تھا۔ ایک دفعہ آپؑ نے مجھ سے فرمایا۔ میاں عبداللہ! ان دنوں میں مجھ پر بڑے بڑے خدا تعالیٰ کے فضل کے دروازے کھلے ہیں۔ اور بعض اوقات دیر تک خدا تعالیٰ مجھ سے

باتیں کرنا چاہتا ہے، اگر ان کو لکھا جائے تو کئی ورق ہو جائیں۔ پھر ان الہامات میں سے وہ الہامات بھی ذکر ہوئے جو آپکو ایک مولود مسعود کے متعلق ہوئے۔ اور جن کا پورا ہونا آج ایک دنیا کے مشاہدہ میں آچکا ہے۔ (دیکھو سیرت المہدی حصہ اوّل مرتبہ حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے)

اس بارے میں الہام الٰہی کے حقیقی الفاظ سنئے۔ کہ انہیں الفاظ میں خدا کے کلام کی شان ظاہر ہوتی ہے۔

"میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں، اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا۔ سو میں نے تیری تضرعات کو سنا۔ اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایۂ قبولیت جگہ دی۔ اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور کا سفر ہے جس کا ذکر آچکا ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر تجھ پر سلام! . . . . تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں، جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ اور تا وہ یقین لائیں، کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے، اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی ملے۔ اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔"

پھر ایک لڑکے کی بشارت ہے۔ اور اس کے بعد الہام کے الفاظ یہ ہیں:۔

"اس کے ساتھ فضل ہے، جو اس کے آنے کے ساتھ آئیگا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا۔ اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت وغیوری نے اُسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین اور فہیم ہوگا، اور دل کا حلیم۔ اور علوم ظاہری

وباطنی سے پُر کیا جائیگا۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔
نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضا مندی کے عطر سے ممسوح کیا۔
ہم اس میں اپنی رُوح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر
ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا۔ اور اسیروں کی رُستگاری کا موجب ہوگا
اور زمین کے کناروں تک شہرت پائیگا۔ اور قومیں اس سے برکت
پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائیگا۔" (تذکرہ صفحہ)

الہامی عبارت آگے چلتی ہے اور عظیم الشان ترقیات پر دلالت کرتی ہے۔

یہ کلام اپنے معیّن الفاظ کی وجہ سے اور اپنی کمال تفصیل اور ترتیب کے لحاظ سے ایک عظیم الشان کلام ہے جس کا اکثر حصہ مع اس کی تفصیل کے ہم نے اپنی آنکھوں کے سامنے پورا ہوتا دیکھ لیا ہے۔ یہ پیشگوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے معین الہامی الفاظ میں ایک خاص صفات والے اور خاص قسم کی ظاہری و باطنی استعدادوں والے فرزند کے متعلق فرمائی۔ اور آج اُسے خدا نے ہماری آنکھوں کے سامنے اس اولوالعزم وجود کی شکل میں پورا کر دیا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بیٹا اور آپ کی قائم کردہ جماعت کا موجودہ امام ہے۔ اس کے ذریعہ دنیا اس پیغام کو قبول کر رہی ہے، جو پھر ایک دفعہ انسان کو خدا کے قریب کر رہا ہے۔ لفظی الہام کی شان کیسی اعلیٰ ہے۔ اب ہمیشہ کیلئے یہ الفاظ لوگوں کے ایمانوں کو تازہ کرتے رہیں گے، اور دُنیا ان سے فائدہ اٹھاتی رہے گی مگر خالی یقین کا احساس ہوتا، اور الفاظ کچھ نہ ہوتے تو دوسروں کو کیا پتہ لگتا، کہ خدا نے کیا کہا تھا لیکن اب الفاظ کی صورت میں خدا کا یہ کلام ہمیشہ کیلئے حجت ہو گیا، اور ہر شخص جب چاہے ان پر غور کر کے اپنے ایمان کو تازہ کر سکتا ہے۔

خدا کے الہام کو محض خیالات اور مفہوم تک محدود کرنے والے صرف گاندھی جی ہی نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ سر سید احمد خاں صاحب علی گڑھی جنہوں نے مسلمانوں کی تعلیمی بہبود کیلئے بڑی مخلصانہ خدمات سرانجام دی ہیں۔ وہ بھی بدقسمتی سے لفظی الہام

کے منکر تھے۔ اور اُن کا یہ خیال بھی دراصل اس زمانہ کی عام روحانی کمزوری ہی کا نتیجہ تھا۔

لفظی الہام کے انکار کا نتیجہ

افسوس ہے کہ مسلمانوں میں سے ایسے ایسے سمجھدار لوگوں نے بھی لفظی الہام کا انکار کر دیا، اور دل کے خیالات یا دل میں کسی بات کے متعلق جو فہم اور یقین پیدا ہو جاتے اسی کو الہام الٰہی قرار دیا۔ حالانکہ اگر یہ عقیدہ قرآن شریف کے متعلق رکھا جائے تو اس کی شان بالکل کم ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس میں اور کسی دوسری ادبی کتاب میں کوئی خاص فرق باقی نہیں رہ جاتا۔ پھر اس اعتراض کا بھی کوئی جواب ہمارے پاس نہیں رہتا، جو کہ مذہبی اکثر پیش کرتے رہتے ہیں، اور جس کا جواب اس وقت سوائے قرآن شریف کے ماننے والوں کے اور کوئی نہیں دے سکتا، کہ ہر مذہب میں غلطی کا امکان ہے کیونکہ ہر مذہبی پیشوا خدا سے بات سمجھ کر اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے، اور اپنے الفاظ میں بیان کرنے سے کچھ نہ کچھ غلطی کا امکان واقعی رہ جاتا ہے۔ پس اگر الہام کو لفظی نہ مانا جائے یا کم از کم اگر قرآن شریف کو لفظاً کلام الٰہی نہ مانا جائے تو وہ امان اور یقین جو مسلمانوں کو قرآن شریف کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے، اور جو ہر متلاشی حق کو اس پاک اور محفوظ کتاب میں مل سکتا ہے وہ سب کافور ہو جاتا ہے۔ اور قرآن کی یہ خاص شان کہ ہر اختلاف میں ہم اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں، اسے لفظی کلام الٰہی نہ ماننے سے اس کی یہ شان بھی قائم نہیں رہتی، اور نہ آئندہ زمانوں کیلئے ہم قرآن شریف کی وحی کو دنیا کے سامنے بطور حجت پیش کر سکتے ہیں۔

سر محمد اقبال کا نظریہ

اس غلطی کے علاوہ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں بالخصوص ان میں سے تعلیم یافتہ لوگوں میں ایک اور غلطی پھیل رہی ہے۔ (دیکھو سر محمد اقبال کے انگریزی لیکچر ص۱۱۱) اور وہ یہ ہے، کہ وہ کہتے ہیں کہ الہام اور وحی کی ضرورت اس وقت تک تھی، جب تک کہ نسل انسانی اپنی عقلی بلوغت کو نہ پہونچی تھی۔ اس وقت تک اس بات کی ضرورت تھی، کہ افراد کو زیادہ سوچ بچار پر مجبور نہ کیا جاتا، اور ان کو خود فیصلہ کرنے کی زحمت اور ذمہ واری سے بچایا جاتا۔ لیکن جب آہستہ آہستہ انسانی عقل بلوغت کو پہونچ گئی، تو پھر الہام اور وحی کی ضرورت نہ رہی،

اور انسان کو اپنی عقل اور سمجھ سے کام لینے پر مجبور کر دیا گیا۔ یہ خیال بھی اس زمانہ کی عام روحانی مایوسی کا ایک مظاہرہ ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ عقلاً بھی یہ بات تسلیم کرنے کے قابل نہیں، کہ ہم خدا کو پکاریں، اس کے رب، مالک اور ہادی ہونے کا اقرار کریں، اس کی صفات کو گن گن کر اس کا امر بیان کریں، اس کے آگے تضرع اور گریہ و زاری سے اپنی ضروریات پیش کریں، اور وہ ہمیں جواب نہ دے۔ اور اپنے الہام سے ہماری تسلی اور تسکین کے سامان مہیا نہ کرے۔ حالانکہ ہدایت دینا اس نے اپنے ذمہ رکھا ہے۔ اور ہمیں بتایا ہے، کہ جب تم خدا کی راہ میں کوشش کرو۔ تو وہ ضرور تمہاری بات سنے گا۔ اور تمہاری رہنمائی کرے گا۔ اور جب تم خدا کو اپنا رب کہکر پکارو، اور اس پر استقامت دکھاؤ، تو خدا تم کو بشارت دیتا ہے کہ میں فی الواقع موجود ہوں۔ پس باوجود اس کے کوئی ایسا خیال کیونکر رکھ سکتا ہے، کہ نسل انسانی کو عقلی بلوغت کے بعد الہام الہٰی کی ضرورت نہیں رہی۔ اگر غور کیا جائے، تو یہ خیال شریعت اسلام اور قرآنی تعلیم کی قدر و منزلت کو بھی سخت نقصان پہونچانے والا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اگر نسل انسانی کو عقلی بلوغت کے بعد مزید الہام کی ضرورت نہیں رہی، اور ان لوگوں کا خیال ہے، کہ قرآن شریف کے نزول تک عقلی بلوغت حاصل نہ ہوئی تھی، لیکن قرآن شریف کے نزول کے ساتھ ہی عقلی بلوغت حاصل ہو گئی، تو ہو سکتا ہے، بلکہ لازمی ہے کہ اسی عقلی بلوغت کے نتیجہ میں کل کو کوئی "روشن ضمیر" قرآن شریف کی ضرورت سے بھی انکار کر دے اور یہ امر واقعہ ہے، کہ آجکل تعلیم یافتہ مسلمان بالعموم قرآنی تعلیمات کو اپنے لئے بوجھ سمجھتے ہیں۔ ابھی چندروز کی بات ہے۔ مجھے ایک معزز اعلیٰ تعلیم یافتہ اور عربی کے بہت بڑے پروفیسر سے ایک سفر میں ملنے کا اتفاق ہؤا۔ دوران گفتگو میں انہوں نے کہا، کہ سود کو حرام قرار دینے سے مسلمان افلاس میں پڑ گئے ہیں۔ مَیں نے کہا، کہ آپ نے یہ عجیب بات کہی ہے۔ ہم تو سود کو حرام قرار دینا اسلامی تعلیم کا امتیاز سمجھتے ہیں ــــ ایسا امتیاز جس سے نہ صرف پرانے مذہبی فلسفے بلکہ وہ اقتصادی فلسفے بھی جنہوں نے زمانہ حال میں سر نکالا ہے، اسلام کے مقابلہ میں عاجز ہو کر رہ گئے ہیں۔ کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں، کہ سود کو حرام کرنے سے اسلام نے اقتصادی عدم مساوات کو جڑھ سے کاٹ دیا ہے اور

ہر فرد کو محنت اور مشقت پر مجبور کیا ہے۔ اور دولت کو بند کرنے کے بجائے اس کو سوسائٹی میں چکر دینے کا انتظام کیا ہے۔ لیکن آپ اس کو مسلمانوں کی غربت کی وجہ سمجھ رہے ہیں۔ پھر میں نے کہا، کہ سود چھوڑنے سے اب بھی مسلمان فائدے میں ہی رہتے ہیں۔ اور یہ فائدہ ان کو ایک کیریکٹر کی شکل میں ملتا ہے، جو دوسری قوموں کو نہیں ملتا۔ رہا ان کا افلاس سو اس کی وجوہ اور ہیں، ترک سود نہیں۔ میری یہ تقریر سُن کر وہ کچھ حیران سے ہو گئے، کہ میں تعلیم یافتہ ہو کر اس زمانہ میں قرآن شریف کی تعلیم کی تائید کرتا ہوں۔ اب دیکھئے قرآن شریف کو تو وہ بھی مانتے تھے۔ مگر قرآن شریف کی حرمتِ سود کی تعلیم ان کی عقل میں نہ آتی تھی۔ اور اس بات کے لئے وہ تیار معلوم نہ ہوتے تھے، کہ ایک بات کو صرف اس وجہ سے مان لیا جائے کہ اُسے قرآن شریف نے پیش کیا ہے۔ اگر عقل انسانی اصل چیز ہے، جس کی طرف دنیا کی ترقی کا میلان ہے، تو پھر یہ عقل ایک دن قرآن شریف کو بھی مزید جواب دے گی۔

عملاً تو قرآن شریف کو جواب مل ہی چکا ہے، کیونکہ آجکل تعلیم یافتہ مسلمان خدا کے متعلق بحث کرتے ہیں۔ وحی خصوصاً لفظی وحی کے متعلق جو خدا کے کلام کی ممتاز صورت ہے بحث کرتے ہیں۔ پھر ملائکہ کے متعلق بحث کرتے ہیں، اسی طرح بعث بعد الموت کے متعلق بحث کرتے ہیں۔ اور تمدنی مسائل میں ان کا طریق یہ ہو گیا ہے، کہ وہ پہلے ایک بات کا فیصلہ کر لیتے ہیں، کہ یوں ہونا چاہیئے۔ پھر قرآن شریف سے اس کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا اپنے نفسوں کو جھوٹی تسلی دیتے ہیں، کہ ان کا عمل قرآن شریف کے مطابق ہے۔ اور فیصلہ بھی عقل اور مشورہ کے ماتحت نہیں، بلکہ یورپین تمدن سے مرعوب ہو کر کرتے ہیں۔ اور اس میں بھی کوئی قیام اور استقلال نہیں ہوتا۔ آج اگر ایک جگہ ہیں، تو کل دوسری جگہ۔ ہر روز اسلامی تمدن اور اسلامی شعار سے بہرحال دُور ہی جا رہے ہیں۔ ہاں زبان سے قرآن شریف سے عقیدت کا اظہار بھی جاری ہے لیکن یہ کب تک؟ جب دلوں کے اندر یہ یقین اور ایمان نہ ہو گا، کہ قرآن شریف کا ایک ایک لفظ ہماری اور کل دنیا کی بہبود اور بہتری کے لئے ہے، ہم پیچیدہ مشکلات کے وقت قرآن شریف کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔ اور نہ قرآن شریف کے فہم کے متعلق اگر اختلاف ہو گا تو اسے حل کرنے کیلئے

اس کے بتائے ہوئے اس طریق پر عمل کریں گے۔ کہ تم اپنے رب کو سمجھ کر پکارو، وہ تمہیں تسلی دیگا۔ اور صحیح راستہ بتا دیگا۔ اس زمانہ میں کئی قسم کے اختلافات مسلمانوں میں قرآن شریف کے فہم کے متعلق پائے جاتے ہیں۔ کیا باوجود عقل بلوغت کو پہونچنے کے مسلمانوں نے ان اختلافات کو حل کر لیا ہے؟ پھر تعلیم یافتہ کہلانے والے مسلمان بالعموم اسلام سے غافل ہیں۔ کئی ہیں جو اپنے اعمال سے اسلامی تعلیمات سے بیزاری کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ کئی ایسے بیباک ہیں، جو منہ سے بھی بیزاری کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ یہ سب نظارے عرصہ سے ان علماء اور فلسفیوں کے سامنے ہیں، جو سمجھتے ہیں، کہ اب ان سب مشکلات کو حل کرنے کے لئے انسانی عقل کافی ہے، الہام کی ضرورت نہیں۔ لیکن کیا انہوں نے ان مصیبتوں کا علاج کر لیا ہے؟ اصل بات یہ ہے، کہ الہام کی ضرورت اور فضلِ الہام کی ضرورت ہر زمانے میں ہے اور آئندہ بھی کبھی اپنے آپ کو اس سے بے نیاز سمجھنا اپنی ایمانی کمزوری پر پردہ ڈالنا ہے، اور اپنے نفسوں کو دھوکہ میں ڈالنا ہے۔

قرآن شریف سے انسان کے رُوحانی ارتقاء کی تکمیل

اس میں کوئی شک نہیں، کہ قرآن شریف کے نزول سے انسان کے رُوحانی ارتقاء کی تکمیل ہوئی ہے۔ لیکن وہ تکمیل ان معنوں میں نہیں ہوئی، جن معنوں میں مسلمانوں کا یہ طبقہ سمجھتا ہے، کہ قرآن شریف کے بعد الہام اور وحی کا سلسلہ مطلقاً بند ہو گیا ہے۔ کیونکہ اگر الہام اور وحی کا سلسلہ مطلقاً بند ہو جائے تو خدا کی صفتِ تکلم میں تعطل لازم آتا ہے۔ اور صفتِ تکلم میں تعطل سے خدا کی صفتِ ہدایت میں تعطل لازم آتا ہے۔ اور یہ دونوں قسم کے تعطل خدا کی شان سے بالکل بعید ہیں۔ پس انسان کے روحانی ارتقاء کی تکمیل کی یہ تعبیر صحیح نہیں۔

انسان کے روحانی ارتقاء کی تکمیل جو قرآن شریف کے ذریعہ ہوئی، وہ ٹھیک اسی طرح ہوئی ہے جس طرح اس کے جسمانی ارتقاء کی تکمیل ہوئی۔ انسان کو خدا نے تدریجاً ترقی دے کر موجودہ جسمانی ساخت تک پہونچایا ہے۔ اور جب سے وہ اپنی موجودہ جسمانی ساخت کو پہونچا ہے (اور اس پر خدا جانے کتنا عرصہ گذر چکا ہے) اس کا جسمانی ارتقاء بند ہو چکا ہے۔ اس جسمانی ساخت میں انسان کا دماغ اور

ہیں کہ اعصاب اور باقی تمام اعضا اور ان کی مخصوص شکلیں شامل ہیں۔ یہ ساخت اب ایک لمبے عرصہ سے تبدیل نہیں ہو رہی۔ اسی ساخت کے ماتحت انسانی فکری ترقی جاری ہے۔ اور اس فکری ترقی کو جاری رکھنے کے لئے یہی جسمانی ساخت کافی ہے۔ اسی جسم، اسی دماغ اور انہی اعصاب سے آئندہ انسان فکری عجائبات دکھاتا چلا جائیگا۔ اور یہ خود خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت کی ایک زبردست تجلی ہے، کہ جسمانی ترقی کو پایۂ تکمیل تک پہونچا کر انسان کی فکری ترقی کا راستہ کھول دیا ہے۔ انسان کے روحانی ارتقاء کا بھی ایک ظاہر اور ایک باطن ہے پس کا ظاہر تو قرآن شریف ہے۔ لیکن اس قرآن شریف کی برکت سے جو باطنی فیوض دنیا کو ملتے ہیں، وہ ہمیشہ جاری رہیں گے۔ اور ہر زمانہ جو آئیگا، وہ قرآن شریف کی شان کو دوبالا کرنے والا ہوگا۔ قرآن شریف کے ذریعہ اس تعلیم کو جو انسان کے لئے تا ابد کافی اور ضروری ہے، معیّن الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اب ان الفاظ میں ترمیم یا ترقی کی گنجائش نہیں۔ لیکن ان الفاظ سے جو علوم اور معارف نکلتے ہیں، اور آئندہ نکلتے رہیں گے، ان کی کوئی انتہاء نہیں۔ اور ہم نہیں کہہ سکتے، کہ ابھی کیا کیا علوم ہیں، جو اسی قرآن شریف سے دنیا کو ملنے والے ہیں۔ ہاں یہ علوم بھی اللہ تعالیٰ ہی بندوں کو سکھائیگا۔ جس طرح قدرت کے عجائبات کے متعلق خدا تعالیٰ ہی الہام کرتا ہے، تو بندوں کو ان کے اسرار پر کچھ اطلاع ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآن شریف کے عجائبات پر بھی اللہ تعالیٰ ہی الہام کے ذریعہ لوگوں کو اطلاع دیا کرے گا۔ یہ ہے وہ روحانی ارتقاء جس کی تکمیل قرآن شریف کے ذریعہ ہو چکی ہے۔ لیکن جس کی برکات ابد الآباد تک دنیا کو حاصل ہوتی رہیں گی۔

فلسفیانہ شکوک | مذہبی لیڈروں کے شکوک کے علاوہ خالص فلسفیانہ شکوک بھی خدا کی صفت تکلّم کے بارے میں بیان کئے جاتے ہیں۔ میرے پاس ان سب کو بیان کرنے کے لئے وقت نہیں۔ میں نے مذہبی لیڈروں کے شکوک پہلے بیان کئے ہیں۔ اور ان کو مقدم رکھا ہے۔ یہ اس لئے کہ مذہبی تعلیمیں پانی کی مانند ہیں، جس سے دوسری آلائشیں دھوئی جاتی ہیں۔ اگر پانی ہی مکدّر ہو، تو اس سے کسی دوسری آلائش کو کیا دُور کر سکیں گے۔ سو اوّل ضرورت یہ ہے کہ دنیا کے مذہبی

لیڈروں کے خیالات میں صحت اور صفائی پیدا کی جائے۔ اگر وہ یقین اور خدا کی شناخت کا سچا راستہ اختیار کرلیں، اور اس کے فضلوں کو اپنی مایوسی سے بند نہ کریں۔ تو فلسفیانہ شکوک اور شبہات کا ازالہ یکدم ہوسکتا ہے۔ فلسفی تو ضرور اندھیرے میں ہے وہ سوائے اعتراض کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ فلسفیانہ اعتراض تاریکی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان کا اثر عام طبیعتوں پر اس وقت تک رہتا ہے، جب تک خدا کا نور خدا کے کلام کی شکل میں اتر نہ چکا ہو۔ اب مثلاً یہی اعتراض جس کو اکثر فلسفیانہ مجالس میں دُہرایا جاتا ہے، کیا حقیقت رکھتا ہے، کہ اگر خدا کلام کرتا ہے تو کیا اس کی کوئی زبان بھی ہے؟ ہم معترض سے پوچھتے ہیں، کہ کیا خدا دیکھتا اور سنتا بھی ہے یا نہیں؟ کئی فلسفی خدا کے متعلق مانتے ہیں، کہ وہ دیکھنے اور سُننے والا تو ضرور ہے۔ لیکن اس بات کو ماننے میں عذر کرتے ہیں، کہ وہ بولتا بھی ہے۔ حالانکہ اگر بولنے کے لئے زبان کی ضرورت ہے تو دیکھنے کے لئے آنکھ اور آنکھ کے تمام لوازمات کی ضرورت ہے۔ اسی طرح سننے کے لئے کان اور کان کے تمام عضویاتی لوازمات کی ضرورت ہے۔ پس یہ اعتراض کہ کلام الٰہی کے ماننے سے خدا تعالیٰ کی زبان ماننی پڑتی ہے، نہایت بودا اعتراض ہے۔ کیونکہ ہمیں دیکھنا چاہیئے، کہ خدا کی صفات کے ظہور کا ہمیں ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟ اگر ملتا ہے تو بہرحال اس کے سامان بھی خدا کی صفات میں موجود ہوں گے۔ اور بولنے کے متعلق مشکلات اس زمانہ میں پیدا کرنا تو سخت نادانی ہے۔ کیونکہ آج یہ ثابت ہوگیا ہے، کہ فضا میں جو لہریں پیدا ہوتی ہیں، وہی لہریں آوازوں میں منتقل ہوجاتی ہیں۔ جو باتیں ریڈیو پر لوگ روزانہ سنتے ہیں، یہ لہروں میں منتقل کرکے پہونچائی جاتی ہیں۔ زبان کے متعلق جو علمی بحثیں آجکل ہوتی ہیں۔ ان میں بھی یہ بیان کیا جاتا ہے (گو ابتداء ہر چیز کی، کیا زبان کی اور کیا کسی اور انسانی جوہر کی، ایک ایسا معمہ ہے، کہ خدائی تصرف کو پاسنے بغیر اس کو علمی طور پر حل کرنا محال ہوجاتا ہے) کہ زبان کی ابتداء ان آوازوں سے ہوتی ہے، جو کائنات میں پائی جاتی ہیں۔ ان آوازوں کو انسان نے نقل کیا، اور اس سے انسانی زبان کی بنیاد پڑگئی۔ یہ خیال صحیح ہو یا غلط، بہرحال اس سے یہ تو معلوم ہوجاتا ہے، کہ خدا کی کائنات

سنے یا سننے والا زیں پیدا کرنے کے دو قسم سامان کر سکتے ہیں۔ ہاں ان سامانوں پر تصرف رکھنے والے اور ان کو کام میں لانے والے کی ضرورت ہے۔ اور پھر ان سے پیدا شدہ آوازوں کے سننے والوں کی ضرورت۔

الہامی تعلیمات میں اختلافات کی وجہ

ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے، کہ اگر خدا نے ہر زمانہ میں اپنی آواز سنائی ہے، تو پھر الہامی تعلیموں میں اختلاف نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کا جواب اب عملی طور پر ہی دیا جا سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اب نئی علمی تحقیقات کا میلان یہ ہے، کہ ابتداء میں ہر تعلیم توحید پیش کرتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ حبشیوں کے مذہب کے متعلق بھی جو تحقیقات ہوئی ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ وہ بھی توحید پر ہی قائم تھے۔ ہاں مرور زمانہ سے توحید کا عقیدہ کمزور ہوتا رہا۔ لیکن کمزور ہونے کے بعد پھر طاقت پکڑتا رہا۔

کئی لوگ اب یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، کہ ویدوں میں بھی توحید ہے، اور انجیل کی تثلیث بھی توحید ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ الہامی تعلیموں میں ایک زبردست باہمی اشتراک ہے۔ اور اختلاف جو کچھ ہوا ہے، وہ خدا کے کلام میں نہیں، بلکہ انسانوں کی سمجھ اور ان کی نیتوں میں ہوا ہے۔ پھر کچھ اختلاف ضروریاتِ زمانہ کی وجہ سے بھی ہے۔ یعنی ایک زمانہ میں ایک تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے، مگر دوسرے زمانہ میں اس کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور یہ سلسلہ جاری رہا۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ نے اپنی تعلیم اور ہدایت کو قرآن شریف کی صورت میں مکمل نہ کر دیا۔ اس پر کوئی کہہ سکتا ہے، کہ قرآن شریف کے ماننے والوں میں بھی تو اختلاف ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے، کہ یہ اختلاف اول تو شدید اختلاف نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو آزاد بنایا ہے۔ اور ایک حد تک اس کی رہنمائی کر کے اس کو چھوڑ دیا ہے، کہ وہ اپنے آپ اس کے کلام کے مغز کو سمجھے۔ اس سے یہ اعتراض بھی دور ہو جاتا ہے، کہ الہام سے انسان کی اپنی دماغی ترقی رک جاتی ہے۔ کیونکہ اگر انسان کی اپنی دماغی ترقی رک جاتی ہے، تو پھر شریعت کے منشاء کے متعلق یہ اختلاف کیوں؟ معلوم ہوا کہ کچھ اختلاف انسان کے اپنا آزاد فکر استعمال کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور آزاد فکر انسان کی اپنی دماغی ترقی کیلئے ضروری ہے۔ ہاں کبھی اختلاف شدید بھی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اس زمانہ میں مسلمانوں میں ہے۔ جس کا نتیجہ یہ

ہو رہا ہے کہ چند مسلمان بھی ایک لمبے عرصہ کیلئے کسی بات پر جمع نہیں ہو سکتے۔ جب بھی ایسا ہوتو پھر خدا اس کو الہام کے ذریعہ دور کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اس زمانہ میں اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حَکَم اور عدل بنا کر کیا۔ چنانچہ جماعت احمدیہ میں وہ تمام فروعی اختلافات مٹا دیئے گئے ہیں جو عام مسلمانوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کئے ہوئے ہیں۔ گویا اختلاف پیدا اس وقت ہوتے ہیں جب الہام سے بُعد ہو جاتا ہے۔ اور مٹتے ہیں تو الہام کے ذریعہ۔

خلاصۂ کلام | خلاصہ یہ ہے کہ الہام کے ذریعہ ہی انسان نے سفلی زندگی اور جہالت سے ترقی کر کے اخلاق اور عرفان حاصل کیا۔ الہام کے ذریعہ ہی اس کی ہدایت کی تکمیل ہوئی۔ اور آئندہ الہام کے ذریعہ ہی وہ اس ہدایت سے فائدہ اٹھانے کے قابل ہوگا۔ ہر زمانہ میں کچھ ایسے افراد اور مسائل پیدا ہو جاتے ہیں، جنہوں نے لوگوں کے اعمال اور عقائد پر ایسا تصرف کر رکھا ہے جس کا حق ان کو ہرگز نہیں ہوتا۔ الہام کے ذریعہ خدا تعالیٰ ایک نیا معیار قائم کرتا ہے۔ اور وہ جو عزت کے لائق ہوتا ہے، اس سے جدا کر دیا جاتا ہے، جو عزت کے لائق نہیں ہوتا۔ اور وہ جو حق بات کہتا ہے اس سے جدا کر دیا جاتا ہے، جو حق بات نہیں کہتا، بلکہ حق کو چھپا رہا ہوتا ہے۔ یہ نیا معیار اور نیا امتحان خدا کا الہام ہی قائم کر سکتا ہے۔ پس یہ بھی ایک زبردست ضرورت الہام کی ہے جو ہر زمانہ میں پیش آتی رہتی ہے۔ اور جو الہام کے ذریعہ ہی پوری ہو سکتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیغام | ہمارے پاس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زندگی بخش پیغام موجود ہے۔ آپ نے دنیا کو یہی پیغام دیا۔ کہ تمہارا یہ کہنا کہ پہلے خدا اپنے تئیں ظاہر کیا کرتا تھا، اور اب ایسا نہیں کرتا، یہ غلط ہے۔ اس پیغام میں آپ نے دنیا کے تمام مذاہب اور طبقوں کو مخاطب کیا، اور کہا، کہ آج بھی خدا اسی طرح انسان کے قریب ہے جس طرح وہ پہلے زمانوں میں تھا۔ آج بھی اس کی تجلیاں ویسے ہی ظاہر ہو رہی ہیں، اور وہ ویسے ہی انسانوں سے کلام کرتا ہے، جیسا کہ پہلے زمانوں میں ہوتا رہا ہے۔ اسی زندگی بخش پیغام اور اس کے ساتھ آپ کے اپنے یقین نے جو آپ کو الہام کے ذریعہ حاصل ہوا، ہم سب کو یقین اور ایمان سے بھر دیا ہے۔ اس

پیغام کو میں آپؑ کے ان اشعار سے دُہرا دیتا ہوں :- ؎

ہے غضب کہتے ہیں اب وحیٔ خدا مفقود ہے
اب قیامت تک ہے اِس اُمت کا قِصّوں پر مدار

یہ عقیدہ برخلافِ گفتۂ دادار ہے
پر اُتارے کون برسوں کا گلے سے اپنے ہار

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم
اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

گوہرِ وحیٔ خدا کیوں توڑتا ہے ہوش کر
اک یہی دیں کے لئے ہے جائے عزّ و افتخار

یہ وہ گُل ہے جس کا ثانی باغ میں کوئی نہیں
یہ وہ خوشبو ہے کہ قرباں اس پہ ہو مشکِ تتار

یہ وہ ہے مفتاح جس سے آسماں کے در کھلیں
یہ وہ آئینہ ہے جس سے دیکھ لیں رُوئے نگار

بس یہی ہتھیار ہے جس سے ہماری فتح ہے
بس یہی اک قصر ہے جو عافیت کا ہے حصار

ہے خدا دانی کا آلہ بھی یہی اسلام میں
محض قصّوں سے نہ ہو کوئی بشر طوفاں سے پار

اِسلامی کلچر کی رُوح

تہذیبی (کلچرل) اتحاد کیلئے ایک زبردست بُرہان

(۲)

(از خان بہادر مولوی عطاء الرحمٰن صاحب اسسٹنٹ ڈائرکٹر محکمہ تعلیم آسام)

ہمارے اُوپر کے بیان سے یہ بات بالکل ظاہر ہوجاتی ہے، کہ اسلام کی اٹل وحدانیت نے، کہ وہ خود ایک بہت بڑا ذریعہ اتحاد ہے، اسلام کے انسانی تصور کو بہت بلند اور اس کے ذہنی افق کو بہت وسیع کردیا ہے۔ اس نے عالمگیر برادری کے اصل کو تسلیم کرتے ہوئے انسانوں اور جماعتوں کے درمیان مصنوعی امتیازات کو بالکل مٹا دیا ہے۔ اور انسانوں کو پرکھنے کے اور ہی معیار قائم کردیئے ہیں، جن کی بنیاد نیکی اور تقوی اللہ پر ہے۔ اس لئے دوسرے انسانوں کے متعلق (خواہ ان کا رنگ قومیت اور عقیدہ کچھ بھی ہو) مسلمانوں کا رویہ بہت روادارانہ ہے۔ تاہم رواداری ایسی نیکی ہے، جو اپنے اندر منفی ([illegible]) پہلو رکھتی ہے۔ علم کے ساتھ قدر شناسی اور قدردانی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے اسلام نے علم کو حاصل کرنے اور پھیلانے کے لئے تحقیق کی اِس رُوح کو اُبھارا ہے اور اسے حاصل کرنا ایک مذہبی فریضہ قرار دے دیا ہے۔ اس قسم کے قوانین نے، جن کے ساتھ ایک جاہد وحدانیت کی طاقت شامل تھی، ایک شاہ زور قوم کی طاقتوں کو واگذاشت کردیا جنہیں اُس (قوم) نے عظیم الشان اسلامی کلچر کے بنانے میں صرف کیا۔ یقیناً اسلام نے اپنی تمام تاریخ میں ایک زبردست تمدنی طاقت کے طور پر کام کیا ہے۔ سی۔ ایف۔ اینڈریوز آنجہانی لکھتے ہیں، کہ اسلام جہاں کہیں بھی مسلمانوں کی برادری کے تصور کو لیکر گیا، اس نے ان تمام لوگوں کی حیثیت اور انسانی زندگی کے

معیار کو بلند کر دیا، جنہوں نے اسے بطور ایک زندہ مذہب کے قبول کیا۔"

جو ہمارے ملک میں جب مسلمان آئے، تو قدیم ویدک تہذیب کے بچے کھچے نشانات پائے جاتے تھے۔ وحدت کا آفتاب غروب ہو چکا تھا، اور ملک میں برہمن ازم کا طوطی بول رہا تھا، اچھوتوں پر اپنی تمام جابرانہ سختیوں کے ساتھ ذات پات کا نظام قائم تھا۔ اسلامی اور ہندی تمدن کے اس اساسی اختلاف نے کہ ایک کی بنیاد خالص توحید پر ہے، اور دوسرے کی ترکیب میں صنم پرستی یا وحدت وجودی پائی جاتی ہے۔ ایک میں انتہائی درجہ کی جمہوریت ہے، اور دوسرے میں نسلی سلسلۂ مدارج، ایسا اوقات ایسے ثقافتی امتزاج کے راستہ میں ناقابل حل مشکلات پیدا کر دیں، جو دوسرے آریائی ملک یعنی ایران میں ہو چکا تھا۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کے چند ابتدائی حملوں نے اسلام کے خلاف منافرانہ جذبات پیدا کر دیئے، اور اس تصور کو قائم کر دیا، جس کی نسبت ہم سب جانتے ہیں کہ وہ حد درجہ غلط ہے۔ یعنی یہ کہ اسلام کے تصورات جنگجویانہ ہیں، اور وہ ہندوستان میں ظالمانہ دراندازی کا مؤید ہے۔ اس روشنی کے زمانہ میں بھی ہمیں اخبار نویسوں کی اِدھر اُدھر کی ایسی تحریریں مل جاتی ہیں، جن میں اس قسم کی رائے کا اظہار ہوتا ہے، جس سے عیاں ہو جاتا ہے، کہ وہ ساری پوزیشن کو بالکل غلط سمجھے ہیں۔ ایسی غیر ذمہ وارانہ آراء ان دنوں میں تو خاص طور پر نقصان رساں ہیں، جبکہ ہم سب یہ کوشش کر رہے ہیں، کہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ امن اور کلچرل ہم آہنگی قائم ہو جائے۔ ہر چند کہ گذشتہ سالوں میں ایسی کتابوں کی ایک کافی تعداد شائع ہوئی ہے، جن میں ہندو اور مسلمانوں کے کلچرل تعلقات کے بہت سے پہلوؤں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ پھر بھی ایک دوسرے کی کلچرل تاریخ سے بہت حد تک ناواقفیت پائی جاتی ہے اور یہ اعتراف کرنا چاہیئے، کہ دونوں قوموں کے درمیان اختلافات کو بڑھانے کا یہ کوئی معمولی سبب نہیں۔ مسٹر ایم۔ این رائے نے اپنی مشہور کتاب "اسلام کا تاریخی کارمنصبی" [illegible] کے دیباچہ میں بالکل سچ لکھا ہے، کہ "یقیناً ایسی کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی، کہ کوئی دو قومیں ایک ہی ملک میں اتنے لمبے عرصہ تک اکٹھی رہی ہوں۔ اور دونوں ایک دوسرے

کے کلچر کی اس درجہ ناقدرشناس ہوں"

مسٹر راے آگے چلکر لکھتے ہیں کہ:- "آج ہم ہندوستانیوں اور بالخصوص ہندوؤں کے لئے اسلام کے تاریخی کارمنصبی کو نیز اُس حصّہ کو جو اسلام نے تہذیب انسانی کی تعمیر میں لیا ہے، صحیح طور پہ سمجھنے کے سوال نے ایک نہایت زبردست سیاسی اہمیت حاصل کرلی ہے"

ہم اِس پر صرف یہ اضافہ کرنا چاہتے ہیں، کہ ہندی مسلمانوں کو قدیم ہندو کلچر کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیئے جس نظر سے انہوں نے مصر اور ایران کے پُرانے کلچروں کو دیکھا۔ انہیں ہندوؤں کی تہذیب کو اسی رُوح سے سمجھنا اور اس کی قدر کرنی چاہیئے، جو ان کے غیر متشدد مذہب (اسلام) اور روشن تمدّن کے شایانِ شان ہے۔

اسی سلسلہ میں ہم کو یہ بیان کرنے میں کوئی معذرت پیش کرنے کی ضرورت نہیں، کہ آپ کے نہایت واجب الاحترام وائس چانسلر نواب مہدی یار جنگ بہادر نے اگلے روز ہی اندھرا یونیورسٹی کے سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر اپنے خطبہ میں ایک نفیس نکتہ بیان کیا، جبکہ انہوں نے کہا کہ "ہندو مسلم تہذیبوں کے باہمی اتصال سے پیدا شدہ ایک کامل ہم آہنگی تاریخ کے سب سے دلچسپ واقعات میں سے ہے۔ مسلمان اپنے ساتھ بود و ماند کا جداگانہ طرز لائے۔ اور خوراک و لباس وغیرہ معاملات میں انہوں نے نفاستیں پیدا کیں اور مال و قضا کے نظام قائم کئے۔ نیز ایسے درباری آداب مقرر کئے، جن کی پیروی آجتک ہندوستانی درباروں میں کی جاتی ہے۔ مزید برآں اسلامی حکومت نے اُس وقت کی معاشرتی زندگی اور مذہبی خیالات کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ اس کا رجحان ہندو اور مسلم اعتقادات کے مابین باہمی مفاہمت پیدا کرنے کی طرف تھا۔ اس طرح ہندوؤں میں وہ مذہبی لیڈر ملک کے ہر دو حصوں ــــ شمال و جنوب ــــ میں پیدا ہوئے، جنہوں نے ایسے فرقے قائم کئے، جو کم و بیش موحد خیالات کے تھے۔ اور اکثر ہندو مسلمان اولیاء کی تعظیم مسلمانوں ہی کی طرح کرتے تھے۔ ایسے مذہبی مصلحین کی مثالوں میں راماننداور کبیر کو شمال میں اور واسو (لنگایت فرقہ کے بانی) کو جنوب میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں نے بھی اپنی جگہ ہندوؤں کے بہت سے طور طریقوں مثلاً رسم شادی، تہوار، میلوں ٹھیلوں

بعض مقبول عام اوہام کو بھی اختیار کر لیا۔

پیشتر اس کے کہ ہم اس اثر کو کسی قدر تفصیل سے بیان کریں، جو اسلام نے ہندوستانی زندگی اور خیال پر کیا ہے۔ ہم اس قابلِ افسوس غلط فہمی کو دُور کرنا چاہتے ہیں، جو بعض حلقوں میں پائی جاتی ہے کہ اسلام ہندوستان میں مسلمان حملہ آوروں کے ساتھ داخل ہوا۔ ہندوستان میں نئے خیالات کا بہاؤ درحقیقت فوجی حملوں سے بہت قبل شروع ہو چکا تھا۔ عربوں کو اسلام کے ابتدائی زمانہ ہی سے ——— اور بعض محققین کے قول کے مطابق زمانہ ما قبل اسلام ہی سے ——— سمندری تجارت کی اجارہ داری حاصل تھی۔ اور ہندوستانی باشندوں سے بھی ان کے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ ان تعلقات نے اسلام کو مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ بالخصوص مالا بار میں پھیلنے میں بہت مدد دی۔ عرب تجار بصرہ سے جو اُس وقت تجارت کا کامیاب مرکز تھا روانہ ہو کر کراچی اور سُورت کے راستہ سے مالا بار کے ساحل تک پہنچتے تھے۔ ان میں سے اکثر نے اِس ملک میں شادیاں کر لیں۔ اور یہیں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ ملک کے اصلی باشندوں نے ان تاجروں کا ان کی صاف زندگی اور اعلیٰ کلچر کی وجہ سے خیر مقدم کیا۔ حاکموں کے پاس بھی انہیں رسوخ حاصل تھا۔ کیونکہ وہ دیانتداری سے ملک کے اندرونی نظم و نسق میں مداخلت سے مجتنب رہتے تھے۔ اِن تجار کی یہ پُرامن رہائش اُن تجارتی تعلقات سے ملکر جو مقامی باشندوں کی خوشحالی کا باعث ہوئے، ان نہایت زبردست حقائق میں سے ایک ہے جو ہندوستان میں اسلام اور اس کے تمدنی اصول کے پھیلانے میں ممد ہوئے۔ مسلمانوں کے ابتدائی حملوں کے باوجود ملکی باشندوں کے مسلمانوں سے یہ دوستانہ تعلقات قائم رہے۔ مسعودی اور ابن حوقل ہر دو نے، جو ہندوستان میں دسویں صدی میں آئے، ہندو حکمرانوں کی مسلمانوں سے گہری دوستی کی تعریف کی ہے۔ ہمارے پاس یہ چیز بھی ریکارڈ میں موجود ہے، کہ سدھیراج نے بارھویں صدی کے شروع میں کھمبات کے ہندوؤں کو مسلمان سوداگروں پر حملہ کرنے کی وجہ سے سزا دی تھی، اور حکم دیا تھا، کہ مسلمانوں کو مساجد بنانے کے لئے سرکاری خزانہ سے روپیہ دیا جائے۔

عرب تاجروں کے علاوہ مسلمان اولیاء اور درویشوں نے بھی اپنی پاکیزہ زندگی کے سبب عام الناس

میں کافی اثر حاصل کر لیا تھا۔ اور وہ بھی اپنے وعظ اور نمونہ سے اس ملک میں اسلام کی اشاعت کا باعث ہوئے۔

گیارھویں صدی کے نامور بزرگ

حضرت داتا گنج بخشؒ پنجاب میں ایک بڑی تعداد کو مسلمان بنانے کا موجب ہوئے۔ اسی صدی میں مشہور صوفی خواجہ فریدالدین عطارؒ کے ذریعہ بھی ہندوستانیوں کی بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا۔ خواجہ معین الدین چشتی سجستانیؒ (المتوفی ۶۳۳ھ) نے راجپوتانہ، صوبجات متحدہ اور دکن میں تبلیغی ادارے قائم کئے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے دہلی میں، قطب جلال الدین نے آگرہ میں، حضرت مخدوم علی صابرؒ نے رڑکی میں، حضرت سید علی ہمدانی اور بلبل شاہ نے کشمیر میں، سید محمد گیسو دراز نے پونا اور بیجاپور میں، شاہ جلال الدین یمنی نے آسام میں، حضرت ابراہیم شہید اور بابا فخرالدین نے جنوبی ہند کے حصوں میں پُرامن تبلیغی جدوجہد کو بڑی کامیابی کے ساتھ جاری رکھا۔ بنگال میں اسلام زیادہ تر دیہات میں غرباء کے اندر پھیلا۔ سر ڈبلیو ہنٹر لکھتے ہیں:۔ "اسلام کو لوئر بنگال میں اپنی مستقل کامیابی جبر سے نہیں، بلکہ اس وجہ سے ہوئی، کہ یہ لوگوں کے دلوں پر اثر کرتا تھا۔ اور اس میں داخل ہونے والوں کی بڑی تعداد غریب طبقے میں سے تھی۔ اس نے خدا تعالیٰ کا ایک ارفع تخیل اور انسانی اخوت کا ایک پاکیزہ نظریہ قائم کیا۔ اس نے بے شمار پسماندہ اقوام کو جو صدیوں سے ہندو قوم میں رذیل تصور کی جاتی تھیں، اپنے اندر ایک نئی معاشرتی تنظیم کی صورت میں کھلی پیشکش کی۔"

آیئے اب ذرا ہم تفصیل کے ساتھ مطالعہ کریں، کہ مسلمانوں اور ان کے تمدن کے اتصال سے ہندوؤں کی زندگی اور خیال کن خاص دوائر میں اور کس خاص طریقے سے متاثر ہوئے۔

(الف) ہندوستان کا اپنی قدرتی حدود سے باہر کے ملکوں سے وہ تعلق جو بدھ مت کے زمانہ میں قائم تھا، لیکن آٹھویں صدی میں ہندومت کے برسرِ عروج آنے پر جاتا رہا، اسلامی فتح سے دوبارہ قائم ہوگیا۔ سلطان محمود کے حملوں کی نسبت خواہ کچھ رائے ہی رکھی جائے، تاہم یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان حملوں نے کم از کم ایک خدمت تو ہندوستان کی ضرور انجام دی۔ اور وہ یہ کہ انہوں نے ہندوستان کے خیال

مغربی حصوں اور سرحد پار کے ملکوں کے مابین شاہراہ کو کھول دیا۔ اور اس سے قدرتی طور پر اس ملک اور سمرقند، بلخ، بخارا، کابل، غزنی، خراسان اور ایران کے درمیان تجارت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔

(ب) ہندوستان نے وہ تمام فوائد حاصل کئے جو ایک صدیوں سے قائم شدہ باضابطہ حکومت سے میسر آتے تھے۔ قبل ازیں ہندوستان میں ایک قسم کی جاگیرداری کی طرز کی مذہبی حکومت قائم تھی۔ اس کی بجائے اسلامی حکومت کے وقت میں سیاسی اتحاد کا ایک بلند درجہ حاصل ہو گیا۔ اب صرف ایک ہی سلطنت تھی جس کا پایۂ تخت دہلی تھا۔ ملک میں ایک ہی قانون تھا۔ اور ایک ہی ملکی زبان تھی یعنی فارسی۔ امن اور خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ اور لوگ عام طور پر مطمئن اور فارغ البال تھے۔

ہم یہاں آنریبل سر محمد عزیز الحق (جو حال ہی میں ہائی کمشنر فار انڈیا مقرر ہوئے ہیں) کی تقریر سے جو انہوں نے آل انڈیا ایجوکیشنل مسلم کانفرنس ۱۹۴۰ء میں کی کچھ حصہ یہاں نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"مسلمان بادشاہوں اور حکمرانوں کے عہد میں ہندوستان کی ذہنی اور معاشرتی زندگی میں ایک نیا امتزاج شروع ہوا۔ اس کے عقب میں فنون، ادب، ریاضی، طب، فن عمارت اور انجینئرنگ کی ایجاد اور نشوونما ہوئی۔ سڑکیں، پل اور آبپاشی کی نہریں تعمیر کی گئیں۔ صنعت، تجارت اور بیوپار نے بے حد ترقی کی، اور صوبجاتی حدبندیاں توڑ دی گئیں۔ کل نظام قضائی اور مالی ایک تجویز کردہ اصول پر منظم کیا گیا۔ مکتب اور مدرسے قائم کئے گئے جن کے دروازے ہر ایک کیلئے بلا استثناء قوم و مذہب کھولے گئے۔ ہندوؤں کا مقدس لٹریچر اور پرانے سائنٹفک اور ادبی خزانوں کے ترجمے کئے گئے۔ حکومت کی ہیئت ترکیبی میں کوئی قومی یا مذہبی امتیاز روا نہ رکھا جاتا تھا۔ چوٹی کے فوجی عہدے ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھے۔ مالیہ کے سنگیر محصل بغیر کسی مذہبی یا قومی امتیاز کے فوری طور پر بدل دیئے جاتے تھے۔ جاگیریں اور اوقاف مسجدوں اور مندروں ہر دو کو عطا کئے جاتے تھے۔ اور تمام اقوام کے ادیبوں کی ایک ہی جیسی سرپرستی کی جاتی تھی۔ اور آج کے ہندوستان کا بہت کچھ مسلمانوں کے اس ملک میں آنے کا مرہون احسان ہے"

(ج) ہندوؤں کا اسلام سے تعلق اور مسلمان اولیاء کی روحانی تاثیر لازماً ہندوؤں کے مذہبی خیال

پر اثر کرنے والی چیزیں تھیں۔ اور یہ اثر ان موحدانہ رجحانات کی شکل میں ظاہر ہوا، جو اُس وقت ہندوازم میں پیدا ہونے والی کئی ایک نئی مذہبی تحریکات میں نمایاں تھے۔ شنکرا کا اصول اسلامی اثر کے نشانات کا حامل ہے۔ اور یہ بات بالکل معقول ہے۔ کیونکہ وہ مالابار میں پیدا ہوا، جہاں ان دنوں اسلامی اثر سب سے زیادہ تھا۔ شنکرا کے جانشین رامانوجا نے مذہب کے عبادتی پہلو اور ایک خدا پر ایمان پر زور دیا۔ رامانوجا کے شاگرد رامانند نے اپنی کوششیں ہندو مذہب کے ڈھانچہ میں ایسی تبدیلیاں پیدا کرنے میں صرف کیں، جو ہندو اور مسلمان ہر دو کے لئے قابل قبول ہوں۔ رامانند کے پیرو کبیر نے وجودیت کے عقیدہ اور توحید کے اصول کو ایک دوسرے کے بالکل قریب لا کر دونوں مذاہب میں مطابقت وموافقت کو اپنا نصب العین بنایا۔ اس کی متصوفانہ نظموں میں ہر جگہ یہی روح نظر آتی ہے۔ گورونانک نے جو اصلاً ایک عملی آدمی تھے زیادہ زور مذہب کے اخلاقی پہلو پر دیا۔ کبیر کی طرح وہ بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی اتحاد کے بلند خیال سے مملو تھے۔ ڈاکٹر تاراچند اپنی نفیس تصنیف "ہندوستانی تمدن پر اسلام کا اثر" (Influence of Islam on Indian culture) میں لکھتے ہیں:۔ "یہ بیان کرنا بالکل غیر ضروری ہے کہ گورونانک اسلام کے کس قدر زیادہ مرہون احسان تھے۔ کیونکہ یہاں کے الفاظ اور خیالات سے بالکل عیاں ہے۔ وہ واضح طور پر تصوف میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور یہ امر واقعہ ہے، کہ یہ معلوم کرنا کہ انہوں نے ہندو مقدس کتب سے کتنا اخذ کیا بہت زیادہ مشکل ہے۔" مسلمان درحقیقت ان کو مسلمان ہی تصور کرتے تھے اور یہ بات اس نزاع سے جو آپ کی وفات پر آپ کے ہندو اور مسلمان متبعین کے مابین لاش کی تدفین کے متعلق ہوا اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے۔ پندرھویں صدی میں سری چیتنیا ایک بڑا مصلح بنگال میں ظاہر ہوا۔ اس کی بابت جادو بھٹاچاریہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے، کہ چیتنیا مسلمانوں سے بے حد محبت رکھتا تھا اس میں کوئی شک نہیں، کہ اس کی تعلیم اسلامی خیالات سے بہت متاثر تھی۔ اس نے ہندو مذہب کی رسوم پرستی کو توڑ کر محبت و زہد کے طریق عبادت کو جس پر ہر کوئی بلا استثناء قوم وملت عمل کر سکتا تھا ترجیح دی۔ ہندوؤں کی معاشرتی زندگی میں بھی ایک بڑی تبدیلی واقع ہوئی۔ اکبر کے زمانہ ہی میں ہندو

عیسائیوں نے اسلامی لباس اور طرز کو اختیار کر لیا۔ گو ذات پات کا امتیاز قائم رہا۔ لیکن اس کی سختی جاتی رہی تھی۔ اور اسلام کے جمہوری اثر کے ذریعہ ایک خاص حد تک معاشرتی مساوات قائم ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر ایشوری پرشاد لکھتے ہیں، کہ "اسلام نے ہماری قومی اصل میں زرخیز طاقت کا ایک نیا جزو ایزاد کر دیا۔ اور ایک قابلِ قدر تمدن رائج کیا۔ اسلامی عادات و اطوار نے ہندوؤں کے اعلیٰ طبقہ کی ماہیت کو بدل دیا۔ اور اس جِلا اور نفاست کا جو ہم جدید سوسائٹی میں پاتے ہیں اکثر و بیشتر حصہ انہیں کا منت کش ہے۔"

(۳) اردو زبان کی پیدائش اور صوبجاتی دیسی زبانوں کی ترقی اسلامی اثر کی بدولت ماننی پڑے گی ادب ہمیشہ امن کے زمانہ میں پنپتا ہے۔ صوبجاتی دیسی زبانوں جیسے مرہٹی، بنگالی، اور آسامی نے اسلامی زمانہ ہی میں شکل اختیار کی، اور ان زبانوں میں سے ہر ایک میں بہت سے عمدہ لٹریچر کا اضافہ ہوا۔ دنیش چندر اسین جو بنگالی زبان اور ادب کی تاریخ کے موضوع پر مستند مانے جاتے ہیں لکھتے ہیں "بنگالی کی ادبی معیار تک رفعت کئی ایک اثرات کی وجہ سے وقوع میں آئی۔ اور بغیر کسی شک و شبہ کے یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اسلامی تسلط اوّلین اثرات میں سے ایک ہے۔"

ملک میں بدقسمتی سے ہندی اور اُردو سے متعلق ایک تلخ اور غیر ضروری بحث جاری رہی ہے۔ ہماری نظر میں اُردو کی ابتداء ہندو مسلم تعلقات کے نتیجہ میں تھی۔ اور اگر آج یہ اپنی زرخیز تصانیف کے ساتھ ایک بہت ترقی یافتہ زبان بن گئی ہے۔ تو دراصل یہ دونوں قوموں کی اجتماعی کوشش کی وجہ سے ہے جیسو یونیورسٹی کے پروفیسر شستری نے بالکل درست کہا، کہ "گو ہندی اور اردو وضع قطع میں جدا جدا ہیں لیکن ابتداء اور سپرٹ کے اعتبار سے یہ دونوں ایک ہیں۔ اُردو مسلمانوں کی نسبت زیادہ تر ہندوؤں کی ضروریات کا نتیجہ ہے۔ مغل، افغان اور ایرانی شرفاء آپس میں گفتگو فارسی میں کیا کرتے تھے۔ اور ان کی خط و کتابت بھی اسی زبان میں تھی۔ لیکن ہندوؤں نے جو ان کے ماتحت کام کرتے تھے، اور جنہوں نے فارسی میں تعلیم حاصل کی تھی، فارسی اور اپنی مادری زبان ہندی کا ایک مرکب سا بنا لیا۔ اس مرکب کے ماحصل کو اُردو کہا جانے لگا۔ مسلمان اسے ہندوؤں سے اپنے کاروبار میں استعمال کرتے تھے۔"

اگر ہم سب اس بات کو یاد کریں، کہ زمانۂ گذشتہ میں امیر خسرو، ملک محمد جیسی، عبدالرحیم خان خاناں وغیرہ مسلم مصنفین کی ایک بڑی تعداد نے ہندی زبان اور ادب میں قابل ذکر حصہ لیا، ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ دیا شنکر نسیم۔ میدو لال نذار۔ سراپ سنگھ دیوانہ۔ رتن ناتھ سرشار۔ منشی درگا سہائے سرور وغیرہ بہت سے ہندو مصنفین نے اردو ادب میں خود کو ممتاز کیا ہے، تو اس نزاع کی درشتی بہت حد تک دور ہو جائیگی۔ زمانۂ حال میں منشی اجمیری کی ہندی تصانیف اپنا جواب پنڈت برج نرائن چکبست کے اردو ادب کے قیمتی مقالوں میں پاتی ہیں ہم فخر کے ساتھ بیان کرنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ ریاست حیدرآباد کے موجودہ روشن خیال حاکم اور ان کے والد مرحوم کے قلموں سے نکلی ہوئی نظمیں، جو اردو ادب کے جواہر ریزے ہیں، کس قدر وسیع حلقوں میں پسند کی گئی ہیں۔ اسی طرح ہم اردو نظم کے ان شاہ کاروں کا بھی ذکر کرنا چاہتے ہیں، جو مہاراجہ کرشن پرشاد ایسی بلند ہستی (کہ ان کا نام بھی حیدرآباد میں زبان زد خلائق ہونا چاہیئے) کی تصنیف ہیں۔ نیز ہم ہندو مسلم اتحاد کے داعی رائٹ آنریبل سر تیج بہادر سپرو کی ہندی، اردو مسئلہ کے حل اور اردو ادب کی بہتری کے لئے قیمتی کوششوں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ مزید برآں ہم ہندوستان کے انتہائی مشرقی حصہ سے (جس کی یہیں اس کانفرنس میں نمائندگی کرنے کی مسرت حاصل ہے) ہندوستان کی موجودہ زمانہ کی سب سے بڑی تعلیمی تجربہ گاہ — عثمانیہ یونیورسٹی — کی تیز رو ترقی کا مطالعہ کرتے رہے ہیں، جسے ہز ایگزالٹڈ ہائی نس نظام حیدرآباد کی سرپرستی کا فیضان اور پرورش کا فخر حاصل ہے۔

(۳) مسلمانوں نے ہندوستان کو جو بڑے تمدنی عطیے بخشے، ان میں سے دو عوام الناس میں اشاعت تعلیم اور پبلک لائبریریوں کا قیام ہیں۔ مسلمانوں کا تعلیمی نظام ان کے مذہب کی طرح کلیتہً جمہوری تھا۔ ہر گاؤں کو پرائمری سکول اور مکتب میسر تھے۔ علم کی دولت چند خوش قسمتوں تک محدود نہ تھی، بلکہ اُسے عالمگیر بنا دیا گیا تھا حتی کہ غلاموں کو بھی تعلیم حاصل کرنے کے مواقع اور آسائشیں مہیا کی گئیں۔ یہی وہ جمہوری تحریک ہے جو ان دونوں کتب کی تیاری اور پبلک لائبریریوں کے قیام کی محرک ہوئی۔ مسلمان شہنشاہوں نے مسودات مہیا کرنے اور ان کے دوبارہ مثنیٰ تیار کرنے نیز فن خوشنویسی کی علم

طور پر حوصلہ افزائی کی۔ ڈاکٹر ٹامس لکھتے ہیں، کہ اسلامی عہد کو یقیناً لائبریریوں کے لئے سنہری زمانہ کہا جا سکتا ہے۔ ہندوستان میں اسلامی طاقت کے قیام کے ساتھ پہلی مرتبہ بڑی اور چھوٹی لائبریریوں کی ایک سریع اور غیر معمولی ترقی دیکھنے میں آئی۔ اسی طرح بہت سے کتب خانوں کی خوبصورت عمارتوں کی تعمیر بھی اسی زمانہ میں ہوئی۔

(ص) اسلام کا اثر ہندوستانی صنعت و حرفت اور فن تعمیر پر درحقیقت بہت زیادہ ہے۔ اسلامی نقاشی چینی اجزاء کی ایزادی کے ساتھ عربی اور ایرانی اداروں کے مرکب کی نمائندگی کرتی تھی جس کو تیمور اور اس کی اولاد نے اختیار کیا تھا۔ اس کی تخلیقی تحریک بہزاد سے ہوئی۔ جو پندرھویں صدی کا سب سے بڑا نقاش اور مصوری کے ہندی مغل ادارہ کے معرضِ وجود میں آنے کا باعث تھا۔ جلا دینے کا نہایت نفیس اسلوب عمل اور چمکدار الوان کے لطیف نقشے تیار کرنا اس ادارہ کی دو بڑی خصوصیات تھیں۔

اسی قسم کا اتحاد فنِ تعمیر میں ہوا۔ اور اس کے نتیجہ میں ہندو فنِ تعمیر نے خوبصورتی، نقش و نگار، اور تعمیر میں کمال کے جمالیاتی معیار حاصل کئے۔ اس کے مجموعی نتیجہ کے طور پر ہندی اسلامی صنعت کا ایک نیا مسلک معرضِ وجود میں آیا۔ ٹھوس پن جو پرانی عربی مسلک کی روح تھا، مغلیہ طرز کی زینت و جمال، موزونیت اور ترتیب سے موافقت کھاتا تھا۔ تفصیلی نقش و نگار کی احتیاط اور باریک قسم کی دستکاری ہندی صنعت کا حصہ تھیں۔

یہاں پر یہ امر بیان کر دینا چاہیئے، کہ مسلمان شاذ و نادر ہی کبھی تہذیبی غارتگری کے مرتکب ہوئے ہونگے۔ جوزف ہل لکھتا ہے "یہ امر موجب حیرت ہے، کہ عربوں کو اپنی فتوحات کے دوران میں زمانہ ماضی کی صنعتی یادگاروں کو محفوظ اور قائم رکھنے کا حد درجہ خیال تھا۔ حتیٰ کہ اسی شوق میں وہ عیسائیوں کے ساتھ انکی خوبصورت عبادتگاہوں میں عبادتی اغراض کے لئے شریک ہو جانے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔"

مسلمان شہنشاہوں نے ہندوستان میں فنِ تعمیر کے قدیم نمونے پوری احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھے۔ یہ فیروز شاہ تغلق ـــ تعمیرات بنانے والا ـــ ہی تھا، جس نے اشوک کی دو لاٹیں دہلی پہنچا دیں اور ہندو زمانہ کی بے شمار عمارتوں کی مرمت کی۔ اسی نے پرانی یادگاروں کو مرمت شدہ حالت میں رکھنے

کیلئے ایک محکمہ آثار قدیمہ قائم کیا تھا۔

یہ صاف نظر آئیگا، کہ ہندوستان پر اسلامی تمدن کے اثر کا درجہ بہت زیادہ رہا ہے۔ اسلامی تہذیب بھی اپنی جگہ ہندوستان میں ہندوؤں کے تمدن سے بہت زیادہ متاثر ہوئی ہے۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، کیونکہ صدیوں کے گہرے ربط اور ہمسائیگی سے بالضرور بعض تبدیلیاں بالخصوص معاشرتی دائرہ میں ہونی چاہئیں۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کے بہت سے رواج اختیار کر لئے ہیں۔ ان میں سے ایسے بھی ہیں جو راسخ العقیدہ لوگوں کیلئے یقیناً قابل نفرت ہیں، مثلاً اولیاء پرستی، کہ اس سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ تاہم یہ امر واقعہ ہے کہ اسلامی سوسائٹی ہندو تمدن سے کافی متاثر ہوئی ہے۔ روشن خیال طبقہ پر اثر بہ نسبت اس کے جو سطحی طور پر نظر آتا ہے، زیادہ گہرا ہے۔ خلفاء کے وقتوں میں بے شمار قیمتی کتب ہندوستان سے حاصل کر کے ان کے تراجم کئے گئے۔ اس طریق سے ہندو فلسفہ کا کافی حصہ اسلامی ادب میں داخل ہو گیا۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے، کہ اسلام میں تصوف کا آغاز ہندوستان میں تلاش کرنا چاہیئے۔ صلاح الدین خدابخش مرحوم کی بھی یہی رائے تھی۔ وہ لکھتے ہیں، کہ "ایرانی اور عربی فلسفہ کے اصول جو تصوف کے نام سے موسوم ہیں، ان کا ہندوستانی ماخذ ثابت شدہ خیال کرنا چاہیئے۔ کیونکہ حقائق اس کی شہادت دیتے ہیں۔ اگرچہ اس میں بھی شک نہیں کیا جا سکتا، کہ غناسطی (عیسائی فرقہ) اور مانوی خیالات بھی اس میں کثرت سے شامل کر لئے گئے ہیں۔" ڈاکٹر تاراچند الہ آبادی نے یہ نظریہ پیش کیا ہے، کہ نروان کے تصور، ہشت چند راستہ کے دستور، یوگا کے عمل اور معجزاتی طاقتوں کے حصول کو اسلام میں اپنا لیا گیا تھا۔" نیز موصوف کا یہ خیال ہے، کہ تصوف اغلباً ہندو فلسفہ سے متاثر ہوا ہوگا۔ مگر پروفیسر براؤن کا خیال ہے، کہ بعض مشابہتیں جو تصوف کے اصول، اور ہندی اصول بالخصوص ویدانتا سارا کے مابین قائم ہیں، اس نتیجہ کی تصدیق نہیں کرتیں، کہ وہ ہندی اصل کی ہیں۔ پروفیسر براؤن اور فان کریمر (Von Kremer) کا یہ خیال ہے کہ ممکن ہے زمانہ مابعد میں ہندی خیالات نے تصوف کے ارتقاء پر بہت اثر ڈالا ہو۔ تصوف اپنے خالص اصل میں، بلاشبہ

خالص وجودیت، وحدت الوجود، نروان یا روحانی سنتوک کے عقائد کو قبول یا جذب نہ کر سکتا تھا کیونکہ یہ ایسے عقائد ہیں جو اس کے ضروری اصول سے بنیادی طور پر بالکل مختلف ہیں۔ تصوف کا آغاز خواہ کہیں ہی ہو، اس میں کوئی شک نہیں (اور ہمارا اسوقت سوال کے اسی پہلو سے تعلق ہے) کہ ہندوستان میں صوفیاء ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں طور پر نہایت احترام سے دیکھے جاتے تھے۔ صوفیاء نے بحیثیت جماعت اسلام کو عوام میں ہر دلعزیز بنانے میں ایک خاموش لیکن اہم حصہ لیا۔ اور اسلام کی عالمگیر اخوت پر زور دے کر انہوں نے ہندوستان میں تمدنی اتحاد کے قیام میں مدد دی۔ (باقی)

مجمع البحرین یا اسلامی تصوف

اس کتاب میں دو مضمون ہیں۔ ایک وہ جو سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حقیقی اسلام سلسلہ احمدیہ" کے موضوع پر ویمبلے (انگلینڈ) کی مذہبی کانفرنس کیلئے رقم فرمایا۔ اور دوسرا وہ جو اس کانفرنس میں پڑھنے کیلئے "اسلامی تصوف" کے موضوع پر حضرت علامہ حافظ روشن علی صاحب نے تحریر فرمایا۔ یہ مضامین یورپ اور مختلف ممالک کے عمائد میں نہایت پسند کئے گئے۔ اور سب مضامین پر بالا رہے۔ "اسلامی تصوف" اور سلسلہ احمدیہ کی تعلیمات کو ایک نظر سے سمجھنے کے لئے یہ رسالہ بہت موزون ہے۔

قیمت ۳ر محصولڈاک ار

مباحثہ نیروبی

یہ مباحثہ ہماری جماعت کے نونہال مبلغ جناب شیخ مبارک احمد صاحب فاضل اور معاند سلسلہ ال حسین اختر کے درمیان نیروبی (مشرقی افریقہ) میں ہوا تھا۔ مضامین زیر بحث وفات مسیح۔ مسئلہ ختم نبوت اور صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام تھے۔ "ریویو" کے تین پرچوں میں اسکی روئیداد شائع ہوئی تھی قیمت بعایت مع محصولڈاک سات آنے ہے۔ مینیجر ریویو اردو سے ٹکٹ بھیجکر طلب کریں۔

سکھوں اور مسلمانوں کے تعلقات

(۳)

(از جناب گیانی واحد حسین صاحب مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ)

گورو صاحبان نے امرتسر اور کرتارپور میں مسلمان آباد کئے

سری گورو رام داس صاحب نے "گورو کا چک" یعنی امرتسر سمت ۱۶۳۱ بکرمی میں آباد کیا، تو جہاں ہندوؤں کے چار ورنوں کے لوگوں کو آباد کیا، وہاں مسلمانوں کو بھی جگہ دی، اور آباد کیا" (گورمت سدھانت صـ۴۲)

اسی طرح گورو ارجن صاحب نے کرتارپور آباد کرتے وقت مسلمانوں کا خیال رکھا، اور ان کو بھی وہاں بسایا" (گورمت سدھانت صـ۵۴)

سری ہرمندر صاحب کا سنگ بنیاد حضرت میاں میرؒ سے رکھوایا گیا

سری گورو ارجن صاحب نے تالاب مقدس امرتسر کے عین وسط میں سری ہرمندر صاحب کی بنیاد کی اینٹ سائیں میاں میر صاحب کے دستِ مبارک سے رکھوائی۔ معمار نے اینٹ ٹیڑھی خیال کرکے دوسری طرف لگادی، تو گورو صاحب نے فرمایا، کہ دربار صاحب ایک مرتبہ گر کر دوبارہ تیار ہوگا۔ (تواریخ گورو خالصہ صـ۹۹)

دربار صاحب میں کیرتن کی سیوا مسلمانوں کے سپرد کی گئی

گورو ارجن صاحب نے اس مندر میں ہر کیرتن کرنے کے لئے بھائی ستا اور بلونڈا ربابیوں کو مقرر کیا۔ اور عام ربابی جو ست گورو کے وقت سے لیکر آج تک ہرمندر میں کیرتن کی خدمت پر مامور ہیں، انہوں نے اسلام مذہب کو نہیں چھوڑا۔ پیدائش اور موت کی رسومات بھی اسلامی طریق پر ادا کرتے ہیں۔ گورو صاحب ان مسلمان کیرتن کرنے والوں پر ہمیشہ عنایات کرتے رہے۔

(گورمت سدھانت صـ۱۵)

گرنتھ صاحب میں مسلمان بزرگوں کا کلام

سری گورو ارجن صاحب نے سری گورو گرنتھ صاحب کو مرتب کرتے وقت جہاں اور مہاتماؤں اور بزرگوں کے کلام کو درج کیا، وہاں مسلمان بزرگوں حضرت فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حافظ شیخ بھیکن صاحب کے کلام کو بھی سری گورو گرنتھ صاحب کی زینت بنایا۔ اور بھگت سدھنا جی جن کی مسجد سرہند شریف میں ہے، ان کی بانی کو بھی درج کیا۔ اس کے علاوہ ستا۔ بلونڈے اور بھائی مردانہ کی بانی بھی درج کی۔ بعض دوانوں کا خیال ہے، کہ جو شلوک بھائی مردانہ کے نام سے درج ہیں، وہ در اصل بابا نانک صاحب نے کہے ہیں۔ اور مردانہ مخاطب ہے۔ کچھ بھی ہو، سری گورو گرنتھ صاحب میں مسلمانوں کے کلام کا درج ہونا بتاتا ہے کہ گورو مہاراج کو مسلمانوں سے دلی اُنس تھا۔ اور آپ کے ساتھ مسلمانوں کے گہرے تعلقات تھے۔

چندو لال کے مظالم اور میاں میر صاحب کی ہمدردی

چندو لال نے جو رشتہ کی وجہ سے گورو صاحب پر ناراض تھا، اور منافقانہ طور پر انتقام لینے کی فکر میں لگا ہوا تھا، جہانگیر کی غیر موجودگی میں جبکہ وہ حاکم تھا، موقعہ پاکر انتقام لیا۔ آپ کو نہایت بے رحمی سے گرم ریت پر بٹھایا۔ طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ جب یہ خبر سائیں میاں میر صاحب کو ہوئی، تو آپ گورو صاحب کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، کہ اگر آپ کہیں، تو میں سارا ماجرا بادشاہ سے کہکر اُسے سزا دلاؤں۔ سکھ شعراء نے حضرت میاں میر کے جذبات کا اس طرح بزبانِ پنجابی اظہار کیا ہے:۔

چار طرفوں اگ برسے سیک سی تن ساڑ دا — چھالے چھالے ہوگیا جُسا سچی سرکار دا

سائیں میاں میر ڈٹھا حال آجد یار دا — ہوبے عقل رو پیا چیخے تے ڈھائیں مار دا

یہ ہے مسلمان فقیر کی ہمدردی کا اظہار جس سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے، کہ سکھ گورو صاحبان کے ساتھ مسلمانوں کو کس قدر محبت تھی۔

گورو ہرگوبند صاحب کی مسلمان فقراء سے ملاقات

سمت ۱۶۶۸ بکرمی میں لاہور کے سکھوں کی درخواست پر آپ لاہور تشریف لے گئے۔ تو اپنے والد پانچویں پادشاہی گورو ارجن صاحب کے مخلص دوست حضرت میاں میر صاحب کی ملاقات کی۔ ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ انہوں نے اُن کا

استقبال کیا۔ خود گھوڑے کی باگ پکڑ کر انہیں اُتارا۔ اور نہایت معززانہ طریق سے بٹھایا۔ اس موقعہ پر حضرت میاں میر صاحب کے پاس مفصلۂ ذیل نامی گرامی فقراء موجود تھے۔ شیخ جان محمد صاحب لاہوری، محمد اسمٰعیل صاحب المعروف میاں کلہ اور شیخ کرم شاہ صاحب قریشی۔ چنانچہ ان کے ساتھ گورو صاحب کی مذہبی اور معرفت کے مسائل پر گفتگو ہوئی۔ سب ان کے کلام پُر معرفت کو سُن کر خوش ہوئے۔ (چھٹی پادشاہی کی جنم ساکھی صلا و تواریخ گورو خالصہ ص۸۳)

گورو صاحب کے خلاف رپورٹ اور بادشاہ کا حسن سلوک

گورو ہرگوبند صاحب نے گوروؤں کی پُرانی رسم یعنی فقیروں کی ٹوپی پہننا ترک کر کے شاہانہ طریق اختیار کیا۔ دو تلواریں پہنیں۔ لوہ گڑھ کا قلعہ تعمیر کرایا۔ فوج اور سامان جنگ اکٹھا کرنا شروع کیا۔ لوگوں میں آپ کا لقب سچا بادشاہ مشہور ہوا جب ان باتوں کا علم آپ کے تایازاد بھائی یعنی پرتھی چند کے بیٹے مہربان کو ہوا۔ تو وہ حسد کی آگ میں جل گیا۔ اور حاکموں کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو اُکسایا۔ لیکن جب کامیابی نہ ہوئی، تو چندو لال (جو گورو صاحب کا پُرانا دشمن تھا) کے پاس پہنچا۔ اور قاسم بیگ لاہوری سے گورو صاحب کے خلاف رپورٹ کروائی بمصنف تواریخ گورو خالصہ نے وہ رپورٹ حسب ذیل الفاظ میں درج کی ہے:۔

"گورو ہرگوبند نے اپنے بڑوں کی رسومات ترک کر کے ڈاکوؤں کا طریق اختیار کر رکھا ہے اور ایک چبوترے کا نام اکال تخت رکھکر مجلس منعقد کر کے حاکموں کی طرح مقدمات کے فیصلے کرتا ہے اور تعلیم جنگ سیکھنے کا اُپدیش کرتا ہے۔ سامان جنگ اور فوج اکٹھی کر رہا ہے۔ سارا پنجاب اس کا مرید ہے سینکڑے چور ڈاکو ان کے پاس آتے رہتے ہیں۔ اگر اس وقت ان کا انتظام نہ کیا گیا تو یہ لوگ ضرور فساد کریں گے"۔ (تواریخ گورو خالصہ ص۸۴)

دبستان مذاہب کا مصنف سری گورو ہرگوبند صاحب کے پاس کچھ مدت رہا ہے اس نے چشم دید حالات قلم بند کئے ہیں چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔ "ہر کس کہ رو گردانی شدے پناہ باو بردے" (دبستان مذاہب ص۲۳۵) ناظرین خود فرمائیں، کہ صوبیدار کی رپورٹ میں کہاں تک صداقت تھی۔ نیز تواریخ گورو خالصہ

صفحہ میں ان شاہی باغیوں کے نام بھی درج ہیں جو آپ کی پناہ میں رہتے تھے۔ اور بھائی بھگی چند کا شاہی بیگمات کے زیور چرانے کا ذکر بھی تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۱۸۴ میں موجود ہے۔ اور دبستان مذاہب کا مصنف لکھتا ہے:- "وعقیدہ آنش کہ ہرچہ برائے گورو دزدند ستودہ است و در آں ثواب بلکہ سکھاں گویند ہر گونہ گنند روز چند امریداں از اعمال نمے پرسند"۔ (صفحہ ۲۳۴)

گوربلاس وسورج پرکاش و تواریخ گورو خالصہ میں بدھی چند کے چوری کرنے کے کارنامے مرقوم ہیں۔ اور بتایا گیا ہے، کہ اس کے اس فعل کو گورو صاحب بہت پسند کرتے تھے۔ نہ معلوم یہ واقعات کہاں تک درست ہیں۔ گورو صاحب جیسے نیک پرش سے ایسے افعال کا سرزد ہونا ناممکن معلوم ہوتا ہے بتانا یہ مقصود ہے کہ جب یہ رپورٹ بادشاہ کے حضور دہلی پہونچی، تو گورو صاحب کو دہلی طلب کیا گیا۔ چنانچہ لکھا ہے:-

"بادشاہ جو گورو ارجن صاحب کے حالات سے واقف تھا اور ان کو خدا رسیدہ سمجھتا تھا ان کے حالات سننے سے کچھ برگشتہ خاطر نہیں ہوا۔ بلکہ ایک طرح سے اُسے تنبیہ کی اور خود گورو صاحب کی ملاقات کا آرزومند ہوا۔ چنانچہ انہوں نے وزیر خاں نائب وزیر کو جو اس خاندان کا خیر خواہ تھا۔ غنچہ بیگ خاں دس ہزاری سمیت ان کو حضور شاہی میں لانے کے لئے مقرر کیا۔ وزیر خاں جب امرتسر میں آیا، تو اس نے بڑے ادب و تعظیم کے ساتھ شرف حضوری پایا۔ سوا سو اشرفی نذر کی۔ اور عرض کی، کہ حضور شہنشاہ نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔ گورو صاحب پہلے ہی چاہتے تھے، کہ بادشاہ کی ملاقات میسر ہو تاکہ دشمنوں سے انتقام لینے کا موقعہ ملے۔ وزیر خاں کے اس پیغام دینے پر بہت خوش ہوئے، اور دہلی چلنے کی تیاری کرنے لگے"۔ (ملخصاً) (چھٹی پادشاہی کی جنم ساکھی صفحہ ۱۳۱)

گورو صاحب سب کام بابے بڈھے بھائی کلیانے اور بھائی گورداس بھائی بہلو اور بھگتو وغیرہ سکھوں کے سپرد کر کے اپنے ساتھ بدھی چند، بھائی جیٹھا، بھائی پیڑا وغیرہ اور ایک سو پیادہ فوج لیکر دہلی پہنچے دہلی پہونچکر گورو صاحب نے مجنوں کے ٹیلے پر قیام کیا (جہاں پر گورو نانک صاحب ٹھہرے تھے) غنچہ بیگ خان نے بادشاہ سے حکم حاصل کر کے سب سامان تنبو قناتیں اور کھانے کی رسد گورو صاحب

کو پہونچا دیں۔ (تواریخ گورو خالصہ ص۸۸)

اس عرصہ میں وزیر خاں کی معرفت بادشاہ نے گورو صاحب کو ملاقات کے لئے بلایا۔ چنانچہ بیگ خاں اور وزیر خان آپ کو بادشاہ کے پاس لے آئے۔ بادشاہ نے بڑی عزت و احترام سے ملاقات کی۔ گورو صاحب کو چندن کی چوکی پر بٹھایا۔ اور گورو گرنتھ صاحب کے شبد سنے۔ بادشاہ کا دل بہت نرم ہو گیا۔ اور گورو نانک صاحب کی بہت تعریف کرنے لگا۔ گورو صاحب کو ہر روز کچہری میں اپنے ساتھ آنے کو کہا۔ اور مبلغ ۵۰۰ روپیہ روزانہ گورو صاحب کے لنگر اور دانہ گھاس کے لئے مقرر کیا۔

(تواریخ گورو خالصہ ص۸۹)

گورو صاحب بادشاہ کی کچہری میں ہر روز جاتے۔ مقدمات میں مشورہ دیتے اور بادشاہ کے ساتھ مل کر شکار کھیلنے جاتے۔ بادشاہ نے آگرہ کا سفر اختیار کیا، تو گورو صاحب کو اپنے ہمراہ لے گیا۔ وہاں پر راجپوت راجاؤں سے گورو صاحب کو نذریں دلوائیں۔ (تواریخ گورو خالصہ ص۹۰)

جب بادشاہ اور گورو صاحب کی آپس میں محبت بڑھ گئی، تو چندو لال کو جو گورو صاحب کا پرانا دشمن تھا، فکر دامنگیر ہوا، کیونکہ وہ جانتا تھا، کہ جس دن گورو ارجن صاحب کے قتل کا پتہ بادشاہ کو لگ گیا، اسی دن میں مارا جاؤں گا۔ چنانچہ اس نے ارادہ کیا، کہ کسی طرح ان دونوں کے درمیان پھوٹ ڈال دے۔ اتفاق سے بادشاہ بیمار ہو گیا۔ چندو لال نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر عرض کی، کہ حضور گورو ہرگوبند صاحب کو قلعہ گوالیار میں رکھ کر تپ کرایا جائے، تو آپ کو شفا ہو گی۔ اس پر بادشاہ نے گورو صاحب کی رضامندی سے آپ کو گوالیار بھیج دیا۔ اور مبلغ ایک سو روپیہ روزانہ ہون کی سامگری کے لئے مقرر کر دیا۔ جب بادشاہ کی طرف سے گورو صاحب کو واپس آنے کے لئے کہا گیا، تو آپ نے یہ کہکر قلعہ گوالیار سے نکلنے سے انکار کر دیا، کہ جب تک ان ۵۲ راجوں کو جو بغاوت کے جرم میں شاہی قیدی تھے، رہا نہ کیا جائے، میں تب تک قلعہ سے باہر نہ آؤں گا۔ جب یہ خبر بادشاہ کو ملی، تو اسی وقت صرف ایک گورو ہرگوبند صاحب کی خاطر ۵۲ باغی راجوں کو رہا کر دیا۔ (تواریخ گورو خالصہ ص۹۵)

وزیر خاں بڑی عزت سے گورو صاحب کو دہلی لایا۔ اور بادشاہ سے گورو صاحب کی ملاقات کروائی۔

بادشاہ نے پانچ ہزار خلعت، جگہ کلغی، سر پیچ، موتی مالا، ایک کنٹھا، سات ہتھیار، پانچ گھوڑے بمعہ سامان کے گورو صاحب کی نذر کئے۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۸۰۳)

بادشاہ کے دل میں گورو صاحب کی محبت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ فیصلہ مقدمات شاہی وغیرہ میں بھی ان کو دخل دیا اور ہمیشہ اپنے ہمراہ رکھنے لگا۔ گورو صاحب کو سات ضرب توپ اور ایک ہزار سپاہ اور پانسو سوار رکھنے کی اجازت دیدی۔ اور تمام حکام پنجاب کے نام حکم جاری کر دیا کہ وہ لوگ گورو ہر گوبند صاحب سے ہمیشہ نیک سلوک کریں۔ اور جس قسم کی امداد کی ان کو ضرورت ہو، بلا تامل دیں۔ بلکہ ان کو اپنا افسر اور نگران کار خیال کریں۔ (تواریخ گورو خالصہ اردو صفحہ ۸۱۱)

بادشاہ نے چندو لال کو گورو ارجن صاحب کا قاتل جانکر اس کی تمام جائیداد ضبط کر لی۔ اور اس وقت کے قانون کے مطابق اس کو گورو ہر گوبند صاحب کے سپرد کر دیا تاکہ وہ جس طرح چاہیں اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لیں۔ اسی وقت چندو لال کو ہتھکڑی اور پاؤں میں زنجیر ڈالکر حلال خوروں سے جوتے لگواتے ہوئے اپنے ڈیرے پر لے آئے۔ دہلی سے لاہور کی طرف کوچ کیا۔ راستہ میں اُسے سخت تکلیفیں دیتے ہوئے لاہور پہنچے۔ جہاں پر اُسے گرم ریت ڈال کر ہلاک کیا گیا۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۸۱۲)

دہلی سے روانگی کے وقت گورو صاحب کی بادشاہ سے ملاقات ہوئی، تو بادشاہ نے پانچ ہزار کا خلعت جس میں موتی مالا رتن جڑا ؤ کنٹھا جڑاؤ مٹھ کی تلوار اور ۱۰۰۱ اکبری مہریں نذر کیں نیز پانچ عدد گھوڑے جن پر سونے چاندی کی کاٹھیاں اور زیوروں سمیت نذر کئے۔ بھائی بیڑے، بدھیے، جیٹھے اکلیانے لنگاہے وغیرہ سکھوں کو قیمتی دوشالے عطا کئے۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۸۰۶)

مصنف تواریخ گورو خالصہ لکھتا ہے:۔

"اسی اثنا میں جہانگیر بادشاہ بتقریب سیر کشمیر امرتسر پہنچا۔ اور وہاں گورو ہر گوبند صاحب کے دربار آپ جیات کی عظمت کو دیکھکر بہت خوش ہوا۔ ہزارہا روپیہ کا نقد و جنس دربار کی نذر کیا۔ اور گورو ہر گوبند صاحب کو اپنے ہمراہ لاہور لے گیا۔ اور وہاں کچھ مدت تک سیر و شکار کا شغل رکھا۔ مؤلف دبستان مذاہب اور مولوی غلام علی مورخ دونوں اس امر کی تصدیق کرتے ہیں، کہ بادشاہ نے ان کو کل پنجاب کی نگرانی کا

ہمتیا رہ رہا تھا۔ کہ جب لاہور سے کشمیر کی سیر کو روانہ ہوا، تو اس وقت بھی انکو اپنے ہمراہ لے گیا۔ ۔۔۔ میں کوہستانی راجاؤں سے ان کو نذر و نیاز اور قسم قسم کے تحفہ تحائف دلوائے گیا۔" (تاریخ گورو خالصہ ۔۔۔)

اسی کتاب میں آگے چل کر لکھا ہے:۔

"منشی رامجس صاحب کھتری مصنف محیط اعظم و صاحب دبستان مذاہب ان کی بابت یوں خامہ فرسا ہیں، کہ ایک مرتبہ جب راجہ تارا چند نامی گرد جیہ شاہی اطاعت سے منحرف تھا، تو اس وقت اس کی سرکوبی کے لئے بادشاہ جہانگیر شاہ نے گورو ہرگوبند صاحب کی اعانت چاہی تھی اور ان کو اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے مامور کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے جاتے ہی فتح پائی۔ اور راجہ مذکور کو شاہی اطاعت قبول کروا کر بادشاہ سے جا ملایا۔ بلکہ بادشاہ سے سفارش کر کے مشفقانہ میں اس کو خلعت فاخرہ اور خطاب سے ممتاز و سرفراز کروا دیا گیا۔ صوبہ پنجاب کے حکام کی نگرانی بادشاہ نے ان کے متعلق کر رکھی تھی۔ ۰۰ سوار ایک ہزار پیادہ سات ضرب توپ ان کے ہمرکاب رہنے کیلئے بادشاہ کی طرف سے منظور تھے۔ اور جب لوگوں کو معلوم ہو گیا، کہ گورو ہرگوبند صاحب کا بادشاہ سے بہت اختلاط و ارتباط ہے۔ اس وقت بادشاہی معزول شدہ لوگ بھی ان کے پاس آ کر پناہ لینے لگے۔ جیسا کہ یار خان و خواجہ سرا سپہ سالاران معزول شدہ انہی کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔" (تواریخ گورو خالصہ اردو صفحہ ۱۱۸)

شاہجہان اور گورو ہرگوبند صاحب | مصنف تواریخ گورو خالصہ لکھتا ہے:۔

"اسی دوران میں مہربان پرتھی چند کے بیٹے نے چندو لال دیوان کے لڑکے سے ملکر بادشاہ شاہجہان کے حضور گدی کا دعویٰ کر دیا۔ اور چندو کا بیٹا اپنے باپ کے خون کا دعویدار ہوا۔ جس پر بادشاہ نے ۔۔۔ ہجری میں گورو ہرگوبند صاحب کو لاہور میں طلب کر کے جواب لینے کا حکم دیا۔ مگر وزیر خان نے بادشاہ کو کل حالات مفصل چندو کے ظلم اور پرتھی چند کی سازش و عداوت کے سنا کر بادشاہ کو وہ موقع جس میں بادشاہ جہانگیر شاہ نے ان کا ہاتھ گورو صاحب کو پکڑایا تھا یاد دلایا۔ تب بادشاہ نے اسی وقت ان دونوں کے دعویٰ کو خارج کر دیا۔ اور گورو ہرگوبند صاحب کو بڑی عزت سے خلعت فاخرہ دیکر رخصت کیا۔" (تواریخ گورو خالصہ اردو صفحہ ۱۱۲)

[illegible] میں بھگوانا اور چندو لال کے لڑکوں نے بادشاہ کے حضور فریاد کی شاہجہان [illegible] کا حکم ہوا مگر وزیر خاں صاحب نے جو گورو ہرگوبند صاحب کا دوست تھا بادشاہ کو سمجھا کر کہ جو شکایت آپ کے پاس گذری ہے وہ بالکل عداوت اور دشمنی سے کی گئی ہے گورو ہرگوبند صاحب گورو نانک صاحب کے گدی نشین ہیں اور نہایت لائق صاحب حکمت شخص ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار [illegible] زمین زرخرید عنایت کی تھی جہاں انہوں نے ایک گاؤں آباد کیا ہے اس میں ایک مسجد و [illegible] تعمیر کروائی ہے۔ ایسے لوگوں کی شکایت پر فقیروں سے لڑنا مصلحت نہیں۔ معاملہ در گذر کیا۔" (تواریخ گورو خالصہ اردو صفحہ [illegible])

شاہجہان اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جد اعلیٰ چودھری بھاگ مل کو جن کی اولاد میں سے مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب تھے شاہجہان بادشاہ کے حضور سے تحصیل ترنتارن کے گرد و نواح کے علاقہ [illegible] پور [illegible] کی چودھریت اور باجگذاری کی سند مع خلعت عطا ہوئی۔ یہ دونوں باپ بیٹا گورو ہرگوبند صاحب چھٹے گورو کے مشہور اور معتقد سکھ تھے۔" (تواریخ راج خالصہ مصنفہ گیان سنگھ صفحہ ۵۶)

گورو ہرگوبند صاحب کا مسجد تعمیر کروانا گورو صاحب تحصیل بٹالہ قصبہ سری ہرگوبند پور میں پہونچے۔ اس مقام کو جو چندو لال دیوان کا مسکن تھا، اور بادشاہ کے حکم سے اس کی ضبطی جائیداد میں ویران کر دیا گیا تھا۔ پھر گورو ہرگوبند صاحب نے کاتک سمت ۱۶۷۷ بکرمی میں بادشاہ کی اجازت و سند حاصل کر کے [illegible] پر از سر نو آباد کیا۔ اس گاؤں کی آبادی کو ترقی دینا چاہا۔ مگر بھگوانا کھتری جو چندو لال کا رشتہ دار اور اس علاقہ کا مالگذار تھا، اس نے روک ڈالی۔ آخر لڑائی ہوئی۔ بھگوانا مارا گیا۔ گورو صاحب نے اس کے مکان مسمار کر دیئے، اور وہاں پر ایک مسجد اور سرائے تعمیر کرا دی۔ ایک لنگر بھی غرباء کے لئے جاری [illegible]" (تواریخ گورو خالصہ اردو صفحہ ۱۲۱)

حضرت عالمگیر اورنگ زیب اور سری گورو ہررائے صاحب دارا شکوہ سری گورو ہررائے صاحب کا دوست تھا۔ اور اس نے سری گورو صاحب کی تعریف میں ایک قصیدہ تصنیف [illegible] خدمت فرمایا گیانی گیان سنگھ لکھتا ہے۔

پُن [illegible] گور [illegible] دے [illegible] جیس جکا تیو
گورمہاں کا رچیو [illegible] : بیچ فارسی دھاریو قیصدہ
[illegible] کو سُن کر گُر خوش ہوئے دیو گیان برہم آتم جوئے
پانچ دِوس کرکے ست سنگ دارا گیئو [illegible] منگ

(آفتاب پنجاب مطبوعہ [illegible])

یعنی دارا شکوہ نے گورو صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر نذر و نیاز پیش کی۔ اور بزبانِ فارسی گورو صاحب کی تعریف میں ایک قصیدہ سُنایا آپ نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور اسے برہم گیان بودھ نیت عطا فرمائی پانچ دن دارا آپ کے پاس رہ کر لاہور چلا گیا۔

دارا شکوہ کا شکست کھا کر گورو صاحب کے پاس پناہ لینا

شہزادہ دارا شکوہ اورنگ زیب سے شکست کھا کر افغانستان کی طرف بھاگ نکلا اور دریائے بیاس عبور کرکے گورو صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گیارہ سو اشرفی معہ چند عمدہ عمدہ تحائف کے نذر کرکے دعا خیر و امداد کا مستدعی ہوا۔ لیکن ابھی گورو صاحب نے کچھ جواب نہ دیا تھا۔ کہ بادشاہی فوج اس کے تعاقب میں آن پہونچی۔ گورو صاحب نے دارا شکوہ کے کہنے پر اپنی فوج اور مریدوں کو دریا کے کنارے پر شاہی فوج کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔ جس سے [illegible] ہو گئی۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۱۳۵)

نیز سردار گوربخش سنگھ صاحب شیر لکھتے ہیں:۔ کہ جب دارا شکوہ شکست کھا کر گورو صاحب کے پاس آیا اور امداد کا طالب ہوا۔ گورو صاحب نے ۲۲۰۰ سواروں سے اس کی مدد کی۔ (رسالہ امرت ماہ نومبر ۱۹۳۷ء)

اورنگ زیبؒ کی گورو صاحب سے جواب طلبی

دارا شکوہ حضرت عالمگیر اورنگ زیب کا دشمن تھا مقابلہ میں شکست کھا کر گورو صاحب سے امداد حاصل کی۔ گورو صاحب نے عالمگیر کی فوجوں سے مقابلہ کیا۔ اس پر بادشاہ کی طرف سے جواب طلبی کی گئی۔ گورو صاحب خود تو نہ گئے اپنے بیٹے رام رائے کو روانہ کیا۔ حضرت عالمگیر نے بجائے اس کے کہ گورو صاحب پر فوج کشی کرنے رام رائے صاحب کو ایک معقول جاگیر عطا کرکے واپس کیا۔ وہ جاگیر ڈیرہ دون میں ابتک موجود ہے۔ (تواریخ دس گورو صاحبان ۱۳۶ مصنفہ سنت سنگھ گور دیا ولی صفحہ ۱۱۵)

ناظرین غور فرمائیں [illegible] اورنگ زیب ہیں جن کی نسبت یہ مشہور ہے کہ وہ سکھوں کے دشمن تھے۔ گورو صاحب دارا شکوہ کو پناہ دیتے ہیں بادشاہ کی فوجوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اور جب بادشاہ جواب طلبی کیلئے بلاتا ہے۔ تو گورو صاحب خود نہیں جاتے [illegible]

وصیتیں

نوٹ:- وصایا منظوری سے پہلے اس لئے شائع کی جاتی ہیں کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو دفتر کو اطلاع دے:

نمبر ۶۰۴۹:- منکہ شریفہ بی بی زوجہ نذیر احمد قوم جٹ باجوہ عمر قریباً ۱۹ سال پیدائشی احمدی ساکن داتہ زید کا ڈاکخانہ دگلیبا لیاں تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۴ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ اس وقت میری مندرجہ ذیل جائیداد ہے۔ (۱) حق مہر تین صد روپیہ جو زیور مالیتی تین صد کی صورت میں وصول کر چکی ہوں۔ میری اور کوئی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد نہیں ہے۔ میں اپنی مندرجہ ضمن ۱ کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرا دوں تو یہ رقم میری رقم واجب الادا سے منہا کر دی جائیگی۔ نیز اگر میری وفات کے وقت کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہو گی۔ الامۃ:- شریفہ بی بی نشان انگوٹھا۔ گواہ شد:- اسد اللہ خاں بیرسٹرایٹ لاء ٹرنر روڈ لاہور۔ گواہ شد:- محمد شمس الدین قریشی۔

نمبر ۶۰۵۰:- منکہ حبیب اللہ ولد چوہدری جلال الدین صاحب سیال قوم جٹ سیال پیشہ طالب علم عمر ۲۱ سال پیدائشی احمدی ساکن موضع جوڑہ ڈاکخانہ قصور ضلع لاہور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۴ ماہ صلح ۱۳۲۱ ہش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میں طالب علم ہوں میرے تعلیمی اخراجات میرے والدین کے ذمہ ہیں مجھے ۱۰ روپے بطور جیب خرچ ملتے ہیں جنکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ نیز یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ آئندہ جو جائیداد یا ماہوار آمد پیدا کر سکونگا اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہو گی۔ نیز میرے مرنیکے بعد میری جس قدر جائیداد ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہو گی۔ چونکہ چھٹیوں میں مجھے کوئی خرچ نہیں ملتا اس لئے چندہ بھی ادا نہیں کر سکونگا۔ العبد:- حبیب اللہ سیال متعلم بی اے ۲۲ ڈیویس روڈ لاہور۔ گواہ شد:- فتح محمد سیال۔ گواہ شد:- ولی محمد نائب انچارج مقامی تبلیغ۔

نمبر ۶۰۵۱:- منکہ نبی بخش ولد نظام الدین قوم ارائیں ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر عمر ۶۴ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۳ء ساکن دارالشکر غربی بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۱ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں کل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ تقریباً -/۱۲۵۰ روپے ہے جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ تفصیل جائیداد منقولہ صرف -/۱۵۰ روپے نقد اور غیر منقولہ ایک مکان خام قیمتی -/۲۰۰ روپے اور اراضی بذریعہ رہن نامہ ۳۰۰ روپے اور بصورت ۸ کنال زمین قیمت -/۶۰۰ روپے کل میزان ساڑھے بارہ سو روپیہ ہے۔

اس میں سے ۱/۱۰ حصہ مبلغ -/۱۲۵ روپے ادا کردونگا اس وقت مستقل آمد کا ذریعہ کوئی نہیں غیر مستقل آمد جس قدر ہوگی اس کا بھی ۱/۱۰ حصہ ادا کرتا رہونگا۔ نیز بعد موت میری علاوہ اس جائیداد کے جو جائیداد ہو اس کا بھی ۱/۱۰ حصہ کا حق صدر انجمن احمدیہ قادیان کو ہوگا۔ العبد:۔ بنی بخش دارالشکر غربی۔ قادیان گواہ شد:۔ محمد عالم دوکاندار۔ دارالرحمت۔ گواہ شد:۔ محمد طفیل پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ دارالعلوم۔

نمبر [illegible]:۔ منکہ عبدالسبحان آہنگر ولد عبدالرزاق قوم کشمیری آہنگر پیشہ لوہاری عمر ۴۴ سال تاریخ بیعت [illegible] ساکن شورت ڈاکخانہ کولگام ضلع اننت ناگ کشمیر بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ عبدالسبحان آہنگر موصی کے منقولہ وغیر منقولہ جائداد میں شریک ان کے بھائی شامل ہیں اور جو تخمیناً ان کی جائیداد کی قیمت لگائی گئی ہے اس میں سے -/۱۸۱ روپے کی یہ مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ وصیت کرتا ہے (۱) اگر موصی کو اب بھی نکاح کرنے کی توفیق ملی، اور اولاد نرینہ خدا تعالےٰ نے عطا کی۔ پھر اس -/۱۸۱ روپے کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہے۔ اگر نکاح کی توفیق ملی اور اولاد نرینہ نہ ہوئی تو پھر -/۱۸۱ روپے کے ۱/۳ حصہ کی وصیت کرتا ہے۔ موصی کی وفات کے وقت اس کے علاوہ بھی اگر کوئی مزید منقولہ وغیر منقولہ جائداد ہوئی تو ضمن ۱ و ۲ کے مطابق اس میں سے ۱/۱۰ حصہ یا ۱/۳ حصہ کا صدر انجمن احمدیہ حقدار ہوگی۔ العبد:۔ عبدالسبحان نشان انگوٹھا۔ گواہ شد عبدالغفار برادر موصی۔ گواہ شد:۔ عبدالوہاب آہنگر برادرزادہ موصی۔

نمبر ۹۵۱۸:۔ منکہ امیر بیگم زرینہ زوجہ چوہدری نور محمد صاحب [illegible] قوم اراعی پیشہ ملازمت عمر ۲۸ سال پیدائشی احمدی ساکن راجپور بھائیاں ڈاکخانہ خاص ضلع ہوشیارپور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میرے پاس اس وقت کوئی غیر منقولہ جائداد نہیں۔ منقولہ جائداد سے اس وقت میرے پاس دس تولہ سونا کے زیورات موجود ہیں جنکی قیمت مبلغ پانصد روپیہ ہے۔ اسی طرح میرا حق مہر مبلغ ایک ہزار روپیہ ہے جو ابھی میرے شوہر کے ذمہ قابل ادا ہے۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اور اگر میرے مرنیکے بعد میری کوئی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد ثابت ہوگی، تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ الامۃ:۔ امیر بیگم زرینہ بقلم خود برمکان چوہدری اکبر علی صاحب محلہ دارالرحمت۔ گواہ شد:۔ نور محمد بی۔ اے خاوند موصیہ بقلم خود [illegible]۔ محمد بخش خسر موصیہ بقلم خود۔

نمبر [illegible]:۔ منکہ عبدالعزیز ولد سلطان [illegible] قوم افغان پیشہ زمینداری عمر ۲۴ سال تاریخ بیعت [illegible] ساکن تمہ غلام نبی ڈاکخانہ ڈیرہ والہ دار وغیاں ضلع گورداسپور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ

آج بتاریخ ۱۰ ماہ نبوت ۱۳۲۱ ہش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے
(۱) مکان پختہ قابل وصول ۔/۴۰۰ ۔ (۲) زمین بذریعہ رہن قیمتی ۔/۳۰۰ ۔ (۳) زمین خرید کردہ بصورت بیع ۔/۱۰۰
(۴) زمین دیگر بذریعہ رہن ۔/۴۰ ۔ (۵) زمین مالکی حقیت ۱/۲ ۵ کنال جس کی موجودہ قیمت بحساب اوسط ۔/۳۰۰
فی ایکڑ ۔/۳۰۰ ۔ میزان کل ۔/۱۰۴۰ ۔ لیکن اس وقت میرے ذمہ مبلغ ۔/۲۴۰ روپے قرضہ بھی ہے۔ جو میں نے
اسی جائیداد کی وجہ سے لیا ہے اور اسی سے ادا کرنا ہے۔ یہ رقم منہا کر کے باقی ۔/۸۰۰ روپے ہوئے۔ علاوہ
اس جائیداد کے مجھے ۔/۷ روپے ماہوار پنشن بھی ملتی ہے اور زمین کی زرعی آمدنی بھی ہے۔ پس میں اپنی
تمام جائیداد جس کی مجموعی رقم ۔/۸۰۰ روپے بنتی ہے اس کی اور ماہوار آمد ماہوار پنشن کی نیز فصل سے آمد
کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں یعنی ان تمام رقموں اور آمد کے دسویں حصے کی
مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر میں اپنی زندگی میں اس جائیداد کا دسواں حصہ یا اس کا جزو ادا کر کے
رسید حاصل کر لوں تو وہ حصہ صدر انجمن احمدیہ کو حصہ وصیت سے منہا کرنا ہوگا۔ اگر میری وفات کے وقت اس
جائیداد کے علاوہ کوئی اور جائیداد بھی ثابت ہو۔ تو اس کے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی
پنشن اور زرعی آمد کا دسواں حصہ تا زندگی ادا کرتا رہوں گا۔ العبد: عبدالعزیز خاں موصی۔ گواہ شد۔ عبداللہ
ولد میاں بخش نمبر غلام نبی۔ گواہ شد۔ محمد اسمٰعیل ذبیح۔ گواہ شد۔ عبداللہ ولد سلطان بخش

نمبر ۶۳۳۷۔ منکہ عزیزہ بیگم زوجہ چوہدری ظفر اللہ خاں قوم سیال عمر ۳۲ سال پیدائشی احمدی ساکن
جوڑا ڈاکخانہ قصور ضلع لاہور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۲/۱ ۲۰ حسب ذیل وصیت کرتی
ہوں۔ میرے پاس زیور قیمتی ۔/۳۰۰ روپے ہے جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی
ہوں۔ میرا حق مہر مبلغ ۔/۵۰۰ روپے میرے خاوند کے ذمہ ہے میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتی ہوں۔ میری
اپنی وصیت کا کل روپیہ ۔/۸۰ بنتے ہیں۔ انشاء اللہ اپنی زندگی میں ہی ادا کر دوں گی۔ اس کے علاوہ میری
کوئی جائیداد نہیں۔ نیز اگر اس کے علاوہ میری وفات کے وقت کوئی اور جائیداد ثابت ہو، تو اس کے
بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ الامۃ: عزیزہ بیگم موصیہ، گواہ شد: ظفر اللہ خاں خاوند موصیہ
گواہ شد: محمد عمر دفتر ڈپٹی کمشنر لاہور۔

نمبر ۶۰۱۹۔ منکہ صادقہ بیگم زوجہ قریشی عبدالمنان صاحب قوم ککے زئی عمر ۱۸ سال پیدائشی احمدی
ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۹/۱۱ ۴۲ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ (۱)
نفیسیاں طلائی وزنی ۲ ۱/۲ تولہ ایک جوڑہ۔ (۲) انگوٹھی طلائی دو عدد نصف تولہ (۳) بٹن طلائی وزنی ایک
تولہ (۴) کانٹے طلائی ایک جوڑہ وزنی نصف تولہ۔ (۵) ٹیکہ طلائی ایک عدد وزنی ایک تولہ (۶) مہر بذمہ

شوہر مہر ۱/۵۰۰ روپیہ۔ مذکورہ بالا جائیداد کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ نیز میری وفات پر اگر اس کے علاوہ کوئی اور جائداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ الامتہ۔ صادقہ بیگم۔ گواہ شد۔ فضل احمد نقشہ نویس والد موصیہ۔ گواہ شد۔ قریشی عبدالمنان احمدی شوہر موصیہ ؎

نمبر ۱۰۶۱ ۔ منکہ حسین بی بی زوجہ بابو فضلدین صاحب قوم راجپوت عمر ۲۴ سال تاریخ بیعت سال [illegible] ساکن شہر سیالکوٹ بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۲۸ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ تفصیل جائیداد (۱) میرا زیور مالیتی تقریباً ۔/۴۰۰ کا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ نہیں ہے۔ اگر صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان کو ثابت ہو جائے تو صدر انجمن احمدیہ ۱/۱۰ حصہ کے زر وصیت کے وصول کرنے کی مجاز ہوگی۔ کیونکہ ۔/۴۰۰ روپے کے ۱/۱۰ حصہ بقدر ۔/۴۰ روپیہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ جو رقم میں حیات میں ادا کرتی رہوں وہ زر وصیت ۔/۴۰ میں سے مجرا کیا جاوے ؎

(۱) چوڑیاں طلائی ۴ تولہ ۲ ماشہ قیمتی ۔/۱۷۰ (۲) کانٹے طلائی قریب ایک تولہ ۔/۴۰ روپے (۳) ڈنڈیاں طلائی ۴ تولہ تقریباً ۔/۱۵۰ روپے۔ (۴) مندری طلائی قیمتی ۔/۴۰۔ کل ۔/۴۰۰ ؎ الامتہ حسین بی بی نشان انگوٹھا۔ گواہ شد۔ فضل دین ریڈر چیف جج ہائی کورٹ لاہور۔ گواہ شد۔ قاسم دین ہیڈ کلرک دفتر ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ ؎

نمبر [illegible] ۔ میں محمد الدین ولد مولوی امام الدین صاحب قوم گجر پیشہ ملازمت عمر ۲۵ سال تاریخ بیعت ستمبر ۱۹۰۳ء ساکن ڈنگہ حال قادیان ضلع گجرات پنجاب بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۲۸ جنوری ۱۹۱۲ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت جائیداد غیر منقولہ میں سے صرف ایک مکان متصل بڑا باغ جو میں نے خود تیار کیا ہے موجود ہے اس کے علاوہ اور کوئی جائیداد نہیں۔ میرے والد صاحب زندہ موجود ہیں۔ ان کی والد جدی جائیداد ہے وہ ابھی تک ان کے نام ہے۔ میں مدرسہ احمدیہ میں بطور کارکن کام کرتا ہوں۔ میں اپنی جائیداد و تنخواہ کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میں اگر اپنی زندگی میں کوئی جائیداد اپنی وصیت میں دیدوں تو وہ میری وصیت سے مجرا سمجھی جائے۔ میرے مرنیکے وقت اس کے علاوہ اور کوئی جائیداد ثابت ہو تو اس کے ۱/۱۰ حصہ پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی ؎

العبد۔ محمد الدین کارکن مدرسہ احمدیہ قادیان۔ گواہ شد۔ محمد طفیل خان ٹیچر مدرسہ احمدیہ۔ گواہ شد۔ عبدالرحمن مدرس مدرسہ احمدیہ ؎

نمبر ۲۰۶۹ ۔ میں پیر ضیاء الدین ولد جناب پیر اکبر علی صاحب قوم بودلہ قریشی عمر ۱۲ سال پیدائشی احمدی

ساکن فیروز پور شہر صوبہ پنجاب بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ یکم جنوری ۴۲ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد نہیں۔ اس وقت مجھے حضرت والد صاحب بزرگوار اعتنا فرماتے سے مبلغ -/۵ روپے ماہوار جیب خرچ ملتا ہے۔ میں اپنی ماہوار آمد کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ آئندہ تازیست انشاء اللہ اپنی ماہوار آمد کا دسواں حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اور اپنی آمد کی کمی بیشی کی اطلاع دیتا رہونگا۔ اس کے علاوہ میری وفات کے بعد میری جو جائیداد یا ترکہ ثابت ہو اس کے دسویں حصہ کی بھی میں بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان وصیت کرتا ہوں۔ بشرطیکہ جو رقم حصہ وصیت میں نے اپنی زندگی میں ادا کر دی ہو وہ اس میں سے منہا سمجھی جائے گی۔ العبد:- پیر ضیاء الدین بی۔ اے۔ گواہ شد:- ایم مبارک احمد خان امین آباد گواہ شد:- صلاح الدین ای۔ اے۔ سی۔ فیروز پور شہر ؎

نمبر ۶۰۵۵:- میں بشیر احمد ولد رحمت علی صاحب قوم گاڑہ پیشہ کاشتکاری عمر ۲۴ سال پیدائشی احمدی ساکن بجو پورہ ڈاک خانہ سہارن پور یو۔ پی بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۲۴/۱ ۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے:- (۱) نمبر کھیوٹ ۱۰/۲۵ ایک بیگھ ۸ بسوے پختہ موضع بجو پورہ صحالی نبی لال (۲) نمبر کھیوٹ ۳/۴ دو بیگھ گیارہ بسوے پختہ موضع بجو پورہ صحالی ٹھاکر لال (۳) کھیوٹ ۴ پندرہ بسوے پختہ موضع بجو پورہ صحالی رام چند۔ (۴) کھیوٹ ۶- ۳ بیگھ ۱۱ بسوے پختہ موضع بجو پورہ صحالی رام چند۔ (۵) کھیوٹ ۳- ۹ بسوے پختہ موضع بجو پورہ صحالی خیر راتی (۶) کھیوٹ ۲۵- ۱/۲ ۱۴ بسوے پختہ موضع بجو پورہ صحالی خیر راشی (۷) کھیوٹ ۶- ۴ بیگھ ۱۴ بسوے پختہ موضع بجو پورہ صحالی رام چند۔ اس جائیداد مذکورہ کی قیمت پندرہ سو روپے ہے اس کے علاوہ تین مکان ہیں جن کی قیمت پانچ سو روپے ہے میں اس جائیداد کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ نیز یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ میرے مرنے کے وقت اگر اس کے علاوہ کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ حصہ جائیداد میں پچاس روپے نقد ادا کر دیئے ہیں۔ العبد:- بشیر احمد موضع بجو پورہ ضلع سہارنپور۔ گواہ شد:- عطاء اللہ عرف نبی بخش سیکرٹری جماعت اجمیر تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور ؎

نمبر ۶۰۶:- میں محمد حی احمدی ولد سید محمد حسین شاہ صاحب سیکرٹری امانت جائیداد تحریک جدید و مختار عام حضرت صاحب قوم سید پیشہ ملازمت عمر ۲۰ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۲۳ جنوری ۴۲ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کوئی نہیں۔ اور میری ماہوار آمد اس وقت -/۶۰ روپے ہے۔ میں وصیت کرتا ہوں کہ

میں اپنی آمد کا ۱/۱۰ حصہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کو تا زندگی ادا کرتا رہونگا۔ نیز یہ وصیت کرتا ہوں کہ میرے
مرنیکے بعد جو بھی میری جائیداد ثابت ہو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد: محمد علی
احمدی لفٹننٹ آئی۔ ایم۔ ایس میڈیکل آفیسر انچارج کیو۔ ۹ انڈین ڈویژن معرفت ایم بیس پوسٹل ڈپو
کراچی۔ گواہ شد۔ سلطان محمد کارکن دفتر ایم۔ این سنڈیکیٹ قادیان۔ گواہ شد۔ محمد حسین شاہ سکرٹری
امانت جائیداد۔

نمبر ..... : میں بشارت الرحمن ولد صوفی عطا محمد صاحب جالندھری قوم قریشی پیشہ طالب علم عمر
۱۹ سال پیدائشی احمدی ساکن محلہ دارالرحمت قادیان پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ
۲۰ فروری ۱۹۴۶ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ (۱) اس وقت میری جائیداد منقولہ کوئی نہیں ہاں جائیداد
..... ہے یعنی ایک سکونتی مکان کا نصف حصہ واقع محلہ دارالرحمت قادیان متصل مکان بھائی عبدالرحیم
صاحب و مولوی فضل الدین صاحب وکیل ہے۔ اور اس مکان کے یعنی میری ملکیت کے نصف حصہ کی قیمت
پانچسو روپے مطابق رجسٹری سرکاری ہے۔ اپنے مکان کے دسویں حصہ کی میں بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان
کرتا ہوں۔ اور اسکے علاوہ میری وفات کے بعد اگر اور کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو تو اس کے
بھی دسویں حصہ کی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ (۲) اسوقت میں طالب علم ہوں اور ابھی برسر
روزگار نہیں ہوا ہوں۔ میں اس وقت جیب خرچ مبلغ پانچ روپے ماہوار پاتا ہوں۔ اس میں سے
بھی دسواں حصہ ماہوار ادا کرتا رہونگا۔ اس کے بعد جب آمدنی کی مستقل صورت پیدا ہو تو اس میں سے
بھی دسواں حصہ تا دم زیست ادا کرتا رہونگا۔ فقط العبد۔ بشارت الرحمن بی۔ اے آنرز ولد صوفی
عطا محمد صاحب جالندھری دارالرحمت قادیان۔ گواہ شد۔ شیخ محمد اسماعیل سرساوی۔

نمبر ۵۸.... : میں مرزا محمد بیگ ولد مرزا نواب بیگ صاحب قوم مغل پیشہ پنشنر عمر ۷۶ سال تاریخ
بیعت ۹۷/۱۸۹۶ء ساکن کشمیری محلہ شہر سیالکوٹ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ
..... حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میرا اس وقت ایک مکان واقعہ محلہ کشمیری متصل مسجد لنگری والی شہر
سیالکوٹ مالیتی قریباً ایک ہزار اسی روپیہ ہے جس کی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں
اسکے علاوہ مجھے -/۲/۲۰ ماہوار پنشن مل رہی ہے جس میں سے مبلغ -/۱۰ روپے ماہوار اپنے ایک عزیز
رشتہ دار کے نام عرصہ تقریباً پانچ چھ سال سے وقف کئے ہوئے ہیں۔ اور باقی ماندہ -/۲/۱۰ روپے
کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں جو کہ میں ماہ بماہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اگر

میری زندگی کے بعد میری کوئی اور جائیداد ثابت ہوئی تو صدر انجمن احمدیہ قادیان اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک تصور ہوگی۔ اگر میں کوئی رقم بمد حصہ جائیداد اپنی زندگی میں ادا کروں تو وہ مجرا کرکے باقی جو رقم حصہ جائیداد ہوگی۔ صدر انجمن احمدیہ اسکے وصول کرنیکی حقدار ہوگی۔ العبد۔ مرزا محمد بیگ ولد مرزا نواب بیگ۔ گواہ شد۔ محمد عبداللہ ولد میاں نظام الدین کوچہ حسین شاہ سیالکوٹ۔ گواہ شد۔ فضل دین ولد میاں فیروز الدین ریڈر ہائیکورٹ لاہور*

نمبر ۲۰۵۲۔ میں کریم بخش ولد پیر بخش صاحب قوم ٹانوری پیشہ زمینداری عمر ۴۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۵ء ساکن ٹانوری ڈاکخانہ ٹنیا نقا شاہ ضلع نواب شاہ صوبہ سندھ بقائمی ہوش وحواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۴ نومبر ۱۹۲۱ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری موجودہ جائیداد دس ایکڑ زمین زرعی ہے جس کی قیمت موجودہ نرخ کے لحاظ سے ایک ہزار روپیہ ہوتی ہے اس میں سے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں میرے مرنے کے وقت جس قدر جائیداد ثابت ہو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی میرا گذارہ زراعت پر ہے اپنی آمدنی کا ۱/۱۰ حصہ بھی داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ العبد۔ کریم بخش احمدی ٹانوری۔ گواہ شد۔ غلام احمد فرخ مبلغ سلسلہ احمدیہ ۱۴/۱۱/۲۱ گواہ شد۔ سید جماعت علی احمدی ٹانوری*

نمبر ۲۰۵۳۔ میں عبدالرحیم ولد میاں جمن صاحب پیشہ طالب علمی عمر ۲۳ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۵ء ساکن کیتھ ڈاکخانہ نیواکس ملک ماریشس بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۵ دسمبر ۱۹۲۱ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد غیر منقولہ اس وقت کچھ سفید زمین ہے جو رقبہ میں اندازاً ۱۵ مرلہ ہوگی۔ مگر اس پر میرے بھائی قابض ہیں جو غیر احمدی ہیں اور مجھے امید نہیں کہ وہ مجھے حصہ دیں۔ اگر مل گیا تو اس پر بھی وصیت حاوی ہوگی۔ نیز اسوقت مجھے ۱۵/- روپے ماہوار نظارت تعلیم و تربیت سے وظیفہ ملتا ہے اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ نیز میرے مرنیکے وقت جس قدر میری جائیداد ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اپنی آمد کی کمی بیشی کی اطلاع صدر انجمن احمدیہ قادیان کو دیتا رہونگا۔ فقط۔ العبد۔ عبدالرحیم ولد میاں جمن صاحب ساکن ماریشس ۱۵/۱۲/۲۱ گواہ شد۔ عبدالرحمن شاکر کارکن دفتر محاسب۔ گواہ شد۔ علی محمد بی۔ اے۔ بی ٹی دارالفضل قادیان*

نمبر ۲۰۵۴۔ منکہ طالب علی ولد سردار علی صاحب قوم اعوان پیشہ ملازمت عمر ۲۸ سال تاریخ بیعت ۱۹۲۱ء ساکن جنت پور ڈاکخانہ بکریاں ضلع ہوشیارپور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۴

حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میں اسوقت ملٹری میں ملازم ہوں میری تنخواہ سولہ روپے ماہوار ہے۔ لہذا اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور اقرار کرتا ہوں کہ اپنی تنخواہ کا ۱/۱۰ باقاعدہ ماہوار خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں داخل کرواتا رہونگا۔ کمی بیشی کی صورت میں صدر انجمن احمدیہ کو مطلع کرتا رہونگا۔ اگر میری وفات کے بعد کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو تو صدر انجمن احمدیہ قادیان اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک ہوگی۔ العبد۔ طالب علی بقلم خود ۷۸۱۵۹ سپاہی سٹور ڈویژن ۱/۱۹ پرسنل سپلائی کمپنی ۱/۱۵ ایکشن منماڑ ضلع ناسک۔ گواہ شد۔ جلال الدین امینی ایل نائک کلرک آر۔ آئی سی۔ سی بسی ریزرو بیس سپلائی ڈپو مین آفس سٹاک سیکشن منماڑ۔ گواہ شد۔ نور احمد لونچی ۱۹/۱ پرسنل سپلائی کمپنی ہیڈ کوارٹر سیکشن ٹیلر ۴۷۰۹۱ منماڑ۔

نمبر ۵۹۹۶۔ منکہ تاج الدین ولد امیر بخش قوم بٹ کشمیری پیشہ منیاری فروش عمرہ ۶ سال تاریخ بیعت ۱۹۲۸ء ساکن ملتان حال لائلپور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۱/۸ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں کل سامان منیاری جو اسوقت میرے پاس موجود ہے مالیتی مبلغ -/۱۲ روپے ہے متفرق اشیاء آٹھ روپیہ ضروریات زندگی ہیں۔ میری منقولہ وغیر منقولہ جائیداد اسکے سوا کوئی نہیں ہے میری آجکل ماہوار آمد تقریباً مبلغ آٹھ روپے ہے میں انشاء اللہ تعالیٰ تازندگی اپنی آمد کا ۱/۱۰ حصہ صدر انجمن احمدیہ کو ادا کرتا رہونگا میرے مرنیکے بعد جو جائیداد منقولہ وغیر منقولہ ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد۔ تاج الدین بقلم خود۔ گواہ شد۔ جلال الدین قمر چک ۱۹۶ اسلام آباد ڈاکخانہ خاص ضلع لائلپور۔ گواہ شد۔ شیخ محمد یوسف سیکرٹری نشر واشاعت لائلپور۔

نمبر ۵۹۹۷۔ منکہ چوہدری گلاب دین ولد علی گوہر ساکن میانوالی جھاراں ڈاکخانہ کھوکھروالی ضلع سیالکوٹ تاریخ بیعت ۱۹۳۳ء بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۹/۱۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری جائیداد منقولہ وغیر منقولہ اراضی موازی ۹ بیگھہ بارانی ہے جس کی قیمت موجودہ وقت میں نوصد روپیہ ہے اس میں سے ۱/۲ حصہ اراضی اس وقت مبلغ -/۳۰۰ میں گروی ہے۔ اس کے علاوہ ایک خام سکونتی مکان اور حویلی کے ۱/۴ حصہ کا بھی مالک ہوں جسکی مالیت قریباً یکصد روپیہ کی ہے۔ اس تمام جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میرے مرنیکے بعد اگر میری کوئی اور جائیداد بھی ثابت ہو تو اسکے ۱/۱۰ حصہ کی بھی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کردوں تو وہ میرے مرنیکے بعد میرے حصہ جائیداد سے منہا کرلی جائیگی۔ العبد۔ گلاب دین موصی نشان انگوٹھا گواہ شد۔ حاجی خدا بخش پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ میانوالی خانانوالی۔ گواہ شد۔ حاجی مستری عبداللہ ساکن میانوالی

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز

(اُردو)

دُنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحید الاذہان

جلد ۴۱ | ماہِ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ماہِ مئی ۱۹۴۲ء | عدد ۵

فہرست مضامین

اداریہ:-

مولوی ثناء اللہ صاحب کی کٹ حجتی تین ماہ پیشتر ہم نے مولوی ثناء اللہ صاحب کی کتاب "اسلام اور مسیحیت" پر "ریویو" میں تبصرہ کیا تھا۔ ہمارا یہ تبصرہ مولوی صاحب کو سخت ناگوار گذرا، اور آپ نے غصہ میں آکر ایک مضمون "اہلحدیث" میں لکھا۔ اس مضمون میں غیظ وغضب کا اظہار تو بہت کچھ تھا مگر ہم نے کتاب کی جن خامیوں اور نقائص کی طرف توجہ دلائی تھی ان کے متعلق آپ نے صرف یہ کہکر پیچھا چھڑانے کی کوشش کی، کہ "نکتہ چینیوں کا جواب رسالہ مذکور کی طبع ثانی میں دیا جائیگا" لیکن قدرت کا تصرف دیکھیے، کہ ۲۷ر فروری کے پرچہ "اہلحدیث" میں تو آپ ہماری نکتہ چینیوں کے جواب کے لئے اپنے ناظرین کو کتاب کی طبع ثانی کا منتظر رہنے کا ارشاد فرماتے ہیں۔ اور اس کے بعد ۳ر اپریل کے پرچہ میں کتاب مذکور کے بارے میں یہ اعلان ہوتا ہے، کہ "اسے جلد خرید لو کیونکہ ختم ہوجانے کے بعد دوبارہ شائع ہونا مشکل ہے۔"

اب دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ یا تو یہ ماننا پڑے گا، کہ مولوی صاحب نے پہلے جو کچھ لکھا تھا، وہ محض ٹالنے کے لئے تھا، ورنہ کتاب کی طبع ثانی کی کوئی امید نہ تھی۔ اور یا اب یہ تاجرانہ غلط بیانی کی جارہی ہے۔ تا کتاب جلدی بک جائے۔ مولوی صاحب جو صورت چاہیں، اپنے لئے پسند کرلیں۔

آپ نے ۲۷ر فروری کے "اہلحدیث" میں اصل موضوع کو اس طرح ٹال دیا۔ مگر ایک نئی بحث کی طرح ٹالتے ہوئے ہمیں یہ چیلنج کیا، کہ میرے ساتھ اس موضوع پر بحث کرلو کہ "مرزا صاحب ایک قابل مصنف بھی تھے یا نہیں؟" ہم مولوی صاحب کے اس سارے مضمون پر گذشتہ ماہ "ریویو" میں تنقید کرچکے ہیں۔ چیلنج کا جواب بھی دیا جاچکا ہے۔ اب مولوی صاحب کی طرف سے جواب الجواب کا انتظار ہے۔ مگر اس عرصہ میں "الفضل" کے ایک مضمون کا جواب دیتے ہوئے مولوی

ثناء اللہ صاحب نے ۴ر اپریل کے "اہلحدیث" میں ایک دو باتیں لکھی ہیں جن پر ہم آج کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب نے لکھا تھا کہ "مرزا صاحب ...... بحیثیت فنی تصنیف ایک قابل مصنف بھی نہ تھے" اس پر "الفضل" نے بعض اہل علم و قلم اصحاب کی شہادتیں پیش کیں۔ جن میں حضرت مسیح موعودؑ کی تحریر کی قوت اور تاثیر کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اسی ضمن میں مولوی ثناء اللہ صاحب کے پیشرو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی شہادت بھی پیش کی، کہ وہ حضور اقدس مسیح موعودؑ کی کتاب براہین احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے اس کی بے حد تعریف کر چکے ہیں۔ ان شہادتوں کو رد کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس لئے مولوی صاحب نے اور شہادتوں کی نسبت خاموشی اختیار کر لی۔ گویا ان کا وجود و عدم آپ کے نزدیک برابر ہے۔ صرف ایک مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی شہادت کے متعلق آپ نے کچھ کہنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

"کچھ شک نہیں کہ انہوں نے کتاب مذکور (براہین احمدیہ) اور اس کے مصنف مرزا صاحب کی تعریف کی ہے۔ مولٰنا مرحوم اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ کہ اس کا مفصل جواب دے سکیں۔ البتہ ہم نے ان کی زندگی میں ان سے پوچھا تھا کہ آپ نے ایسا تبصرہ کیوں کیا ہے۔ انہوں نے یہی جواب دیا، کہ میں نے مرزا صاحب کے کتابی پروگرام پر اعتماد کر کے ایسا لکھ دیا تھا۔ ورنہ حقیقت یہ نہیں ہے۔"

مولوی ثناء اللہ صاحب اس بات سے انکار نہیں کر سکتے، کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضرت مسیح موعودؑ اور حضور کی کتاب براہین احمدیہ کی تعریف کی ہے۔ مگر اس تعریف پر پردہ ڈالنے کے لئے پہلے آپ ایک جذباتی بات کہتے ہیں۔ اور پھر ایک ایسی روایت بیان کرتے ہیں، جس کی صحت پر کوئی شہادت قائم نہیں ہے۔ حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں، کہ ان کا مخاطب ان کو سچا اور ثقہ راوی نہیں سمجھتا، اس لئے ان کو اپنی روایت کی صداقت پر کوئی شہادت پیش کرنی چاہیئے تھی۔ یہ درست ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب اب اس دنیا میں نہیں ہیں، مگر ہم نے ان پر کونسا حملہ

کیا ہے جس کے "مفصل جواب" کے لئے مولوی ثناء اللہ صاحب نے موت کا حوالہ دے کر ان کی بیچارگی کے اظہار کی ضرورت محسوس کی ہے۔ ان کی یہ تعریف ایک مطبوعہ کتاب میں ہے اور اسے بارہا ان کی زندگی میں ہی ان کے سامنے بطور حجت پیش کیا گیا تھا۔ اگر اس کا کوئی "مفصل جواب" ان کے پاس ہوتا، تو وہ اپنی زندگی میں دے سکتے تھے۔ پس ہم نے ان کی نسبت کوئی ایسی بات نہیں کہی، جو ان کی زندگی میں نہ کہی ہو کہ ہم پر ایک متوفی شخص پر حملہ کرنے کا اعتراض پڑے۔ البتہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے جو روایت بیان کی ہے، وہ یقیناً مولوی محمد حسین صاحب کی دیانت پر براہ راست حملہ ہے کیونکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مولوی صاحب کا براہین احمدیہ پر ریویو حقیقت پر مبنی نہیں ہے بلکہ انہوں نے یہ ساری تعریف جھوٹی کی تھی۔ یہ حملہ ایسا ہے، جس پر ہم مولوی ثناء اللہ صاحب کو مخاطب کر کے انہیں کے الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ "مولانا موصوف چونکہ دوسری دنیا میں چل بسے ہیں" اس لئے مولوی ثناء اللہ صاحب کو ان پر ایسا ذلیل حملہ نہ کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ وہ اس کا "مفصل جواب" نہیں دے سکتے۔ اللہ! اللہ!! مولوی محمد حسین صاحب کی بیچارگی اور کس مپرسی کی بھی کیا حد ہے ان پر ایک ایسا شخص حملہ کرتا ہے جو ایک رنگ میں ان کی جانشینی کا دعویدار ہے۔ جب جانشین کا یہ حال ہے، تو اور کون ان کی طرف سے دفاع کر سکتا ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کے اس رویہ پر مولوی محمد حسین صاحب کی روح بزبانِ حال یہ مصرع پڑھ رہی ہوگی۔ ؎

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

ہمیں مولوی ثناء اللہ صاحب کا بھی بالآخر یہی انجام نظر آ رہا ہے۔ کاش! وہ اس سے نصیحت پکڑیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ◆

مولوی ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں، کہ مولوی محمد حسین صاحب نے ان سے کہا تھا، کہ میں نے مرزا صاحب کے کتابی پروگرام پر اعتماد کر کے براہین احمدیہ پر تعریفی ریویو لکھا تھا، ورنہ حقیقت یہ

ملے اہلحدیث مورخہ ۲۳ر جنوری ۱۹۳۱ء ◆

نہیں ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ مولوی محمد حسین صاحب نے یہ خلاف واقعہ بات کہی ہو۔ اوّل اس لئے کہ اپنی زندگی میں ان کا کسی اور سے یہ بات کہنا ثابت نہیں ہے اور نہ ان کی کسی تحریر میں اس کا کوئی اشارہ پایا جاتا ہے۔ پس ہم یہ کیونکر مان لیں کہ صرف مولوی ثناء اللہ صاحب کے کان میں انہوں نے یہ بات کہی، اور باقی دنیا کو اس سے بے خبر رکھا۔ آخر اس کی حکمت کیا ہوسکتی ہے ؟ کہ وہ بات جو ان کی ایک ایسی تحریر کے متعلق ہے، جسے ہر جگہ مناظرات میں پیش کیا جاتا رہا، اسے وہ صرف مولوی ثناء اللہ صاحب ہی سے بیان کریں۔ اور دوسرے تمام لوگوں سے اُسے چھپائے رکھیں۔ دوّم اس لئے کہ جو تعریف انہوں نے اپنے رسالہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور براہین احمدیہ کی کی ہے، وہ حضور کی پہلی زندگی کی پاکیزگی اور سابقہ بے نظیر اسلامی خدمات کی بناء پر کی ہے۔ آئندہ کے کسی پروگرام وغیرہ پر اعتماد کا اس میں ہرگز ذکر نہیں ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:۔

"۔۔۔۔۔ اب ہم اس پر اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مبالغہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی۔ اور آئندہ کی خبر نہیں۔ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا۔ اور اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے، جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔ ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتا دے جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً فرقہ آریہ و برہم سماج سے اس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو۔ اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشان دہی کرے جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی و قلمی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑا اٹھایا ہو۔"

یہیں پر بس نہیں ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے مفصل ریویو کے دوران میں کتاب

کی مختلف خوبیوں کو نمایاں کرکے دکھلایا ہے اور یہ ریویو بجائے خود ایک مستقل کتاب بن گئی ہے۔ سو جب مولوی محمد حسین صاحب صریح طور پر اپنے ریویو کی بناء سابقہ تجربہ اور پیش نظر کتاب کی خوبیوں پر رکھتے ہیں، تو اس کے برعکس ہم یہ کس طرح تسلیم کرلیں، کہ انہوں نے یہ ساری تعریف آئندہ کے کسی پروگرام کو مدنظر رکھکر کی تھی۔ پس اس ریویو کی "اندرونی شہادت" مولوی ثناءاللہ صاحب کی روایت کو جھٹلا رہی ہے۔ لہٰذا یہ قابلِ قبول نہیں۔

گو ہمیں مندرجہ بالا وجوہ کی بناء پر مولوی صاحب کی بیان کردہ روایت سرتا پا جھوٹی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر یہ درست ہو، تب بھی ہمارے مدّعا کو اس سے کچھ نقصان نہیں پہونچتا۔ کیونکہ اگر مولوی محمد حسین صاحب نے یہ الفاظ کہے ہوں، جو مولوی ثناءاللہ صاحب نے ان کی طرف منسوب کئے ہیں، تو بہر حال یہ اُس وقت کہے ہونگے، جب دعویٰ ماموریت کے بعد مولوی صاحب حضرت اقدس کے مخالف ہو گئے تھے۔ اس لئے ان کی یہ رائے قابلِ اعتناء نہیں۔ بلکہ یہ اس شدید مخالفت کے زیر اثر سمجھی جائے گی، جو مولوی صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہو گئی تھی۔ ہاں حضرت کے دعویٰ ماموریت سے پہلے کی رائے بے لوث تھی، اس لئے اسے ہم ہر جگہ بطور حجت پیش کرسکتے ہیں۔

اور مولوی ثناءاللہ صاحب کا یہ لکھنا کہ مولوی محمد حسین صاحب اب دوسرے جہان میں چل بسے ہیں، اس لئے ان کی شہادت پیش نہیں کرنی چاہیئے، بالکل خلافِ عقل ہے۔ کیونکہ اگر یہ اصول تسلیم کرلیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا، کہ کسی بھی فوت شدہ شخص کی تحریر پر حجت نہیں ہوسکتی، اور نہ اس سے کوئی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ طریق گذشتہ لوگوں کے تمام علوم کو کالعدم کرنے والا ہے۔ اور اسے کوئی عقلمند درست قرار نہیں دے سکتا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ مولوی ثناءاللہ صاحب نے یہ اصول شہادت کہاں سے سیکھا ہے، کہ جو شخص فوت ہو جائے اس کی تحریری گواہی بھی کسی معاملہ میں پیش نہیں ہوسکتی۔

مولوی محمد حسین صاحب کی رائے کو تو مولوی ثناءاللہ صاحب اس لئے پیش کرنے کے قابل نہیں

سمجھتے ، کہ وہ فوت ہو چکے ہیں ۔ مگر وہ اپنی نسبت کیا کہیں گے ۔ کیونکہ آپ بھی زندہ چکے ہیں ۔

"جس طرح مرزا صاحب کی زندگی کے دو حصے ہیں (براہین تک اور اس کے بعد)
اسی طرح مرزا صاحب سے میرے تعلق کے بھی دو حصے ہیں ۔ براہین تک اور براہین
کے بعد ۔ براہین تک میں مرزا صاحب سے حسن ظن تھا ۔ چنانچہ ایک دفعہ جب میری
عمر کوئی ۱۷ ۔ ۱۸ سال کی تھی ، میں بشوق زیارت بٹالہ سے پا پیادہ قادیان گیا ۔" (تاریخ مرزا ص۵)

ہم مولوی صاحب سے دریافت کرتے ہیں ، کہ حضرت مرزا صاحب سے براہین احمدیہ کے زمانہ تک اتنی حسن ظنی آپ کو کس وجہ سے تھی ؟ کیا اس کا باعث یہی نہ تھا ، کہ آپ پر براہین احمدیہ او حضرت اقدس کی دوسری تحریرات کا جو ملک کے اخبارات میں شائع ہوتی تھیں ، اثر تھا ۔ اس کے سوا اور تو کوئی وجہ حضور سے آپ کے اخلاص کی نظر نہیں آتی ۔ پس اصل حقیقت کو نہ چھپایئے اور اقرار کیجئے کہ براہین احمدیہ کی زبردست تاثیر نے آپ میں حضرت مرزا صاحب سے اخلاص پیدا کر دیا تھا ۔ اور یہ اس بات کی "اندرونی شہادت" ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کو خدا تعالیٰ نے ایسی قوت تحریر اور روحانیت بخشی تھی ، کہ اگر کوئی غیر متعصب دل سے حضور کی تحریرات کو پڑھے ، تو وہ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ اور یہی تحریر کا کمال ہے ۔

براہین احمدیہ پر مولوی محمد حسین صاحب کے ریویو کو بے حقیقت ظاہر کرنے کے بعد مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی کتابوں کی نسبت سرسید احمد خاں علی گڑھی کی یہ رائے لکھی ہے کہ "وہ ایک ذرہ کسی کو فائدہ نہیں پہونچا سکتیں "

سرسید احمد خاں صاحب نیچری خیالات رکھتے تھے ، اور وحی اور دُعا کے منکر تھے حضرت مسیح موعودؑ نے ان کے ایسے [illegible] بات کی بڑے زور سے تردید کی ، اور لکھا ، کہ میں علاوہ عقلی دلائل کے تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعہ وحی اور دعا کی حقانیت ثابت کر سکتا ہوں ۔ اور اس کے لئے سید صاحب کو دعوت دی چنانچہ "الاعلام" "برکات الدعا" اور "آئینہ کمالات اسلام" وغیرہ میں یہ مفصل بحث موجود ہے ۔

سر سید احمد خاں حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات کا کچھ جواب تو نہ دے سکے، صرف اتنا کہا، کہ "یہ کسی کو فائدہ نہیں پہونچا سکتیں"۔ حالانکہ یہ بات واقعات کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی تصانیف سے لاکھوں لوگوں نے وحی، دعا اور دیگر روحانی مسائل کی حقیقت کو سمجھا۔ اور نہ صرف حضور کی ذات میں ان روحانی حقائق کا مشاہدہ کیا، بلکہ حسب استعداد خود بھی ان کا تجربہ کیا۔ سید احمد خاں صاحب اگر اپنی بدقسمتی سے ان سے فائدہ نہ اٹھا سکے، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا، کہ اور بھی کسی کو ان سے فائدہ نہیں پہونچا۔ آخر قرآن مجید سے فائدہ اٹھانے سے بھی تو دنیا کے بڑے بڑے مصنف، مدبر، متفکر، حکیم اور فلاسفر کہلانے والے محروم ہی رہے ہیں۔ اور انہوں نے بھی سید صاحب کی طرح یہ کہا ہے کہ قرآن مجید اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے نعوذ باللہ دنیا کو کچھ فائدہ نہیں پہونچا۔ جس طرح ان کا یہ قول غلط ہے، اسی طرح سید صاحب کی رائے بھی غلط ہے۔ کیونکہ یہ واقعات کے خلاف ہے۔

اگر مولوی ثناء اللہ صاحب کے نزدیک سر سید احمد خانصاحب کی رائے کی کوئی حیثیت ہے، تو وہ ان بڑے بڑے یورپین اور امریکن مصنفوں اور فلاسفروں کی نسبت کیا فرمائینگے۔ جو سارے روحانی نظام کو بے معنی سمجھتے ہیں۔ اور سلسلۂ انبیاء کے بھی منکر ہیں۔ دُور کیوں جائیں۔ خود اپنے ان کے دیوسماجیوں اور برہموسماجیوں ہی کی تصانیف کو پڑھ لیں۔ وہ کس طرح وحی والہام اور وجود باری کے عقائد اور الہامی کتب کا تمسخر اڑاتے اور ان کو فضول قرار دیتے ہیں۔ کیا ان کی ان تحریرات کو بھی مولوی ثناء اللہ صاحب وہی حیثیت دینے کو تیار ہیں، جو حضرت مسیح موعودؑ کے مقابلہ میں سید صاحب کی رائے کو دے رہے ہیں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کو متکلم ہونے کا بڑا دعویٰ ہے، اور وہ بار بار اپنے مضامین میں اپنی علم کلام سے واقفیت کا ڈھول پیٹتے ہیں۔ مگر اتنا نہیں جانتے، کہ مخالف کی رائے کو حجت کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ سر سید احمد خانصاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جن تحریرات کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ وہ کسی کو فائدہ نہیں پہونچا سکتیں، وہ وُہ تحریرات ہیں جو سید صاحب کے مسلک کے خلاف تھیں۔ اس لئے وہ ان کی نسبت اچھی رائے کس طرح ظاہر کر سکتے تھے۔

اگر سید صاحب کی رائے کی فی الواقع کوئی وقعت ہے، تو مولوی ثناء اللہ صاحب بتائیں، کہ کیا وہ بھی یہی سمجھتے ہیں، کہ وحی اور دعا وغیرہ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے سید صاحب کے خلاف جو کچھ لکھا ہے، وہ غلط ہے۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ کی یہ تحریرات غلط ہیں، تو ماننا پڑے گا، کہ آپ بھی ان مسائل میں سید صاحب کے ہم خیال ہیں۔ اور اگر آپ کی رائے سید صاحب کی رائے سے مختلف ہے تو پھر آپ نے ان کی رائے کو پیش کیوں کیا! مولوی ثناء اللہ صاحب حضرت مسیح موعودؑ کی مخالفت میں بہت دور تک چلے جایا کرتے ہیں۔ مگر ہم خیال کرتے ہیں، کہ وہ اس قدر حد سے نہ گذر جائینگے، کہ سید احمد خانصاحب کے مسلک کی تائید کریں۔ کیونکہ انہیں دوسرے وہابیوں کا بھی ڈر ہے کہ وہ پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ جائیں گے۔

اور سید احمد خانصاحب کی مخالفانہ رائے کا آپ کیا ذکر کرتے ہیں۔ ایک حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام پر ہی کیا موقوف ہے۔ اگر کوئی اور مصنف بھی (خواہ وہ کتنا بڑے سے بڑا ہوتا) سید صاحب کے مسلک کے خلاف لکھتا، اور سید صاحب سے اس کے متعلق رائے پوچھی جاتی، تو وہ یہی کہتے، کہ یہ سب بے فائدہ باتیں ہیں۔ چنانچہ اُس زمانہ کے جتنے لوگ ان کے خلاف لکھتے تھے، وہ ان سب کو واہی خیال کرتے تھے۔ سو سید احمد خانصاحب کی رائے اس بارے میں قابل اسناد نہیں اصل چیز واقعات ہیں۔ اور واقعات کی شہادت یہ ہے اکہ حضرت مرزا صاحب نے بطور مصلح جو تصانیف کیں، ان سے ان کا مقصد حاصل ہوا، یعنی اصلاح ہوئی، اور لاکھوں انسانوں نے اُسے عملاً فائدہ اٹھایا اس حقیقت نفس الامری کے مقابلہ میں ایک سید احمد خاں چھوڑ ہزار سید احمد خاں بھی ہوں تو ان کی رائے ہیچ ہے۔

ریویو نصف قیمت پر! غذا اور سامان طباعت وغیرہ کی انتہائی مہنگائی کی وجہ سے آج کل بڑے بڑے سرمایہ دار اور روزانہ اخبارات بھی سخت صبر آزما حالات میں سے گذر رہے ہیں۔ اور اسی وجہ سے پنجاب کے اخبارات کی قیمتوں میں ان کے مالکوں نے ۱۵ اپریل سے پچاس فیصدی کا اضافہ کر دیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ ایک خالص علمی اور مذہبی ماہوار رسالہ کی حالت

گیا ہوگی۔ لیکن چونکہ ہمارے رسالہ کا مقصد محض تبلیغ و اشاعت ہے۔ اس لئے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ بجائے پچاس فیصدی قیمت بڑھانے کے پچاس فیصدی قیمت گھٹا دیں۔ چنانچہ اس سال ہم ریویو کے دو سو پرچے ایسے غیر احمدی اور غیر مسلم اصحاب کے نام نصف قیمت اڈیڑھ روپیہ سالانہ پر جاری کرینگے، جو احمدیت یا عام طور پر مذہب سے دلچسپی رکھتے ہوں۔ لہذا ہم احباب جماعت سے یہ درخواست کرتے ہیں، کہ اس تبلیغی جہاد میں ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ اور اپنے اپنے حلقہ اثر میں غیر احمدی اور غیر مسلم اصحاب کو رسالہ کے خریدار بنائیں۔ یا اپنے خرچ پر اُن کے نام رسالہ جاری کرائیں۔

ڈیڑھ روپیہ سالانہ نہایت معمولی رقم ہے۔ ہم رسالہ کا نقصان برداشت کرکے یہ اقدام محض اس خیال سے کر رہے ہیں، کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے عقائد و خیالات کی غیروں میں بکثرت اشاعت ہو۔ امید کی جاتی ہے کہ جماعت کے دوست ضرور اس کار خیر میں حصہ لیں گے۔ یعنی یا غیر احمدی اور غیر مسلم اصحاب کو رسالہ کے خریدار بنائیں گے اور یا حسب توفیق ایک ایک دو دو پرچے اپنے خرچ پر جاری کرائینگے۔ دو سو غیر احمدی اور غیر مسلم اصحاب اور لائبریریوں کے پتے بھی درکار ہیں۔ مناسب اور مستحق لوگوں کے پتے مہیّا کئے جائیں ؛

قبولیتِ دُعا کا مسئلہ

(از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے)

{حضرت میاں صاحب نے ہماری درخواست پر یہ مضمون اپنی زیر تصنیف کتاب سیرت خاتم النبیین حصّہ سوم کے مسودہ سے "ریویو" میں اشاعت کے لئے عنایت فرمایا ہے جَزَاہُ اللہُ خَیْرًا۔ مضمون حضرت ممدوح کی نظرِ ثانی کے بغیر شائع ہو رہا ہے۔ (ایڈیٹر)}

مدینہ میں بارش کا قحط اور آنحضرتؐ کی دعاء استسقاء

اسی سال ماہ رمضان میں (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۵۶) مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں دیر تک بارش کے نہ ہونے کی وجہ سے قحط کے آثار ہونے لگے۔ صحابہؓ نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی تکلیف بیان کی اور درخواست کی کہ ان کے لئے بارش کی دُعا فرمائی جاوے۔ اس پر آپ صحابہ کی ایک جماعت کو ساتھ لیکر مصلّٰی یعنی عیدگاہ میں تشریف لے گئے۔ اور وہاں قبلہ رُخ ہو کر بارش کے لئے دعا فرمائی۔ اور اس کے بعد خدا کے فضل سے بہت جلد بارش ہو گئی۔ (فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۴۱۵-۴۲۵۔ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۵) اس کے بعد اسلام میں استسقاء کی نماز کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ اس نماز کی یہ خصوصیت ہے کہ عام نمازوں کی طرح امام مقتدیوں کے آگے کھڑا ہوتا ہے۔ مگر قولی دعا کے علاوہ جس میں انسانوں اور جانوروں کی تکلیف کا ذکر کرکے خدا سے بارش کی التجا کی جاتی ہے امام ایک چادر کے کونے کو پکڑ کر اسے اپنی پیٹھ پر ڈالتا ہے اور پھر اُسے بالکل اُلٹا دیتا ہے (بخاری ابواب الاستسقاء باب تحویل الرداء و مشکوٰۃ باب نماز استسقاء) جو گویا زبانِ حال سے اس بات کی استدعا ہوتی ہے کہ خدایا ہم پر یہ سختی کے دن بدل جائیں اور تیری وہ رحمت جو ہر چیز کے پیچھے مخفی ہوتی ہے

تکلیف کے ظاہری پہلو کو دبا کر باہر آجاوے۔

بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور موقعہ پر جبکہ آنحضرت صلعم جمعہ کے خطبہ کے لئے منبر پر چڑھے ہوئے تھے ایک صحابی نے موسم کی سختی کا ذکر کر کے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! جانور مر رہے ہیں اور سفر کٹھن ہو رہے ہیں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ بارش برسائے۔" آپ نے اسی وقت دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے۔ اور بارش کے لئے بلند آواز سے دعا فرمائی۔ انس بن مالک جو اس روایت کے راوی ہیں اور جو آنحضرت صلعم کے خاص خدمتگار تھے بیان کرتے ہیں، کہ اس وقت آسمان بالکل صاف تھا۔ لیکن ابھی ہم مسجد میں ہی تھے اور جمعہ سے فراغت نہیں ہوئی تھی کہ ایک طرف سے بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نمودار ہوا اور ہمارے دیکھتے دیکھتے وہ سارے آسمان پر چھا گیا اور پھر بارش برسنے لگی اور برابر ایک ہفتہ تک برستی رہی۔ اور اس عرصہ میں ہم نے سورج کی شکل تک نہیں دیکھی (حالانکہ اس ملک میں ایسی صورت بہت ہی شاذ تھی) پھر جب دوسرا جمعہ آیا تو ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! بارش نے تو رستے روک دیئے اور چراگاہوں کے غرقاب ہو جانے سے مویشی بھوکے مر رہے ہیں۔ دعا فرمائیں کہ اب اللہ تعالیٰ اس بارش کے سلسلہ کو روک دے۔" آنحضرت صلعم نے تبسم فرمایا (اشارہ غالباً یہ تھا کہ انسان کسی پہلو سے بھی تسلی نہیں پاتا۔ نیز یہ کہ اللہ کی رحمت کسی خاص چیز میں محصور نہیں۔ بلکہ ہر چیز رحمت بن سکتی ہے اور ہر چیز ہی عذاب کا رنگ اختیار کر سکتی ہے اس لئے ہر وقت خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ اور خدا سے اس کی رحمت کو مانگتے رہنا چاہیئے) اور پھر ہاتھ اٹھا کر دُعا کی کہ اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا الخ یعنی خدایا! اب ہم پر اس بارش کے سلسلہ کو بند فرما۔ اور جہاں ضرورت ہو وہاں برسا۔ انس کہتے ہیں کہ ہم جمعہ کی نماز پڑھکر مسجد سے نکلے تو دھوپ نکلی ہوئی تھی (بخاری ابواب الاستسقاء باب الاستسقاء فی المسجد الجامع)

اس جگہ طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ بادل نہیں تھے۔ اور آنحضرت صلعم نے دعا فرمائی اور بادل آگئے۔ اور بارش ہونے لگی۔ اور پھر جب بارش کی کثرت ہوئی تو آنحضرت

صلعم نے بارش کے بند ہونے کی دعا فرمائی اور بادل پھٹ گئے اور مطلع صاف ہوگیا۔ یعنی جب یہ باتیں عام قانونِ قدرت کے ماتحت ظہور پذیر ہوتی ہیں تو پھر اس معروف اور مشہود قانونِ قدرت کے خلاف یہ بات کیونکر ہوگئی کہ آنحضرت صلعم کی دعا سے بادل نمودار ہوگئے اور پھر دعا سے ہی بادلوں نے پھٹ کر سورج کو رستہ دیدیا۔

سو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ معاملہ قبولیت دعا کے مسئلہ سے تعلق رکھتا ہے اور یہ مسئلہ ایسا ہے کہ ہر مذہب میں اور ہر زمانہ میں اس مسئلہ کو تسلیم کیا گیا ہے اور کم وبیش ہر قوم کے مذہبی بزرگوں کی زندگی میں قبولیت دعا کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ دراصل یہ مسئلہ اپنے بیشتر پہلوؤں میں معجزات کے مسئلہ کے ساتھ مربوط ہے جس کے متعلق ایک اصولی بحث کتاب کے حصہ دوم (صفحہ ۴۵۴ تا ۴۶۱) میں گذر چکی ہے۔ اور ہم اپنے ناظرین سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اس نوٹ کے ساتھ اس کتاب کے حصہ دوم کے متعلقہ اوراق بھی ضرور ملاحظہ فرمالیں۔

بات یہ ہے کہ ایسے امور میں استدلالی براہین کو زیادہ دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ بحث کا مرکزی نقطہ یہ بات قرار پاتی ہے کہ آیا دعائیں عملاً قبول ہوتی ہیں یا نہیں۔ اور آیا کوئی بات دعا کے نتیجہ میں عملاً وقوع میں آتی ہے یا نہیں۔ اگر دعا کی قبولیت کا نتیجہ عملاً نظر آجائے اور ایسی صورت میں نظر آئے کہ اس میں کسی قسم کی غلط فہمی کا امکان نہ ہو اور سمجھدار اور معتبر اور صادق القول لوگوں کی ایک جماعت اس کی شاہد ہو اور پھر مختلف قسم کے حالات میں ایسا مشاہدہ بار بار کے تجربہ سے پایۂ ثبوت کو پہونچ جائے تو اس صورت میں کوئی عقلمند انسان اس کے متعلق شبہ نہیں کرسکتا۔ جب ہم دوسرے امور میں معتبر لوگوں کی شہادت پر اپنے فیصلہ کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اور ساری دنیا اس طریق فیصلہ کو قبول کرتی ہے حتیٰ کہ سائنس کے جدید مشاہدات بھی خواہ ان میں کس قدر ہی غیر متوقع اور عجیب وغریب حالات کا انکشاف ہو کم از کم ابتداءً سائنسدانوں کی شہادت کے ذریعہ ہی قبول کئے جاتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ سمجھدار اور صادق القول لوگوں کی شہادت کے ہوتے ہوئے جو مختلف قوموں اور مختلف زمانوں میں یکساں پائی جاتی ہے دعا کی

قبولیت اور معجزات و خوارق کے وجود سے انکار کیا جائے۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سائنس کی دریافتیں تو ایسی ہیں کہ ہر شخص جو ان کا علم حاصل کرنا چاہے اور جو رستہ اس علم کے حصول کے لئے مقرر ہے اسے اختیار کرے اور ان آلات اور ذرائع کو استعمال میں لائے جو ان علوم کے معلوم کرنے یا تصدیق کرنے کے لئے ضروری ہیں تو وہ انہیں معلوم کر سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اے ہمارے بھٹکے ہوئے بھائیو! خدا تمہاری آنکھیں کھولے بعینہٖ یہی صورت دعا اور معجزات و خوارق کے معاملہ میں بھی پائی جاتی ہے یعنی ان پر بھی یہی ازلی قانون چسپاں ہوتا ہے کہ جو شخص ان کی حقانیت کے تجربہ کرنے کا سچا خواہشمند ہو اور اس رستہ پر گامزن ہو جو اس علم کے حصول کا رستہ ہے اور ان ذرائع کو استعمال کرے جو اس حقیقت کی دریافت کے لئے مقرر ہیں اور اس کوشش میں وہ کسی غلط رستہ کو اختیار کر کے بھٹک نہ جائے تو ناممکن ہے کہ وہ ان صحیح نتائج تک پہونچنے سے محروم رہے جو ہر سچے اور صحیح طریق پر کام کرنیوالے کیلئے مقدر ہیں۔ خواہ وہ سائنس کے میدان سے تعلق رکھتا ہو اور خواہ روحانیت کے میدان سے۔ کیونکہ دونوں کا منبع خدا کی ذات ہے۔ اور دونوں ایک ہی ازلی حکومت کے نیچے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ دنیا کے علوم کے متعلق تو لوگ یقین رکھتے ہیں کہ وہ بغیر صحیح کوشش اور صحیح طریق اور صحیح جدوجہد کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اور اس لئے وہ دن رات اس کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور اپنی غلطیوں کی وجہ سے درمیان میں صدہا ناکامیاں بھی دیکھتے ہیں مگر ہمت نہیں ہارتے۔ لیکن روحانی میدان میں وہ صرف دل کی خواہش یا منہ سے نکل کر اڑ جانے والے الفاظ سے تمام مراحل طے کرنا چاہتے ہیں۔ اور جب اس طرح ان کی خواہش پوری نہیں ہوتی اور ان کا مقصود انہیں حاصل نہیں ہوتا تو وہ مایوس ہو کر اس خواہش کو ہی خیرباد کہدیتے ہیں اور اس مقصود کو ایک وہمی چیز قرار دینے لگ جاتے ہیں یقیناً کسی اہم مقصد کے حاصل کرنے کا یہ طریق نہیں قرآن شریف میں خدا تعالے فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (سورۂ عنکبوت رکوع ۷) یعنی جو لوگ ہمارے معاملہ میں پوری پوری اور صحیح صحیح کوشش کرتے

ہیں ہم ضرور بالضرور ان کے لئے اپنے رستے کھول دیتے ہیں۔"

اب ناظرین غور فرمائیں۔ کیا انہوں نے اس معاملہ میں پوری پوری اور صحیح صحیح کوشش سے کام لیا ہے۔ یعنی کیا انہوں نے کم ازکم اس معاملہ میں ایسی کوشش کی ہے جو وہ دنیا کے اہم مقاصد کے لئے کیا کرتے ہیں؟ اگر انہوں نے ایسی کوشش نہیں کی اور یقیناً نہیں کی تو انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان اور قلم کو بند رکھیں۔ اور ان لوگوں کی شہادت کے متعلق حسن ظنّی سے کام لیں جو اس میدان میں اپنی زندگیاں وقف رکھتے ہیں اور جن کے حالات اس بات کے ضامن ہیں کہ وہ کم ازکم مفتری یا مجنون نہیں۔

درحقیقت اصل سوال تو یہ ہے کہ کیا واقعی اس دنیا کا کوئی خدا ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے۔ اور جو اس سارے کارخانہ عالم کو اپنے دستِ قدرت سے چلا رہا ہے۔ اگر تو ایسا خدا ہے اور وہ دنیا کو پیدا کر کے اپنے عرش الوہیت سے معزول نہیں ہو گیا اور نہ اس کی طاقتیں معطل ہوئی ہیں تو پھر دعا کا مسئلہ کسی عقلمند کے نزدیک قابلِ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ صرف سوال یہ رہ جاتا ہے کہ آیا کوئی مخصوص دعا عملاً قبولیت کے درجہ کو پہونچی ہے یا نہیں اور آیا اس کا کوئی معین نتیجہ نکلا ہے یا نہیں۔ سو یہ بات مشاہدہ کے میدان سے تعلق رکھتی ہے جن میں استدلالی براہین کا دخل نہیں۔ مجھے اپنے مضمون سے زیادہ ہٹنا پڑتا ہے ورنہ میں سینکڑوں ہزاروں مثالیں دے کر ثابت کر سکتا ہوں (یہ مثالیں کم و بیش ہر مذہب میں پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ اپنی اصل کے لحاظ سے تمام مذاہب جن کی بنیاد الہام الٰہی پر ہے خدا کی طرف سے ہیں اور اپنے اپنے زمانہ میں خدائی نصرت کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔ گو اب وہ غلط رستہ پر پڑ کر اس نصرت سے محروم ہو چکے ہوں) کہ ہمارا خدا ایک نام کا بادشاہ نہیں۔ اور نہ وہ اپنے پیدا کردہ قانون کا غلام ہے کہ اس میں حسب ضرورت کوئی تبدیلی نہ کر سکے۔ بلکہ وہ ایک زندہ اور متصرف خدا ہے جو اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور ان پر یقینی نتائج مترتب کرتا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ جس طرح وہ قانون کا غلام نہیں اسی طرح وہ اپنے بندوں کا بھی تابع نہیں اور ضروری نہیں کہ

ہر دعا کو منظور کرے۔ بلکہ دعا کی منظوری بعض شرائط کے ساتھ مشروط ہے جنہیں ہم انشاء اللہ آگے چل کر درج کرینگے۔

اس اصولی نوٹ کے بعد میں مسئلہ دعا کے متعلق اپنے ناظرین کی تنویر کے لئے چند قرآنی آیات اور احادیث پیش کرتا ہوں۔ تاکہ انہیں مختصر طور پر یہ معلوم ہو سکے کہ اس بارے میں اسلامی تعلیم کا خلاصہ کیا ہے۔ مگر اس سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ لغوی معنوں کی رُو سے دُعا کا مفہوم کیا ہے؟ سو جاننا چاہیئے کہ دعا ایک عربی لفظ ہے جس کے معنے کسی کو بلانے یا پکارنے کے ہیں۔ اور گو پکارنے اور بلانے میں طبعًا غالب مفہوم سوال کرنے اور مانگنے کا ہے، مگر اپنے وسیع معنوں کے لحاظ سے دعا میں ہر رنگ کا پکارنا شامل سمجھا جائیگا۔ خواہ یہ پکارنا سوال یا طلب نصرت کی غرض سے ہو یا کسی اور غرض سے۔ مثلاً اگر کوئی شخص خدا کو محض اپنی محبت اور عبودیت کے جذبات کے اظہار کے لئے مخاطب کرتا ہے تو یہ بھی ایک نوع دعا کی ہے خواہ اس میں کوئی پہلو سوال یا استعانت کا نہ پایا جائے۔ مگر ان وسیع معنوں کے علاوہ دعا کے لفظ کو اصطلاحًا ایک مخصوص اور محدود مفہوم بھی حاصل ہو گیا ہے جو سوال کرنے اور مانگنے اور طلب نصرت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس جگہ یہی مؤخر الذکر مفہوم ہمارے مدنظر ہے۔

سب سے پہلے اسلام مسئلہ دعا کے متعلق یہ تعلیم دیتا ہے کہ دعا صرف ایک عبادت ہی نہیں ہے بلکہ حقیقی سوال کا رنگ بھی رکھتی ہے اور اللہ تعالےٰ حسب حالات اس سوال کو قبول کرتا اور اس پر نتیجہ مترتب فرماتا ہے۔ اور مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے، کہ وہ کبھی اس روحانی ہتھیار کی طرف سے غافل نہ ہوں۔ بلکہ اسے ہمیشہ اپنے استعمال میں رکھیں۔ دراصل اسلام میں دُعا کے متعلق نظریہ یہ ہے کہ جس طرح خدا نے دنیا میں مختلف مقاصد کے حصول کے لئے مختلف ذرائع مقرر فرمائے اور خدا کا یہ منشاء ہے کہ لوگ حسب حالات ان ذرائع اور اسباب کو اختیار کریں اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔ اور دنیا میں ساری ترقی کا راز انہی اسباب کے استعمال میں مخفی ہے۔ اسی طرح خدا تعالےٰ نے ان مادی اسباب کے علاوہ ایک روحانی سبب بھی مقرر فرمایا ہے

اور یہ روحانی سبب دعا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہے کہ اس کے بندے اپنے کاموں میں ظاہری اور مادی ذرائع کے ساتھ ساتھ روحانی دعا یعنی روحانی ذریعہ کو بھی استعمال کریں۔ اور اس منشاء الٰہی میں دو بڑی غرضیں مدنظر ہیں:۔

اوّل:۔ یہ کہ مادی اسباب میں پڑنے کی وجہ سے لوگوں کی نظر مادیت کے ماحول میں محصور ہو کر نہ رہ جائے۔ اور وہ ان مادی اسباب کو ہی اپنا آخری سہارا نہ سمجھنے لگیں۔ بلکہ ان اسباب کے ساتھ ساتھ ان اسباب کے پیدا کرنے والے خدا کو بھی یاد رکھیں۔ جس کے سہارے پر یہ سارے اسباب قائم ہیں۔

دوم۔ لوگوں کے دل میں یہ احساس پیدا ہو کہ جس طرح مختلف مقاصد میں کامیابی کیلئے بعض مادی اسباب مقرر ہیں۔ اسی طرح خدا کی ازلی تقدیر نے ایک روحانی سبب بھی مقرر کر رکھا ہے۔ اور یہ روحانی سبب دعا ہے جو ہمارے معاملات میں اسی طرح مؤثر ہے جس طرح کہ مادی اسباب مؤثر ہیں۔ البتہ جس طرح قانونِ قدرت کے ماتحت ہر مادی سبب کے استعمال کا ایک طریق مقرر ہے اسی طرح روحانی سبب کے استعمال کا بھی ایک طریق مقرر ہے جسے اختیار کرنے کے بغیر وہ مؤثر نہیں ہوتا۔ لیکن جب اس طریق کو اختیار کر لیا جائے تو یہ روحانی سبب مادی اسباب کی نسبت بھی زیادہ مؤثر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ گو مادی اور روحانی اسباب ہر دو کی تہہ میں خدا ہی کا ہاتھ ہے اور وہی ہر چیز کی علت العلل ہے۔ مگر چونکہ روحانی سبب میں گویا خدا تعالیٰ سے براہِ راست اپیل ہوتی ہے اس لئے اگر اس میں صحیح طریق کو اختیار کیا جائے تو وہ لازماً مادی اسباب کی نسبت بہت زیادہ قوی الاثر اور بہت زیادہ سریع الاثر اور بہت زیادہ وسیع الاثر ثابت ہوتا ہے۔

اس کے بعد ہم مسئلہ دعا کے متعلق بعض قرآنی آیات اور احادیث کو اس جگہ درج کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اسلام اس بارے میں کیا تعلیم دیتا ہے۔ سو قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۔ (سورۃ مومن رکوع ۶)

"تمہارا پروردگار تمہیں ہدایت فرماتا ہے کہ (جب بھی تمہیں کوئی ضرورت یا حاجت پیش آیا کرے) تم مجھے پکارا کرو میں تمہاری پکار کو سنوں گا اور قبول کرونگا۔ لیکن وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں (اور ان کی گردنیں مجھے پکارنے کے لئے نیچی نہیں ہوسکتیں) وہ عنقریب ذلیل ورسوا ہوکر آگ کے عذاب میں داخل کئے جائیں گے۔"

پھر فرماتا ہے:۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (سورۃ بقرہ رکوع ۲۳)

یعنی اے رسول جب میرے بندے میرے متعلق تجھ سے پوچھیں تو تُو انہیں کہدے کہ میں (تم سب کے) قریب ہوں میں پکارنے والے کی آواز کو سنتا اور اس کا جواب دیتا ہوں (یعنی اسے قبول کرتا ہوں) مگر میرے بندوں کو بھی چاہیئے کہ وہ میری آواز پر کان دھریں اور مجھ پر سچا ایمان لائیں تاکہ وہ (اپنی دعاؤں میں) کامیابی کا منہ دیکھ سکیں۔

پھر فرماتا ہے:۔

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۔ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ۔ (سورۃ اعراف رکوع ۷)

یعنی اے لوگو! اپنے رب کو ہر حال میں پکارا کرو خواہ تم تضرع اور گھبراہٹ کی حالت میں اُسے پکار کر رہے ہو۔ اور خواہ ضبط اور صبر کی حالت میں خاموش ہو۔ اگر تم اپنے خدا کو پکارنے میں تکبّر سے کام لوگے تو جان لو کہ خدا حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور تمہیں چاہیئے کہ دنیا میں بعد اس کے کہ خدا نے اس کی اصلاح کا سامان پیدا کر دیا ہے فساد نہ برپا کرو۔ اور

اپنے خدا کو خوف اور طمع ہر حالت میں پکارتے رہو یعنی خواہ تمہیں کسی مصیبت سے رہائی پانے کی خواہش ہو یا کسی بھلائی کے حاصل کرنے کی تمنا ہو ہر حال میں دُعا کرتے رہو۔ بے شک خدا کی رحمت نیکی قائم کرنے والوں کے قریب ہے۔

اور دوسری جگہ فرماتا ہے :-

وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلَالٍ ۝ (سورۃ رعد رکوع ۲)

یعنی بے شک خدا اپنے بندوں کی دعائیں سنتا ہے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھو کہ ہر شخص کی ہر دُعا مقبول ہوتی ہے۔ بلکہ خدا کا یہ قانون ہے کہ ناشکر گذار لوگوں کی دعائیں یا ان لوگوں کی دعائیں جو خدائی نظام سے باغی ہوں قبول نہیں ہوتیں۔ بلکہ یونہی اِدھر اُدھر بھٹک کر ختم ہو جاتی ہیں۔

نیز فرماتا ہے :-

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ (سورۃ آل عمران رکوع ۲)

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ (سورۃ احزاب رکوع ۸)

یعنی اللہ تعالیٰ کسی صورت میں اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتا۔ اور تم خدا کی سنت میں بھی کسی قسم کی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

اسی طرح حدیث میں آنحضرت صلعم فرماتے ہیں :-

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔ (ترمذی جلد ثانی کتاب الدعوات)

یعنی دعا کو عبادت میں وہ درجہ حاصل ہے جو ایک ہڈی میں گودے کو حاصل ہوتا ہے۔ جو گویا ہڈی کی جان ہوتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں :-

لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ (ترمذی جلد ثانی ابواب القدر)

یعنی دعا کو وہ طاقت حاصل ہے کہ وہ خدائی قضا و قدر کو بھی بدل دیتی ہے۔ یعنی اگر عام قانون قضا و قدر کے ماتحت کوئی مصیبت آنے والی ہوتی ہے تو دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو ٹال دیتا ہے

پھر فرماتے ہیں:۔

اِنَّهُ يُسْتَجَابُ لِاَحَدِكُمْ مَا لَمْ يَعْجَلْ فَيَقُوْلُ قَدْ دَعَوْتُ رَبِّيْ فَلَمْ يَسْتَجِبْ لِيْ (مسند احمد جلد ثانی صفحہ ۳۹۶)

یعنی دعا میں بڑے صبر و استقلال کی ضرورت ہے اور جب انسان جلد بازی سے کام نہیں لیتا تو وہ اپنی دعا کا پھل حاصل کرتا ہے۔ ہاں اگر وہ خود تھک کر یہ کہنے لگ جائے کہ میں نے تو دعائیں کر کے دیکھ لیا ہے مگر خدا نے میری کوئی نہیں سُنی۔ تو پھر ایسے شخص کی دعا واقعی قبول نہیں ہوتی

پھر فرماتے ہیں:۔

اِذَا دَعَا اَحَدُكُمْ فَلْيَعْزِمِ الْمَسْئَلَةَ وَلَا يَقُوْلَنَّ اَللّٰهُمَّ اِنْ شِئْتَ فَاَعْطِنِيْ فَاِنَّهُ لَا مُسْتَكْرِهَ لَهُ۔ (صحیح بخاری کتاب الدعوات)

یعنی جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرنے لگے تو اُسے چاہیئے کہ اپنے سوال پر پختگی سے قائم ہو اور ایسے الفاظ استعمال نہ کرے کہ خدایا اگر تو پسند کرے تو میری اس دعا کو قبول کر لے کیونکہ خدا تو بہرحال اسی صورت میں قبول کرے گا کہ وہ اُسے پسند کریگا۔ کیونکہ خدا سب کا حاکم ہے اور اس پر کسی کا دباؤ نہیں۔ پس خواہ مخواہ مشروط یا ڈھیلے ڈھالے الفاظ کہکر اپنے دعا کے زور کو کم نہیں کرنا چاہیئے۔

آنحضرت صلعم کا یہ آخری ارشاد علم النفس کے ایک بھاری اور پختہ اصول پر مبنی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ دعا کیلئے توجہ اور انہماک اور استغراق کی کیفیت ضروری ہے اور یہ کیفیت اسی صورت میں پیدا ہوسکتی ہے کہ جب دعا کرنے والا عزم اور یقین کے ساتھ ایک بات پر قائم ہو کر کسی چیز کا سوال کرے۔ لیکن اگر وہ اس قسم کے الفاظ کہے کہ خدایا تو اگر چاہے تو میری یہ بات مان لے۔ تو پھر اس صورت میں اس کے اندر کبھی بھی وہ توجہ اور وہ استغراق کا رنگ پیدا نہیں ہوسکتا جو دعا کی قبولیت کے لئے ضروری ہے۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ بہرحال خدا انسان کے ماتحت تو نہیں کہ ہر چیز جو انسان مانگے وہ ضرور اسے دیدے اور انکار کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ بلکہ وہ

ایک حکمران خدا ہے۔ اور اپنے مصالح کے ماتحت قبول کرنے اور رد کرنے ہر دو کی طاقت رکھتا ہے تو پھر انسان کیوں اپنے دل میں ایک شک کی حالت پیدا کرکے اس عزم اور توجہ اور استغراق کے مقام سے متنزل ہو جائے جو سوال میں کشش پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اسی اصول کی تشریح آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:۔

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ۔ (مسلم و بخاری)

یعنی خدا فرماتا ہے کہ میرا بندہ میرے متعلق جس قسم کا گمان رکھتا ہے میں اسی کے مطابق اس سے سلوک کرتا ہوں۔

بہرحال دعا کے لئے عزم اور یقین کی کیفیت ضروری ہے۔ اور عام حالات میں شک کے الفاظ میں دعا کرنا جائز نہیں۔ مگر یہ اسی صورت میں ہے کہ دعا کرنے والا عدم یقین یا عدم توجہ کی وجہ سے ایسا طریق اختیار کرے۔ لیکن اگر وہ توجہ اور یقین کے مقام پر قائم رہتے ہوئے پھر کسی معاملہ میں اپنے فیصلہ کو خدا پر چھوڑے اور اس کی حالت میں بے اعتقادی یا عدم یقین کا رنگ نہ ہو بلکہ توکل علی اللہ اور تفویض الی اللہ کا رنگ ہو۔ تو ایسی صورت میں ایسی دعا ناجائز نہیں ہوگی۔

مذکورہ بالا آیات و احادیث سے مسئلہ دعا کے متعلق مندرجہ ذیل اصولی باتیں ثابت ہوتی ہیں:۔

۱۔ ہر مومن مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ہر حال میں خدا سے دعا کرتا رہے۔ خواہ اُسے خوف کی حالت درپیش ہو یا طمع کی۔ یعنی خواہ وہ تنگی کی حالت میں ہو یا آرام میں۔ خواہ وہ کسی مصیبت سے بچنا چاہتا ہو یا کسی بھلائی کے حاصل کرنے کے درپے ہو۔

۲۔ دعا ہر حالت میں ہونی چاہیئے۔ تضرع کی حالت میں بھی اور خفیہ حالت میں بھی۔ یعنی اس وقت بھی کہ جب انسان پر افکار کا ایسا ہجوم ہو کہ وہ اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکتا ہو اور اس وقت بھی کہ جب وہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھکر صبر اور خاموشی کے ساتھ اپنی التجا کو پیش

کرسکتا ہو۔

۳۔ دعا کی قبولیت کے لئے نیکی اور طہارت اور خدا کی فرمانبرداری اور عبودیت ضروری ہے۔ جو لوگ خدا کی آواز پر کان دھرتے ہیں۔ خدا بھی ان کی آواز کو زیادہ توجہ سے سُنتا ہے۔

۴۔ ناشکر لوگوں کی دعائیں جو خدا کے انعاموں پر شکر گذاری کا طریق اختیار نہیں کرتے نیز ان لوگوں کی دعائیں جو خدائی نظام کے باغی ہیں درجۂ قبولیت کو نہیں پہونچتیں۔ بلکہ صدائے صحرا کی طرح فضا میں گونج کر ختم ہو جاتی ہیں۔

۵۔ دعا میں یہ طاقت حاصل ہے کہ وہ خدائی تقدیر کو بھی بدل سکتی ہے۔ یعنی اگر خدا کے عام قانون قدرت کے ماتحت کوئی بات ہونے والی ہو۔ اور پھر اس کا کوئی پاک بندہ اس سے اس بات کے ٹل جانے کی دعا کرے تو خدا تعالےٰ اپنی اس عام تقدیر کو بدل کر اپنے بندے کی دُعا کے مطابق خاص تقدیر جاری کر دیتا ہے۔

۶۔ مگر خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ اپنی کسی سنت یا وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ پس ایسی دعائیں جو اس کی کسی سنّت یا وعدہ کے خلاف ہوں قبول نہیں ہوتیں۔

۷۔ دعا کے لئے جلد بازی سم قاتل ہے۔ بلکہ صبر اور استقلال کے ساتھ دعا میں لگے رہنا چاہیئے۔ جو لوگ کچھ وقت دعا کر کے پھر اس قسم کے الفاظ بولنے لگ جاتے ہیں کہ ہم نے دعا مانگ کر دیکھ لیا۔ خدا ہماری نہیں سُنتا۔ ان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

۸۔ دعا میں شک یا عدم یقین کے الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔ بلکہ یقین اور عزم کے ساتھ سوال کرنا چاہیئے۔

۹۔ خدا دعا کے قبول کرنے یا رد کرنے میں آزاد ہے۔ اس پر کسی کا دباؤ یا جبر نہیں۔ جب وہ کسی دعا کو قبولیت کے قابل خیال کرتا ہے تو اُسے قبول کرتا ہے۔ اور جب قبولیت کے قابل نہیں سمجھتا تو اسے رد کر دیتا ہے۔

۱۰۔ دعا تمام عبادتوں کی جان اور روح رواں ہے۔ اور جو عبادت دعا سے خالی ہے وہ

اس ردّی ہنڈی کی طرح ہے جو گودے سے خالی ہو۔

اس نوٹ کو ختم کرنے سے پہلے یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ اسلام نے نہ صرف دعا کے مسئلہ کو تشریح اور تفصیل کے ساتھ بیان کر کے اس پر خاص زور دیا ہے بلکہ مسلمانوں کو دعا کا عملی سبق دینے اور دعا کا عادی بنانے کے لئے انسان کی ہر حرکت و سکون کے ساتھ کوئی نہ کوئی دعا مقرر کر دی ہے۔ تاکہ اس کی کوئی گھڑی خدا کی یاد سے خالی نہ رہے مثلاً کسی کے پیدا ہونے، کسی کے وفات پانے، مسجد میں داخل ہونے، مسجد سے نکلنے، سفر میں جانے، سفر سے واپس آنے، سواری پر چڑھنے، سواری سے اُترنے، کھانا شروع کرنے، کھانا ختم کرنے، بستر پر جانے، بستر سے اٹھنے، پہاڑی پر چڑھنے، وادی میں اُترنے، دوستوں سے ملنے، دوستوں سے جُدا ہونے، شادی کرنے، بیوی سے ملنے، نیا چاند دیکھنے، بارش کے برسنے، بارش کے رُکنے، آندھی کے چلنے، گھر سے نکلنے، گھر میں داخل ہونے، موسم کا پہلا پھل کھانے، بیمار کی تیمارداری کے لئے جانے، غرض زندگی کی ہر حرکت و سکون کو کسی نہ کسی دعا کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ اور یہ دُعا محض رسمی دعا نہیں، بلکہ دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی زندہ چیز ہے، جو ایک سچا مسلمان کامل یقین کے ساتھ اختیار کرتا ہے ؛

روایات حضرت منشی ظفر احمد صاحب

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے اوّلین صحابہ میں سے تھے انہوں نے حضرت اقدسؑ کی زندگی کے چشم دید واقعات اپنے صاحبزادہ جناب شیخ محمد احمد صاحب وکیل کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کے ارشاد کی تعمیل میں لکھائے تھے یہ مجموعہ اب چھپ گیا ہے قیمت فی نسخہ پانچ آنے ہے یہ ایمان افروز روایات ہر احمدی کو ضرور پڑھنی چاہئیں اور اپنے بچوں کو پڑھانی چاہئیں ؛

ملنے کا پتہ :- مینجر ریویو۔ اُردو۔ قادیان

مسئلہ نبوت میں حضرت مسیح موعودؑ کی تبدیلی عقیدہ

(از جناب قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دعوے کے آغاز ہی میں اس امر کا اعلان فرما دیا تھا، کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے اپنے الہام میں نبی اور رسول کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے، کہ میں اللہ تعالےٰ کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں۔ اور وہ بکثرت مجھ سے ہمکلام ہوتا اور مجھ پر امور غیبیہ کا اظہار فرماتا ہے۔ اور یہ کہ میں احیاء وتجدید اسلام کے لئے مامور ہوں۔ یہ حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ کی تفصیل ہے، جس پر حضورؑ از ابتداء دعویٰ تا دم وفات قائم رہے۔ ہاں جماعت احمدیہ قادیان حضرت مسیح موعودؑ کی واضح تحریرات کی روشنی میں یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ ایک وقت آپؑ نے اپنے تئیں نبوت کی معروف اور رسمی تعریف کا (جس میں نبی کے لئے شریعت لانا یا مستقل ہونا ضروری سمجھا گیا تھا) مصداق نہ پاکر اپنے تئیں غیر نبی قرار دیتے ہوئے اپنے الہامات میں اپنے لئے نبی اور رسول کے لفظ کا استعمال بتاویل محدّث قرار دیا۔ لیکن بعد ازاں اللہ تعالےٰ کی طرف سے کامل انکشاف ہونے پر آپؑ نے اپنے لئے نبی اور رسول کا نام صراحتاً اختیار فرمایا۔ اور سابقہ تاویل کو ہمیشہ کے لئے ردّ کر دیا۔ اور نبی کے لئے شارع یا مستقل ہونے کی شرط کو ضروری قرار نہ دیا۔

یہ وہ نقطہ ہے جس پر جماعت احمدیہ قادیان اور لاہوری فریق کے درمیان اختلاف ہے۔ یعنی جماعت احمدیہ قادیان تو یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ ۱۹۰۱ء سے حضرت مسیح موعودؑ نے نبی کے خطاب کو اپنے لئے بلا تاویل محدّث صراحتاً اختیار فرمایا ہے۔ لیکن لاہوری فریق یہ خیال ظاہر کرتا ہے، کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ہمیشہ نبی اور رسول کے نام کو بمعنی محدّث ہی استعمال فرمایا ہے

ماہ اگست ۱۹۱۴ء میں لاہوری فریق کے لیڈر جناب مولوی محمد علی صاحب اور جماعت احمدیہ قادیان کے واجب الاطاعت امام حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے درمیان جو تحریری بحث ہوئی اس میں حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کے مندرجہ بالا عقیدہ کی صحت کے ثبوت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات میں سے کئی نصوص اپنے مضمون میں پیش فرمائیں جن میں سے ایک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذیل کا حوالہ بھی تھا۔

"اسی طرح اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھکو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے۔ اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا، تو میں اس کو جزوی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔ اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۴۹-۱۵۰)

یہ حوالہ لکھنے کے بعد حضرت امیرالمؤمنین تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس حوالہ سے ظاہر ہے، کہ آپ (مسیح موعودؑ) کسی زمانہ میں اس بناء پر کہ حضرت مسیحؑ نبی ہیں، اور آپ نبی نہیں، حضرت مسیح پر اپنی فضیلت کو جزوی قرار دیتے رہے لیکن بعد میں جب اللہ تعالیٰ کی متواتر وحی نے جو بارش کی طرح ہوئی، آپ کو نبی کہکر پکارا، تو آپ نے اس جزوی فضیلت کے عقیدہ کو ترک کر دیا۔ اور سمجھ لیا کہ چونکہ خدا تعالےٰ مجھے نبی قرار دیتا ہے اس لئے مسیح پر جو میری فضیلت کا ذکر الہامات میں آتا ہے وہ جزوی فضیلت نہیں، بلکہ بہمہ نوع فضیلت ہے۔ کیونکہ ایک نبی کو دوسرے نبی پر کلی فضیلت ہو سکتی ہے" (اخبار الفضل ۱۴ اگست ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۳)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے حضرت امیرالمؤمنین نے جو استدلال فرمایا ہے، وہ آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے لیکن تعجب ہے، کہ جناب مولوی محمد علی صاحب نے بہر تمبر کے

"پیغام صلح" میں حضرت امیرالمؤمنین کے اس استدلال پر بھی کچھ خامہ فرسائی کی ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:۔

"حضرت صاحب کے الفاظ نقل کرتے ہوئے کہ اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا، تو میں اس کو جزوی فضیلت قرار دیتا تھا میاں صاحب لکھتے ہیں۔ میں اب اسے جزئی فضیلت قرار نہیں دیتا، بلکہ کلّی فضیلت قرار دیتا ہوں۔ اور پھر ایک چھلانگ لگا کر اسے نبوت کی دلیل بناتے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ اوّل تو کلّی فضیلت کا لفظ حضرت صاحب کی تحریر یا تقریر سے ہی دکھائیں یہ بالکل غلط ہے کہ حضرت صاحب نے حضرت مسیحؑ پر کلّی فضیلت کا دعویٰ کبھی کیا۔ اور دوسرے یہ کس طرح ہوا کہ سنہ ۱۹۰۱ء میں کلّی فضیلت حاصل ہو جانے کے باوجود پھر مئی سنہ ۱۹۰۲ء میں لکھا ایسا ہی مثیل عیسےٰ بھی بہت سی باتوں میں عیسےٰ سے بڑھکر ہے۔ اور یہ جزوی فضیلت ہے جس کو خدا چاہتا ہے دیتا ہے۔" (ریویو مئی سنہ ۱۹۰۲ء) حضرت صاحب کے الفاظ صرف اس قدر ہیں۔ تمام شان میں بڑھکر ہے بہت سی باتوں میں بڑھکر ہے اپنے کارناموں کی وجہ سے افضل ہے کلّی فضیلت کا دعویٰ حضرت صاحب پر افترا ہے۔ اگر ہمت ہے تو اس الزام کو دور کردیں۔"

جناب مولوی محمد علی صاحب کی اس تمام تعلّی اور تحدّی کا ماحصل صرف یہ ہے کہ انہیں فضیلت کے ساتھ کلّی کا لفظ حضرت مسیح موعودؑ کی تحریروں سے دکھایا جائے۔ حالانکہ جناب مولوی محمد علی صاحب کو اپنے اسی مضمون میں اعتراف ہے، کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے تئیں مسیح ناصریؑ سے تمام شان میں بڑھکر قرار دیا ہے۔ اب ایک طرف حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا حضرت مسیحؑ پر اپنی جزوی فضیلت کے عقیدہ کو ترک کرنے کا اعلان اور دوسری طرف آپ کا اپنے تئیں حضرت مسیح ناصریؑ سے تمام شان میں بڑھکر قرار دینا اگر کلّی فضیلت کے ادعا کا مترادف نہیں بلکہ یہ بھی ایسی جزوی فضیلت ہی ہے جو غیر نبی کو نبی پر ہو سکتی ہے، اور اس سے نبوت مسیح موعودؑ پر استدلال نہیں ہو سکتا، جیسا کہ حضرت امیرالمؤمنین نے استدلال کیا ہے، تو جناب مولوی محمد علی صاحب بتائیں، کہ پھر عقیدہ میں کیا تبدیلی پیدا ہوئی؟ جناب مولوی صاحب کے

کلام کا ماحصل تو یہ نکلا، کہ حضرت مسیح موعودؑ نے مسیح ناصریؑ پر اپنی ایسی جزوی فضیلت والا عقیدہ تبدیل بھی کیا جو غیر نبی کو بھی نبی پر ہوسکتی ہے۔ اور پھر جو عقیدہ اختیار کیا وہ بھی ایسی ہی جزوی فضیلت کا ہے جو غیر نبی کو نبی پر ہوسکتی ہے۔ اب حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام کی زیر بحث تحریر کو سامنے رکھتے ہوئے کون عقلمند جناب مولوی محمد علی صاحب کے اس خیال کی تائید کرسکتا ہے۔ کیا جناب مولوی محمد علی صاحب سے یہ حقیقت مخفی ہے کہ جب تک دونوں عقیدوں میں تخالف اور تناقض تسلیم نہ کیا جائے، اس وقت تک پہلے عقیدہ کو تبدیل کرکے دوسرے کو اختیار کرنے کا اعلان ایک بے معنی اور مضحکہ خیز بات بن جاتی ہے۔ چنانچہ دیکھیے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے حقیقۃ الوحی میں جہاں اوپر کے زیر بحث حوالہ میں عقیدہ کی تبدیلی کا ذکر فرمایا ہے وہاں صاف لفظوں میں آپ نے سابقہ اور موجودہ عقیدہ میں تناقض اور تخالف تسلیم کیا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے، کہ ایک سائل حضرت مسیح موعودؑ سے یہ سوال کرتا ہے کہ تریاق القلوب میں آپؑ نے مسیحؑ پر اپنی فضیلت کا ذکر کرکے اسے ایسی جزئی فضیلت قرار دیا ہے جو غیر نبی کو نبی پر بھی ہوسکتی ہے۔ اور پھر "ریویو" جلد اوّل نمبر ۶ کے صفحہ ۲۵۷ میں مذکور ہے "خدا نے اس امت میں سے مسیح موعودؑ بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے"۔ ان دونوں عبارتوں میں تناقض ہے۔ اس کے جواب میں حضرت مسیح موعودؑ سائل کے جواب میں صاف طور پر یہ امر تسلیم فرما لیتے ہیں، کہ واقعی میرے کلام میں تناقض ہے۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں:۔

"رہی یہ بات کہ ایسا کیوں لکھا گیا۔ اور کلام میں یہ تناقض کیوں پیدا ہوگیا۔ سو اس بات کو توجہ کرکے سمجھ لو کہ یہ اسی قسم کا تناقض ہے کہ جیسے براہین احمدیہ میں مَیں نے یہ لکھا تھا کہ مسیح ابن مریم آسمان سے نازل ہوگا۔ مگر بعد میں یہ لکھا کہ آنے والا مسیح مَیں ہی ہوں" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۸، ۱۴۹)

حضرت مسیح موعودؑ نے اس جگہ اپنی ہر دو تحریرات میں صریح طور پر تناقض تسلیم کر لیا ہے۔ پس جب مسیحؑ پر جزئی فضیلت والے عقیدہ کو ترک کرکے آپ نے اپنے تئیں مسیح سے تمام شان

میں بڑھکر قرار دیا۔ تو اس فضیلت کا نام دوسرے لفظوں میں کلّی فضیلت رکھنا افتراء کیونکر ہؤا!

اصل بات یہ ہے کہ جناب مولوی محمد علی صاحب کلّی فضیلت کے لفظ سے اس لئے ڈر رہے ہیں کہ جزئی فضیلت کے مقابلہ میں کلّی فضیلت کا لفظ اختیار کرنے سے حضرت مسیح موعود کی نبوت واضح طور پر نمایاں ہوجاتی ہے۔ لیکن اگر وہ ذرا دقّتِ نظر سے کام لیں۔ تو انھیں معلوم ہوجائے کہ وہ صرف نزاع لفظی میں پڑ رہے ہیں۔ کیونکہ جب تمام شان میں بڑھکر ہونے کے عقیدہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس جزئی فضیلت کے عقیدے کے متناقض قرار دے دیا، جو غیر نبی کو نبی پر بھی ہوسکتی ہے، تو کیا اس سے حضرت مسیح موعود کی فضیلت مسیح ناصریؑ پر ایسی فضیلت ثابت نہ ہوگی، جو ایک نبی کو ہی نبی پر ہوسکتی ہے۔ اے جناب مولوی صاحب! عالم انسان تو لفظوں پر نہیں جھگڑا کرتے۔ ان کی نگاہ تو کلام کی حقیقت پر ہوتی ہے۔ مگر افسوس کہ آپنے اس جگہ لفظی نزاع کو اٹھا کر اصل حقیقت کو چھپانے کی ناکام کوشش کی ہے۔

جناب مولوی صاحب! یہ بات تو ہر سلیم الفطرت بآسانی سمجھ سکتا ہے، کہ اس جزوی فضیلت والے عقیدے میں جو غیر نبی کو نبی پر بھی ہوسکتی ہے اور ایک نبی سے تمام شان میں بڑھکر ہونیکے عقیدے میں تناقض تبھی تسلیم کیا جاسکتا ہے جبکہ تمام شان میں بڑھکر ہونا ایسی جزوی فضیلت نہ ہو۔ جو غیر نبی کو نبی پر بھی ہوسکتی ہے۔ بلکہ یہ ایسی فضیلت ہو، جو ایک نبی کو ہی دوسرے نبی پر ہوسکتی ہے۔ اب خواہ اس کا نام کُلّی فضیلت رکھا جائے یا اس کو فضیلت مطلقہ کہا جائے یا اس کا نام ایسی جزئی فضیلت رکھ دیا جائے، جو نبی کو نبی پر ہی ہوسکتی ہے۔ اس سے اصل حقیقت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اور یہ امر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت پر ایک ایسی روشن دلیل ہے۔ جس کا کوئی سلیم الفطرت انسان انکار نہیں کرسکتا۔ کاش! آپ نزاع لفظی اختیار نہ کریں۔ اور حقیقت بین نگاہ سے کام لیں۔

جناب مولوی صاحب! آپ نے "ریویو" بابت مئی سنہ ۱۹۰۸ء سے یہ حوالہ نقل کیا ہے کہ

"ایسا ہی مثیل عیسیٰ بھی بہت سی باتوں میں عیسےٰ سے بڑھکر ہے یہ جزوی فضیلت ہے جسکو خدا چاہتا ہے دیتا ہے

یہ اس بات کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ گویا تمام شان میں بڑھکر ہونے کو حضرت امیرالمومنین کامل فضیلت قرار دینا غلط ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ خود اس فضیلت کو جزوی ہی قرار دیتے ہیں۔ لیکن آپ نے یہ نہ سوچا کہ یہ اعتراض کرکے آپ اپنے لئے خود مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ کیونکہ آپ کے لئے اب صرف دو راستے کھلے ہیں۔ پہلا یہ کہ اس حوالہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی اس جزوی فضیلت کا ذکر کیا ہے، جو نبی کو ہی نبی پر ہو سکتی ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اس حوالہ میں بھی حضرت مسیح موعودؑ نے اسی جزوی فضیلت کا ذکر کیا ہے جو غیر نبی کو نبی پر بھی ہو سکتی ہے اگر آپ پہلا راستہ اختیار کریں، تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ بے شک آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فضیلت کا نام کلی فضیلت نہ رکھیں۔ صرف یہ اعلان کر دیں، کہ میں حضرت مسیح موعودؑ کی حضرت عیسیٰ پر ایسی جزوی فضیلت کا قائل ہوں، جو نبی کو ہی نبی پر ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر آپ یہ راستہ اختیار نہ کریں تو دوسرا راستہ نہایت خطرناک ہے اور اس کا اختیار کرنا حضرت مسیح موعودؑ کی زیر بحث نص سے جس میں تبدیلی عقیدہ کا ذکر ہے تمسخر کے مترادف ہے۔ کیونکہ اس راستے کے اختیار کرنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گویا ایک طرف حضرت مسیح موعودؑ یہ لکھتے ہیں، کہ میں نے یہ عقیدہ تبدیل کر لیا ہے، کہ مجھے حضرت عیسےٰ پر وہ جزئی فضیلت ہے جو غیر نبی کو بھی نبی پر ہو سکتی ہے اور دوسری طرف (بقول مولوی صاحب) بعد ازاں یہ اعلان فرماتے ہیں کہ مسیحؑ پر مجھے ایسی جزوی فضیلت حاصل ہے جو غیر نبی کو نبی پر ہو سکتی ہے۔ گویا ایک طرف عقیدہ تبدیل کرنے کا اعلان کرتے ہیں تو دوسری طرف معاذ اللہ خود ہی اس کی تردید بھی فرما دیتے ہیں۔ کیا جناب مولوی محمد علی حضرت مسیح موعودؑ کی طرف ایسا مضحکہ خیز امر منسوب کرنا پسند کرینگے۔ لیکن اگر انھیں یہ پسند نہیں تو پھر ان کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں، کہ وہ پہلے راستہ کو ہی اختیار کریں۔

اس جگہ میں یہ بات نہایت افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ جناب مولوی محمد علی صاحب نے ریویو بابت مئی ۱۹۰۷ء کا حوالہ پیش کرنے میں اس ذمہ داری سے کام نہیں لیا۔ جس کی ایک محقق

اور خشیۃ اللہ رکھنے والے عالم سے توقع رکھی جاتی ہے یعنی آپ نے اس حوالہ کو سیاقِ کلام سے کاٹ کر ادھورا اور نامکمل پیش کیا ہے۔ تا حوالہ کے اصل مفہوم کو اپنے مضمون کے ناظرین سے مخفی رکھکر اپنے اعتراض کو سچا دکھا سکیں۔ جو حوالہ انہوں نے درج کیا ہے اس کی عبارت یہ ہے "ایسا ہی مثیل عیسےٰ بھی بہت سی باتوں میں عیسےٰ سے بڑھکر ہے"۔ اس عبارت میں "ایسا ہی" اور "بھی" کے الفاظ صاف اس امر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، کہ اس جگہ کسی اور شخصیت کا بھی کسی نبی سے بڑھکر ہونے کا ذکر ہے اور اس شخصیت کی کسی نبی پر فضیلت کا ذکر کر کے حضرت مسیح موعودؑ نے اسی طرح اپنے تئیں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام سے بڑھکر قرار دیا ہے۔ اب جب پورا حوالہ دیکھیں، تو وہاں اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہونے کا ذکر ہے۔ جسے جناب مولوی صاحب نے دانستہ حذف کر دیا ہے۔ اب سارا حوالہ سامنے رکھکر جناب مولوی صاحب بتائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو موسیٰؑ سے بڑھکر ہیں، تو کیا اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کو موسیٰؑ پر ایسی فضیلت حاصل ہے جو غیر نبی کو نبی پر بھی ہو سکتی ہے یا یہ کہ یہ فضیلت ایسی ہے جو صرف نبی کو ہی نبی پر ہو سکتی ہے۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت ایسی ہے جو نبی کو ہی نبی پر ہو سکتی ہے، تو اس حوالہ میں حضرت مسیح موعودؑ کی حضرت عیسےٰؑ پر بھی ایسی ہی فضیلت کا ذکر تسلیم کرنا پڑے گا۔ ورنہ یہ عبارت بے معنی ہو جائیگی۔ اور نہ صرف یہ عبارت ہی بے معنی ہو جائیگی بلکہ حقیقۃ الوحی کے زیر بحث تبدیلی عقیدہ والے حوالہ کو بھی اس سے متضاد ماننا پڑے گا۔ حالانکہ مولوی صاحب حقیقۃ الوحی والے حوالہ میں اور "ریویو" بابت مئی ۱۹۰۲ء کے حوالہ میں تناقض تسلیم نہیں کرتے۔ لہٰذا اب سوائے اس کے ان کے لئے کوئی چارہ نہیں، کہ وہ اس حوالہ میں حضرت مسیح ناصریؑ پر حضرت مسیح موعودؑ کی ایسی فضیلت کے ذکر کو ہی تسلیم کریں، جو صرف نبی کو ہی نبی پر ہو سکتی ہے۔ کیا امید کی جا سکتی ہے، کہ جناب مولوی صاحب نزاع لفظی سے بالا ہو کر اصل حقیقت پر غور فرمائیں گے۔ لیکن اگر ہماری پیش کردہ وجہ تطبیق انہیں مسلّم نہ ہو، تو اس صورت میں وہ حقیقۃ الوحی کے زیر بحث حوالہ اور "ریویو" بابت

مئی ۱۹۰۲ء کے حوالہ میں ہمیں مطابقت ثابت کر کے دکھلائیں۔ میں علی وجہ البصیرت اعلان کرتا ہوں کہ جناب مولوی محمد علی صاحب جب تک ہمارے مسلک کو اختیار کر کے حضرت مسیح موعودؑ کو ... [illegible] [redacted] ... پر دلیل قرار نہ دیں اس وقت تک وہ عقلمندوں کے نزدیک حضرت مسیح موعودؑ کی تبدیلی عقیدہ کا کوئی معقول حل پیش نہیں کر سکتے۔"

دینِ فطرت

اسلام یا مسیحیّت

مندرجہ بالا نام سے پادری برکت اللہ صاحب ایم۔ اے کی ایک کتاب چھوٹی تقطیع کے ۵۸۴ صفحات پر مشتمل پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور نے شائع کی ہے۔ یہ کتاب ہمارے پاس تبصرہ کے لئے آئی ہے۔ ذیل میں ہم اس پر تبصرہ کرتے ہیں۔

"انسانیت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ انسان کی جبلّی قوتوں اور طبعی میلانوں کو بحیثیت یکجا اور متوازن طریق سے نہ صرف یہ کہ پورا کیا جائے، بلکہ الٰہی منشاء اور مقصد کے مطابق انہیں پایۂ تکمیل تک بھی پہونچایا جائے۔ مسیحیت کا یہ دعویٰ ہے کہ اس مسئلہ کا مکمل حل صرف اسکے پاس ہے اور صرف ابن اللہ ہی ان وسائل کو بہم پہونچا سکتا ہے۔ جن کو اختیار کرنے سے انسانی فطرت کی تمام جائز ضروریات بدرجہ احسن پوری ہو سکتی ہیں"۔ پنجاب کے عیسائیوں کو پادری برکت اللہ صاحب کا ممنون ہونا چاہیئے، کہ انہوں نے زیر نظر کتاب لکھکر اس دعویٰ کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اور یہ باور کروانا چاہا ہے، کہ صرف عیسائیت ہی انسان کے ان فطری تقاضوں کو پورا کرتی ہے، جو ہر شخص کی فطرت میں داخل ہیں، اور جن کے جائز اور مناسب استعمال سے ہر انسان اس منزل تک پہونچ سکتا ہے جو اس کی ہستی کی علّت غائی ہے، اور اس طرح صرف مسیحیت ہی "دین فطرت" کہلانے کی مستحق ہے۔

اس مقصد کو ثابت کرنے کے لئے پادری صاحب نے اس کتاب کو ایک دیباچہ اور دس فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ دیباچہ کا آغاز اس بحث سے ہوا ہے، کہ اسلام کو دینِ فطرت قرار

دینا' اگر پادری صاحب غلطی نہیں کرتے تو غالباً سر سید مرحوم کی کوششوں کا رہین منت ہے ہمیں افسوس ہے. کہ پادری صاحب نے اپنی اہم تصنیف کا آغاز جس میں انہوں نے اپنی ملکی قابلیت اور ایم. اے تک کے پڑھے ہوئے تمامتر فلسفہ کو خرچ کر ڈالا ہے، ایک بالکل غلط نظریہ سے کیا ہے۔ اور شاید اس غلطی کو محسوس کرتے ہوئے ہی ان کے قلم سے بحث کے بالکل آغاز ہی میں یہ الفاظ نکل گئے کہ" اگر ہم غلطی پر نہیں تو غالباً سر سید مرحوم بالقابہ ہندوستانی مسلمانوں میں پہلے شخص تھے جنہوں نے اہلِ مغرب سے نیچری نظریہ کا سبق سیکھکر اسلام میں نیچری مذہب کی بنیاد ڈالی۔ اور یہ دعویٰ کیا کہ اسلام دینِ فطرت ہے "

پادری صاحب نے اپنے اس خیال کو اپنے غلطی پر نہ ہونے سے مشروط کیا ہے اور یہ الفاظ اس وقت بولے جاتے ہیں، جب کسی امر کے متعلق انسان حتمی طور پر کچھ کہنے سے ڈرے اور اپنے خیال کی صحت کی ذمہ داری لینے سے پہلو تہی کرے۔ مگر ہم پادری صاحب سے پوچھتے ہیں، کہ جب آپ اپنے پیش کردہ نظریہ کی صحت کی ذمہ واری لینے کو تیار نہ تھے تو آپ نے کتاب کی ابتداء ہی ایک شکّی امر سے کیوں کی؟ کیا آپ کو تمہید کے لئے کوئی اور موزون مضمون نہ مل سکتا تھا؟ ہم پادری صاحب پر واضح کرتے ہیں، کہ آپ نے جس شکّی بنیاد پر یہ بحث اٹھائی ہے، وہ بالکل غلط ہے۔ اور ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ اسلام کسی وکیل کی وکالت کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہر اس چیز کا دعویٰ خود پیش کرتا ہے، جو کسی کامل الہامی کتاب کے لئے ضروری ہے۔ اور نہ صرف دعویٰ کرتا ہے، بلکہ دلائل بھی خود ہی بیان کرتا ہے۔

اسلام اصلاً اور اپنے آغاز ہی سے دین فطرت ہے۔ اور مع تفصیلی دلائل کے اس کا یہ دعویٰ خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ (آل عمران -۲) یعنی دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔ اور پھر "دین" کے متعلق ارشاد فرمایا

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

(الروم-۳۰) یعنی قائم رکھو اپنی توجہ کو دین (اسلام) کے لئے مخلص ہو کر۔اس فطرت کے مطابق جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی پیدائش کو کوئی بدل نہیں سکتا۔یہی درست دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نہایت واضح الفاظ میں اسلام کو مطابق فطرت اور اس وجہ سے صحیح مذہب قرار دیا ہے۔اور اس کے دین فطرت ہونے کی دلیل یہ دی ہے کہ اس میں انسان کے تمام طبعی قویٰ کی تسکین کا سامان موجود ہے۔اس کے سوا باقی مذاہب میں جن میں مسیحیت بھی شامل ہے، کسی میں کسی قوت پر زور دیا گیا ہے، اور کسی میں کسی پر۔اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو افراط و تفریط سے پاک ہے اور جس نے درمیانی (وسطی) راستہ اختیار کیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی حدیث قدسی میں فرمایا ہے۔ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ اَوْيُنَصِّرَانِهِ اَوْيُمَجِّسَانِهِ۔یعنی ہر بچہ "الفطرۃ" پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اُسے یہودی بناتے ہیں یا نصرانی بناتے ہیں اور یا مجوسی بناتے ہیں۔

یہاں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کے مقابل پر جس "الفطرۃ" کا ذکر کیا گیا ہے، یہ مذہب اسلام ہی ہے۔پس پادری صاحب یا کسی اور کا یہ کہنا کہ خود اسلام نے تو نہ دین فطرت ہونے کا دعویٰ کیا، اور نہ اس میں یہ صلاحیت تھی۔بلکہ یہ سب کچھ سرسید مرحوم کا کیا کرایا ہے۔ صحیح واقعات سے اغماض اور ان پر پردہ پوشی کی بہت بُری مثال ہے۔

اسلام پر اس اعتراض کے بعد پادری صاحب نے لفظ "فطرت" کے مفہوم کو متعین کیا ہے اور بتایا ہے کہ "بعض اوقات لفظ فطرت لفظ خدا کا مترادف ہوتا ہے۔لیکن ہم اس رسالہ میں اس لفظ کو ان معنوں میں استعمال نہیں کرینگے۔بعض اوقات اس لفظ سے مراد خلقت یا کائنات ہوتی ہے۔لیکن ہم یہاں لفظ فطرت کو ان معنوں میں بھی استعمال نہیں کرینگے۔بعض اوقات لفظ فطرت کو فلسفیانہ جامہ پہنایا جاتا ہے اور اس سے مراد وہ نظریہ ہوتا ہے جس کو فطرت یا نیچریت

یا مذہبِ عقل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ نظریہ اپنی خالص عریانی صورت میں خدا، روح اور تمام روحانی امور اور قوتی کا انکار کرتا ہے۔ اس نظریہ کا لازمی نتیجہ کفر، الحاد اور مادیّت ہے۔ ہم اس رسالہ میں لفظِ فطرت کو ان معنوں میں بھی استعمال نہیں کرینگے بلکہ اس رسالہ میں ہم لفظِ فطرت کو صرف ان جبلّی قوتی کے لئے استعمال کرینگے، جو انسان میں ودیعت کئے گئے ہیں۔ جبلّی قوتی وہ طبعی میلانات ہیں جو ہر انسان کی فطرت میں داخل ہیں۔

پہلی فصل میں جبلّی میلانات ان کی اقسام اور خصوصیات بیان کی گئی ہیں اور اس ضمن میں بتایا ہے، کہ جبلّی رجحانات کی مندرجہ ذیل آٹھ بڑی قسمیں ہیں، جو اہم بسیط ابتدائی اور ناقابلِ تحلیق ہیں:-

۱- خوف کی جبلّت (۲) جبلّت جنسی (۳) والدینی جبلّت (۴) لڑاکا پن یا غصہ کی جبلّت (۵) تجسس اور استفسار کی جبلّت (۶) جبلّت اجتماع پسندی (۷) جبلّت عجز و اطاعت اور جبلّت تحکم و خودنمائی (۸) جبلّت حصول و اکتساب۔

بسیط اور ناقابلِ تحلیل جبلّی قوتی کی تقسیم میں فلاسفروں کے ان مختلف نظریئے ہیں اور پادری صاحب ماشاء اللہ ایم۔اے ہیں۔ اور فلاسفی میں انہوں نے یہ ڈگری حاصل کی ہوئی ہے اس لئے یقیناً ان سے یہ بات مخفی نہیں ہوسکتی۔ ان کو یہ حق ضرور حاصل تھا، کہ وہ ان میں سے اس نظریہ کو اختیار کر لیتے، جس کا تذکرہ انہوں نے اس جگہ کیا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں گذارش ہے، کہ جب انہوں نے حصول و اکتساب کی جبلّت کو ایک بسیط جبلت تسلیم کر لیا ہے تو اس کے ساتھ ہی انہیں دفعِ شر کی جبلّت کو بھی تسلیم کر لینا چاہیئے تھا۔ لیکن اپنی کتاب کے صلا پر جو آٹھ بسیط جبلّتیں انہوں نے گنوائی ہیں، ان میں دفعِ شر کی جبلّت کا ذکر نہیں ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ فصل نہم میں جہاں انہوں نے جبلّتِ حصول و اکتساب پر تفصیلی بحث کی ہے۔ شاید وہاں جبلّت دفعِ شر کی بحث بھی کر دی ہو گی۔ لیکن وہاں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ جس مکتبِ خیال (School of Thought) کو اختیار کرتے ہوئے انہوں نے بسیط جبلّتوں کی

پر تقسیم کی ہے۔ اس کی رُو سے دفع شر کو بھی ایک بسیط جبلّت تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کو موٹے طور پر یوں سمجھ لیجئے۔ کہ ایک بالکل انجان بچے کے ہاتھ کو اس کی برداشت سے زائد گرم یا سرد اگر کوئی چیز لگائی جائے، تو وہ اپنے ہاتھ کو کھینچ لیگا۔ اس کا اس طور پر اپنے ہاتھ کو کھینچ لینا دفع شر کی جبلّی قوت ہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن جیسا کہ بیان ہوا ہے، پادری صاحب نے اس جبلّت کا ذکر نہیں کیا۔ کیا اس جبلّت کو نظر انداز کر دینے کی وجہ یہ تو نہیں، کہ مسیحی تعلیمات میں اس کی تسکین کا سامان انہیں نظر نہیں آیا۔ بلکہ اس کے برعکس انجیل یہ تعلیم دیتی ہے، کہ:۔

"ظالم کا مقابلہ نہ کر، بلکہ جو تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے۔ دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے" (متی باب ۵)

ایسی تعلیم کی موجودگی میں پادری صاحب کو شاید عافیت اسی میں نظر آئی کہ اس جبلّت کے تذکرہ کو ہی نظر انداز کر دیں۔ ایک طرف انجیلی تعلیم کا یہ نقص اور دوسری طرف پادری صاحب کا یہ دعویٰ کہ سوائے مسیحیت کے اور کوئی مذہب دینِ فطرت کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہو سکتا۔ کیا اس بڑھکر بھی کوئی دیدہ دلیری ہو سکتی ہے؟

پادری صاحب نے دینِ فطرت کے لئے ضروری قرار دیا ہے، کہ وہ "خدا اور انسان کے درمیان رشتہ اور تعلق کو زندہ رکھے" (صفحہ ۱) ہم حیران ہیں، کہ پادری صاحب دینِ فطرت کے لئے ایسے معیار پیش کر کے عیسائیت کی تائید کر رہے ہیں یا اس کی جڑوں پر کلہاڑا چلا رہے ہیں کیونکہ پادری صاحب کے پیش کردہ اس معیار پر موجودہ عیسائیت ہرگز پوری نہیں اُترتی۔ دیکھئے خدا مسیح اور اس کے حواریوں سے کلام کرتا تھا۔ کیا یہ تعلق اب بھی "زندہ" اور "قائم" ہے۔ کیا کوئی مسیحی یہ دعویٰ کر سکتا ہے، کہ آج بھی خدا اس سے اسی طرح ہم کلام ہوتا ہے جس طرح مسیح یا اس کے حواریوں سے ہوتا تھا؟ اگر نہیں تو پھر مسیحیت کو آپ کس طرح دینِ فطرت ثابت کر سکتے ہیں۔ ہاں اس معیار کی رُو سے اسلام ضرور دینِ فطرت ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے بار بار اور بڑے زور سے اسلام کی سچائی کے ثبوت میں اسے اپنی کتب میں پیش کیا ہے اور

دو ہزار سال سے رُوئے زمین کے مختلف ممالک اور ازمنہ، مختلف اقوام اور طبائع کے لوگ یک زبان اقرار کرتے چلے آئے ہیں، کہ خدا اور مسیح نے ان کی شیطانی خصلتوں اور مذموم عادتوں سے اپنے فضل کے وسیلے توفیق عطا کر کے نجات عطا فرمائی ہے "

جناب پادری صاحب نے دو ہزار سال کا یہ تاریخی اقرار پیش کرنے کو تو کر دیا، لیکن اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ رُوئے زمین کے مختلف ممالک اور ازمنہ، مختلف اقوام اور طبائع کے لوگوں کا یک زبان یہ اقرار کہ خدا و مسیح نے ان کی شیطانی خصلتوں اور مذموم عادتوں سے اپنے فضل کے وسیلہ ان کو توفیق عطا کر کے نجات عطا فرمائی تھی" درست اور بجا بھی ہے۔ کیونکہ بہتیرے بدکردار نہ صرف یہ کہ پاک زندگی کا دعویٰ کر سکتے ہیں، بلکہ بظاہر ایسی زندگی دکھلا بھی سکتے ہیں۔ حالانکہ اندر سے ان قبروں کی طرح ہوتے ہیں جن میں بجز متعفن مردہ اور اس کی ہڈیوں کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اس سے ہماری یہ مراد نہیں ہے، کہ جن لوگوں کے اقرار کا حوالہ پادری صاحب نے دیا ہے، وہ ضرور بُرے ہی تھے، مطلب صرف یہ ہے، کہ اپنی پاک زندگی کے متعلق کسی کا محض اقرار کافی ثبوت نہیں۔

پادری صاحب نے تو بلا کسی حوالہ کے دو ہزار سال کے لوگوں کی زندگیوں کو اپنی تائید میں پیش کر دیا۔ لیکن ہمارے سامنے بائیبل کے ایسے حوالے موجود ہیں، جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کی لعنتی موت پر ایمان گناہ سے باز نہیں رکھتا۔ کیونکہ مسیحیوں کے عقیدہ کے بموجب حضرت داؤد علیہ السلام بھی کفارہ یسوع پر ایمان رکھتے تھے۔ لیکن اس ایمان کے باوجود بائیبل ہمیں بتاتی ہے، کہ حضرت داؤدؑ نے ایک بے گناہ کو قتل کیا، اس کی جورُو سے زنا کیا، اور نفسانی کاموں میں خلافت کے خزانہ کا مال خرچ کیا، اور سو تک جورُوئیں کیں، اور اخیر عمر تک اپنے گناہوں کو تازہ کرتے رہے، اور ہر روز کمال گستاخی کے ساتھ گناہ کا ارتکاب کیا (نعوذ باللہ من ذالک) پس اگر یسوع کی لعنتی قربانی" وہ زبردست طاقت عطا کر سکتی تھی جس کی مدد سے ہم اپنی جبلت کی قوت کے میلان کو بدی کی جانب راغب کرنے کی بجائے نیکی کی جانب راغب کر سکیں" تو کم از کم حضرت

داؤد جیسا عظیم الشان انسان اس قدر گناہوں میں ہرگز مبتلا نہ ہوتا۔

اور اصل بات تو یہ ہے، کہ کفارہ کا یہ عقیدہ نہ صرف یہ کہ گناہ کی غلامی سے رہائی نہیں دلاتا، بلکہ گناہ کے ارتکاب پر جرأت دلانے کا موجب ہے۔ کیونکہ ہر مجرم اور گنہگار کو یہ تسلی ہے کہ مسیح ہماری محبت کے لئے اس دنیا میں آیا۔ اور اس نے گنہگاروں سے محبت کرکے ان کے گناہوں کی لعنت اپنے سر پر لے لی۔ تبلایئے! جب ایک شخص ہر قسم کے گناہ کرکے صرف مسیح کی صلیبی موت کا اقرار کرنے سے خدا تعالےٰ کے قہری مواخذہ سے بچ سکتا ہے، تو پھر کیوں اس کو گناہوں کے ارتکاب پر دلیری نہ ہوگی؟ یہی وجہ ہے، ہم دیکھتے ہیں، کہ موجودہ عیسائی دنیا میں بدکرداری کا ایک خوفناک طوفان برپا ہے۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ لعنتی قربانی گناہ سے روک نہیں سکتی۔ اور نہ مسیح کا خون گناہوں سے بچانے کا ذریعہ ہے۔

اسی سلسلہ میں آگے چلکر پادری صاحب فرماتے ہیں:۔

"اسلام اور دیگر کل مذاہب اسی پر اکتفاء کرتے ہیں، کہ گنہگار کو نیکی کا درس دیں اور نصیحت کردیں۔ اس سے زیادہ نہیں کرتے۔ قرآن ان جبلتوں کی قوت کے تقاضوں کے میلانوں کو ایک جانب سے ہٹا کر دوسری جانب راغب کرنے سے قاصر ہے۔ وہ نیک اعمال کی دعوت تو دیتا ہے، لیکن نہ تو نئی پیدائش کی تعلیم دیتا ہے، اور نہ کسی شخص کو نیا مخلوق بنانے پر قادر ہے۔ . . . مسیحیت ہی ایک واحد مذہب ہے، جو نئی پیدائش ہم کو عطا کرتا ہے"

افسوس ہے، کہ پادری صاحب نے اسلام کی روحانی اور اخلاقی تعلیمات کو قطعاً نظر انداز کرتے ہوئے یہ لکھنے کی جرأت کی، کہ سوائے پند ونصیحت کے اسلام بدی سے بچنے کے اور ذرائع بیان نہیں کرتا۔ اور نہ کسی شخص کو نئی روحانی زندگی عطا کرسکتا ہے۔ یہ موقعہ نہیں کہ اسلام کے فلسفہ اخلاق کو بیان کیا جاوے، ورنہ ہم تفصیل سے تبلاتے، کہ کس طرح اسلام نے وعظ ونصیحت کے علاوہ گناہ سے چھڑانے کے لئے خدا تعالےٰ کی صحیح معرفت اور اس یگانہ کی پاک کامل اور ذاتی

محبت اور اس سے دُعا کو ضروری قرار دیا ہے۔ اور اندرونی پاکیزگی اور باطنی صفائی کے لئے جسم، لباس، مکان اور ماحول کی ظاہری صفائی پر بھی زور دیا ہے اور بتایا ہے، کہ ہماری غذاؤں کا ہمارے اخلاق وعادات کے بنانے میں کیا دخل ہے۔ اور مختلف بدیوں میں علت و معلول کا نفسیاتی تسلسل قائم کر کے گناہوں سے بچنے کے نہایت اہم گر ہمارے سامنے رکھے ہیں

پادری صاحب نے یہ تو لکھ دیا کہ "اگر کوئی مسیح میں ہے تو وہ نیا مخلوق ہے۔" (ص۱۲) لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس نئی مخلوق کا حال کیا ہے۔ آئیے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ اس کا کیا حال ہے۔ اس کا ایک نمونہ وہ حواری ہے، جس نے تیس روپے لیکر اپنے استاذ استاد کو پکڑوا دیا۔ دوسرا نمونہ کلیسیا کا وہ پہلا پتھر ہے، جس کو آسمان کی کنجیاں بھی عطا ہو گئی تھیں، لیکن جو امتحان کے وقت مسیح کو ملعون کہکر اس کی جان پہچان سے بھی انکار کر گیا۔ اگر اس نئی مخلوق کا عام نمونہ دیکھنا ہو، تو انجیل جلیل کی وہ عبارت پڑھیے جس میں لکھا ہے "کہ مسیح کے شاگرد مسیح سے کہنے لگے۔ ہم کیوں دیو نہ نکال سکے۔ تو آپ نے فرمایا" اپنی بے اعتقادی کے سبب" (متی باب ۱۷ آیت ۱۹) گویا مسیح میں ہونے والے یہ سارے شاگرد بے اعتقاد اور ناقص الایمان تھے۔ اب پادری صاحب خواہ کتنا دور لگائیں۔ انجیل کی ان شہادتوں کو وہ چھپا نہیں سکتے۔ اور نہ یہ ثابت کر سکتے ہیں، کہ "مسیح میں ہونے" سے کسی میں کوئی خاص روحانی انقلاب آسکتا ہے۔ جب مسیح کے اول مخاطبوں کا یہ حال ہے تو بعد کے لوگوں کا فرضی اقرار کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

یہ حال تو اُس نئی مخلوق کا ہے، جسے مسیح کے ذریعہ نئی پیدائش حاصل ہوئی۔ اب اس کے مقابل پر اس نئی مخلوق کو بھی دیکھو، جسے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ حقیقی معنوں میں نئی زندگی ملی۔ کون نہیں جانتا، کہ صحابہ کرام کو اسلام کے راستہ میں ہر قسم کی مشکلات اور مصائب میں سے گذرنا پڑا۔ مگر قدوسیوں کا یہ گروہ آخری دم تک ہزار ہا مصائب اور دکھوں کے سامنے سینہ سپر کئے ہوئے آنحضرت صلعم کی محبت میں ثابت قدم رہا۔ ان کو وطن سے بے وطن مال و دولت سے محروم اور عزیز و اقارب سے علیٰحدہ کیا گیا۔ لیکن کوئی چیز ان کے اس پیوند کو نہ

تو دسکی، جو انہوں نے اپنے محبوب کے ساتھ جوڑا تھا۔ مسیح پر جب مصیبت کی گھڑی آتی ہے تو پطرس جسے آسمان کی کنجیاں عطا ہوئی تھیں، اپنے صادق اور معصوم استاد کو ملعون کہتا ہے اور اس سے اپنی ناواقفیت کا اظہار کرتا ہے لیکن جب وقت آیا، تو محمد رسول اللہ فداہ ابی و امی کے پاک صحابہ اپنی مصیبت اور بے سروسامانی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سرفروشانہ انداز میں یہ کہتے ہوئے سُنے جاتے ہیں، کہ نُقَاتِلُ عَنْ يَمِيْنِكَ وَعَنْ شِمَالِكَ وَبَيْنَ يَدَيْكَ وَخَلْفَكَ۔ (بخاری کتاب المغازی) یعنی اے ہمارے دل و جان سے عزیز آقا! ہم تیرے دائیں بھی لڑینگے اور تیرے بائیں بھی۔ پھر تیرے آگے بھی لڑینگے اور تیرے پیچھے بھی۔ اس سے اندازہ کر لو، کہ بانیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے شاگردوں اور مسیح کے شاگردوں میں کیا فرق ہے۔ صاف کھل جائے گا، کہ پادری صاحب کا یہ فرمانا کس حد تک درست ہے کہ اسلام "نہ تو نئی پیدائش کی تعلیم دیتا ہے۔ اور نہ کسی شخص کو نیا مخلوق بنانے پر قادر ہے"

پھر قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (انفال-۳)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ جب وہ تم کو پکارے۔ تا وہ تمہیں زندگی بخشے۔

کیا اس میں نئی زندگی کی طرف لوگوں کو دعوت نہیں دی گئی؟ کیا اس سے پادری صاحب کے اس دعویٰ کی دھجیاں نہیں اڑ جاتیں، کہ اسلام نئی پیدائش کی تعلیم ہی نہیں دیتا۔

جبلّی میلانات کی عام بحث کے بعد فصل دوئم سے جبلّی میلانات پر علیحدہ علیحدہ تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ سب سے پہلے پادری صاحب نے خوف کی جبلّت کو لیا ہے۔ اور اس کی معمولی تشریح کرنے کے بعد اسلام پر یہ اعتراض کر دیا ہے، کہ اس کے تمام محرکات کا اصل خدا کا خوف اور وعید عقوبت و تعذیب ہے۔ قرآن میں خدا کی ان صفات پر زور دیا گیا ہے، جن سے خوف ٹپکتا ہے اور انسان مرعوب اور دہشت زدہ اور لرزہ بر اندام رہتا ہے۔

پادری صاحب کے تصور علم و فہم پر ہمیں رہ رہ کر تعجب آتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر وہ اسلام کے صحیح رنگ میں مطالعہ پر اس سے آدھی محنت بھی کرتے، جتنی انہوں نے فلسفیانہ مضامین کو اپنی کتاب میں سمیٹنے کی کی ہے، تو اسلامی تعلیمات کو سمجھنے میں ان سے اس قدر افسوسناک لغزشیں نہ ہوتیں۔ اور اسلام اور قرآن مجید کی یہ تعلیمات ان کے سامنے آجاتیں۔

۱۔ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔	اللہ کی ذات بہت مہربان اور بار بار رحم کرنے والی ہے
۲۔ نَبِّئْ عِبَادِيْ اَنِّيْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ (حجر۔ ع)	میرے بندوں کو بتا دو کہ میں بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہوں۔
۳۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (زمر۔ ع)	اے رسول کہدے اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتی کی اپنی جانوں پر مت ناامید ہو اللہ کی رحمت سے۔ یقیناً اللہ تمام گناہ بخش دیتا ہے ضرور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔
۴۔ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف۔ ع)	میری رحمت نے ہر ایک چیز کو گھیرا ہوا ہے۔
۵۔ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔ (انعام۔ ع)	فرض کر لیا ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو۔

اسی طرح احادیث میں آتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بے انتہاء محبت رکھتا ہے۔ اور اگر کوئی بندہ اس سے سرتابی کرے۔ تو اس کو کرب ہوتا ہے۔ اور جب وہ بندہ پھر اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ کے سلوک کی یہی کیفیت ہوتی ہے جو اُس بے کس مسافر کی جو ایک لق ودق بے آب وگیاہ میدان میں اپنی اونٹنی کھو بیٹھتا ہے۔ اور بہت تلاش کے بعد سرگشتہ وحیران تھکا ماندہ زمین پر پڑ کر سو جاتا ہے۔ اور جب اس کی آنکھ کھلتی ہے۔ تو ناگاہ اپنی اونٹنی کو اپنے سامنے موجود پاتا ہے۔ تب اس وقت بے اختیار اس کے مُنہ سے یہ جملہ نکل جاتا ہے، کہ" اے خدا! تو میرا بندہ اور مَیں تیرا رب ہوں"۔

کیا ان واضح نصوص کے ہوتے ہوئے بھی ایمانداری سے یہ کہنے کی جرأت کی جاسکتی ہے کہ قرآن میں خدا کی انہیں صفات پر زور دیا گیا ہے، جن سے خوف ٹپکتا ہے۔ اور انسان مرعوب ودہشت زدہ اور لرزہ براندام رہتا ہے"؟

پادری صاحب کو اسلام کے خدا کی صفات غضب وتعذیب پر معترض ہونے سے پہلے اپنی بائیبل مقدس پر ضرور نظر کرلینی چاہیئے تھی۔ بائیبل فرماتی ہے:۔

"جب نوحؑ کے وقت انسان کی بدی بڑھ گئی، تو خدا انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہُوا.... اور خداوند نے کہا، کہ مَیں انسان کو جسے مَیں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالونگا۔ انسان کو اور حیوان کو بھی اور کیڑے مکوڑے اور آسمان کے پرندوں تک کو۔ کیونکہ مَیں

اس کے بنانے سے پچتایا ہوں" (پیدائش باب ۶ آیت ۷)

اور خروج باب ۱۴ اور ۱۵ میں فرعونیوں کی ہلاکت کے ذکر میں لکھا ہے۔

"خداوند نے مصریوں کو دریا میں ہلاک کیا۔ اور پانی پھرا اور گاڑیوں اور سواریوں اور فرعون کے سب لشکر کو جو اُن کے پیچھے دریا کے بیچ آئے تھے چھپا لیا۔ اور ایک بھی ان میں سے باقی نہ چھوٹا۔ . . . اور اسرائیلیوں نے بڑی قدرت جو خداوند نے ظاہر کی دیکھی۔ اور لوگ خداوند سے ڈرے تب خداوند اور اس کے بندے موسیٰ پر ایمان لائے۔ تب موسیٰ اور بنی اسرائیل نے خداوند کے آگے یہ گیت گایا۔ اور بولے کہ میں خداوند کی حمد و ثنا گاؤنگا، کہ اس نے بڑے جلال سے اپنے تئیں ظاہر کیا . . . . خداوند صاحب جنگ ہے . . . . فرعون کی گاڑیاں اور اس کا لشکر اس نے دریا میں ڈال دیا۔ . . . . اے خداوند تیرے داہنے ہاتھ نے بیریوں کو چُور چار کیا۔ تو نے اپنے بڑے جلال سے اپنا سامنا کرنیوالوں کو ڈھا دیا۔ تو نے اپنے غضب کو بھیجا، جس نے ان کو زرٹی کی مانند جلایا۔"

نیز لکھا ہے:۔ "خداوند خدا رحیم و مہربان قہر میں دھیما اور لطف و وفا ہزار پشت کے لئے فضل رکھنے والا گناہ تقصیر اور خطا کو بخشنے والا۔ لیکن وہ ہر حال میں معاف نہ کریگا۔ بلکہ باپوں کے گناہ کا ان کے فرزندوں سے اور فرزندوں کے فرزندوں سے تیسری اور چوتھی پشت تک بدلہ لیگا۔"

(خروج باب ۳۴۔ آیت ۶-۷)

الاماں! الحفیظ!! کیا اسی برتے پر پادری صاحب اسلامی اور مسیحی تعلیم کا موازنہ کرنے بیٹھے تھے۔

• بیشک اسلام کا خدا ایسی صفات سے بھی متصف ہے جن کی وجہ سے بدکردار اپنے کیفر کردار کو پہونچتے ہیں لیکن پادری صاحب کو غلطی لگی، کہ انہوں نے اللہ تعالےٰ کی ان صفات کو دیکھکر یہ سمجھ لیا، کہ اسلام محبت کی بجائے خوف پر خالق و مخلوق کے تعلقات کی بنیاد رکھتا ہے۔ ہم آیت قرآنیہ درج کر چکے ہیں قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ہم نہیں سمجھتے اس سے زیادہ جاذب توجہ رحم و محبت کا اور کیا بلاوا ہو سکتا ہے۔ پادری صاحب نے لکھا ہے کہ قرآن مجید نے رحمٰن۔ رحیم اور غفور وغیرہ جو صفات الٰہیہ بیان کی ہیں یہ سب خدا تعالیٰ کی صفات حقیقیہ تابع ہیں حالانکہ ہم سورۂ اعراف میں یہ آیت پڑھتے ہیں رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ کہ میری رحمت دنیا کی تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ان تمام چیزوں میں خدا تعالےٰ کی وہ صفات بھی شامل ہیں جن کی محض موجودگی پادری صاحب کی نظر میں[*]

[*] وہ قابل اعتراض ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہاں رحیم و کریم ہے وہاں عادل اور مالک یوم الدین بھی ہے۔ اس دنیا میں دو طرح کے گروہ پائے جاتے ہیں ایک فرمانبردار اور نیکوکار اور دوسرے باغی اور بدکردار پس کس طرح ممکن ہے کہ دونوں سے یکساں سلوک کیا جاوے۔ پس ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ میں جہاں یہ طاقت ہو کہ وہ اپنے نیک بندوں کو جزا دے سکے وہاں یہ بھی ضرور ہے کہ وہ ان صفات سے بھی متصف ہو جن کا ہونا بدکردار کو سزا دینے کیلئے لازمی ہے۔ (باقی آئندہ)

سکھوں اور مسلمانوں کے تعلقات

(از جناب گیانی واحد حسین صاحب مبلغ سلسلہ احمدیہ)

گورو گوبند سنگھ صاحب اور بہادر شاہ | ا۔ حضرت عالمگیر اورنگ زیب کی وفات کے بعد شہزادہ اعظم شاہ اور بہادر شاہ کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ گورو صاحب نے بہادر شاہ کی امداد کر کے اس کو تخت دلوایا[1] (گورو سوبھا صفحہ ۹۱ و سورج پرکاش صفحہ ۴۱۷۶ و تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۱۹۲)

۲۔ سیناپت و بھائی سنتو کھ سنگھ نے گورسوبھا و سورج پرکاش میں لکھا ہے، کہ بہادر شاہ نے گورو صاحب کی بہت عزت کی اور خلعت عطا فرمایا، ملاحظہ ہو گورسوبھا گرنتھ صفحہ ۹۵ و سورج پرکاش صفحہ ۴۱۹۲ نیز گیانی گیان سنگھ صاحب لکھتے ہیں، کہ بادشاہ نے اس خیال سے کہ آنند پور کی لڑائی میں ان کا بہت سا نقصان ہوا ہے کئی لاکھ نقد و زیور معہ تحفہ تحائف گورو صاحب کی نذر کیا" (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۱۹۳)

۳۔ بھائی سنتو کھ سنگھ صاحب مصنف سورج پرکاش لکھتے ہیں، کہ جب گورو صاحب کے پیٹ میں ان کے ذاتی دشمن نے چھرا گھونپا، تو اس کی اطلاع بادشاہ کو پہونچی تو بہادر شاہ نے شاہی جراح آپ کے علاج کے لئے بھیجدیئے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

ایہہ کیا بھیو۔ ہیو بسماسئے ÷ تُرت جراحن بلوائے
کرتاکید دیئے اہتیہ بلّی ÷ راضی کرو زخم بدھ بھلی
ترنگ دھواوت سو چل آئے ÷ درشن کر کے سیس نوائے
کھول زخم کو سب بدھ ہیرا ÷ شُبھ اُپچار کرے تس بیرا

(گوروبلاس پاتشاہی ۱۰ صفحہ ۳۲۶)

یعنی بادشاہ حیران ہوا۔ کہ یہ کیا ہوگیا ہے۔ بہت جلد اس نے شاہی جراحوں کو بلوایا۔ اور تاکید کی، کہ زخم بہت جلد اچھے کرو۔ جراح بہت جلد گھوڑوں پر آپ کے پاس پہونچے۔ زخموں کو کھولکر دیکھا اور اعلیٰ علاج سے آپ کو تندرست کیا۔

---

[1] الفنسٹن صاحب نے لکھا ہے، کہ گورو صاحب نے بہادر شاہ کی ملازمت اختیار کرلی تھی۔ اور اپنی تائید میں فارسٹر، سر جان میلکم اور خافی خان کو پیش کیا ہے کننگھم صاحب اور محمد قاسم میر نے بھی ایسا ہی لکھا ہے ÷

۴۔ بہادر شاہ نے گورو صاحب کی خدمت میں ایک بے بہا قیمت کا ہیرا بطور نذر پیش کیا۔ لیکن گورو صاحب نے اس ہیرے کو دریا میں پھینک دیا۔ جو بادشاہ کو سخت ناگوار گذرا۔ گورو صاحب نے اس کا رنج مٹانے کے لئے فرمایا۔ کہ اگر اس ہیرے کو ہم اپنے خزانہ میں رکھ لیتے تو کچھ بڑی بات نہ تھی۔ لیکن اس جگہ پھینک دینے سے اس جگہ کا نام ہیرا گھاٹ ہمیشہ کے لئے مشہور ہوگا۔ جس سے آپ کی یادگار رہے گی۔ چنانچہ ابتک وہ ہیرا گھاٹ کے نام سے مشہور ہے۔" (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۱۹۶)

۵۔ گیانی ٹھاکر سنگھ صاحب لکھتے ہیں۔"سیف یا سروہی[1] اس کا نام ہے۔ لمبائی چار فٹ ساڑھے تین انچ ہے۔ یہ حضرت امام حسینؑ کے ہاتھوں کی تلوار ہے۔ اور اورنگ زیب کے بیٹے بہادر شاہ نے ست گورو کی نذر کی تھی۔ آجتک سری تخت کیس گڑھ صاحب آنندپور میں موجود ہے۔" (سری گورو دوارے درشن صفحہ ۶۰)

ایک مسلمان کے لئے حضرت امام حسینؓ کی تلوار سے زیادہ اور کون سی چیز پیاری اور محبوب ہوسکتی ہے۔ لیکن بہادر شاہ کو گورو صاحب سے اس قدر محبت تھی، کہ اس نے یہ تلوار آپکو نذر دینے سے دریغ نہ کیا۔

۶۔ ۱۲ مئی ۱۹۰۶ء بکرمی بھائی مہرداس نے ایک درخواست ڈپٹی کمشنر لاہور کے پاس دی۔ اس میں بتایا کہ جب سری گورو گوبند سنگھ صاحب حیدرآباد دکن جاتے ہوئے موضع پکھر پہونچے تو بھائی پرمتی چند نے ان کے درشن کئے۔ ان دنوں اورنگ زیب بادشاہ کی وفات پر شہزادہ تارا اعظم اور بہادر شاہ کے درمیان جھگڑا ہوا۔ تو بہادر شاہ نے گورو صاحب سے اپنی فتح کے لئے دعا چاہی۔ سری گوروجی نے شہزادہ بہادر شاہ کو اجازت بخشی۔ اور اکال پرکھ کے پاس اس کی فتح کی دعا کی۔ اور وہ کامیاب ہوا۔ بہادر شاہ کے حکم سے ساتھ بھائی پرمتی چند نے دھرمسالہ پکی بنوائی۔ بادشاہ اس استھان کی بہت عزت کیا کرتا تھا۔ اسی طرح ۱۹۰۵ء میں گوروداوارہ مانک کے سیواداروں نے ڈیرے کے حالات سردار عبدالرحمٰن صاحب ڈپٹی کلکٹر کے سامنے بیان کئے۔ اور سردار صاحب نے سرٹیفکیٹ دیا۔ اس میں لکھا کہ سمت ۱۷۶۳

---

[1] دسم گرنتھ صاحب میں جس سیف اور سروہی کا ذکر گورو گوبند سنگھ صاحب کی زبانی مرقوم ہے وہ یہی تلوار معلوم ہوتی ہے۔ دیکھو رستر نام مالا۔ دسم گرنتھ "سیف سروہی سہتی یہی ہمارے پیر"

بکرمی میں بہادر شاہ کے راج میں بھائی پرتی چند صاحب نے یہ ڈیرہ گورو گوبند سنگھ صاحب کے حکم سے قائم کیا۔ اور لنگر جاری کیا۔" (اخبار خالصہ سماچار جلد ۳۳ نمبر ۱۴ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۳۲ء)

نظام حیدر آباد کی طرف سے گوردوارہ سری حضور صاحب کو جاگیر

حیدر آباد دکن میں جو گوردوارہ سری گورو گوبند سنگھ صاحب کی وفات کی جگہ پر تعمیر کیا گیا ہے، وہ حضور صاحب کے نام سے مشہور ہے اس کے متعلق سکھوں کے مشہور مورخ بھائی ویر سنگھ صاحب لکھتے ہیں:-

"نظام کی طرف سے جس طرح ہندو مسلمان وغیرہ مندروں کو جاگیریں ملتی ہیں، اسی طرح اس گوردوارہ کے ساتھ پانچ گاؤں کی جاگیر ہے، جو اٹھارہ ہزار روپیہ کے قریب سالانہ ملتی ہے گاؤں کے نام یہ ہیں (۱) باری (۲) بکساری (۳) البشن پوری (۴) بلکی (۵) ماسر یہ آمدنی مندر کی سیوا کے لئے ہے اتنی ہی رقم سیواداروں کے لئے بھی ملتی ہے۔ ریاست کی فوج میں باراں ہزار کے قریب سکھ ملازم ہیں۔ اس فوج میں سے ایک سکھ رسالدار سال سال کے لئے سربراہ بنتا ہے۔ پچھلے دنوں میں ایک پارسی ڈپٹی کمشنر نے سنگ مرمر اور سونا لگانے کی سیوا میں بڑی دلچسپی لی تھی۔ ریاست کی پولیس میں کئی سو سکھ ملازم ہیں۔" (حاشیہ سورج پرکاش این ہو آنسو ۲۵ صفحہ ۶۳۳۹)

بھائی ویر سنگھ نے جاگیر کی آمدنی کا اندازہ اٹھارہ ہزار روپیہ لگایا۔ مگر گوپال کمیم کرن صاحب لکھتے ہیں:

"نظام سرکار کی طرف سے بھی سری حضور صاحب گوردوارے کے لئے پانچ گاؤں بطور جاگیر لگے ہوئے ہیں۔ جن کی آمدنی گوردوارہ کی ترقی لنگر اور سیواداروں کیلئے خرچ ہوتی ہے اسجگہ یہ بات بتانیکے لائق ہے کہ موجودہ نظام صاحب کے والد صاحب کو ایک دفعہ مشورہ دیا گیا، کہ گوردوارہ ناندیڑ کی جاگیر بیس ہزار زیادہ ہے کم کرکے بارہ ہزار کردی جائے۔ اعلیحضرت نے فرمان کیا، کہ سری گورو گوبند سنگھ صاحب کو ماننے والے غریب امیر رئیس اور راجہ مہاراجہ ہیں۔ مگر یہ فخر ہم ہی کو ہے کہ ان کا آخری مقام ہماری راجدھانی میں ہے۔ اگر جاگیر کم کی جائیگی تو اخراجات کہاں سے ہونگے۔ لہذا حکم دیا جاتا ہے کہ جاگیر بدستور بیس ہزار رکھی جائے اور یہ جاگیر اب تک جاری ہے۔" (رسالہ امرت بابت ماہ جولائی ۱۹۳۵ء)

لیکن گیانی ٹھاکر سنگھ صاحب اس جاگیر کی آمدنی بائیس ہزار بتلاتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:- "بائیس ہزار کی جاگیر نظام حیدر آباد کی طرف سے سری حضور صاحب گوردوارہ کے نام لگائی ہوئی ہے۔" (سری گوردوارہ درشن صفحہ ...)

لالہ کنہیا لال اپنی کتاب "تواریخ پنجاب" میں لکھتے ہیں:- "نواب حیدر آباد دکن باوجود مسلمان ہونیکے

گوردوارہ کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ اور جاگیر ہمیشہ کے واسطے مقرر ہے۔ گوردوارہ سے نواب صاحب کے واسطے بھی پرشاد جاتا ہے۔ اور وہ بڑے اعتقاد سے قبول کرتے ہیں۔" (ص۸۵)

ناظرین یہ ہے مسلمان حکمرانوں کی دریادلی اور رواداری۔ ان واقعات کے ہوتے ہوئے کون نہیں مانیگا کہ مسلمان ہمیشہ سکھ گورو صاحبان سے محبت کرتے رہے ہیں۔

حضرت امام جماعت احمدیہ کا سری گوردوارہ کو عطیہ

ایڈیٹر اخبار شیر پنجاب سردار امر سنگھ صاحب لکھتے ہیں:۔

"پٹیالہ ۲۴ر فروری۔ ۲۴ر فروری کو خلیفہ قادیان کی طرف سے ایک ڈیپوٹیشن نے کرنل سردار رگھبیر سنگھ سیکرٹری گوردوارہ کمیٹی سے ملاقات کی، اور گوردوارہ کی تعمیر کے لئے پانچ صد روپیہ دان کیا۔ چندہ کو منظور کرتے ہوئے کرنل رگھبیر سنگھ نے کہا کہ اس قسم کی امداد سے سکھوں اور احمدیوں کے تعلقات جو پہلے ہی خوشگوار ہیں، زیادہ بہتر ہوجائیں گے۔ ڈیپوٹیشن نے مہاراجہ صاحب پٹیالہ سے بھی جو کمیٹی کے پریذیڈنٹ ہیں ملاقات کی۔ انہوں نے احمدیہ جماعت کی اس سپرٹ کی بہت تعریف کی، اور کہا کہ آجکل کے فرقہ وارانہ کشیدگی کے دنوں میں اس قسم کی ہمدردانہ امداد بد اعتمادی اور شکوک کو جو مختلف جماعتوں میں پائے جاتے ہیں، دور کرے گی۔" (اخبار شیر پنجاب۔ ۳ر مارچ ۱۹۳۵ء)

نیز دوسری جگہ آپ پھر تحریر فرماتے ہیں:۔

"گذشتہ ہفتہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح قادیان کی طرف سے ایک ڈیپوٹیشن نے پٹیالہ پہنچکر سری گورو گوبند سنگھ مہاراج کے جنم استھان تخت سری پٹنہ صاحب کی عمارت کے لئے پانچسو روپیہ چندہ پیش کیا۔ جو کرنل سردار رگھبیر سنگھ صاحب سردار صاحب ڈیوڑھی سیکرٹری تخت پٹنہ صاحب کیمٹی نے شکریہ کے ساتھ قبول فرمایا۔ ڈیپوٹیشن کو ہز ہائی نس مہاراجہ مہاراجہ نے بھی شرف باریابی بخشا اور احمدیہ جماعت کے خلیفہ و امام کا اس مخلصانہ پیش کش کے لئے شکریہ ادا فرمایا۔ صاحبزادہ مرزا بشیر الدین صاحب کے مذہبی و سیاسی خیالات سے ہمیں نہایت سخت اختلافات ہیں اور ہمارا ان سے مذہب و سیاسیات میں اتفاق ناممکن ہے۔ لیکن جو لوگ احمدیوں کی تنظیم ان کی سرگرمیوں اور مختلف تحریکوں سے دلچسپی رکھتے ہیں، وہ سب ان کی قوت تنظیم اسلامی لٹریچر سے نہایت وسیع واقفیت علم و فضل اور اپنی جماعت کی قیادت کے لئے غیر معمولی تدبر و دانشمندی کے قائل ہیں۔ اور سکھوں کے نہایت متبرک و مقدس گوردوارہ کی عمارت کیلئے پانچسو روپیہ چندہ کی رقم جہاں غیر مسلم بھائیوں سے

آپ کے اخلاص اور رواداری کا ثبوت سمجھا جائیگا۔ وہاں اس میں آپ کی ایک مسئلہ معاملہ فہمی اور دانشمندی کا راز بھی مضمر ہے"۔ (شیر پنجاب ۳ مارچ ۱۹۳۵ء)

اُداسیوں کو مسلمانوں کی طرف سے جاگیریں

۱۔ باوا رنحال سنگھ صاحب بیدی اپنی کتاب خورشید خالصہ میں تحریر فرماتے ہیں، کہ باوا مست رام چیلہ درگاہی رام کو بادشاہ محمد شاہ نے سات گاؤں جن کے نام بکھٹر۔ لڑھی۔ گوونی پورستان نگر کھوڑلیا۔ کمرا اڑا۔ حاکم رشید تعلق لنگر معاف کر دیئے جن کو عزیزی سرکھ سنگھ بچشم خود دیکھ آئے ہیں" (خورشید خالصہ صفحہ ۔)

۲۔ اُداسیوں کے کئی استھانوں کو مسلمان بادشاہوں نے جاگیریں دی ہوئی ہیں" (سری گوربھیر گزٹ رپورٹ ۸ مارچ ۱۹۴۲ء ص ۔)

فرمان محمد شاہ بنام مہاراجہ آلا سنگھ آف پٹیالہ

سمت ۱۸۰۱ بکرمی مطابق ۱۷۴۵ء میں محمد شاہ بادشاہ دہلی کی جانب سے ایک فرمان بسعی قمرالدین وزیر امین خاں سردار آلا سنگھ صاحب نے اپنی تقویت کے لئے دہلی سے حاصل کیا۔ جس میں یہ حکم تھا، کہ تمہاری خدمات آبادی ملک سے خوشی ہوئی اور اسی طرح کارگزاری دیکھ کر آپ کو راجہ کا خطاب بھی دیا جائیگا۔ فرمان مرقومہ ۱۲ رمضان ۱۱۳۷ھ جو نواب میر منو ولد قمرالدین وسمیع یار خاں کے ہاتھ سرہند کے مقام پر مہاراجہ آلا سنگھ کو دیا گیا"۔ (تواریخ راج خالصہ صفحہ ۷۷ ، ۳ حالات خاندان پٹیالہ)

سردار امر سنگھ کو احمد شاہ ابدالی کی طرف سے خطاب

جب سمت ۱۸۲۴ بکرمی میں آخری حملہ احمد شاہ ابدالی کا ہوا۔ تو راجہ امر سنگھ (آف پٹیالہ) نے چھ لاکھ کے قریب تحفہ تحائف و نقد نذرانہ دیکر بادشاہ کو بہت خوش کیا۔ بادشاہ نے راجہ امر سنگھ کو علاوہ خلعت فاخرہ و بے بہا تحائف کے مراتب کی جملہ علامات جو با اختیار ریاست کی خیال کی جاتی ہیں دیا۔ اور راجہ راجگان بہادر کا خطاب بھی عطا کیا۔ بلکہ سکہ جاری کرنیکی اجازت دیدی۔ چنانچہ اسی یادگار میں پٹیالہ کے سکہ پر اب تک یہ عبارت لکھی جاتی ہے:۔ "حکم شد از قادر بیچوں با احمد شاہ سکہ زد بر سیم و زر از اوج ماہی تا بماہ"۔ (تواریخ راج خالصہ صفحہ ۳۸۸) نیز لکھا ہے:۔ "راجہ کا خطاب سردار آلا سنگھ کو شاہ ابدالی نے بمقام برنالہ معہ نقارہ و نشان و اختیارات اجرائے دارالضرب دیئے تھے اور مہاراجہ راجگان کا خطاب معہ باقی مراتب اسی موقعہ پر شاہ ابدالی نے مہاراجہ امر سنگھ بہادر کو دیا تھا"۔ (راج خالصہ صفحہ ۳۸۸) (باقی آئندہ)

سلہ اُداسی سکھوں کا ایک فرقہ ہے۔

صندلین

انیمیا یا کمی خون کا بہترین علاج :- خون تمام اعضاء بدن کو غذا اور روح پہونچاتا اور زہریلے مادوں کو جسم سے خارج کرتا ہے۔ تمام اعضاء جسم خون سے ہی زندہ ہیں۔ خون بدن کے ہر ایک حصہ کی غذا کے لئے مناسب مواد مہیا کرتا ہے اور پستانوں میں ایسے اجزاء لے جاتا ہے جو دودھ بنانے کے لائق ہوں اور خصیوں میں ایسی چیزیں پہونچاتا ہے جس سے مادہ جات بنتا ہے اور صندلین میں وہ تمام جز بہت بڑی مقدار میں موجود ہیں۔ جن پر خون کے پیدا ہونے کا انحصار ہے۔

کمی خون کثرت حیض اور بواسیر سے ہو۔ یا عرصہ تک کی بیماری مثلاً ملیریا وغیرہ مبتلا رہنے سے ان تمام حالات میں صرف صندلین کا استعمال ہی آپ کے لئے مفید ہے۔ صندلین خون کو صاف کرنے اور چہرہ کے رنگ کو نکھارنے کیلئے بھی اکسیر ہے۔ اور حیض کی خرابیوں میں بھی اسکے استعمال کی سفارش کی جاتی ہے۔

قیمت یکصد قرص ایک روپیہ بارہ آنہ۔ پچاس قرص ایک روپیہ۔

اکسیر معدہ

یہ بے ضرر مرکب معدہ کی خاص دوا ہے۔ اس کے استعمال سے معدہ کے نازک نظام پر تسکین بخش اثر پڑتا ہے۔ بدہضمی۔ نفخ۔ کھٹے ڈکار سینے کی جلن پیٹ کی درد۔ باد گولہ جی کا متلانا بھوک کم لگنا خرابی جگر۔ ان تمام بیماریوں کے لئے اکسیر معدہ کا استعمال بہت مفید ہے۔ بیماری کے بعد یا کمزوری۔ کثرت کار یا ثقیل غذاؤں کے زیادہ استعمال سے جب معدہ کمزور ہو گیا ہو۔ تب ان خوش ذائقہ ٹکیوں کے استعمال سے بھوک بڑھ جاتی ہے۔ اور ہاضمہ کی قوت تیز ہو کر آپ کو اپنی غذا سے زیادہ سے زیادہ طاقت حاصل کرنے کے قابل بناتی ہے۔ اور بواسیر میں بھی مفید پائی گئی ہے۔

قیمت یکصد قرص ایک روپیہ بارہ آنہ پچاس قرص ایک روپیہ (عہ)

قرصِ خاص

جریان کے مرض کی اہمیت کسی توضیح کی محتاج نہیں۔ اکثر مریض آخر اسے لاعلاج سمجھکر اپنی زندگی سے مایوس ہوجاتے ہیں۔ جو اصحاب اس مرض کا شکار ہوں۔ یا ان کے علم میں کوئی دوست اس مرض میں مبتلا ہوں تو انہیں ہمارے دواخانہ کی مجرب دوا قرص خاص ایک مرتبہ ضرور استعمال کرنی چاہیئے۔ یہ دوا ہرقسم کے جریان میں لاجواب ثابت ہوئی ہے اس کے استعمال سے پرانے سے پُرانا جریان، رقت، سُرعت، دمکاوت حِس اور کثرت احتلام کی شکایت دُور ہوجاتی ہے۔

قیمت پچاس قرص دو روپے

اکسیرِ سیلان

سیلان الرحم یون یا لیکوریا کی شکایت آجکل ہندوستانی عورتوں میں بکثرت پھیل رہی ہے لیکن وہ بیچاری بوجہ شرم وحیا اس کا اظہار نہیں کرتیں۔ اور آخر اپنی قیمتی صحت وحقیقی حسن اور نکھار کو برباد کرلیتی ہیں یہی نہیں بلکہ اس کا خمیازہ معصوم اور بیگناہ اولاد کو اٹھانا پڑتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مرد اپنی دوسری ذمہ داریوں کے علاوہ ایسے امور سے بھی غافل اور بے پرواہ نہ رہیں اور جن عورتوں کی صحت سیلان الرحم کی وجہ سے برباد ہورہی ہو۔ انہیں فوراً اس دواخانہ کی خاص مجرب دوا

"اکسیر سیلان"

یعنی چشمۂ فیض دواخانہ نور الدینؓ قادیان سے منگوا کر استعمال کرائیں۔ یہ بے خطا دوا رحم کو قوت دیتی اسفید رطوبت کے آنے کو بند کرتی اور سیلان الرحم کی تکلیف سے بالکل نجات دے کر نئی زندگی عطا کرتی ہے۔

قیمت فی شیشی بیس خوراک تین روپیہ

تریاقِ اٹھرا

دُنیائے طب کا حیرت انگیز کارنامہ۔ مرض اٹھرا میں رحم بہت کمزور ہوجاتا ہے اور بچہ کو سنبھال نہیں سکتا۔ عموماً تیسرے یا چوتھے مہینے حمل گر جاتا ہے۔ اگر بچہ پورے دنوں میں پیدا ہو بھی جائے۔ تو بڑی عمر نہیں پاتا۔ اور اکثر ان بیماریوں کا شکار رہتا ہے۔ سبز پیلے دست، تنفس، پیچش، سوکھا، بدن پر پھوڑے پھنسیاں چھالے، سرخ دھبے وغیرہ "تریاق اٹھرا" اس مرض کی نہایت مجرب اور بے خطا دوا ہے۔ پس اگر خدانخواستہ آپ کے گھر والے اس مرض میں مبتلا ہیں۔ تو آج ہی حضرت حکیم الامت سیّدنا نورالدین کی مجرب دوا تریاق اٹھرا "دواخانہ نورالدین" سے طلب کریں۔ اس کے استعمال سے بچہ ذہین، خوبصورت، توانا اور اٹھرا کے اثر سے محفوظ پیدا ہوتا ہے۔ قیمت فی تولہ ایک روپیہ چار آنہ۔ مکمل خوراک گیارہ تولہ چھ ماشہ منگوانے کی صورت میں فی تولہ ایک روپیہ

رفیقِ نسواں

رفیق نسواں عورتوں کی مخصوص بیماریوں کے لئے "دواخانہ نورالدین" کی نہایت کامیاب دوا ہے۔ اس کے استعمال سے ایام حیض کی خرابیاں دور ہوجاتی ہیں۔ اگر حیض کی بے قاعدگی، بندش یا کمی ہے یا حیض کا خون تکلیف سے رک رک کر آتا ہے۔ ناف کے نیچے اُبھار ہے۔ دبانے سے دکھن محسوس ہوتی ہے۔ کمر اور پنڈلیوں میں درد رہتا ہے۔ جی متلاتا ہے۔ یا ہاتھ پاؤں اور سر میں جلن ہے۔ کوئی کام کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ تو یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ آپ کو رفیق نسواں کا استعمال جلد سے جلد شروع کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ وہ ان تکالیف کو دُور کر کے آپ میں قوت و توانائی اور از سرِ نو صحت تازہ پیدا کر دے گی ؎

قیمت یک صد قرص تین روپیہ بارہ آنہ (۱۲/ ۳)

" پچاس قرص دُو روپیہ (۲/ ۴)

عنبرین

اس قابل قدر معجون کا چند روزہ استعمال طبیعت میں انقلاب جسم میں قوت اور خون میں جولانی پیدا کرتا ہے۔ اس سے دل دماغ معدہ جگر اور گردوں کو قوت پہونچتی ہے اور پٹھوں میں طاقت آتی ہے جسم کی پژمردگی اور ماندگی، نقاہت، ناتوانی، اور کمزوری دور ہوجاتی ہے۔ قوت مردمی بڑھتی ہے۔ اور آپ نوجوان بنکر زندگی کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔

آپ کو اپنی حفاظت اور بیماریوں کے مقابلہ کی قوت حاصل کرنے کے لئے بھی اس دیرپا مستقل اثر رکھنے والے معجون کی ضرورت ہے۔

مشک۔ عنبر۔ زعفران اور قیمتی جواہرات اس کے خاص اجزا ہیں۔

قیمت پانچ تولہ ساڑھے چار روپیہ

معجون ملیّن اور نورسالٹ

قبض ایک عالمگیر بیماری ہے جس کی وجہ سے خراب زہریلے اور متعفن مادے جسم میں جذب ہوکر طرح طرح کی بیماریاں پیدا کرتے ہیں معجون ملین کا استعمال قبض کا بہترین علاج ہے۔ یہ قطعی بضرر معجون دست نہیں لاتا۔ جس سے کمزوری پیدا ہو۔ بلکہ بغیر مروڑ اور بے چینی کے بندھی ہوئی اجابت کھل کر ہوجاتی ہے۔

قبض ہی کے لئے دواخانہ کی دوسری مجرب دوا نُورسالٹ ہے۔ نورسالٹ صرف قبض ہی کا علاج نہیں بلکہ معدہ کی خرابی اور زائد رطوبت کو دور کرنے، پیٹ کے بڑھنے کو روکنے اور آنتوں کو مضبوط کرنے اور جوڑوں کے درد کے لئے بھی اس کا استعمال بہت مفید ہے۔

قیمت معجون ملین پانچ تولہ بارہ آنہ ٭ نورسالٹ دس تولہ کی شیشی جو چار ماہ کے لئے کافی ہے۔ ڈیڑھ روپیہ ٭ پانچ تولہ چودہ آنہ ٭

لا اله الا الله محمد رسول الله

هو الذي ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز
(اردو)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۱ | جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ جون سنہ ۱۹۴۲ء | عدد ۶

فہرست مضامین

اداریہ:-

مولوی ثناء اللہ صاحب کی خاموشی | قارئین کرام کو یاد ہوگا، ہم نے کچھ عرصہ ہوا مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی ایک کتاب پر "ریویو" میں تبصرہ کیا تھا۔ اُسے پڑھکر مولوی صاحب سخت برافروختہ ہوئے اور انہوں نے غصہ کی حالت میں اپنے اخبار "اہلحدیث" میں ایک مضمون لکھا۔ جس میں اور بہت سی لاطائل باتیں لکھنے کے علاوہ ہمیں یہ چیلنج بھی دیدیا، کہ میرے ساتھ اس موضوع پر بحث کر لو، کہ مرزا صاحب ایک قابل مصنف بھی تھے یا نہیں۔ ہم "ریویو" کے گذشتہ دو پرچوں میں ان تمام باتوں کا جو مولوی صاحب نے اس سلسلہ میں "اہلحدیث" میں لکھی تھیں، جواب دے چکے ہیں۔ چیلنج کے بارے میں ہم نے لکھا تھا کہ اگر مولوی صاحب اس پر قائم ہیں، تو ہم مباحثہ کے لئے تیار ہیں۔ لیکن مولوی صاحب نے ہماری تحریرات کو پڑھکر ایسی چُپ سادھی کہ گویا اُن پر سکتہ طاری ہو گیا ہے، اور قوت گویائی سلب ہو چکی ہے۔ دو ماہ کے عرصہ میں "اہلحدیث" کے کئی پرچے شائع ہو چکے ہیں مگر آپ نے ان میں ہماری جوابی تحریرات کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ کہاں وہ زور شور کہ ہمیں بڑے طمطراق سے مباحثہ کا چیلنج دیا گیا تھا، اور کہاں یہ حالت کہ ہم بار بار ان کو مخاطب کر کے ان کی پیشکردہ باتوں کا جواب دے رہے ہیں، اور وہ ایسے خاموش ہیں کہ گویا ہماری تحریریں ان کی نظر سے ہی نہیں گذریں۔

ہم نے تو پہلے ہی لکھ دیا تھا، کہ یہ چیلنج مولوی صاحب نے غصہ کی حالت میں دیا ہے۔ غصہ فرو ہونیکے بعد بقائمی ہوش و حواس اس پر غور کرینگے، تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے ہم نے ان سے چیلنج کی توثیق چاہی تھی۔ معلوم ہوتا ہے، کہ ہمارے جوابی مضامین پڑھکر مولوی صاحب پر اپنے چیلنج کی حقیقت آئینہ ہو گئی ہے، اور اسی لئے آپ نے سکوت کو مقتضائے مصلحت جانا۔ اب ہم بھی اس قصہ کو ختم کرتے ہیں۔ آئندہ اگر مولوی صاحب نے اس پر کچھ لکھا، تو ہم بھی عرض کرینگے انشاء اللہ؛

ایک مردِ مجاہد کی وفات گذشتہ ماہ کا ایک اندوہناک واقعہ جناب میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر فاروق کی وفات کا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جناب میر صاحب ہماری جماعت کے ابتدائی مصنفوں میں سے ایک اچھے اور کامیاب مصنف تھے سلسلہ کی تاریخ صحافت میں بھی ان کو بلند مقام حاصل تھا۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد دہلی میں انہوں نے ایک باقاعدہ تبلیغی مرکز قائم کر دیا اور اپنی انفرادی کوششوں سے بہت سے اشتہارات، ٹریکٹ اور رسالے تائید احمدیت میں شائع کئے۔ حضرت اقدس کی وفات کے بعد خلافتِ اولیٰ میں جب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی بدزبانی حد سے بڑھ گئی، تو جناب میر قاسم علی صاحب نے ۱۹۱۱ء میں دہلی سے رسالہ "احمدی" جاری کیا۔ جس میں مولوی صاحب کے اعتراضات کے دندان شکن اور قرار واقعی جوابات دیئے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی آریوں کے اسلام پر اعتراضات کے جوابات کے لئے بھی آپ نے دہلی ہی سے ایک ہفتہ وار اخبار "الحق" جاری کیا۔ جو ہندوستان کے نصف درجن سے زائد آریہ اخبارات کا نوٹس لیتا تھا، اور ان کے اسلام کے خلاف زہریلے اثر کو دور کرتا تھا۔ خلافت ثانیہ کے عہد میں آپ نے سلسلہ کے مشہور ہفتہ وار اخبار "فاروق" کی بنیاد ڈالی۔ جس کا سب سے پہلا پرچہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو قادیان دارالامان سے شائع ہوا۔ اور جو بعض ناگزیر درمیانی وقفوں کے ساتھ ۱۰ مارچ ۱۹۴۲ء تک جاری رہا۔

ان اخبارات کے علاوہ آپ نے پچیس کے قریب چھوٹے چھوٹے رسالے اور کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن میں سے بعض مولوی ثناء اللہ صاحب کے جواب میں ہیں، اور بعض آریوں کے ردّ میں۔ پیغامیوں اور دوسرے اندرونی مخالفینِ احمدیت کے مقابلہ میں بھی آپ نے قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔ باوجود معمولی تعلیم کے آپ کو خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت سے ایک زبردست قوتِ تحریر عطا فرمائی تھی، اور دشمن آپ سے مرعوب تھا۔

فنِ خطابت اور مناظرہ میں بھی آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ بڑے بڑے جلسو

اور مناظروں میں آپ کی تقریریں مخالفین تک سے داد تحسین حاصل کرتی تھیں۔ آپ کا اندازِ بیان بہت دلکش ہوتا تھا، مجھے یاد ہے جب کسی زمانہ میں غیر احمدی علماء مولوی ثناء اللہ صاحب، مولوی محمد حسن صاحب دربھنگی اور مودودی انور شاہ صاحب دیوبندی وغیرہ سال بسال قادیان میں جلسہ کرنے آیا کرتے تھے، تو جناب میر صاحب مرحوم بڑی دلیری سے ان کا مقابلہ کیا کرتے تھے۔ سنہ ۱۹۲۲-۲۳ء میں جب آریہ سماج کے دریدہ دہن مصنفوں اور لیکچراروں نے ہندوستان کے طول و عرض میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف گندے اعتراضات کر کے مسلمانوں کے دل دکھائے، اور ہر جگہ مناظرات کا میدان گرم ہوا، تو جناب میر صاحب مرحوم نے اسلام کے ایک جری پہلوان کی طرح اس مقدس جنگ میں حصہ لیا، اور مخالفین اسلام کا بڑی کامیابی سے مقابلہ کیا۔ امرتسر اور لاہور وغیرہ مقامات میں آپ کے اس زمانہ کے لیکچروں کی اب تک دھوم ہے۔ ہندوستان کے دور دراز نزدیک کے دیگر شہروں سے بھی غیر احمدی اصحاب آریوں کے مقابلہ کے لئے قادیان ہی سے مبلغ بلوایا کرتے تھے۔ اور ان کی طرف سے جناب میر صاحب کو بھجوانے کی خاص طور پر فرمائش ہوتی تھی۔ آپ کی تصنیف "چودھویں صدی کا مہرشی" اُس وقت کی فضاء میں آریوں کا بہترین جواب تھی۔ اس کتاب کی اشاعت نے آریوں میں ایک ہلچل ڈال دی، اور ان کو معلوم ہو گیا، کہ دوسروں کے بزرگوں کی توہین ایک نہایت خطرناک کھیل ہے۔ اس کتاب کی ضبطی کے لئے آریوں کی طرف سے کئی مرتبہ کوشش کی گئی۔ لیکن چونکہ یہ کتاب ان کی کئی زہریلی اور گندی کتابوں کے جواب میں شائع ہوئی تھی، اس لئے وہ اسے ضبط کرانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

غرض احمدیت و اسلام کا یہ مردِ مجاہد پورے چالیس برس کی ہنگامہ خیز اور کامیاب زندگی گذار کر ہم سے جدا ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان پر اپنی رحمتوں کی بارش نازل کرے۔ آمین ؎

"قادیانی گمراہیاں" اس سُرخی کے ذیل میں مولٰنا عبدالماجد صاحب دریا بادی نے اپنے اخبار "صدق" مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۵۰ء میں ایک نوٹ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں "صدق" میں ان کی

تفسیر سورہ فاتحہ کو پڑھکر ایک صاحب نے کیمل پور سے انہیں خط لکھا ہے، کہ قادیانی لوگ کہتے ہیں، سورہ فاتحہ میں خدا تعالےٰ نے مسلمانوں کو دعا سکھائی ہے، کہ ہمیں ان لوگوں کا راستہ دکھا، جن پر تو نے انعام کیا۔ ظاہر ہے، کہ سب سے بڑا انعام منصب نبوت ہے۔ اور جب یہ رسول اللہ کے بعد کسی کو نہیں مل سکتا، تو پھر اس کے لئے دعا مانگنے سے کیا فائدہ۔ اسی طرح سورۂ نساء کی آیت مَنْ یُطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ الخ کو بھی وہ اپنے حق میں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس آیت کی رُو سے انسان رسول کی اطاعت کرکے منصب نبوت حاصل کر سکتا ہے . . . .

ایک اور آیت بھی وہ اپنے حق میں پیش کیا کرتے ہیں، جس کا مفہوم کچھ اس قسم کا ہے، کہ "اے بنی آدم! جب ہمارے انبیاء تمہارے پاس آئیں . . . ."

"قادیانی" دلائل پیش کرکے کیمل پوری نامہ نگار مولٰنا سے عرض کرتے ہیں، کہ "آپ قرآن مجید کے تفسیری نوٹوں میں اس مسئلہ پر بھی ضروری روشنی ڈالیں۔ اور اگر "صدق" میں گنجائش ہو تو اس کی کسی اشاعت میں اس پر کچھ تحریر فرمائیں"۔

آپنے اپنے نامہ نگار کو جو جواب دیا ہے، اس کا حسب ذیل حصہ اصل مسئلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"پہلی آیت یعنی اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ (سورۃ فاتحہ) میں تو صرف اس قدر مضمون ہے۔ کہ ہم کو انعام پائے ہوؤں (یعنی پیمبروں) کی راہ پر چلا، نہ یہ کہ ہمیں پیمبر بنا۔ نفس انعام تو فرشتوں پر بھی ہوا ہے۔ پھر کیوں نہیں فرض کر لیا جاتا۔ کہ اس دعا سے ہم فرشتہ بھی بن سکتے ہیں۔ رہی دوسری آیت سورۃ نساء والی فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ الخ اس میں ذکر "معیت و رفاقت" کا ہے۔ جو عام مؤمنین کو جنت میں انبیاء صدیقین وغیرہ کے ساتھ نصیب ہوگی۔ نہ کہ نفس نبوت وغیرہ میں شرکت تیسری آیت سورۃ اعراف کی ہے یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ الخ اے بنی آدم! اگر تمہارے پاس تم میں سے میرے رسول آئیں الخ یہ ہدایت ہبوط آدم کے معاً بعد ساری اولاد آدم کو ہوئی تھی۔ اس سے یہ کہاں سے نکلا کہ سلسلہ

رسل قیامت تک رہے گا اور اس کو ختم رسالت کے بعد کے زمانہ سے کیا تعلق؟"
ہماری گذارش یہ ہے، کہ پہلی آیت میں بے شک یہ الفاظ تو نہیں ہیں، کہ ہمیں پیمبر بنا۔ مگر "نبیوں کی راہ چلا" کے الفاظ کا مطلب یہی ہے، کہ ہم پر وہی انعام کر جو تو نے پہلے منعم علیہ گروہ پر کئے ہیں۔ ورنہ صرف ان کی راہ پر چلانے کی دعا سے کیا حاصل؟ منعم علیہ گروہ سورۂ نساء کی آیت میں چار بتائے گئے ہیں، نبیؔ، صدیقؔ، شہیدؔ، اور صالحؔ۔ اب اگر صرف راہ پر چلانے کی دعا ہے اور انعام حاصل کرنے کی دعا نہیں، تو نتیجہ یہ نکلا، کہ امت میں نہ صالحیت کا انعام جاری ہے، نہ شہیدیت کا، نہ صدیقیت کا اور نہ نبوت کا۔ کیونکہ بقول آپ کے دعا صرف یہ ہے، کہ ہمیں ان کی راہ پر چلا۔ لیکن اگر پہلے تینوں مدارج روحانیہ امت میں جاری ہیں، اور خدا تعالٰے نے اس دعا کے نتیجہ میں صلحاء، شہید اور صدیق پیدا کئے ہیں، تو نبوت کے انعام کا استثناء آپ کس دلیل سے کریں گے؟

اور فرشتوں پر انعام کا ذکر بے محل ہے۔ کیونکہ وہ غیر جنس ہیں۔ ہم اپنی دعا میں جس انعام کو طلب کرتے ہیں، وہ لازماً وہی انعام ہو سکتا ہے، جو ہمارے ہم جنسوں پر ہوا۔ فرشتہ تو ہم اس لئے نہیں بن سکتے کہ وہ اور مخلوق ہے۔ لیکن نبی تو کوئی دوسری مخلوق نہیں ہے۔ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ تو خود سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔

دوسری آیت میں جس رفاقت و معیّت کا ذکر ہے وہ نفس انعام میں شرکت والی رفاقت و معیّت ہے۔ رفاقت و معیّت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک خادم کی مخدوم کے ساتھ، اور دوسری ہم رتبہ کی ہم رتبہ کے ساتھ۔ مثلاً ایک گورنر کے ساتھ اس کا اردلی ہو، تو یہ پہلی قسم کی رفاقت و معیت ہے۔ لیکن اگر اس کے ساتھ ایک دوسرا گورنر ہو، تو یہ رفاقت و معیّت دوسری قسم کی ہوگی اور آیت میں جس رفاقت و معیت کا ذکر ہے، وہ دوسری قسم کی رفاقت و معیت ہے۔ کیونکہ اگر پہلی قسم مراد لی جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا، کہ اُمت میں کسی کو روحانی انعامات میں سے (جن کا ذکر اس آیت میں ہے) کوئی انعام حاصل نہیں ہو سکتا۔ ان انعامات والوں کی صرف رفاقت

حاصل ہوگی۔ اور یہ بالبداہت باطل ہے۔ کیونکہ اس سے خیر امت کا درجہ بالکل گر جاتا ہے۔ گویا امت کے حصہ میں انعام تو کوئی نہیں۔ صرف انعام یافتوں کی رفاقت حاصل ہوگی۔ وہی رفاقت جو اردلی کو گورنر کے ساتھ ہوتی ہے، یہ اچھی خیر امت ہے۔

علاوہ ازیں یہ مسلم ہے، کہ امت میں صدیقیت، شہیدیت اور صالحیت کا دروازہ بند نہیں، پس جب ان تینوں مدارج میں رفاقت ومعیت نفس انعام میں شرکت والی رفاقت ومعیت ہے تو پہلے درجہ (یعنی نبوت) میں رفاقت ومعیت بھی نفس انعام میں شرکت والی رفاقت و معیت ہی ہوگی۔

تیسری آیت کے متعلق آپ فرماتے ہیں، کہ یہ ہدایت ہبوط آدم کے وقت ہوئی۔ مطلب یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور آنحضور کے بعد کے لوگ اس میں مخاطب نہیں ہیں اور یہ خیال الفاظ خطاب یٰبَنِيْٓ اٰدَمَ سے پیدا ہوا ہے۔ مگر سوال یہ ہے، کہ کیا آنحضرت صلعم کے زمانہ اور آپ کے بعد کے لوگوں کو یٰبَنِيْٓ اٰدَمَ سے خطاب نہیں ہو سکتا؟ کیا وہ بنی آدم نہیں ہیں؟ اس سے پہلے رکوع ۳ میں تین مرتبہ یٰبَنِيْٓ اٰدَمَ کے الفاظ سے خطاب واقع ہوا ہے۔ اور تینوں مقامات میں خطاب عام ہے کسی خاص زمانہ کے لوگوں تک محدود نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ یٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا الخ اے بنی آدم! ہم نے تمہیں لباس عطا کیا ہے۔ یٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ الخ اے بنی آدم! تم کو شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے۔ یٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ اے بنی آدم! ہر مسجد (یا نماز) میں اپنی زینت قائم رکھو۔

ان تینوں آیات میں حضرت آدمؑ کا واقعہ بیان کر کے سب بنی آدم کو خطاب کیا ہے، اور ہدایات دی ہیں۔ خاص حضرت آدمؑ کے زمانہ کے لوگ ہی مراد نہیں ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ بھی فرماتے ہیں فَاِنَّهٗ خِطَابٌ لِاَهْلِ ذٰلِكَ الزَّمَانِ وَلِكُلِّ مَنْ بَعْدَهُمْ (اتقان جلد ۲ ص۱۳ مطبوعہ مصر) یعنی اس آیت میں سب زمانوں کے لوگ مخاطب ہیں۔

امید ہے مولانا عبدالماجد صاحب ان گذارشات پر توجہ فرمائینگے۔ ہمارے نزدیک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد امتی نبی آسکتا ہے۔ یعنی ایسا نبی جو آنحضورؐ کا مطیع ہو۔ جیسا کہ آیت مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ الخ میں یُطِع کا لفظ اشارہ کر رہا ہے۔ صاحب شریعت نبی نہیں آسکتا۔ کیونکہ شریعت مکمل ہو چکی ہے۔ اور قرآن مجید قیامت تک کیلئے کافی ہے ؂

"ریویو" کی قیمت میں رعایت گذشتہ ماہ ہم نے "ریویو" نصف قیمت (ڈیڑھ روپیہ سالانہ) پر جاری کرنے کے لئے اعلان کیا تھا۔ اس پر بعض احمدی اصحاب کی درخواستیں آرہی ہیں کہ ہمارے نام رسالہ مفت جاری کر دیا جائے۔ ایسے تمام دوستوں کی خدمت میں عرض ہے کہ ہم نے رسالہ مفت جاری کرنے کا اعلان نہیں کیا۔ بلکہ رعایت کا اعلان کیا ہے اور رعایت بھی صرف غیر مسلموں اور غیر احمدیوں کے لئے ہے۔ احمدیوں کے لئے رعایت کا کوئی موقعہ نہیں ہے

ہم نے دو سو پرچے ایک سال کے لئے نصف قیمت پر جاری کرنیکا اعلان کیا تھا۔ مگر ابھی تک بہت تھوڑے پرچوں کے لئے درخواستیں آئی ہیں۔ مندرجہ ذیل احباب نے خاص طور پر کوشش کر کے غیر احمدیوں اور غیر مسلموں میں سے خریدار مہیا فرمائے۔ اور بعض نے اپنے خرچ پر پرچے جاری کرائے۔ جناب صوفی غلام محمد صاحب ٹانک نے دس پرچے اور جناب چوہدری رحمت اللہ صاحب باجوہ نے دو پرچے اپنے خرچ پر جاری کرائے۔ جناب مولوی ابو محمد عبداللہ صاحب امیر جماعت احمدیہ کمبوہ باجوہ نے چار خریدار۔ جناب ملک عبدالرحیم صاحب اوورسیر نے دو خریدار۔ جناب ملک مبارک احمد صاحب امین آبادی اور جی۔ ایم نذیر احمد صاحب بنگلور اور بابو محمد خورشید صاحب اوورسیر نے ایک ایک خریدار عطا فرمایا۔ جزاھم اللہ خیرًا۔

غیر احمدیوں اور غیر مسلموں میں تبلیغ کا یہ بہترین طریق ہے کہ انکے نام رسالہ جاری کر دیا جائے۔ اس سے متواتر علمی اور تبلیغی مضامین کا ایک ٹھوس مجموعہ سامنے آتا رہیگا۔ اور ایک طالب حق کو ہمارے خیالات و عقائد سے واقفیت نیز تحقیق کا موقعہ ملیگا۔ پس ہم پھر احباب جماعت سے پر زور اپیل کرتے ہیں کہ غیر احمدیوں اور غیر مسلموں کے نام "ریویو" جاری کرائیں ؂

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جانشین

خلیفہ ــــ یا ــــ انجمن

(از حضرت مولوی شیر علی صاحب)

ہمارے بعض بھائیوں کا، جو مولوی محمد علی صاحب کی قیادت میں ہم سے جُدا ہو کر لاہور جا چکے ہیں، اور جن کی جدائی کا ہمیں افسوس ہے، یہ خیال ہے، کہ حضرت مسیح موعودؑ نے رسالہ الوصیت میں انجمن کو اپنے بعد اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا۔ اور اب کوئی ایسا شخص جماعت میں منتخب نہیں کیا جا سکتا، جو انجمن پر حاکم ہو۔ تمام امور دینی اور دنیوی میں اس انجمن کا فیصلہ قطعی ہے اور تمام جماعت کا فرض ہے کہ اس کے فیصلہ کو صحیح سمجھے اور اس پر عمل کرے۔

اپنے اس خیال کی تائید میں وہ "الوصیت" میں سے بعض فقرات اور بعض تحریریں بھی پیش کرتے ہیں جن سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مسیح موعودؑ کی حقیقی جانشین انجمن ہے۔ اور اسی کی کثرت رائے آخری فیصلہ ہے۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات سے واقعی یہ ثابت ہوتا ہو کہ انجمن ہی حضرت مسیح موعودؑ کی حقیقی جانشین اور خلیفہ ہے، تو ہر ایک حقیقی احمدی کا یہ فرض ہونا چاہیئے، کہ انجمن کو آپؑ کا حقیقی جانشین یقین کرے۔ اور اس کے سوا کسی اور شخص کو خلیفۃ المسیح کا خطاب دینے سے انکار کرے لیکن اگر ایسا نہیں تو پھر ہمارے بچھڑے ہوئے بھائی خود دیکھ لیں، کہ اپنے ذہنی خیالات پر اصرار کرتے چلے جانا کہاں تک درست ہے۔

۱۔ پہلی تحریر جو انجمن کے حقیقی خلیفۃ المسیح ہونے کی تائید میں پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت اقدس ضمیمہ الوصیت میں فرماتے ہیں: "چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے

اس لئے اس انجمن کو دنیاداری کے زنگوں سے بکلی پاک رہنا ہوگا۔ اس کے تمام معاملات نہایت صاف اور انصاف پر مبنی ہونے چاہئیں "

ان الفاظ پر جہانتک بھی غور کیا جائے، ان کا ہرگز یہ مطلب نہیں نکلتا، کہ انجمن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان معنوں میں اپنے بعد اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا جن معنوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے۔ اور یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ کا یہ منشاء تھا کہ آپ کے بعد کوئی فرد واحد آپ کا خلیفہ نہ ہو جو جماعت احمدیہ کا مطاع ہو۔ بلکہ انجمن ہی آپ کی حقیقی اور اصلی خلیفہ اور جانشین ہوگی۔ یہ بات مندرجہ ذیل امور پر غور کرنے سے ظاہر ہو جائے گی۔

۱۔ انجمن کی جانشینی کا ذکر آپنے اصل الوصیت میں نہیں کیا۔ بلکہ یہ فقرہ الوصیت کے ضمیمہ میں ہے جو الوصیت کے ۱۷ دن بعد لکھا گیا۔ اور جس پر بعض فروعی قواعد بیان کئے گئے ہیں اگر آپ کا یہ منشاء ہوتا کہ آپ کے بعد کوئی فرد واحد آپ کا جانشین نہ ہو، بلکہ انجمن کارپرداز مصالح قبرستان ہی آپ کی جانشین ہو تو یہ ایک ایسا اہم سوال تھا، کہ اس کا ذکر خود الوصیت میں ہونا چاہیئے تھا، نہ یہ کہ آپ ۱۷ دن کے بعد ایک ضمیمہ میں اس کا ذکر فرماتے۔

۲۔ انجمن کا خلیفہ ہونا تاریخ دنیا میں ایک بالکل نرالی اور انوکھی بات تھی۔ آدم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک کبھی ایسا اتفاق نہیں ہؤا تھا، کہ کوئی انجمن کسی مامور من اللہ کی وفات کے بعد مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئی ہو۔ بلکہ خلفاء اور امراء ہمیشہ افراد ہی ہوتے چلے آئے ہیں۔ پس حضرت مسیح موعودؑ کے بعد بجائے کسی فرد واحد کے ایک انجمن کا امیرالمؤمنین اور خلیفہ ہونا ایک چونکا دینے والا واقعہ تھا۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تمام مامورین اور انبیاء کے طریق کے خلاف ایک جدید طریق اختیار کرنے لگے تھے، اور ایک نئی سنت کی بنیاد ڈالنے لگے تھے۔ تو ضروری تھا کہ آپ نیا قانون بنانے سے پہلے ایک تمہید لکھتے، اور اس بات کو واضح کرتے، کہ میں پہلے انبیاء اور مامورین کی سنت کے خلاف یہ نیا طریق کیوں اختیار کرنے لگا ہوں۔

اس بات کی کیا وجوہات ہیں، کہ میں نہیں چاہتا کہ میرے بعد کوئی فرد واحد میرا خلیفہ ہو بلکہ میں چاہتا ہوں کہ میری جانشین ایک انجمن ہو۔ آپ کا ہمیشہ یہ طریق تھا کہ جب کوئی نئی بات بیان فرماتے، جس کا سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا تو آپ ایک واضح بیان کے ساتھ اس کی تشریح کرتے اور دلائل اور براہین کے ذریعہ اس بات کی حقیقت لوگوں کے ذہن نشین فرماتے۔ لیکن یہ نئی تجویز کرتے ہوئے آپؑ نے کوئی ایسا بیان قلمبند نہیں فرمایا، جس سے ثابت ہو کہ آپ کے بعد کسی فرد واحد کو آپ کا خلیفہ منتخب کرنا اور جماعت کا واجب الاطاعت امیر مقرر کرنا جائز نہیں ہوگا۔ بلکہ جماعت کی امارت اور آپ کی خلافت ایک انجمن کے سپرد کی جائے گی۔

۳۔ ضمیمہ الوصیت کے جس فقرہ میں یہ الفاظ آئے ہیں، وہاں بھی یہ الفاظ محض ضمنی طور پر بیان کئے گئے ہیں اور اس فقرے کا اصل مقصود یہ بیان کرنا نہیں کہ آپ کے بعد آپ کی جانشین انجمن ہوگی۔ بلکہ اس فقرے کا اصل مقصد انجمن کو یہ نصیحت کرنا ہے کہ "دنیاداری کے طریقوں سے پرہیز کرے اور ہر معاملہ میں وہ انصاف کو مدنظر رکھے"۔ اس فقرے میں انجمن کی جانشینی کے الفاظ بطور ایک خبر کے بیان نہیں کئے گئے۔ بلکہ ایسے رنگ میں بیان کئے گئے ہیں کہ گویا یہ امر پڑھنے والوں کو پہلے ہی معلوم ہے کیونکہ الفاظ یہ ہیں:۔

"چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے"

ان الفاظ سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا اس سے منشاء یہ ہے، کہ انجمن کی یہ جانشینی ایک ایسا امر ہے، جو الوصیت کے بیانات سے خود ظاہر ہو رہا ہے۔ پس اس جانشینی کا مفہوم اس کلام سے ظاہر ہو جاتا ہے، جو انجمن کے سپرد کیا گیا ہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں اس جانشینی سے وہ جانشینی مراد ہے، جو ان فرائض سے پیدا ہوتی ہے، جو اس انجمن کے سپرد کئے گئے ہیں وہ فرائض خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی طرف سے انجمن کے سپرد کئے گئے۔ اس لئے انجمن ان فرائض کو خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی نیابت میں بجا لا رہی ہے۔ اور اس حیثیت سے اپنے کام کے دائرہ کے اندر خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے اس کو توڑ مروڑ کر اس سے

یہ نتیجہ نکالنا ہرگز درست نہیں کہ ان تمام کاموں میں جن کی انجام دہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسیح موعودؑ کو مبعوث فرمایا، انجمن حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد آپؑ کی خلیفہ ہوگی۔ اور جماعت کو کوئی حق نہیں ہوگا کہ وہ آپ کی وفات پر کسی اور فرد کو حضرت مسیح موعودؑ کا جانشین منتخب کرے۔

۴۔ مسیح موعودؑ کے الفاظ یہ ہیں کہ "انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے" آپ نے یہ نہیں فرمایا، کہ "انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہوگی" اگر آپ کا اس عبارت سے یہ مقصد ہوتا کہ آپ کے بعد کوئی فرد واحد جماعت کا واجب الاطاعت امیر اور امام نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ منصب انجمن کار پرداز مصالح قبرستان کے سپرد ہوگا۔ تو آپ کے الفاظ یوں ہوتے "چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہوگی" حضرت مسیح موعودؑ کے موجودہ الفاظ سے صاف طور پر وہ جانشینی مراد ہے جو انجمن کو حضرت مسیح موعودؑ کے وقت ہیں حاصل تھی۔ وہ جانشینی اس کام کے دائرہ میں تھی، جو حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں اس کے سپرد کیا گیا۔ اس جانشینی کو اور وسیع کرنا اور محض ایک زیادتی ہے۔ پس چونکہ ایک مخصوص کام انجمن کے سپرد کیا گیا اور اس کام کے چلانے کے لئے ضروری اختیارات اس کو دیئے گئے اس لئے اس مخصوص کام میں انجمن کار پرداز مصالح قبرستان حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں ہی آپ کی جانشین تھی۔ اور جماعت کے لوگوں کا فرض تھا کہ وہ اس کام کے متعلق انجمن کی ہدایات پر عمل کرتے۔

۵۔ اگر ہم اس کام پر نظر کرتے ہیں جو الوصیت میں انجمن کے سپرد کیا گیا۔ تو اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، کہ ایک محدود کام حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے انجمن کے سپرد کیا گیا، نہ کہ سلسلہ کا تمام نظم و نسق۔ آپ رسالہ الوصیت میں پہلے اپنی وفات کی خبر دیتے ہیں اور پھر اپنے متبعین کو تسلی دیتے ہیں۔ کہ ان کو آپ کی وفات کی خبر سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدیم سے سنت ہے کہ وہ انبیاء کی وفات کے بعد دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھاتا ہے، اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ابوبکر صدیقؓ کو کھڑا کرکے اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوا۔ ایسا ہی

حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے معاملہ ہوا۔ اس لئے اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالےٰ اپنی قدیم سنّت کو ترک کر دے۔ وہ تمہیں بھی دوسری قدرت کا نمونہ دکھائے گا۔ اور میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہونگے۔ اور پھر اپنی جماعت کو بعض ضروری نصائح کرنے اور اپنے دعویٰ نبوت کو پیش کرنے کے بعد الوصیت کے آخر میں فرماتے ہیں‘‘ اس جگہ ایک امر قابل تذکرہ ہے‘‘ ان الفاظ کے ساتھ آپ بہشتی مقبرہ کی تجویز شروع کرتے ہیں۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے، کہ بہشتی مقبرہ کی تجویز کو آپ نے بطور تتمہ کے پیش کیا ہے۔ اصل وصیت کا حصہ وہ ہے جو اس سے پہلے گذر چکا ہے۔ اس کے بعد آپ ایک قبرستان کی تجویز فرماتے ہیں۔ اور اس کے لئے بعض شرائط مقرر فرماتے ہیں۔ اور ان شرائط کے ضمن میں لکھتے ہیں‘‘ بالفعل یہ چندہ اخویم مکرم مولوی نورالدین صاحب کے پاس آنا چاہیئے۔ لیکن اگر خدا تعالےٰ نے چاہا۔ تو یہ سلسلہ ہم سب کی موت کے بعد بھی جاری رہے گا۔ اس صورت میں ایک انجمن چاہیئے۔ ایسی آمدنی کا روپیہ جو وقتاً فوقتاً جمع ہوتا رہے گا، اعلائے کلمۃ الاسلام اور اشاعت توحید میں جس طرح مناسب سمجھیں خرچ کریں‘‘ یہ وہ الفاظ ہیں جن میں اس انجمن کی بنیاد ڈالی گئی ہے۔ جس کے اختیارات کا سوال اس وقت ہمارے زیر بحث ہے۔ ان الفاظ سے اس انجمن کے بنانے کی غرض و غایت ظاہر ہوتی ہے۔ ان سے صاف ظاہر ہے کہ سلسلہ کا تمام انتظام اس انجمن کے سپرد نہیں کیا گیا بلکہ ایک مخصوص کام کے لئے یہ انجمن بنائی گئی۔

پھر لکھا ہے‘‘ یہ مالی آمدنی ایک بادیانت انجمن کے سپرد رہے گی، اور وہ باہمی مشورہ سے ترقی اسلام اور اشاعت علم قرآن و کتب دینیہ اور اس سلسلہ کے واعظوں کے لئے حسب ہدایت مذکورہ بالا خرچ کرینگے‘‘ ان الفاظ سے بھی انجمن کے کام کا محدود ہونا ظاہر ہوتا ہے، کہ صرف ایک مخصوص کام انجمن کے سپرد کیا گیا نہ کہ تمام سلسلہ کا انتظام نگرانی اور رہنمائی۔ اور‘‘ اس سلسلہ کے واعظوں‘‘ کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ‘‘ سلسلہ‘‘ اس انجمن سے ایک جدا چیز ہے۔ پھر آگے چل کر فرماتے ہیں‘‘ جب ایک گروہ جو متکفل اس کام کا ہے فوت ہو جائیگا۔ تو وہ لوگ جو اُنکے

جانشین ہوں گے۔ ان کا بھی یہی فرض ہوگا۔ کہ ان تمام خدمات کو حسب ہدایت سلسلہ احمدیہ بجالائیں "۔ ان الفاظ سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جیسا کہ ان ممبران انجمن کا جو حضرت مسیح موعودؑ کے وقت میں مقرر کئے گئے یہ فرض تھا۔ کہ وہ اپنی مفوضہ خدمات کو حسب ہدایت سلسلہ احمدیہ بجالائیں۔ ایسا ہی ان لوگوں کا بھی جو ان کے جانشین ہوں گے یہ فرض ہوگا۔ یہاں حضرت مسیح موعودؑ نے انجمن کو سلسلہ احمدیہ کے ماتحت ایک حیثیت دی ہے اور اسے سلسلہ احمدیہ کا حاکم نہیں بنایا۔ یہ وہ سند ہے۔ جو الوصیت میں انجمن کو دی گئی۔ اور یہی وہ اصل نکتہ کا رٹا ہے جو انجمن کو عطا ہوا۔ انجمن کے اختیارات کا دائرہ اسی سند کے الفاظ کے اندر محدود ہے۔ اور ان الفاظ سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ مسیح موعودؑ نے اپنے سارے اختیارات اس انجمن کے سپرد کر دیئے تھے۔ جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ایک مخصوص کام کی انجام دہی اس انجمن کے سپرد کی گئی تھی۔ اور اس مخصوص کام کے دائرے کے اندر انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین تھی۔

۷۔ اس انجمن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی زندگی ہی میں اس کے کام کے متعلق اختیارات دیدیئے تھے۔ اور آپ کی زندگی ہی میں وہ اپنے دائرہ میں خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین تھی۔ پس معلوم ہوا۔ کہ اس انجمن کی جانشینی کسی خلیفہ کے انتخاب میں روک نہیں ہوسکتی تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ موجود تھے۔ انجمن بھی قائم تھی۔ اسی طرح آپ کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کا خلیفہ بھی منتخب ہوسکتا ہے۔ اور انجمن بھی اسی طرح اپنا کام جاری رکھ سکتی ہے۔ جس طرح کہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کے وقت میں کر رہی تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی زندگی میں انجمن کو قائم کرکے عملی طور پر یہ دکھا دیا۔ کہ جس طرح میرے ماتحت انجمن اپنا مفوضہ کام سرانجام دے سکتی ہے۔ اسی طرح میرے خلفاء کے وقت میں بھی اپنا کام جاری رکھ سکتی ہے۔ انجمن کے وجود میں اور امام جماعت احمدیہ کے وجود میں باہمی کوئی تضاد نہیں ہے۔ دونوں ایک وقت میں موجود ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس کا عملی نمونہ خلافتِ اُولیٰ کے عہد میں دیکھ لیا۔ اگر حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ

کے عہد میں انجمن ان کے ماتحت رہ کر اپنے فرائض بخوبی ادا کرسکتی تھی، تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ آئندہ خلفاء کے ماتحت اپنے فرائض کو سرانجام نہ دے سکے۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں انجمن قائم ہو چکی تھی۔ اور اپنے فرائض کا حصّہ ادا کررہی تھی، تو آئندہ خلفاء کے زمانہ میں اس کے ساتھ میں کونسی ایسی روک پیدا ہوگئی ہے جس نے اُسے اپنے فرائض کے سرانجام دینے کے ناقابل بنا دیا ہے۔

۷۔ جس طرح قرآن مجید کی کسی آیت کے کسی مفہوم کے متعلق اگر اختلاف پیدا ہو، تو اس مشکل کا صحیح حل یہ ہے، کہ قرآن شریف کے دوسرے مقامات کی روشنی میں اس آیت کو حل کیا جائے چنانچہ یہ قاعدہ خود قرآن شریف میں بیان کیا گیا ہے کہ متشابہات کو محکمات کے تابع کیا جائے اور ان کی روشنی میں ان کو حل کیا جائے۔ اسی طرح اگر اس قاعدہ کی رُو سے ہم ضمیمہ الوصیت کے قاعدہ نمبر ۱۳ کی عبارت کو (جو اوپر نقل ہو چکی ہے اور جس سے انجمن کے حقیقی اور اصلی خلیفۃ المسیح ہونے کا استدلال کیا جاتا ہے) حل کرنے کی کوشش کریں، تو اس عبارت کا مفہوم آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ اس غرض سے جب ہم الوصیت کو دیکھتے ہیں، تو اس میں ایک حصّہ نظر آتا ہے، جس پر بہت ہی زور دیا گیا ہے۔ اور وہ الوصیت کا سب سے زیادہ نمایاں حصّہ ہے۔ وہ کونسا حصّہ ہے؟ وہ وہی حصّہ ہے، جس میں حضرت مسیح موعود اپنی وفات کے قرب کی خبر دے کر خدا کی ایک سنّت کا ذکر کرتے ہیں۔ اور جماعت کو فرماتے ہیں۔ میری موت کی خبر سے گھبراؤ نہیں۔ خدا کی یہ سنّت ہے کہ وہ دو قسم کی قدرتیں دکھاتا ہے۔ ایک قدرت نبی کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہے۔ اور دوسری قدرت اس وقت ظاہر ہوتی ہے۔ جب نبی وفات پاتا ہے۔ اور اس وقت جماعت پر ایک قسم کا زلزلہ آتا ہے۔ تب خدا تعالےٰ دوسری قدرت کا نمونہ دکھاتا ہے، اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے۔ اس قدرتِ ثانیہ کا ظہور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے ذریعہ ہوا ایسا ہی حضرت موسےٰؑ کے وقت ہوا۔ اور ایسا ہی حضرت عیسےٰؑ کے وقت ہوا۔ یعنی جس طرح ان جماعتوں کو خدا تعالےٰ نے ایک خلیفہ کے ذریعہ سنبھالا۔ ایسا ہی اب بھی ہوگا۔ اور اس قدرتِ ثانیہ

کے مظہر ایک نہیں بلکہ کئی وجود ہونگے۔ پس اس جگہ جماعت کو تسلی دی ہے، کہ خدا تعالیٰ بعض وجود کھڑے کریگا، جو جماعت کو سنبھالیں گے۔ یہاں کسی انجمن کا ذکر نہیں کیا۔ اگر آپ کا منشاء یہ تھا، کہ یہ انجمن آپ کی جانشین ہوگی، تو حضرت مسیح موعودؑ، ابو بکر صدیق اور یوشع بن نون اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے خلفاء کا ذکر نہ کرتے، اور اس سنّت کا ذکر نہ فرماتے، جو خلفاء کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہے۔ بلکہ لکھتے کہ اے عزیزو! میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی ہے غمگین مت ہو۔ اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں۔ کیونکہ میں نے تمہارے لئے ایک انجمن قائم کی ہے، جو میرے بعد میری جانشین ہوگی، وہ انجمن تمہاری امیر ہوگی۔ پس میں نے تمہارے لئے انتظام کردیا ہے تمہیں کسی فکر کی ضرورت نہیں۔ مگر آپ نے کسی انجمن کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔ اگر ذکر کیا ہے، اور جماعت کو تسلی دی ہے تو اس سنّت اللہ کا ذکر کرکے تسلی دی ہے جو حضرت ابو بکرؓ کے ذریعہ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسےٰؑ کے خلفاء کے ذریعہ ظاہر ہوئی۔ پس الوصیت کا یہ حصہ جو گویا الوصیت کی جان ہے، اور جس میں حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی جماعت کو تسلی دی ہے جس میں اس بات کی خوشخبری دیتا ہے، کہ خلافتِ راشدہ کے نمونہ پر اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ میں بھی خلافت قائم کرے گا۔ اور اس جماعت میں بھی ایسے وجود پیدا ہونگے۔ جو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مثیل ہونگے۔ یہ حصہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے، کہ جو لوگ قاعدہ نمبر ۱۳ ضمیمہ الوصیت کی بناء پر یہ کہہ رہے ہیں، کہ حضرت مسیح موعودؑ کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے نمونہ پر کوئی خلیفہ نہیں ہوگا، بلکہ حضرت مسیح موعودؑ نے ایسے خلیفوں کی نفی کردی ہے، اور انجمن کارپرداز مصالح قبرستان کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا ہے، غلطی پر ہیں۔

اس کے بعد آؤ ہم اس حصہ کو پھر دیکھیں جس میں انجمن کو ایک چارٹر (Charter) دیا گیا ہے۔ اور اس کی بنیاد قائم کی گئی ہے۔ جب ہم اس حصہ کو دیکھتے ہیں، تو وہاں ایک قبرستان کا ذکر پاتے ہیں جس کے انتظام کے لئے آپ ایک انجمن قائم فرماتے ہیں۔ جس کا نام آپ خلیفۃ المسیح نہیں رکھتے۔ بلکہ اس کا نام "انجمن کارپرداز مصالح قبرستان" رکھتے ہیں۔ اس نام سے آپ اپنی

انجمن کی حقیقت کو ظاہر کر دیتے ہیں، اور حکم دیتے ہیں کہ اسے سلسلہ احمدیہ کی ہدایت کے مطابق کام کرنا چاہیئے۔ اگر آپ اس انجمن کے قیام کی غرض وغایت ایک قبرستان کا انتظام نہ بیان فرماتے بلکہ اس کی غرض وغایت ایسی بیان کرتے، جو ایک خلیفہ کے منصب پر چسپاں ہوتی، مثلاً یہ لکھتے کہ اب ہماری وفات قریب ہے اور ہماری وفات کے بعد ضروری ہے کہ کوئی شخص اس سلسلہ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے تا جماعت تباہ ہونے سے بچ جائے۔ اور اس کے لئے پہلے تو اللہ تعالےٰ یہ انتظام کرتا تھا کہ وہ خود کسی شخص کو کھڑا کرتا تھا۔ اور جماعت کے دلوں کو اس کی طرف مائل کر دیتا تھا۔ اور سب اس کو اپنا امیر منتخب کر کے اور اس کے ہاتھ پر اطاعت کا عہد کر کے ایک سلک میں منسلک ہو جاتے تھے لیکن یہ پرانے زمانے کی باتیں ہیں۔ موجودہ حالات پر یہ طریق چسپاں نہیں ہو سکتا اور عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ کا ارشاد ہمارے لئے نہیں۔ اب پارلیمنٹوں کا زمانہ ہے۔ اب ہمیں یورپ کی تقلید کرنی چاہیئے۔ اس لئے میں ایک انجمن کی بنیاد رکھتا ہوں جو تمہاری امیر ہو گی۔ اور امامت کا منصب میں اس کو عطا کرتا ہوں۔ تب ہم کہہ سکتے تھے کہ کسی مصلحت کے ماتحت جس کو ہم سمجھ نہیں سکتے ایک نئے انتظام کی بنیاد ڈالی گئی ہے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس انجمن کی غرض صرف ایک قبرستان کا انتظام بیان فرمایا ہے اور اس کو ہدایت دی ہے کہ وصیتوں کا جو روپیہ آئے اس کو سلسلہ احمدیہ کی ہدایت کے مطابق خرچ کرو۔ ایسی انجمن کی طرف اگر ہم امامت اور خلافت کا منصب منسوب نہ کریں تو ہم حق بجانب ہیں۔ اگر آپ کی بعثت کی غرض صرف قبرستان کی نگہداشت ہوتی تب کہہ سکتے تھے، کہ حضرت اقدسؑ نے اپنا سلسلہ کام انجمن کے سپرد کر دیا ہے۔ لیکن آپ کی آمد کی غرض صرف مقبرہ کی نگہداشت نہ تھی۔ اس لئے جو انجمن مقبرہ کے انتظام کے لئے بنائی گئی وہ تمام امور میں آپ کی جانشین نہیں کہلا سکتی۔

علاوہ ازیں الوصیت اور ضمیمہ الوصیت میں ممبران کو ان کے روپیہ کے متعلق جو نصائح اور ہدایات فرمائی ہیں، ان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، کہ وہ اس انجمن کو ایک انجمن سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے تھے۔ اور اگر اس کے لئے کسی فخر کا مقام ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ایک سلسلہ کا چھوٹی

سی شاخ کا انتظام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی سلسلہ احمدیہ کی ہدایت کے ماتحت نمونہ کے طور پر۔ ان نصائح اور ہدایات میں سے بعض یہ ہیں:۔

۱۔ "مجھے اس بات کا غم نہیں کہ یہ اموال کیونکر جمع ہونگے اور ایسی جماعت کیونکر پیدا ہوگی جو ایمانداری کے جوش سے یہ مردانہ کام دکھلائے۔ بلکہ مجھے یہ فکر ہے کہ ہمارے زمانہ کے بعد وہ لوگ جن کے سپرد ایسے مال کئے جائیں، وہ کثرت مال کو دیکھکر ٹھوکر نہ کھائیں، اور دنیا سے پیار نہ کریں"

۲۔ "انجمن جس کے ہاتھ میں ایسا روپیہ ہوگا، اس کو اختیار نہیں ہوگا، کہ بجز اغراض سلسلہ احمدیہ کے کسی اور جگہ وہ روپیہ خرچ کرے"

۳۔ "انجمن کے تمام ممبر ایسے ہوں گے جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوں، اور پارسا طبع اور دیانتدار ہوں اور اگر آئندہ کسی کی نسبت یہ محسوس ہوگا، کہ وہ پارسا طبع نہیں ہے یا یہ کہ وہ دیانتدار نہیں، یا یہ کہ وہ ایک چالباز ہے اور دنیا کی ملونی اپنے اندر رکھتا ہے، تو انجمن کا فرض ہوگا، کہ بلاتوقف ایسے شخص کو اپنی انجمن سے خارج کرے اور اس کی جگہ اور مقرر کرے"

۴۔ "چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔ اس لئے اس انجمن کو دنیاداری کے رنگوں سے بکلی پاک رہنا ہوگا۔ اور اس کے تمام معاملات نہایت صاف اور انصاف پر مبنی ہونے چاہئیں"

یہاں "چونکہ انجمن خدا کی مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے" کے الفاظ انجمن کے ممبروں کو دنیاداری کے رنگوں سے بچنے اور انصاف کا طریق اختیار کرنے کی ترغیب کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ الفاظ لکھکر ان کا مفوضہ کام ان کو یاد دلایا گیا ہے، کہ سلسلہ کی ایک مستقل خدمت ان کے سپرد کی گئی ہے۔ اور یہ ان کی ایسی حیثیت ہے، کہ اس حیثیت میں وہ حضرت مسیح موعود کی نیابت کر رہے ہیں۔ اور اس دائرہ کے اندر آپ کے جانشین ہیں، پس جبکہ ایسا ذمہ داری کا کام سپرد ہے جو دینی ہے، اور جس میں وہ خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی نیابت کر رہے ہیں، اس لئے ان کا فرض ہے، کہ وہ اپنے آپ کو اس نیابت کے اہل ثابت کریں، اور

دنیا داری کا رنگ اختیار نہ کریں، اور کسی معاملہ میں بے انصافی سے کام نہ لیں۔

۵۔ انجمن میں کم سے کم ہمیشہ دو ممبر ایسے چاہئیں جو علم قرآن اور حدیث سے بخوبی واقف ہوں اور تحصیل علم عربی رکھتے ہوں، اور سلسلہ احمدیہ کی کتابوں کو یاد رکھتے ہوں۔

چونکہ ایک دینی کام اس انجمن کے سپرد تھا۔ اس لئے آپ نے یہ ہدایت دی، کہ اس انجمن کے تمام ممبر علم قرآن اور حدیث اور علم عربی اور مسیح موعودؑ کی کتب سے بالکل بےخبر نہ ہونے چاہئیں۔ بلکہ کم از کم ان میں دو ممبران علوم کے واقف ہونے چاہئیں۔ اگر یہ انجمن حقیقی معنوں میں حضرت مسیح موعودؑ کی اصلی خلیفہ ہوتی، تو کوئی فرد بھی ان علوم سے بے بہرہ نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ یہ امر کہ یہ انجمن ایک انجمن کی حیثیت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، اور اس کی غرض و غایت بھی وہی ہے جس کے لئے انجمنیں قائم کی جاتی ہیں حضرت مسیح موعودؑ کے مندرجہ ذیل الفاظ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ آپ ضمیمہ الوصیت کے آخری صفحہ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"مَیں یہ نہیں چاہتا، کہ تم سے کوئی مال لوں، اور اپنے قبضہ میں کر لوں بلکہ تم اشاعت دین کے لئے ایک انجمن کے حوالے اپنا مال کرو گے اور بہشتی زندگی پاؤ گے۔"

ایک اور شہادت جو صاف طور پر ظاہر کر رہی ہے، کہ انجمن قدرتِ ثانیہ کی مصداق نہیں ہے یہ ہے، کہ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ جب تک مَیں نہ جاؤں قدرتِ ثانیہ ظاہر نہیں ہو سکتی۔ انجمن تو حضرت اقدسؑ کی زندگی میں موجود تھی، اس لئے وہ قدرتِ ثانیہ کا مظہر نہیں ہو سکتی۔ قدرتِ ثانیہ کے مظہر وہ وجود تھے، جنہوں نے آپ کی وفات کے بعد کھڑا ہو کر جماعت کو سنبھالنا تھا۔ اگر انجمن نے جماعت کو سنبھالنا تھا تو ضروری تھا، کہ وہ قدرتِ ثانیہ کا مظہر ہوتی۔ مگر وصیت بلند آواز سے کہہ رہی ہے کہ انجمن قدرتِ ثانیہ کا مظہر نہیں ہے۔

الوصیت میں حضرت اقدسؑ نے انجمن کو حسب ہدایت سلسلہ احمدیہ کام کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ لکھا ہے:۔

"جب ایک گروہ جو متکفل اس کام کا ہے فوت ہو جائے گا تو وہ لوگ جو ان کے جانشین

ہوں گے، ان کا بھی یہی فرض ہوگا، کہ ان تمام خدمات کو حسب ہدایت سلسلہ احمدیہ بجا لاویں۔

ان الفاظ سے پایا جاتا ہے، کہ حضرت مسیح موعودؑ کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ انجمن جماعت کی افسر اور اس کی پالیسی کی نگران اور اس کو چلانے والی اور سلسلہ احمدیہ کی حاکم ہوگی۔ الوصیت کے یہ الفاظ کہ ان کا بھی یہی فرض ہوگا، کہ ان تمام خدمات کو حسب ہدایت سلسلہ احمدیہ بجا لاویں۔ ظاہر کر رہے ہیں، کہ انجمن سلسلہ احمدیہ کی نمائندہ نہیں ہے، مگر خلیفہ سلسلہ کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اور چونکہ انجمن کو حکم ہے، کہ وہ حسب ہدایت سلسلہ احمدیہ اپنے فرائض کو سرانجام دے، اس لئے وہ خلیفہ کے ماتحت ہوگی۔ الوصیت کی رُو سے اس کا فرض ہوگا، کہ وہ خلیفہء وقت کے احکام کی اطاعت کرے۔

الوصیت کے علاوہ حضرت مسیح موعودؑ کی دیگر تحریرات بھی انجمن کے خلیفہ ہونے کے خیال کو ردّ کر رہی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں، کہ جب کوئی شیخ یا رسول یا نبی وفات پاتے ہیں، تو دنیا پر ایک زلزلہ آجاتا ہے، وہ ایک بہت ہی خطرناک وقت ہوتا ہے، مگر خدا کسی خلیفہ کے ذریعہ اسے مٹاتا ہے۔ پھر گویا اس امر کا ازسرنو اس خلیفہ کے ذریعہ استحکام ہوتا ہے۔ ایک الہام میں اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام بھی شیخ رکھا ہے۔ اَنْتَ الشَّیْخُ الْمَسِیْحُ الَّذِیْ لَا یُضَاعُ وَقْتُہٗ (بحوالہ الحکم ۱۴ر اپریل ۱۹۰۸ء)

آپ کے اس فرمان سے صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ آپ کے بعد بھی اللہ تعالیٰ اسی طرح ایک خلیفہ کے ذریعہ آپ کے سلسلہ کا ازسرنو استحکام کرے گا۔ یہ تحریر انجمن کے بننے کے بعد کی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلیفہ بننے والا انجمن نہیں تھی، بلکہ کوئی اور فرد تھا۔ واقعات نے بھی بتا دیا، کہ اپنی وفات کے بعد جس خلیفہ کے بننے کی آپ نے خبر دی تھی وہ انجمن نہیں تھی، بلکہ وہ کوئی اور پاک وجود تھا۔ پس آپ کا یہ فرمان بھی انجمن کے خلیفہ ہونے کے خلاف ہے۔

پھر اسی حوالہ میں آپ نے لکھا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کیوں اپنے بعد خلیفہ مقرر نہ کیا اس میں بھی یہی بھید تھا، کہ آپ کو خوب علم تھا، کہ اللہ تعالیٰ خود ایک خلیفہ مقرر فرمائے گا کیونکہ

بھی خدا ہی کا کام ہے۔ آپ کے اس قول سے بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ آپ نے بھی اپنی زندگی میں کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں کیا، انجمن آپ کی زندگی میں بنائی گئی اس لئے انجمن یہ دعویٰ نہیں کرسکتی، کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی زندگی ہی میں ہمیں اپنا خلیفہ مقرر کردیا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو اپنی زندگی میں کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہ کریں، اور حضرت مسیح موعودؑ اس کے خلاف اپنا ایک خلیفہ مقرر کرجائیں۔ وہ بھی ایک انجمن کو یہ کس طرح ہوسکتا ہے۔ آپ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ پر چلنے والے اور آپ ہی کے بروز تھے۔ آپ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل کو پیش کرکے دوسرے لفظوں میں خود اپنا عمل پیش کیا، اور بتادیا، کہ جس طرح اس پاک رسول نے اپنی زندگی میں کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔ اسی طرح مَیں بھی کسی کو مقرر نہیں کرونگا۔ پھر انجمن آپ کے اس قول کی موجودگی میں کس طرح کہہ سکتی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی زندگی میں ہم چودہ آدمیوں کو اپنا خلیفہ مقرر کردیا۔ العیاذ باللہ۔

اس حوالہ میں آپ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے بعد خلیفہ مقرر نہ کرنا یہی بھید تھا۔ کہ آپکو خوب علم تھا کہ اللہ تعالیٰ خود ایک خلیفہ مقرر فرمائیگا۔ کیونکہ یہ خدا ہی کا کام ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بھی اپنے بعد کوئی خلیفہ خود مقرر نہیں کیا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح آپکو بھی خوب علم تھا کہ اللہ تعالیٰ خود ایک خلیفہ مقرر فرمائیگا کیونکہ یہ خدا ہی ہی کا کام ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے ایمان اور یقین کے مطابق خود ایک خلیفہ مقرر کردیا۔ اور ثابت کردیا کہ ان لوگوں کا خیال جو انجمن کو خلیفہ کہہ رہے ہیں بیہودہ اور لغو ہے۔

پھر آپ اس حوالہ میں فرماتے ہیں "جو شخص کسی شیخ یا رسول اور نبی کے بعد خلیفہ ہونیوالا ہوتا ہے تو سب سے پہلے خدا کی طرف سے اس کے دل میں حق ڈالا جاتا ہے" آپ کی اس تحریر کے مطابق آؤ ہم دیکھیں، کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے بعد خلیفہ بنایا مسئلہ زیر بحث کے متعلق اس کے دل میں کیا بات ڈالی۔ وہی حق ہونی چاہیئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح اول فرماتے ہیں:- "مَیں نے تمہیں بارہا کہا ہے۔ اور قرآن مجید سے دکھایا ہے، کہ خلیفہ بنانا انسان کا کام نہیں، بلکہ خدا کا کام ہے" (بدر ۴ جولائی ۱۹۱۲ء)

پھر آپ فرماتے ہیں:- "مَیں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے بھی خدا نے ہی خلیفہ بنایا ہے" (بدر ۴ جولائی ۱۹۱۲ء)

پھر آپ نے لاہور احمدیہ بلڈنگس میں کھڑے ہو کر انجمن کے سرکردہ ممبران کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی تقریر میں فرمایا۔

"خلافت کیسری کی دوکان کا سوڈا واٹر نہیں ہے، کہ جس کا جی چاہے پی لے۔ تم اس بکھیڑے سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ نہ تمکو کسی نے خلیفہ بنانا ہے۔ اور نہ میری زندگی میں کوئی اور بن سکتا ہے۔ میں جب مر جاؤنگا۔ تو پھر وہی کھڑا ہوگا۔ جس کو خدا چاہے گا۔ اور خدا اس کو آپ کھڑا کرے گا۔ تم نے میرے ہاتھوں پر اقرار کئے ہیں۔ تم خلافت کا نام نہ لو مجھے خدا نے خلیفہ بنا دیا ہے نہ تمہارے کہنے سے معزول ہو سکتا ہوں اور نہ کسی میں طاقت ہے کہ معزول کرے۔ اگر تم زیادہ زور دو گے تو یاد رکھو میرے پاس ایسے خالد بن ولید ہیں جو تم کو مرتدوں کی طرح سزا دینگے"

اسی تقریر میں آپ نے فرمایا:۔ "جس طرح حضرت ابوبکر اور عمر خلیفہ ہوئے۔ اسی طرح پر خدا نے مجھے مرزا صاحب کے بعد خلیفہ کیا" نیز فرمایا:۔ "تھوڑے دن صبر کرو پھر جو پیچھے آئیگا۔ اللہ تعالےٰ جیسے چاہیگا، وہ تم سے معاملہ کرے گا" (بدر ۸ر جولائی ۱۹۱۲ء)

اپنی خلافت کے بارہ میں فرماتے ہیں:۔ "تم اس حبل اللہ کو مضبوط پکڑ لو۔ یہ بھی خدا کی رسن ہے۔ جس نے تمہارے متفرق اجزاء کو اکٹھا کر دیا" (بدر یکم جولائی ۱۹۱۲ء)

نیز آپ فرماتے ہیں:۔ "یہ اعتراض کرنا کہ خلافت حقدار کو نہیں پہونچی رافضیوں کا عقیدہ ہے اللہ تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے جس کو حقدار سمجھا خلیفہ بنا دیا۔ جو اس کی مخالفت کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ اس سے توبہ کرو۔ فرشتے بنکر اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرو۔ ابلیس نہ بنو" (بدر ۴ر جولائی ۱۹۱۲ء)

پھر فرماتے ہیں:۔ "اگر کوئی کہے انجمن نے خلیفہ بنایا ہے، تو وہ جھوٹا ہے۔ اس قسم کے خیالات ہلاکت کی حد تک پہونچاتے ہیں۔ تم ان سے بچو۔ پھر سُن لو کہ مجھے نہ کسی انسان نے اور نہ کسی انجمن نے خلیفہ بنایا۔ اور نہ میں کسی انجمن کو اس قابل سمجھتا ہوں، کہ وہ خلیفہ بنائے۔ پس مجھکو نہ کسی انجمن نے بنایا اور نہ میں اس کے بنانے کی قدر کرتا اور اس کے چھوڑ دینے پر تھوکتا بھی نہیں اور نہ اب کسی میں طاقت ہے کہ وہ اس خلافت کی ردا کو مجھ سے چھین لے" (بدر ۴ر جولائی ۱۹۱۲ء)

پھر آپ نے بصراحت اور مرض الموت میں بطور وصیّت فرمایا: "خلیفہ اللہ ہی بناتا ہے۔ میرے بعد بھی اللہ ہی بنائے گا۔" اگر کسی کو حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے اس قول کے متعلق شک ہو تو وہ دفتر پیغام صلح میں جا کر ۲۴ر فروری ۱۹۱۴ء کا پرچہ ملاحظہ فرما لے۔ پھر آپ نے ایک خطبہ جمعہ میں اشارہ بھی کر دیا، کہ آپ کے بعد کس کو خلیفہ ہونا چاہیئے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"ایک نکتہ قابلِ یاد سنانے دیتا ہوں کہ جس کے اظہار سے مَیں باوجود کوشش کے رُک نہیں سکتا۔ وہ یہ کہ میں نے حضرت خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ ان کو قرآن شریف سے بڑا تعلق تھا۔ ان کے ساتھ مجھے بہت محبت ہے۔ اٹھتّر برس تک انہوں نے خلافت کی۔ ۲۲ برس کی عمر میں وہ خلیفہ ہوئے تھے۔ یہ بات یاد رکھو۔ مَیں نے کسی خاص مصلحت اور خاص بھلائی کے لئے کہی ہے۔" (خطبہ جمعہ بدر ۲۷ر جولائی ۱۹۱۲ء)

یہ اقوال اس شخص کے ہیں، جو حضرت مسیح موعودؑ کے بعد آپ کا پہلا جانشین تھا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کی شہادت کے مطابق آپ کے دل میں حق ڈالا گیا۔ آپ کے یہ اقوال خود مولوی محمد علی صاحب کی تحریر کے مطابق بھی حجت ہیں۔ مولوی صاحب موصوف اپنے ایک "ضروری اعلان" میں لکھتے ہیں:۔

"خلیفۃ المسیح کی بیعت ہم لوگوں نے جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہیں کی۔ اور اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح کے جملہ احکام کو خواہ وہ مسائل کے بارے میں ہوں یا کسی اور بارے میں ان سب لوگوں کے لئے ماننا ضروری قرار دیا گیا، جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔"

پھر اسی اعلان میں لکھتے ہیں "یہ بیعت اللہ تعالےٰ کے ساتھ روحانی تعلق بڑھانے کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح جیسے پاک وجود کی دعاؤں سے فائدہ اٹھانے کے لئے اور آپ کے علم و فضل کے آگے سر نیچا کرنے کے لئے تھی۔ اور اس لئے ضروری تھا، کہ مرید اپنے آپ کو مرشد کے سامنے ایک بے جان کی طرح ڈال دے۔ اور اپنی جملہ خواہشات کو اس کے سپرد کر دے۔ نہ یہ کہ مرشد کہتا ہے کہ فلاں بات درست ہے، تو مرید کہتا ہے، کہ مرشد نے سمجھا ہی نہیں، مَیں اس کو بہتر سمجھتا ہوں۔

بیعت کر لینے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح کی گستاخی ہے۔ اور بیعت کے مفہوم کے ساتھ ہنسی ہے۔ سب سے زیادہ اہم بات جس کے متعلق جماعت کو ضرورت تھی، کہ اس پر حق کھل جائے۔ وہ خلافت کا سوال تھا۔ کیونکہ اس پر جماعت کی آئندہ ترقی اور حضرت مسیح موعودؑ کے کام کی تکمیل اور جماعت احمدیہ کو تفرقہ سے بچانے کا انحصار تھا۔ سو خدا تعالیٰ نے حسب فرمودہ حضرت مسیح موعودؑ خلافت کے سوال کے متعلق آپ کے پہلے خلیفہ کے دل میں حق ڈال دیا۔ آپ کے اقوال سے تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں اوّل :- یہ کہ خلیفہ خدا بناتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے بعد اسی قسم کی خلافت کا سلسلہ ہوگا، جیسا کہ آنحضرتؐ کے بعد ہوا۔ آپ کے بعد سلسلہ خلافت جاری رہیگا۔ اور جو خلیفہ آپ کے بعد کھڑا ہوگا۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کھڑا کرے گا۔ اور ان خلفاء کی اطاعت انجمن پر اور باقی جماعت کے لوگوں پر ایسی ہی واجب ہوگی، جیسا کہ خلفاء راشدین کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب تھی۔ اور ان کی خلافت کا انکار ایسا ہی ہے، جیسا کہ آدمؑ کا انکار ابلیس نے کیا تھا۔ اور تیسرے یہ کہ خلیفہ کو کوئی طاقت معزول نہیں کر سکتی۔ جہاں آپ نے یہ فرمایا، کہ آپ کے بعد جو خلیفہ ہوگا، اس کو اللہ تعالیٰ ہی کھڑا کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے اشارہ بھی کر دیا، کہ آپ کے بعد کون شخص خلافت کا مستحق ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی ایک اور تحریر جو انجمن کی خلافت کو رد کر رہی ہے۔ وہ ہے جو سبز اشتہار میں درج ہے۔ اس میں آپ فرماتے ہیں۔ کہ خدا کی رحمت کے نازل ہونے کا ایک طریق مرسلین اور نبیین و ائمہ و اولیاء و خلفاء ہے۔ اور یہ کہ آپ کی اولاد کے ذریعہ یہ شق نزول رحمت کی ظاہر ہوگی اس میں آپ نے ائمہ و خلفاء کا تو ذکر کیا ہے، لیکن یہ نہیں لکھا، کہ انجمنوں کے ذریعہ بھی نزول رحمت کی یہ شق ظاہر ہوگی۔ پس انجمن کی حیثیت ایک دینی انجمن سے زیادہ نہیں۔ امامت اور خلافت کا منصب اسے نہیں مل سکتا۔ دوسرے اس میں یہ بھی بشارت دی، کہ آپ کی موجودہ اولاد میں سے بعض افراد آپ کے جانشین ہوں گے۔ یہ امر بھی اس بات کی ایک شہادت ہے کہ آپ کے بعد شخصی خلافت ہوگی، نہ کہ انجمن کے چودہ ممبروں کی۔

ایک اور تحریر جو انجمن کی خلافت کے خلاف ہے۔ آپ کی وہ عربی عبارت ہے جو حمامۃ البشریٰ صفحہ ۳۲ میں درج ہے۔ اس میں آپ ایک حدیث کی پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"یہ پیشگوئی اس طرح پوری ہوگی، کہ مسیح موعودؑ خود دمشق کی طرف سفر کرے گا، یا اس کے خلفاء میں سے کوئی خلیفہ" یعنی صاف طور پر آپ نے بتا دیا ہے، کہ آپ کے بعد بہت سے خلفاء یکے بعد دیگرے آپ کے جانشین ہوں گے۔ اور یہ پیشگوئی یا تو آپ کے سفر دمشق سے پوری ہوگی۔ یا اگر آپ اپنی زندگی میں ایسا سفر اختیار نہ کر سکیں، تو آپ کا کوئی جانشین سفر دمشق اختیار کرکے اس پیشگوئی کو پورا کرے گا۔ یہ حوالہ بھی اس خیال کو رد کر رہا ہے، کہ آپ کے بعد شخصی خلافت نہیں ہوگی، بلکہ چودہ ممبروں کا ایک مجموعہ آپ کا جانشین ہوگا۔

آپ کی ایک اور تحریر جو انجمن کی خلافت کے خلاف ہے، رسالہ پیغام صلح کی ایک تحریر ہے اس میں آپ نے ہندو قوم کو جماعت احمدیہ کے ساتھ ایک معاہدہ کرنے کی تحریک کی ہے۔ اور مطالبہ کیا ہے، کہ وہ اس بات کا عہد کریں، کہ اگر وہ شرائط صلح کی پابندی نہیں کرینگے تو ایک بڑی رقم تاوان کی جو تین لاکھ روپیہ سے کم نہیں ہوگی، احمدیہ سلسلہ کے پیشرو کی خدمت میں پیش کرینگے۔ یہ رسالہ حضورؑ نے اپنی زندگی کے آخری دن تحریر فرمایا۔ اور یہ معاہدہ صرف آپ کی زندگی کے لئے نہیں تھا، بلکہ ایک مستقل معاہدہ تھا۔ اس لئے یہاں احمدیہ سلسلہ کے پیشرو سے مراد آپکی ذات نہیں۔ بلکہ آپ کے بعد آنیوالے خلفاء ہیں۔ اور "پیشرو کی خدمت میں" کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں، کہ آپ یہ الفاظ اپنی ذات کے لئے استعمال نہیں کر رہے، بلکہ اپنے خلفاء کے لئے کر رہے ہیں۔ کیونکہ "خدمت میں" کے الفاظ کوئی شخص اپنے لئے استعمال نہیں کرتا۔ انجمن یہ دعویٰ نہیں کر سکتی، کہ یہ الفاظ حضور نے انجمن کے لئے استعمال کئے ہیں۔ کیونکہ حضور نے جماعت احمدیہ کے ساتھ ہندوؤں کے معاہدہ کرنے کی ضرورت یہ بیان فرمائی ہے کہ "جو لوگ ہماری جماعت سے باہر ہیں۔ در اصل وہ سب پراگندہ طبع اور پراگندہ خیال ہیں۔ کسی ایسے لیڈر کے ماتحت وہ نہیں ہیں جو اُن کے نزدیک واجب الاطاعت ہو" اگر انجمن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک پیشرو

تو انجمنیں تو غیر احمدیوں میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً لاہور میں انجمن حمایت اسلام ہے۔ پس انجمن کی صورت میں حضرت مسیح موعودؑ کی یہ دلیل درست نہیں ہو سکتی تھی۔ لہٰذا اس اقتباس میں واجب الاطاعت لیڈر سے مراد انجمن نہیں ہو سکتی۔ بلکہ جماعت کا ایک واجب الاطاعت امام ہی مراد ہو سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات اور اقوال سے اور بہت سی شہادتیں انجمن کے خلیفہ ہونے کے خلاف پیش ہو سکتی ہیں۔ لیکن جس قدر پیش کی گئی ہیں وہی ایک باانصاف انسان کے سمجھنے کے لئے کافی سے زیادہ ہیں۔ اس لئے انہیں پر اکتفا کرتا ہوں۔ (باقی آئندہ)

اسلامی اخلاق

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب فاضل نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پانچ سو احادیث کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ اخلاقی، علمی اور عملی اسباق کا بے نظیر مجموعہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے آپ اسلام اور بانیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کے ہر خدوخال سے واقف ہو سکیں گے۔ اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا، کہ دنیا کے اس عظیم الشان مصلح نے کس طرح اپنے پاکیزہ اقوال سے انقلاب پیدا کیا۔ قادیان کے لڑکوں اور لڑکیوں کی درسگاہوں میں یہ کتاب بطور نصاب داخل ہے۔ کیونکہ بچوں کے لئے یہ نہایت مفید ہے۔ ضخامت دو سو صفحہ۔ کاغذ، کتابت اور طباعت نہایت عمدہ۔ قیمت فی نسخہ ۸ر تین نسخوں کی قیمت ایک روپیہ

ملنے کا پتہ

مکتبہ احمدیہ قادیان

وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (آل عمران ع۴)

حضرت مسیح اور اُن کی والدہ کا مسِ شیطان سے پاک ہونا

(از مولانا ابوالعطاء الجالندھری)

مسلمانوں کے قلب و دماغ اور ان کی روح تک پہونچنے کے لئے مسیحیوں نے جو ذرائع اختیار کئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مسلمانوں ہی کے مسلمات کو بنیاد بنا کر اس سے اپنے بعض عقائد متفرع کر لیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ کو اللہ یا ابن اللہ بنانے کے لئے مسیحی لوگ اسلامی معتقدات کے مطابق جو ان کی حیثیتیں پیش کرتے ہیں ان میں سے مندرجہ ذیل پانچ حیثیتوں کو بہت اہمیت دی جاتی ہے:-

۱۔ مسیحؑ اور آپ کی والدہ کا مسِ شیطان سے پاک ہونا۔

۲۔ مسیحؑ کا مُردے زندہ کرنا۔

۳۔ مسیحؑ کا خلقِ طیر کرنا۔

۴۔ مسیحؑ کا بغیر باپ کے ہونا۔

۵۔ مسیحؑ کا روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہونا۔

مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۴۱ء کو بعد نماز مغرب مسجد اقصیٰ میں مجلس ارشاد کے زیر اہتمام اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کی زیر صدارت ایک نہایت شاندار جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں مولانا ابوالعطاء الجالندھری۔ حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب ڈی۔ ڈی، پی ایچ۔ ڈی۔ صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب مولوی فاضل بی۔ اے آکسن اور میاں عبدالمنان صاحب عمر مولوی فاضل ایم۔ اے نے علی الترتیب حضرت مسیح علیہ السلام کی ان حیثیتوں پر اپنے زبردست مقالے پڑھے۔ حضرت میر محمد

احادیث کا ذخیرہ محفوظ ترین ذخیرہ ہے تاہم اتنے لمبے زمانہ میں الفاظ کی کمی بیشی اور روایت بالمعنی ہونے کے لحاظ سے بعض جگہ مفہوم کا بدل جانا قطعاً مستبعد نہیں۔ اسی لئے محققین نے حدیث کی صحت کے پرکھنے کے لئے قرآن مجید کو معیار قرار دیا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ روایت بالمعنی میں راوی کے ذہنی خیالات اور اس کی ذاتی درائت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ جو حدیث آج کے مقالہ کا موضوع ہے۔ وہ نمایاں طور پر ان اثرات سے متاثر ہے۔ اور ان امور کو ملحوظ نہ رکھنے کے باعث عیسائی مناظرین نے بالعموم اور بعض مسلمان کہلانے والوں نے بھی اس جگہ ٹھوکر کھائی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، کہ:-

"اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ اِلَّا وَالشَّيْطَانُ يَمَسُّهُ حِيْنَ يُوْلَدُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّيْطَانِ اِيَّاهُ اِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا ثُمَّ يَقُوْلُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَاقْرَؤُا اِنْ شِئْتُمْ وَاِنِّيْ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" (بخاری کتاب التفسیر جلد ۲ ص ۶۵۳)

دوسری روایت میں ہے:-

كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ يَمَسُّهُ الشَّيْطٰنُ يَوْمَ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ اِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا (مسلم جلد ۲ ص ۲۶۷)

تیسری روایت یوں ہے:-

"كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ يَطْعَنُ الشَّيْطٰنُ فِيْ جَنْبَيْهِ بِاِصْبَعَيْهِ حِيْنَ يُوْلَدُ غَيْرَ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ ذَهَبَ يَطْعَنُ فَطَعَنَ فِي الْحِجَابِ" (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۹)

چوتھی روایت کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

"مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ اِلَّا نَخَسَهُ الشَّيْطٰنُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ نَخْسَةِ الشَّيْطٰنِ اِلَّا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهُ" (مسلم جلد ۲ ص ۲۶۷)

ان روایات پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ کے مسِ شیطان

سے محفوظ ہونے کے مفہوم کو مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کبھی اسے "نخسة الشیطٰن" کہا گیا ہے اور کہیں "طعن الشیطٰن" قرار دیا گیا ہے۔ اور پھر اکثر روایات میں تو جو سب کی سب حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں، حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ دونوں کا ذکر ہے اور ایک روایت میں جو تیسرے نمبر پر درج ہوئی ہے صرف حضرت عیسٰے علیہ السلام کا نام ہے۔ علاوہ ازیں یہ امر خاص توجہ کے قابل ہے، کہ بخاری کی روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ نے جس آیت قرآنی سے مریمؑ اور مسیحؑ کے بوقتِ ولادت مسِ شیطان سے محفوظ ہونے کا استدلال کیا ہے وہ درست قرار نہیں پاتا کیونکہ حضرت مریمؑ کی والدہ نے اِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کی دعا مریمؑ کی پیدائش اور نام رکھنے کے بعد کی ہے۔ اس دعا کی بناء پر انہیں ولادت کے وقت مسِ شیطان سے پاک بتلانا صحیح نتیجہ نہیں ہے۔

علامہ احمد الصاوی لکھتے ہیں:۔

"فالمناسب للمفسر ان لا یأتی بالحدیث تفسیرًا للاٰیۃ وقد ورد انّ الشیطان نخسھما ایضًا اِلّا انّہ صادف الغشاء" (الصاوی علی الجلالین جلد ۱ صلاا)

ایک دوسرے مفسر لکھتے ہیں:۔

"فلا یتلاقی الحدیث مع الاٰیۃ" (فتح البیان جلد ۲ ص۳۶)

غرض ان روایات پر تدبر کرنے سے واضح ہو جاتا ہے، کہ دراصل زبانِ مبارک نبوی سے قرآن مجید کے ارشاد کی روشنی میں یہ اعلان ہوا۔ کہ حضرت مریمؑ اور حضرت مسیحؑ پر مسِ شیطان سے ملوث ہونے کا جو الزام لگایا گیا ہے، وہ غلط ہے۔ وہ دونوں مسِ شیطان سے پاک تھے۔ اس بیانِ نبوی کو حضرت ابو ہریرہؓ یا بعد کے راویوں نے اپنے الفاظ میں عمومیت کا رنگ دیکر ظاہر کر دیا جس سے بظاہر یہ استدلال کیا جانے لگا، کہ سب انبیاءؑ گنہگار تھے۔ سب شیطان کے پنجہ میں گرفتار تھے۔ صرف حضرت عیسٰیؑ اور مریمؑ مسِ شیطانی سے پاک تھے۔

اس استدلال کی تغلیط پر تفصیل بحث سے پیشتر حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق جو اس روایت کے

آخری راوی ہیں کچھ بیان کرنا نامناسب نہ ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ دوسی قبیلہ میں سے تھے۔ جنگ خیبر کے ایام میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے (مرقاۃ فضائل ابی ہریرۃ نیز سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اکثر حاضر رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ قلیل عرصہ صحبت کے باوجود وہ بہت سی حدیثوں کے راوی ہیں۔ اس کثرت کو دیکھ کر بعض لوگ تعجب کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ نے ان لوگوں کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"انکم تزعمون ان ابا ھریرۃ یکثر الحدیث عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واللّٰہ الموعد" الخ (مسلم کتاب الفضائل)

حضرت ابو ہریرہؓ کو اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کی باتیں سننے کا بھی شوق تھا۔ اور وہ لوگ بھی ان سے محبت کرتے تھے خود حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:۔

ما سمع بی احد یھودی ولا نصرانی الا احبنی (الادب المفرد للامام البخاری صفحہ ۱)

بلاشبہ حضرت ابو ہریرہؓ کی دیانت و امانت مسلّم ہے لیکن محدثین نے ان کی درایت کو نہایت کمزور قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"والقسم الثانی من الرواۃ ھم المعروفون بالحفظ والعدالۃ دون الاجتہاد والفتوی کابی ھریرۃ وانس بن مالک فاذا صحت روایۃ مثلھما عندک فان وافق الخبر القیاس فلا خفاء فی لزوم العمل بہ وان خالفہ کان العمل بالقیاس اولیٰ" (اصول الشاشی صفحہ ۸۲)

کہ راویوں کی دوسری قسم وہ ہے جن کا حافظہ و عدالت مشہور و مسلّم ہے۔ اجتہاد و فتویٰ مسلّم نہیں جیسے ابو ہریرہؓ اور انسؓ بن مالک ہیں۔ جب ایسے راویوں کی روایت صحیح ہو تو اگر عقل قیاس سے موافق ہو تو اس پر عمل واجب ہے اور اگر قیاس کے مخالف ہو تو ان کی روایت کی بجائے قیاس پر عمل کرنا زیادہ موزوں ہے۔

ان دریں حالات اس حدیث کے بلحاظ اسناد صحیح ہونے کے باوجود یہ گنجائش باقی ہے کہ اس کے

الفاظ اور مفہوم پر غائر نظر ڈالی جاسکتا اور دوسرے نصوص اور قطعیات کی روشنی میں اس کا مطلب متعین کیا جائے۔

اسلام کی واضح اور کھلی تعلیم یہ ہے، کہ ہر بچہ معصوم اور فطرت صحیحہ پر پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ (الروم۔ ۳۰) کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو فطرت صحیحہ پر پیدا کیا ہے۔ پھر فرمایا۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین) کہ ہم نے انسان کو مادی اور معنوی طور پر بہترین صورت اور قویٰ کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ احادیث میں بھی اسلام کے اس زرین اصل کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ خود حضرت ابوہریرہؓ ہی روایت کرتے ہیں:۔

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ وَيُنَصِّرَانِهٖ وَيُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ" (صحیح مسلم کتاب القدر جلد ۲ ص۳۱۲ مطبوعہ مصر)

کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کہ ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو فطرت صحیحہ پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ماں باپ اسے یہودی۔ عیسائی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جس طرح ہم دیکھتے ہیں، کہ جانور سالم بچہ جنتا ہے۔ اس میں ناک کٹا نہیں ہوتا۔ پھر اس کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو کلام الٰہی فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا پڑھ لیں۔

غور فرمائیں، کہ جب اس حدیث اور آیات قرآنیہ کی روشنی میں اسلامی عقیدہ یہ قرار پایا، کہ ہر بچہ پیدائشی طور پر معصوم اور شیطانی اثرات سے محفوظ ہوتا ہے تو یہ بیان کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ کہ بجز مریم اور اس کے بیٹے کے سب لوگ گنہگار اور مس شیطان سے ملوث ہیں۔ قرآن مجید کے معارض ہونے کے باعث زیر بحث حدیث اس قابل ہے، کہ اگر اس کی تاویل نہ ہو سکے، تو اسے مردود اور وضعی قرار دیا جائے۔ یقیناً کوئی مسلمان قرآن مجید کے صریح بیان کے خلاف کسی حدیث کو

ماننے یا اس پر اپنے عقیدہ کی بنیاد رکھنے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ جب قرآن مجید اور احادیث نبویہ کے رُو سے وقتِ ولادت ہر بچہ ہی مسِ شیطان سے پاک ہوتا ہے۔ ان بعد از اں ماں باپ اسے اپنی غلط تربیت سے شیطان کی آغوش میں دینے کا موجب بن جاتے ہیں تو یہ سوال باقی رہ جائے گا، کہ پھر زیرِ نظر حدیث میں صرف مریم اور ابنِ مریم کے مسِ شیطان سے پاک ہونے کا خاص طور پر کیوں ذکر کیا گیا ہے۔ اس سوال کا جواب اس مقالہ کے آخر میں درج ہے۔

مسِ شیطان سے پاک ہونے یا نہ ہونے کی بحث میں دوسری بات قابلِ غور یہ ہے، کہ اسلام شیطانی تصرف اور اس کے مس کو کن لوگوں اور کس زمانہ سے مخصوص قرار دیتا ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (۱) إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ۔ (الحجر آیت ۴۲) کہ اے شیطان! میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہ ہوگا، ان جو خود گمراہ ہو کر تیری پیروی کریں مستثنیٰ ہیں (۲) إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا۔ (الاسراء۔ ۶۵) کہ میرے بندے شیطانی تصرف سے محفوظ ہیں کیونکہ تیرا رب اپنے بندوں کا کافی کارساز ہے (۳) إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ۔ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ (النحل ۹۹-۱۰۰) شیطان کو ایمانداروں اور اپنے رب پر توکل کرنیوالوں پر کسی قسم کا تسلط حاصل نہیں ہوتا۔ اس کا تسلط صرف ان لوگوں پر ہوتا ہے جو خود شیطان کو اپنا ولی بناتے اور اس کے باعث مشرک بن جاتے ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے تسلطِ شیطان سے محفوظ رہنے کے متعلق اپنے قانون کو بیان فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے، کہ قیامت کے دن مجرموں سے شیطان کہیگا وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ (ابراہیم ۲۲) کہ میرا تو آپ لوگوں پر ذرا بھی تسلط نہ تھا۔ ہاں بجز اس کے کہ آپ کو بدیوں کی طرف بلایا، اور آپ نے اپنی مرضی سے میری بات کو مان لیا

اس لئے اب مجھے ملامت کرنے کی بجائے اپنے آپ کو ملامت کرو۔

اس سے بھی ظاہر ہے، کہ شیطان (بہ مدد ح) اور انسانوں میں اس سے زیادہ کوئی تعلق نہیں، کہ وہ انسان کو بُری تحریک کرتا ہے، جیسے ملائکہ نیک تحریکیں کرتے ہیں۔ بُرے لوگ شیطان کی بات قبول کر لیتے ہیں۔ اور نیک لوگ ملائکہ کی تحریک پر لبیک کہتے ہیں۔ پس یہ بات سراسر غلط ہے کہ پیدائش کے وقت بچّہ کو شیطانی مس ہوتا ہے اور وہ گنہگار قرار پاتا ہے۔ یہ بات اسلامی تعلیم کے مخالف ہے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں صریح فرمایا ہے۔

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا (الکہف-۵۱)

کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے موقعہ پر میں نے شیاطین کو حاضر اور مددگار نہیں بنایا، اور نہ ہی انسانوں کی ولادت کے وقت انہیں حاضر ہونے کا موقعہ دیا ہے۔ بھلا میں گمراہ کنندوں کو اپنا معاون کیسے بنا سکتا ہوں۔ اس آیت نے واضح کر دیا، کہ پیدائش کے وقت مسِ شیطان کا نظریہ ہرگز درست نہیں۔

لُغت کے رُو سے مس کے لفظی معنے چھونے کے ہیں علاوہ ازیں لکھا ہے۔ المس: الجنون (القاموس المحیط) کہ المس دیوانگی کو کہتے ہیں۔ "وکنی یالمس عن الجنون قال ءالذي يتخبطه الشيطان من المس والمس يقال فی کل ما ینال الانسان من اذی" (مفردات راغب) کہ المس جنون کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ اور پھر المس ہر اس دکھ پر استعمال ہوتا ہے جو انسان کو پہونچتا ہے۔ مسه الشيطان بنصب او عذاب:۔ اصابه به (المنجد) شیطان کے مظاہر نے اسے دکھ یا عذاب سے مس کیا۔ یعنی دکھ دیا۔ اور عذاب پہونچایا۔

ان معانی کے لحاظ سے ولادت کے وقت مسِ شیطان سے کیا مراد ہو سکتی ہے؟ ہر بچہ دیوانہ نہیں ہوتا۔ ہر بچہ بیمار نہیں ہوتا۔ اور ہر بچہ پیدائش کے وقت کسی خاص تکلیف کا شکار نہیں

ہوتا۔ پھر خود طلب امر ہے کہ بوقت ولادت مسِ شیطان سے کیا مراد ہوگی۔ اگر کہو کہ بچہ کو رحم مادر سے دنیا میں آنے کے وقت جو تکلیف ہوتی ہے یہی مسِ شیطان ہے۔ کیونکہ بچہ انتقال مکانی اور تنگیِ مخرج کے باعث رونا بھی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ بات ایک قدرتی چیز ہے۔ بلکہ اس وقت بچہ کا رونا صحت کی علامت اور طبی طور پر مفید ہے۔ اس امر کو مسِ شیطان قرار دیکر اسے الوہیت مسیحؑ یا افضلیت مسیحؑ و مریمؑ کی دلیل گرداننا انتہائی سادگی ہے۔ اگر بالفرض مان لیا جائے کہ حضرت مسیحؑ یا حضرت مریم پیدائش کے وقت نہیں روئے تھے تو بھی اس سے صرف اتنا ثابت ہوگا، کہ ان کی صحت اس وقت کمزور تھی۔ اور ان کے جسم میں دورانِ خون کافی نہ تھا۔ کیا عیسائی اس امر پر فخر کرتے ہیں یا اسے مسیحؑ کی خدائی کا ثبوت مانتے ہیں؟ اس دلیل کی بناء پر انہیں باپ خدا۔ روح القدس خدا۔ بیٹا خدا کے ساتھ چوتھا اقنوم حضرت مریمؑ کو بھی ماننا پڑے گا۔ اور ان کی تثلیث تربیع سے بدل جائے گی۔

میں ذکر کر چکا ہوں، کہ ولادت کے وقت ہر بچہ کو مس شیطان کے ہونے کا کوئی معقول مطلب نہیں بن سکتا۔ قرآن مجید میں مس الشیطان (شیطان کا چھونا) تین معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اوّل وسوسہ اندازی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (الاعراف ۲۰۰-۲۰۱) کہ اے مومن! اگر کبھی شیطان تجھے چوک دے اور تیرے دل میں وسوسہ ڈالنے کی کوشش کرے تو تو خدا کی پناہ میں آجا۔ وہ سُننے والا اور جاننے والا ہے۔ تقوٰی شعار لوگوں کا دستور یہ ہے کہ جب کبھی چلتا پھرتا شیطانی وسوسہ انہیں چھوتا ہے وہ فوراً بیدار ہو کر نور بصیرت حاصل کر لیتے ہیں۔

دوم مخالفین کا نبی اور اس کے اتباع کو ضرر پہونچانا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے (الف) وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ (ص ۴۲) (ب) وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (الانبیاء

ہمارے بندے ایوبؑ کو یاد کرو جب اس نے ہم سے یہ دعا کی تھی کہ اسے عذاب مجھے شیطان
نے دکھ اور عذاب کے ساتھ مس کیا ہے۔ دوسری آیت میں مسِّ شیطان کو "مَسَّنِيَ الضُّرُّ" کے
لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ قرآنی اصطلاح میں مکذبین انبیاء کا برافروختہ ہوکر نبیوں کو ایذاء پہونچانا
شیطانی تحریک کا نتیجہ ہے فرمایا۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ
اَزًّا فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا (مریم ۸۳-۸۴)

سوم عقل و دانائی میں فتور پیدا ہوجانا۔ فرمایا۔ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ
اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا
اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (بقرہ ۲۷۵) اس
آیت میں بتایا کہ سود خوار میں خود غرضی انتہا کو پہونچ جاتی ہے۔ اور وہ اتنی موٹی بات کو بھی نہیں
سمجھ سکتا۔ کہ تجارت اور سود خواری میں کیا فرق ہے۔

مس الشیطان کے یہ تینوں معنے ولادت کے وقت پر چسپاں نہیں ہوسکتے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ
ولادت کے وقت مس شیطان کا کوئی معقول اور معین مطلب لغت اور استعمال قرآنی کے
رو سے زیر بحث حدیث میں مراد نہیں لیا جاسکتا۔ اور یہ امر خود حدیث کے ضعف یا کم از کم اس کے
الفاظ میں اضطراب پر ایک برہان قاطع ہے۔

عیسائی پادری اور بعض ظاہر پرست ملّا اس حدیث سے حضرت مریمؑ اور حضرت مسیح ناصری کو
وہ امتیاز دینا چاہتے ہیں جو نسل آدم میں نہ پہلے کسی کو حاصل ہوا، اور نہ آئندہ حاصل ہوسکے گا۔
حالانکہ یہ بات قرآن مجید، احادیث اور خود اناجیل کے بھی خلاف ہے۔ قرآن مجید سب انبیاء
کو معصوم قرار دیتا ہے عصمتِ انبیاء کی بحث ایک دوسرا مستقل مضمون ہے۔ اختصار کے لحاظ
سے میں منطقی قاعدہ کہ سالبہ کلیہ کا نقیض موجبہ جزئیہ ہوتا ہے کے مطابق حضرت یحییٰؑ کا ذکر کرتا ہوں
اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ
حَيًّا (مریم ۱۵) اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے انہ امان من اللہ لہ من ان ینالہ الشیطٰن

کہ اس کا مطلب یہ ہے، کہ وہ ولادت کے وقت بھی مسِ شیطان سے پاک ہے۔ اور زندگی بھر بھی۔ (مدارک التنزیل جلد ۲ ص۲۲ حاشیہ مطبوعہ مصر) یحییٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائی بھی کچھ چون و چرا نہیں کرسکتے۔ کیونکہ ان کے ان اس کے متعلق اس کی ولادت سے بھی پیشتر خدائی نوشتہ مندرجہ ذیل الفاظ میں موجود تھا، کہ:۔

"وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہرگز نہ مے نہ کوئی اور شراب پئیگا اور اپنی ماں کے پیٹ ہی سے رُوح القدس سے بھر جائیگا" (لوقا ۱/۱۵)

معلوم ہوا، کہ حضرت یحییٰؑ بہرحال مسِ شیطان سے پاک تھے۔ نہ صرف اسی قدر بلکہ شکم مادر سے ہی روح القدس سے بھرپور تھے۔

اس کے متعلق صحیح بخاری کی ایک حدیث شاہد ہے، کہ ہزاروں لاکھوں بچے مسِ شیطان سے پاک پیدا ہوئے اور پیدا ہوتے رہیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ:۔

"قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا لَوْ اَنَّ اَحَدَهُمْ يَقُوْلُ حِيْنَ يَأْتِيْ اَهْلَهٗ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنِي الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا ثُمَّ قُدِّرَ بَيْنَهُمَا فِيْ ذٰلِكَ اَوْ قُضِيَ وَلَدٌ لَمْ يَضُرَّهٗ الشَّيْطٰنُ اَبَدًا" (بخاری کتاب النکاح جلد ۳ ص۱۶۶)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اگر مومن اپنی بیوی کے پاس جاتے وقت یہ دعا پڑھ لے کہ اے خدا! شیطان کو مجھ سے دُور رکھ۔ اور اس بچے سے بھی دُور رکھ جو تو ہمیں عطا کریگا، تو اگر اس موقعہ پر بچہ کا پیدا ہونا مقدر ہو جائے تو اُسے شیطان کبھی ضرر نہیں پہونچا سکیگا"

پس جس چیز کو حضرت مسیحؑ اور مریمؑ کی خصوصیت قرار دیا جاتا ہے، اسلام نے اس کا دروازہ ہزاروں فرزندانِ اسلام کے لئے کھول دیا ہے۔ پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقعہ پر وہی دعا کی تھی، جو حضرت مریمؑ کی والدہ نے کی تھی۔ لکھا ہے:۔

"وقد صح ان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم قال لفاطمة حین زوجها علیًا اللّٰهم انی اعیذها بك وذریتها من الشیطان الرجیم وهذا قال لعلی حینئذ رواه ابن حبان من حدیث انس" (تفسیر مظہری جلد ۱ صفحہ ۳۷۶)

سو اگر امرأة عمران کی دعا کے نتیجہ میں مریم اور ابن مریم کا مس شیطان سے پاک ہونا قرار پایا، تو سید المرسلین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا کے نتیجہ میں ذریتِ فاطمہؓ کا مسِ شیطان سے پاک ہونا ظاہر و باہر ہے۔

غرض قرآن مجید، احادیث اور اناجیل کی رُو سے مسِ شیطان سے پاک ہونے میں مسیحؑ اور مریمؑ کے ساتھ ہزاروں انبیاء اور دیگر ابرار شریک ہیں۔ مسیح کی امتیازی خصوصیت نہیں اور نہ ہی ان کی الوہیت پر دلیل ہے۔

ہم اُوپر ذکر کر چکے ہیں، کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث مشتبہ ہے اور بعض ائمۂ فن نے اس میں طعن کیا ہے۔ اور ظاہری معنوں کے رُو سے یہ حدیث نصوص قرآنیہ اور دوسری قطعی احادیث کے خلاف ہے اس لئے ضروری ہے، کہ اس کی تاویل کی جائے۔ سو اس کا مطلب دو طور پر بیان کیا جا سکتا ہے۔ اوّل۔ اس حدیث میں لفظ مریم اور ابنِ مریم کو صفاتی قرار دیکر عمومیت کو تسلیم کیا جائے۔ یعنی یہ کہا جائے کہ تمام وہ لوگ جو مریمی یا عیسوی صفات اپنے اندر رکھتے ہیں شیطان کے مس سے محفوظ ہوتے ہیں۔ حضرت مریم صدیقہ تھیں۔ اور حضرت مسیح نبی تھے تمام صدیق اور جملہ انبیاء اس حدیث کے رُو سے مس شیطان سے محفوظ ثابت ہونگے۔ کلام نبوت میں یہ تمثیلی طریق معروف و مشہور ہے۔ پہلے ائمہ میں سے بعض محققین نے بھی اس توجیہ کو اختیار کیا ہے۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں:۔ "وما یروی من الحدیث ما من مولود یولد الا والشیطان یمسه حین یولد فیستهل صارخًا من مس الشیطان ایاه الا مریم وابنها فالله اعلم بصحته فان صح فمعناه ان كل مولود یطمع الشیطان فی اغوائه الا مریم وابنها فانهما كانا معصومین وكذالك كل من كان فی صفتهما

(تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۳۰۳) کہ اس حدیث کی صحت کا پتہ خدا کو ہی ہے۔ اگر یہ صحیح حدیث ہے، تو اسکے یہ معنے ہیں کہ جس طرح مریم اور ابن مریم معصوم تھے اسی طرح تمام وہ لوگ معصوم ہیں جو مریمی یا عیسوی صفات سے متصف ہیں۔

امام قاضی عیاض کے متعلق لکھا ہے :۔

"واختار القاضی عیاض ان جمیع الانبیاء یتشارکون فیھا" (شرح مسلم جلد ۲ صفحہ جلد ۲ صفحہ ۲۶۴)

کہ ان کے نزدیک مس شیطان سے پاک ہونیکی صفت میں تمام نبی حضرت مسیحؑ کے ساتھ شریک ہیں؛

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام زیر بحث حدیث کو نقل کرنیکے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

"ھذا ما زعم ابوھریرۃ ولکن الذی اغترف شیئًا من بحر کلام اللہ فیعلم بالبداھۃ ان ھذا الزعم فاسد ویعلم ان اباھریرۃ استعجل فی ھذا الرأی وما ارصد نفسہ لشھادۃ بینات القرآن الم یعلم ان اللہ تعالٰی جعل نبینا اول المعصومین وقد طعن الزمخشری فی معنی ھذا الحدیث وتوقف فی صحتہ وکیف یجوز ان تخص ابن مریم وامہ فی العصمۃ من مس الشیطان وقد قال اللہ تعالٰی ان عبادی لیس لک علیھم سلطان وقال سلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیًا وما معنی السلام الا الحفظ والعصمۃ وقال الا عبادک منھما المخلصین فلا یعم ھذا الحدیث الا ان نرید من ابن مریم وامہ معنًی عامًا ونقول ان کل تقی ونقی کان فی صفتھما فھو ابن مریم وامہ والیہ اشار الزمخشری رحمۃ اللہ ولا یستبعد ھذا التاویل فان الانبیاء قد یتکلمون فی حلل المجازات والاستعارات ومثل ذٰلک کثیر فی کلام سیدنا ومولانا خاتم النبیینؐ" (حمامۃ البشرٰی صفحہ ۵۵ طبع دوم)

ترجمہ:۔ یہ ابو ہریرہؓ کا گمان ہے لیکن جس نے کلام اللہ کے سمندر سے حاصل کیا ہے وہ صراحتًا

جانتا ہے۔ کہ یہ زعم فاسد ہے۔ اور ابو ہریرہؓ نے اس رائے کے قائم کرنے میں جلدی کی ہے اور بیّنات قرآنیہ کی شہادت پر صبر نہیں کیا۔ کیا انہیں معلوم نہ تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو معصوموں کا سردار بنایا ہے۔ علامہ زمخشری نے اس حدیث کے ظاہری معنوں پر طعن کیا ہے۔ اور اس کی صحت میں توقف کیا ہے۔ اور یوں یہ بات کس طرح جائز ہے کہ ہم مسّ شیطان سے محفوظ ہونے میں ابن مریم اور اس کی ماں کو مخصوص قرار دیدیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ان عبادی لیس لك علیھم سلطان اور سلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیًّا۔ اس جگہ سلام کے معنے بجز عصمت اور محفوظیت کے اور کیا ہیں؟ پھر فرمایا۔ اِلّا عبادك منھم المخلصین۔ پس یہ حدیث ان الفاظ میں صرف اسی صورت میں صحیح ہوسکتی ہے جبکہ ابن مریم اور مریم کے عام معنے مراد ہوں۔ اور ہم ان کے صفات والے متقی کو ابن مریم اور مریم قرار دیں۔ زمخشریؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور یہ تاویل بعید نہیں۔ کیونکہ انبیاء بعض اوقات مجاز اور استعارہ کے رنگ میں کلام کرتے ہیں۔ اور یہ طریق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام میں بکثرت موجود ہے"

یہ ایک نہایت معقول توجیہہ ہے۔ اور اس صورت میں یہ حدیث آیات اور دوسری حدیثوں سے بکلی مطابق ہوگی۔ اس جگہ معترضین کو وہ روایت بھی مدنظر رکھنی چاہیئے۔ جس میں حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں، کہ کل ابن اٰدم یلقی اللہ بذنب یعذب بہ علیہ ان شاء او یرحمہ الا یحیٰی بن زکریا (ابن کثیر) ہر انسان سوائے حضرت یحیٰیؑ کے خدا سے گنہگار (مذنب) ہونے کی صورت میں ملیگا۔ خدا چاہے گا، تو اسے عذاب دیگا اور چاہے گا تو اس پر رحم کریگا" اگر مندرجہ بالا توجیہہ کو درست نہ مانا جائے اور حضرت یحیٰی کے صفات والوں کو زمرۂ مذنبین سے باہر قرار نہ دیا جائے تو حضرت مسیح اور مریم بھی مذنب قرار پائینگے۔ دراصل یہ ایک لطیف طریق کلام ہے جو بلاغت کی پوری شان اپنے اندر رکھتا ہے۔ پس استدلال والی روایت کی پہلی توجیہہ تو یہ ہے کہ اس میں مریمی اور عیسوی صفات والوں کی معصومیت کا تذکرہ ہے۔

دوم: جس حدیث میں حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ کو مسِ شیطان سے پاک قرار دیا گیا ہے وہ خاص محل پر محمول ہے۔ یعنی اس میں یہود کے اس بہتان کا ازالہ ہے جو وہ صدیوں سے حضرت مریمؑ اور مسیحؑ پر لگاتے رہے ہیں۔ اور نصاریٰ نے بھی ایک رنگ میں ان کی تائید کی تھی۔ اس کے متعلق انجیلی حوالے حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ مسیح کے نسب نامہ میں تامار۔ راحاب اور بنت سبع اوریا کی بیوی کو شامل کیا گیا ہے (متی باب ۱) اور یہ تینوں بائیبل کی رُو سے بدکار تھیں۔ دیکھو پیدائش ۳۸: ۱۴ تا ۳۰۔ یشوع ۲: ۱۔ ۲۔سموئیل ۱۱: ۲۔

۲۔ انجیل میں لکھا ہے کہ شیطان چالیس دن تک مسیح کو آزماتا اور اِدھر اُدھر لئے پھرتا رہا (متی ۴۔ مرقس ۱: ۱۲۔ لوقا ۴) اور اس کے بعد بھی عارضی طور پر جدا ہُوا لکھا ہے۔

”جب ابلیس تمام آزمائشیں کر چکا تو کچھ عرصے کے لئے اس سے جدا ہُوا۔“ (لوقا ۴: ۱۳)

۳۔ مسیح کے رشتہ دار اسے مختل الدماغ کہتے تھے لکھا ہے۔

”جب اس کے عزیزوں نے یہ سُنا تو اسے پکڑنے کو نکلے کیونکہ کہتے تھے کہ وہ بے خود ہے۔“ (مرقس ۳: ۲۱)

۴۔ ”ایک بدچلن عورت نے سر کے بالوں سے مسیحؑ کے پاؤں کو ملا۔ اور اپنی کمائی کا عطران پر ڈالا۔“ (لوقا ۷: ۳۷-۳۸)

۵۔ یہودی کہتے تھے:۔

(الف) ”تو سامری ہے اور تجھ میں بدرُوح ہے۔“ (یوحنا ۸: ۴۸)

(ب) ”تجھ میں تو بدرُوح ہے۔“ (یوحنا ۷: ۲۰)

(ج) ”اس میں بدروح ہے۔ اور وہ دیوانہ ہے تم اس کی کیوں سُنتے ہو۔“ (یوحنا ۱۰: ۲۰)

۶۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ:۔

”مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لیکر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔ کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا۔ وہ لعنتی ہے۔“ (گلتیوں ۳: ۱۳)

ان حوالجات سے ظاہر ہے، کہ یہود مسیحؑ میں شیطانی رُوح قرار دیتے تھے۔ یہ روح کا ترجمہ عربی اناجیل میں شیطان کیا گیا ہے۔ یہود تو خیر دشمن تھے، عیسائیوں نے بھی جس عقیدہ کا اظہار کیا ہے وہ بھی مسیحؑ کو ملوث ثابت کرتا ہے۔ اس خطرناک الزام سے مسیحؑ اور مریمؑ کی بریت کے لئے اس سے زیادہ موزوں الفاظ نہ ہو سکتے تھے، کہ مسیح تو شیطان کے مس سے بھی پاک ہے چہ جائیکہ اس میں شیطانی رُوح ہو۔ یا شیطان اسے سلئے پھرتا رہا ہو یا اس کی موت لعنتی موت ہو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مس شیطان سے پاک ہونے کے الفاظ میں حضرت مریمؑ اور حضرت مسیحؑ کی بریت بہترین طریق پر فرمائی ہے۔ رواۃ کے الفاظ میں کمی بیشی علیحدہ امر ہے۔ لیکن اس حدیث کا اصل مقصد یہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

الف:۔ "ہر ایک نبی مس شیطان سے پاک ہوتا ہے۔ لیکن خدا نے جو اس جگہ اپنے رسول کے فرمودہ کے ذریعے حضرت عیسےٰ کا مع اس کی والدہ کے مس شیطان سے پاک ہونا ذکر فرمایا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ نعوذ باللہ یہود نامسعود حضرت مریم صدیقہؑ کو ایک زانیہ عورت خیال کرتے تھے۔ اور حضرت عیسےٰ کو ایک ولد الزنا سمجھتے تھے۔ اور خدا تعالےٰ کو یہ منظور تھا، کہ ان الزاموں سے ان کی بریت کرے پس اس طرح اس نے ان کی بریت کی کہ آنحضرتؐ سے فرما دیا، کہ وہ دونوں مسِ شیطان سے پاک ہیں یعنی زنا ایک شیطانی فعل ہے اور عیسےٰ اور مریم اس شیطانی فعل سے محفوظ ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ صرف وہ محفوظ ہیں اور دوسرے نبی آلودہ ہیں۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ پنجم صفحہ ۲۲۲)

ب:۔ "اسی طرح جو احادیث میں لکھا گیا ہے کہ عیسیٰؑ اور اس کی ماں مسِ شیطان سے پاک تھے۔ اس قول کے یہ معنے نہیں ہیں، کہ دوسرے نبی مسِ شیطان سے پاک نہیں تھے، بلکہ غرض یہ تھی، کہ نعوذ باللہ جو حضرت مسیحؑ پر ولادت ناجائز کا الزام لگایا گیا تھا۔ اور حضرت مریم کو ایک ناپاک عورت قرار دیا گیا تھا۔ اس کلمہ میں اس کا ردّ مقصود ہے۔" (رسالہ نسیم دعوت صفحہ ۱۶)

پس اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیحؑ اور مریمؑ کی عزت کی حفاظت کی۔ اور انہیں اس الزام سے بری قرار دیا، جو یہود و نصاریٰ ان پر لگاتے تھے۔ کیا ہی پاک وہ مذہب ہے جو سب نبیوں کی پاکبازی کا علمبردار ہے۔ اور کیا ہی مقدس اور پاک وہ نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم ہے جس نے تمام نبیوں کو بے عیب ثابت کیا۔ اور خدا کے راستبازوں کی راستبازی کا چرچا اکناف عالم میں کر دیا۔ اور آئندہ کے لئے یہ قانون بنا دیا، کہ ہر نبی کے نام کے ساتھ "علیہ السلامؑ" کہا جائے تا شیطان اس مقدس گروہ کی طرف کسی آلائش کو پھر منسوب کرنے کی جرأت نہ کرے جب مسلمان کہلانے والے اس جادۂ صواب سے منحرف ہو گئے، تو خدا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بروزِ کامل حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا، تا آپ پھر سب نبیوں کی عصمت کا اعلان کریں اور اسی دین قیّم کا چرچا ہو۔ بلاشبہ سب نبی مسِ شیطان سے پاک تھے۔ سب صدیق مسِ شیطان سے محفوظ تھے۔ اس لئے حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ بھی مسِ شیطان سے محفوظ تھے۔ اور ان پر بدکاری کا الزام لگانے والے جھوٹے اور مفتری ہیں *

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قرآن مجید کے اوامر و نواہی

یہ تین سو صفحہ کی کتاب ہے اس میں قرآن مجید کی وہ تمام آیات مع ترجمہ درج ہیں جن میں کسی چیز کے کرنے کا حکم یا اس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ گویا قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے جو احکام بصورت امر یا نہی دیئے ہیں، وہ سب آپ کو یکجا اس کتاب میں مل جائیں گے۔ قرآن مجید کی تعلیمات کو بحیثیت مجموعی نظر کے سامنے رکھنے کے لئے یہ کتاب بہت مفید ہے۔

اصل قیمت ایک روپیہ۔ رعایتی ۸؍ مجلد کی قیمت ۱۲؍ محصولڈاک ۴؍

ملنے کا پتہ:۔ مینجر رسالہ "ریویو" اردو۔ قادیان

وصیّتیں

نوٹ :- وصایا منظوری سے پہلے اس لئے شائع کی جاتی ہیں کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو دفتر کو اطلاع دے

نمبر ۶۶۲۶ :- اللہ دتا ولد پیر بخش قوم راجپوت پیشہ حجام عمر ۴۴ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۱ء ساکن موضع سنورا ڈاکخانہ سڑوعہ ضلع جالندھر بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۶ مارچ ۱۲ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اسوقت ہماری جائداد جدی (موروثی دفعہ ۵) کی زمین ۲ گھماؤں ۷ کنال ۹ مرلہ ہے۔ جس میں ہم دو بھائی شریک ہیں۔ اور اس زمین میں سے بارہ کنال نو مرلہ آٹھ سو روپے میں رہن ہے اسکے علاوہ ماہوار آمدنی جس پر میرا گذارہ ہے اندازاً پچیس روپے ماہوار ہے۔ اس ماہوار آمدنی اور مندرجہ بالا زمین کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور اگر وصیت کردہ حصہ سے کوئی رقم ادا کر دوں تو وہ اس سے منہا کر دی جائے اور مرنیکے وقت اگر اس جائیداد میں کمی و بیشی ہو تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی :- العبد :- اللہ دتا بقلم خود حال معرفت نور محمد صاحب بھینہ فروش لاہور چھاؤنی توپخانہ بازار۔ گواہ شد۔ علی محمد پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ لاہور چھاؤنی۔ گواہ شد :- عبدالرحمٰن احمدی :-

نمبر ۱۲۱۲ :- حکیم ملک احسان اللہ ولد ملک خدا بخش قوم ککے زئی پیشہ ملازمت عمر ۲۲ سال پیدائشی احمدی ساکن کوچہ ککے زئیاں لاہور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۴ مئی ۱۲ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں :- میری اس وقت منقولہ و غیر منقولہ کوئی جائداد نہیں۔ اس وقت میں اپنے والد صاحب کی دکان لکڑی و کوئلہ پر کام کرتا ہوں۔ اور اس کے عوض دس روپے ماہوار دیتے ہیں۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ جو کہ ماہ بماہ خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں ادا کرتا رہونگا۔ اگر کوئی اور جائیداد پیدا کروں تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ اگر میرے مرنے کے بعد اس سے زائد جائداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ العبد :- احسان اللہ گواہ شد :- عطاء اللہ کوچہ چابک سواراں لاہور۔ گواہ شد :- فضل دین سپرنٹنڈنٹ ہائی کورٹ لاہور :-

نمبر ۱۳۱۱۶۔ منکہ محمود احمد ولد قاضی محمد شریف صاحب قوم راجپوت جنجوعہ پیشہ ملازمت عمر ۳۸ سال پیدائشی احمدی ساکن امرتسر بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۲۲/۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ نہیں ہے۔ میرا گذارہ ماہوار آمد پر ہے جو کہ اس وقت مبلغ چار سو پچاس روپے ہے اور اس پر انکم ٹیکس واجب الادا ہے جو کہ مطابق شرح تقریباً ۴۶/- روپے ہے یہ رقم منہا کر کے میں اپنی آمد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور اقرار کرتا ہوں کہ اپنی آمد کا ۱/۱۰ حصہ تا وفات ادا کرتا رہونگا۔ اس کے علاوہ میری کوئی جائداد بوقت وفات ثابت ہو، تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ العبد: لفٹنٹ محمود احمد آئی۔ ایم۔ ایس انڈین جنرل ہسپتال کراچی۔ گواہ شد: فضل احمد پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ کراچی۔ گواہ شد: غلام احمد میجر آئی۔ ایم۔ ایس۔ کراچی۔

نمبر ۱۳۱۱۷۔ منکہ محمد عبداللہ ولد علی احمد قوم کھوکھر پیشہ ملازمت عمر ۲۸ سال تاریخ بیعت جولائی ۱۹۴۳ء ساکن راولپنڈی صوبہ پنجاب بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۲۲/۴ ۶ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری کوئی منقولہ وغیر منقولہ جائداد نہیں ہے۔ میری وفات پر اگر میری کوئی جائداد ثابت ہو تو صدر انجمن احمدیہ قادیان اس کے ۱/۱۰ حصہ کی حقدار ہے جس کی کہ میں آج وصیت کرتا ہوں میری موجودہ آمدنی کم وبیش ۴۶/- روپے ہے اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ العبد: محمد عبداللہ سپاہی نمبر ۱۸۱۶۲ بٹالین نمبر ۱۳ ایچ کمپنی بٹالین ہیڈ کوارٹر آئی اے او سی ٹریننگ سنٹر کٹنی سی۔ پی۔ گواہ شد: محمد شریف احمد انسٹرکٹر جی کمپنی آئی۔ اے۔ او۔ سی۔ کٹنی۔ گواہ شد: سید یعقوب الرحمن کشکی۔ کٹنی۔

نمبر ۱۳۱۱۸۔ منکہ ہدایت اللہ منصور بنگوی ولد مولوی رحمت اللہ صاحب باغانوالہ مرحوم قوم ارائیں پیشہ ملازمت عمر ۲۰ سال پیدائشی احمدی ساکن بنگہ حال نئی دہلی بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۲۲/۴ ۱۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری کوئی جائداد نہیں ہے۔ مجھے اس وقت مبلغ باسٹھ روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ

قادیان کرتا ہوں۔ اور اقرار کرتا ہوں۔ کہ میں انشاء اللہ اس حصہ آمد کو ماہ بماہ ادا کرتا رہونگا۔ نیز بوقت وفات میری جو جائداد بھی ثابت ہو۔ اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی اپنی آمد کی کمی و بیشی کی اطلاع دفتر بہشتی مقبرہ کو دیتا رہونگا۔ العبد۔ ہدایت اللہ منصور۔ ایل ایم ڈائریکٹوریٹ ڈی۔ جی۔ آف سپلائی نئی دہلی۔ گواہ شد۔ عطاء اللہ پلیڈر۔ گواہ شد۔ خلیل احمد ناصر۔ واقف تحریک جدید۔

نمبر ۱۴۱۶۲۔ منکہ عبدالغنی ولد عبدالعلی قوم گنائی کشمیری پیشہ ملازمت عمر ۱۸ سال پیدائشی احمدی ساکن ہشی نگر ڈاکخانہ شوپیاں ضلع اسلام آباد صوبہ کشمیر بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائداد نہیں ہے۔ مجھے اس وقت مبلغ ۳۷/۸ روپیہ ماہوار تنخواہ منڈی سے ملتی ہے میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ جو ہر ماہ ادا کرتا رہونگا۔ نیز میرے مرنے کے بعد جس قدر جائداد ثابت ہو۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرونگا تو وہ رقم منہا کی جائیگی۔ حصہ آمد وصیت کی کمی و بیشی کی اطلاع صدر انجمن احمدیہ قادیان کو کرتا رہونگا۔ العبد۔ عبدالغنی فتح جیل پور معرفت بابو غلام مصطفیٰ صاحب احمدی نیا محلہ جبل پور۔

نمبر ۱۴۱۶۳۔ منکہ سید امام شاہ ولد حسین شاہ صاحب قوم سید پیشہ زمیندارہ عمر ۵۵ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۳ء ساکن مونگ ڈاکخانہ خاص ضلع گجرات بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۶ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں میری جائداد حسب ذیل ہے۔ زمین زرعی ساتھ بیگھہ چاہی و بارانی ہے مکان پختہ و خام قیمتی دو ہزار روپیہ اور اس کے علاوہ چودہ روپے ماہوار پنشن ہے۔ میں اس جائداد کے دسویں حصہ کی وصیت صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں اور اپنی آمد کا ۱/۱۰ حصہ تازیست داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اس کے علاوہ میرے مرنے پر اگر کوئی اور جائداد ثابت ہو تو اسکے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد۔ سید امام شاہ گورنمنٹ پنشنر۔ گواہ شد۔ بشیر احمد بقلم خود محلہ دارالرحمت۔ گواہ شد۔ عبدالرحمٰن دہرسنگھ، بی۔ اے ۔

نمبر ۷۱۱۲۔ منکہ میر ضیاء اللہ ولد میر الٰہی بخش صاحب مرحوم قوم میر پیشہ ملازمت عمر ۲۲ سال پیدائشی احمدی ساکن شیخپور ضلع گجرات بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج ۵ ۳۴ ۶ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت حسب ذیل جائیداد ہے (۱) ایک مکان پختہ واقع محلہ دارالرحمت قادیان (۲) مکان واقع شیخپور تحصیل و ضلع گجرات (۳) دو بیگھے زمین زرعی واقع شیخپور ضلع گجرات جس کی کل قیمت تقریباً سولہ صد روپیہ ہے۔ اس جائیداد میں میرے تین بھائی ایک بہن اور والدہ حصہ دار ہیں۔ میں اپنے حصہ جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ لیکن میرا گذارہ صرف اس جائداد پر نہیں بلکہ آمد پر ہے جو اس وقت قریباً یکصد روپیہ ماہوار ہے میں تا زیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کراتا رہونگا۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں کہ میری وفات پر میری جو کوئی اور جائداد ثابت ہو۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر میں کوئی رقم ایسی جائداد کی قیمت کے طور پر اپنی زندگی میں داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرادوں تو اس قدر روپیہ کل رقم واجب الادا میں سے منہا کر دیا جائیگا۔ العبد:۔ میر ضیاء اللہ لیدر اگزامینر آرڈی ننس ڈپو سیوری بمبئی۔ گواہ شد:۔ نواب دین امیر جماعت احمدیہ بمبئی۔ گواہ شد:۔ ابراہیم عبداللہ کلیم بمبئی۔

نمبر ۷۱۴۱۳۔ منکہ امام دین ولد کاکا قوم ارائیں پیشہ ملازمت عمر چالیس سال تاریخ بیعت ۱۹۳۵ء ساکن قادیان بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۵ ۳۴ ۶ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں اسوقت میری کوئی جائداد نہیں میری سالانہ آمد مبلغ یکصد روپیہ ہے میں اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں اگر کوئی جائداد میں اس کے بعد پیدا کروں تو انشاء اللہ اسکے ۱/۱۰ حصہ کی بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ اور اگر کوئی حصہ میں اپنی زندگی میں صدر انجمن احمدیہ کے سپرد کر کے رسید حاصل کرلوں تو اسے منہا سمجھا جائے گا۔ اگر میری کوئی جائداد بعد وفات ثابت ہو اور اس کا حصہ میری زندگی میں ادا نہ ہو، تو صدر انجمن احمدیہ اسکے ۱/۱۰ حصہ کی بھی مالک ہوگی۔ اگر میری آمد میں کمی بیشی ہو تو اسکے مطابق چندہ میں بھی کمی بیشی ہوتی رہے گی اور میں دفتر کو اطلاع دیتا رہونگا۔ العبد:۔ نشان انگوٹھا

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز

(اردو)

قادیان

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۱ | ماہ جمادی الثانیہ ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ جولائی سنہ ۱۹۴۲ء | عدد ۷

فہرست مضامین

اداریہ:-

مولوی ثناء اللہ صاحب جواب کیوں نہیں دیتے؟

"ریویو" کے قارئین کو معلوم ہے کہ ماہ اپریل [illegible] سے ہماری اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی ایک بحث چھڑی ہوئی ہے، جس کی ابتدا مولوی صاحب کی ایک کتاب پر ہمارے تبصرے سے ہوئی ہے جو ماہِ فروری کے رسالہ میں شائع ہو چکا ہے۔ اس تبصرہ میں ہم نے مولوی صاحب کی کتاب کی بعض خامیوں کا ذکر کیا تھا جسے آپ برداشت نہ کر سکے، اور انتقامی طور پر آپ نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسبت یہ الفاظ لکھ کر اپنے غصہ کی آگ بجھانی چاہی کہ "میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں ... کہ مرزا صاحب بحیثیت فنِ تصنیف ایک قابل مصنف بھی نہ تھے" اور پھر کھلے الفاظ میں ہمیں اس موضوع پر مناظرہ کا چیلنج دیا۔

ہم نے "ریویو" کے اپریل اور مئی کے پرچوں میں مولوی صاحب کی ان تمام باتوں کا مفصل تذکرہ کیا ہے، جو اس سلسلہ میں آپ نے "اہلحدیث" میں لکھی تھیں۔ اور آپ کی پیش کردہ ہر بات کا قرار واقعی جواب دے دیا تھا۔ لیکن مولوی صاحب اوّل تو کافی عرصہ خاموش رہے۔ آخر جب ہمارے توجہ دلانے پر بولے، تو یہ بولے، کہ میں مرزا صاحب کے قابل مصنف ہونے یا نہ ہونے پر مباحثہ کرنے کو تیار رہا، اور ان تمام باتوں کے بارے میں جو ہم نے ان کے حملوں کے جواب میں پیش کی تھیں ایک لفظ بھی نہ لکھا۔ چند موٹی موٹی باتیں جو ہم نے اپنے مضامین میں لکھی تھیں، اور جن کا جواب دینا مولوی صاحب پر لازم تھا یہ ہیں:-

اوّل:- مولوی ثناء اللہ صاحب کی کتاب پر تبصرہ میں ہم نے ان کی ایک غلطی کا ذکر کیا تھا، اس کا الزامی جواب دیتے ہوئے مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ جھوٹا الزام لگایا تھا کہ حضور نے براہین احمدیہ ص[illegible] میں علماء اسلام کا ذکر سخت توہینی الفاظ میں کیا ہے۔ ہم نے اس کا یہ جواب دیا تھا، کہ یہ آپ کی صریح غلط بیانی ہے، جس سطر کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس میں سخت توہین تو الگ رہی، کوئی معمولی سا سخت لفظ بھی استعمال نہیں کیا گیا، بلکہ علماء اسلام کا ذکر بہت عزت اور احترام کے ساتھ کیا گیا ہے۔

دوم:- مولوی صاحب کے اس قول کا جواب دینے کی غرض سے کہ مرزا صاحب بحیثیت

فن تصنیف کوئی قابل مصنف نہ تھے۔ ہماری طرف سے ان کے پیشتر تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی وہ تحریر پیش کی گئی جس میں انہوں نے حضرت اقدسؑ کی کتاب براہین احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے اس کی بیحد تعریف کی ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کو اس کا اور کوئی جواب نہ سوجھا۔ فوراً ایک روایت گھڑ دی، کہ مولوی محمد حسین صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ میں نے براہین احمدیہ پر ریویو کے دوران میں جو تعریف کی تھی، وہ محض ان کے کتابی پروگرام پر اعتماد کر کے کی تھی۔

ہم نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ (الف) ہمارے نزدیک آپ کوئی ثقہ راوی نہیں۔ اس روایت کی صحت کا ثبوت پیش کریں (ب) یہ کسی طرح قرین قیاس نہیں کہ مولوی محمد حسین صاحب نے یہ بات کہی ہو، کیونکہ اس سے تو وہ خود جھوٹی تعریف کرنے والے ٹھہرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے ریویو کی اندرونی شہادت سے یہ ثابت ہو رہا ہے، کہ جو تعریف اس میں کی گئی ہے، وہ کتاب کے زیر نظر حصہ کی خوبیوں کو ملحوظ رکھکر کی گئی ہے۔ کسی آئندہ کے پروگرام پر اعتماد کا اس میں قطعاً کوئی اشارہ نہیں (ج) مولوی محمد حسین صاحب کے متعلق یہ ثابت نہیں، کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی اور سے یہ بات کہی ہو۔ اور نہ ان کی کسی تحریر سے ایسا اشارہ پایا جاتا ہے۔ حالانکہ براہین احمدیہ کی تعریف بارہا ان پر بطور اتمام حجت پیش کی جاتی رہی ہے (د) اور اگر بالفرض مولوی صاحب نے یہ بات کہی بھی ہو تب بھی اس سے ہمارے مدعا کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ کیونکہ بہرحال یہ حضرت اقدسؑ کے دعوے کے بعد کہی ہوئی۔ اس لئے یہ اس شدید مخالفت کے زیر اثر کہی جائیگی جو مولوی صاحب کو حضرت اقدس سے ہو گئی تھی۔ سو اسے پہلی تعریف کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

سوم:- ہم نے عرض کیا تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب کی شہادت کو تو آپ اس لئے قابل توجہ نہیں سمجھتے، کہ وہ دوسری دنیا میں چل بسے ہیں۔ لیکن آپ اپنی شہادت کی نسبت کیا کہیں گے کیونکہ آپ بھی تو لکھ چکے ہیں، کہ براہین احمدیہ کے زمانہ تک میں مرزا صاحب سے حسن ظن رکھتا تھا حتیٰ کہ ایک مرتبہ بشوق زیارت بٹالہ سے قادیان پاپیادہ گیا۔ یقیناً یہ حضرت اقدسؑ کی تحریر ہی کا کمال تھا، جو آپ کو حضور کی زیارت کے لئے بٹالہ سے قادیان پاپیادہ لے گیا۔ پس اب آپ کا یہ کہنا کہ مرزا صاحب کوئی قابل مصنف نہ تھے محض اس غصہ کا اظہار ہے، جو ہمارے تبصرہ کو پڑھکر آپ پر طاری ہو چکا ہے۔

چہارم:- ہم نے حضرت مسیح موعودؑ کی قوت تحریر کے ثبوت میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی

کی شہادت پیش کی، تو مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس کے مقابلہ میں سر سید احمد خانصاحب کی ایک تحریر پیش کر دی، کہ مرزا صاحب کی کتابیں کسی کو ذرہ فائدہ نہیں پہونچا سکتیں۔

اس کے جواب میں ہم نے عرض کیا، کہ (۱) سر سید احمد خانصاحب کی یہ بات واقعات کے خلاف ہے کیونکہ لاکھوں انسانوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ (ب) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بعض مسائل میں سر سید احمد خان کی مخالفت کی تھی، اور سید صاحب نے یہ رائے حضرت کی انہیں تحریرات کے بارے میں ظاہر کی تھی، جو آپ کے اور سید صاحب کے درمیان اختلافی تھے۔ لہذا ان کی یہ رائے قابلِ استناد نہیں۔

یہ وہ امور ہیں، جو مولوی صاحب کے ساتھ گفتگو میں زیر بحث آئے، اور ہم منتظر تھے، کہ یا تو مولوی صاحب ہماری باتوں کا جواب دینگے یا پھر اپنا اعتراض واپس لے لیں گے۔ لیکن مولوی صاحب کی صحافتی دیانتداری ملاحظہ ہو، کہ آپ نے اپنے اخبار میں ہماری باتوں کا کچھ ذکر ہی نہ کیا۔ دراصل آپ نہیں چاہتے، کہ اہلحدیث کے پڑھنے والوں کو یہ پتہ لگ جائے کہ ہماری طرف سے ان کی تحریرات کا کوئی جواب بھی دیا جاتا ہے۔

ہماری جوابی تحریرات کے مقابلہ میں مولوی صاحب کی خاموشی کا صرف ایک ہی مطلب ہے۔ اور وہ یہ کہ ان کے پاس ہماری باتوں کا کوئی جواب نہیں۔ جب انہوں نے خود ایک بحث اٹھائی اور ہم نے ان کے اعتراضات کے جوابات دیئے، تو اب ان کے متعلق ان کی خاموشی کا آخر اس کے سوا اور کیا سبب ہو سکتا ہے، کہ وہ لاجواب ہو گئے ہیں۔ اگر وہ لاجواب نہیں ہو گئے تو ہم ان کو چیلنج کرتے ہیں، کہ وہ ہماری باتوں کے نمبروار جواب دیں۔ اگر اب بھی وہ خاموش رہے، تو دنیا جان لے گی، کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے پاس احمدیت کے مقابلہ میں کوئی معقول چیز نہیں، جو جرح کے سامنے ٹھہر سکے۔

مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قابل مصنف ہونے پر مباحثہ کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کی ہے۔ لیکن ہم ان کے مذکورہ بالا رویّہ سے اس نتیجہ پر پہونچے ہیں، کہ ان سے تقریری مباحثہ چنداں مفید نہ ہوگا۔ کیونکہ جب تحریری باتوں کو آپ اس طرح ٹال رہے ہیں تو تقریری باتیں تو بالکل ہوائی ہوتی ہیں۔ ان میں آپ یہ طریق کیوں نہ اختیار کرینگے۔ اس لئے ہمارے نزدیک یہ مباحثہ تحریری ہونا چاہئے، تا اگر آپ مباحثہ میں بھی یہی طریق اختیار کریں، تو یہ گریز کم از کم تحریری شکل میں محفوظ رہے۔ علاوہ ازیں یہ ایک خالص علمی موضوع ہے، عوام کو اس سے کچھ زیادہ دلچسپی

نہیں ہوسکتی۔ لہذا یہ زیادہ مناسب ہے، کہ مباحثہ تحریری ہو۔ "اہلحدیث" اور "ریویو" کے ناظرین کے سامنے یہ مباحثہ کی گفتگو شروع ہوئی ہے، وہ بھی اسی صورت میں اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، کہ مباحثہ تحریری ہو۔ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب کو تحریری مناظرہ منظور ہو، تو وہ اپنے اسی دعویٰ کو ثابت کریں جو انہوں نے "اہلحدیث" مورخہ ۲۰ فروری میں کیا تھا کہ "میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں اور مجھ کو ثابت کرنے کو تیار ہوں کہ مرزا صاحب..... بحیثیت فن تصنیف ایک قابل مصنف بھی نہ تھے۔" وہ اپنا پرچہ "اہلحدیث" میں شائع کردیں ہم اس کا جواب "ریویو" میں شائع کر دیں گے۔

ایک دلآزار مضمون

گذشتہ ماہ لاہور کے آریہ اخبار "پرکاش" میں ایک دلآزار مضمون شائع ہوا تھا جس میں سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات پر گندے اعتراضات کئے گئے تھے۔ پنجاب گورنمنٹ نے اس اخبار کے خلاف فوری کارروائی کی۔ یعنی اخبار کی ڈیڑھ ہزار روپیہ کی، اور جس پریس میں یہ اخبار چھپتا تھا، اس کی اڑھائی ہزار روپیہ کی ضمانت ضبط کر لی۔ علاوہ بریں "پرکاش" کے ایڈیٹر اور پرنٹر و پبلشر پر مقدمہ بھی چلایا جا رہا ہے۔ جہاں گورنمنٹ کی یہ فرض شناسی قابلِ صد تعریف ہے، وہاں "پرکاش" کی یہ حرکت قابلِ ملامت ہے۔ افسوس ہے کہ نصف صدی سے زائد عرصہ کے تجربہ کے بعد بھی بعض آریہ سماجیوں کو یہ محسوس نہیں ہوا، کہ مسلمان ہر چیز کو برداشت کر سکتا ہے، مگر حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پر حملہ برداشت نہیں کر سکتا۔ اس گئے گذرے زمانہ میں بھی جبکہ مسلمان دین سے بہت بے بہرہ ہو چکے ہیں، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت بے مثال ہے۔ حقیقت یہ ہے، کہ دنیا کے کسی مصلح، در ریفارمر نے اپنے متبعین کے قلوب میں عقیدت اور محبت کا وہ مقام حاصل نہیں کیا، جو نبیٔ عربی صلے اللہ علیہ وسلم نے حاصل کیا ہے۔ چنانچہ اسلام کی گذشتہ تاریخ اس پر شاہد ہے۔ خود ہندوستان میں آریہ سماجیوں نے اس بات کا بارہا تجربہ کیا ہے، کہ جب کبھی ان میں سے کسی شخص نے حضور کی ذات کے خلاف کوئی ناجائز حملہ کیا، تو مسلمانوں کا پیمانۂ صبر لبریز ہو جاتا رہا۔ اور اس کے نہایت خطرناک نتائج نکلتے رہے۔ اِدھر پچھلے چند سال سے آریہ اصحاب کسی حد تک محتاط ہو گئے تھے۔ لیکن اب پھر یکایک یہ فتنہ نمودار ہوا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں، کہ یہ واقعہ محض انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ ورنہ آریہ سماج میں اب ایک بڑا طبقہ ایسے لوگوں کا پیدا ہو گیا ہے، جو دلآزاری کے طریق کو پسند نہیں کرتے۔ صوبہ کے اخبارات نے اس موقعہ پر جو روّیہ اختیار کیا، وہ بھی حوصلہ افزا ہے۔ آج سے چند سال قبل جب کوئی دریدہ دہن مصنف ایسی حرکت کرتا تھا، تو اسکی قوم کے لوگ علانیہ اسکی پیٹھ ٹھونکتے تھے۔ مگر اب کی مرتبہ یہ نہیں ہوا۔ بلکہ اخبارات نے اس فعل کی مذمت کی ہے اور تائید یا حمایت کسی ایک نے بھی نہیں کی۔ یہ خوشگوار تبدیلی بہت مبارک ہے ؞

موجودہ عالمگیر جنگ[1]

(از جناب مولینا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن)

بائیبل کی پیشگوئیاں

دو ہزار سال کا عرصہ ہوا۔ جب مسیح ناصری علیہ السلام نے بطور پیشگوئی فرمایا تھا کہ ان کی آمد ثانی کے وقت جنگیں ہوں گی، اور قومیں اور بادشاہتیں ایک دوسرے کے خلاف اٹھینگی۔ نیز آپ نے فرمایا تھا: "اور جیسا نوحؑ کے دنوں میں ہوا تھا، اسی طرح ابن آدم کے دنوں میں بھی ہوگا ۔۔۔۔ اور جیسا لوطؑ کے دنوں میں ہوا تھا ۔۔۔۔ جس دن لوطؑ سدوم سے نکلا۔ آگ اور گندھک نے آسمان سے برس کر سب کو ہلاک کر دیا۔ ابن آدم کے ظاہر ہونے کے دن بھی ایسا ہی ہوگا۔"[2] پھر لکھا ہے: "خداوند کا دن اس طرح آنے والا ہے جس طرح رات کو چور آتا ہے۔ جس وقت لوگ کہتے ہوں گے، کہ سلامتی اور امن ہے۔ اس وقت ان پر اس طرح ناگہاں ہلاکت آئیگی جس طرح حاملہ کو درد لگتے ہیں"[3] اور حزقیل نبی کے ذریعہ خدا تعالےٰ نے یہ اعلان کیا: "اور میں ماجوج پر آگ بھیجونگا۔ اور ان پر بھی جو جزائر میں غفلت کی زندگی بسر کرتے ہیں، تب انہیں معلوم ہوگا، کہ میں خدا ہوں"[4] اور احادیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یاجوج وماجوج کی جنگوں کے متعلق پیشگوئی فرمائی کہ وہ مسیح موعود کے زمانہ میں ہوں گی۔

مسیح موعودؑ کا انذار

جب خدا تعالےٰ کا موعود مسیح پیشگوئیوں کے مطابق جری اللہ فی حلل الانبیاء (یعنی خدا کا رسول تمام نبیوں کے لباس میں) کی شان سے ظاہر ہوا، تو اس نے غافل اور گناہ آلود دنیا کو ان الفاظ میں ڈرایا۔

"یہ زمانہ جامع کمالات اخیار و کمالات اشرار ہے۔ اور اگر خدا تعالےٰ رحم نہ کرے تو اس زمانہ کے شریر تمام گذشتہ عذابوں کے مستحق ہیں۔ یعنی اس زمانہ میں تمام گذشتہ عذاب جمع ہو سکتے ہیں لوگ

---

[1] اس مضمون کے نوٹ میں نے گذشتہ سال ماہ مئی میں لکھے تھے لیکن اس کے بعد کچھ ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ میں مضمون نہ لکھ سکا۔ بارہا ارادہ بھی کیا مگر کوئی نہ کوئی روک پیدا ہوتی گئی۔ اس تاخیر کا ایک فائدہ ہوا، کہ اس اثنا میں اس پیشگوئی کے بعض پہلو اور نمایاں طور پر پورے ہوگئے۔ شمس۔ [2] لوقا باب ۱۷۔ [3] تھسلنیکیوں ۵ ۔ [4] حزقیل ۳۹ ۔

جیسا کہ پہلی امتوں میں کوئی قوم طاعون سے مری کوئی قوم صاعقہ سے اور کوئی قوم زلزلہ سے اور کوئی قوم پانی کے طوفان سے اور کوئی قوم آندھی کے طوفان سے اور کوئی قوم خسف سے۔ اسی طرح اس زمانہ کے لوگوں کو ایسے عذابوں سے ڈرنا چاہیئے۔ اگر وہ اپنی اصلاح نہ کریں۔ کیونکہ اکثر لوگوں میں یہ تمام مواد موجود ہیں۔ محض علم الٰہی نے مہلت دے رکھی ہے"۔[۱]

مگر افسوس ہے کہ مادہ پرست اندھی دنیا اس کی تکذیب کے درپے ہو گئی۔ اور اس کے انذار کو ایک صدا بصحرا خیال کیا۔ اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی۔ تب خدا تعالےٰ نے جو اپنے نبیوں کے لئے خاص غیرت دکھایا کرتا ہے۔ اپنے اس وعدہ کے مطابق کہ "خدا اسے قبول کریگا۔ اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا"۔ اپنے قہری نشانات کے ذریعہ موجودہ دنیا پر، جو از سرتاپا بدیوں میں غرق تھی اور اس کی یاد سے بکلی غافل تھی، اپنے مرسل کی صداقت کو ظاہر کیا۔ چنانچہ اس کے انذار کے بعد اہل دنیا نے مختلف قسم کے عذابوں کا مشاہدہ کیا۔ کہیں خدا تعالےٰ کی صفتِ قہاریت طوفان کے رنگ میں ظاہر ہوئی۔ کہیں انفلوانزا اور طاعون کی شکل میں۔ کہیں قحط اور سیلابوں کی صورت میں۔ اور کہیں ہولناک تباہکن جنگوں کی شکل میں نمودار ہوئی۔ چونکہ یہ مسیح موعود کا زمانہ تھا۔ اس لئے اس نے خدا سے علم پا کر تمام دنیا کو ان ہولناک جنگوں سے جو پیشگوئیوں کے مطابق اس کے زمانہ میں ظہور پذیر ہونے والی تھیں۔ پہلے سے آگاہ کر دیا۔ اور پختہ دلائل سے یاجوج و ماجوج کی تعیین کر کے بتا دیا۔ کہ اب ان ہولناک جنگوں کے دن قریب ہیں۔ بلکہ فرمایا۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ دروازے پر ہیں۔ چنانچہ ۱۹۰۵ء میں آپ نے ایک خوفناک جنگ کے متعلق پیشگوئی کی۔ جو گذشتہ جنگ عالمی (۱۹۱۴-۱۸ء) کے وقوع سے پوری ہوئی۔ جس کے ایک پہلو کی تفصیل میں نے گذشتہ مضمون میں جو ریویو ماہ جولائی ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا تھا لکھی تھی۔ لیکن ۱۹۰۶ء میں آپ نے زلازل، اور انواع و اقسام کی بلاؤں کا ذکر کرتے ہوئے ایک اور مہیب جنگ کے متعلق ان الفاظ میں پیشگوئی فرمائی:۔

"اے یورپ تو بھی امن میں نہیں۔ اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں۔ اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا۔ اور اس کی آنکھوں کے

---

[۱] براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱ ۔ [۲] دیکھیں براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۲۱ ۔

سامنے مکروہ کام کئے گئے۔ اور وہ چپ رہا۔ مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائیگا۔ جس کے کان سننے کے ہوں سُنے، کہ وہ وقت دُور نہیں۔ مَیں نے کوشش کی کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں۔ پر ضرور تھا، کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوتے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں، کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔ نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائیگا۔ اور لوط کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لوگے۔ مگر خدا غضب میں دھیما ہے توبہ کرو تا تم پر رحم کیا جائے۔"[1]

یہ پیشگوئی میرے نزدیک موجودہ عالمی جنگ کے متعلق ہے اور اس کے مندرجہ ذیل وجوہ ہیں:-

۱- اس پیشگوئی میں جس تباہی کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"زمین پر اس قدر سخت تباہی آئیگی۔ کہ اس روز سے کہ انسان پیدا ہوا، ایسی تباہی کبھی نہیں آئی ہوگی۔ اور اکثر مقامات زیر و زبر ہو جائینگے گویا ان میں کبھی آبادی نہ تھی۔"

اس جنگ میں جو تباہی آئی اور جو اس وقت بھی ہو رہی ہے، وہ بے نظیر ہے۔ میدان جنگ اور شہروں پر بمباری کی تصویریں جو نیوز سینما میں دکھائی جاتی ہیں، ان میں اس مہیب اور ہولناک تباہی کے مناظر مَیں نے خود دیکھے ہیں، جو پیشگوئی کے الفاظ کی صداقت کا ایک بین ثبوت ہیں۔ روٹرڈم پر جرمن بمباروں نے اس شدت کی بمباری کی، کہ چند گھنٹوں میں شہر کا ایک بڑا حصہ کھنڈرات کا ڈھیر بنکر رہ گیا۔ "ٹائمز" لکھتا ہے:-

"ہزاروں مر گئے۔ وسط شہر میں تین میل لمبا اور نصف میل چوڑا رقبہ بالکل تباہ ہو گیا۔"[2]

لنڈن میں بھی بڑی بڑی عالیشان عمارتیں پیوند خاک ہو گئیں۔ اور اب ان کی صفائی ایسے رنگ میں کی گئی ہے، کہ گویا وہاں کبھی کوئی عمارت ہی نہ تھی۔ پھر روس کے کئی شہر دشمن کی بمباری نے اور خود روسیوں نے آگ لگا کر بالکل ویران کر دیئے۔ اس تباہی کی شدت کے متعلق مَیں صرف ایک شہادت پر اکتفا کرتا ہوں۔ پریذیڈنٹ روزویلٹ نے کانگرس کو اپنے پیغام میں لکھا:"گذشتہ دو سالوں میں جنگ کئی براعظموں میں ایک ایک براعظم کر کے پھیلتی چلی گئی۔ کئی قومیں مغلوب ہو گئیں اور غلام بنائی گئیں۔ بڑے بڑے شہر تباہ و ویران کر دیئے گئے۔ لاکھوں انسان قتل کئے گئے۔ سپاہی جہازران اور شہری یکساں طور پر تباہ ہوئے۔ "Never before has such wide-spread devastation been visited upon God's earth and God's children."[3]

---

[1] حقیقۃ الوحی ص ۲۵۶۔ [2] ٹائمز ۱۶ مئی ۱۹۴۰ء۔ [3] ٹائمز ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۲ء

یعنی عیسیٰ مسیح الاثر تباہی و ویرانی اس سے پیشتر کبھی خدا کی زمین پر اور اس کی مخلوق (انسانوں) پر نہیں آئی تھی۔

۴۔ اس تباہی کی وجہ حضرت اقدسؑ نے یہ فرمائی ہے:۔ "یہ اس لئے کہ نوع انسان نے اپنے خدا کی پرستش چھوڑ دی ہے۔ اور تمام دل اور تمام ہمت اور تمام خیالات سے دُنیا پر ہی گر گئے ہیں"۔ نیز فرمایا "یہ اس لئے ہوگا کہ خدا کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے"۔

اس جنگ کے آغاز سے ہی نہ صرف مذہبی پیشواؤں نے بلکہ پولیٹکل لیڈروں نے بھی اس جنگ کی اصل وجہ بے دینی اور لامذہبیت اور گناہوں کا آزادانہ ارتکاب اور خدا سے دُوری قرار دی ہے۔ اس کے متعلق بہت سی شہادتیں موجود ہیں۔ مَیں ان میں سے صرف دو تین کا ذکر کرتا ہوں۔

(۱) جنرل لورڈ گورٹ وی۔سی جو فرانس میں انگریزی افواج کے کمانڈر انچیف تھے۔ انہوں نے موجودہ جنگ کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہا:۔ "کہ ہم نے اپنے مذہبی فرائض کو بھولتے ہوئے اور اپنی نفسانی خواہش کے حصول کی خاطر بازاروں اور راستوں کو تو آباد کیا اور گرجوں کو خالی اور بے آباد کر دیا۔ . . . اور خدا کی تکریم و تعظیم ہماری ماڈرن زندگی میں بالکل مفقود یا کم تھی"۔ [۱]

(۲) پروفیسر ڈبلیو۔جی۔ایس آدمز دی وارڈن آف سول کالج آکسفورڈ نے اپنے ایڈریس میں جنگ کے بواعث کا ذکر کرتے ہوئے کہا:۔ "کہ جنگ کے اسباب میں سے سب سے گہرا سبب اخلاق اور رُوحانیت کی کوئی قدر و قیمت کا نہ رہنا تھا۔ نیز کہا The root cause of war is sin. یعنی جنگ کا اصل باعث گناہ ہے"۔ (ٹائمز)

(۳) چرچ ایسوسی ایشن کے آفیشل آرگن "دی واچمین" رسالہ میں یہ شائع ہوا:۔ The cause of the war is national sin. یعنی جنگ کا باعث قومی گناہ ہیں۔ پھر شراب اور فاحشہ اور زناکاری اور جوئے بازی وغیرہ کا ذکر کرکے لکھا ہے:۔ "اگر ہمارے حکمران اپنے حکم سے ان کو روک دیں، تو خدا ہمیں ہٹلر کے خلاف فتح دیدیگا۔ لیکن اگر وہ روکنے کی بجائے ان بدیوں کو اور ہوا دیں۔ تو یہ اس بات کی علامت ہوگی، کہ خدا نے ہمیں بھلا دیا ہے۔ اور گذشتہ چار سو سال میں جو خدا تعالےٰ نے ہمیں اپنی نعمتوں سے نوازا تھا۔ وہ بھی ہم سے چھین لیگا"۔ [۲]

۵۔ حضرت اقدسؑ نے اس پیشگوئی میں پہلے یورپ سے خطاب کیا ہے جو اس جنگ کا منبع ہے۔

---

[۱] ٹائمز۔ ۸ رمئی ۱۹۴۲ء۔ [۲] دی واچمین ماہ جولائی و اگست ۱۹۴۲ء

یہاں سے یہ جنگ شروع ہوئی۔ پھر ایشیاء کو خطاب کیا، چنانچہ یہ جنگ یورپ سے نکل کر ایشیاء میں پھیلی۔ پھر جزائر کے رہنے والوں کا ذکر کیا چنانچہ ایشیاء کے بعد جاپان کے حملہ سے جزائر کے رہنے والوں پر تباہی آئی۔ پھر اس کے بعد فرمایا، کہ اس ملک (یعنی ہندوستان) کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے چنانچہ جزائر میں پھیلنے کے بعد یہ جنگ ہندوستان میں پہونچی۔ پس موجودہ جنگ کا پیشگوئی والی ترتیب کے مطابق مختلف ملکوں میں پھیلنا اس امر کی یقینی علامت ہے، کہ یہ پیشگوئی موجودہ جنگ کے متعلق ہے۔

۴۔ اس پیشگوئی میں حضرت اقدس نے حضرت نوحؑ اور حضرت لوط علیہما السلام کا ذکر کرکے تباہی کی نوعیت کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے، کہ وہ اقوام جو اس جنگ کا باعث ہونگی وہ ان دونوں نبیوں کی اقوام کے نقش قدم پر چل رہی ہونگی۔ اس لئے انہی کے مشابہ عذاب میں مبتلا ہوں گی۔

نوح علیہ السلام کا انذار

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا انذار بعینہٖ نوح علیہ السلام کے انذار کی طرح ہے۔ تالمود میں حضرت نوحؑ کا انذار ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:۔ جاؤ اور تمام انسانوں سے کہو، کہ خدا فرماتا ہے، اپنی بُری خواہشات سے توبہ کرو۔ اور غیر نیکوکار طریقوں سے باز آجاؤ۔ اور بدیوں کے راستے چھوڑ دو۔ تب خدا تعالےٰ تمہیں معاف کردے گا۔ اور تمہیں ہلاکت سے بچا لیگا۔[1]

قومِ نوحؑ اور قومِ لُوط کی امتیازی خصوصیات

قرآن مجید اور بائبل اور تالمود کے پڑھنے سے ان دونوں نبیوں کی قوموں کی امتیازی خصوصیات مندرجہ ذیل معلوم ہوتی ہیں:۔

۱۔ وہ مذہب سے بہت دُور تھے۔ حضرت نوحؑ نے شب و روز تبلیغ کی مگر وہ متنفر ہو گئے ...

۲۔ وہ مومنوں کو ادنیٰ اور حقیر سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو اہل الرائے اور علم، تجارت اور تجربہ میں ہر طرح بڑا خیال کرتے تھے۔ اور اس وجہ سے کہ مومنوں کو ظاہری شان و شوکت اور رعب داب حاصل نہ تھا، انہیں فضیلت سے عاری خیال کرکے ان کے دعوےٰ میں جھوٹے سمجھتے تھے۔

۳۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ (اعراف ع ۸)[2] کہ وہ بصیرت و عرفان ...

---

[1] دی تالمود سیلیکشنز مؤلفہ ایچ پولینو صفحہ ۱۸ ۔ [2] اعراف ع ۸ ۔

معرّا اور بصارت قلبی سے محروم تھے۔ ایک دوسری آیت میں قَوْمًا فَاسِقِيْنَ فرمایا (ذاریات ع۲) کہ وہ بدکار گناہوں میں مبتلا قوم تھی۔ اور قوم لوط کے متعلق بھی یہی الفاظ استعمال فرمائے اِنَّھُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاسِقِيْنَ (انبیاء ع۵) یعنی وہ بہت ہی بدکار لوگ تھے۔ اور پیدائش باب ۶ میں قوم نوح کے متعلق لکھا ہے: طوفان نوح کے آنے سے قبل انسان نے خدا کی روح کو جو اسے محض اپنی پرستش اور عبادت کے لئے عطا کی تھی۔ شہوت رانیوں کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔

۴۔ بائیبل، قرآن مجید اور تالمود سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے، کہ قوم لوط مہمان نواز نہ تھی تالمود میں لکھا ہے۔ کہ ایک غریب مسافر کو جسے تمام شہر والوں نے کھانا دینے سے انکار کر دیا تھا حضرت لوط کی ایک بیٹی پوشیدہ طور پر اُسے کھانا بھیجتی رہی۔ پتہ لگنے پر انہوں نے اُسے جلوا دیا۔ اور ایک اور غریب مسافر کو ایک لڑکی نے کھانا کھلایا۔ تو اسے شہد میں لت پت کر کے شہد کی مکھیوں کے ڈنگوں سے مروایا۔[۱]

۵۔ قوم لوط کے متعلق فرمایا۔ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ[۲] یعنی تم بے حیائی کے ارتکاب میں تمام دنیا پر سبقت لے گئے ہو۔ اور شہوت رانی کے نئے نئے طریق ایجاد کرتے ہو۔ کہ اولاد سے بچنے کی خاطر عورتوں کے علاوہ سدومیت کے مرتکب ہوتے ہو۔ غرضیکہ شہوانی معاملات میں حد درجہ مسرف ہو۔

۶۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ان کے متعلق فرمایا۔ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ[۳] کہ سدوم وعمورہ کے لوگ ناپاک اور پلید افعال کے مرتکب ہوتے تھے۔ نیز فرمایا۔ تَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ[۴] یعنی ان کی مجالس منکرات کی آماجگاہ تھیں۔ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ[۵] یعنی وہ بُرے اعمال پر کاربند تھے۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ وہ گناہ کو گناہ ہی نہیں خیال کرتے تھے چنانچہ بطور طعن کہتے۔ اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ[۶] یعنی آل لوط کو اپنی بستی سے نکال دو۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو بڑا پاک خیال کرتے ہیں۔ اور ہمیں ناپاک سمجھتے ہیں۔

تالمود میں قوم لوط کے متعلق لکھا ہے: باشندگان سدوم شریر اور خدا کے حضور گنہگار تھے

---

[۱] دی تالمود سیلیکشنز صلہ۔ [۲] اعراف ع۱۰۔ [۳] انبیاء ع۵۔ [۴] النمل ع۳ [۵] ہود ع۷ [۶] النمل ع۴

ان ایام میں سدوم اور دوسری چار بستیاں بدکار لوگوں سے آباد تھیں۔ جنہوں نے اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے غضب الٰہی کو بھڑکایا۔ انہوں نے ایک وادی میں کئی میل لمبا چوڑا نہایت خوبصورت باغ لگایا تھا جو پھلوں اور پھولوں سے مزین تھا۔ اور خوشنما اور دلفریب آنکھوں کی ٹھنڈک اور مست کر دینے والی اشیاء اور ساز و سامانوں سے آراستہ تھا۔ سال میں چار دفعہ لوگ رقص و سرود اور تعیش کے دوسرے سامان لیکر اس باغ میں جایا کرتے تھے اور ہر قسم کی بدیوں کا ارتکاب کرتے ؎ [1]

یورپین اقوام کی حالت

۱۔ یورپین اقوام کا بھی یہی حال ہے کہ وہ مذہب سے بالکل ناآشنا اور بیگانہ محض ہیں۔ اور دین سے کلی بے پرواہ ہیں۔ تبلیغ کا ان پر کوئی نمایاں اثر نہیں ہوتا۔ وہ دنیاوی اشغال میں اس طرح مستغرق ہیں، کہ گویا یہی مادی دُنیا ان کی منتہائے مقصود زندگی ہے۔ مَیں بطور مثال ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔ ۱۹۳۵ء میں ہم نے تقریباً پانچ ہزار اشتہار تقسیم کئے تھے بازاروں میں اور گرجوں کے سامنے بھی جہانتک قانونی حد کے اندر ہو سکتا تھا۔ قصبات میں لوگوں کے گھروں میں ڈال کرآئے۔ لیکن ان میں سے ایک شخص نے بھی تحقیق نہ کی۔ یہ تو انگلستان کی حالت ہے۔ فرانس اور جرمنی وغیرہ کو مذہب سے اتنا بھی لگاؤ نہیں، جتنا انگلستان کو ہے۔ جس طرح بعض غریب لوگوں نے حضرت نوحؑ کی تعلیم کو مان لیا تھا، ویسے ہی آج یورپ میں ہو سکتا ہے۔

۲۔ یورپین اقوام کا علوم جدیدہ اور اختراعات عجیبہ اور اپنی ظاہری شان و شوکت کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسروں سے افضل خیال کرنا کوئی مخفی بات نہیں ہے۔ ہر ہٹلر کی کتاب "میری جدوجہد" کو پڑھکر دیکھ لو کہ دوسری اقوام کا کس قدر حقارت آمیز رنگ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ بات بھی ان لوگوں کے سچے مذہب کو قبول کرنے میں حائل ہے۔

۳۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ قومیں کشف میں ایک شخص کے تمثل میں دکھائی گئی تھیں، جو دائیں آنکھ سے کانا تھا۔ یعنی دینی بصیرت سے عاری اور روحانیت سے خالی تھا۔ اور قرآن کریم میں حضرت نوحؑ کی قوم کو بھی عمین فرمایا، کہ وہ اندھی یعنی بصیرتِ ایمانی اور عرفانِ الٰہی سے محروم تھی۔

مزید براں یورپین اقوام کی بداعمالی اور فسق و فجور میں آلودگی کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ مشہور روسی فلاسفر ٹالسٹائے نے پیدائش باب ۶ کی عبارت نقل کر کے جو اُوپر درج کی جا چکی ہے صاف الفاظ میں کہدیا کہ "بائیبل کے بیان کے مطابق جس چیز نے خدا کو ناراض کیا تھا۔ اور اس نے انسانی عمروں کو کم کر دیا تھا۔ آج بالکل وہی چیز ہماری مسیحی دنیا کے انسانوں میں پیدا ہو چکی ہے"

---

[1] دی تالمود سیلیکشنز صفحہ ۴

۴- اس میں شک نہیں کہ (مذہبی نقطۂ نگاہ سے) یورپین اقوام بدکاری میں ایک مثال ہیں۔ دنیا کے کسی ملک اور کسی قوم میں اس قدر بے غیرتی اور بے حیائی اور زنا کی کثرت نہیں پائی جاتی جتنی یورپ میں ہے۔ یقیناً یہ لوگ گناہوں کے ارتکاب میں اہلِ سدوم سے کم نہیں بلکہ ان پر سبقت لے گئے ہیں کیونکہ باوجود عورتوں کی فراوانی اور زنا کی آزادی اور وسائلِ برتھ کنٹرول کی ایجاد کے ہر سال سدومیت کے بہت سے واقعات ہوتے ہیں۔ چنانچہ انگلینڈ اور ویلز میں سنہ ۱۹۳۲ء میں سدومیت کے ۲۰۶۱۱ مقدمات ہوئے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ کتنے واقعات ہوں گے، جن کا پولیس کو پتہ نہ چلا ہوگا۔ کیونکہ ایسے کیس یا تو پولیس چلاتی ہے، یا وہ جس سے جبراً سدومیت کا فعل کیا گیا ہو۔ فرانس وغیرہ کے اعداد و شمار اس سے یقیناً بہت زیادہ ہوں گے۔ لیکن ان میں ایک بات آزادیٔ تبلیغ کی ایسی پائی جاتی ہے، جو قومِ لوط میں مفقود تھی۔

۵- جو شخص یورپ میں کچھ مدت رہ چکا ہو، وہ خوب جانتا ہے، کہ مہمان نوازی یہاں تقریباً مفقود ہے۔ ہوٹلوں کی کثرت کی بھی یہی وجہ ہے۔ اور تو اور قریبی رشتہ دار بھی اگر کسی دور کے شہر سے آئیں تو وہ بھی ہوٹل میں قیام کریں گے۔ اور اجنبی کو پوچھنے اور اس کی مہمان نوازی سے اہلِ یورپ کو کوئی مطلب و سروکار نہیں ہے۔

۶- اہلِ یورپ کی مجالس میں اہلِ سدوم کی مجالس سے منکرات بھی نمایاں طور پر پائی جاتی ہے۔ سنیما اور تھیٹر اور ننگے ناچ کے محلات بکثرت موجود ہیں۔ جن میں خوبصورتی میں یکتا دوشیزہ برہنہ لڑکیاں ناچتی ہیں۔ اور میخانے جن میں شب و روز شراب کا دور چلتا ہے۔ اور محلاتِ رقص میں بلا ناغہ نہایت کروفر سے لاکھوں عورتیں اور مرد اکٹھے رقص کرتے ہیں۔ اگرچہ یورپ عموماً نہایت سرسبز و شاداب باغات سے معمور ہے، لیکن فرانس خاص طور پر اپنی شادابی و لطافت اور سبزہ زاری و نضارت اور انگوری باغات کی فراوانی اور مئے رنگین کی ارزانی میں لاثانی تھا۔ چاروں طرف سے لوگ بغرض تعیش سال میں تین چار دفعہ رخصتوں کے ایام میں فرانس جاتے تھے۔ ان کی عیش پرستی کا ان بیانات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، جو دورانِ جنگ میں اخبارات میں شائع ہوئے ہیں۔

لفٹننٹ کلارک یونینسٹ ایم۔ پی نے فرانس سے واپس آکر کہا: "فرانس میں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، کہ لوگ اس وقت بھی شرابیں پی رہے تھے۔ اور رقص و سرود میں مشغول تھے، جبکہ غنیم زیادہ دور نہ تھا۔ انہیں خطرہ کا احساس تک نہ تھا۔" [1]

---

[1] ڈیلی ایکسپریس ۲۵ جون ۱۹۴۰ء

پھر جرمن طیارے فرانس پر ایک طرف بمباری کر رہے تھے اور دوسری طرف اشتہارات بھی پھینک رہے تھے، جن میں عورتوں سے ان الفاظ میں وعدہ کر رہے تھے We will dance with you on the 14th July. یعنی فکر نہ کرو، ہم چودہ جولائی کو تمہارے ساتھ ناچ کرینگے۔

اور حقیقت یہ ہے، کہ قوم لوط کی طرح یورپین اقوام ناچ وغیرہ کو تہذیب و تمدن کا ایک جزو خیال کرتی ہیں۔ اور اگر غیر شادی شدہ نوجوان بتراضی فریقین زنا کریں تو اسے قانوناً بُرا خیال نہیں کیا جاتا۔ وہ سمجھتے ہیں، کہ ایک قدرتی خواہش کو انہوں نے پورا کر لیا۔ اور اگر کوئی شادی شدہ عورت یا مرد زنا کرے، تو اس کی سزا یہ ہے، کہ اگر بیوی مجرم ہے تو خاوند زنا کا ثبوت دیکر بذریعہ عدالت طلاق حاصل کر لیگا۔ اور اگر خاوند بدی کا مرتکب ہوا ہے اور بیوی بُرا منائے تو وہ طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ الغرض قوم لوط کی طرح ان قوموں کو گناہ کا احساس نہیں رہا۔ سینٹ میتھوز مینرو اٹر گرجا کے پادری ریورنڈ N.R. Gough لکھتے ہیں "ہمارے لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو گناہ کا احساس تک نہیں ہے۔ وہ اگرچہ اپنے آپ کو بد اخلاق و بدکردار نہ سمجھیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ کوئی (Some morals) اخلاق ہی نہیں رکھتے۔ معصیت اور نافرمانی کے لگاتار ارتکاب سے ان کی ضمیر ایسی مردہ ہو چکی ہے کہ انہیں خطا و صواب کا احساس تک نہیں رہا۔ سب سے خطرناک امر یہ ہے کہ ہمیں اپنے گناہوں پر ندامت ہی نہیں ہوتی۔ اور جب کسی قوم کی یہ حالت ہو جائے تو وہی اس کی تباہی کا وقت ہوتا ہے۔"[2]

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی میں خاص طور پر حضرت نوح و لوط علیہما السلام کے ذکر کی یہی وجہ ہے، کہ ان قوموں کی حالت ان دونوں نبیوں کی قوموں کے بالکل مشابہ ہو چکی تھی اس لئے ان پر ویسا ہی عذاب بھیجا گیا۔ بائبل اور قرآن سے ثابت ہے، کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پانی کے طوفان میں غرق ہو کر تباہ ہوئی تھی۔ اور موجودہ جنگ میں اگر صدہا جہازوں کی غرقابی پر نظر کی جائے اور ہزارہا نفوس کا جو سمندر کے گہرے پانیوں کی نذر ہو چکے ہیں، تصور کیا جائے تو طوفان نوح کا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اور لوط علیہ السلام کی قوم پر جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے پتھروں کی بارش برسائی گئی تھی۔ اور بائبل کے بیان کے مطابق آگ اور گندھک کی بارش ہوئی تھی۔ اور بالکل ممکن ہے، کہ آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے سے ایسے پتھر گرے ہوں، جو اپنے

---

[1] دی لاسٹ ڈیز آف پیرس صفحہ ۱۲۱ ؛ [2] دی واچمین بابت ماہ مارچ ۱۹۴۱ء

اندر گندھک کا مادہ بھی رکھتے ہوں۔ اور موجودہ جنگ میں کئی اقسام کے بموں کی بارش جو زمین کو اُوپر نیچے کر دیتے ہیں، قوم لوط کے عذاب کی صحیح تصویر ہے۔ پھر ان پتھروں کے متعلق جو قوم لوط پر برسائے گئے تھے، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ۔[۱] یعنی وہ مسرفوں کے لئے خدا کی طرف سے نامزد یا نشاندار کئے ہوئے تھے۔ اور یہی الفاظ موجودہ بموں کے متعلق استعمال کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ڈیلی ایکسپریس کے خاص رپورٹر نے لکسمبرگ کے ہوائی حملوں کا ذکر کرتے ہوئے بموں کو *The mark of death from the air.* قرار دیا[۲]

نیز اسی اخبار میں ایک شخص کے متعلق شائع ہوا، کہ وہ ہر روز صبح کو اپنے گھر کے باغیچہ میں کام کیا کرتا تھا۔ لیکن ایسا اتفاق ہوا، کہ جس روز باغیچہ میں بم پڑا، اس دن وہ زیادہ دیر تک سویا رہا۔ اور اپنی بہو کو بھی نہ جگا سکا جو صبح کے وقت اپنے بچے کو برآمدہ میں لاکر خوراک دیا کرتی تھی بم سے برآمدہ بھی بالکل اُڑ گیا۔ لیکن سوئے رہنے کی وجہ سے وہ تینوں بچ گئے۔ نامہ نگار لکھتا ہے:

That bomb had nobody's name attached to it.

یعنی وہ بم کسی شخص کے لئے نامزد نہ تھا۔ یا اس کے ساتھ کسی کا نام لگا ہوا نہیں تھا[۳]۔ اس لحاظ سے جو بم لوگوں کی موت کا باعث بنے، وہ گویا ان مرنے والوں کے لئے نامزد تھے۔ نیز ۲۲ جولائی ۱۹۴۲ء کی رات کو مپتہ شہر پر بارش کی طرح آگ لگانے والے بم برسائے گئے۔ اور ان کے گرنے کی آواز جیسا کہ ڈیلی ٹیلیگراف لکھتا ہے۔ اولوں کے گرنے کی سی تھی[۴]۔

اب خلیج بنگال میں جہازوں کی غرقابی اور برما کے شہروں اور مدراس کی بندرگاہوں پر جاپانی ہوائی جہازوں کی بمباری سے ہندوستانی بھی حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی قوموں کی تباہی کے مناظر مشاہدہ کر چکے ہیں۔ الغرض یہ پیشگوئی موجودہ جنگ کے متعلق ہے اور بلفظہٖ پوری ہو چکی ہے۔ اور اس میں ان لوگوں کے لئے جو خدا سے ڈرتے ہیں، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک بہت بڑا نشان ہے۔ اور مسیح ناصریؑ کی پیشگوئیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کی دلیل ہے، کہ مسیح کی آمد ثانی حضور کے وجود باجود میں پوری ہو چکی ہے

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

---

[۱] ذاریات ع ۲ و ہود ع ۷۔ [۲] ڈیلی ایکسپریس مورخہ ۱۶ جون ۱۹۴۲ء۔ [۳] ڈیلی ایکسپریس ۱۷ جولائی ۱۹۴۲ء۔ [۴] ڈیلی ٹیلیگراف ۲۳ جولائی ۱۹۴۲ء

مسیح کے روحُ اللہ اور کلمۃُ اللہ ہونیکے معنے

(از حضرت میر محمد اسحٰق صاحب فاضل)

[یہ مقالہ حضرت میر صاحب موصوف نے مجلس ارشاد کے اجلاس منعقدہ ۲۳ مئی ۱۹۴۲ء میں پڑھنے کیلئے رقم فرمایا تھا، مگر وقت کی قلت کی وجہ سے اسے پڑھ نہ سکے۔ اس سلسلہ کا ایک مضمون بعنوان "حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ کا مسِ شیطان سے پاک ہونا" اس سے قبل "ریویو" بابت ماہ جون میں شائع ہوچکا ہے۔ صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب اور میاں عبدالمنان صاحب عمر کے مضامین انشاء اللہ آئندہ ماہ شائع ہونگے۔]

ہمارا الہامی مذہب اسلام تمام مذاہبِ عالم میں ایک ممتاز خصوصیت یہ رکھتا ہے کہ وہ اپنے سے پہلے تمام مذاہب کی تصدیق کرتا ہے اور اپنے متبعین کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اسلام سے پہلے تمام مذاہب کے بانیوں کی اسی طرح عزت کریں جس طرح وہ اپنے مذہب کے بزرگوں کو واجب العزت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ جس طرح آج اسلام خدا کا سچا مذہب اور اس کا نبی خدا کا سچا نبی ہے، اسی طرح تمام مذاہب اپنے اپنے وقت میں خدا کے سچے دین اور اسی کے بھیجے ہوئے ضابطے اور قانون تھے۔ چنانچہ ہماری پاک و بزرگ کتاب فرماتی ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ یعنی دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں، جس میں خدا کی طرف سے کوئی ہادی یا نذیر نہ آیا ہو۔ کیونکہ جب خدا کے جسمانی فیوض کسی خاص قوم سے مختص نہیں، تو خدا کے روحانی فیوض کیلئے کسی خاص نسل یا قوم سے مختص ہوں؟ اسلام کے اس مخصوص نظریہ میں کوئی مذہب بھی اس کا شریک نہیں۔ سامعین بانکین غور فرما دیں، کہ جس وقت کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے لئے ایک قانون اور شریعت دی جارہی تھی، اس وقت ہندوستان میں بھی ایک باقاعدہ تمدن اور قومیت تھی۔ اسی طرح ملک چین اس وقت نہایت آباد اور بہت بڑے تمدن پر مشتمل تھا، لیکن نہ تو تورات نے انہیں مخاطب کیا، کیونکہ اس کا روئے سخن "اے اسرائیل"۔ "اے اسرائیل" کہکر صرف اسرائیل کے بارہ بیٹوں کی طرف تھا۔ اور نہ تورات نے ہندوستان اور چین کے مذاہب اور ان کے بانیوں کے متعلق تصدیق یا تکذیب کا کوئی قدم

اٹھایا۔ پس کیا یہ عجیب بات نہیں، کہ توریت نہ تو ہندوستان اور چین کے لوگوں کو مخاطب کر کے اپنی شریعت کے دائرہ میں لاتی ہے، اور نہ یہ فتویٰ دیتی ہے، کہ آن اپنے اپنے مذہب سچے اور وہاں کے رہنے والوں کے لئے واجب العمل ہیں۔ اسی طرح مسیح علیہ السلام نے صاف لفظوں میں کہا، کہ "میں اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" (متی باب ۱۵ آیت ۲۴) یعنی میری بعثت کی مخاطب صرف بنی اسرائیل کی قوم ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ انجیل اس امر سے بالکل ساکت ہے، کہ اس وقت چین اور ہند۔ مصر اور یونان وغیرہ دوسرے ممالک کے مذاہب اور ان کی کتابیں خدا کی طرف سے تھیں یا نہیں۔ اسی طرح ویدوں کو پڑھو۔ منوسمرتیوں کا مطالعہ کرو۔ وہ صرف برہمنوں اور چھتریوں اور ویشوں تک اپنے وعظوں کو محدود کرتی ہیں۔ اور ان کا ہندوستان سے باہر رہنے والی قوموں سے نہ خطاب ہے اور نہ کوئی سروکار۔ پس اسلام کو یہ خصوصیت حاصل ہے، کہ وہ جس طرح خود سچا ہے، اسی طرح تمام مذاہب کو اصلیت کے لحاظ سے سچا سمجھتا ہے اور جس طرح وہ اپنے نبی کو حبیب اللہ اور سراج منیر وغیرہ القاب عطا کرتا ہے، اسی طرح وہ آدم کو صفی اللہ۔ نوح کو نجی اللہ۔ ابراہیم کو خلیل اللہ۔ موسیٰ کو کلیم اللہ اور مسیح کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ قرار دیتا ہے۔ مگر نہایت افسوس ہے، کہ اسلام نے دوسرے مذاہب کی طرف باعزت صلح کا ہاتھ بڑھایا تھا، لیکن دوسرے مذاہب کے لوگوں نے اس باعزت اقدام سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا۔

مثلاً قرآن مجید نے حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق کی، انہیں خدا کا سچا رسول اور نبی قرار دیا۔ اور انہیں یہود کے اتہام سے بچانے کے لئے خدا کی مقدس روح اور اس کا پاک کلمہ قرار دیا۔ مگر افسوس کہ عیسائیوں نے اس تعریف سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اور مسلمانوں کو عیسائی بنانے اور حضرت مسیحؑ کی الوہیت منوانے کے لئے قرآن مجید کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا شروع کیا۔ اور وہ کلمات جو یہود کی تردید میں مسیحؑ کو ایک نیک اور شریف انسان ثابت کرنے کی غرض سے کہے گئے تھے، انہیں کو مسیحؑ کی غلط الوہیت اور بے بنیاد ابنیت کے ثبوت کے لئے پیش کرنے لگے۔

اس وقت میں صرف مسیحؑ کے روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہونے کے مضمون کو لیتا ہوں۔ قرآن مجید میں لکھا ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ (آل عمران ع ۵) یعنی فرشتوں نے حضرت مریمؑ سے کہا، کہ اللہ تعالیٰ تجھے بشارت دیتا ہے اپنے ایک کلمہ یعنی مسیح کی۔ اسی طرح فرمایا

اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران ع) یعنی حضرت زکریا کو فرشتہ نے کہا کہ اللہ تعالےٰ تجھے ایک بیٹے کی بشارت دیتا ہے۔ جس کا نام یحیٰی ہوگا۔ وہ خدا کے ایک کلمہ یعنی مسیح کی تصدیق کریگا۔ ان دونوں آیتوں میں مسیح کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے۔ اسی طرح مسیح کے حق میں فرمایا۔ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (نساء ع۲۳) یعنی مسیح خدا کی روح ہے۔

عیسائی ان ہردو الفاظ (کلمۃ اللہ اور روح اللہ) سے یہ استدلال کرتے ہیں، کہ جو شخص خدا کی روح اور اس کا کلمہ ہو، وہ سوائے خدا کے اور کون ہوسکتا ہے؟ اس لئے مسیح از روئے قرآن محض انسان نہیں، بلکہ خدا بھی ہے۔ انسان وہ جسم کے لحاظ سے ہے، اور خدا روح کے اعتبار سے۔ لیکن عیسائیوں کا یہ استدلال نہایت غلط ہے۔ کیونکہ عیسائی تو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کو اس لئے پیش کرتے ہیں، کہ ان الفاظ سے مسیح کی الوہیت ثابت ہو۔ مگر قرآن مجید نے یہ الفاظ صرف اس غرض سے استعمال کئے ہیں، کہ مسیح انسان ثابت ہو، اور اس کی الوہیت کی تردید ہو۔ عیسائیوں کی یہ عجیب جسارت ہے کہ جن الفاظ کا قرآن مجید صرف اس لئے ذکر کرتا ہے، کہ کسی طرح مسیح انسان قرار پائے، اور اس کی خدائی کی تردید ہو، انہی الفاظ سے عیسائی یہ استدلال کرتے ہیں، کہ قرآن مجید مسیح کو انسانیت سے اوپر لیجا کر الوہیت کا جامہ پہناتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لئے میں قرآن مجید کی وہ آیات پیش کرتا ہوں جہاں قرآن مجید نے ان دونوں لفظوں کو مسیح کی الوہیت کی تردید کے لئے پیش کیا ہے۔ اور جہاں یہ فرمایا ہے کہ مسیح کا روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہونا مسیح کی انسانیت ہے نہ کہ الوہیت۔ اللہ تعالےٰ سورۂ نساء کے رکوع ۲۳ میں فرماتا ہے۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۚ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڗ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۚ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝

ان آیات کا ترجمہ یہ ہے، کہ اے عیسائیو! اپنے دین میں غلو مت کرو۔ اور اللہ تعالےٰ کی طرف سوائے سچ کے کچھ منسوب نہ کرو۔ یاد رکھو مسیحؑ میں کوئی خصوصیت نہیں، وہ تو صرف خدا کا

بھیجا ہوا ہے۔ اور اس کا وہ کلمہ ہے، جو اس نے مریم کی طرف ڈالا۔ اور اس کی طرف سے ایک روح ہے۔ اے عیسائیو! ہمارے اس بیان کا یہ نتیجہ ہے، کہ تم خدا پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور خدا کے تین اقنوم نہ بناؤ۔ اس سے باز آجاؤ۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ کیونکہ خدا میں کوئی اقنوم نہیں وہ تو محض یگانہ ہے۔ اگر کہو کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے، تو یاد رکھو، کہ خدا کے لئے بیٹا ہونا نقص ہے۔ اور خدا تمام نقائص سے پاک ہے۔ کیونکہ بیٹا تو تب ہو، جبکہ وہ خود فانی ہو۔ فانی وجود ہی کو قائم مقام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور خدا فانی نہیں۔ بلکہ وہ تو ایسا غیر فانی ہے، کہ دوسرے تمام فانی اسی کے سہارے قائم ہیں۔ پس مسیح خدا نہیں، بلکہ خدا کا عاجز بندہ ہے۔ اور بندہ بھی ایسا کہ اسے ہر وقت بندگی اور بیچارگی کا اقرار ہے۔ کیونکہ خدا کا بندہ کہلانا ایسا شرف ہے کہ مسیح اور روح القدس یعنی خدا کا مقرب فرشتہ جبریل بڑی خوشی سے اس کے بندے کہلاتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں، کہ جو بندہ ہو کر بندگی سے باہر قدم نکالے، وہ ایک دن جواب طلبی کے لئے اس مالک الملک کے حضور مجرموں کی طرح پیش ہونے والا ہے۔

یہ ہے ترجمہ اوپر کی آیات کا۔ اے سامعین با تمکین! آپ نے آیات بھی سُنیں اور ان کا ترجمہ بھی سُنا ہے۔ اب انصاف سے فرمائیے کہ کیا خدا کا منشاء ان آیات سے مسیح کو خدا ثابت کرنا ہے یا اس کا مقصد ان آیات سے اس کی الوہیت کی تردید کرنا ہے۔ اس کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ متکلم کا منشاء صرف یہ ہے، کہ مسیحؑ خدا نہ تھا، بلکہ محض انسان تھا۔ اب یہ کیسی ہٹ دھرمی ہے، کہ جو الفاظ الوہیت کی تردید کے لئے لائے گئے ہیں، انہیں کو مسیحؑ کی الوہیت کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔

اب میں قدرے تفصیل سے ان آیات کی تشریح کرتا ہوں۔ ان آیات میں پہلا جملہ یَآ اَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ ہے۔ یعنی اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو اختیار نہ کرو۔ اس جملہ سے ایک اور ایک دو کی طرح ثابت ہوتا ہے، کہ یہاں خدا تعالے مسیح کی الوہیت کی تردید کرنے لگا ہے۔ کیونکہ اگر قرآن مجید کا منشاء مسیح کو کلمۃ اللہ اور روح منہٗ کہنے سے بشریت کی صف سے اٹھا کر تخت الوہیت پر بٹھانا تھا، تو پھر یہ کہنے کے کیا معنے، کہ اے عیسائیو! تم غلو مت کرو۔ کیونکہ عیسائیوں کا غلو تو یہی ہے، کہ وہ مسیحؑ کو بشریت سے نکال کر الوہیت کے دائرہ میں داخل کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ کے ایسے معنے قرآن مجید کے نزدیک ہرگز درست نہ ہوں گے، جو مسیحؑ کو الوہیت کی طرف لے جانے والے ہوں

اگر قرآن مجید کے نزدیک مسیح کا کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونا مسیح کی الوہیت کو مستلزم ہے، تو پھر وہ کونسا غلو ہے جس کی قرآن مجید مخالفت کرنا چاہتا ہے۔ صاف معلوم ہوا، کہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ کے وہی معنے درست ہونگے، جو الوہیت کے غلو کے خلاف ہوں۔ پھر فرمایا (۲) وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ۔ اس سے بھی معلوم ہوا، کہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ کا جو مفہوم عیسائی پیش کرتے ہیں، وہ خلافِ حق ہے۔ اس کے بعد فرمایا (۳) إِنَّمَا الْمَسِيحُ یعنی مسیح میں کوئی مافوق البشر چیز نہ تھی۔ اگر کلمۃ اللہ اور روح اللہ کا مفہوم انسانیت سے زیادہ ہوتا، تو اِنَّمَا کے معنے لغو ٹھہرتے ہیں، کیونکہ اِنَّمَا کا مفہوم صرف یہ ہے، کہ اے عیسائیو! مسیح کو کیوں حد سے بڑھاتے ہو۔ وہ تو صرف یہ ہے۔ پھر فرمایا (۴) رَسُولُ اللّٰهِ۔ یعنی مسیح خدا نہیں، بلکہ اور ہزاروں انسانوں کی طرح خدا کا بھیجا ہوا ہے۔ پھر فرمایا (۵) وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ اس فقرہ کے معنے چونکہ متنازع فیہ ہیں۔ اس لئے انہیں میں بعد میں بیان کرونگا۔ پھر فرمایا (۶) فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ۔ اس جملہ میں فَآمِنُوا کی فَ پر عربی گرامر کی رُو سے غور کرنا چاہئے۔ یہاں پر فَ کے معنے صرف یہ ہیں، کہ اے عیسائیو! مسیح کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہنے کا نتیجہ نہیں ہونا چاہیئے، کہ تم اللہ تعالےٰ اور مسیح کی الوہیت پر ایمان لاؤ۔ بلکہ مسیح کے کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونے کے ذکر سے صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ تم خدا اور اس کے رسولوں کو مانو پس ان الفاظ سے قرآن کا منشاء اگر مسیح کی کوئی خصوصیت بیان کرنے کا ہوتا، تو یہ نتیجہ کیوں نکالا جاتا کہ خدا اور اس کے تمام رسولوں کو مانو۔ بلکہ یہ کہا جاتا کہ خدا اور اس کے بیٹے پر ایمان لاؤ۔ پھر فرمایا۔ (۷) وَلَا تَقُولُوا ثَلٰثَةٌ ۚ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ یعنی دیکھو عیسائیو! خدا کی ذات میں تین اقنوم یعنی تین شخصیتیں باپ۔ بیٹا اور روح القدس نہ مانو۔ اور اس عقیدہ سے باز آجاؤ کیونکہ اسی میں تمہاری خیر ہے۔ اس جملہ سے بھی معلوم ہوا، کہ مسیح کا کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونا تثلیث کا ممد و معاون نہیں۔ ورنہ اگر مسیح کے کلمۃ اللہ ہونے کے یہ معنے ہیں، کہ وہ خدا کا کلام ہوکر خود خدا ہے، اور روح اللہ کے یہ معنے ہیں کہ خدا کی روح ہوکر وہ خود خدا کا عین ہے، تو پھر تو عیسائیوں کی تثلیث درست ہے، جس میں ایک اقنوم مسیح بھی ہے۔ مگر یہ جملہ اس کی نفی کرتا ہے۔ اور صاف حکم دیتا ہے، کہ عیسائیو! تثلیث کو چھوڑ دو۔ اور توحید کو اختیار کرو۔ معلوم ہوا کہ مسیح کے کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونے کے ایسے معنے کرنے چاہئیں، جو توحید کے موافق اور تثلیث کے مخالف ہوں۔ پھر فرمایا (۸) إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ یعنی خدا صرف ایک ہے، اور مسیح خدا نہیں ہے

اس جملے سے بھی معلوم ہوا، کہ کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ کے وہ معنے کرنے چاہئیں، جو مسیحؑ کو الوہیت کی طرف نہ لیجائیں۔ پھر فرمایا۔ (۹) سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ یعنی عیسائیوں کا یہ کہنا کہ مسیح کلمۃ اللہ ان معنوں میں ہے، کہ وہ خدا کی رُوح یعنی خود خدا ہے۔ اور کلمۃ اللہ ان معنوں میں ہے، کہ وہ کلام و متکلم کی طرح ایک ہی ذات ہیں، غلط ہے۔ کیونکہ ان معنوں سے تو مسیح خدا کا ولد ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ خدا ولد سے پاک ہے پھر فرمایا (۱۰) لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ یعنی مسیحؑ کا کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ ہونا بشریت اور عبدیت کے مترادف ہے۔ ورنہ اگر ان الفاظ کا مفہوم الوہیت کو مستلزم ہوتا، تو مسیحؑ خدا کا عبد نہ ہوتا۔ حالانکہ مسیحؑ خدا کا عبد کہلانے پر فخر کرتا تھا ۔ ن مذکورہ بالا آیات میں علاوہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ کے نو باتیں مسیحؑ کے متعلق کہی گئی ہیں، جو سب کی سب اس امر پر دلالت کرتی ہیں، کہ مسیحؑ صرف انسان اں رسول انسان ہے۔ اور رسول بھی انوکھا رسول نہیں بلکہ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ کے مطابق وہ باقی تمام رسولوں جیسا ہے۔ پس جب وہ آیات کہ جن میں مسیحؑ کو کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ کہا گیا ہے، پکار پکار کر کہہ رہی ہیں، کہ مسیحؑ خدا نہیں بلکہ انسان ہے اِلٰہ نہیں بلکہ بشر ہے، تو لازمًا باقی جملوں کی طرح مسیحؑ کے کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونے کے معنے بھی قرآن مجید کے نزدیک وہی ہونگے جو مسیحؑ کو انسان اور بشر قرار دیں، نہ کہ خدا اور اِلٰہ۔ خلاصہ یہ کہ جن آیات میں مسیح کو خدا کا کلمہ اور اس کی روح کہا گیا ہے، اُن میں صرف یہی دو لفظ مذکور نہیں ہیں۔ بلکہ جہاں ان آیات میں مسیحؑ کو خدا کا کلمہ اور اس کی روح کہا گیا ہے وہاں ان الفاظ کے آگے اور پیچھے نو اور باتیں بھی مسیحؑ کے متعلق کہی گئی ہیں۔ اور وہ سب کی سب متفق ہو کر یہ کہہ رہی ہیں، کہ مسیح خدا نہیں۔ بلکہ صرف ایک انسان ہے۔ اور جو اُسے خدا یا خدا کا بیٹا یا اقنوم ثانی کہے یا تثلیث کا قائل ہو، تو وہ کافر ہے۔ پس کس طرح ایک عقلمند شخص یہ کہہ سکتا ہے، کہ آگے اور پیچھے تو مسیح کی خدائی کی تردید ہے، لیکن بیچ میں دو لفظ اس کی الوہیت کے ثبوت میں بیان کئے گئے ہیں۔ بالخصوص جبکہ قرآن مجید صاف فرماتا ہے۔ کہ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔ یعنی قرآن مجید کے معنے کرتے وقت آگے پیچھے یعنی سیاق و سباق کا لحاظ رکھ لیا کرو۔ نیز فرمایا۔ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ۔ یعنی یہ نہیں ہوسکتا، کہ قرآن میں آگے پیچھے تو کچھ اور ہو اور بیچ میں کچھ اور۔ کیونکہ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ یعنی یہ

کلام کسی انسان کا نہیں بلکہ حکیم وحمید خدا کا ہے۔ پس جب پہلے بھی مسیحؑ کی الوہیت کی تردید ہے اور پیچھے بھی اس کی خدائی کا بطلان ہے، تو یہ کہاں کی عقلمندی اور دانائی ہے، کہ بیچ کے دو کلموں کے ایسے معنے کئے جائیں، جو مسیحؑ کی خدائی کی تائید کرتے ہوں۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔

اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں، کہ مسیحؑ کو خدا کا کلمہ اور اس کی رُوح کیوں کہا گیا ہے۔ سو جاننا چاہیئے، کہ قرآن مجید کا یہ ایک محکم اصول ہے، کہ وہ انبیاء سابقین کے متعلق خصوصیت سے وہ تعریفی الفاظ استعمال کرتا ہے، جن سے ان الزامات کی تردید ہو جاتی ہے، جو پہلی قوموں نے ان انبیاء پر عائد کئے ہوتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں لکھا ہے وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ یعنی حضرت سلیمانؑ نے کبھی کفر اختیار نہیں کیا۔ اب ایک نبی کی مدح میں یہ کہنا کہ اس نے کبھی کفر اختیار نہیں کیا، بظاہر ایک بہت بدمزہ بات معلوم ہوتی ہے۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نہایت نفیس الطبع شخص کی طبیعت کی نفاست کی تعریف کرتے ہوئے کوئی صاحب یوں فرمائیں، کہ فلاں صاحب بڑی نفیس طبیعت رکھتے ہیں، کیونکہ انہوں نے کبھی پاخانہ نہیں کھایا۔ کیا یہ فقرہ نفاست طبع کی مثال اور نفیس الطبع ہونے کے ثبوت میں کبھی کوئی شخص پیش کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں اور قطعاً نہیں۔ پھر کیا وجہ کہ ایک نبی جو تمام خوبیوں کا جامع اور تمام محاسن کا مجموعہ ہوتا ہے، اس کی یوں مدح وستائش کی جاتی ہے، کہ اس نے کبھی کفر اختیار نہیں کیا تھا اس کی یہ وجہ ہے، کہ یہود کا عقیدہ ہے، کہ حضرت سلیمانؑ پہلے نیک اور موحد تھے۔ لیکن آخری عمر میں اپنی ایک بُت پرست بیوی کی محبت میں گرفتار ہو کر باوجود نبی ہونے کے بُت پرستی اختیار کر چکے تھے۔ اس لئے بطور حقیقی مدح کے نہیں، بلکہ بطور دفع مذمت کے قرآن مجید نے فرمایا، وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ یعنی یہود کا یہ کہنا بالکل غلط ہے، کہ حضرت سلیمانؑ کافر ہو گئے تھے۔

اس مثال سے یہ معلوم ہوا، کہ قرآن مجید کا یہ طرز ہے، کہ وہ انبیاء سابقین کے متعلق جو تعریفی کلمات استعمال کرتا ہے، وہ ان الزامات کا جواب ہوتے ہیں، جو ان کی قومیں ان پر عائد کرتی رہی ہیں۔ اس محکم اصول کے ماتحت ہم مسیحؑ کے کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونے کا مطلب معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ سو جاننا چاہیئے۔ کہ مسیحؑ چونکہ بے باپ تھے۔ اور خدا کی قدرت سے صرف مریم صدیقہ کے ذریعہ پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے ان کی نالائق قوم نے عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا کے مطابق مسیحؑ کو معاذ اللہ ولدالحرام کہنا شروع کیا۔ اس الزام کے جواب میں مطابق

پیگی وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (اور تجھے پاک کروں گا کافروں کے الزامات سے) قرآن مجید نے پہلے ایک اصول بیان فرمایا، اور پھر یہود کے بہتان کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینکدیا۔ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ یعنی اے مسلمانو! مسیحؑ کی ولادت بے باپ کے متعلق اگر کوئی یہودی اعتراض کرے کہ معاذ اللہ آپ ولد الحرام تھے' یا ایک عیسائی یہ استدلال کرے کہ چونکہ آپ بے باپ تھے، اس لئے خدا تھے' تو تم یہود کے الزام اور عیسائیوں کے غلو دونوں کا ایک تیر سے شکار کرو، اور یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کو کہدو، کہ مسیحؑ کی مثال آدم کی ہے۔ پس اے یہودیو! اگر مسیحؑ اس لئے ولد الحرام ہے، کہ بے باپ بچہ پیدا ہو نہیں سکتا تو تم آدم کو کیا کہوگے، جبکہ وہ نہ صرف بے باپ بلکہ بے ماں بھی تھے۔ جب تم آدم کے معاملہ میں خدا کو اس امر پر قادر سمجھتے ہو، کہ وہ بے باپ اور بے ماں پیدا کرسکتا ہے، تو کیا وجہ کہ مسیحؑ کے معاملہ میں تم خدا کی قدرت پر حرف لاتے ہوئے یہ قرار دیتے ہو کہ چونکہ بغیر باپ کے بچہ پیدا ہونا ناممکن ہے، اس لئے ضرور مسیحؑ کا کوئی نہ کوئی ناجائز باپ ہوگا۔ اور اے عیسائیو! تم جو مسیحؑ کو بسبب بے باپ ہونے کے بشریت سے بالا اور خدا سمجھتے ہو تو یہ تمہاری غلطی ہے۔ کیونکہ مسیحؑ تو صرف بے باپ تھے، حضرت آدم تو بے باپ اور بے ماں دونوں تھے مگر پھر بھی وہ خدا نہ تھے، بلکہ بشر کے بشر ہی تھے۔ اس لئے مسیح محض بے باپ ہو کر کیونکر خدا یا خدا کا اقنوم سمجھے جائیں۔ غرض مسیح علیہ السلام چونکہ بے باپ تھے، اس لئے یہودی ان کی والدہ پر بہتان باندھکر ان کی ولادت کو ناجائز قرار دیتے تھے۔ اس الزام کو دور کرنے کے لئے ان آیات میں دو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ جن میں سے ایک مسیحؑ کا کلمۃ اللہ ہونا ہے۔ اس لفظ سے یہود کا الزام یوں دور ہوتا ہے، کہ اے یہودیو! تم انسان کی پیدائش کی حقیقت پر غور کرو، تو معلوم ہوگا، کہ ہر انسان خدا کے کلمہ کُنْ سے پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ یعنی تمام انسان خدا کے کلمہ کُنْ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور وہ اس طرح کہ پہلے کلمہ کُنْ باپ کی صُلب کو کہا جاتا ہے۔ اور پھر ماں کے شکم کو۔ پس ہر انسان خدا کا کلمہ ہے یعنی کلمہ کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح مسیح بھی خدا کا بیٹا نہیں اور نہ وہ (معاذ اللہ) ولد الحرام ہے۔ کیونکہ اگر وہ ولد الحرام ہوتا، تو پہلے کُنْ کا لفظ اس زانی مرد کی صُلب کو کہا جاتا جس کے نطفہ سے

مسیح پیدا ہوئے تھے۔ اور پھر مریم کی طرف کُن کا لفظ بھیجا جاتا، جس کے شکم سے وہ برآمد ہوئے تھے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ کیونکہ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ۔ یعنی مسیح خدا کے اس کلمہ کُن سے پیدا ہوا تھا، جو کسی مرد کی صلب کو نہیں کہا گیا، بلکہ براہ راست مریم کے رحم اور شکم کو مخاطب کرکے کہا گیا تھا۔ پس وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ میں لفظ كَلِمَتُهُ تو یہ بتاتا ہے کہ مسیح بھی اور انسانوں کی طرح کلمہ کُن سے پیدا ہوا تھا۔ اور أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ کے الفاظ بتاتے ہیں کہ مسیح اور دوسرے انسانوں کی پیدائش میں یہ فرق ہے، کہ اور انسانوں کی پیدائش میں مطابق آیت إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ دو دفعہ کلمہ کُن کہا جاتا ہے۔ ایک دفعہ باپ کی صلب کو مخاطب کرکے۔ دوسری دفعہ ماں کے رحم کو مخاطب کرکے۔ مگر مسیح چونکہ بے باپ تھا۔ اس لئے مطابق آیت وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ اس کی پیدائش ایسے کلمہ کُن سے ہوئی جو بغیر کسی مرد کی صلب کی وساطت کے مریم صدیقہ کے رحم کو مخاطب کرکے کہا گیا تھا جیسے دوسری جگہ فرمایا۔ وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا۔ یعنی مسیح کی روح ایسے رحم میں داخل کی گئی، جس کا قرب کسی مرد کو حاصل نہیں ہوا تھا۔ غرض وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ کا مفہوم صرف یہ ہے، کہ اے یہودیو! تمہارا یہ عقیدہ ہے، کہ مسیح کا کوئی نہ کوئی باپ ضرور ہے، اور وہ باپ مریم کا جائز شوہر نہیں اور یہ کہ مسیح پہلے صلب پدر میں تھے، پھر شکم مادر میں آئے۔ اور پہلے خدا نے ایک دفعہ مرد کی صلب کو مخاطب کیا، کہ ایک بچہ کا نطفہ شکم عورت میں ڈال۔ اور پھر ایک عورت کے رحم کو مخاطب کیا کہ اس بچہ کی پرورش کرکے اسے باہر نکال۔ یہ عقیدہ درست نہیں۔ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ۔ یعنی مسیح بسبب بے باپ ہونے کے براہ راست خدا کے حکم سے شکم مادر میں آیا۔ غرض کلمۃ اللہ کے معنے مسیح کے حق میں صرف اس کے بے باپ ہونے کے ہیں نہ کچھ اور۔ اور یہ ہم مسلمانوں کو بھی مسلّم ہے، کہ مسیح بے باپ تھے۔ اور یہ مسیح کی خصوصیت نہیں۔ کیونکہ یہی لفظ آدم کے متعلق بھی کہے گئے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا۔ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ۔ یعنی آدم بھی بغیر باپ اور بغیر ماں کے محض کلمہ کُن سے پیدا ہوا تھا۔ ہاں فرق یہ ہے، کہ آدم خدا کا ایسا کلمہ ہے، جو نہ باپ کو مخاطب کرکے کہا گیا اور نہ ماں کو۔ بلکہ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ۔ یعنی یہ کلمہ کُن صرف مٹی کو مخاطب کرکے کہا گیا تھا کیونکہ حضرت آدم براہ راست مٹی سے بنائے گئے تھے۔ اسی طرح مسیح بھی گو کلمہ کُن سے پیدا ہوئے

اور یہ کلمہ کسی مرد کی صلب کو مخاطب کر کے نہیں کہا گیا، مگر چونکہ ان کی والدہ تھیں اس لئے اَلْقٰھَا اِلٰی مَرْیَمَ کے مطابق مسیح کے حق میں جو کلمۂ کن کہا گیا تھا، وہ مریم صدیقہ کے ذریعہ کہا گیا تھا۔ اگر کوئی شخص کہے، کہ قرآن مجید میں خود مسیح کو خدا کا کلمہ کہا گیا ہے، اور تم جو معنے کرتے ہو، وہ یہ ہیں، کہ مسیح خدا کے کلمہ کے ذریعہ پیدا ہوا۔ یعنی قرآن مجید میں مسیح کو کلمہ کا نتیجہ نہیں کہا گیا۔ بلکہ خود کلمہ کہا گیا ہے، تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے، کہ یہ اعتراض عربی زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ عربی زبان میں اگر کسی کو خدا کا کلمہ کہا جائے، تو اس کے یہ معنے ہونگے، کہ وہ خدا کے کلمہ کے ذریعہ یا کلمہ کی وجہ سے یا کلمہ کے سبب یا کلمہ کے نتیجہ میں پیدا شدہ ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں اَفْصَحُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمْ فرماتے ہیں، اَنَا دَعْوَۃُ اَبِیْ اِبْرَاھِیْمَ یعنی میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں۔ حالانکہ کہنے والا اپنے باپ ابراہیم کی دعا نہ تھا، کیونکہ دعا تو ایک قول یعنی کلمہ ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے، کہ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا کا نتیجہ ہوں۔ اسی طرح فرمایا اَنَا بَشَارَۃُ عِیْسٰی یعنی میں عیسےٰ کی خوشخبری ہوں۔ حالانکہ کہنے والا خود نفسِ خوشخبری نہیں، بلکہ خوشخبری کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا ہے۔ اسی طرح کلمۃ اللہ کے معنے ہیں، وہ شخص جو خدا کے کلمہ کے نتیجہ میں پیدا ہو۔

خلاصہ یہ کہ کَلِمَتُہٗ اَلْقٰھَا اِلٰی مَرْیَمَ میں فرمایا، کہ مسیح خدا کے اس کلمہ کن سے پیدا ہوئے تھے جو بغیر کسی مرد کے واسطہ کے براہِ راست مریم کو مخاطب کر کے کہ اے کنواری حاملہ ہو جا، کہا گیا تھا۔ پس مسیح کے کلمۃ اللہ ہونے کے معنے سوائے بن باپ ہونے کے اور کوئی نہیں اور یہ ہمیں بھی مسلّم ہے۔ مگر یہ مفہوم مسیح کی خدائی کو مستلزم نہیں۔ کیونکہ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ کے مطابق اگر مسیح بن باپ ہونے کی وجہ سے خدا کہلانے کے مستحق ہیں، تو آدمؑ بے باپ اور بے ماں ہو کر ڈبل خدائی کا مستحق ہے۔

دوسرا قابلِ تشریح لفظ رُوْحٌ مِّنْہُ ہے۔ یعنی مسیح خدا کی رُوح یا خدا کی طرف سے ایک رُوح تھی۔ اس کا بھی وہی مفہوم ہے، جو کلمۃ اللہ کا ہے۔ یعنی مسیح بے باپ ہے۔ کیونکہ یہی لفظ حضرت آدم کے متعلق بھی استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرشتوں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ۔ یعنی اے فرشتو! میں جب آدم کے پتلے میں اپنی رُوح پھونکوں، تو تم سجدہ میں گر جانا۔ اب اگر مسیح روح اللہ یا روح من اللہ ہو کر خدا بن سکتے ہیں تو کیوں آدمؑ روح اللہ ہو کر خدا نہ کہلائے؟

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے، کہ قرآن نے آدمؑ اور مسیحؑ کو خدا کی رُوح کیوں کہا ہے؟ سو یاد رکھنا چاہیئے، کہ خدا کی روح سے مراد خدا کی پیدا کردہ رُوح ہے۔ یعنی یہ ہوسکتا، کہ آدم وہ روح تھا، جسے خدا نے پیدا کیا۔ نیز مسیحؑ وہ رُوح ہے، جو خدا نے پیدا کی تھی۔ اور یہ ہمیں بھی مسلّم ہے، کہ مسیح اور آدم کی روحیں خدا کی پیدا کردہ تھیں۔ لیکن اس سے مسیحؑ کی الوہیت کہاں سے ثابت ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص کہے، کہ خدا کی پیدا کردہ روح ہونے میں آدم یا مسیح مخصوص نہیں ہیں، کیونکہ ہم سب انسانوں کی روحیں خدا ہی کی پیدا کردہ ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک ہم سب انسانوں کی روحیں خدا کی پیدا کردہ ہیں۔ اور اس طرح ہم سب روح اللہ ہیں۔ لیکن ہماری روحوں کی پیدائش اور مسیحؑ اور آدمؑ کی روحوں کی پیدائش میں ایک فرق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آدم اور مسیح کے سوا اور تمام انسانوں کی روحوں کو گو خدا ہی نے پیدا کیا ہے، لیکن بذریعہ باپ کے۔ کیونکہ جب کوئی انسان دنیا میں رُوح لیکر آتا ہے تو وہ رُوح اسے براہ راست نہیں دی جاتی۔ اور نہ نفخ روح بلا واسطہ ہوتا ہے۔ بلکہ جب کبھی دنیا میں کوئی ذی رُوح پیدا ہوا الا ؔ ماشاء اللہ اس کی رُوح اُسے باپ کے واسطہ سے دی گئی پس بے شک ہم سب کی روحیں خدا ہی کی پیدا کردہ روحیں ہیں۔ مگر وہ روحیں ہمارے جسموں میں براہ راست داخل نہیں کی گئیں۔ بلکہ پہلے ہمارا قالب ہمارے باپ کے نطفہ سے بنا۔ پھر خدا کی روح ہم میں داخل کی گئی۔ لیکن آدمؑ اور مسیحؑ کے بارہ میں ایسا نہیں ہوا۔ کیونکہ آدم کے پتلے میں جو رُوح داخل کی گئی، وہ بغیر کسی باپ کے ذریعہ کے براہ راست آدم کے پتلے میں داخل کی گئی۔ اسی طرح مسیحؑ کے قالب میں جو رُوح تھی وہ بغیر کسی باپ کے واسطہ کے مسیح کے قالب میں داخل کی گئی تھی۔ پس مسیحؑ کو رُوْحٌ مِّنْهُ اور آدم کو نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کہکر قرآن مجید نے یہ مفہوم ادا کیا ہے، کہ ان دو شخصوں میں خدا کی جو روح تھی، وہ براہ راست خدا سے ظاہر ہوئی تھی، درمیان میں کسی باپ کا واسطہ نہ تھا۔ لیکن باقی تمام لوگوں کے قالبوں میں جو روحیں ہیں، وہ بے شک خدا ہی کی پیدا کردہ ہیں، مگر بظاہر دیکھنے میں وہ خود بخود نہیں آئیں۔ بلکہ باپ کے واسطہ اور اس کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوئی ہیں۔ سو اس خصوصیت کی وجہ سے کہ آدم اور مسیح کی روحیں انکے قالبوں میں بغیر باپ کے واسطے سے داخل کی گئی تھیں، آدمؑ اور مسیحؑ کو رُوْحٌ مِّنْهُ اور روح اللہ کہا گیا ہے۔ لیکن اس وجہ سے عیسائی مسیح کو خدا نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اگر مسیحؑ خدا کی وہ روح ہے، جو باپ کے واسطے سے مستغنی ہے، اگو ماں کے واسطہ کی

حاجت ہو، اس سے مستغنی ہے، تو آدم کی رُوح نہ باپ کی محتاج ہوئی نہ ماں کی محتاج۔ بلکہ براہ راست خدا تعالیٰ سے صادر ہو کر مٹی کے پتلے

حضرت مسیح موعودؑ کا جانشین

خلیفہ ــــ یا ــــ انجمن

(۲)

(از حضرت مولوی شیر علی صاحب)

دوسری تحریر حضرت مسیح موعودؑ کی دوسری تحریر جو انجمن کے خلیفہ ہونے کی تائید میں پیش کی جاتی ہے، اور جس پر بہت ناز کیا جاتا ہے حسب ذیل ہے:۔

"میری رائے تو یہی ہے کہ جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہیئے اور کثرت رائے اس میں ہو جائے، تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہیئے، اور وہی قطعی ہونا چاہیئے لیکن اس قدر میں زیادہ لکھنا پسند کرتا ہوں کہ بعض دینی امور میں جو ہماری خاص اغراض سے تعلق رکھتے ہیں مجھکو محض اطلاع دی جائے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ انجمن خلاف منشاء میرے ہرگز نہیں کرے گی۔ لیکن یہ صرف احتیاطاً لکھا جاتا ہے، کہ شاید وہ ایسا امر ہو کہ خدا تعالیٰ کا اس میں کوئی خاص ارادہ ہو۔ اور یہ صورت صرف میری زندگی تک ہے۔ اور بعد میں ہر یک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔" (تحریر مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

اس تحریر کی بناء پر یہ دعوےٰ کیا جاتا ہے، کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ہر قسم کے اختیارات انجمن ہی کو دیئے ہیں، پس انجمن ہی خلیفہ ہے اور کوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اس تحریر کا نام میگنا کارٹا (Magna charta) رکھا گیا ہے۔ یعنی اہم ترین شاہی فرمان جس کی رو سے انجمن کو کل اختیارات کی سند حاصل ہوئی۔

اس تحریر پر جب غور کیا جاتا ہے، تو اس میں کہیں نظر نہیں آتا، کہ ان فرائض کے علاوہ جو پہلے انجمن کو دیئے گئے تھے، اور کوئی نیا اختیار انجمن کو دیا گیا۔ بلکہ یہ تحریر کوئی مزید اختیارات

دینے کے لئے لکھی ہی نہیں گئی۔ یہ تحریر ان الفاظ کے ساتھ شروع ہوتی ہے "میری رائے تو یہی ہے" جو تحریر کسی شخص کو یا کمیٹی کو کوئی صاحب اختیار شخص بعض اختیارات دینے کیلئے لکھتا ہے تو وہ ایسے الفاظ سے شروع نہیں کرتا "میری رائے یہ ہے" بلکہ وہ ایسے الفاظ کے ساتھ اپنے فرمان کو شروع کرتا ہے جن میں حکم کا مفہوم پایا جائے۔ ان الفاظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے، کہ کسی اَمر میں کوئی اختلاف پیدا ہؤا۔ اور وہ معاملہ حضرت صاحب تک پہونچایا گیا۔ اور حضور نے اس معاملہ میں اپنی رائے کا اظہار فرمایا "میری رائے تو یہی ہے" کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ حضرت اقدسؑ نے یہ کوئی مستقل فرمان جاری نہیں کیا، جس کے ذریعہ آپ نے اپنی خلافت کا منصب انجمن کو عطا کیا۔ بلکہ یہ کسی خاص امر میں کسی اختلاف کے پیدا ہونے پر تحریر لکھی گئی پس اس تحریر کو "میری رائے تو یہی ہے" کے الفاظ سے شروع کرنا صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ اول یہ تحریر ایک فرمانِ شاہی کے رنگ میں کسی انجمن کو اختیارات تفویض کرنے کے لئے نہیں لکھی گئی۔ دوسرے یہ کہ یہ کسی خاص امر میں کسی اختلاف کے پیدا ہونے پر لکھی گئی۔

اس تحریر کی پوری حقیقت سمجھنے کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہے، کہ وہ کیا واقعات پیش آئے جو اس تحریر کے لکھنے کا موجب ہوئے۔ جب ہمیں ان واقعات کا علم ہو جائیگا۔ تو اس تحریر کا صحیح مفہوم بھی ہم پر واضح ہو جائیگا۔ مولوی محمد علی صاحب نے اس تحریر کا عکس ۱۹۱۲ء میں لاہور سے الوصیت کے ساتھ شائع کیا۔ اگر اس تحریر کے ساتھ اس کی ہسٹری بھی شائع کر دیتے، تو بات بالکل کھل جاتی۔ اور اس تحریر کی حقیقت ہر ایک شخص پر واضح ہو جاتی۔ اس تحریر کو بغیر اس کی ہسٹری کے شائع کر کے ایک غلط اثر ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اب مَیں وہ واقعات لکھتا ہوں جنکی وجہ سے حضرت مسیح موعودؑ نے یہ تحریر مولوی محمد علی صاحب کے دفتر میں بیٹھکر قلمبند فرمائی۔

مسجد مبارک کی توسیع کی ضرورت تھی۔ انجمن نے اس کا ایک نقشہ منظور کر کے حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ افسر تعمیر کے سپرد کیا۔ حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ نے مسجد اپنی نگرانی میں تعمیر کروائی۔ لیکن وہ اس نقشے کے مطابق نہیں تھی، جو انجمن نے منظور کیا تھا۔ انجمن نے جو نقشہ تجویز کیا تھا، اس میں پرانی مسجد کا نشان قائم نہیں رکھا تھا۔ حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ نے اس میں بخیرت سی ترمیم کی، کہ پرانی مسجد کا نشان قائم رکھا جیسا کہ اب ہے۔ موجودہ مسجد میں پرانی مسجد کے حدود علیحدہ کر کے دکھائے گئے ہیں۔ انجمن کے منظور کردہ نقشہ میں یہ نشانات قائم نہیں رکھے گئے تھے۔ جب انہوں نے اپنے خراجات کا بل مولوی محمد علی صاحب سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ کو دیا تو مولوی

محمد علی صاحب نے تعمیر مسجد کے بل کو منظور کرنے سے اس بناء پر انکار کر دیا، کہ مسجد انجمن کے منظور کردہ نقشہ کے مطابق نہیں بنوائی گئی۔ بل کی نامنظوری کی وجہ سے حضرت میر صاحبؓ کو یہ بیہ نظام تو آپ مزدوروں اور معماروں کے تقاضوں سے تنگ آکر حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ادھر جب مولوی محمد علی صاحب کو معلوم ہوا، کہ حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ حضرت اقدسؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، تو انہوں نے یہ خیال کر کے کہ حضرت اقدسؑ حضرت میر صاحب کی شکایت سُنکر متاثر ہو گئے ہیں، اپنا استعفاء پیش کر دیا، اور قادیان سے رخصت ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ وہ جھگڑا تھا، جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس تحریر کے لکھے جانے کا موجب ہوا۔ جھگڑا یہ تھا، کہ انجمن نے ایک فیصلہ کیا، اور افسر تعمیر نے اس فیصلے کی پورے طور پر پابندی نہ کی، یعنی عین اس نقشہ کے مطابق مسجد تعمیر نہ کرائی، جو انجمن نے منظور کیا تھا۔ پس سوال یہ تھا، کہ انجمن کا فیصلہ کیوں نظرانداز کیا گیا۔ کیا حضرت میر صاحبؓ کے لئے یہ ضروری نہیں تھا، کہ انجمن کے فیصلے کے مطابق عمل کرتے۔

مولوی محمد علی صاحب کے استعفاء کی خبر پا کر حضرت اقدسؑ مولوی محمد علی صاحب کی تالیف قلب کے لئے ان کے حجرے میں تشریف لے آئے۔ اور ان کو یقین دلایا، کہ حضرت میر صاحب کی شکایت کا کوئی اثر حضور کے دل پر نہیں ہوا۔ کیونکہ "ہم شکایات کو سُنا ہی نہیں کرتے" اس وقت خواجہ کمال الدین صاحب بھی موجود تھے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ میں خواجہ صاحب ہی کے الفاظ میں بیان کر دیتا ہوں۔ خواجہ کمال الدین صاحب اپنی تصنیف "اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب" کے صفحہ ۵۷ میں لکھتے ہیں:۔ "پھر حضرت میر صاحب کے اہتمام میں مسجد بنتی ہے۔ اور بعض امور کے پیدا ہونے پر میں خود حضرت اعلیٰ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں، کہ وہ اس امر کا بھی فیصلہ کریں، کہ کہاں تک صدر انجمن کے کام اور فیصلہ جات پر شخصی رائے کا اثر ہے۔ آیا معاملات سلسلہ جو انجمن کے ہاتھ میں ہیں، وہ کسی کی شخصی رائے کے ماتحت ہیں، یا انجمن کا اجتہاد ان کے لئے کافی ہے۔ اس پر خدا کا مامور مسیح ذیل کے الفاظ لکھتا ہے:۔ "میری رائے تو یہی ہے، کہ جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہیئے، اور کثرت اس میں ہو جائے، تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہیئے۔ لیکن اس قدر میں زیادہ لکھنا پسند کرتا ہوں، کہ بعض دینی امور میں جو ہمارے خاص اغراض سے تعلق رکھتے ہیں مجھکو اطلاع دی جائے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں، کہ یہ انجمن خلاف منشاء میرے ہرگز نہ کرے گی۔ لیکن صرف احتیاطاً لکھا جاتا ہے، کہ شاید وہ ایسا امر ہو، کہ خدا تعالےٰ کا اس میں کوئی خاص ارادہ ہو۔

اور یہ صورت میری زندگی تک ہے، اور بعد میں ہر ایک امر میں اس انجمن کا اجتہاد کافی ہے۔"

خواجہ صاحب کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے، کہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے یہ تحریر خواجہ صاحب کے ایک استفسار کے جواب میں لکھی تھی۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں: "حضرت میر صاحب کے اہتمام میں مسجد بنتی ہے اور بعض امور کے پیدا ہونے پر میں خود حضرت اعلیٰ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔" ان "بعض امور" کی تشریح خواجہ صاحب کے ایک اور فقرے سے ہو جاتی ہے، جو انہوں نے اسی کتاب کے صفحہ ۲۴ میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "پھر اس تحریر کا بھی ذکر کرو جو حضرت میر ناصر نواب صاحب کی بے ضابطگیوں پر میری تحریک سے حضرت اقدس مرزا صاحب نے لکھی۔" اس سے معلوم ہوا، کہ جب مسجد مبارک کی تعمیر کا اہتمام حضرت میر صاحب کے سپرد کیا گیا تھا، تو بقول خواجہ صاحب انہوں نے بعض بے ضابطگیاں کیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے، کہ مسجد کی تعمیر کے نقشہ وغیرہ کے متعلق جو ہدایتیں انجمن نے دی تھیں، انہوں نے پورے طور پر ان کی پابندی نہ کی، اور بعض تفصیلات میں اپنی شخصی رائے پر عمل کیا۔ اور یہ امر اس بات کا محرک ہوا، کہ خواجہ صاحب حضرت اقدس سے درخواست کریں، کہ حضورؑ اس امر کا بھی فیصلہ کریں، کہ کہاں تک صدر انجمن کے احکام اور فیصلہ جات پر شخصی رائے کا اثر ہے۔ اور آیا معاملاتِ سلسلہ میں جو انجمن کے ہاتھ میں رہیں، وہ کسی شخصی رائے کے ماتحت ہیں یا انجمن کا اجتہاد ان کے لئے کافی ہے؟ یہ استفسار تھا، جو حضرت اقدس علیہ السلام سے کیا گیا اور جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا۔ وہ اسی استفسار کا جواب تھا۔

اس استفسار کے متعلق یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے، کہ یہ استفسار صرف انہیں معاملاتِ سلسلہ کے متعلق تھا، جو "انجمن کے ہاتھ میں" تھے۔ "جو انجمن کے ہاتھ میں ہیں" کے الفاظ کہہ کر خواجہ صاحب نے ان معاملاتِ سلسلہ کی حد بندی کر دی، جن کے متعلق انہوں نے حضرت اقدس سے استفسار کیا۔ پس یہ استفسار تمام امورِ سلسلہ کے متعلق نہیں تھا۔ اس لئے حضرت اقدسؑ نے جو جواب دیا، وہ بھی صرف انہیں معاملاتِ سلسلہ کے متعلق تھا، جو آپ کے وقت میں انجمن کے ہاتھ میں تھے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب کا استفسار یہ تھا، کہ ایسے امور میں "جو انجمن کے ہاتھ میں ہیں" اگر انجمن کوئی حکم جاری کرے، یا کوئی فیصلہ کرے، تو کیا اس فیصلہ کو قطعی سمجھنا چاہیئے، یا کسی ماتحت کارکن کو یہ اختیار حاصل ہے، کہ وہ اپنی شخصی رائے کا ایسے معاملات میں دخل دے، اور انجمن کے اجتہاد اور فیصلہ کو کافی نہ سمجھے، اور اس کو غلط قرار دے کر اپنی شخصی رائے پر عمل کرے۔ یہ خواجہ صاحب کا استفسار تھا، جس کے جواب میں حضرت اقدسؑ نے فرمایا: "میری رائے تو یہی ہے، کہ جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے

کہ ایسا ہونا چاہیئے، اور کثرت رائے اس میں ہوجائے، تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہیئے۔ اور وہی قطعی ہونا چاہیئے۔"

اب ایک طرف خواجہ صاحب کے استفسار کو دیکھو اور دوسری طرف حضرت اقدس کے جواب کو پڑھو، تو صاف طور پر معلوم ہوجائے گا، کہ ان الفاظ کا مفہوم کیا ہے؟ ان الفاظ کا مفہوم اس سے زیادہ کچھ نہیں، کہ آپنے فرمایا، کہ ان معاملات کے متعلق جو انجمن کے ہاتھ میں ہیں، اگر انجمن کوئی فیصلہ کرے تو اسی فیصلہ کو صحیح اور قطعی سمجھنا چاہیئے اور کسی کارکن کو جس کے سپرد اس فیصلے کا اجراء کیا گیا ہے، یہ حق نہیں کہ اس کو غلط قرار دے کر اور قطعی نہ سمجھکر اپنی شخصی رائے کی بناء پر اس میں کوئی تبدیلی کرے۔ پس یہ حضور کا فیصلہ ان امور کے متعلق ہے، جن کا تعلق انجمن سے تھا۔ اس میں ان لوگوں کو جن کے ذمے فیصلہ جات کی تعمیل تھی، یہ ہدایت دیگئی تھی، کہ وہ انجمن کے فیصلے ہی کو صحیح اور قطعی سمجھکر ان کی تعمیل کیا کریں، اور اپنی رائے کا دخل نہ دیا کریں۔ پس ایک طرف تو یہ تحریر مخصوص معاملات کے لئے ہے، اور دوسری طرف اس کا تعلق تمام جماعت سے نہیں ہے، بلکہ صرف ان لوگوں سے ہے جن کا یہ کام تھا، کہ ان فیصلہ جات کی تعمیل کریں۔ نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ حضور نے یہ فیصلہ محض انتظام کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا تھا کیونکہ اگر انجمن ایک امر کے متعلق کوئی فیصلہ کرے، اور اس کے ماتحت کارکن جن کے سپرد ان فیصلوں کی تعمیل ہے، اس کو قطعی اور صحیح نہ سمجھیں، بلکہ غلط قرار دے کر اور ضروری نہ سمجھکر اپنی رائے پر عمل کرنا شروع کردیں، تو تمام انتظامات درہم برہم ہوجاتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے انتظامی ضرورت کو مدنظر رکھکر اس امر کا حضور سے فیصلہ چاہا۔ اور حضور نے بھی انتظامی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا۔ "صحیح سمجھنا چاہیئے اور وہی قطعی ہونا چاہیئے" کے الفاظ بھی یہی ظاہر کر رہے ہیں، کہ یہ الفاظ انتظامی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھے گئے تھے۔ اور "قطعی" کا لفظ اسی تشریح کی تائید کر رہا ہے۔

اس رائے کے اظہار کے ساتھ آپ نے یہ بات بڑھادی، کہ اگر وہ فیصلہ جات ایسے دینی امور کے متعلق ہوں، جو ہمارے خاص اغراض سے تعلق رکھتے ہیں، تو ان سے مجھکو اطلاع دی جائے شاید وہ ایسا امر ہو، کہ خدا تعالےٰ کا اس میں کوئی خاص ارادہ ہو۔ ان الفاظ سے بھی ظاہر ہے، کہ ان دینی امور سے ایسے شرعی امور مراد نہیں، جن کا تعلق مسائل سے ہے کیونکہ حضور تحریر فرماتے ہیں کہ شاید وہ ایسا امر ہو۔ کہ خدا تعالےٰ کا اس میں کوئی خاص ارادہ ہو۔ ایسے امور شرعی مسائل نہیں

ہو سکتے۔ بلکہ وہ ایسے ہی معاملات ہو سکتے ہیں، جن کا تعلق انتظام سے ہے۔ اور حضور کے یہ الفاظ "جو دینی امور ہمارے خاص اغراض سے تعلق رکھتے ہیں" بھی یہی ظاہر کرتے ہیں، کہ یہاں شرعی مسائل مراد نہیں، بلکہ ایسے انتظامی امور مراد ہیں، جن کا تعلق دین سے ہے۔ اور یہ انتظامی امور بھی لازماً نہیں معاملات سلسلہ کے متعلق ہوں گے، جو انجمن کے ہاتھ میں ہیں۔ کیونکہ یہاں سوال انہیں معاملات کا تھا جو انجمن کے ہاتھ میں تھے۔ آخر میں جو حضور نے فرمایا۔ "بعد میں ہر ایک امر میں اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا" یہاں بھی ہر ایک امر سے ہر ایک ایسا دینی اور دنیوی امر مراد ہے، جس کا تعلق ان معاملات سے ہے، جو انجمن کے ہاتھ میں ہیں، نہ کہ تمام امور متعلق سلسلہ احمدیہ۔ پہلے حضور نے فرمایا کہ "جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے" پھر فرمایا: "بعض دینی امور میں مجھکو اطلاع دی جائے" اس طرح آپ نے ان امور کے جو انجمن کے ہاتھ میں ہیں دو حصے کئے ایک دنیوی امور۔ دوسرے دینی امور۔ اور دینی امور کے متعلق اپنی زندگی تک ایک استثناء کیا۔ پھر فرمایا: "بعد میں ہر ایک امر میں اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا" یعنی دونوں قسم کے امور میں۔ دنیوی امور میں بھی اور دینی امور میں بھی۔

پس "ہر ایک" کے الفاظ دو قسموں کو ملانے کے لئے کہے۔ یعنی فرمایا، کہ میری زندگی میں انجمن کو اپنے فیصلہ جات متعلقہ دنیوی امور سے مجھے اطلاع دینے کی ضرورت نہیں۔ لیکن بعض دینی امور کے متعلق مجھے اطلاع دینے کی ضرورت ہے۔ بعد میں خواہ دنیوی امر ہو یا دینی، ہر ایک امر میں جس کا تعلق انجمن سے ہے، اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔ غرض جب ساری عبارت کو ملا کر دیکھا جائے تو "ہر ایک امر" کے معنے صرف یہی ہیں "دنیوی امر اور دینی امر جن کا تعلق ان معاملات سے ہے جو انجمن کے ہاتھ میں ہیں۔" یہ مطلب ہرگز نہیں ہے، کہ تمام امور متعلق سلسلہ یا متعلق شریعت اسلام۔ پس ان الفاظ سے یہ مراد لینا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے انجمن کو اس تحریر کے ذریعہ تمام اختیارات خلافت عطا کئے ہیں۔ اور سلسلہ کے تمام امور کے متعلق آخری فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے ہرگز درست نہیں ہے۔ ان الفاظ کا صحیح مفہوم یہی ہے، جو خواجہ صاحب کے استفسار سے تعلق رکھتا ہے اور پس جب یہ تحریر لکھی گئی تھی، اس وقت بھی اس کے یہی معنے سمجھے گئے تھے جو اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ آج اس تحریر کا نام (Magna Charta) "میگنا کارٹا" رکھا جاتا ہے۔ اور دعویٰ کیا جاتا ہے، کہ یہ ایک ایسا فرمان ہے، جس کے ذریعہ انجمن کو منصب خلافت عطا کیا گیا ہے لیکن اس وقت اس تحریر کو یہ حیثیت نہیں دی گئی تھی، بلکہ ایک ضمنی معاملے کے متعلق حضور کا ایک فیصلہ قرار دیا گیا تھا۔ اگر اس وقت اس کو سند خلافت قرار دیا جاتا، اور اس سند کو اس کے رجسٹرات پر

پڑھایا جاتا، اور "الوصیت" کے ساتھ شامل کرکے اس کو شائع کیا جاتا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ بلکہ مولوی محمد علی صاحب نے اس کو اپنے کاغذات ہی میں رہنے دیا۔ کیونکہ یہ تحریر دراصل مولوی محمد علی صاحب کے لئے لکھی گئی تھی۔ مولوی محمد علی صاحب قادیان سے جانے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ خواجہ صاحب نے حکمتِ عملی سے حضرت اقدسؑ سے مذکورہ بالا استفسار کیا، تا اس جواب سے مولوی محمد علی صاحب کی تالیفِ قلب ہو۔ اور وہ قادیان سے چلے نہ جائیں۔ پس اس کاغذ کو انجمن کے کسی ریکارڈ پر نہ لانا صاف بتا رہا ہے، کہ اس وقت اس کو انجمن کے لئے سندِ خلافت قرار نہیں دیا گیا تھا۔ اور خدا کا ہزار ہزار شکر ہے، کہ خواجہ کمال الدین صاحب نے خود اپنے استفسار کو شائع کرکے بتا دیا، کہ اس جواب کا مفہوم کیا تھا۔ لیکن اگر وہ استفسار شائع نہ بھی کرتے، پھر بھی ہر ایک عقلمند پر اس تحریر کا صحیح مفہوم واضح تھا، اور ہر ایک انصاف پسند آدمی آسانی سے سمجھ سکتا تھا، کہ اس میں انجمن کو کوئی سندِ خلافت عطا نہیں کی گئی۔ بلکہ صرف ایک ایسی رائے کا اظہار کیا گیا ہے، جس کا اظہار انتظامی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے مناسب تھا۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ یہ تحریر نہ بھی لکھتے تب بھی ہر ایک عقلمند آدمی سمجھ سکتا تھا، کہ انتظام کے چلانے کے لئے یہ ضروری تھا، کہ انجمن کے فیصلوں کا احترام کیا جاتا۔ اور انجمن کے کارکنوں کا یہ فرض تھا، کہ وہ اس کے فیصلوں کو قطعی سمجھیں، اور ان کو غلط سمجھ کر ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کریں۔ کیونکہ یہ ایسا اصول ہے، جو تمام دنیا کے لئے مسلّم ہے۔ اور خواجہ صاحب نے جو استفسار کیا، وہ بالکل غیر ضروری تھا۔ اور اگر خواجہ صاحب کی غرض مولوی محمد علی صاحب کی تالیفِ قلب نہ ہوتی، تو ان جیسا سمجھدار اور تجربہ کار انسان ایسا سوال ہی نہ کرتا۔ کیونکہ اس کا جواب واضح تھا۔

یہاں تک میں مضمون لکھ چکا تھا، کہ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب کی ایک تحریری شہادت مجھے ملی۔ مولوی صاحب اس وقت موجود تھے۔ جب تحریر زیرِ بحث لکھی گئی تھی۔ اس لئے ان کی شہادت بہت وقعت رکھتی ہے۔ اور خواجہ کمال الدین صاحب کا بیان بھی اس شہادت کی تائید کرتا ہے۔ مولوی صاحب اپنی شہادت میں تحریر فرماتے ہیں:-

"جب مسجد مبارک کے بڑھانے کی تجویز ہوئی تو اس کا کام حضرت نانا جان رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔ انہوں نے جب اس کام کو ختم کیا، اور بل بنا کر پیش کیا، تو مولوی محمد علی صاحب نے اس بل کو نامنظور کر دیا۔ اور وجہ نامنظوری کی یہ رکھی، کہ یہ اس نقشے کے مطابق نہیں بنائی گئی، جو نقشہ انجمن کی منظوری سے میر صاحب کو دیا گیا تھا۔ یہاں میں اس نقشے اور بنائی ہوئی مسجد میں

جو اختلاف تھا، اس کو ظاہر کرنا چاہتا ہوں، جو نقشہ بنایا گیا تھا، اس میں اس مسجد مبارک کا جو پُرانی تھی، اور جس کی نسبت خدا کے الہام ہوئے تھے، اور جس میں حضرت صاحب ہمیشہ نمازیں پڑھتے چلے آئے تھے، نشان نہیں رہنے دیا گیا تھا۔ نہ چھت میں اور نہ دیواروں اور ستونوں میں، بلکہ ایک بالکل نئی صورت بن گئی تھی۔ اگر مسجد اس نقشے کے مطابق بن جاتی، تو کوئی آدمی اس وقت کسی نئے آدمی کو یہ نہیں بتا سکتا تھا، کہ یہ پرانی مسجد ہے۔ اور یہ نئی مسجد ہے۔ حضرت نانا جانؓ اس بات کو ناپسند کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا، کہ پرانی مسجد میں کچھ نشان رکھنا چاہئیے۔ کیونکہ یہ تاریخی اور الہامی یادگار ہے۔ چنانچہ اصلی نقشے میں جیسے ستون نئے حصے میں بنے ہوئے ہیں ایسے ہی بنائے گئے تھے۔ لیکن حضرت نانا جانؓ نے اس پر عمل نہ کیا۔ جو در جنوبی جانب بنے ہوئے تھے وہ تو اسی نقشے کے مطابق بن گئے۔ لیکن پرانی مسجد کے قریب کا در چھوٹا ہو گیا۔ اس طرح سے پرانی مسجد اور نئی کی چھت میں فرق آ گیا تھا۔ کیونکہ پرانی مسجد کی چھت نیچی تھی۔ اور نئی مسجد کی چھت اونچی۔ اس بل کے نامنظور کرنے سے حضرت نانا جانؓ کو بہت تکلیف ہوئی۔ کیونکہ معمار و مزدوران سے اپنی مزدوری مانگ رہے تھے۔ اور مزدوری بغیر بل منظور ہونے کے نہیں دے سکتے تھے۔ لیکن باوجود حضرت میر صاحب کی کوشش کے بل منظور نہ ہوا۔ اور ان کو سخت شکست ہوئی۔ حضرت میر صاحبؓ نے حضرت مسیح موعودؑ کے پاس شکایت کی، حضرت صاحبؑ نے ابھی اس شکایت پر کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ مگر مولوی محمد علی صاحب کو اس شکایت کی خبر پہونچ گئی اس وقت لاہور والے انجمن کے ممبر بھی آئے ہوئے تھے۔ مولوی محمد علی صاحب نے یہاں سے بالکل جانے کی تیاری کر لی۔ خواجہ صاحب نے بہت کچھ نرم کرنے کی کوشش کی۔ مگر سب بیکار رہی۔ اور مولوی محمد علی صاحب مُصر تھے کہ مَیں جاتا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، حضرت صاحب کو بھی اس بات کا علم ہوا۔ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ بھی اس مسجد میں پڑھایا کرتے تھے۔ ہم لوگ بھی فارغ وقت میں ان کے پاس جا بیٹھتے تھے۔ چنانچہ مَیں حضرت مولوی صاحبؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، کہ حضرت صاحب اندر سے تشریف لائے۔ اور مولوی صاحب (مولوی محمد علی صاحب) کے کمرے میں تشریف لے گئے۔ حضرت مولوی صاحبؓ بھی اُٹھ کر کمرہ میں گئے۔ ہم لوگ بھی جو حضرت مولوی صاحبؓ کے پاس بیٹھے تھے، وہاں چلے گئے۔ اس وقت مولوی محمد علی صاحب نے کہا، کہ ہم لوگ تو یہاں حضورؑ کی دعائیں لینے کے لئے آئے ہیں۔ اگر اس قسم کی شکایتیں حضور کے پاس ہونے لگیں، تو آخر حضور بھی تو انسان ہیں، شکایت سُن کر بجائے دعا کے بددعا ہو گی۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا، کہ

انسان تو ہیں، لیکن خدا کے نبی اور مامور ہیں۔ مولوی محمد علی صاحب نے تین دفعہ یہ لفظ دہرائے۔ حضرت مولوی صاحبؓ ان الفاظ کو سُنکر اس بات کو دُہراتے تھے، کہ انسان تو ہیں۔ لیکن خدا کے نبی اور مامور ہیں۔ اس پر حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ میری عادت تو ایسی ہے، کہ ایک چیز ہے، جس نے میرے دماغ اور دل کو پکڑا ہوُا ہے۔ جب گھر جاتا ہوں تو گھر کے لوگ یہ سمجھتے ہیں، کہ ہمارے پاس بیٹھا ہوُا ہے۔ لیکن میری یہ حالت ہوتی ہے، کہ مجھے کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا۔ اور جب مجلس میں آتا ہوں، تو لوگ سمجھتے ہیں، کہ ہماری باتیں سُنتا ہے۔ لیکن میری یہ حالت ہوتی ہے، کہ نہ مجھے معلوم ہوتا ہے، کہ میرے پاس کون بیٹھا ہوُا ہے۔ اور نہ مجھے باتوں کی کچھ سمجھ آتی ہے۔ اور وہ بات یہ ہے، کہ خداوند تعالےٰ جس کو بھیجتا ہے وہ انسان ہوتا ہے۔ اور کوئی انسان ہمیشہ نہیں رہتا۔ اور اس کے بھیجنے کی غرض یہ ہوتی ہے، کہ وُہ ایک ایسی جماعت تیار کردے کہ اس کے اُٹھ جانے کے بعد وہ جماعت لوگوں میں ہدایت پھیلائے اور ان کی اصلاح کرے۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں، کہ مَیں ابھی اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوُا۔ مجھے یاد ہے، کہ حضرت صاحب ایسی حالت میں تھے جس کو آبدیدہ کہتے ہیں۔ پھر فرمایا، کہ بارہا مجھے یہ خیال آتا ہے، کہ کیا خدا تعالےٰ نے اپنے نبیوں میں سے صرف محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کو ایسا بنایا، کہ جب وہ دنیا سے اُٹھا ہے تو مطمئن تھا۔ کہ مَیں اپنے مقصد میں کامیاب ہوچکا ہوں۔ اپنے مالک خدا سے بارہا مجھے عرض کرنی پڑی ہے، کہ جس طرح مسیحؑ اس بارے میں اپنی ناکامیابی کو دیکھتا ہوُا دنیا سے اُٹھا ہے، کیا مجھے بھی اسی طرح ناکامیاب لے جائیگا۔ پس یہ ایک چیز ہے جس نے میرے دماغ کو پکڑا ہوُا ہے۔ بے شک ہم نے کتابیں لکھیں اور بہت لکھیں۔ ہم نے صداقت کے دلائل دیئے، اور بہت دیئے۔ ہم نے مخالفین کے اعتراضوں کے جواب دیئے اور بہت دیئے۔ مگر اصل مقصد پورا نہ ہو تو سب بیکار ہے۔ یہ ایک چیز ہے، جس نے میرے دماغ کو ایسا پکڑا ہوُا ہے کہ کوئی اور چیز میرے دماغ میں آتی ہی نہیں۔ ہاں میر صاحب میرے پاس کچھ شکایت کر رہے تھے۔ یہ تو معلوم ہوُا کہ کچھ شکایت کر رہے ہیں۔ مگر یہ معلوم نہیں ہوُا، کہ کیا شکایت کر رہے ہیں۔ خواجہ صاحب نے اس موقع کو غنیمت سمجھکر اپنے اس منصوبے کو مدنظر رکھتے ہوئے جس کو پہلے ظاہر کر آیا ہوں، عرض کی، کہ حضور یہ سب صحیح ہے، مگر انجمن کے لئے بڑی مشکل یہ ہے، کہ حضور نے سلسلے کے کام اس کے سپرد کئے ہیں، وہ جس کام کو کہتی ہے وہ اس کے کہنے کے

خلاف کرتے ہیں۔ اور اس سے کام کو نقصان پہونچتا ہے۔ اور اس وجہ سے اس بات کو دیکھکر مولوی صاحب (مولوی محمد علی صاحب) کو تکلیف ہوئی ہے۔ اس لئے اس کا کچھ تدارک ہو جائے تو بہتر ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا، کہ قلم دوات لاؤ میں کچھ لکھ دیتا ہوں۔ چنانچہ مولوی صاحب کے کمرے سے کاغذ اور قلم دوات حضرت صاحب کے پیش کر دی۔ حضرت صاحب نے اس کاغذ پر چند کلمات لکھدیئے جن کو یہ لوگ دکھلاتے پھرتے ہیں۔ اور بڑا فخر کرتے ہیں، کہ دیکھو انجمن کی نسبت حضرت نے یہ لکھا ہے۔ مگر مجھے بخوبی یاد ہے، کہ حضرت صاحب نے اپنے معمول کے مطابق وہ کاغذ مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کے ہاتھ میں نہیں دیا، بلکہ ان کی طرف دور سے پھینک دیا۔ اور پھینکتے ہی اٹھکر تشریف لے گئے۔ مجھے یہ بھی یاد ہے، کہ حضرت صاحب جب تشریف لے گئے، تو خواجہ صاحب نے تھوڑی دیر کے بعد اس تحریر کو پھر پڑھا، اور مولوی محمد علی صاحب کو کہا، کہ مولوی صاحب! میں نے آپ کو ایسی تحریر لے دی ہے، کہ ہمکو اس قسم کی جو کمٹ میں رکھنا چاہیئے۔ لفظ مجھے یاد نہیں، کہ کیسی جو کمٹ کہا۔ بعد میں بھی میں نے خواجہ صاحب کو اس تحریر پر فخر کرتے ہوئے سنا ہے۔ یہ فیصلہ ان کا منشا تھا۔ سید محمد سرور"۔

مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہیں، کہ جو تحریر حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی وفات سے سات ماہ پیشتر انجمن کو دی، اس میں اپنے بعد ہر قسم کے اختیارات انجمن ہی کو دیئے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کی اس تحریر سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل باطل ہے۔ اس تحریر میں کوئی نیا اختیار انجمن کو نہیں دیا گیا اور نہ اس تحریر میں اختیارات دینے کا کوئی سوال تھا۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ وہ تحریر ایک استفسار کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ اور جو بات استفسار میں پوچھی گئی۔ اسی بات کا اس تحریر میں جواب دیا گیا۔ اول وہ استفسار حسب بیان خواجہ کمال الدین صاحب ایسے معاملات سلسلہ کے متعلق تھا، جو انجمن کے ہاتھ میں تھے، نہ کہ تمام معاملات سلسلہ کی نسبت۔ دوئم ان محدود معاملات کے متعلق خواجہ صاحب نے دریافت کیا، کہ کیا ان میں انجمن کا اجتہاد کافی ہے، یا انجمن کے فیصلہ پر شخصی رائے کا کوئی اثر ہے۔ سوئم خواجہ صاحب کا استفسار اُن کارکنوں سے تعلق رکھتا تھا، جو انجمن کے ماتحت کام کرتے تھے۔ اور جن کا یہ فرض تھا، کہ وہ انجمن کے فیصلہ جات کی تعمیل کریں۔

خواجہ صاحب خود لکھتے ہیں، کہ یہ سوال مسجد مبارک کی تعمیر کی وجہ سے پیدا ہوا۔ حضرت میر صاحب نے جن کے سپرد مسجد کا تعمیر کرانا تھا، بقول خواجہ صاحب بعض بے ضابطگیاں کیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے، کہ انہوں نے انجمن کے فیصلہ جات پر عمل کرنے کے بجائے اپنی شخصی رائے پر عمل کیا۔

یہ واقعہ تھا جس کے متعلق خواجہ صاحب نے حضرت اقدس علیہ السلام سے استفسار کیا۔ استفسار کے الفاظ صاف ظاہر کر رہے ہیں، کہ وہ انجمن کے کارکنوں کے متعلق تھا۔ یعنی یہ کہ کیا ان کا فرض نہیں ہے، کہ وہ انجمن کے احکام اور فیصلہ جات پر عمل کریں۔ اور انجمن کی رائے کو کافی سمجھیں۔ یا ان کو اس بات کا حق حاصل ہے، کہ وہ انجمن کے فیصلہ جات کو چھوڑ کر اپنی شخصی رائے پر عمل کریں۔ یہ امر کہ حضرت میر صاحب مرحوم اس وقت انجمن کے ایک آنریری کارکن تھے۔ اور اس وجہ سے مسجد مبارک کی تعمیر کا کام آپ کے سپرد تھا، انجمن کے ریزولیوشنوں سے ظاہر ہے۔

ریزولیوشن ۶۷ ۲۹ جون ۱۹۰۷ء میں لکھا ہے" درخواست سیکرٹری کہ مسجد کی توسیع کے لئے اراضی ملحقہ باجازت حضرت اقدس نو سو روپیہ میں خریدی گئی ہے۔ جس کی رجسٹری پر مبلغ خرچ ہونے ہیں ... پیش ہو کر فیصلہ ہوا۔ کہ مبلغ معاصر زمین کے لئے اور زمین ہزار یکصد روپیہ حسب تخمینہ پیشکردہ حافظ محمد اسحٰق صاحب منظور ہیں۔ یہ کام عمارت کا نواب صاحب کی غیر حاضری میں میر ناصر نواب صاحب کے سپرد کیا جاوے"

پھر ریزولیوشن ۲۳ ۱۹۰۷ء میں لکھا ہے" تحریک نواب محمد علی خانصاحب ... کہ میرے پاس آجکل تین کام ہیں۔ اول محاسب۔ دوسرا افسر تعمیرات۔ تیسرا نائب امین۔ اور اس وجہ سے محاسب کا کام تھاپا میں پڑا ہوا ہے۔ لہٰذا ان میں سے افسر تعمیر کا کام کچھ مدت کے لئے مجھ سے لے لیا جائے۔ پیش ہو کر فیصلہ ہوا، کہ ۳۱ اگست ۱۹۰۷ء تک یہ انتظام کیا جائے کہ مسجد کی عمارت کا کام میر ناصر نواب صاحب کے سپرد کیا جاوے۔ اور سڑک مقبرہ بہشتی کا کام شیخ یعقوب علی صاحب کے سپرد ہو۔ اور باقی کام عمارت کا سیکرٹری کے سپرد ہو"

ان ہر دو ریزولیوشنوں سے ظاہر ہے، کہ مسجد کی تعمیر کا کام صدر انجمن نے حضرت میر ناصر نواب صاحب مرحوم کے سپرد کیا تھا۔ اور آپ ان ایام میں مجلس کے ایک آنریری کارکن تھے۔ پس جو اختلاف اس وقت پیدا ہوا، وہ انجمن اور انجمن کے ایک کارکن کے درمیان تھا۔ انجمن کے اُس کارکن نے انجمن کے فیصلہ جات کو صحیح نہ سمجھکر اپنی شخصی رائے کے ماتحت انجمن کے فیصلہ میں خود تبدیلی کرلی۔ اس معاملہ کے متعلق خواجہ صاحب نے حضرت اقدس سے فیصلہ مانگا۔ خواجہ صاحب کے استفسار کا صاف مطلب یہ تھا۔ کیا انجمن کے کارکن کو یہ حق حاصل ہے، کہ وہ انجمن کے فیصلہ کو غلط سمجھکر اپنی شخصی رائے پر عمل کرے؟ پس جو جواب حضرت اقدس نے فرمایا۔ اس کا تعلق بھی صدر انجمن اور اس کے ماتحت کارکنوں کے ساتھ تھا، اس تحریر کو سلسلہ کے تمام امور اور جماعت کے تمام افراد پر

ہادی قرار دینا ہرگز جائز نہیں ہے۔

حضرت اقدسؑ نے اس تحریر میں انجمن کے ایسے فیصلوں کی نسبت جو دینی امور سے متعلق ہوں یہ ہدایت فرمائی، کہ حضور کو ان کی اطلاع دیدی جایا کرے۔ یہ دینی امور بھی انہیں معاملات میں سے تھے جن کا انتظام انجمن کے سپرد تھا نہ کہ مذہب اسلام کے تمام دینی مسائل۔ ایسے دینی امور کے متعلق بھی حضرت مسیح موعودؑ نے یہ نہیں فرمایا، کہ حضور کی اجازت کے بغیر ان امور کا فیصلہ نہ کیا جائے بلکہ انجمن کو اجازت دی ہے، کہ اپنے دوسرے معاملات کی طرح ان معاملات کا بھی فیصلہ کرتے رہیں۔ صرف حضور کو اپنے فیصلہ سے اطلاع کر دیا کریں۔ اور بس۔ ایسے دینی امور کی مثال خود مسجد مبارک تھی۔ کیونکہ مسجد مبارک کا بنانا دینی امور میں سے ایک امر تھا۔ اور انجمن کے فیصلہ سے ظاہر ہوتا ہے، کہ انجمن نے بھی حضرت اقدس کی تحریر کا یہی مطلب سمجھا، کہ یہ ایسے دینی معاملات کے متعلق ہے، جن کا اہتمام انجمن کے سپرد ہے، جیسا کہ مسجد مبارک کی تعمیر چنانچہ ہم دیکھتے ہیں، کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس تحریر کے بعد انجمن مسجد مبارک کی تعمیر کے متعلق حضرت اقدس سے استمزاج کرتی رہی۔ انجمن اپنے ایک ریزولیوشن مورخہ ۲۵ر جنوری ۱۹۰۸ء میں لکھتی ہے: "رپورٹ سب کمیٹی تعمیر کہ مسجد مبارک کی پرانی چھت کی جگہ نئی چھت ڈالنے کے لئے ماسے روپیہ منظور کیا جاوے۔ پیش ہو کر فیصلہ ہوا، کہ سیکرٹری سب کمیٹی تعمیر حضرت اقدس سے استمزاج کر کے مسجد مبارک کی پرانی چھت کی اصلاح کرائیں۔ اس مسجد کے لئے مبلغ ماسے روپیہ منظور ہیں"

اس ریزولیوشن کے نیچے حسب ذیل نوٹ درج ہے: "۲۶ر جنوری ۱۹۰۸ء کو حضور علیہ السلام سے استمزاج کیا گیا۔ آپ نے اس کو پسند فرمایا، کہ چھت دوبارہ ڈالدی جائے۔ اور حسب تجویز سب کمیٹی ایک گارڈر استعمال کیا جائے۔ بیچ کے ہر دو ستون نکلوا دیئے جاویں" یہ تھی وہ تعمیل جو صدر انجمن نے حضرت اقدس کی اس تحریر کی کی۔ اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں، کہ انجمن نے حضرت اقدس کی اس تحریر کا کیا مفہوم سمجھا۔

باقی رہے حضرت اقدس کے یہ الفاظ کہ "یہ صورت میری زندگی تک ہے، بعد میں ہر ایک امر میں اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا" سو یاد رکھنا چاہیئے، کہ حضرت اقدس کے ان الفاظ سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا، کہ حضور نے اپنی زندگی کے بعد تمام اختیارات انجمن کے سپرد کر دیئے تھے کیونکہ یہ آخری فقرہ اس شرط کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، جو بعض دینی امور کے متعلق حضرت اقدس نے اپنی تحریر میں بیان فرمائی۔ اور ظاہر ہے، کہ وہ شرط آپ کی زندگی تک قائم رہتی۔ بعد میں دینی امور

دینوی امور متعلقہ انجمن میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا تھا۔ کیونکہ بعض دینی امور کے متعلق حضرت اقدس کو انجمن کے فیصلوں سے اطلاع کرنے کی وجہ حضرت اقدسؑ نے یہ فرمائی ہے، کہ شاید وہ ایسا امر ہو کہ خدا تعالٰے کا اس میں کوئی خاص ارادہ ہو۔ اور یہ وجہ حضرت اقدسؑ کی زندگی تک ہی باقی تھی۔ بعد میں دینی اور دنیوی امور میں اس لحاظ سے کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا تھا۔ کیونکہ اس بات کا علم کہ شاید وہ ایسا امر ہو، کہ خدا تعالٰے کا اس میں کوئی خاص ارادہ ہو، حضرت اقدس کی ذات سے ہی حاصل ہو سکتا تھا، آپؑ کی وفات کے بعد اس شرط کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے آپؑ نے تحریر فرمایا، کہ یہ صورت میری زندگی تک ہے۔ اور بعد میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔ ان الفاظ میں انجمن کو کوئی نیا اختیار نہیں دیا گیا۔ بلکہ اسی بات کا اعادہ کیا گیا ہے، جو حضرت اقدسؑ نے اپنی تحریر کے ابتداء میں لکھی تھی۔ یعنی جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے، کہ ایسا ہونا چاہیئے۔ اور کثرت رائے اس میں ہو جائے۔ تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہیئے۔ اور وہی قطعی ہونا چاہیئے۔ اس تحریر کے آخری الفاظ کا اس سے زیادہ کوئی مطلب نہیں، کہ جو شرط حضورؑ نے بعض دینی امور کے لئے لگائی تھی۔ وہ حضورؑ کی وفات کے بعد اُٹھ جائے گی۔ کیونکہ جس وجہ سے وہ شرط لگائی گئی تھی، اس کا تعلق حضور کی خاص ذات کے ساتھ تھا۔ اس وقت ہر امر متعلقہ انجمن کے فیصلہ کو کافی سمجھنا چاہیئے۔ اور انجمن کے کارکنوں کو اس کی تعمیل کرنی چاہیئے۔ ان آخری الفاظ میں کوئی نئی بات بیان نہیں کی گئی۔ بلکہ صرف درمیانی شرط کو اٹھا دیا گیا ہے۔ "صرف انجمن کا اجتہاد" اس لئے کہا گیا، کہ انجمن کے فیصلہ میں کسی ماتحت کارکن کو اپنی شخصی رائے کی وجہ سے دخل نہیں دینا چاہیئے بلکہ اسی کو قطعی سمجھنا چاہیئے۔ اور اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔ (باقی آئندہ)

دینِ فطرت
اسلام یا مسیحیت

— ۲ —

"دینِ فطرت اسلام یا مسیحیت" کے عنوان سے ایک کتاب پادری برکت اللہ صاحب ایم۔اے نے لکھی ہے، اس پر تبصرہ کی پہلی قسط مئی ۱۹۳۲ء کے "ریویو" میں چھپ چکی ہے۔ یہ اس کی دوسری قسط ہے ناظرین اسے پہلی قسط کے ساتھ ملا کر مطالعہ فرمائیں۔

فصل سوم میں جس بحث کو اٹھایا گیا ہے، وہ عیسائیت کا سب سے بڑا کمزور پہلو ہے اس فصل میں پادری صاحب ہمیں بتاتے ہیں، کہ انسان میں ایک نہایت اہم جبلت جبلتِ تولید نسلِ نوعی ہوتی ہے" اس کے ذریعہ ایک حیوان اپنی نوع کے حیوان پیدا کرتا ہے۔ نر و مادہ کے باہمی تعلقات اسی جبلت کی وجہ سے ظہور میں آتے ہیں۔ . . . اس جبلت کے لئے بیاہ اور ازدواج کا وجود اور اس حالت کا قیام نہایت ضروری امور ہیں"

ایک طرف یہ حقیقت ہے اور دوسری طرف مسیحیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح تمام عمر بے زن اور بے فرزند رہے۔ اور زندگی بھر انہوں نے جنسی تعلقات کو قائم نہیں کیا، صاف ثابت ہوا کہ مسیحؑ نہ کامل انسان تھے، کیونکہ ان میں اس جبلت کے وجود کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور نہ کامل نمونہ، کیونکہ وہ کسی کے باپ نہ تھے، کہ باپوں کے لئے نمونہ ہوتے، وہ کسی کے خاوند نہ تھے، کہ خاوندوں کے لئے نمونہ ٹھہرتے۔ وہ کسی کے داماد نہ تھے، کہ آدابِ فرزندی کا نمونہ دکھاتے وہ کسی کے خسر نہ تھے، کہ شفقتِ خسروانہ کا اظہار ان سے ہوتا۔ غرض ان کی زندگی اتنی کامل اور جامع نہ تھی، کہ معاشرت کے تمام پہلوؤں کے لئے اسوہ کا کام دے سکتی۔ اس زبردست اعتراض سے بچنے کے لئے پادری صاحب نے بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ لیکن پادری صاحب اس اظہارِ حقیقت کو برا نہ منائیں، کہ اس میں انہیں سخت ناکامی ہوئی ہے۔

بے شک یہ درست ہے، کہ ہر انسان کو نہ صرف جبلتِ جنسی بلکہ ہر جبلت کی وافر اور

فاضل طاقت اور عظیم توانائی اعلیٰ ترین مقاصد اور اغراض کو حاصل کرنے کی جانب راغب کرنی چاہیئے۔"
لیکن اس سے مسیح کے مجرد اور غیر شادی شدہ ہونے کا جواز تو ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ دینِ فطرت کا یہ منصب نہیں، کہ وہ انسان کے فطری قویٰ کو تبدیل کر دے، اور مرد کو نامرد کر کے دکھلا دے۔ بلکہ اس کی علتِ غائی یہ ہے، کہ جو قویٰ اور ملکات فطرتاً انسان کے اندر موجود ہیں، ان کو اپنے محل اور موقعہ پر لگانے کے لئے رہبری کرے۔ اور پھر ہر جبلت کی فاضل طاقت اور عظیم توانائی کو اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول کی طرف لگا دے۔ لیکن مسیحؑ نے تو یہ نہیں کیا۔ اور بالفرض اگر ان میں جبلت جنسی موجود بھی تھی، تو انہوں نے انسانی درخت کی اس شاخ کو جڑھ ہی سے کاٹ دیا، اور خلاف فطرت زندگی بسر کی۔ چاہیئے تو یہ تھا، کہ وہ اس طاقت کا جائز استعمال کر کے بدکار دُنیا کے لئے پاک نمونہ پیش کرتے۔ لیکن ہوا یہ کہ تمام عمر غیر شادی شدہ رہ کر اپنی اس طاقت ہی کو مشتبہ کر دیا۔ پادری صاحب نے یہ دعویٰ تو کیا ہے کہ "مسیحؑ کو نین نے اس جبلت کی تمام کی تمام توانائی اور عظیم طاقت کو راہِ خدا میں خرچ کر دیا۔" لیکن سوال تو یہی ہے، کہ آپ نے ص[illegible] پر دینِ فطرت کا لازمہ یہ قرار دیا ہے کہ وہ جبلت جنسی کی وافر اور فاضل طاقت اور عظیم توانائی اعلیٰ ترین مقاصد اور اغراض کو حاصل کرنے کی جانب راغب کرے۔ پھر مسیح نے وافر اور فاضل طاقت خرچ کرنے کی بجائے تمام کی تمام طاقت کیوں خرچ کر دی۔ کچھ حصہ تو بچا رکھا ہوتا، تا دنیا کے لئے کامل نمونہ بن سکتے۔

اس فصل میں جناب پادری صاحب نے ایک نہایت عجیب و غریب دعویٰ یہ فرمایا ہے، کہ نکاح متعہ قرآن سے ثابت ہے۔ ہمارا جناب پادری صاحب کو یہ مشورہ ہے، کہ وہ اپنے اس دعویٰ کو واپس لے لیں۔ ورنہ اس کا ثبوت وہ قیامت تک نہیں دے سکیں گے۔

ص[illegible] پر پادری صاحب فرماتے ہیں:۔

"اسلامی ممالک کی تاریخ اس حقیقت کو ظاہر کر دیتی ہے، کہ اسلام میں کوئی حکم قاعدہ یا قانون ایسا نہیں، جس کے لئے دورِ حاضرہ کی عورت خدا کا شکر کر سکے۔"

عیسائیوں کے ہاں مرنے والے کی تمام جائیداد کا وارث بڑا لڑکا ہے۔ لڑکی محروم رہتی ہے۔ لیکن اسلام اسے محروم نہیں کرتا۔ پادری صاحب! تبلایئے۔ کیا اسلام کے اس حکم کے لئے دورِ حاضر کی عورت خدا کا شکر نہیں کر سکتی؟

انگلستان میں کوئی عورت جائیداد کی مالک نہیں۔ لیکن اسلام اس کے مالی استقلال کو تسلیم کرتا ہے۔ کیا اس قاعدہ کے لئے دورِ حاضر کی عورت خدا کا شکر نہیں کر سکتی؟

انگلستان میں کوئی عورت مستقلاً کوئی دعویٰ نہیں کرسکتی۔ لیکن اسلام اس کا یہ دیوانی حق اسے عطا کرتا ہے۔ کیا اس قانون کے لئے دورِ حاضر کی عورت خدا کا شکر نہیں کرسکتی؟

فصلِ چہارم سے والدینی جبلت کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے، کہ پادری صاحب کو اس بحث کے اٹھانے کی جرأت کیونکر ہوئی۔ کیونکہ مسیح تمام عمر مجرد رہنے کی وجہ سے بے اولاد رہے۔ وہ عملاً جانتے ہی نہ تھے، کہ باپ کے کیا فرائض اور جذبات ہوتے ہیں۔ اولاد کی محبت کیا تقاضا کرتی ہے۔ شفقتِ پدری کسے کہتے ہیں۔ بیٹا بننا کیا ہوتا ہے۔ آداب فرزندی کی کیا نوعیت ہے۔ پادری صاحب زورِ تحریر میں جو چاہیں لکھ جائیں۔ اور جس طرح چاہیں، یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ کہ انسان کی معاشرتی زندگی میں اس جبلت کا میلان بہت وسیع ہے۔ غلامی کے خلاف تحریک اچھوتوں اور حیوانوں پر ظلم کی نیدش، کاشتکاروں سے غلامانہ سلوک کا انسداد، شفاخانوں کا اجراء اور تجارت کا ظہور سب اسی جذبہ کی وجہ سے ہے لیکن اس حقیقت کو وہ کہاں چھپا لینگے، کہ اس جذبہ کا اصل اور بنیادی تعلق باپ اور بیٹا ہونے سے ہے۔ اور مسیح ان دونوں حیثیتوں سے محروم تھے۔

اسی فصل میں ص۸۵ پر پادری صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے، کہ "قرآن میں بچوں کے حقوق اور والدین کے فرائض اور ان کی ذمہ داریوں کی نسبت کہیں بھی ذکر نہیں"۔

ہمیں افسوس ہے، کہ پادری صاحب نے یہ بالکل غلط بات لکھی ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اور اسلام کے بیسیوں احکام ان کے اس دعویٰ کو نہایت وضاحت سے جھٹلا رہے ہیں۔ ہمیں حیرت ہے۔ پادری صاحب مسلسل غلط بیانیوں پر کیوں اُتر آئے ہیں کیا اس کی یہ وجہ نہیں کہ ان کے پاس اسلام کے خلاف کوئی سچا اعتراض نہیں ہے۔

عجیب بات ہے کہ یہی پادری صاحب اسی مضمون میں پہلے یہ لکھ آئے ہیں کہ:-

"قرآن میں بھی والدین کی اطاعت اور خدمت کی تعلیم موجود ہے۔ مثلاً والدین سے نیکی کرو۔ . . . . وغیرہ۔ پس انجیل و قرآن میں فرزندوں کے فرائض اور ذمہ داریوں کے متعلق احکام ہیں"۔ (ص۸۳)

دروغگورا حافظہ نباشد مشہور مثل ہے۔ پادری صاحب غور فرمائیں، کیا ان پر توبہ چسپاں نہیں ہوتی؟ پہلے ص۸۳ پر آپ نے فرمایا، کہ قرآن میں فرزندوں کے فرائض اور ذمہ داریوں کے متعلق احکام ہیں۔ کیونکہ وہاں اپنے مضمون کے ثبوت میں انہیں اس کی ضرورت تھی۔ پھر ص۸۵ پر لکھدیا،

کہ قرآن میں بچوں کے حقوق اور والدین کے فرائض اور ان کی ذمہ واریوں کی نسبت کہیں بھی ذکر نہیں ملا۔ اس لئے کہ یہاں اسلام پر اعتراض مقصود تھا۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔
اسی فصل میں پادری صاحب "والدینی جبلت اور ذات الٰہی کے تصور" کے ذیلی عنوان سے لکھتے ہیں:۔

"خالق نے والدینی جبلت ہماری سرشت میں ودیعت فرمائی ہے۔ پس اس جبلت کے تقاضوں کو انسان بخوبی جانتا ہے۔ پس اگر کوئی مذہب ایسا ہو، جو اس جبلت کے ذریعہ خدا کی ذات کا علم ہم پر منکشف کرے، تو ہم اس علم کو جان سکیں گے۔ . . . پس ہم خدا کی ذات کا علم اپنی سرشت کے قویٰ اور طبعی رجحانات کے ذریعہ حاصل کر سکتے ہیں۔"

ہم پادری صاحب کو خوشخبری دیتے ہیں، کہ ایسا مذہب اسلام ہے، جو اس جبلت کے ذریعہ خدا کی ذات کا علم ہم پر منکشف کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (بقرہ-۲۵)

یعنی تم اسی والہیت، بے غرضی اور بے لوثی کے ساتھ اپنے رب کو پہچانو، اور اس سے پیار کرو جس طرح تم اپنے باپوں کو پہچانتے ہو اور ان سے پیار کرتے ہو، بلکہ اس سے بھی بڑھکر۔ دیکھو اس آیت میں ہمیں اسلام کے خدا اور اس کے بندوں کے درمیان تعلق کی مثال اس تعلق میں ملتی ہے، جو ایک باپ اور بیٹے کے درمیان ہوتا ہے۔ جس کی اساس ایک نفسیاتی دلبستگی اور بے لوث و بے غرض محبت کے سوا کچھ نہیں۔ اسی طرح ہمیں بتایا گیا ہے، کہ ہم ذات الٰہی کی معرفت اور محبت اسی والدینی جبلت کی صحیح معرفت اور تربیت کے ذریعہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ الٰہی کلام کو سمجھنے کے لئے اسلام نے اسی تعلق کو پیش کیا ہے جیسے فرمایا۔ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ اَبْنَاءَهُمْ۔ بے شک اسلام نے یہ کہکر کہ "خدا تمہارا باپ ہے" الوہی تقدس پر بٹہ نہیں لگایا، اور نہ غیر فطری بات کے بیان کا ارتکاب کیا ہے۔ لیکن اس نے ذات الٰہی کے تصور کے بارے میں والدینی جبلت کا تعلق قائم کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ انسانی سرشت الٰہی ذات کے سمجھنے میں کس طرح مدد دیتی ہے۔

اسی فصل میں صـ۲۵ پر آپ لکھتے ہیں:۔

"اسلام میں اخوت انسانی کا اصول ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔" معلوم نہیں جناب

پادری صاحب کس بھول بھلیوں میں سرگرداں رہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں تو آدم کو تمام بنی نوع انسان کا باپ اور حوّا کو ماں قرار دیکر اخوتِ انسانی کا کھلا کھلا اصل پیش کیا گیا ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ۔ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔

پادری صاحب تبلایئے! کیا قرآن مجید کی اس آیت میں تمام بنی نوع انسان کو ایک ماں باپ کی اولاد قرار دے کر سب کو آپس میں بھائی بھائی نہیں قرار دیا گیا؟ اور کیا اس میں صریح طور پر ہمیں اخوت انسانی کا سبق نہیں ملتا؟ کاش! اسلام پر یہ اعتراض کرتے وقت آپ نے کچھ تو سوچا ہوتا۔ اسلام کی تعلیم تو اخوت انسانی کے باب میں اس قدر واضح ہے کہ اس کے سخت سے سخت دشمن بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ خود مسلمانوں کا گذشتہ تیرہ سَو سال کا طرز عمل بھی اس بات کی کافی شہادت ہے۔ کہ اسلام بنی نوع انسان کے بھائی چارہ کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن پادری برکت اللہ صاحب نہ معلوم اسلام دشمنی پر کیوں ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ کہ ایک ایسی واضح حقیقت کا جو سب دُنیا کو نظر آرہی ہے، انکار کئے چلے جا رہے ہیں۔

فصل پنجم میں لڑاکا پن کی جبلت پر بحث کی گئی ہے۔ اور ہمیں بتایا گیا ہے، کہ دین فطرت کا یہ کام ہے کہ جنگجوئی کی جبلت کی تربیت کرے۔" (صفحہ ۱۰۱) اور واقعہ یہ ہے، کہ مسیح نے اس جبلت کے تقاضوں کو قطعاً پورا نہیں کیا۔ بلکہ اس کو اصلاً مار ڈالنے پر زور دیا ہے۔ حالانکہ ہماری فطرت کی جبلتوں کا یہ تقاضا ہے، کہ ان کو پورا کیا جائے۔ اور ان کے پورا کرنے کی راہ میں کوئی روک وٹ نہ ہو۔ (صفحہ ۱۰۱) مسیح نے تعلیم دی، کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے۔ دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔" (متی ۵:۳۹)

اب پادری صاحب اپنے پیشکردہ اصول اور انجیلی تعلیم میں مطابقت دکھائیں۔ ظاہر ہے کہ جو جبلتیں اللہ تعالےٰ نے انسان کو عطا کی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی بیکار اور رائیگاں نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک جبلت اپنی اپنی جگہ عین مصلحت سے پیدا کی گئی ہے۔ اور جس طرح کسی موقعہ پر حلم و درگذر اخلاق حمیدہ میں سے سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح کسی وقت انتقام اور مجرم کو سزا دینا اخلاق فاضلہ میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ نہ ہمیشہ درگذر اور عفو قرین مصلحت ہے، اور نہ ہمیشہ مقابلہ اور سزا مصلحت کے مطابق۔ اور یہی اسلامی تعلیم ہے۔ جیسے فرمایا:۔ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ

مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ- یعنی بدی کی سزا اس قدر ہے جس قدر بدی کا ارتکاب کیا گیا۔ لیکن اگر کوئی شخص درگذر سے کام لے، اور اس درگذر سے کوئی اصلاح مقصود ہو، تو ایسا شخص اللہ تعالےٰ کے حضور مستحق اجر و ثواب ہے۔ یہ تو قرآنی تعلیم ہے، جس پر اعتراض کرتے ہوئے پادری صاحب نہیں تھکتے۔ اس کے مقابل پر جیسا کہ متی ۵/۳۸ سے ظاہر ہوتا ہے، انجیل میں بغیر کسی شرط کے ہر ایک جگہ عفو و درگذر کی ترغیب دی گئی ہے اور تمام دوسرے مصالح کو جن پر سلسلہ تمدن چل رہا ہے، پامال کر دیا ہے۔ یقیناً دین فطرت اسلام ہے، جس نے صرف ایک پہلو پر ہی زور نہیں دیا، بلکہ کبھی تو عفو و درگذر کی تلقین کی ہے اور کبھی مناسب محل مجرم کو سزا دینے کے لئے فرمایا ہے۔ تا انسانی اخلاق بگڑنے نہ پائیں۔ اور شیرازہ قومی درہم برہم نہ ہو جائے۔ اور درحقیقت یہی وہ تعلیم ہے جس پر عمل ہو رہا ہے انجیل کی تعلیم پر تو کہیں بھی عمل نہیں ہو رہا۔ خود یورپ جو عیسائی کہلاتا ہے، انجیل کی تعلیم کے خلاف جا رہا ہے۔ موجودہ جنگ میں کیا پروٹسٹنٹ اور کیا کیتھولک سب فرقوں کے پادری اور پوپ ہٹلر کے خلاف دھواں دھار تقریریں کر کے لوگوں کو ظالم کا مقابلہ کرنے کی تعلیم دے رہے ہیں۔ آخر یہ کس تعلیم کے مطابق ہے۔ کیا انجیل ظالم کا مقابلہ کرنے کی تعلیم دیتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہاں قرآن مجید کی یہ تعلیم ضرور ہے۔ اور یہی وہ تعلیم ہے، جو قابلِ عمل ہے۔ اور یہ بجائے خود اس امر کا بین ثبوت ہے۔ کہ صرف قرآنی تعلیم ہی ہر زمانہ کے لئے موزوں ہے، نہ انجیلی تعلیم۔

کتاب کے پڑھنے سے ہمیں ابتک یہ خوشی ضرور ہوئی کہ اسلام کے متعلق اپنے تمام تر تعصب اور اس کی تعلیمات سے اپنی تمام تر ناواقفیت کے باوجود جناب پادری صاحب نے انسانی جبلّتوں کی تشریح و توضیح میں بڑی دلچسپ بحثیں کی ہیں۔ اور گو وہ اپنے دعوٰی اور اصل میں کہیں بھی مطابقت پیدا نہیں کر سکے، تاہم انہوں نے کسی نہ کسی طرح اپنے ایم۔ اے تک کے پڑھے ہوئے فلسفہ کو کسی ٹھکانے تو لگایا ہے۔ لیکن فصل ششم کے مطالعہ سے پادری صاحب کی تاریخ دانی کے متعلق جو رائے ذہن میں قائم ہوتی ہے، پادری صاحب اُسے سُنکر یقیناً خوش نہیں ہونگے کتاب کی تمام فصلوں میں سے سب سے لمبی یہی فصل ہے۔ اور غالباً تاریخ کے متعلق ان کی ناواقفیت کا سب سے زیادہ مظاہرہ بھی اسی میں ہوا ہے ہر وہ شخص جس کی تاریخ پر نظر ہے علمی میدان میں مسلمانوں کے درخشندہ کارناموں کو جانتا ہے۔ مگر ان ایم اے تک پڑھے ہوئے

پادری صاحب کو کون بتائے کہ اسلام کے متعلق یہ جو آپ فرما رہے ہیں، کہ جہاں کہیں اسلام گیا اس کی تعداد اور غلبہ نے تجسس، تفحص اور استفسار کا خاتمہ کر دیا" سرتا پا غلط، نا واجب اور غیر درست ہے۔

پادری صاحب نے بغیر محققانہ غور کے پہلے ص۱۶۳ پر اور پھر ص۱۸۰ پر لکھ دیا ہے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ اگر خود انہیں اسلامی مسائل کے سمجھنے کی توفیق نہیں۔ تو ہم عرض کریں گے کہ اس سلسلہ میں انہیں حضرت مولانا شیر علی صاحب کی کتاب "قتل مرتد اور اسلام" کا مطالعہ کر لینا چاہیئے، جو قادیان سے شائع ہو چکی ہے، تا کہ انہیں معلوم ہو جائے، کہ اسلام محض ارتداد کے لئے قتل کی سزا تجویز نہیں کرتا۔

ساتویں فصل میں اجتماع پسندی کی جبلّت پر بحث کی گئی ہے مسیح نے صاف فرمایا تھا کہ میں صرف بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں، اور یہ کہ میری برکت صرف میری قوم کے لئے ہے۔ لیکن پادری صاحب کی کتاب کے پڑھنے والوں سے ہم یہ گذارش کرینگے کہ اس کے باوجود اگر وہ ص۱۶۷ پر یہ پڑھیں کہ "منجی عالمین اس دنیا میں اس لئے آئے تاکہ ہر زمانہ اور ہر ملک اور قوم کے ہر مرد اور ہر عورت، ہر بچے اور ہر جوان اور ہر بوڑھے کو نجات دیں" تو وہ ان کی حق شناسی کا نوحہ نہ کریں۔

ص۲۰۶ پر پادری صاحب حضرت مسیح کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"آپ کی ذاتِ پاک میں جبلّت تحکم اور جبلّت عجز دونوں اپنی کمالیت میں جمع تھیں اور آپ نے ان دونوں جبلّتوں کے ذریعہ اس محبت کا اظہار فرمایا، جو آپ کے دل میں بنی نوع انسان کے لئے موجزن تھی"

ہم نے پادری صاحب کی اس کتاب کو بغور پڑھا ہے۔ ہم اعتراف کرینگے، کہ انہوں نے اس میں بہت جگہ مسیح کے حلم اور فروتنی کے مضمون کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔ مگر کہیں بھی اس کے ساتھ آپ کی جبلّت تحکم کے اظہار کی مثال نہیں دی۔ بلکہ بلا دلیل یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ مسیح کی ذاتِ پاک میں جبلّتِ عجز کے ساتھ جبلّتِ تحکم بھی اپنی کمالیت میں جمع تھی۔ گو پادری صاحب نے تو مسیح کی جبلّتِ تحکم کے وجود کا کوئی ثبوت نہیں دیا۔ مگر ہم انجیل جلیل سے اس کا ثبوت دیتے ہیں۔ دیکھیے ایک کنعانی عورت کی درخواستِ دعا پر کس طرح اس جبلّتِ تحکم کا اظہار ہوتا ہے فرماتے ہیں مناسب نہیں، کہ لڑکوں کی روٹی لیکر کتوں کو پھینک دیں" (متی ۱۵/۲۶)

اسی طرح جب ایک موقعہ پر فقیہی اور فریسی جمع ہو کر نشان مانگنے آئے، تو اس مجسمۂ حلم پادری نے کمال عتاب سے فرمایا: "اس زمانہ کے بد اور حرامکار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں" (متی ۱۲/۳۹)۔ اور پھر انہیں سانپ اور سانپوں کے بچے کہا۔ لیکن سوال یہ ہے، کہ کیا اس سے محبت اور رافت کا بھی اظہار ہوتا ہے، جو آپ کے دل میں ان بدوں، حرامکاروں، سانپوں اور سانپ کے بچوں کے لئے موجزن تھے؟

کتاب کی دسویں فصل خلاصہ کتاب کے نام سے موسوم ہے اور اس طرح کتاب کے آخر میں سارے مضمون کو مختصر الفاظ میں دہرا کر اس سلسلہ کو ختم کر دیا گیا ہے۔

عیسویت پر احمدیت کے حملے بڑے سخت ہیں۔ اور اس کا اعتراف عیسائی مبصرین آئے دن کرتے رہتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں براہ راست احمدیت سے کوئی خطاب نہ تھا، لیکن اس میں پادری صاحب کے قلم سے بعض ایسے فقرے نکل گئے ہیں، جن سے معلوم ہو سکتا ہے، کہ عیسائیت پر احمدیت کے جانسوز حملے ان کے لئے کس قدر سوہان روح ثابت ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ پادری صاحب فلسفیانہ انداز میں یہ بیان فرمانا چاہتے ہیں، کہ جبلّت اجتماع پسندی کی صحیح تربیت کا انتظام اسلام میں موجود نہیں، اور وہ افراد کی قدر و قیمت بطور ایک ذمہ دار فرد کے نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا نصب العین اسلامی جماعت کی زندگی اور ترقی ہے۔ اب ظاہر ہے اس مضمون کے ساتھ احمدیت یا "مرزائے قادیانی" کا کوئی خاص براہ راست تعلق نہیں اور نہ اس پر عتاب فرمانے کی کوئی وجہ تھی۔ مگر جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کی خاطر بلا تعلق مثال کے رنگ میں آپ احمدیت کے خلاف یوں زہر چکانی کرتے ہیں:۔

"مرزائے قادیانی کا وجود (اسلامی) جماعت کے لئے باعث خطرہ ہے، تو قرآنی احکام کے مطابق وہ گردن زدنی ہے"!

"مرزائے قادیانی" نے ہمارے مذہب کو بے سانس اور بے آس کر رکھا ہے۔ ہمارے پاس اس کے دلائل و براہین کا جواب نہیں، اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ آؤ اسے گردن زدنی قرار دے کر ہولی ٹرنٹی چرچ کے دار الافتاء سے اس کے لئے قتل کا فتویٰ ہی صادر کر دیں۔ اگر اس طرح پادری صاحب نے احمدیت کے خلاف اپنا دلی بخار نکالنے کی کوشش نہیں کی، تو بتایا جائے، کہ آخر یہاں خاص بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کو گردن زدنی قرار دینے کی

ایسی کونسی ضرورت پیش آگئی تھی؟ کیا اس فتویٰ قتل کے بغیر ان کا خلاصہ کتاب ادھورا اور نامکمل رہا جاتا تھا؟ ایک اور موقعہ پر بھی پادری صاحب نے احمدیت کا ذکر کیا ہے، اور وہ بھی اسی انداز میں جس سے صاف ظاہر ہے، کہ احمدیت کے حملوں نے عیسائیوں کو ہراساں اور لاجواب کر رکھا ہے۔ آپ نہ صرف گالیوں پر بلکہ بالکل بے موقعہ گالیوں پر اُتر آئے ہیں۔ یہ ذکر صفحہ پر کیا ہے۔ یہاں آپ نے ہمارے رسالہ ریویو آف ریلیجنز سے اپنے مطلب کی تائید میں ایک اقتباس پیش کیا ہے، اور لکھا ہے، کہ "تاریخ اس قادیانی کے خیال کی تائید کرتی ہے" اب دیکھئے قادیان سے ایک آواز بلند ہوتی ہے۔ پادری صاحب اسے درست تسلیم کرتے ہیں۔ تاریخ اس کی تائید کرتی ہے۔ پھر بھلا قادیان کو یہ کہکر گالی دینے کی کیا ضرورت تھی کہ "قادیان جیسے ظلمت کدہ سے بھی یہی آواز بلند ہوتی ہے" انسان جب دلائل سے عاجز آجاتا ہے، اور اس کے پاس کوئی سچی بات کہنے کو نہیں رہتی، تو وہ دشنام طرازی پر اُتر آتا ہے۔ یہی حال جناب پادری برکت اللہ صاحب کا ہے۔ اور اس کے باوجود آپکو محقق ہونے کا دعویٰ ہے۔

تفسیر سروری

محقق تبحر مباحث احمدیہ کے مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کی وہ تفسیر القرآن جو رسالہ ریویو (اُردو) میں چھپتی رہی ہے۔ اور جس میں حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی تفسیر بھی بیان ہوئی ہے، اس کی گنتی کی جلدیں برائے فروخت دفتر میں موجود ہیں۔ یہ تفسیر شروع سے آٹھویں پارے تک کی ہے مگر درحقیقت اس میں سارے قرآن مجید کے مشکل مقامات حل کئے گئے ہیں۔ یہ نہایت عام فہم تفسیر ہے اس کے پڑھنے سے حسب استعداد تفسیر القرآن کا ملکہ پیدا ہوجاتا ہے۔ رسالہ ریویو کے سائز پر اس کے کل دو ہزار صفحے ہیں۔ پہلے اس کی قیمت پندرہ روپے تھی۔ مگر اب بعض ضروری ضروریات کی وجہ سے اسکی رعایتی قیمت صرف چھ روپے رکھی گئی ہے۔ آج ہی بذریعہ منی آرڈر بنام مینیجر رسالہ ریویو (اُردو) ارسال فرماکر اپنے لئے ایک جلد محفوظ کرالیں۔ بعد میں یہ بیش بہا خزانہ کسی قیمت پر بھی نہ مل سکیگا مجلد کی قیمت ساڑھے سات روپے ہے۔

ملنے کا پتہ: مینیجر رسالہ ریویو (اُردو) قادیان

وصیتیں

نوٹ:- وصایا منظوری سے پہلے اس لئے شائع کیجاتی ہیں کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو دفتر کو اطلاع دے۔

نمبر ۶۱۶۲:- منکہ نعمت علی ولد نتھو شاہ قوم سید پیشہ ملازمت عمر تقریباً ۴۴ سال تاریخ بیعت ۱۹۲۶ء ساکن بستی ہشت خاں ڈاکخانہ بہادر پور باہیاں ضلع ہوشیار پور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ¹⁄₂₉ ۹ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری حسب ذیل جائیداد ہے۔ ایک مکان خام اور ایک بیٹھک قیمت اندازاً -/۴۰۰ روپیہ ہے۔ اور علاوہ ازیں چار کنال زمین واقعہ بستی ہشت خاں قیمتی تقریباً -/۴۰۰ روپیہ ہے اس کے علاوہ اور کوئی جائیداد نہیں۔ میری گذر اوقات ملازمت پر ہے جس کی تنخواہ مبلغ -/۴۷ روپے ہے اور میں تازیست ¹⁄₁₀ حصہ اپنی ماہوار آمدنی کا ادا کرتا رہوں گا۔ جو کہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں، کہ میری جائیداد جو بوقت وفات ثابت ہو۔ اس کے بھی ¹⁄₁₀ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کی مد میں کروں تو اس قدر روپیہ اس کی قیمت سے منہا کر دیا جائیگا۔ العبد:- نعمت علی بقلم خود ۵۳۵۰۱ ریپ کمپنی ۶ پلاٹون آئی اے او سی سیکنڈ بٹالین جبل پور چھاؤنی سی پی۔ گواہ شد:- غلام مصطفٰے صادق جبل پور۔ گواہ شد:- منظور احمد خاں ثاقب جبل پور +

نمبر ۶۱۶۳:- منکہ ڈاکٹر منیر احمد خالد ولد مستری رحیم اللہ صاحب قوم راجپوت پیشہ ملازمت عمر ۲۷ سال پیدائشی احمدی ساکن شاہ آباد ڈاکخانہ خاص ضلع کرنال بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ¹⁄₄₂ ۳۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:- میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں اس وقت میری مستقل ماہوار آمد -/۵۵ روپے ہیں۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ¹⁄₁₀ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میری اس ماہوار آمد میں کبھی کبھی اضافہ ہوجاتا ہے۔ جس کی اطلاع باقاعدہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اور اس اضافہ کا ¹⁄₁₀ حصہ بھی داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اس کے علاوہ میرے مرنے کے وقت میرا جس قدر متروکہ ثابت ہو اسکے بھی ¹⁄₁₀ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:- منیر احمد خالد ایل ایس ایم ایف شاہ آباد ضلع کرنال۔ گواہ شد:- عطا محمد محرر صدر انجمن احمدیہ۔ گواہ شد:- محمد علی خان ... رضا صاحب ریٹائرڈ سب اسسٹنٹ سرجن قادیان -

نمبر ۶۱۶۵ ۔ منکہ کریم بخش ولد میاں محمد عبد اللہ قوم ڈار پیشہ دکاندار عمر ۲۴ سال پیدائشی احمدی ساکن ڈنگہ ضلع گجرات بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۲۰ ۵ ۴۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں ۔ میری اس وقت کوئی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد نہیں ہے میں اپنے والد صاحب کے ساتھ دکان پر جو کہ حلوائی کی ہے کام کرتا ہوں ۔ جس کے عوض والد صاحب کی طرف سے مجھے مبلغ تیس روپے ماہوار بطور گذران ملتے ہیں ۔ جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان ضلع گورداسپور کرتا ہوں ۔ اور اقرار کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا رقم کا ۱/۱۰ حصہ ماہ بماہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں گا ۔ اگر کوئی اور جائیداد پیدا کروں تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی ۔ میرے مرنے کے بعد اس سے زائد جائیداد ثابت ہو ۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی ۔ العبد ۔ کریم بخش ولد محمد عبد اللہ ڈار حلوائی کوئٹہ ۔ گواہ شد ۔ محمد عبد اللہ والد موصی ۔ گواہ شد ۔ سید شاہ زمان علی کلرک ملٹری اکونٹس ڈیپارٹمنٹ موصی ۵۰۰۵ ۔

نمبر ۶۱۶۶ ۔ منکہ محمد یوسف ولد قاضی محمد رمضان قوم راجپوت کھوکھر پیشہ ملازمت عمر ۲۲ سال تاریخ بیعت ۲۸ ۲ ۲۰ ساکن رسول کے ڈاکخانہ گجرات ضلع گجرات بقائمی ہوش و حواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۱۷ ۶ ۴۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں ۔ اس وقت میری کوئی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد نہیں ۔ میری وفات پر اگر میری کوئی جائیداد ثابت ہو تو صدر انجمن احمدیہ قادیان اس کے ۱/۱۰ حصہ کی حقدار ہے جس کی کہ آج میں وصیت کرتا ہوں ۔ میری موجودہ آمدنی ۷۵/- روپے ماہوار ہے میں تا زیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا ۔ العبد : محمد یوسف موصی ۱۳۶ ایس ۔ پی ۔ ایس Recruitin Camp Poona ۔ گواہ شد ۔ مقبول احمد محلہ دار الرحمت ۔ گواہ شد : مبارک احمد کارکن نظارت بیت المال ۔

نمبر ۵۸۵۷ ۔ حاکم دین ولد کرم داد قوم جٹ وڑائچ پیشہ زمینداری عمر ۵۵ سال تاریخ بیعت ماہ اپریل ۱۹۱۰ء ساکن لنگے ضلع گجرات بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۲۷ ماہ امان ۱۳۲۱ ہش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں ۔ میری جائیداد بصورت زرعی چھ بگیہ از قسم چاہی و بارانی رقبہ واقع موضع لنگے تحصیل و ضلع گجرات ہے جو مبلغ تین صد روپیہ میں رہن ہے (۲) میرا گذارہ کاشتکاری کی آمد پر ہے جو غیر معین صورت میں

کاشتکاری بھی مَیں خود بوجہ کمزوری نہیں کرسکتا۔ بلکہ میرا لڑکا کرتا ہے جس سے مجھے اندازاً چالیس روپے سالانہ بطور گذارہ مل جاتے ہیں یہ رقم کم وبیش بھی ہوسکتی ہے اس سے میں ۱/۱۰ حصہ تازیست داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میرے مرنیکے وقت جس قدر متروکہ ثابت ہو۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ لہٰذا یہ وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ تحریر کردی کہ سند رہے۔ العبد۔ حاکم دین صحابی حال احمد آباد اسٹیٹ ڈاکخانہ نبی سر روڈ بیجے ریلوے ضلع تھرپارکر سندھ۔ گواہ شد۔ غلام احمد پریزیڈنٹ جماعت احمدیہ احمد آباد اسٹیٹ۔ گواہ شد:۔ فیض احمد انسپکٹر بیت المال؛

نمبر ۶۱۷ :۔ منکہ امۃ اللطیف طاہرہ زوجہ عبد الوہاب بن نور الدینؓ قوم قریشی پیشہ طالب علمی عمر ۱۶ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ بتاریخ ۲۰ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ گلوبند طلائی ۵ تولہ قیمتی ۲۵۰/- جھومر طلائی ایک تولہ ۸ ماشہ قیمتی ۸۵/- روپے نکلس طلائی ایک تولہ ۸ ماشہ قیمتی ۸۵/- روپے۔ میرا مہر ۱۵۰۰/- روپے ہے۔ جو میرے خاوند کے ذمہ ہے۔ زیور اور مہر ملا کر ۱۹۲۰/- روپے بنتا ہے۔ مَیں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ اگر میری کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ الامۃ:۔ امۃ اللطیف طاہرہ۔ گواہ شد: بقلم خود عبد الوہاب بن نور الدینؓ خاوند موصیہ۔ گواہ شد:۔ عبد القیوم۔ گواہ شد۔ شیخ غلام مجتبیٰ اختر

نمبر ۶۱۲۸ :۔ منکہ عبد الوہاب عمر ولد حضرت مولانا حکیم نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ قوم قریشی پیشہ طالب علمی عمر ۲۳ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان دارالامان ضلع گورداسپور بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۸ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل مکانات ترکہ میں چھوڑے جس میں حضور کے دیگر ورثاء بھی شامل ہیں۔ حضور کا رہائشی مکان جو سات حصوں پر مشتمل ہے۔ (۲) دوسرا مکان گلی کمہاراں کوچہ سید محمد علی شاہ میں ہے۔ (۳) تیسرا مکان حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے مکان کے ساتھ ملحق ہے (۴) چوتھا مکان بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی کے مکان کے پاس ہے۔ مندرجہ بالا سب جائیداد حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کے حق میں وقف کی ہوئی ہے۔ اگرچہ وقف

قائم رہے تو اس جائیداد کی آمدنی میں میرا جس قدر حصّہ ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ اور اگر وقف مذکورہ قائم نہ رہے تو دسویں حصہ جائیداد کی صدر انجمن احمدیہ قادیان دار الامان مالک ہوگی۔ نیز میرے پاس اس وقت ایک ہزار روپیہ نقد موجود ہے اس کے بھی دسویں حصّہ کی وصیت کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے ماہوار تعلیمی اخراجات منہا کر کے مبلغ ۔۔ روپے ماہوار بچتے ہیں اس ماہوار آمد کے ۱/۱۰ حصّہ کی بھی وصیت کرتا ہوں۔ اور اگر میری ماہوار آمد میں آئندہ اضافہ ہوا تو انشاء اللہ اس کا ۱/۱۰ حصّہ باقاعدہ ادا کرتا رہونگا۔ اور اس کے علاوہ میں جو کچھ بھی اپنے ترکہ میں چھوڑوں اس کے دسویں حصّہ کی مالک بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی؛

العبد: عبد الوہاب عمر متعلم طبیہ کالج دہلی۔ گواہ شد۔ مرزا منور احمد واقف زندگی۔ گواہ شد۔ ایم مبارک احمد خاں امین آبادی؛

نمبر ۶۱۱۵۔ منکہ رکن الدین ولد محمد بخش قوم بھٹی پیشہ مزدوری عمر ۵۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۰ء ساکن سوہل خورد ڈاکخانہ جلال پور جٹاں ضلع گجرات بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۴۲-۲-۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میرے پاس ایک مکان واقعہ قادیان تین سو روپیہ کا اور ایک صد روپیہ کا مال اپنے گاؤں میں یعنی کچا مکان اور مویشی وغیرہ کل جائیداد مبلغ چار صد روپیہ کی ہے۔ میں اس میں سے ۱/۱۰ حصّہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور اگر میرے مرنے کے بعد میری کوئی اور جائیداد ثابت ہو۔ تو اس کی بھی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر اس کا کوئی حصّہ ادا کرونگا تو وہ رقم وصیت میں سے منہا سمجھی جائے گی اور مجھے سالانہ آمد غلہ گندم وغیرہ اوسط بھاؤ میں مبلغ ساٹھ روپے سالانہ ہے لہذا بحساب کمی بیشی نرخ آمد کے ۱/۱۰ حصہ کو خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں فصل کے موقعہ پر بھیجدیا کرونگا۔ بقلم خود راقم الحروف پیر محمد پنوں احمدی ساکن نسووالی۔ العبد:۔ رکن دین موصی نشان انگوٹھا۔ گواہ شد:۔ محمد حسین احمدی ساکن سوہل خورد۔ گواہ شد:۔ سردار خاں پریذیڈنٹ؛

نمبر ۶۱۱۶۔ منکہ بیگم بی بی زوجہ مستری محمد صدیق صاحب قوم لوہار عمر پچاس سال تاریخ بیعت ۱۹۱۰ء ساکن کلاسوالہ ڈاکخانہ خاص ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۴۲-۳-۱ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری کوئی جائیداد نہیں سوائے مبلغ ایک صد پچاس روپیہ حق مہر کے جو میرے خاوند کے ذمہ ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصّہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اگر اس کے بعد میرے مرنے سے پیشتر یا مرتے وقت تک کوئی اور جائیداد میسر ہو جاوے

[illegible] کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ اگر میری وفات کے بعد میری کوئی جائداد ثابت ہو جائے تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان وارث ہوگی۔ الامتہ بیگم بی بی نشان انگوٹھا۔ گواہ شد۔ محمد حسین جمعدار کلرک۔ گواہ شد۔ مستری محمد صدیق خان [illegible] گواہ شد۔ [illegible] ہیڈ کلرک لوکو شیڈ ریلوے سٹیشن راولپنڈی ؛

نمبر ۴۴۵۸۔ منکہ شریف بیگم زوجہ چوہدری شریف احمد صاحب قوم جٹ عمر ۱۹ سال پیدائشی احمدی ساکن چوہدریک ۱۱۵ ڈاکخانہ سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۶/۱/۳۱ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ (۱) میرے مرنے کے وقت جس قدر میری جائداد ہو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ (۲) اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں تو ایسی رقم یا ایسی جائداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائے گی۔ (۳) میری موجودہ جائداد حسب ذیل ہے (۱) توڑیاں۔ نکلس۔ انگوٹھی۔ کلپ۔ کانٹے۔ ہر پانچ زیور طلائی و پازیب نقرئی قیمتی اندازاً -/۵۰۰۔ (۲) نقد مبلغ ۲۵ روپے (۳) مبلغ پانچصد روپیہ مہر جو میرے خاوند کے ذمہ واجب الادا ہے۔ لہذا یہ وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان لکھدی کہ سند رہے۔ الامتہ ۔ شریف بیگم زوجہ چوہدری شریف احمد صاحب کنری سندھ۔ گواہ شد۔ چوہدری شریف احمد خاوند موصیہ حال کنری سندھ۔ گواہ شد۔ چوہدری فیض احمد انسپکٹر بیت المال [illegible]

نمبر ۵۱۴۰۔ منکہ حمیدہ بیگم زوجہ چوہدری محمد عظیم صاحب قوم جٹ جھمٹ پیشہ ملازمت عمر ۳۰ سال پیدائشی احمدی ساکن نو لیکی ڈاکخانہ کاموں کی ضلع گوجرانوالہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۳۰/۴/۳۱ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری اس وقت مندرجہ ذیل منقولہ جائداد ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے (۱) حق مہر مبلغ چار صد روپیہ (۲) زیورات پہنچی طلائی تین تولہ قیمتی -/۱۵۰۔ کنٹھا طلائی تین تولہ قیمتی -/۱۵۰۔ ڈنڈیاں طلائی تین تولہ -/۱۵۰ انگوٹھی آدھا تولہ -/۲۵۔ سنٹاں نقرئی قیمتی -/۲۵۔ کل روپیہ حق مہر و زیور مبلغ نوسو روپیہ ہوتے ہیں۔ جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان ضلع گورداسپور کرتی ہوں۔ جس کو میں باقساط پانچ چھ سال تک ادا کر دونگی۔ اگر میں کچھ ادا نہ کر سکوں۔ تو میرا خاوند مذکورہ بالا چوہدری محمد عظیم صاحب ادائیگی کے ذمہ وار ہونگے۔ نیز اگر میرے مرنے کے بعد اس کے علاوہ کوئی اور جائداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت اس پر بھی ثابت ہوگی۔ الامتہ حمیدہ بیگم بقلم خود

گواہ شد۔ محمد عظیم خاوند موصیہ۔ گواہ شد۔ نصر اللہ خان۔

نمبر ۶۱۳۱۔ منکہ شکر الٰہی ولد چوہدری غلام حسین صاحب نمبردار قوم بھٹی پیشہ ملازمت عمر ۲۲ سال پیدائشی احمدی سکنہ دہلی بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۶ ماہ شہادت ۱۳۲۱ ہش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائداد نہیں کیونکہ میرے والد صاحب بفضل خدا زندہ ہیں۔ اس وقت میری ماہوار آمد مبلغ -/۶۰ روپے ہے۔ مَیں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میرے مرنے پر میرا جس قدر متروکہ ثابت ہو۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد۔ شکر الٰہی بقلم خود اکاؤنٹنٹ برانچ ایریہ ہیڈکوارٹرز انڈیا نئی دہلی۔ گواہ شد۔ سراج الدین احمد انچارج صدر بازار میل ڈسپنسری دہلی۔ گواہ شد۔ احسان الٰہی بھٹی سنٹرل پی۔ ڈبلیو۔ ڈی۔ نئی دہلی۔

نمبر ۶۱۵۹۔ محمد مسعود شاہ ولد سید محمود شاہ قوم سید پیشہ ملازمت عمر ۲۸ سال پیدائشی احمدی ساکن کلانور ڈاکخانہ خاص ضلع گورداسپور پیدائشی احمدی بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۶ ۶/۴۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری جائیداد کوئی نہیں۔ میرا گذارہ میری ملازمت کی تنخواہ پر ہے جو -/۹۳ ماہوار ہے میری اس تنخواہ سے -/۹ روپے ماہوار پراویڈنٹ فنڈ میں کٹتے ہیں۔ میرا پراویڈنٹ فنڈ اس وقت تک گورنمنٹ کی طرف قریباً چھ سات سو روپیہ جمع ہے۔ مَیں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ نیز اپنی ماہوار آمد کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ مَیں یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ اگر میری وفات پر میری کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد۔ سید محمد مسعود شاہ اسسٹنٹ سب انسپکٹر شیخوپورہ۔ گواہ شد۔ غلام حسین چاہلوی اوورسیر قادیان۔ گواہ شد۔ عبد الحکیم فرشتہ دار الرحمت

نمبر ۶۱۵۷۔ منکہ محمد علی ولد چوہدری غلام محمد قوم جٹ پیشہ زمیندارہ عمر ۲۲ سال پیدائشی احمدی ساکن ستھیالی ڈاکخانہ قادیان بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۱ ۶/۴۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری کوئی جائیداد نہیں۔ اور مَیں اپنے باپ کے ساتھ زمیندارہ کام کرتا ہوں۔ مَیں اپنے والدین سے الگ نہیں ہوں۔ اور زمیندارہ پیداوار سے جو میرا حصہ ہوگا اس سے دسواں حصہ مَیں اپنا چندہ ادا کرتا رہونگا۔ اندازاً میری سالانہ آمد -/۸۰ روپے ہے۔ مَیں اس کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میرے مرنے پر اگر میری جائداد

منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو تو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد۔ محمد مسلی بقلم خود موصی۔ گواہ شد:۔ غلام حسین ولد نور محمد سٹھیالی بقلم خود۔ گواہ شد۔ محمد شفیع ولد اللہ دتا سٹھیالی نشان انگوٹھا۔

نمبر ۶۱۵۱:۔ منکہ محمد یاسین ولد رحمت اللہ قوم افغان پیشہ ملازمت عمر ۴۲ سال تاریخ بیعت جون ۱۹۴۶ء ساکن ٹانگا افریقہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج [illegible] تاریخ ۲۵ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائیداد نہیں۔ اس وقت میری ماہوار آمد ۱۴۹/- ہے میں تازیست اپنی آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میرے مرنیکے وقت میری جس قدر متروکہ جائیداد ثابت ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی ؛ العبد: محمد یاسین معرفت [illegible] سٹیشن ٹانگا برٹش ایسٹ افریقہ۔ گواہ شد۔ مختار احمد ایاز۔ گواہ شد:۔ سید ناصر احمد شاہ ؛ گواہ شد:۔ شیخ مبارک احمد مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ

نمبر ۶۱۵۲:۔ منکہ حافظ محمد یوسف ولد غلام رسول قوم اعوان پیشہ ملازمت عمر ۲۹ سال تاریخ بیعت ۱۹۴۱ء ساکن انسیال ڈاکخانہ بھوسنچال خورد ضلع جہلم بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۱ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری کل جائیداد بغیر اشتراک کے زنبگیہ ۳ آٹھ مرلہ کم ہے جس کی قیمت اندازاً ساڑھے آٹھ سو روپیہ ہوگی۔ اور اس وقت میری ماہوار آمدنی بذریعہ ملازمت ۴۴ روپے ہے میں مذکورہ بالا جائیداد کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور اقرار کرتا ہوں کہ اپنی ماہوار آمد کا دسواں حصہ تازیست داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اور کمی بیشی کی اطلاع دفتر بہشتی مقبرہ قادیان کو دیتا رہونگا۔ میرے مرنے پر اگر میری کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس کے بھی دسویں حصے کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی ؛ العبد۔ حافظ محمد یوسف محلہ دارالرحمت قادیان گواہ شد۔ عبد المالک محلہ دارالفتوح۔ گواہ شد:۔ عبد الحکیم بقلم خود دارالرحمت [illegible]

نمبر ۶۱۶۵:۔ منکہ خورشید بیگم زوجہ محمد عبد اللہ صاحب جلد ساز قوم پٹھان عمر ۱۰ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد غیر منقولہ کوئی نہیں۔ میرا مہر مبلغ پانصد روپیہ جو بذمہ خاوند ہے اور زیور اندازاً مالیتی پچاس روپے کا ہے اس کے کل حصہ کی ۱/۱۰ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اسکے علاوہ اگر کوئی جائیداد میرے مرنے پر ثابت ہو۔ تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ الامۃ: خورشید بیگم موصیہ بقلم خود

گواہ شد۔ [illegible]

نمبر ۶۱۱۶: - منکہ ناصرہ بیگم زوجہ بابو مسعود احمد صاحب کلرک آرسنل کوئٹہ پیدائشی احمدی قوم جٹ دھاریوال
عمر ۲۰ سال ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۵/۱۱/۴۲ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں
میری جائداد منقولہ و غیر منقولہ مطابق ذیل ہے۔ (۱) منقولہ نیکلس طلائی پونے چھ تولہ بشرح ۵۰ فی تولہ۔
-/۸/۲۸۷ ۲- نفیسیاں طلائی سوا تین تولہ -/۸/۱۸۲- انگوٹھی طلائی ۶ ماشہ -/۲۵ ۴- چھیاں نقرئی ۲ تولہ
-/۳/۱- کل -/۴۸۸ یہ مجھکو خاوند کی طرف سے ملا ہے۔ (۲) منقولہ از ترکہ والدہ مرحومہ خود ۴ برتن تانبہ
مشین سلائی -/۸۰ ۲ یہ مجھکو میرے ماموں منشی نور محمد صاحب فاضل کی معرفت مل چکا ہے۔ (۳) تیلی -/۱
کانٹے -/۶۲- سوئی -/۲۵- کلپ -/۸ ۳- گھڑی -/۵ ۷ یہ میرے بھائی نے مجھے ترکہ والدین سے پیشگی دیا
ہے (۴) سامان متفرق -/۲۴ کل میزان -/۱۵۰۰ یہ سب سامان میرے خاوند کے پاس امانت ہے۔ (۵) حق
مہر مبلغ ایکہزار روپیہ ہے جس میں سے مبلغ -/۴۸۸ میں نے بصورت زیورات وصول کیا ہے۔ باقی مبلغ -/۵۱۲
رہتے ہیں۔ اس حساب سے میزان جائیداد منقولہ مبلغ -/۱۵۱۲ روپے ہوئی۔ علاوہ ازیں حق ترکہ پدری
میں کچھ مکان و زمین جو ابھی تقسیم نہیں ہوئی۔ اس میں میرا پانچواں حصہ ہے جسکا مقدمہ محکمہ قضا میں چل رہا ہے جس
کے فیصلے ہونے پر جو میرا حق مجھکو ملیگا۔ اور اس کے علاوہ بھی جو جائیداد میرے مرنے پر ثابت ہو تو میں اس کیلئے
بھی اپنی جائداد کا ۱/۱۰ حصہ دینے کی پابند رہونگی اس کل جائیداد جو اس وقت مجھے ملی ہے اسکی مالیت
-/۱۵۱۲ ہے اور میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں اور تصدیق کرتی ہوں کہ
موجودہ جائداد میں سے جس کی حفاظت میرے خاوند کے ذمہ ہے مبلغ -/۴/۱۵۱ روپے زیر وصیت واجب
ہوتا ہے۔ جس کو میرا خاوند جس قدر جلد ممکن ہوگا ادا کریگا۔ اور اس کے بعد بھی جو جائیداد وقتاً فوقتاً
میں پیدا کروں یا مجھے وراثت ملے یا بطور ترکہ رہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک بھی صدر انجمن احمدیہ ہوگی
اور اس کی ادائیگی کا ذمہ دار بھی میرا خاوند ہوگا۔ ماسوا اس کے میری وفات پر میرا خاوند ذمہ دار ہوگا
کہ میری لاش کو بہشتی مقبرہ میں پہونچا دے۔

الامتہ: - ناصرہ بیگم موصیہ بقلم خود۔ گواہ شد: - مسعود احمد خاوند موصیہ۔ گواہ شد: - نور محمد
ماموں موصیہ۔ گواہ شد: - محمود احمد برادر کلاں خاوند موصیہ۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز (اُردو)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۱ | ماہِ رجب المرجب ۱۳۶۱ھ مطابق ماہِ اگست ۱۹۴۲ء | عدد ۸

فہرست مضامین

صداقت حضرت مسیح موعود

سات پیشگوئیاں

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی سب سے پہلی اور شہرہ آفاق تصنیف براہین احمدیہ کے صفحہ ۲۴۰ سے ۲۴۴ تک اپنے حسب ذیل الہام درج فرمائے ہیں:۔

• إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَانْتَهٰى أَمْرُ الزَّمَانِ إِلَيْنَا أَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ۔ وَلَا تَيْئَسْ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ أَلَا إِنَّ رَوْحَ اللّٰہِ قَرِيْبٌ۔ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِيْبٌ۔ يَأْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ يَأْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ يَنْصُرُكَ اللّٰہُ مِنْ عِنْدِهٖ۔ يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُّوْحِيْ إِلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ۔ إِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا۔ يَرْفَعُ اللّٰہُ ذِكْرَكَ۔ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ أَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِيْدِيْ وَتَفْرِيْدِيْ فَحَانَ أَنْ تُعَانَ وَتُعْرَفَ بَيْنَ النَّاسِ۔ هَلْ أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا۔ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ مَّا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَسْئَمْ مِّنَ النَّاسِ۔ أَصْحَابُ الصُّفَّةِ۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا أَصْحَابُ الصُّفَّةِ تَرٰى أَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ۔ يُصَلُّوْنَ عَلَيْكَ۔ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْإِيْمَانِ۔ اٰمَنُوْا۔

ترجمہ- جس وقت خدا کی مدد اور فتح آئے گی، اور زمانہ ہماری طرف رجوع کر لیگا اس وقت
کہا جائے گا کہ کیا یہ کاروبار خدا کی طرف سے نہ تھا- اور خدا کی رحمت سے نومید
مت ہو یعنی یہ خیال مت کر کہ میں تو ایک گمنام اور اکیلا اور اَحَدٌ مِّنَ النَّاس
آدمی ہوں- یہ کیونکر ہوگا کہ میرے ساتھ ایک دنیا جمع ہو جائے گی- کیونکہ خدا ارادہ
کر چکا ہے کہ ایسا ہی ہوگا- اور اس کی مدد قریب ہے- اور جن راہوں سے وہ مالی مدد
آئے گی، اور ارادت کے خطوط آئیں گے وہ سڑکیں ٹوٹ جائیں گی، اور گہری ہو جائیں گی
یعنی بکثرت ہر ایک قسم کا مال آئیگا اور دُور دُور سے آئے گا- اور دُور دُور سے مخلصانہ
خطوط آئیں گے، اور نیز اس قدر لوگ کثرت سے آئیں گے کہ جن راہوں پر چلیں گے
ان راہوں میں گڑھے پڑ جائیں گے- خدا اپنے پاس سے تیری مدد کرے گا- تیری مدد
وہ لوگ کریں گے جن کے دلوں میں ہم خود آسمان سے الہام کریں گے- تو ہماری
آنکھوں کے سامنے ہے- تیرے ذکر کو خدا اونچا کرے گا- اور دنیا اور آخرت میں
اپنی نعمت تیرے پر پوری کر دے گا- تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میری توحید اور تفرید
پس وقت چلا آتا ہے، کہ تیری مدد کی جائے گی- اور دنیا جہان میں تیرے نام کو شہرت
دی جائے گی- اور تو اس سے کیوں تعجب کرتا ہے کہ خدا ایسا کرے گا- کیا تیرے
پر وہ وقت نہیں آیا، کہ تو محض معدوم تھا- اور تیرے وجود کا دنیا میں نام و نشان
نہ تھا- پھر کیا خدا کی قدرت سے یہ بعید ہے کہ تیری ایسی تائیدیں کرے- اور یہ وعدے
پورے کر کے دکھلا دے- اور تو ان لوگوں کو جو ایمان لائے یہ خوشخبری سُنا کہ ان کا
قدم خدا کے نزدیک صدق کا قدم ہے- سو اُن کو وہ وحی سُنا دے جو تیری طرف تیرے
رب سے ہوئی- اور یاد رکھ کہ وہ زمانہ آتا ہے، کہ لوگ کثرت سے تیری طرف رجوع
کریں گے- سو تیرے پر واجب ہے، کہ تو اُن سے بدخُلقی نہ کرے، اور تجھے لازم ہے
کہ تو اُن کی کثرت کو دیکھ کر تھک نہ جائے- اور ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اپنے وطنوں

سے ہجرت کر کے تیرے حجروں میں آکر آباد ہوں گے۔ وہی ہیں جو خدا کے نزدیک اصحاب الصفہ کہلاتے ہیں۔ اور تو جانتا ہے کہ وہ کس شان اور کس ایمان کے لوگ ہونگے جو اصحاب الصفہ کے نام سے موسوم ہیں۔ وہ بہت قوی الایمان ہوں گے۔ تو دیکھے گا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے وہ تیرے پر درود بھیجیں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے خدا ہم نے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی جو ایمان کی طرف بلاتا ہے سو ہم ایمان لائے۔ ان تمام پیشگوئیوں کو تم لکھ لو کہ وقت پر واقع ہونگی۔"

حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کی کتاب براہین احمدیہ جس میں یہ الہامات درج ہیں ۱۸۸۰ء میں شائع ہوئی۔ آپ اس کے بعد ۱۹۰۸ء میں اپنی وفات سے کچھ عرصہ پیشتر ان الہاموں میں جو پیشگوئیاں کی گئی تھیں، ان کے پورا ہونے کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

"اوّل وہ پیشگوئی ہے، جس کی طرف وحی الٰہی وَ انْتَھٰی اَمْرُ الزَّمَانِ اِلَیْنَا میں اشارہ ہے۔ یعنے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے، کہ مخالف لوگوں سے ہمارا جنگ ہوگا مخالف چاہیں گے، کہ اس سلسلہ میں ناکامی رہے، اور لوگ اس طرف رجوع نہ کریں، اور نہ قبول کریں۔ پر ہم چاہیں گے کہ لوگ رجوع کریں۔ آخر ہمارا ہی ارادہ پورا ہوگا اور لوگوں کا اس طرف رجوع ہو جائے گا۔ اور وہ قبول کرتے جائیں گے۔

(۲) دوسری پیشگوئیوں میں یہ خبر دی گئی ہے، کہ خدا فرماتا ہے، کہ دور دور سے مالی امداد بھیجی جائے گی۔ اور دُور دور سے خطوط آئیں گے۔ اور اس قدر تواتر اور کثرت سے مالی مدد پہونچے گی کہ جن راہوں سے وہ مالی مدد آئیگی وہ سڑکیں گہری ہو جائینگی۔

(۳) تیسری پیشگوئی یہ ہے، کہ خدا فرماتا ہے کہ اس قدر لوگ ارادت اور اعتقاد سے قادیان میں آئیں گے، کہ جن راہوں سے وہ آئیں گے وہ سڑکیں ٹوٹ جائیگی۔

(۴) چوتھی پیشگوئی یہ ہے، کہ خدا فرماتا ہے، کہ لوگ تیرے ہلاک اور تباہ کرنے کیلئے کوشش کریں گے۔ مگر ہم تیرے محافظ رہیں گے۔

(۵) پانچویں پیشگوئی یہ ہے، کہ خدا فرماتا ہے، کہ میں دنیا میں تجھے شہرت دونگا۔ اور تو دُور دُور تک مشہور ہو جائیگا۔ اور تیری مدد کی جائے گی۔

(۶) چھٹی پیشگوئی یہ ہے، کہ خدا فرماتا ہے، کہ اس قدر لوگ کثرت سے آئیں گے، کہ قریب ہے کہ تو تھک جائے، یا بباعث کثرت ازدحام اُن سے تو بدخلق کرے۔

(۷) ساتویں پیشگوئی یہ ہے، کہ خدا فرماتا ہے، کہ بہت سے لوگ اپنے اپنے وطنوں سے تیرے پاس قادیان میں ہجرت کرکے آئیں گے، اور تمہارے گھروں کے کسی حصہ میں رہیں گے وہ اصحابِ صُفّہ کہلائیں گے۔

یہ سات پیشگوئیاں ہیں، جن کی خبر ان کلماتِ وحی الہٰی میں دی گئی ہے۔ اور ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے، کہ اس زمانہ میں یہ ساتوں پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ کیونکہ علماء اور پیرزادوں نے کفر کے فتوے طیار کرکے اور طرح طرح کے منصوبے تراش کرکے ناخنوں تک زور لگایا، تا میری طرف کوئی رجوع نہ کرے اور حیا کو بالائے طاق رکھکر خدا تعالٰے سے جنگ کیا۔ اور کوئی دقیقہ مکر اور فریب اور دھوکہ دینے کا اٹھا نہ رکھا۔ اور بعض نے میری نسبت جھوٹی مخبریاں کیں، تا کسی طرح گورنمنٹ کو بھی افروختہ کریں۔ اور بعض نے جاہل مسلمانوں کو افروختہ کیا، تا وہ دُکھ دیتے رہیں۔ مگر آخرکار وہ سب نامراد رہے اور یہ پودہ زمین میں مخفی نہ رہ سکا۔ اور ایک جماعت کی صورت پیدا ہو گئی جس کے ثابت کرنے کی کچھ ضرورت نہیں کہ یہ بدیہی امر ہے

پھر دوسری پیشگوئی یہ تھی، کہ ہر طرف سے مالی امداد آئے گی۔ یہ مالی امداد اب تک پچاس ہزار روپیہ سے زیادہ آچکی ہے۔ بلکہ میں یقین کرتا ہوں، کہ ایک لاکھ کے قریب پہونچ گئی ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے ڈاکخانجات کے رجسٹر کافی ہیں۔

اور پھر تیسری پیشگوئی یہ تھی، کہ لوگ کثرت سے آئیں گے۔ سو اس قدر کثرت سے آئے کہ اگر ہر روزہ آمدن اور خاص وقتوں کے مجمعوں کا اندازہ لگایا جائے، تو کئی لاکھ تک

خوف، اور صداقت کو معلوم کرنے کی تڑپ رکھتا ہے۔ اس کے لئے یہ سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ ایک شخص خدا کی طرف سے ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور اپنی صداقت کو پرکھنے کے لئے چند پیشگوئیاں کرتا ہے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ پیشگوئیاں حرف بحرف پوری ہوتی ہیں۔ اب اگر یہ چیز اس کی صداقت کا ثبوت نہیں ہے تو دنیا میں کسی نبی کی صداقت بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔

پس اے سچائی کے طالبو! ان واقعات پر غور کرو، اور سوچو کہ کیا جھوٹوں کے ساتھ خدا کی یہ نصرت ہو سکتی ہے؟ پہلے انبیاء کے صحیفے اور قرآن مجید کو پڑھکر دیکھو صاف معلوم ہوگا کہ الٰہی نصرت کا یہ سلوک جو حضرت مرزا صاحب کے ساتھ ہوا، سوائے صادق نبیوں کے اور کسی کے ساتھ نہیں ہوا۔ پھر حضرت مسیح موعودؑ کے منہاج نبوت پر آنے سے انکار کیوں؟ آخر خدا کے برگزیدوں کی سچائی کو پرکھنے کی اس سے بڑھکر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟

ابھی تک ان لوگوں میں سے بہت سے زندہ ہیں، جنہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی گمنامی کے زمانہ کو دیکھا، اور پھر یہ بھی دیکھا، کہ آپ نے یہ پیشگوئیاں کیں۔ اور اس کے بعد بچشم خود ان پیشگوئیوں کو پورا ہوتے ہوئے بھی دیکھا۔ ان میں سے معزز ہندو بھی ہیں اور سکھ بھی اور مسلمان بھی۔ سو اگر کوئی شخص جوڈیشل تحقیقات کرنا چاہے، تو وہ قادیان میں آکر ان تمام حالات کی بآسانی تصدیق کر سکتا ہے۔ ہم حضرت مسیح موعودؑ کی مذکورہ بالا دعوت کی تجدید کرتے ہیں،" اور ہر طالب حق سے پُر زور درخواست کرتے ہیں، کہ وہ یہاں آکر اصل واقعات کی تحقیق کرے، اور دیکھے کہ یہ پیشگوئیاں کن حالات میں کی گئیں، اور پھر کس طرح پوری ہوئیں ؎

جب کھل گئی سچائی پھر اس کو مان لینا
نیکوں کی ہے یہ خصلت راہِ حیا یہی ہے

سُلطان القلم

(از صاحبزادہ میاں عبدالمنان صاحب عمر ایم - اے)

اللہ تعالےٰ کی یہ سنت ہے، کہ جب دنیا کی اصلاح و بہبود کے لئے وہ اپنے برگزیدوں کو مبعوث فرماتا ہے، تو دیگر جبلتوں اور ذہنی قوتوں ہی میں دوسرے ابناءِ زمانہ سے انہیں سرفرازی نہیں بخشتا بلکہ اظہارِ خیال کے لئے زبان و بیان کی قوتیں اور طاقتیں بھی بہت بلند و بالا عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح جو کتابیں وہ عطا فرماتا ہے، ان میں بھی اِس وصف کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ دنیا کی الہامی کتابوں کو دیکھو، باوجودیکہ (سوائے ایک کے) ان پر امتدادِ زمانہ کا اثر ہو چکا ہے، لیکن اس پر بھی اپنی اپنی جگہ ان کے اسلوب کا پایہ بہت بلند ہے۔ پہلوی میں ژند واستا، چینی میں کنفیوشس کے ملفوظات، سنسکرت میں وید، عبرانی یا یونانی میں بائبل مقدس اور عربی میں قرآن مجید کی زبان کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ اوپر ہم نے ایک استثناء کا ذکر کیا ہے اس سے ہماری مراد قرآن مجید سے ہے۔ اس عظیم الشان کتاب میں خود ہی یہ دعویٰ کیا گیا ہے، کہ اس کی زبان بہت بلند پایہ ہے، اور یہ کہ جہاں اس کی دوسری خوبیاں لاجواب ہیں، وہاں اس کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ بھی نہیں کیا جا سکتا جیسے فرمایا۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ	کہدو کہ اگر انس و جن مل کر بھی اس
وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ	قرآن کی مثل لانے کی کوشش کریں
هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ۔	تو وہ اس کی مثل نہ لا سکیں گے۔

(بنی اسرائیل -- ۱۰)

غرض زبان و بیان کی خوبی اتنی بلند پایہ حقیقت ہے۔ کہ وہ ایک پیغمبر کا معجزہ بن سکتی اور بنی ہے۔

اب ذرا ذاتِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف آؤ۔ حضور فرماتے ہیں۔ اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ۔ میں تمام عرب و عجم سے زیادہ فصیح ہوں۔ اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ وَخَوَاتِمَهٗ۔ مجھے خدا تعالیٰ نے جامع اور افضل کلمات عطا فرمائے ہیں۔

انبیاء کے لئے اظہار خیال کی قوت جس قدر اہمیت رکھتی ہے، اس کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ فرعون کی طرف بھیجے گئے، تو انہوں نے یہی عذر پیش کیا کہ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هَارُوْنَ اور دوسری جگہ ہے هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ یعنی فرائض رسالت کی انجام دہی کے لئے اظہار خیال کی اعلیٰ قوتوں کا ہونا ضروری ہے اور میں اس سے محروم ہوں۔ میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے۔ اُسے یہ خدمت تفویض کی جائے۔ مگر بعد کے واقعات بتاتے ہیں کہ خاص موہبتِ الٰہی سے حضرت موسیٰؑ کو مافی الضمیر کے ادا کرنے کی وہ اعلےٰ طاقتیں عطا کی گئیں، کہ آپ نے فرعون کے دربار میں ان فصیح اللسان ہارون کو ایک لفظ بھی کہنے کا موقعہ نہ دیا۔ اور گفتگو کے تمام مراحل خود ہی طے فرمائے۔

غرض انبیاء زبان و بیان کی قوتوں سے خاص طور پر سرفراز فرمائے جاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ انبیاء کی تکمیل انسانیت پر ایک دلیل ہو۔ دوم اسلوب بیان کو، لکھنے والے کے اسلوب تفکر کے ساتھ ایک خاص لگاؤ ہوتا ہے۔ اور اس کی تحریریں ان تصورات عالیہ کی تصویریں ہوتی ہیں، جو اس کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ کلام کے مخصوص انداز کا چشمہ دراصل لکھنے والے کے ذہن سے ہی ابلتا ہے۔ پس زبان کی خوبی اور محاسن میں سے زبان والے کے کلچر کی خوبی، اوصاف کی فضیلت اور اطوار کی برگزیدگی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ انگریزی میں کہتے ہیں۔ The style is the man. یعنی اندازِ تحریر لکھنے والے کی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ سوم انبیاء ارشاداتِ الٰہیہ کے پہنچانے والے ہوتے ہیں۔ ان کا کام ہوتا ہے کہ جو کچھ آستانۂ الوہیت سے سنیں سمجھیں اور سیکھیں، اُسے پوری کامیابی سے اپنے مخاطبین کے دلوں میں اُتار دیں۔ اور یہ زبان پر پوری قدرت کے بغیر ممکن نہیں۔ چہارم زبان صرف اظہارِ خیال

ہی کا ذریعہ نہیں، اور اس کے مناسب و برمحل استعمال سے مطالب ہی بآسانی وعمدگی ذہن کی گہرائیوں میں نہیں اُتارے جا سکتے۔ بلکہ جذبات کو ابھار کر وہ زبردست مادی اخلاقی اور روحانی انقلابات بھی بپا کئے جا سکتے ہیں، جو بعثتِ انبیاء کی غرض اور اس دنیا میں ان کی تشریف آوری کا اصل مدعا ہوتے ہیں۔ پس ان برگزیدگان الٰہی کو بھی تقریر و تحریر میں بہت بلند پایہ طرز بیان پر قدرت دی جاتی ہے اور یہ اس سے حسب ضرورت کام لیتے ہیں۔ مگر اس لئے نہیں کہ اپنے انشاء پردازانہ کمالات کا اظہار فرمائیں۔ بلکہ اس لئے کہ دعوت و ارشاد کے مرسلانہ اہتمام میں یہ چیز بھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اور ان کی فطرت ہی میں مرکوز کر دی جاتی ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اس زمانہ میں بھی سیدنا حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اصلاح و تربیت انسانی کے لئے مامور فرما کر یہ کام سپرد کیا ہے کہ آپ تکمیل اشاعت اسلام کر کے لوگوں کو چاہ ضلالت و گمراہی سے نکالیں۔ اور آستانۂ الوہیت پر لا ڈالیں۔ اس کے لئے جہاں آپ کو اور ذہنی اخلاقی اور روحانی قوتیں عطا فرمائیں۔ وہاں تحریر کے ملکہ سے بھی کماحقہٗ سرفراز فرمایا۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں:۔

"میں خاص طور پر خدا تعالیٰ کی اعجاز نمائی کو انشاء پردازی کے وقت بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں" (نزول المسیح ص۵۶)

اسی طرح آپ کے الہامات میں آپ کو سُلطان القلم کہا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریروں کو دیکھنے سے صاف نظر آجاتا ہے، کہ آپ نے مذہب کے معاملات میں غیر معمولی اصلاحی جد و جہد فرمائی ہے۔ اور ملک کے مذہبی جمود کو توڑ کر اس میں ایک نئی روح پھونکنے کے لئے ایک زندہ لٹریچر کی بنیاد رکھی ہے۔ اور ایسی تصنیفات اپنے بعد چھوڑی ہیں، جن میں ادب و انشاء کے تمام اعلیٰ اجزاء شامل ہیں۔ اور جو بہترین خیالات کو بہترین لباس میں پیش کرنے کی بہترین مثال پیش کرتی ہیں۔ وہ تکلف اور تصنع سے

پاک ہیں۔ ان میں سادگی اصلیت اور جوش پایا جاتا ہے۔ اظہار خیال میں جہاں بسط کی ضرورت تھی وہاں بسط سے کام لیا ہے اور جہاں اختصار کا موقع تھا، وہاں اختصار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھٹنے دیا۔ گری ہوئی سوقیانہ زبان اور الجھے ہوئے عامیانہ بیان کا نشان تک نہیں پایا جاتا۔ کلام میں تشنگی، اظہارِ مدعا میں درماندگی اور استدلال میں کہیں ضعف نہیں۔ زبان آوری اور الفاظ کی ڈھٹہ بندی سے مرعوب کرنے کا خیال بھی آپ کے دل میں نہیں گذرا۔ غرض آپ کا کلام اتنا نفع رساں، اس کے الفاظ اتنے حسین، اسلوب ادا اتنا خوبصورت و دلکش، سلاست اور روانی ایسی دلآویز و دلنشین اور مقاصد ایسے واضح اور روشن کہ طبیعت تاثر سے سرشار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

یہ حقیقت اپنی جگہ اتنی ظاہر، اتنی واضح اور روشن ہے کہ غیر بلکہ معاند بھی باوجود شدید اختلافات کے اس کا اقرار کرنے اور قلم پر آپ کا پورا اقتدار تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ اور درحقیقت کوئی شخص بھی جس کا ذوق سلامت ہو، اور تعصب نے جسے اندھا نہ کر دیا ہو، اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ لیکن اسے کیا کیجئے گا، کہ امرتسر کے مولوی ثناء اللہ صاحب جن کے لئے جماعت احمدیہ کے متعلق ہر صداقت کا اعتراف ہمیشہ سوہانِ روح ثابت ہوا ہے، اس معاملہ میں بھی خاموش نہیں رہ سکے۔ اور ایسے وقت میں بھی جبکہ اپنی عمر طبعی کو پورا کر چکنے کی وجہ سے ان کے قویٰ مضمحل ہو چکے ہیں اور عناصر میں اعتدال نہیں رہا، انہوں نے اس صداقت کا انکار بھی ضروری خیال کیا اور لکھا کہ:۔

"میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں، اور اس کو ثابت کرنے کو تیار رہوں، کہ مرزا صاحب قطع نظر اپنے عقائد و دعاوی کے بحیثیت فنِ تصنیف ایک قابل مصنّف بھی نہ تھے۔ قادیانی اور لاہوری ممبرو! دوسرے موضوعات پر تو آپ لوگوں نے بہت سے مباحثے کئے ہیں۔ اس خاص موضوع پر بھی طبع آزمائی کرلو، کہ مرزا صاحب ایک قابل مصنّف بھی تھے۔ یا نہیں۔"

مولوی ثناء اللہ صاحب نے جو کھلاہٹ میں یہ تعلّی تو ہانک دی، اور مباحثہ کا چیلنج بھی دیدیا لیکن

کم از کم اس معاملہ میں تو انہیں لب کشائی نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ اوّل اس لئے کہ اس میدان میں ان کی حیثیت ایک پٹے ہوئے مُہرے کی تھی۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ عربی اور اردو تحریر کے مقابلہ میں اچھی طرح مُنہ کی کھا چکے تھے۔ حضرت اقدس نے بڑی تحدی کے ساتھ صاف صاف لکھ دیا تھا، کہ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب "اکیلے یا دوسروں کی مدد سے میعاد معینہ کے اندر میرے قصیدہ اور اردو عبارت کے مطابق، وہاں اشعار کی تعداد کے مطابق قصیدہ چھپوا کر شائع کریں گے اور تاریخ وصول سے بیس دن کے اندر بذریعہ ڈاک میرے پاس بھیج دینگے، تو میں صرف یہی نہیں کرونگا، کہ دس ہزار روپیہ انعام دونگا۔ بلکہ اس غلبہ سے میرا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائیگا۔ ورنہ ان کا یہ حق نہیں ہوگا، کہ پھر مجھے جھوٹا کہیں، یا میرے نشانوں کی تکذیب کریں۔ دیکھو میں آسمان اور زمین کو گواہ رکھکر کہتا ہوں، کہ آج کی تاریخ سے اس نشان پر حصر رکھتا ہوں، کہ اگر میں صادق ہوں تو کبھی ممکن نہیں ہوگا، کہ مولوی ثناء اللہ اور ان کے تمام مولوی پانچ دن میں ایسا قصیدہ بنا سکیں۔ اور اردو مضمون کا رد لکھ سکیں۔ کیونکہ خدا تعالےٰ ان کے قلموں کو توڑ دے گا۔ اور ان کے دلوں کو غبی کر دے گا۔" (اعجاز احمدی ص ۳۷)

پھر اسی سلسلہ میں مولوی صاحب کے متعلق آپ نے لکھا: "سب سے پہلے اس اردو مضمون اور عربی قصیدہ کے مقابلہ میں عاجز رہ کر جلد تر ان کی روسیاہی ثابت ہو جائیگی۔" اور واقعات نے بتا دیا، کہ کس طرح مولوی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کے ہاتھ شل ہو گئے۔ ان کے قلم ٹوٹ گئے اور ان کے دل غبی ہو گئے۔ دوئم اس لئے کہ مولوی صاحب نے جب کبھی کسی علمی مسئلہ پر کچھ لکھا ہے تو ان کی تحریر نہایت کم درجہ اور ژولیدہ بیانی سے پُر نکلی ہے۔ مولوی صاحب کو حضرت اقدس کے مقابلہ میں آنے کی توفیق کہاں مل سکتی تھی۔ لیکن جلسۂ اعظم مذاہب لاہور ہی ایک ایسا موقع تھا جس میں حضرت اقدسؑ اور مولوی صاحب کو ایک ہی موضوع پر اسلام کی ترجمانی کرنی پڑی تھی۔ یہ دونوں تحریریں چھپی ہوئی موجود ہیں۔ اگر مولوی صاحب پسند کریں تو یکجائی طور پر بھی شائع کی جا سکتی ہیں۔ کیا مولوی صاحب اس کے لئے تیار ہوں گے؟

سوئم اس لئے کہ کلام کی خوبی پر نقد و تبصرہ تو وہی شخص کر سکتا ہے جسے ذوقِ سلیم حاصل ہو۔ اور مولوی صاحب اس کوچہ سے محض ناآشنا ہیں۔ وہ اور ان کے ہوا خواہ ہمیں معاف کرینگے اگر ہم یہ کہیں، کہ ذوقِ سلیم کے بدلہ انتہائی بد ذوقی ان کے حصہ میں آئی ہے۔ اور اگر مولوی صاحب اس سلسلہ مضامین میں اپنی بساط کے اندر نہ رہے تو ہم اس کی مثالیں پیش کرینگے جن سے ان کی حالت بالکل آئینہ ہوجائے گی۔ مندرجہ بالا تینوں وجہوں سے مولوی ثناء اللہ صاحب کو اس خالص علمی ادبی مسئلہ پر لب کشائی نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ لیکن سچ ہے کہ ؎

مردِ جاہل در سخن باشد دلیر   زانکہ آگہ نیست از بالا و زیر

مولوی ثناء اللہ صاحب اپنے اس دعویٰ کی تائید میں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کوئی بڑے مصنف نہ تھے، جو دلائل رکھتے ہیں، ان کی قیمت کا اندازہ تو اس وقت ہوگا، جب وہ اِدھر اُدھر کی لاطائل باتیں چھوڑ کر صاف اور سیدھے رنگ میں انہیں پیش کرینگے۔ فی الحال ہم کسی قدر تفصیل سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس حیثیت پر نظر ڈالتے اور دیکھتے ہیں، کہ آپ کو قلم پر کیسا اقتدار حاصل تھا۔ اور آپ نہ صرف یہی جانتے تھے کہ کیا کہنا چاہیئے۔ بلکہ یہ بھی جانتے تھے کہ کس طرح کہنا چاہیئے۔ لیکن اس بحث کو شروع کرنے سے پہلے ہم قارئین کرام کو ایک دفعہ پھر اس نکتہ کی طرف توجہ دلا دینا چاہتے ہیں، کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کوئی پیشہ ور مصنف و انشاء پرداز نہ تھے۔ اور نہ ہم نے اس حیثیت سے کبھی آپ کو پیش کیا ہے۔ بلکہ آپ مامور ربانی تھے۔ اور آپ کی مصلحانہ زندگی کا مدعا دعوت و ارشاد کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ سارے معاشرے میں آپ روحانی قدروں کو جاری و ساری کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے جو کچھ لکھا اسی حیثیت سے لکھا، اور آپ کی تمام تصنیفات اسی محور کے گرد گھومتی رہیں۔ محض انشاء پردازانہ کمالات کا اظہار کبھی آپ کا مقصود نہ ہوا۔ اور نہ Art for arts sake سے آپ کو کچھ تعلق تھا۔ قلم پر اقتدار کا تمامتر مقصد یہ تھا، کہ اپنا نصب العین اچھی طرح واضح اور دل نشین ہوجائے۔ اور اس میں آپ حیرت انگیز طور پر کامیاب ہوئے۔ پس ہمیں اس ذہنیت

سے آپؑ کی کتب پر نظر نہیں کرنی چاہیئے کہ آپ کوئی عام دنیاوی مصنف اور انشاء پرداز تھے جنہوں نے اپنی کتب میں تجریدی (Abstract) انداز میں اپنے موضوعات پر بحث کی ہے۔ بلکہ آپؑ ایک مامور من اللہ اور الٰہی پیغامبر تھے۔ اور آپؑ کا نقطۂ نظر خالص اصلاحی اور مذہبی تھا، اپنی دعوت و تبلیغ، تعلیم و تربیت، تالیف و اشاعت میں دماغ، دل، عقل اور جذبات ہر ایک سے اپیل کرنا اور تمام ممکن طریقوں سے اپنی بات ذہنوں میں بٹھانا، قدیم غلط تصوّرات کو بدلنا، مخالفوں کا زور توڑنا، ان کے استدلالوں کو باطل کرنا، متبعین کا تزکیہ کرنا اور ان کو کتاب و حکمت سکھانا، غرض وہ سب کچھ کرنا تھا، جو ایک زندہ تحریک کے بانی کے لئے ضروری ہے اور ظاہر ہے، کہ دونوں کے انداز میں بہت بڑا فرق ہے۔ اس لئے آپؑ کی تصنیفات میں عام دنیاوی لٹریچر کا سا انداز تلاش کرنا درست نہیں۔ اور نہ یہ درست ہے، کہ آپ کے اندازِ تحریر کے محاسن کو دیکھنے کے لئے کسی زمینی انشاء پرداز کے انداز کو معیار بنایا جائے۔ بلکہ ضروری ہے کہ ہم آپ کی مرسلانہ حیثیت کے ساتھ ساتھ یہ بھی مدنظر رکھیں، کہ آپ کی ساری بحث کس جا کے لئے ہے کس مرکزی مضمون کے ساتھ آپؑ کی تمام تحریریں وابستہ ہیں۔ ان کا اپنے ظاہر کے پیچھے کن احوال و معاملات سے تعلق ہے۔ اس لئے ان کی علّتِ غائی اور پسِ منظر کیا ہے۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان امور پر روشنی ڈالی ہے اور بیان کا جو معیار اپنے سامنے رکھا ہے اس کی تعیین فرمائی ہے۔ آپ فتح اسلام کے صفحہ ۱۳ پر فرماتے ہیں:-

"عام قاعدہ نبیوں کا یہی تھا، کہ ایک محل شناس لیکچرار کی طرح ضرورتوں کے وقتوں میں مختلف مجالس و محافل میں ان کے حال کے مطابق رُوح القدس سے قوت پا کر تقریریں کرتے تھے مگر نہ اس زمانہ کے مشکلوں کی طرح جن کو اپنی تقریر سے فقط اپنا علمی سرمایہ دکھانا منظور ہوتا ہے یا یہ غرض ہوتی ہے، کہ اپنی جھوٹی منطق اور سوفسطائی حجتوں سے کسی سادہ لوح کو اپنے پیچ میں لاویں۔ اور پھر اپنے سے زیادہ جہنم کے لائق کریں۔ بلکہ انبیاء نہایت سادگی سے کلام کرتے اور جو اپنے دل سے اُبلتا تھا، وہ دوسروں کے دلوں میں ڈالتے تھے۔ ان کے کلماتِ قدسیہ عین

محل اور حاجت کے وقت پر ہوتے تھے اور مخاطبین کو شغل یا افسانہ کی طرح کچھ نہیں سناتے تھے بلکہ ان کو بیمار دیکھ کر اور طرح طرح کے آفات روحانی میں مبتلا پا کر علاج کے طور پر ان کو نصیحتیں کرتے تھے۔ یا حجت قاطعہ سے ان کے اوہام کو رفع فرماتے تھے۔ اور ان کی گفتگو میں الفاظ تھوڑے اور معانی بہت ہوتے تھے۔ سو یہی قاعدہ یہ عاجز ملحوظ رکھتا ہے۔"

مولوی ثناء اللہ صاحب نے تمام عمر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی کتب کو خالص مخالفانہ نظر سے دیکھا ہے۔ اور ہمیشہ اپنے شبہوں اور اعتراضوں سے نورِ حق کو بجھانے کی کوشش کی ہے اس لئے ہم خاص طور پر ان کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں، کہ وہ کم سے کم اس موضوع پر اپنے پہلے سے قائم کئے ہوئے مولویانہ قیاسات اور منشیانہ تصوّرات کو ذہن سے نکال کر کتب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخصوص بنیادی حیثیت اور ان کی علّتِ غائی کو پیش نظر رکھیں۔ خواہ آپ کی مرسلانہ حیثیت اور مامورانہ مقاصد کو تسلیم نہ بھی کریں۔

یقیناً مولوی ثناء اللہ صاحب جیسے "ہمہ دان" کی نظر سے یہ امر مخفی نہ ہوگا۔ کہ کسی مصنّف کی کامیابی کو پرکھنے کا ایک پہلو یہ بھی ہُوا کرتا ہے، کہ اس نے اپنے بیان کے لئے جو معیار اپنے سامنے رکھا، اُسے وہ کس حد تک حاصل کر سکا ہے، اور اس میں وہ کس حد تک کامیاب ہُوا ہے۔ ادبی لحاظ سے حضرت اقدسؑ کی تصانیف لطیف کے جانچنے والے کو یہ اختیار تو ہے، کہ وہ آپ کے پیش نظر معیاروں کو تسلیم نہ کرے۔ اور انہیں اپنے اعتراضوں کا تختۂ مشق بنا لے۔ لیکن اُسے یہ حق کسی طرح نہیں پہونچتا، کہ ان معیاروں کے خلاف آپ کی تحریروں کا جائزہ ایسے قواعد و قوانین کی روشنی میں لینا شروع کر دے، جو ایک عام دنیاوی متکلم، مصنّف اور انشاء پرداز اپنے سامنے رکھتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کی مخصوص بنیادی حیثیت، ان کی علّت غائی، اور ان کا پس منظر بیان کرنے اور یہ بتانے کے بعد کہ آپ کی کتب پر ناقدانہ نظر ڈالنے میں کیا بنیادی غلطی اور بے راہ روی پیدا ہو سکتی ہے۔ اب ہم اصل مضمون کو لیتے ہیں، اور بتلاتے ہیں، کہ آپ کی تحریریں

کیا خوبیاں ہیں۔ قلم پر آپؑ کو کس قدر اقتدار حاصل تھا، اور آپؑ کیسے بلند پایہ مصنف تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر کی پہلی خوبی اس کی سادگی، سلاست صفائی اور صراحت ہے۔ جیسا کہ ظاہر کیا جا چکا ہے، آپؑ نے اپنے خیالات کے ظاہر کرنے میں کبھی تصنع سے کام نہیں لیا۔ آپ جو بات کہنا چاہتے تھے، وہ واقعیت سے تجاوز کئے بغیر نہایت صاف اور سادہ زبان میں قلم برداشتہ ادا کر دیتے تھے۔ عبارت آرائی اور مترنم و رنگین الفاظ کی مینا کاری جو آپؑ کے عہد تک مقبول تھی، آپؑ کے ہاں نہیں پائی جاتی۔ بہ تکلف و تلاش الفاظ کی طلسم بندی اور بندشوں کی جادو طرازی سے طبع عالی بالکل بے تعلق تھی۔ جو دل سے نکلتا تھا وہی بے تکلف حوالۂ قلم فرما دیتے تھے۔ کلام میں کہیں آورد نہیں۔ آپؑ کے انداز میں ایک پیشہ ور مصنف اور اس کی کاوشیں کہیں نظر نہیں آتیں۔ بلکہ ایک کامل انسان اپنے طبعی انداز میں جلوہ گر معلوم ہوتا ہے۔

ایک نربل مصنف جب خیالات اور مسائل کی الجھنوں سے پریشان ہو جاتا ہے، اور ان کو سلجھانے کے لئے اپنے قلم میں سکت نہیں پاتا، تو خوبصورت لفظوں رنگین فقروں اور نازک ترکیبوں کی کرشمہ سازی شروع کر دیتا، یا علمی لغات و اصطلاحات کے پردہ میں اپنی الجھنوں کو چھپا دینا چاہتا ہے۔ لیکن آپ کی تحریروں میں یہ چیز ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔ صاف معلوم ہوتا ہے، کہ آپ جو مفہوم بھی پیش کرنا چاہتے تھے، اس کا بالکل واضح تصور آپ کے ذہن میں ہوتا تھا۔ اور آپ اس پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ اور اس طرح پیچیدہ سے پیچیدہ اور طویل سے طویل مسائل پر قابو پا کر انہیں نہایت عام فہم اور سلیس انداز میں صحت و روانی کے ساتھ لکھتے چلے جاتے تھے۔ آپؑ کی کتب کے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ مباحث کی تفصیل، مسائل کی نزاکت اور خیالات کی الجھنوں نے کبھی آپ کو پریشان نہیں کیا۔ اور کسی قسم کے اظہار خیالات میں بھی آپؑ نے اپنے قلم کو درماندہ نہیں پایا۔ اور یہ اصل ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہا ہے، کہ ادب کی بلندی متناسب لفظوں کے جمع کرنے اور ہم وزن و قریب التلفظ کلموں کی تک ملانے اور مشکل فقروں اور مغلق تشبیہ کا تانتا لگانے میں نہیں۔ بلکہ مطابقِ موقع ہر قسم کے مطالب صاف زبان میں سلجھا کر ادا کرنے اور دلنشین

حقیقی خط و خال کے ساتھ ذہنوں میں اتار دینے کے لائق اور سہل الممتنع بنا دینے میں مضمر ہے۔
اللہ تعالےٰ نے انسانی ذہن کی بناوٹ اس طور کی رکھی ہے، کہ اس میں ایک وقت صرف ایک ہی تصور وضاحت اور صفائی سے سما سکتا ہے۔ اور اگر کبھی اسے بیک وقت ایک سے زائد چیزوں کی طرف متوجہ ہونا پڑے، بالخصوص ایسی چیزوں کی طرف جو باہم ملتی جلتی ہوں، تو اس میں ابتری، پریشانی اور الجھن پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ وضاحت سے تعیین نہیں کر سکتا، کہ یہ چیزیں کن باتوں میں مطابقت رکھتی ہیں اور کن میں اختلاف۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں، کہ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کی تحریروں سے اس طور پر بھی ذہن کسی برہمی، انتشار اور الجھن میں نہیں پڑتا۔ آپ اپنے بیان کو غیر ضروری طور پر جلد جلد نہیں بدلتے، اور نہ ایسے الفاظ کو جو ایک فقرے کے مختلف اجزاء کی ترکیب کے لئے ضروری ہوتے ہیں، ان کے اجزاء سے علیحدہ کرتے ہیں۔ اس لئے بندش سست، کمزور اور بیڈول نہیں ہونے پاتی۔ چونکہ اس سے زاویۂ نگاہ جلد جلد بدلنے لگتا ہے اور مفہوم کی گرفت کے لئے دماغ کو کبھی آگے آنا اور کبھی پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔ جس سے مرکزی نقطۂ نگاہ مبہم اور دھندلا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی نکتہ میں یہ حقیقت پوشیدہ ہے۔ کہ آپ نے اپنی کتب میں حواشی اور حواشی در حواشی کا طریق کیوں اختیار فرمایا ہے۔

اسی سلسلہ میں تحریر کی خوبی وہ ہوتی ہے، جسے انگریزی میں Precesion کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے، کہ ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں، جن سے ٹھیک وہی مفہوم پیدا ہوتا ہو، جو لکھنے والے کا منشاء ہو۔ نہ کم نہ زیادہ۔ لیکن لکھنے والا بعض اوقات ایسے بے محل الفاظ استعمال کر جاتا ہے، جو نہ تو موضوع سے پوری مطابقت رکھتے ہیں اور نہ لکھنے والے کے منشاء ہی کو پورے طور پر ظاہر کرتے ہیں۔ بلکہ اصل الفاظ سے ملتے جلتے اور مفہوم کے قریب قریب پہونچانے والے یا اس کا صرف ایک ہی پہلو پیش کرنے والے یا اصل سے زائد مفہوم ظاہر کرنے والے ہوتے ہیں۔ لیکن آپ کی تحریروں میں ایسے بے محل اور غیر مطابق الفاظ کا استعمال نہیں پایا جاتا۔ بلکہ کسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے وہی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو ٹھیک

ٹھیک اسی کے لئے وضع ہوئے ہیں۔ اور اس برمحل استعمال نے ان کی صحیح قوت پوری شان کے ساتھ نمایاں کر دی ہے۔ اس طرح آپ کی تحریر سادگی (Simplicity) کے ساتھ (Precision) کی بھی بہترین مثال ہے۔

تحریر کی سادگی، سلاست اور فصاحت ایک ایسی خوبی ہے کہ اگر اسے اختیار کرنیوالا فن کار نہ ہو تو وہ سپاٹ اور بے رنگ ہو کر رہ جاتی ہے۔ لیکن سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر اس خوبی سے معمور ہے، کہ باوجود صاف اور رواں ہونے کے سپاٹ اور بے کیف نہیں۔ بلکہ اس کی سادگی میں سے بھی ادبی شان ٹپکی پڑتی ہے۔ اور اس طرح وہ غالب کے اس شعر کی مصداق ہے ؎

سادگی و پرکاری بیخودی و ہشیاری — حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

مثال کے طور پر آپ کی اس تعلیم کے ایک حصہ کو لیجئے جس کی پوری پابندی طاعون کے حملہ سے بچا سکتی ہے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"واضح ہے کہ صرف زبان سے بیعت کا اقرار کرنا کچھ چیز نہیں ہے، جب تک دل کی عزیمت سے اس پر پورا پورا عمل نہ ہو۔ پس جو شخص میری تعلیم پر پورا پورا عمل کرتا ہے وہ اس میرے گھر میں داخل ہو جاتا ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ کی کلام میں یہ وعدہ ہے۔ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ۔ یعنی ہر ایک جو تیرے گھر کی چار دیواری کے اندر ہے میں اس کو بچاؤں گا۔ اس جگہ یہ نہیں سمجھنا چاہیئے، کہ وہی لوگ میرے گھر کے اندر ہیں، جو میرے اس خاک وخشت کے گھر میں بود و باش رکھتے ہیں، بلکہ وہ لوگ بھی جو میری پوری پیروی کرتے ہیں۔ میرے روحانی گھر میں داخل ہیں۔ پیروی کرنے کے لئے یہ باتیں ہیں، کہ وہ یقین کریں، کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے، جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا نہ کوئی اس کا بیٹا۔ وہ دکھ اٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے۔

وہ ایسا ہے کہ باوجود دور ہونے کے نزدیک ہے اور باوجود نزدیک ہونے کے وہ دُور ہے۔ اور باوجود ایک ہونے کے اس کی تجلیات الگ الگ ہیں۔ انسان کی طرف سے جب ایک نئے رنگ کی تبدیلی ظہور میں آوے، تو اس کے لئے وہ ایک نیا خدا بن جاتا ہے۔ اور ایک نئی تجلّی کے ساتھ اس سے معاملہ کرتا ہے۔ اور انسان بقدر اپنی تبدیلی کے خدا میں بھی تبدیلی دیکھتا ہے۔ مگر یہ نہیں، کہ خدا میں کچھ تغیر آجاتا ہے۔ بلکہ وہ ازل سے غیر متغیر اور کمالِ تام رکھتا ہے۔ لیکن انسانی تغیرات کے وقت جب نیکی کی طرف انسان کے تغیر ہوتے ہیں، تو خدا بھی ایک نئی تجلّی سے اس پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور ہر ایک ترقی یافتہ حالت کے وقت جو انسان سے ظہور میں آتی ہے، خدا تعالیٰ کی قادرانہ تجلی بھی ایک ترقی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ وہ خارق عادت قدرت اسی جگہ دکھلاتا ہے، جہاں خارق عادت تبدیلی ظاہر ہوتی ہے۔ خوارق اور معجزات کی یہی جڑ ہے۔ یہ خدا ہے جو ہمارے سلسلہ کی شرط ہے اس پر ایمان لاؤ۔ اور اپنے نفس پر اور اپنے آراموں پر اور اس کے کُل تعلقات پر اس کو مقدم رکھو۔ اور عملی طور پر بہادری کے ساتھ اس کی راہ میں صدق ووفا دکھلاؤ۔ دنیا اپنے اسباب اور اپنے عزیزوں پر اس کو مقدم نہیں رکھتی۔ مگر تم اس کو مقدم رکھو۔ تا آسمان پر اس کی جماعت لکھے جاؤ۔ رحمت کے نشان دکھلانا قدیم سے خدا کی عادت ہے مگر تم اس حالت میں اس عادت سے حصہ لے سکتے ہو کہ تم میں اور اس میں کچھ جدائی نہ رہے اور تمہاری مرضی اس کی مرضی اور تمہاری خواہشیں اس کی خواہشیں ہو جائیں۔ اور تمہارا سر ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت مراد یابی اور نامرادی میں اس کے آستانہ پر پڑا رہے۔ تا جو چاہے سو کرے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم میں وہ خدا ظاہر ہوگا جس نے مدت سے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے۔ کیا کوئی تم میں ہے، جو اس پر عمل کرے۔ اور اس کی رضا کا طالب ہو جائے۔ اور اس کی قضا و قدر پر ناراض نہ ہو۔ سو تم مصیبت کو دیکھ کر اور بھی قدم آگے رکھو کہ یہ تمہاری ترقی کا ذریعہ ہے اور اس کی توحید زمین پر پھیلانے کیلئے

اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو۔ اور اس کے بندوں پر رحم کرو۔ اور ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو۔ اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو۔ اور کسی پر تکبر نہ کرو۔ گو اپنا ماتحت ہو۔ اور کسی کو گالی مت دو۔ گو وہ گالی دیتا ہو۔ غریب اور حلیم اور نیک نیت اور مخلوق کے ہمدرد بن جاؤ۔ تا قبول کئے جاؤ۔ بہت ہیں جو حلم ظاہر کرتے ہیں۔ مگر وہ اندر سے بھیڑیئے ہیں۔ بہت ہیں جو اوپر سے صاف ہیں مگر اندر سے سانپ ہیں۔ سو تم اس کی جناب میں قبول نہیں ہو سکتے۔ جب تک ظاہر و باطن ایک نہ ہو۔ بڑے ہو کر چھوٹوں پر رحم کرو، نہ ان کی تحقیر، اور عالم ہو کر نادانوں کو نصیحت کرو، نہ خود نمائی سے ان کی تذلیل۔ اور امیر ہو کر غریبوں کی خدمت کرو، نہ خود پسندی سے ان پر تکبر۔ ہلاکت کی راہوں سے ڈرو۔ خدا سے ڈرتے رہو، اور تقویٰ اختیار کرو۔ اور مخلوق کی پرستش نہ کرو۔ اور اپنے مولیٰ کی طرف منقطع ہو جاؤ۔ اور دنیا سے دل برداشتہ رہو۔ اور اسی کے ہو جاؤ۔ اور اسی کے لئے زندگی بسر کرو۔ اور اس کے لئے ہر ایک ناپاکی اور دنیا سے نفرت کرو۔ کیونکہ وہ پاک ہے۔ چاہیئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے، کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی۔ اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے، کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔ دنیا کی لعنتوں سے مت ڈرو۔ کہ وہ دھوئیں کی طرح دیکھتے دیکھتے غائب ہو جاتی ہیں۔ اور وہ دن کو رات نہیں کر سکتیں۔ بلکہ تم خدا کی لعنت سے ڈرو، جو آسمان سے نازل ہوتی، اور جس پر پڑتی ہے، اس کی دونوں جہانوں میں بیخکنی کر جاتی ہے۔ تم ریاکاری کے ساتھ اپنے تئیں بچا نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ خدا جو تمہارا خدا ہے اس کی انسان کی پاتال تک نظر ہے۔ کیا تم اس کو دھوکا دے سکتے ہو۔ پس تم سیدھے ہو جاؤ، اور صاف ہو جاؤ۔ اور پاک ہو جاؤ۔ اور کھرے ہو جاؤ۔ اگر ایک ذرہ تیرگی تم میں باقی ہے، تو وہ تمہاری ساری روشنی کو دور کر دے گی۔ اور اگر تمہارے کسی پہلو میں تکبر ہے، یا ریا ہے، یا خود پسندی ہے، یا کسل ہے، تو تم

ایسی چیز نہیں ہو کہ جو قبول کے لائق ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تم صرف چند باتوں کو لیکر اپنے تئیں دھوکہ دو، کہ جو کچھ ہم نے کرنا تھا، کر لیا ہے۔ کیونکہ خدا چاہتا ہے، کہ تمہاری ہستی پر پورا پورا انقلاب آئے۔ اور وہ تم سے ایک موت مانگتا ہے، جس کے بعد وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ تم آپس میں جلد صلح کرو۔ اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو کیونکہ شریر ہے، وہ انسان جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں۔ وہ کاٹا جائیگا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔ تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو۔ اور باہمی ناراضگی جانے دو۔ اور سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل کرو۔ تا تم بخشے جاؤ۔ نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کیلئے تم بلائے گئے ہو۔ اس میں سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہوسکتا۔ کیا ہی بدقسمت وہ شخص ہے، جو ان باتوں کو نہیں مانتا، جو خدا کے منہ سے نکلیں۔ اور میں نے بیان کیں۔ تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر خدا تم سے راضی ہو۔ تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ۔ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی۔ تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے، جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے۔ اور بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے، اور نہیں بخشتا۔ سو اس کا مجھ میں حصہ نہیں۔ خدا کی لعنت سے بہت خائف رہو، کہ وہ قدوس اور غیور ہے۔ بدکار خدا کا قرب حاصل نہیں کرسکتا۔ متکبر اس کا قرب حاصل نہیں کرسکتا اور ہر ایک جو اس کے نام کے لئے غیرت مند نہیں۔ اس کا قرب حاصل نہیں کرسکتا۔ وہ جو دنیا پر کتوں یا چیونٹیوں یا گدوں کی طرح گرتے ہیں اور دنیا سے آرام یافتہ ہیں۔ وہ اس کا قرب حاصل نہیں کرسکتے۔ ہر ایک ناپاک آنکھ اس سے دور ہے۔ ہر ایک ناپاک دل اس سے بے خبر ہے۔ وہ جو اس کے لئے آگ میں ہے وہ آگ سے نجات دیا جائیگا اور وہ جو اس کے لئے روتا ہے وہ ہنسے گا۔ وہ جو اس کے لئے دنیا سے توڑتا ہے، وہ اس کو ملیگا۔ تم سچے دل سے اور پورے صدق سے اور سرگرمی کے قدم سے خدا کے دوست بنو، تا وہ بھی تمہارا دوست بن جائے۔ تم ماتحتوں پر اور اپنی بیویوں پر اور اپنے

غریب بھائیوں پر رحم کرو، تا آسمان پر تم پر بھی رحم ہو۔ تم سچ مچ اس کے ہو جاؤ۔ تا وہ بھی تمہارا ہو جاوے۔ دنیا ہزاروں بلاؤں کی جگہ ہے، جن میں سے ایک طاعون بھی ہے۔ سو تم خدا سے صدق کے ساتھ پنجہ مارو۔ تا وہ یہ بلائیں تم سے دُور رکھے۔ کوئی آفت زمین پر پیدا نہیں ہوتی، جب تک آسمان سے حکم نہ ہو۔ اور کوئی آفت دور نہیں ہوتی، جب تک آسمان سے رحم نازل نہ ہو۔ سو تمہاری عقلمندی اسی میں ہے، کہ تم جڑ کو پکڑو، نہ شاخ کو۔ (کشتی نوح صفحہ ۱۱-۱۲)

۳۔ اسی طرح تمہیں چاہیئے، کہ اس دنیا کے فلسفیوں کی پیروی مت کرو۔ اور ان کو عزت کی نگہ سے مت دیکھو۔ کہ یہ سب نادانیاں ہیں۔ سچا فلسفہ وہ ہے جو خدا نے تمہیں اپنی کلام میں سکھلایا ہے۔ ہلاک ہو گئے وہ لوگ جو اس دنیوی فلسفہ کے عاشق ہیں۔ اور کامیاب ہیں وہ لوگ جنہوں نے سچے علم اور فلسفہ کو خدا کی کتاب میں ڈھونڈا۔ نادانی کی راہیں کیوں اختیار کرتے ہو۔ کیا تم خدا کو وہ باتیں سکھلاؤ گے، جو اُسے معلوم نہیں۔ کیا تم اندھوں کے پیچھے دوڑتے ہو، کہ وُہ تمہیں راہ دکھلاویں۔ اسے نادانو! وُہ جو خود اندھا ہے وہ تمہیں کیا راہ دکھلائیگا۔ سچا فلسفہ روح القدس سے حاصل ہوتا ہے۔ جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ تم روح کے وسیلہ سے ان پاک علوم تک پہنچائے جاؤ گے، جن تک غیروں کی رسائی نہیں۔ اگر صدق سے مانگو، تو آخر تم اسے پاؤ گے تب سمجھو گے، کہ یہی علم ہے جو دل کو تازگی بخشتا ہے۔ اور یقین کے مینار تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ جو خود مردار خوار ہے وہ کہاں سے تمہارے لئے پاک غذا لائیگا۔ وہ جو خود اندھا ہے وہ کیونکر تمہیں دکھا دیگا۔ ہر ایک پاک حکمت آسمان سے آتی ہے پس تم زمینی لوگوں سے کیا ڈھونڈتے ہو۔ جن کی روحیں آسمان کی طرف جاتی ہیں وہی حکمت کے وارث ہیں۔ جن کو خود تسلی نہیں وہ کیونکر تمہیں تسلی دے سکتے ہیں۔ مگر پہلے دلی پاکیزگی ضروری ہے۔ پہلے صدق و وفا ضروری ہے، پھر بعد اس کے یہ سب کچھ

تمہیں ملیگا۔ یہ خیال مت کرو، کہ خدا کی وحی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے۔ اور روح القدس اب اتر نہیں سکتا بلکہ پہلے زمانوں میں ہی اُتر چکا۔ اور مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہر ایک دروازہ بند ہو جاتا ہے مگر روح القدس کے اُترنے کا کبھی دروازہ بند نہیں ہوتا۔ تم اپنے دلوں کے دروازے کھول دو۔ تا وہ ان میں داخل ہو تم اس آفتاب سے خود اپنے تئیں دُور ڈالتے ہو۔ جبکہ اس شعاع کے داخل ہونے کی کھڑکی کو بند کرتے ہو۔ اے نادان! اُٹھ اور اس کھڑکی کو کھول دے۔ تب آفتاب خود بخود تیرے اندر داخل ہو جائیگا۔ جبکہ خدا نے دنیا کے فیضوں کی راہیں اس زمانہ میں تم پر بند نہیں کیں، بلکہ زیادہ کیں، تو کیا تمہارا ظن ہے کہ آسمان کے فیوض کی راہیں جن کی اس وقت تمہیں بہت ضرورت تھی وہ تم پر اس نے بند کر دی ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ بہت صفائی سے وہ دروازہ کھولا گیا ہے۔ اب جبکہ خدا نے اپنی تعلیم کے موافق جو سورہ فاتحہ میں سکھلائی گئی گذشتہ تمام نعمتوں کا تم پر دروازہ کھول دیا ہے، تو تم کیوں ان کے لینے سے انکار کرتے ہو۔ اس چشمہ کے پیاسے بنو، کہ پانی خود بخود آجائیگا۔ اس دودھ کے لئے تم بچہ کی طرح رونا شروع کرو۔ کہ دودھ پستان سے خود بخود اُتر آئیگا۔ رحم کے لائق بنو تا تم پر رحم کیا جائے۔ اضطراب دکھلاؤ تا تسلی پاؤ۔ بار بار چلاؤ تا ایک ہاتھ تمہیں پکڑ لے۔ کیا ہی دشوار گذار وہ راہ ہے جو خدا کی راہ ہے پر ان کے لئے آسان کی جاتی ہے جو مرنے کی نیت سے اس اتھاہ گڑھے میں پڑتے ہیں۔ وہ اپنے دلوں میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہمیں آگ منظور ہے ہم اس میں اپنے محبوب کے لئے جلیں گے۔ پھر وہ آگ میں اپنے تئیں ڈال دیتے ہیں۔ پس کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بہشت ہے یہی ہے جو خدا نے فرمایا۔ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا الخ یعنی اے بدو! اور اے نیکو! تم میں سے کوئی بھی نہیں جو جہنم کی آگ پر گذر نہ کرے، مگر وہ جو خدا کے لئے اس آگ میں پڑتے ہیں؛

وہ نجات دیئے جائیں گے۔ لیکن وہ جو اپنے نفسِ امّارہ کیلئے آگ پر چلتا ہے۔ وہ آگ اُسے کھا جائے گی۔ پس مبارک وہ جو خدا کے لئے اپنے نفس سے جنگ کرتے ہیں۔ اور بدبخت وہ جو اپنے نفس کے لئے خدا سے جنگ کر رہے ہیں۔ اور اس سے موافقت نہیں کرتے۔ جو شخص اپنے نفس کے لئے خدا کے حکم کو ٹالتا ہے، وہ آسمان میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ سو تم کوشش کرو، جو ایک نقطہ یا ایک شعشہ قرآن شریف کا بھی تم پر گواہی نہ دے۔ تا تم اسی کے لئے پکڑے نہ جاؤ۔ کیونکہ ایک ذرہ بدی کا بھی قابلِ پاداش ہے۔ وقت تھوڑا ہے اور کارِ عمر ناپیدا۔ تیز قدم اٹھاؤ۔ جو شام نزدیک ہے۔ جو کچھ پیش کرنا ہے وہ بار بار دیکھ لو۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ رہ جائے۔ اور زیان کاری کا موجب ہو۔ یا سب گندی اور کھوٹی متاع ہو جو شاہی دربار میں پیش کرنے کے لائق نہ ہو۔" (کشتی نوح صفحہ ۲۲-۲۳)

سبحان اللہ! کتنا مؤثر اندازِ بیان ہے۔ سلاست و روانی کا اس سے اعلیٰ نمونہ کیا ہوگا۔ ہر چیز کو اس طرح واشگاف بیان کیا گیا ہے، کہ اس سے بڑھکر بیان ممکن نہیں۔ اور چونکہ ہر بات دل کی گہرائیوں سے پورے اخلاص اور جوش کے ساتھ نکلی ہے۔ اس لئے اس میں زور بھی حد درجہ پایا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ دنیا کی اصلاح کے لئے قلب میں درد کا ایک بے پناہ سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ مختلف قسم کے روحانی عوارض کی زشت روئی کو ایسے رنگ میں نمایاں کیا گیا ہے، کہ ان سے گھن آنے لگتی ہے۔ اور پھر ان کا علاج ایسے طریق پر تجویز کیا گیا ہے کہ انسانی طبیعت خود بخود اس کی طرف کھچی چلی آتی ہے۔ اور اس سارے بیان میں الفاظ ایسے لائے گئے ہیں کہ دل کی آلائشوں کو پاک و صاف کرنے کے لئے اس سے بہتر الفاظ نہیں مل سکتے۔ سارے کلام میں بے ساختہ پن پایا جاتا ہے اور تکلف و تلاش الفاظ کی کوشش کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ باوجودیکہ وعظ و انذار کے ساتھ ساتھ بعض مشکل روحانی مسائل کی حقیقت بھی بیان کی گئی ہے مگر پھر بھی زبان انتہائی سہل استعمال کی گئی ہے۔

۴۴۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زبان اس اعتراض کو دُہراتے کبھی نہیں تھکی کہ مرزا صاحب اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اسلام پر ایک عیسائی کے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے آپ نے جو ایک کتاب حال ہی میں لکھی ہے۔ اس میں بھی بالکل بے محل اپنے اس اعتراض کو دہرایا ہے۔ آیئے ہم دیکھیں کہ کس سلاست روانی اور وضاحت سے آپنے اپنے آنیکے مقصد کو بیان فرمایا ہے۔ اور مولوی ثناء اللہ صاحب جیسے شتاب کار اس سلسلہ میں جو اعتراض کر سکتے تھے، ساتھ ہی اس کا جواب بھی دیا ہے۔ حضور ایام الصلح صفحہ ۱۶۷ پر فرماتے ہیں:۔

"اور پہلے مسیح کی طرح دوسرے مسیح کی نسبت بھی احادیث صحیحہ میں حضرت سید الکائنات صلے اللہ علیہ وسلم سے خبر دی گئی ہے، کہ وہ ایسے وقت میں آئیگا، کہ جب قرآن آسمان پر اٹھ جائیگا۔ یعنی لوگ طرح طرح کے شکوک وشبہات میں مبتلا ہونگے اور اکثر روز جزا کی نسبت نہایت ضعیف الاعتقاد اور دہریہ کی طرح ہوجائینگے اور وہ اپنی کلام اور معجزات اور نشانوں اور روحانی طاقت سے دوبارہ ان میں ایمان قائم کریگا۔ اور شبہات سے نجات دیگا۔ اور اپنے آسمانی حربہ سے بغیر کسی ظاہری جہاد کے مسیح الدجال کی رونق کو مٹا دیگا۔ اور رُوح القدس کی پاک تاثیریں بغیر وسیلہ انسانوں کے دنیا میں پھیلیں گی۔ اور حق بینی کی ٹھنڈی ہوا دلوں پر چلے گی۔ اور صلحکاری اور امن اور بنی نوع کی محبت کے ساتھ ایک بھاری تبدیلی ظہور میں آئیگی اور شیطان شکست کھائیگا۔ اور روح القدس غالب ہوگا۔ اس آخری زمانہ کے لئے بہت سے نبیوں نے پیشگوئی کی ہے۔ مگر افسوس کہ ہمارے نادان مولویوں نے جہاد کا مسئلہ خواہ مخواہ اس میں گھسیڑ دیا۔ خدا تعالےٰ کے پاک نبی کا ہرگز یہ منشاء نہ تھا۔ یاد رہے، کہ اگر کوئی جہاد کرے تو وہ مسیح موعود ہی نہیں۔ بلکہ تریاقی ہوا کا زہریلی ہوا سے ایک روحانی جنگ ہوگا۔ آخر تریاقی ہوا فتح پائے گی۔ اور مسیح موعود صرف اس جنگ روحانی کی تحریک کے لئے آیا۔ ضرور نہیں، کہ اس کے روبرو اُسکی

تکمیل بھی ہو۔ بلکہ یہ تخم جو زمین میں بویا گیا آہستہ آہستہ نشو و نما پائیگا۔ یہانتک کہ خدا کے پاک وعدوں کے موافق ایک دن یہ ایک بڑا درخت ہو جائیگا۔ اور تمام سچائی کے بھوکے اور پیاسے اس کے سایہ کے نیچے آرام کرینگے۔ دلوں سے باطل کی محبت اٹھ جائیگی۔ گویا باطل مر جائیگا۔ اور ہر ایک سینہ میں سچائی کی رُوح پیدا ہوگی۔ اس روز وہ سب نوشتے پورے ہو جائیں گے جن میں لکھا ہے کہ زمین سمندر کیطرح سچائی سے بھر جائیگی مگر یہ سب کچھ جیسا کہ سنت اللہ ہے تدریجًا ہوگا۔ اس تدریجی ترقی کے لئے مسیح موعود کا زندہ ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ خدا کا زندہ ہونا کافی ہوگا۔ یہی اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت ہے اور الٰہی سنتوں میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ پس ایسا آدمی سخت جاہل ہوگا، جو مسیح موعود کی وفات کے وقت اعتراض کرے کہ وہ کیا کر گیا؟ کیونکہ اگرچہ یکدفعہ نہیں مگر انجام کار وہ تمام بیج جو مسیح موعود نے بویا تدریجی طور پر بڑھنا شروع کریگا۔ اور دلوں کو اپنی طرف کھینچے گا۔ یہانتک کہ ایک دائرہ کی طرح دنیا میں پھیل جائیگا۔ وہ وقت اور گھڑی خدا تعالیٰ کے علم میں ہے جب یہ اکمل اور اتم تبدیلی ظہور میں آئیگی جس طرح تم دیکھتے ہو کہ جاہلیت بھی یکدفعہ زمین میں نہیں پھیلی۔ بلکہ اس کا بیج آہستہ آہستہ بڑھتا اور پھولتا گیا۔ ایسا ہی آہستہ آہستہ سچائی کی طرف دنیا اپنی کروٹ بدلیگی۔ تماشا بینوں کی طرح یہ خیال نہیں رکھنا چاہیئے، کہ یکدفعہ دنیا الٹ پلٹ ہو جائے گی۔ بلکہ جس طرح پر کھیت اور درخت بڑھتے ہیں ایسا ہی ہوگا۔" (ایام الصلح صفحہ ۱۶۰ و ۱۶۱)

۴۔ پیروں فقیروں، نام کے سجادہ نشینوں اور مولویوں کی بدکرداریوں اور بےراہرویوں کی داستان بڑی طویل ہے۔ کتنے عیب ہیں جو اُن میں پائے جاتے ہیں۔ کتنی نیکیاں ہیں، جن سے وہ محروم ہیں۔ دیکھئے کتنے دل نشین مختصر اور مبالغہ سے پاک پیرایہ میں اس وسیع مضمون کو آپ نے سمیٹ لیا ہے۔ دنیادار پیروں فقیروں کا ذکر کرتے ہوئے آپ آئینہ کمالات اسلام کے صفحہ ۴۱

میں فرماتے ہیں:-

"اکثر فقراء میں بہت سی ایسی باتیں ہیں، جن کو وہ اپنے دلوں میں ایک کمال خیال کرتے ہیں۔ اور اس بات کی دلیل ٹھہراتے ہیں، کہ گویا انہوں نے ایک بہت سا حصہ سلوک کا طے کر لیا ہے۔ مگر در اصل وہ باتیں صرف جاہلانہ خیالات اور وحشیانہ حرکات ہیں۔ اور سچے معارف سے ایسی دُور ہیں کہ جیسے ایک تیز دھوپ کے وقت بادل دنیا سے دُور ہوتا ہے۔ یہ لوگ دینی خدمت کچھ بھی بجا نہیں لا سکتے۔ اور سُستی اور تضییع اوقات اور بے قیدی اور آرام طلبی اور مردہ طبعی اور لاف زنی کی زندگی کا ایک قوی اثر ان پر معلوم ہوتا ہے جس میں وہ اپنی ساری عمر کو کھو دیتے ہیں۔"

اسی طرح علماء کے متعلق لکھا ہے:-

درحقیقت یہ تمام گناہ علماء کی گردن پر ہے۔ جو بیہودہ جھگڑوں میں اپنے وقتوں کو کھوتے ہیں، اور خلق اللہ کی سچی ہمدردی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ کیا وہ یہودیوں سے اپنی ظاہر پرستی اپنی دنیاداری اپنی ریاکاری اپنی ہوس بازی اپنی فتنہ پردازی اپنی سخن سازی میں کچھ کم ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ سب صفات ان میں کچھ بڑھکر ہیں جن کو وہ نہایت ہوشیاری کے ساتھ غیروں سے چھپاتے ہیں وہ راستی سے نفرت اور ناراستی سے محبت رکھتے ہیں۔ اور نہ صرف یہی بلکہ چاہتے ہیں کہ اوروں کو بھی اسی گڑھے میں دھکیل دیں جس میں وہ آپ گرے ہوئے ہیں۔ وہ فطرتی بدبختی کی وجہ سے مذہب کی بیرونی صورت اور شریعت کی ادنٰی جزئیات میں الجھے ہوئے ہیں، اور اسلام کے حقائق عالیہ اور معارف دقیقہ کو چھونا نہیں چاہتے۔ اور نہ ان اسرار اور نکات سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں جیسے ہوا ایک چشمہ کے مجرا میں بھری ہوئی ہوتی ہے اور اس کے لمحہ بہ لمحہ اوپر کو چڑھنے سے وہ چشمہ اُچھلتا ہے۔ ایسا ہی ان کے چشمۂ فطرت کا حال ہے، کہ تعصب کی ہواؤں اور بخارات سے ان کا گندہ چشمہ آجکل بڑے جوش کے ساتھ

ظاہر ہو رہا ہے جس کو وہ مدت سے مخفی طور پر رکھتے تھے۔ رَبِّ ارْحَمْ رَبِّ ارْحَمْ" (آئینہ کمالات اسلام ص۴۹)

پھر اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں:-

"اور بسبب بے خبری اور سرد مہری کے جو اسلام کی نسبت یہ فرقہ رکھتا ہے، ان کے سچے تقویٰ اور راستبازی میں بھی بہت ہی فرق آگیا ہے۔ اور نیک ظنی اور متانت اور استقامت اور بلند ہمتی اور وسعت اخلاقی اور ہمدردیٔ اسلام و مسلمین و بنی نوع گویا ان کے دلوں سے بکلّی اٹھ گئی ہے اور فضائل حمیدہ عفو و احسان و اخلاص و مصالحت گویا ان کے صحن سینہ سے محو ہو گئے ہیں۔ اکثر تو ایسے ہیں، کہ جن کی طبیعتوں پر شر انگیزی کے ہزاروں دروازے کھلے ہیں۔ مگر شر سے باہر نکلنے اور صلح جوئی کا ایک بھی نہیں۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ کمال تکبّر اور کثرت غفلت کی وجہ سے ان کی روحانیت کمزور ہو گئی ہے دنیا کی طرف اور اس کی جاہ و نمود کی طرف انہیں ایک کشش ہو رہی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے قبض ہے" (آئینہ کمالات اسلام ص۵۲)

ان مثالوں کے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریریں عام طور پر صاف، سادہ اور سلیس ہیں۔ اور ان میں لفظی صنائع بدائع سے بہت کام نہیں لیا گیا۔ مگر چونکہ بعض خیالات و تصورات ایسے ہوتے ہیں، کہ معمولی زبان انہیں ادا نہیں کر سکتی۔ اور محض سادہ اسلوب ان میں اثر پیدا کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔ اس لئے ایسے موقعوں پر تشبیہ و تمثیل استعارہ و کنایہ وغیرہ سے کام لینا پڑتا ہے۔ اگر اس وقت ایسا نہ کیا جائے، تو ادب ادب نہیں رہتا۔ معمولی بات ہو جاتی ہے۔ پس جہاں عام طور پر آپ نے ان چیزوں سے احتراز کیا ہے، وہاں جب موقع دیکھا ہے استعمال بھی فرماتی ہیں۔ اس وجہ سے آپ کی تحریروں میں لفظوں کی خوبیاں اور بندشوں کے محاسن بھی موجود ہیں۔ اور وہ صنائع و بدائع وغیرہ متعارف خوبیوں سے بھی جو کلام کی عمدگی کا معیار سمجھی جاتی ہیں خالی نہیں۔ ان میں استعا

بھی ہیں، کنائے بھی تمثیلیں بھی ہیں، تشبیہیں بھی۔ طنز بھی ہے، تعریض بھی۔ غرض فصاحت و بلاغت، معانی، بیان اور بدیع کی بہت سی خوبیوں اور لذتوں سے آپؑ کا کلام مملو ہے۔ لیکن بقول مولوی الطاف حسین حالیؔ "اصل بات یہ ہے کہ جب عمدہ اور پاکیزہ خیالات ایسے صاف اور معنی خیز لفظوں میں بیان کئے جاتے ہیں کہ لفظوں کے ساتھ ہی ساتھ معنی بھی ذہنوں میں اترتے جاتے ہیں تو خیالات کی خوبی ناظرین کو الفاظ کی طرف متوجہ ہونے نہیں دیتی۔ بلکہ محاسنِ لفظی خیالات کے شکوہ میں دب کر رہ جاتے ہیں" حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر میں بھی اس قبیل کی جو چیزیں ہیں اُن میں ایسا بے ساختہ پن ہے، کہ بے قصد و بے ارادہ آپؑ کے قلم سے ٹپکتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ ان کی تابانی بے محل اور بے موقع نہیں۔ اور وہ یکے بعد دیگرے آکر اپنی درخشانی سے ہماری نظروں کو خیرہ نہیں کرتیں۔ ان کی وجہ سے کلام کی صفائی اور معانی کی لطافت کو نقصان نہیں پہونچتا۔ اور شکوہ الفاظ پر بلندیٔ خیال بھینٹ نہیں چڑھتی۔

بڑے بڑے ادیبوں کو دیکھا ہے، کہ نہایت خوبصورت، دلچسپ اور دلفریب تحریر لکھتے ہیں۔ لیکن اگر انہیں کوئی ایسا علمی موضوع دے دیا جائے، جس میں تحقیق، تنقید، قوتِ استقرا اور تفریعِ مسائل کی ضرورت پیش آئے۔ تو ان کی حالت ناگفتہ بہ ہوجاتی ہے۔ اور صاف کھل جاتا ہے کہ ان کی لفظی آرائش علمی خیالات کو ادا نہیں کرسکتی۔ اور ان کی تحریر کی رنگینی باریک مسائل کی نزاکت کو فنا کردیتی ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اُسے آسان مسائل کی طرح بنا دیا۔ نہایت عمیق و اہم مذہبی، روحانی اور علمی مسائل کو بھی نہایت دل آویز اور لذیذ پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ مثلاً صوفیاء کے ہاں راہِ سلوک میں فنا، بقا اور لقاء کی منازل بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آئینہ کمالاتِ اسلام میں آیت قرآنی بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ کی تفسیر میں ان مقامات کی نہایت لطیف تشریح فرمائی ہے، جس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ جس طرح ایک صاحب حال صوفی یہ راہ طے کرتے ہوئے نہیں تھکتا، اسی طرح اس کی حقیقت کے اظہار سے آپؑ کا قلم بھی درماندہ نہیں۔ ذیل میں

ہم مرتبۂ لقاء کی تشریح درج کرتے ہیں:-

• جب یہ لقاء کی حالت بخوبی استحکام پکڑ جاتے اور سالک کے رگ و ریشہ میں داخل ہو جائے، اور اس کا جزو وجود بن جائے، اور ایک نور آسمان سے اُترتا ہوا دکھائی دے جس کے نازل ہونے کے ساتھ ہی تمام پردے دُور ہو جائیں۔ اور نہایت لطیف اور شیریں اور حلاوت سے ملی ہوئی ایک محبت دل میں پیدا ہو، جو پہلے نہیں تھی، اور ایک ایسی خنکی اور اطمینان اور سکینت اور سرور دل کو محسوس ہو، کہ جیسے ایک نہایت پیارے دوست مدت کے بچھڑے ہوئے کی یکدفعہ ملنے اور بغلگیر ہونے سے محسوس ہوتی ہے۔ اور خدا تعالےٰ کے روشن اور لذیذ اور مبارک اور سرور بخش اور فصیح اور معطر اور مبشرانہ کلمات اٹھتے اور بیٹھتے اور سوتے اور جاگتے اس طرح پر نازل ہونے شروع ہو جائیں، کہ جیسے ایک ٹھنڈی اور دلکش اور پُر خوشبو ہوا ایک گلزار پر گذر کر آتی، اور صبح کے وقت چلنی شروع ہوتی، اور اپنے ساتھ ایک نشہ اور سرور لاتی ہے، اور انسان خدا تعالیٰ کی طرف ایسا کھینچا جاتے، کہ بغیر اس کی محبت اور عاشقانہ تصور کے جی نہ سکے، اور نہ صرف یہ کہ مال اور جان اور عزت اور اولاد اور جو کچھ اس کا ہے قربان کرنے کے لئے طیار ہو۔ بلکہ اپنے دل میں قربان کر ہی چکا ہو، اور ایسی ایک زبردست کشش سے کھینچا گیا، جو نہیں جانتا کہ اُسے کیا ہو گیا، اور نورانیت کا لبّہ اپنے اندر انتشار پائے، جیسا کہ دن چڑھا ہوا ہوتا ہے، اور صدق اور محبت اور وفا کی نہریں بڑے زور سے چلتی ہوئی اپنے اندر مشاہدہ کرے، اور لحمہ بہ لحمہ ایسا احساس کرتا ہو کہ گویا خدا تعالےٰ اس کے قلب پر اُترا ہوا ہے جب یہ حالت اپنی تمام علامتوں کے ساتھ محسوس ہو تب خوشی کرو اور محبوب حقیقی کا شکر بجا لاؤ، کہ یہی وہ انتہائی مقام ہے جس کا نام لقاء رکھا گیا ہے۔

اس آخری مقام میں انسان ایسا احساس کرتا ہے، کہ گویا بہت سے پاک پانیوں سے اس کو دھو کر اور نفسانیت کا بکلّی رگ و ریشہ اس سے الگ کر کے نئے سر سے اس کو پیدا کیا گیا۔ اور پھر رب العالمین کا تخت اس کے اندر بچھایا گیا۔ اور خدائے پاک و قدوس کا چمکتا ہوا چہرہ اپنے تمام دلکش حسن و جمال کے ساتھ ہمیشہ کے لئے اس کے سامنے موجود ہو گیا ہے۔" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۰)

• اور یہ لقاء کا مرتبہ تب سالک کے لئے کامل طور پر متحقق ہوتا ہے، کہ جب ربانی رنگ بشریت کے رنگ و بو کو بتمام و کمال اپنے رنگ کے نیچے متواری اور پوشیدہ کر دیوے، جس طرح آگ لوہے کے رنگ کو اپنے نیچے ایسا چھپا لیتی ہے، کہ نظر ظاہر میں بجز آگ کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ یہ وہی مقام ہے جس پر پہنچکر بعض سالکین نے لغزشیں کھائی ہیں۔ اور شہودی پیوند کو وجودی پیوند کے رنگ میں سمجھ لیا ہے۔ اس مقام میں جو اولیاء اللہ پہونچے ہیں یا جن کو اس میں سے کوئی گھونٹ میسّر آ گیا ہو، بعض اہل تصوّف نے ان کا نام اطفال اللہ رکھدیا ہے۔ اس مناسبت سے کہ وہ لوگ صفاتِ الٰہی کے کنار عاطفت میں بکلّی جا پڑے ہیں۔ اور جیسے ایک شخص کا لڑکا اپنے حلیہ اور خط و خال میں کچھ اپنے باپ سے مناسبت رکھتا ہے، ویسا ہی اُن کو بھی ظلّی طور پر بوجہ تخلّق باخلاق اللہ خدا تعالیٰ کی صفات جمیلہ سے کچھ مناسبت پیدا ہو گئی ہے۔ ایسے نام اگرچہ کھلے کھلے طور پر زبانِ شرع مستعمل نہیں ہیں۔ مگر درحقیقت عارفوں نے قرآن کریم سے ہی اس کو استنباط کیا ہے۔ کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا۔ یعنی اللہ تعالےٰ کو ایسا یاد کرو جیسے تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اگر مجازی طور پر ان الفاظ کا بولنا منہیاتِ شرع سے ہوتا، تو خدا تعالیٰ ایسی طرز سے اپنی کلام کو منزہ رکھتا جس سے

اطلاق کا جواز مستنبط ہوسکتا ہے۔

اور اس درجہ لقاء میں بعض اوقات انسان سے ایسے امور صادر ہوتے ہیں جو بشریت کی طاقتوں سے بڑھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور الٰہی طاقت کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں جیسے ہمارے سید و مولیٰ سید الرسل حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر میں ایک سنگ ریزوں کی مٹھی کفار پر چلائی۔ اور وہ مٹھی کسی دعا کے ذریعہ سے نہیں، بلکہ خود اپنی رُوحانی طاقت سے چلائی۔ مگر اس مٹھی نے خدائی طاقت دکھلائی۔ اور مخالف کی فوج پر ایسا خارق عادت اُس کا اثر پڑا، کہ کوئی ان میں سے ایسا نہ رہا، کہ جس کی آنکھ پر اس کا اثر نہ پہنچا ہو، اور وہ سب اندھوں کی طرح ہوگئے اور ایسی سراسیمگی اور پریشانی ان میں پیدا ہوگئی، کہ مدہوشوں کی طرح بھاگنا شروع کیا۔ اسی معجزہ کی طرف اللہ جل شانہٗ اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۔ یعنی جب تونے اس مُٹھی کو پھینکا وہ تونے نہیں پھینکا بلکہ خدا تعالیٰ نے پھینکا۔ یعنی درپردہ الٰہی طاقت کام کر گئی انسانی طاقت کا یہ کام نہ تھا۔ اور ایسا ہی دوسرا معجزہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جو شق القمر ہے الٰہی طاقت سے ظہور میں آیا تھا۔ کوئی دعا اس کے ساتھ شامل نہ تھی، کیونکہ وہ صرف انگلی کے اشارہ سے جو الٰہی طاقت سے بھری ہوئی تھی وقوع میں آگیا تھا۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۶۴ تا ۶۶)

۔ لقاء کا مرتبہ جب کسی انسان کو میسر آتا ہے، تو اس مرتبہ کے تموّج کے اوقات میں الٰہی کام ضرور اس سے صادر ہوتے ہیں۔ اور ایسے شخص کی گہری صحبت میں جو شخص ایک حصہ عمر کا بسر کرے تو ضرور کچھ نہ کچھ یہ اقتداری خوارق مشاہدہ کرے گا۔ کیونکہ اس تموّج کی حالت میں کچھ الٰہی صفات کا رنگ ظلّی طور پر انسان میں آجاتا ہے۔ یہانتک کہ اس کا رحم خدا تعالےٰ کا رحم اور اس کا غضب خدا تعالیٰ کا غضب ہوجاتا ہے

اور بسا اوقات وہ بغیر کسی دعا کے کہتا ہے کہ فلاں چیز پیدا ہو جائے تو وہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور کسی کو غضب کی نظر سے دیکھتا ہے، تو اس پر کوئی وبال نازل ہو جاتا ہے۔ اور کسی کو رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے، تو وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک مورد رحم ہو جاتا ہے۔ اور جیسا کہ خدا تعالیٰ کا کُن دائمی طور پر نتیجہ مقصودہ کو بلا تخلّف پیدا کرتا ہے، ایسا ہی اس کا کُن بھی اس تموّج اور مد کی حالت میں خطا نہیں جاتا۔ اور جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں، ان اقتداری خوارق کی اصل وجہ یہی ہوتی ہے کہ یہ شخص شدت اتصال کی وجہ سے خدائے عزّ و جل کے رنگ سے ظلّی طور پر رنگین ہو جاتا ہے اور تجلّیات الٰہیہ اس پر دائمی قبضہ کر لیتے ہیں۔ اور محجوب حقیقی حجب حائلہ کو درمیان سے اٹھا کر نہایت شدید قرب کی وجہ سے ہم آغوش ہو جاتا ہے۔ اور جیسا کہ وہ خود مبارک ہے، ایسا ہی اس کے اقوال و افعال اور حرکات اور سکنات اور خوراک اور پوشاک اور مکان اور زمان اور اس کے جمیع لوازم میں برکت رکھ دیتا ہے، تب ہر ایک چیز جو اس سے مس کرتی ہے، بغیر اس کے جو یہ دعا کرے برکت پاتی ہے۔ اس کے مکان میں برکت ہوتی ہے۔ اس کے دروازوں کے آستانے برکت سے بھرے ہوتے ہیں۔ اس کے گھر کے دروازوں پر برکت برستی ہے، جو ہر دم اس کو مشاہدہ ہوتی ہے اور اس کی خوشبو اس کو آتی ہے۔ جب یہ سفر کرے تو خدا تعالیٰ مع اپنی تمام برکتوں کے اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جب یہ گھر میں آوے تو ایک دریا نور کا ساتھ لاتا ہے۔ غرض یہ عجیب انسان ہوتا ہے، جس کی کنہ بجز خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۸-۶۹)

۳:۔ ملائک اور شیاطین کے وجود کا اثبات اور ان کی ضرورت ایک بڑا گہرا اور مشکل مسئلہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آئینہ کمالات اسلام کے مقدمہ میں اس پر

تفصیلی بحث کی ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے، جن کے اثبات کیلئے خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کے استنباط حقائق میں آپ کو منفرد کیا ہے لیکن اگر کسی کے خیال میں آپ سے پہلے کسی نے اس مسئلہ کو اس خوبی سے بیان کیا ہے، تو ہم چیلنج کرتے ہیں، کہ اُسے پیش کیا جائے۔ بحث چونکہ طویل ہے اس لئے بجائے اقتباس پیش کرنے کے ہم قارئین کرام سے درخواست کرینگے، کہ وہ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۷ سے صفحہ ۱۴۲ تک متن و حاشیہ میں اس حصہ کو پڑھیں جس میں قرآن، حدیث اور قانونِ فطرت کو سامنے رکھکر ملائکہ اور شیاطین کے وجود کی حقیقت اور ان کی ضرورت پر بڑی دل آویز بحث کی گئی ہے۔ اور جس میں ساتھ ہی ساتھ منقول اور معقول کے پیش نظر جو اعتراضات کئے گئے ہیں، ان کا قلع قمع بھی کیا گیا ہے۔

(باقی آئندہ)

حضرت مسیح موعودؑ کا جانشین

خلیفہ — یا — انجمن

(۳)

(از حضرت مولوی شیر علی صاحب)

تیسری تحریر تیسری تحریر جس کو اس امر کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے، کہ حضرت مسیح موعود کے بعد حضور کا حقیقی جانشین اور خلیفہ انجمن ہے، یہ ہے:-

"انجمن جس کے ہاتھ میں ایسا روپیہ ہو اس کو اختیار نہیں ہوگا، کہ بجز اغراض سلسلہ احمدیہ کے کسی اور جگہ وہ روپیہ خرچ کرے۔"

اِن الفاظ پر مولوی محمد علی صاحب نے "الوصیت" کے اُس نسخے میں جس کو انہوں نے اگست ۱۹۱۴ء میں لاہور سے شائع کیا، حسب ذیل نوٹ دیا ہے:-

"روپیہ کے خرچ کرنے کا اختیار صرف انجمن کو دیا ہے۔ اور اسی کو ہدایت کی ہے، کہ وہ بجز اغراضِ سلسلہ احمدیّہ کے اور کسی جگہ روپیہ خرچ نہ کرے۔ روپیہ خرچ کرنے کی مجاز بھی انجمن ہے۔ اس کو تجارت میں لگانے کیلئے بھی مجاز انجمن ہے۔"

تعجب ہے کہ اس قاعدے سے مولوی محمد علی صاحب نے انجمن کے حقیقی خلیفۃ المسیح ہونے کا ثبوت کس طرح نکالا ہے۔ اس قاعدے میں "ایسا روپیہ" کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ اس روپیہ کا ذکر اوپر کے قواعد میں کیا گیا ہے۔ اور یہ وہ روپیہ ہے جو وصایا سے حاصل ہوگا۔ جب انجمن کے بنانے کی غرض یہ ہے کہ وہ بہشتی مقبرہ کا انتظام کرے، تو ضروری تھا کہ انجمن کو اس روپے کے

خرچ کرنے کے متعلق بھی ہدایتیں دی جاتیں۔ جب حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی وصیت میں لکھا، کہ یہ مالی آمدنی ایک با دیانت اور اہل علم انجمن کے سپرد رہے گی، تو طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا تھا، کہ اس روپے کو انجمن کیا کرے گی؟ سو اس کے متعلق یہ ضروری امر تھا، کہ انجمن کو ہدایتیں دیجاتیں اور اس کے اختیارات کی حدبندی بھی کی جاتی۔ پس اس قاعدے میں انجمن کے اختیارات کی حدبندی کی گئی ہے۔ اور خرچ کرنے کا دائرہ اس کے لئے محدود کیا گیا ہے۔ کہ بجز اغراض سلسلہ اور کسی جگہ خرچ نہ کرے۔ ان الفاظ میں انجمن کو کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔ بلکہ اس کے اختیار کو محدود کیا گیا ہے۔ اور اس پر ایک پابندی عائد کی گئی ہے۔ اس سے انجمن کا حقیقی خلیفۃ المسیح ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔ یہ پابندی ایک حقیقی خلیفہ اور امام جماعت کے شان کے خلاف ہے، بلکہ اس کی شان کی ہتک ہے۔ خلیفہ کے لئے ایک ہی ہدایت ہے کہ وہ قانون شریعت کا پابند ہوگا۔ پس یہ ممانعت جس میں انجمن کو روکا گیا ہے، کہ وہ اس روپے کو بجز اغراض سلسلہ احمدیہ کسی اور جگہ خرچ نہ کرے، انجمن کی شان کو گرا رہی ہے۔ یہ قاعدہ تو ایسا ہے، کہ بجائے اس کے کہ غیر مبایعین اس کو انجمن کی خلافت کے ثبوت میں پیش کرتے انہیں چاہیئے تھا، کہ اسے چھپاتے، کیونکہ یہ صریح طور پر ان کے مدعا کے خلاف پڑا ہوا ہے۔

مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہیں، کہ انجمن پر کسی شخص کو حاکم قرار نہیں دیا گیا۔ لیکن مولوی صاحب کا یہ کہنا بالکل غلط ہے۔ جہاں حضرت مسیح موعودؑ نے انجمن کی بنیاد ڈالی ہے۔ وہیں صاف الفاظ میں لکھ دیا ہے، کہ انجمن حاکم اور خود مختار نہیں ہوگی۔ بالکل محکوم اور تابع ہوگی۔ وہ الفاظ میں مولوی صاحب کو دوبارہ یاد دلا دیتا ہوں۔ حضور فرماتے ہیں:۔

> "جب ایک گروہ جو متکفل اس کام کا ہے، فوت ہو جائے گا، تو وہ لوگ جو ان کے جانشین ہونگے، ان کا بھی یہی فرض ہوگا، کہ ان تمام خدمات کو حسب ہدایت سلسلہ احمدیہ بجالاویں"

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے، کہ انجمن سلسلہ احمدیہ کی افسر نہیں ہوگی، بلکہ سلسلہ احمدیہ کے

ماتحت اور اس کی ہدایت کے مطابق کام کرنے والی ہوگی۔ ان الفاظ کے ہوتے ہوئے انجمن دعویٰ نہیں کرسکتی، کہ وہ سلسلہ احمدیہ کی حاکم ہے، بلکہ اس کی حیثیت تابع اور محکوم کی ہے اور سلسلہ احمدیہ اس پر حاکم ہے، اور اس کا فرض ہے کہ وہ سلسلہ احمدیہ کی ہدایت کے مطابق کام کرے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے سلسلہ احمدیہ کی اطاعت کا جوُا انجمن کی گردن پر رکھ دیا ہے۔ اب مولوی محمد علی صاحب یا ان کے رفقاء خواہ کتنا زور لگائیں، یہ جوُا انجمن کی گردن پر سے اُتر نہیں سکتا، سلسلہ احمدیہ الگ چیز ہے اور انجمن الگ چیز، جو ایک خاص کام کے بجا لانے کے لئے سلسلہ احمدیہ کے ماتحت قائم کی گئی۔ انجمن کی بنیاد رکھتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ نے سلسلہ احمدیہ کی ہدایت کے مطابق کام کرنے کی شرط لگادی۔ پس تمام قواعد اس شرط کے ماتحت ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر قاعدہ کے ساتھ اس شرط کا اعادہ کیا جائے۔ یہ الفاظ انجمن کی پیشانی پر لکھے گئے ہیں۔ اب کوئی چیز ان کو مٹا نہیں سکتی۔ ہدایت دینا افسر کا کام ہے، نہ کہ ماتحت کا۔ جس کو دوسرے کی ہدایت کے مطابق کام کرنے کا حکم ہو، وہ اپنے ماتحت کارکنوں پر تو اپنی حکومت چلا سکتا ہے۔ لیکن اُس پر وہ حاکم نہیں ہوسکتا، جس کی ہدایت کے مطابق کام کرنے کا اس کو حکم دیا گیا ہے۔ پس اگر سلسلہ احمدیہ کسی شخص کو اپنا امام مقرر کرے، تو وہ سلسلہ کا نمائندہ ہے اور انجمن کا فرض ہے کہ امام سلسلہ احمدیہ کے احکام کے ماتحت ان مخصوص ہدایات کو بجا لائے جو اس کے سپرد کی گئی ہیں۔ اگر وہ اس کے خلاف کرے، تو وہ بغاوت کی مجرم ہے۔

چوتھی تحریر جس کو اس امر کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے، کہ حضرت مسیح موعودؑ کے بعد حقیقی خلیفہ انجمن ہے، یہ ہے:۔

"جب تک کوئی خدا سے روح القدس پا کر کھڑا نہ ہو۔ سب میرے بعد مل کر کام کرو۔"

ان الفاظ سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ جب تک کوئی مامور ظاہر ہو کر مسیح موعودؑ کی طرح اپنی معاملات میں انجمن کی رائے کو رد کرنے کا اختیار نہیں رکھتا، اس وقت تک صرف انجمن ہی حاکم ہے

اور جماعت کا فرض ہے، کہ وہ مل کر ایک دوسرے کی مدد اور مشورہ سے کام کرتے رہیں۔

اس تحریر میں "سب میرے بعد مل کر کام کرو" کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ میں غیر مبایعین اصحاب سے پوچھتا ہوں، کہ ان الفاظ کی تعمیل کے لئے سب سے بہتر طریق کونسا ہے، جو جماعت احمدیہ اختیار کر سکتی ہے؟ کیا ہر ایک عقلمند کے نزدیک سب کے مل کر کام کرنے کا بہترین طریق یہی نہیں ہے کہ سب مل کر اپنا ایک امیر مقرر کریں، اور سب اس کی اطاعت کریں۔ یہی حکم صحابہ کے لئے تھا۔ صحابہ نے اس کی کس طرح تعمیل کی۔ یہ کوئی نیا حکم نہیں ہے، بلکہ وہی حکم ہے، جو قرآن شریف میں ان الفاظ میں دیا گیا ہے۔ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا۔ غیر مبایعین اصحاب بتلائیں، کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس حکم کی کس طرح تعمیل کی؟ کیا انہوں نے کوئی انجمن بنائی تھی؟ ہرگز نہیں، بلکہ انہوں نے اپنا ایک امیر مقرر کیا تھا۔ سو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد جماعت احمدیہ نے بھی اسی طریق پر عمل کیا، جس پر صحابہ کرامؓ نے عمل کیا تھا۔ اور تمام عقلمند لوگ مل کر کام کرنے کے لئے اسی طریق کو بہترین طریق تسلیم کرتے ہیں۔ انجمنیں تو غیر احمدیوں کی بھی ہیں لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے پیغام صلح میں غیر احمدی مسلمانوں کو اس وجہ سے پراگندہ خیال قرار دیا، کہ ان کا کوئی واجب الاطاعت لیڈر نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک بھی مل کر کام کرنے کا یعنی وحدت کا یہی طریق ہے، کہ سب لوگ ایک واجب الاطاعت لیڈر کے ماتحت کام کریں۔ پس ان الفاظ سے سلسلۂ خلافت کی تائید ہوتی ہے، نہ کہ انجمن کی۔

علاوہ ازیں ان الفاظ کے متعلق یہ کہنا کہ ان میں آپ نے کسی انجمن کی طرف اشارہ کیا، یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جس وقت آپ نے یہ الفاظ لکھے، اس وقت تک کسی انجمن کا حضور نے الوصیت میں ذکر نہیں فرمایا تھا۔ اور الوصیت کے آخر میں جس انجمن کی حضور نے بنیاد ڈالی۔ اس کی غرض صرف بہشتی مقبرہ کا انتظام تھا۔ اور یہ ظاہر ہے، کہ ایک قبرستان کا انتظام تمام جماعت کے انتظام کے مترادف نہیں ہو سکتا۔ پس ان الفاظ سے کسی انجمن کے وجود کی طرف اشارہ

نکالنا اور واجب الاطاعت لیڈر کے خلاف اس سے استدلال کرنا ایک ایسا استدلال ہے، جس کو کوئی معقول پسند آدمی ایک لمحہ کے لئے بھی درست تسلیم نہیں کرے گا۔ اور اگر ان الفاظ سے یہ مراد لی جائے، کہ یہاں حضرت اقدس نے حکم دیا ہے، کہ ایک انجمن قائم کرو۔ تو کیا ان الفاظ سے یہ مطلب نکلتا ہے، کہ یہ انجمن اس وقت تک قائم رہے گی، جب تک کہ کوئی خدا سے رُوح القدس پاکر نہ کھڑا ہو جب کوئی ایسا وجود کھڑا ہوگا۔ اس وقت انجمن ٹوٹ جائے گی۔ ان الفاظ سے بھی انجمن کے اختیارات کی وہی تشریح صحیح ثابت ہوتی ہے، جو ہم پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ اس تشریح کے مطابق مامور اور غیر مامور ہر دو قسم کے خلفاء کے ماتحت انجمن کا وجود قائم رہے گا۔ اور وہ یکساں طور پر اپنا کام جاری رکھ سکے گی جیسا کہ اس نے حضرت مسیح موعودؑ کے وقت میں اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کے زمانہ میں کام کیا۔ ان دونوں زمانوں میں انجمن نے پہلے ایک مامور کے ماتحت کام کیا، اور پھر ایک غیر مامور خلیفہ کے ماتحت کام کیا۔ اسی طرح آئندہ بھی وہ اپنا کام جاری رکھے گی۔ اور خلفاء کے وجود میں اس کا وجود کوئی روک نہیں ہوگا۔ لیکن جو تشریح غیر مبائعین انجمن کے اختیارات اور حیثیت کی کرتے ہیں، وہ ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ مامور خلفاء کا وجود وہ خود تسلیم کرتے ہیں ان کے وقت میں یہ تشریح قائم نہیں رہ سکے گی۔

پانچویں تحریر پانچویں تحریر اس ضمن میں یہ پیش کی جاتی ہے، کہ حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے [تے] ہیں:۔

"اگر کوئی کچھ بھی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ نہ رکھتا ہو، اور بایں ہمہ ثابت ہوا، کہ وہ ایک صالح درویش ہے۔ اور متقی اور خالص مومن ہے۔ اور کوئی حصہ نفاق یا دنیا پرستی یا قصورِ اطاعت کا اُس کے اندر نہ ہو، تو وہ بھی میری اجازت سے یا میرے بعد انجمن کی اتفاق رائے سے اس مقبرہ میں دفن ہو سکتا ہے۔"

اس پر مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہیں:۔

"اس ہدایت سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ جو اختیار آپ نے زندگی میں اپنے لئے رکھا ہے، وہی اختیار اپنے بعد انجمن کو دیا ہے نہ کسی فرد واحد یا کسی خلیفہ کو۔ اگر آپ

خلفاء کی ضرورت سمجھتے، تو چاہیئے تھا، کہ اپنے بعد اپنے اختیارات خلفاء کو دیتے، مگر کیا الوصیت میں اور کیا قواعد انجمن میں اور کیا اس تحریر میں جو انجمن کے اختیارات کے متعلق اپنی وفات کے سات ماہ پیشتر انجمن کو دی۔ اپنے بعد کسی خلیفہ کا تو اشارہ تک بھی نہیں کیا۔ اور ہر قسم کے اختیارات انجمن کو ہی دیئے ہیں ۔"

اسی طرح قاعدہ ۲ و ۳ و ۷ و ۸ پر مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہیں، کہ قاعدہ ۲ و ۳ و ۷ و ۸ میں بار بار ہر قسم کے اختیارات اور ذمہ داریاں انجمن کو دی ہیں نہ کسی فرد واحد کو۔ اور قاعدہ ۱۰ پر آپ لکھتے ہیں کسی ممبر انجمن کو انجمن سے خارج کرنے یا کسی نئے ممبر کو اسکی جگہ مقرر کرنیکا اختیار صرف انجمن کو دیا گیا ہے نہ کسی اور شخص کو پس کوئی شخص واحد حضرت مسیح موعود کی وصیت کے مطابق انجمن کا مطاع نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح قاعدہ ۱۲ پر جس میں لکھا ہے کہ "جائز ہوگا، کہ اس انجمن کی تائید اور نصرت کیلئے دور دراز ملکوں میں اور انجمنیں ہوں۔ جو اس کی ہدایت کے تابع ہوں۔" مولوی محمد علی صاحب مندرجہ ذیل نوٹ تحریر فرماتے ہیں :"دوسری انجمنیں کسی خلیفہ کی ہدایت کے تابع قرار نہیں دی گئیں، بلکہ صدر انجمن کی ہدایت کے تابع قرار دی گئی تھیں۔"

مولوی محمد علی صاحب کے ان حواشی سے ظاہر ہوتا ہے، کہ آپ کو ان قواعد کی حقیقت سمجھنے میں سخت دھوکا لگا ہے۔ انکو معلوم ہونا چاہیئے، کہ یہ قواعد انجمن کارپرداز بہشتی مقبرہ کے عملدرآمد کیلئے لکھے گئے تھے۔ پس قدرتی طور پر ان میں انجمن ہی کا ذکر ہونا چاہیئے تھا۔ یہ قواعد خلفاء کیلئے نہیں لکھے گئے تھے۔ اور نہ ایسے قاعدوں کی ضرورت تھی۔ پس جب یہ تفصیلی قواعد انجمن کارپرداز بہشتی مقبرہ کی رہنمائی کیلئے لکھے گئے تو ان میں انجمن ہی کا ذکر ہونا چاہیئے تھا۔ ان قواعد پر یہ نوٹ چڑھانا، کہ "ان میں بار بار ہر قسم کے اختیارات و ذمہ داریاں انجمن کو دی گئی ہیں، نہ کسی فرد واحد کو" کسی معقولیت پر مبنی معلوم نہیں ہوتا جب قواعد انجمن کارپرداز کیلئے ہی بنائے گئے تھے، تو کام چلانے اور اپنے فرائض مفوضہ کے سرانجام دینے کیلئے جن اختیارات کے دینے کی ضرورت تھی وہ انجمن کو ہی دینے تھے نہ کسی اور کو۔ یہ ظاہر ہے کہ جس شخص کو کام

یا جس کمیٹی کو کوئی انتظام سپرد کیا جاتا ہے، تو اس انتظام کو چلانے کیلئے بعض اختیارات بھی اسکو دیئے جاتے ہیں، اور بعض ...

کیا حضرت مسیح ناصری خالقِ طیور تھے؟

(از صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ)

{صاحبزادہ صاحب موصوف نے یہ مقالہ مجلس ارشاد کے اجلاس منعقدہ ۲۳ مئی ۱۹۴۴ء میں پڑھکر سنایا۔ اِس سلسلہ کے دو مضامین اس سے قبل "ریویو" میں شائع ہو چکے ہیں۔}

"اُسی روز یشوع گھر سے باہر نکل کر جھیل کے کنارے جا بیٹھا۔ اور اس کے پاس ایسی بھیڑ جمع ہوگئی، کہ وہ کشتی پر چڑھ بیٹھا۔ اور ساری بھیڑ کنارے پر کھڑی رہی۔ اور اس نے ان سے بہت سی باتیں تمثیلوں میں کہیں۔ کہ دیکھو ایک بونے والا بیج بونے نکلا۔ اور بوتے وقت کچھ دانے راہ کے کنارے گرے۔ اور پرندوں نے آکر انہیں چُگ لیا۔ اور کچھ پتھریلی زمین پر گرے۔ جہاں انہیں بہت جلد مٹی نہ ملی۔ اور گہری مٹی نہ ملنے کے سبب جلد اُگ آئے۔ اور جب سورج نکلا، تو جل گئے۔ اور جڑ نہ ہونے کے سبب سُوکھ گئے۔ اور کچھ جھاڑیوں میں گرے۔ اور جھاڑیوں نے بڑھکر انہیں دبا لیا۔ اور کچھ اچھی زمین میں گرے۔ اور پھل لائے۔ کچھ سَو گُنا۔ کچھ ساٹھ گُنا کچھ تیس گُنا۔ جس کے کان ہوں وہ سُن لے۔

شاگردوں نے پاس آکر اُسے کہا کہ تُو ان سے تمثیلوں میں کیوں باتیں کرتا ہے۔ اُس نے جواب میں ان سے کہا، اس لئے کہ تم کو آسمان کی بادشاہت کے بھیدوں کی سمجھ دی گئی ہے مگر انہیں نہیں دی گئی۔" (متی باب ۱۳ آیت ۱ تا ۱۱)

قرآن کریم کی یہ شان ہے، کہ وہ گذشتہ انبیاء کے واقعات کا محض ذکر ہی نہیں کرتا، بلکہ وہ ان واقعات کو ایسے پیرائے میں بیان کرتا ہے، کہ جس سے ان انبیاء کی ذاتی نفسیات اور رجحانوں کا بھی ہمیں علم ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح ایک طرف وہ انبیاء گذشتہ کی تاریخ کے ایک لطیف پہلو پر

روشنی ڈالتا ہے۔ اور دوسری طرف ان کے ذکر کو انہیں کے محبوب طرزِ بیان میں ادا کرکے اس گہری محبت کا اظہار کرتا ہے جو اللہ تعالےٰ کو اپنے ان انبیاء سے تھی۔ یہ ایک مستقل مضمون ہے جس کی تفصیل میں میں پڑنا نہیں چاہتا۔ مثال کے طور پر صرف یہ عرض کر دینا کافی ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مناظرہ اور مباحثہ پیارا تھا۔ اس لئے ان کے ذکر میں عام طور پر قرآن کریم میں ہمیں یہی رنگ جھلکتا نظر آتا ہے۔ اور مسیح علیہ السلام کو جیسا کہ مذکورہ بالا انجیلی آیات سے عیاں ہے، تمثیلی زبان زیادہ محبوب تھی۔ وہ حقیقت کو مجاز کے پردوں میں چھپا کر اپنے مخاطبین کے سامنے رکھتے تھے۔ وہ اپنے موتی سؤروں کے سامنے پھینکنا پسند نہ کرتے تھے۔ اس لئے قرآن کریم نے بھی ان کا ذکر تمثیلی زبان ہی میں کیا ہے۔ اور ان کے متعلق جس قدر باتیں بیان کی ہیں، ان میں مجاز کا رنگ غالب رکھا ہے۔ مثلاً ان کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:- وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔[1]

اسی طرح فرمایا۔ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ[2]

یہ دونوں آیات بھی تمثیلی زبان میں کلام کر رہی ہیں۔ اور ان میں حقیقت مجاز کے پردہ میں چھپی ہوئی ہے۔ مگر اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اسلام کے بہت سے علماء نے ان آیات کو ظاہر پر محمول کیا۔ حتیٰ کہ ظاہر کی باریکیوں میں بھی جانے کی انہوں نے کوشش نہیں کی۔ اور ان آیات کے موٹے موٹے معنے کرکے حقیقت کو اپنی نظروں سے پوشیدہ کر لیا۔ ان میں سے بعض کا

---

[1] آل عمران آیت ۴۹۔ [2] المائدہ آیت ۱۱۰

خیال ہے (جس کا ذکر وہ آیاتِ مذکورہ کی تفسیر میں کرتے ہیں) کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے لوگوں کو یہ معجزہ دکھایا، کہ ان کے سامنے کیچڑ کے بعض پرندے بنائے اور پھر ان میں پھونک مار کر انہیں زندہ کر دیا۔ یہانتک کہ وہ اسی طرح اُڑنے لگے جس طرح خدا کے پیدا کئے ہوئے پرندے اڑا کرتے ہیں، اور اسی طرح کھانے لگے۔ مگر بعض کہتے ہیں کہ جب تک وہ پرندے اس مجمع کے سامنے رہتے وہ اڑتے بھی تھے اور کھاتے بھی تھے۔ مگر جونہی کہ وہ مجمع کی نظروں سے اوجھل ہوتے مر کر زمین پر گر پڑتے۔ [1]

اور بعض کہتے ہیں، کہ مسیحؑ نے بہت سی قسموں کے پرندے نہیں بنائے، انہوں نے صرف چمگادڑ بنایا تھا۔ [2]

اور یہ پرندہ مجمع کی نظروں سے اوجھل ہو کر بھی زندہ رہتا تھا۔ بلکہ آجتک بھی زندہ ہے بالفاظ دیگر خدا نے تو فاختہ، کبوتر اور تیتر وغیرہ بہت سے پرندے خلق کئے اور مسیحؑ نے (نعوذ باللہ) اپنی چھوٹی خدائی میں چمگادڑ پیدا کر کے دکھائی۔

ایک تیسرے گروہ کا خیال ہے، کہ مسیحؑ کے خلق طیور کو صرف چمگادڑ تک محدود کرنا صحیح نہیں مسیحؑ نے بہت سی قسموں کے پرندے بنائے تھے جو زندہ رہے، اور ان سے ان کی نسلیں چلیں۔ جو آجتک موجود ہیں۔ اور آج اللہ تعالےٰ کے بنائے ہوئے پرندوں اور مسیحؑ کے پیدا کئے ہوئے پرندوں میں فرق کرنا بہت مشکل ہے۔ [3]

مسیحؑ کے خلق طیور کی تفاصیل میں علماء و مفسرین کا باہمی اختلاف ہی اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ جن روایات سے انہوں نے ان تفاصیل کو لیا ہے، وہ اپنے ضعف کی وجہ سے قابلِ قبول نہیں۔ مگر اس تفسیر کا اندرونی اختلاف ہی ایک ایسی چیز نہیں، جس کی بناء پر ہم اسے ٹھکراتے اور ناقابلِ قبول سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت سی وزنی اور قائل کر دینے والی عقلی اور نقلی دلیلیں

---

[1] تفسیر روح البیان نے وہب کا یہ قول نقل کیا ہے۔ [2] تفسیر جلالین زیر آیت مذکورہ بالا
[3] الثعلبی جسے Wherry اور Sale نے نقل کیا ہے۔

ہیں، جو اس عقیدہ کو باطل ٹھہراتی ہیں۔ جن میں سے چند ایک کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

اوّل:۔ یہ کہ مسیح سچ مچ پرندے بناتے یا مُردوں کو زندہ کرتے یا اسی قسم کے نیم خدائی معجزے ان سے سرزد ہوتے، تو ایک دنیا کا ان کی طرف رجوع ہوتا۔ اور ہر خاص و عام ان کی نبوت بلکہ اُن کی الوہیت کو تسلیم کرتا۔ اور دور و نزدیک سے لوگ ہجوم در ہجوم ان سے برکتیں لینے کے لئے ان کے پاس حاضر ہوتے۔ کوئی اپنے مُردہ بھائی، کوئی مُردہ بیٹے اور کوئی مُردہ خاوند کے احیاء کی درخواست کرتا۔ اور اُن کے دل میں جگہ بنانے کے لئے وہ بڑے بڑے نذرانے ان کے پیش کرتے۔ اور اس غرض سے کہ وہ اپنے محبوب مُردوں کو دوبارہ پالیں مسیح کی باتوں کو مانتے اور ان کی تعلیم پر عمل پیرا ہوتے۔ غریب زمیندار کیچڑ کی گاڑیاں اٹھائے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کرتے، کہ ہم غریب ہیں، گائے بیل خریدنے سے معذور ہیں، آپ جہاں پرندے بناتے ہیں، وہاں ہماری غربت پر نظر کرتے ہوئے ہمارے لئے دو چار بیل اور ایک دو گائیں بھی بنا دیں۔ الغرض ان معجزات کی وجہ سے ہر خاص و عام میں انہیں مقبول ہونا چاہئے تھا۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ چند ایک حواریوں کے سوا کوئی ان پر ایمان نہیں لایا اور نوبت یہاں تک پہونچی، کہ انہیں صلیب پر لٹکا کر اپنی طرف سے مار دیا گیا۔ اگر مسیحؑ میں خلقِ طیور یا احیاءِ موتیٰ کی اپنے ظاہری معنوں میں قدرت ہوتی، تو انہیں صلیب دیئے جانے تک نوبت نہ پہونچتی۔[1]

دوئم:۔ دنیا[2] جانتی ہے، کہ عیسائی لوگ حضرت عیسیٰؑ کو خدا بنانے پر حریص ہیں اور اپنی اس متعصبانہ محبت کی وجہ سے مسیحؑ کی طرف بہت سے ایسے معجزات منسوب کرتے ہیں، جو انہوں نے نہیں دکھائے۔ مگر ان کے اس تعصب اور حرص کے باوجود اناجیل خلقِ طیور کے معجزہ کے متعلق بالکل خاموش ہیں۔ اور مسیحؑ کو تین خداؤں میں سے ایک تسلیم کرنے والے پادری ان کی طرف

[1] اس دلیل کی طرف حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹ کے حاشیہ پر اشارہ کیا گیا ہے۔
[2] یہ خیال بھی حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹ حاشیہ سے لیا گیا ہے۔

خلقِ طیور کا معجزہ منسوب نہیں کرتے۔ وہ تو مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں، کہ ان کے قرآن نے ایک غیر معتبر انجیل یعنی "انجیل طفولیت" سے ایک جھوٹا واقعہ لیکر اس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ Wherry نے Sale کے ترجمہ پر جو تفسیری نوٹ لکھے ہیں، ان میں سورۃ آلِ عمران کی انچاسویں[1] آیت پر وہ یہ نوٹ دیتا ہے۔

"یہ واقعہ بھی مندرجہ ذیل افسانے سے جو اس جھوٹی انجیل میں پایا جاتا ہے، جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں (یعنی انجیل طفولیت) لیا گیا ہے۔" اس میں یہ قصّہ درج ہے۔ کہ مسیحؑ کی عمر سات سال کی تھی۔ اور ایک دن وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مٹی کے پتلوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرکے کہا، کہ دیکھو! میں اپنے پرندوں کو اڑا بھی سکتا ہوں۔ اور وہ جاندار پرندوں کی طرح دانہ بھی کھا سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے پرندوں پر پھونکا، اور وہ زندہ ہو گئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

افسوس کہ مسلمانوں میں سے بعض نے مذکورہ بالا آیت کو ظاہر پر محمول کرکے مسیحیوں کو قرآن کریم پر ایک دُکھ دِہ اعتراض کا موقع دیا۔

سوئم:۔ اگر مذکورہ بالا آیات کو ظاہر پر محمول کرکے مسیحؑ کے خلقِ طیور کے عقیدہ کو صحیح تسلیم کیا جائے، اور یہ کہا جائے، کہ خدا تعالےٰ نے اپنے ارادہ اور اذن سے حضرت عیسٰیؑ کو صفتِ خالقیت میں شریک کر رکھا تھا۔ تو یہ صریح الحاد اور سخت بے ایمانی ہوگی۔ کیونکہ اگر خدا تعالےٰ اپنی صفاتِ خاصۂ الوہیت بھی دوسرے کو دے سکتا ہے، تو اس سے اس کی خدائی باطل ہوتی ہے[2] اور اس بطلان کو "ارادہ" اور "اذن" کا لفظ مٹا نہیں سکتا۔ کیونکہ اگر خدا اس بات پر قادر ہے، کہ وہ اپنی صفاتِ خاصۂ الوہیت میں سے ایک عارضی طور پر یا ہمیشہ کے لئے دوسرے کو دیدے، تو اسے اس بات پر قادر ہونا چاہئے، کہ وہ ایسی تمام صفات میں دوسرے کو اپنا شریک

---

[2] ازالۂ اوہام صفحہ ۱۲۴-۱۲۵ حاشیہ ۔

ٹھہرائے۔ یعنی پھر اسے اس بات پر بھی قادر ہونا چاہیئے۔ کہ وہ ایک عرصہ کیلئے یا ہمیشہ کے لئے اپنے جیسا ایک یا ایک سے زیادہ خدا بنالے۔[1] اس صورت میں مخلوق پرستوں کے کل مذاہب سچے ٹھہر جائیں گے۔ نعوذ باللہ۔

پس عقل سلیم اس خیال کو رد کرتی ہے۔ اسلامی رُوح اس کے منافی ہے۔ اور قرآنی تعلیم زور کے ساتھ اس عقیدہ کو ٹھکرا رہی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ۝[2] یعنی یہ ہے تمہارا رب اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ اور اس لئے وہی ایک تمہارا معبود ہونا چاہیئے۔ اور وہی ہر چیز پر وکیل ہے۔ اسی طرح فرمایا۔ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۝[3] یعنی کیا وہ خلق میں خدا تعالےٰ کے شریک ٹھہراتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں کی طرح بناتے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کو یہ مشکل درپیش آتی ہے کہ وہ پہچان نہیں سکتے۔ کہ کونسی چیز خدا کی بنائی ہوئی ہے، اور کونسی چیز شرکاء کی۔ اور مجبوراً انہیں ان تمام خالقوں کو اپنا معبود بنانا پڑتا ہے۔ کہدو تمہارا یہ خیال درست نہیں خدا تعالیٰ ہی ایک ایسی ہستی ہے، جس نے تمام اشیاء کو پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی دوسری صفات کی طرح اس میں بھی یگانہ ہے۔ اور یگانہ بھی ایسا کہ سب چیزوں کو اپنے ماتحت رکھتا ہے۔

یہ اور بہت سی دوسری آیات اس عقیدہ کو بالبداہت باطل کرتی ہیں، کہ اللہ تعالےٰ کی صفتِ خالقیت میں کوئی دوسرا شریک ہوسکتا ہے۔

یہ دلائل ہمیں مجبور کرتے ہیں، کہ ہم سورۃ آلِ عمران اور سورۃ مائدہ کی مذکورہ بالا آیتوں کو ان کے ظاہر پر محمول نہ کرتے ہوئے ان کے کوئی ایسے معنے کریں، جو معقول بھی ہوں، اور

---

[1] ازالہ اوہام صفحہ ۱۲۴ و ۱۲۵ حاشیہ۔ [2] انعام آیت ۱۰۳۔ [3] رعد آیت ۱۷ ؎

قرآنی تعلیم کی رُوح کے مخالف بھی نہ ہوں۔ مسیحؑ کو تمثیلی زبان محبوب تھی۔ یہ آیتیں بھی تمثیلی زبان میں بات کر رہی ہیں۔ یہاں اللہ تعالےٰ نے مسیحؑ کے منہ سے کہلوا تا ہے کہ تم میں سے جو اشخاص روحانی اثر کو قبول کرنے کی ایسی اہلیت رکھتے ہیں جیسی کیچڑ بیرونی اثر کے قبول کرنے کی رکھتا ہے، مَیں اُن کے لئے یہ تجویز کرتا ہوں، کہ پہلے ان کی مٹی کو لیکر ان میں بعض ایسی اخلاقی تبدیلیاں پیدا کردوں، جو انہیں دوسرے حیوانات سے ممتاز کر کے ان پرندوں کی طرح بنادیں جنہیں مزید روحانی ترقیات کے بعد روحانی فضا میں پرواز کے قابل بنایا جاسکتا ہو۔ جس طرح پرندہ انڈے کے کیچڑ کو سہ کر خدا کے اذن سے اُسے بچے کی شکل دیتا ہے جو اپنے ماں باپ کی مزید گرمی حاصل کرنے کے بعد مادی فضاء میں پرواز کے قابل بن جاتا ہے۔ پھر مسیحؑ فرماتے ہیں۔ اس پہلی تبدیلی کے بعد تم میں روحانی نفخ کے ذریعہ سے اِرْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً سے ملتی جلتی تبدیلی پیدا کرسکتا ہوں۔ جس سے تم حقیقتًا اور فی الواقع اپنے ربّ کی طرف پرواز کرنے لگ جاؤ گے۔ جیسا کہ پرندہ انڈے سے نکلنے کے بعد چند دنوں کی مزید تربیت اپنے والدین سے حاصل کرلیتا ہے۔ تو وہ ہَوا میں پرواز شروع کردیتا ہے۔

اس آیت میں اَخْلُقُ کا لفظ آیا ہے۔ جس کے معنے پیدا کرنے کے علاوہ تجویز کرنے کے بھی ہیں، جو خلق طیور والی آیت میں صادق آتے ہیں۔ اور اس معنی کی تائید میں یہ آیت ہے۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (بقرہ - ۲۹) یہاں اس کے یہ معنے تو ہو نہیں سکتے، کہ اللہ تعالےٰ زمین میں سب کچھ پیدا کرچکا ہے۔ کیونکہ یہ تو واقعات کے خلاف ہے۔ اس کے صرف یہی معنے ہوسکتے ہیں، کہ زمین میں جو کچھ پیدا ہوتا ہے، اس کا اللہ تعالےٰ نے اندازہ کرچکا ہے۔ اسی طرح فرمایا۔ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (سورۂ فرقان آیت ۲) اس میں لفظ "تقدیر" یعنی اندازہ کرنے سے پہلے خلق کو رکھا ہے پس معلوم ہؤا۔ کہ خلق کے معنے تجویز کرنے کے ہیں۔

"طین" کے معنے ہیں پانی ملی ہوئی مٹی یعنی کیچڑ۔ "هَيْئَة" کے معنے ہیں مہیّا کرنا یا شکل دینا

اور یہاں یہ مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔ ساری آیت کی روشنی میں كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ کے معنے ہوئے جس طرح پرندہ (انڈے سے) کیچڑ کو (پرندے کی) شکل دیتا ہے۔ اور ساری تمثیل یوں بنی کہ پرندہ انڈے کو اپنی گرمی پہنچا کر خدا کے اذن سے اس میں ایک پرندہ پیدا کرتا ہے، جو ہواؤں میں اُڑتا پھرتا ہے۔ اسی طرح مَیں بھی تمہیں ایک روحانی معجزہ دکھاؤنگا، کہ تم میں سے روحانی اثر کو قبول کرنیوالی فطرتوں کو لیکر انہیں اپنی روحانی تربیت میں رکھکر روحانی فضا میں پرواز کے قابل بناؤنگا۔ اور یہ وہ روحانی معجزہ ہے، جو آدمؑ سے لیکر آج تک تمام انبیاء دکھاتے چلے آتے ہیں۔ اور جسے سب سے بڑھکر اور سب سے زیادہ شان کے ساتھ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔ کہ عرب کے وحشی بدوؤں کو لیا۔ جو اس وقت کی مہذب قوموں کے نزدیک گندے کیچڑ سے بھی زیادہ بدبودار اور قابل نفرت تھے اور انہیں اپنی روحانی گرمی پہنچائی۔ اپنے روحانی پروں کے نیچے ان کی تربیت کی۔ اور ایسے تیز رفتار اور سیدھی آسمان کی طرف اڑنے والی روحیں انہیں عطا کیں، کہ خدا بھی اپنے عرش سے ان میں سے ہر ایک کو یہ کہکر پکارنے لگا۔ اِرْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّه۔ اسی قسم کا معجزہ تھا، جس کے دکھانے کا وعدہ مسیحؑ نے اپنی اُمت سے کیا تھا، اور جس کا ذکر مذکورہ بالا آیات میں ہے۔ اور جسے اس نے ایک حد تک اور آنحضرت صلعم کے مقابلہ میں گھٹیا شان کے ساتھ دکھایا۔ اور اسی معجزہ کی طرف مسیحؑ نے ان الفاظ میں اشارہ کیا:۔

"یسوع نے وہاں سے آگے بڑھکر متی نام ایک شخص کو محصول کی چوکی پر بیٹھے دیکھا۔ اور اس سے کہا، میرے پیچھے ہو لے۔ وہ اٹھکر اس کے پیچھے ہو لیا۔ اور جب وہ گھر میں کھانا کھانے بیٹھا ہوا تھا، تو ایسا ہوا کہ بہت سے محصول لینے والے اور گنہگار آکر یسوع اور اس کے شاگردوں کے ساتھ کھانے بیٹھے۔ فریسیوں نے یہ دیکھکر اس کے شاگردوں سے کہا۔ تمہارا استاد محصول لینے والوں اور گنہگاروں کے ساتھ کیوں کھاتا ہے۔ اس نے یہ سنکر کہا۔ کہ تندرستوں کو حکیم درکار نہیں، بلکہ بیماروں کو۔ مگر تم جا کر اس کے معنے دریافت کرو کہ مَیں قربانی نہیں بلکہ رحم پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ میں راستبازوں کو نہیں

بلکہ گنہگاروں کو بلانے آیا ہوں۔" (متی باب ۹ آیت ۹ تا ۱۳)

اور اسی پرندے کی تمثیل کی طرف انجیل کی یہ آیتیں اشارہ کرتی ہیں:۔

"اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کا فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے، یا کیا پئیں گے اور نہ اپنے بدن کا کہ کیا پہنیں گے۔ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھکر نہیں؟ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے۔" (متی باب ۶ آیت ۲۵ تا ۲۶)

یعنی میں تمہیں روحانی پرندے بنانا چاہتا ہوں پس تم روحانی میدان میں جسمانی پرندوں سے اپنے رب پر کامل توکل کا سبق سیکھو۔

سب جانتے ہیں کہ مسیحؑ پر خدا کی تجلی کبوتر کی شکل میں ہوئی تھی۔ انجیل میں ہے:۔" اور جب وہ پانی سے نکل کر اوپر آیا، تو فی الفور اس نے آسمان کو پھٹتے اور رُوح کو کبوتر کی مانند اپنے اوپر اُترتے دیکھا۔" (مرقس باب ۱ آیت ۱۰)

مسیحؑ پر روحانی تجلی ایک پرندے کی شکل میں ہوئی۔ مسیحؑ نے اپنے متبعین کو روحانی پرندے بنا کر سلوک کے مقام طے کروائے اور قرب الٰہی کے مقام تک پہونچایا۔ یہ ملتی جلتی تمثیلیں ہیں جن پر تھوڑا سا تدبر بھی حقیقت کو واضح کرنے کیلئے کافی ہے۔ مسیحؑ پر آسمان سے کوئی کبوتر نازل نہیں ہوا تھا بلکہ آسمان سے اُترنے والی پاک روح کو کبوتر کی تمثیلی شکل دی گئی تھی۔ مسیحؑ نے پرندے بنا کر آسمان کی طرف نہیں اڑائے۔ وہ شعبدہ باز نہ تھا۔ مسیحؑ کی تربیت میں خدا کا قرب پانے والوں کو تمثیلی زبان میں پرندے کہا گیا۔

اگر کوئی یہ کہے، کہ جن تمثیلوں کا تم نے ذکر کیا ہے۔ وہ تو انجیل کی تمثیلیں ہیں ہمیں یہ کیسے معلوم ہو کہ اسلام نے بھی ان تمثیلوں کو لیا۔ اور لفظ "طیر" کو مجازی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس کے جواب میں یہ عرض ہے، کہ اسلامی لٹریچر اور اسلامی کتب میں بہت جگہ ان تمثیلوں کا استعمال نظر آتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے طیور روحانی دنیا سے بہت گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح یٰجِبَالُ اَوِّبِيْ

مَعَهٗ وَالطَّیْرَ (سورۃ سبا آیت ۱۰) میں جن پرندوں کا ذکر ہے، وہ ہوائی پرندے نہ تھے بلکہ وہ مقربانِ الٰہی تھے، جنہیں آسمان سے یہ حکم ملا تھا، کہ وہ حضرت داؤدؑ کی بیعت کر کے ان کی پیروی اور اطاعت کریں۔ داؤدِ ثانی علیہ السلام کو بھی ایسے انسان عطا کئے گئے۔ اور مذکورہ بالا الفاظ ہی میں ان کا ذکر کیا گیا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو فرمایا یَاجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ (تذکرہ ص۵۲۳) اور اس کی تفسیر الہام الٰہی نے دوسرے الفاظ میں یوں کی: یَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ (تذکرہ ص۴۹) سمجھنے والے سمجھتے ہیں، کہ یہ "رجال" اور وہ "طیر" ایک ہی قسم کی ہستیاں ہیں۔ حدیث میں بھی مومنوں کو "طیر" کہا گیا ہے۔ فرمایا۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلعم یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَقْوَامٌ اَفْئِدَتُهُمْ مِثْلُ اَفْئِدَةِ الطَّیْرِ (مشکوٰۃ ص۴۹۶ مطبوعہ دہلی)

معنی کے لحاظ سے اس حدیث کا مفہوم انجیل کی ان آیات کے مفہوم سے جن میں توکل کا سبق دیا گیا ہے بہت ملتا ہے۔

پس جبکہ انجیل میں بھی روحانی ہستیوں کے لئے "طیر" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور اسلامی لٹریچر میں بھی یہ اصطلاح قائم رکھی گئی ہے، تو ہمارے لئے ہر طرح جائز ہے، کہ ہم آیاتِ مذکورہ میں لفظ "طیر" کو تمثیلی اور مجازی معنوں میں لیں۔ اور جب ہم ان وزنی اعتراضوں پر غور کرتے ہیں، جو اس لفظ کو ظاہر پر محمول کرنے سے پیدا ہوتے ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، تو ہمارے لئے محض جائز ہی نہیں، بلکہ ضروری ہو جاتا ہے۔ کہ ہم ان آیات کو ظاہر پر محمول نہ کریں۔ بلکہ ان آیات کے ایسے معنے کریں، جو اسلامی تعلیم کے موافق ہوں۔ اور جن سے مخالفین اسلام کو قرآن کریم کے خدا اور خدا تعالےٰ کے قرآن پر غلط اور دُکھ دِہ اعتراض کرنے کا موقعہ نہ ملے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ان آیات کو ظاہر پر محمول کرنے سے ہم "مدعی سست گواہ چست" کے مصداق ٹھہرتے ہیں۔ قرآن کریم کی بعض آیات کے قرآنی روح کے خلاف معانی کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ شرک جیسا جہنمی گناہ ہم سے سرزد ہوتا ہے۔ اور بہت سے ناواقف مسلمانوں کو راہِ راست سے ہٹانے کا ہم موجب

بنتے ہیں۔ نہ مسیحؑ نے ان معنوں میں خلق طیور کی۔ نہ مسیحی اس معجزہ کو ان کی طرف منسوب کرتے کرتے ہیں۔ نہ قرآن اس کا ذکر کرتا ہے نہ حدیثوں میں اس کی تصدیق پائی جاتی ہے، اور اسلامی تعلیم اسے اپناتی ہے۔ اس کے بالمقابل ان آیات کے وہ معنے جو ہم نے کئے ہیں، بالکل معقول اور صحیح ہیں۔ یعنی یہ کہ ان میں اس روحانی معجزے کا ذکر ہے، جو تمام انبیاء دکھاتے چلے آئے ہیں اور جو ان کی بعثت کی اصل غرض ہے۔ اور ہمارا یہ کہنا کہ یہاں لفظ "طیر" تمثیلی اور مجازی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، اسلامی تعلیم کے عین مطابق اور قرآنی روح کے عین موافق ہے۔ مسیحؑ کی غریبانہ زندگی اور بے یار و مددگار زندگی اور آپ کی استعمال کردہ اصطلاحیں اس کی مؤید ہیں اسلامی اصطلاح میں اس لفظ کے مجازی معنوں کا استعمال اور آنحضرت صلعم کے اقوال ان معنوں کی تائید میں ہیں۔ حق کو چھوڑ کر باطل میں اُلجھنا چھلکے پر نظر رکھنا اور حقیقت سے آنکھیں بند کرنا یہ تو خسارا ہی خسارا ہے۔ خدا ہم سب کو اس سے بچائے۔ اللّٰھم آمین؛

تفسیر سروری

یعنی جماعت احمدیہ کے مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کی وہ تفسیر القرآن جو رسالہ ریویو (اُردو) میں چھپتی رہی ہے اور جس میں حضرت خلیفۃ اوّل رضؓ کی تفسیر بھی بیان ہوئی ہے اسکی گنتی کی جلدیں برائے فروخت دفتر میں موجود ہیں۔ یہ تفسیر شروع سے آٹھویں پارے تک کی ہے مگر درحقیقت اس میں سارے قرآن مجید کے مشکل مقامات حل کئے گئے ہیں۔ یہ نہایت عام فہم تفسیر ہے اسکے پڑھنے سے حسب استعداد تفسیر القرآن کا ملکہ پیدا ہوجاتا ہے۔ رسالہ ریویو کے سائز پر اس کے کل دو ہزار صفحے ہیں۔ پہلے اسکی قیمت پندرہ روپے تھی مگر اب بعض فوری ضروریات کی وجہ سے اسکی رعایتی قیمت صرف چھ روپے رکھی گئی ہے۔ آج ہی بذریعہ منی آرڈر بنام مینیجر رسالہ ریویو اُردو، ارسال فرماکر اپنے لئے ایک جلد محفوظ کرالیں۔ مجلد میں یہ بیش بہا خزانہ کسی قیمت پر بھی نہ مل سکیگا مجلد کی قیمت ساڑھے سات روپے ہے؎

ملنے کا پتہ: مینیجر رسالہ ریویو اُردو، قادیان

دواخانہ نورالدینؓ

(بیادگار)

حضرت حکیم الامت طبیب شاہی حاجی الحرمین سیدنا نورالدینؓ خلیفۃ المسیح الاولؓ

(زیرِ نگرانی)

ابناء حکیم الامت حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ

آپ اپنی تمام طبی ضرورتوں کے لئے "دواخانہ نورالدینؓ" کو لیجئے کیونکہ اول یہی وہ دواخانہ ہے جس کے پاس حضرت حکیم الامت کی تمام عمر کے مجربات کا نچوڑ جس کو آخری عمر میں حضور نے ایک قلمی بیاض میں جمع کر دیا تھا بعینہٖ محفوظ ہے۔ دوئم دواؤں کی تیاری میں نہایت درجہ احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ اور چن چن کر صحیح، خالص اور مؤثر اجزاء خریدے اور فراہم کئے جاتے ہیں اور وہ تمام جڑی بوٹیاں جو عام طور پر بازاروں میں نہیں ملتیں۔ یا جن کی بجائے عطار اور پنساری غلط چیزیں فروخت کر دیتے ہیں۔ خاص طور پر صحیح جگہوں اور صحیح وقتوں میں کوشش کر کے مہیا کی جاتی ہیں۔ اور کسی نسخہ میں اس کے قیمتی اجزاء کے قلیل القیمت بدل نہیں ڈالے جاتے۔

اس دواخانہ کے چند خاص الخاص مجربات کی فہرست آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

المشتہرین

ابناء حکیم الامت طبیب شاہی حضرت سیدنا نورالدینؓ

مخصوص امراض کی فہرست

کیا آپ خدانخواستہ ان میں سے کسی مرض میں

مبتلا ہیں؟

آنکھوں کی بیماریاں

بچوں کی بیماریاں

امراض جگر و معدہ

ذیابیطیس

نزلہ

پیچش

بالوں کی بیماریاں

کمزوری دماغ

کمزوری اعضاء [illegible]

ضعفِ قلب

ضعفِ جگر

ضعفِ ہاضمہ

دل

اٹھرا

ہیجان

حمل اسقاط

خرابی ایام

سیلان الرحم

ضعفِ باہ

دق و سل

امراض خون

کنٹھ مالا

پایوریا

تلی

گنٹھیا

جنون

بخار زچہ کا

اگر ایسا ہے

تو اپنے مرض کے متعلق مفصل حالات لکھکر بھیجیے۔ ہر قسم کی خط وکتابت کیلئے صرف یہ پتہ یاد رکھیں۔

دواخانہ نور الدینؓ قادیان

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز

اردو

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۱	ماہِ شعبان ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۲ء	عدد ۹

فہرست مضامین

اداریہ:-

باطل کی ہمّت اور اولوالعزمی امریکہ کے رسالہ "مسلم ورلڈ" بابت ماہ اپریل ۱۹۶۱ء میں ایک بڈھے امریکن مشنری مسٹر شیلا بیٹر نے ایک مضمون لکھا ہے جس میں وہ نوجوان عیسائی مبلغین کو یہ تلقین کرتا ہے، کہ مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے، کہ وہ پہلے اسلامی علوم سے پوری واقفیت حاصل کریں۔ اس سلسلہ میں وہ اپنا ذاتی تجربہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے:۔

"مجھے سنہ ۱۹۰۸ء میں ملایا کے باشندوں میں کام کرنے کے لئے سنگاپور بھیجا گیا۔ ایسے لوگوں تک رسائی حاصل کرنے کے لئے جو اسلام کے پیرو اور قرآنی اصول کے معتقد تھے، میری کوئی خاص تیاری نہ تھی۔ گو میں نے ملائی زبان کا گہرا مطالعہ کر کے اس میں بولنے کی مشق کر لی تھی، مگر میں نے جلد ہی محسوس کر لیا، کہ میں ان لوگوں کے مذہبی اعتقادات سے بکلّی ناواقف ہوں، کیونکہ میں نے نہ کبھی قرآن کا مطالعہ کیا تھا، اور نہ کوئی دوسرا اسلامی لٹریچر پڑھا تھا۔ اور اس وجہ سے مسلمانوں کی مذہبی اصطلاحات کو بالکل نہ سمجھ سکتا تھا۔ مجھے کبھی بھی یہ نہیں بتایا گیا تھا، کہ ملایا کے باشندوں میں کام کرنے کے لئے ان کے مذہب، ان کی مذہبی زندگی، اور ان کی مذہبی زبان عربی کا علم مجھے میرے کام میں مدد دے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد میں نے عربی گریمر کی ایک کتاب خریدی، اور عربی زبان سیکھنے کی کوشش کی۔ مگر کوئی مجھے پڑھانے کے لئے تیار نہ تھا۔ یہ محسوس کر کے کہ ملائی زبان کے متعلق بہترین لٹریچر ڈچ لوگوں نے لکھا ہے، میں نے سنگاپور میں ایمسٹرڈم کے ایک یہودی کی خدمات ڈچ زبان پڑھنے کے لئے حاصل کیں، اور جلد ہی ڈچ زبان بولنے اور پڑھنے پر قادر ہو گیا۔ پھر میں نے ایک چینی کی

خدمات حاصل کیں، اور اس سے چینی زبان جو ملایا میں رائج ہے سیکھی۔ اور تھوڑے عرصہ کے بعد میں چینی اور ملائی دونوں زبانوں میں منادی کرنے کے قابل ہوگیا۔ لیکن عربی اور اسلام کے متعلق میں کچھ نہ کر سکا۔ بالآخر میں نے ڈاکٹر زویمر کو لکھا کہ عربی اور اسلام کا تھوڑا بہت علم حاصل کرنے کی کوئی تجویز بتائیے۔ ڈاکٹر موصوف نے میرا خط عربی کے مشنری فاضل ڈاکٹر گیرڈنر (Gairdner) کے پاس بھیجدیا۔ انہوں نے مجھے پُر زور الفاظ میں ہارٹ فورڈ جا کر ڈاکٹر میکڈانلڈ کے پاس پڑھنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ میں ہارٹ فورڈ چلا گیا۔ اور سنہ ۱۹۱۸-۲۰ء میں پورے دو سال میں نے ڈاکٹر میکڈانلڈ کے پاس رہ کر عربی پڑھی۔ لیکن بدقسمتی سے میں اپنی اس واقفیت سے جو میں نے اتنی محنت کر کے اسلام اور عربی زبان کے متعلق حاصل کی تھی، ملایا میں کام کرتے ہوئے کچھ فائدہ حاصل نہ کر سکا۔ کیونکہ جب میں سنہ ۱۹۲۰ء میں سنگاپور واپس آیا، تو میری صحت گرم آب و ہوا میں ایک لمبے عرصہ تک آرام کئے بغیر کام کرنے کے باعث اس درجہ خراب ہو چکی تھی، کہ میرے لئے مستقل طور پر سنگاپور کو خیرباد کہنا ضروری ہوگیا۔ تب سے میں ملایا کے باشندوں کی خدمت زیادہ تر ملائی زبان میں لٹریچر تیار کرنے کے ذریعہ کر رہا ہوں۔ نیز میں نئی پود کے مبلغین کو مسلمانوں میں کام کرنے کے لئے پوری تیاری کرنے میں مدد دیتا ہوں۔ اور ان کو اسلامی عقائد اور تاریخ اور عربی زبان کا پورا علم حاصل کرنے میں ان کی رہنمائی کرتا ہوں۔"

جب کسی قوم کے افراد کی اپنے مذہب کو پھیلانے کے لئے ہمت اور کوشش کا یہ حال ہو، تو اس مذہب کی دنیا میں اشاعت کیوں نہ ہو۔ یہ صرف ایک مثال ہے۔ ورنہ کتنے ہی پادری اور منّاد ہیں، جو اسی ہمت اور کوشش سے عیسائیت کو پھیلانے میں ہمہ تن لگے ہوئے ہیں۔ عیسائیت کے عقائد و اصول غلط اور خلاف فطرت سہی، لیکن ان کی محنت اور کوشش کا پھل تو ان کو ضرور ملتا ہے۔

کیونکہ قدرت کا قانون یہ ہے، کہ دنیا میں جو قوم جد وجہد کرے گی (خواہ اس کا مقصد صحیح ہو یا غلط) اس کی کوشش کے مطابق اسے ضرور کامیابی حاصل ہوگی۔ چنانچہ یہ ایسے ہی لوگوں کی مساعی کا نتیجہ ہے، کہ عیسائیت دنیا میں پھیل رہی ہے۔ ورنہ ایک عاجز انسان کو خدا بنانے والے اور ایک کو تین اور تین کو ایک کہنے والے خلاف عقل مذہب کو کون آسانی سے سچا منوا سکتا ہے۔

اب ذرا مسلمانوں کی تبلیغی کوششوں پر بھی نگاہ ڈالیئے۔ ان کے بیسیوں بڑے بڑے فرقوں میں سے کیا کوئی ایک فرقہ بھی آپ کو نظر آتا ہے، جو تبلیغ اسلام کا یہ شوق اور دُھن رکھتا ہو بلاشبہ یہ درست ہے، کہ اسلام آج بھی پھیل رہا ہے، اور اس کے نام لیواؤں میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ مگر اس کی وجہ اسلام کی ذاتی خوبیاں ہیں۔ جنہیں دیکھکر لوگ خود بخود اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مسلمان اسلام کو پھیلانے کی کیا کوشش کر رہے ہیں۔ اس کا جواب صاف ہے کہ تبلیغ اسلام کے خانہ میں مسلمانوں کی کوششیں صفر ہیں۔ پس اگر باوجود اس امر کے کہ اسلام کی کوئی قابلِ ذکر تبلیغ نہیں ہو رہی، یہ ہر جگہ پھیل رہا ہے، تو غور کیجیئے، کہ اگر مسلمان منظم طور پر اس کی تبلیغ کریں، تو اس کے کتنے شاندار نتائج نکل سکتے ہیں۔

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی ہمت اور کوشش کو دیکھیئے، کہ ایسے زمانہ میں جب رسل ورسائل اور سفر کی وہ سہولتیں میسر نہ تھیں، جو آج ہمیں میسر ہیں، انہوں نے اپنے وطنوں اور عزیز واقارب کو چھوڑ کر مختلف ممالک میں جا کر ڈیرے جما لیئے، اور وہاں کے باشندوں کی زبانیں سیکھ کر ان کو اسلام کی پاکیزہ تعلیم سے آگاہ کیا۔ یہ انہیں ابتدائی مجاہدین کی تبلیغی سرگرمیوں کا نتیجہ تھا، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پوری ایک صدی بھی گذرنے نہ پائی تھی، کہ اسلام کا پیغام دُنیا کے بہت بڑے حصہ میں پہونچ گیا تھا، اور ہر جگہ اس کے حلقہ بگوش پیدا ہو گئے تھے۔

اسلام ایک سچا اور عقل انسانی کو اپیل کرنے والا مذہب ہے اور دُنیا کی موجودہ مشکلات کا حل اسی میں پایا جاتا ہے۔ اور اس وجہ سے آج دُنیا کو اس کی سخت ضرورت ہے لیکن اگر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر خاموشی سے بیٹھے رہیں، تو دُنیا اس کے محاسن سے کیونکر آگاہ ہوگی۔ پس اس وقت

ضرورت ہے شدید جد وجہد اور ہمت کی۔ کاش مسلمان اس طرف متوجہ ہوں، اور اسلام کو پھیلانے کے سلسلہ میں کم از کم اتنا عزم اور حوصلہ تو دکھائیں جتنا عیسائی مشنری دکھا رہے ہیں۔

جنگ کے بعد دُنیا ایک پیاسے پرندے کی طرح منہ کھول کر روحانی پانی کی تلاش کرے گی، جو انہیں امن و امان اور اطمینان بخشے۔ سو ہمیں ابھی سے کمر ہمت باندھ کر اسلام کے آب حیات سے ان کی روحانی پیاس بجھانے کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ جماعت احمدیہ خدا کے فضل سے اپنی وسعت کے مطابق کوشش کر رہی ہے۔ ہمارے مبلغین مختلف ممالک میں مصروفِ عمل ہیں۔ اس کے علاوہ مجاہدین کا ایک مخلص گروہ مرکز میں تحریک جدید کے ماتحت حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ذاتی نگرانی میں تیار ہو رہا ہے۔ جونہی جنگ ختم ہو گی، یہ لوگ انشاء اللہ اسلام کا زندگی بخش پیغام اکناف عالم میں پہنچانے کے لئے نکل کھڑے ہونگے۔ دوسرے مسلمان بھی اگر اسی طرح کام کرنے کے لئے تیار ہو جائیں، یا اگر خود تیار نہ ہو سکیں، تو جماعت احمدیہ کے ساتھ ہی تعاون کریں، تو جلد ہی دُنیا میں ایک انقلاب عظیم برپا کیا جا سکتا ہے۔ حقیقۃً یہ ایک ایسا موقعہ ہے، کہ اگر اس سے فائدہ اٹھایا جائے، تو اسلام کا مستقبل بہت شاندار ہو جائے گا۔

سر فرانسس ینگ ہسبنڈ "لنڈن سے رائٹر کا ایک تار مظہر ہے، کہ مشہور سیاح سر فرانسس ینگ ہسبنڈ جنہوں نے ہندوستان کی شمالی سرحدوں کی حفاظت کے سلسلہ میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تھے، رحلت کر گئے۔" (سٹیٹسمین مورخہ ۳ اگست ۱۹۴۲ء)

سر فرانسس مذہبی دنیا میں کافی شہرت رکھتے تھے۔ ۱۹۳۰ء میں بمقام بمبئی اور ۱۹۳۹ء میں بمقام پیرس انہوں نے "ورلڈ کانگرس آف فیتھس" کی صدارت کے فرائض سرانجام دیئے تھے۔ مذہب پر انہوں نے بعض کتابیں بھی لکھی ہیں۔ انہیں مشرقی مذاہب کا گہرا مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا تھا۔ کچھ عرصہ ہوا، یورپ کی مادیت کی تباہ خیزیوں کو دیکھ کر انہوں نے یہ امید ظاہر کی تھی، کہ ہندوستان دنیا کی موجودہ بدامنی اور بے چینی کو اپنی روحانی رہنمائی کے ذریعہ دور کرنے کی کوشش کرے گا۔ ان کی یہ امید بالکل بجا تھی۔ کیونکہ اس وقت صرف ہندوستان ہی ایک ایسا خطہ ہے جسے روحانیت

کا مالک کہا جا سکتا ہے۔ لیکن آگے چل کر سر فرانسس نے سارے ہندوستان میں سے خاص طور پر ایک ایسے شخص (اربندو گھوش) کو مخاطب کیا، جو دنیا کی کشمکش سے گھبرا کر تنہائی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اور اس وجہ سے روحانی رہنمائی تو کُجا دنیاوی رہنمائی کے قابل بھی نہیں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ روحانی رہنمائی کرنے والی ہستیاں خدا کی طرف سے آتی ہیں۔ اور ان کو بارگاہِ الٰہی سے جب روحانی اصلاح کا کام تفویض کیا جاتا ہے، تو اس عظیم الشان کام کرنے کی طاقتیں بھی دی جاتی ہیں۔ وہ تن تنہا الٰہی پیغام کو لیکر کھڑے ہوتے ہیں، اور تمام دُنیا کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ مایوسی اور ناامیدی ان کے پاس تک نہیں پھٹکتی۔ سخت مشکلات اور مصائب میں بھی وہ امید کا دامن نہیں چھوڑتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں، کہ ان کی پُشت پناہ وہ خدا ہے، جو بڑی طاقتوں اور قدرتوں والا ہے۔ اُسی پر ان کا بھروسہ ہوتا ہے، اور اسی پر توکل کر کے وہ اپنے کام کو جاری رکھتے ہیں۔ اور اپنی اَن تھک کوششوں سے دُنیا کی کایا پلٹ دیتے ہیں۔ کہاں یہ بزرگ ہستیاں اور کہاں بیچارہ اربندو گھوش، جو دنیا سے مایوس ہو کر علیٰحدگی میں پڑا زندگی کے دن گذار رہا ہے۔ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔

سر فرانسس کو دنیا کے مذاہب کا بڑا مطالعہ تھا، مگر افسوس وہ اس حقیقت سے بے خبر رہے کہ روحانی اصلاح اور رہنمائی کا کام کسی کے سپرد انسان نہیں کیا کرتے۔ انہوں نے اپنی طرف سے اربندو گھوش کے سپرد یہ کام کر کے روحانی سلسلہ سے اپنی ناواقفیت کا انتہائی ثبوت دیا۔ رُوحانی اصلاح کا کام بڑا مشکل اور کٹھن ہے۔ اس بوجھ کو اٹھانے کی اہلیت کس میں ہے؟ اس کا علم صرف خدا کو ہو سکتا ہے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ اللہ خوب جانتا ہے، کہ کسے وہ اپنا رسول بنا رہا ہے۔ پس یہ کام خدا کا ہے۔ اور جب وہ کسی کو یہ مقام عطا فرماتا ہے، تو پھر ہر مشکل اور مصیبت کے وقت اِنِّيْ مَعَكَ (میں تیرے ساتھ ہوں۔ میں تیرے ساتھ ہوں) کا حوصلہ افزا پیغام سُنا کر اس کی ڈھارس بندھاتا ہے۔ سر فرانسس نے اربندو گھوش کو اپنی طرف سے تو روحانی مصلح بنا دیا۔ لیکن جب ان کے راستہ میں مشکلات پیش

آتیں، جیسا کہ ہر روحانی مصلح کے راستہ میں پیش آتی ہیں، تو پھر ان کو تسلی کون دیتا؟ اور ان کی رہنمائی کون کرتا؟ سر فرانسس تو آج فوت ہو گئے ہیں۔ آخر وہ کس کو اپنا قائم مقام بنا کر جاتے کہ میرے قائم کردہ مصلح کی میرے بعد امداد کرنا، اور مصیبت کے وقت اسے تسلی دینا۔ پس حقیقت یہ ہے، کہ رُوحانی اصلاح کا کام کسی کے سپرد کرنا صرف حی و قیوم خدا ہی کا حصّہ ہے، نہ کسی انسان کا۔

سر فرانسس کی نظر روحانی رہنمائی کے لئے ہندوستان پر پڑی۔ یہاں تک تو ان کی نگاہ بالکل درست تھی، لیکن جب انہوں نے اربندو گھوش سے اپنی امید کو وابستہ کیا، تو گویا وہ آسمان سے گر کر زمین پر آ رہے۔ رُوحانی رہنمائی کے لئے انہیں ہندوستان میں خدا کا قائم کردہ روحانی مرکز تلاش کرنا چاہیئے تھا اور وہ قادیان ہے۔ نہ اربندو گھوش کا مسکن پانڈی چری۔ افسوس کہ سر فرانسس اس دنیا سے روحانی رہنمائی حاصل کئے بغیر ہی چل بسے۔

ہندوستان میں سر موصوف نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصّہ کشمیر اور تبت میں پولیٹیکل ملازمت میں گزارا۔ Kashmir نامی کتاب کے صفحہ ۱۱۲ میں آپ نے کشمیریوں کے اسرائیلی الاصل ہونے کے نظریہ کی تائید کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

"ایک طرف اس نظریہ کا پایا جانا کہ کشمیری لوگ یہودی الاصل ہیں، اور دوسری طرف ان لوگوں کا شکل و شمائل میں واضح طور پر یہودی ہونا ایک عجیب حیرت انگیز امر ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے، کشمیر میں ہر جگہ بہت سے حقیقی اسرائیلی نمونے نظر آتے ہیں۔ بالخصوص ملک کے بلند حصّہ کے دیہات میں۔ یہاں اسرائیلی چرواہے اپنے گلّوں کو چراتے ہوئے ہر روز نظر آ سکتے ہیں۔"

یہ نظریہ کہ کشمیری لوگ یہودی الاصل ہیں، اور حضرت مسیح ناصریؑ واقعہ صلیب کے بعد اپنی قوم کے اِس حصّہ کو پیغام پہونچانے کے لئے شام سے ہجرت کر کے کشمیر آ گئے تھے، سب سے پہلے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پیش کیا تھا۔ اس نظریہ نے بہت سے یوروپین محققین کی توجہ کو اپنی طرف کھینچا ہے۔ سر فرانسس اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر اس کے اول الذکر حصّہ کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن

جب یہ حصّہ تسلیم کر لیا جائے، تو دوسرا حصّہ خود بخود ماننا پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ مسلّم ہے، کہ حضرت مسیح علیہ السلام اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں" کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ پس ضرور ہے، کہ وہ ان سب مقامات میں پہونچے ہوں، جہاں جہاں ان کی قوم پائی جاتی تھی۔ ورنہ ان کا مشن پورا نہ ہو سکتا تھا۔

ملایا میں اشاعت اسلام کی ابتداء "جزیرہ نما ملایا میں اسلام ابتداء میں کیسے پہونچا؟ اس کے متعلق Malay Annals میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا اختصار یہ ہے، کہ ملایا کے سلطان کو ایک خواب آیا، جس میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اس سے باتیں کیں، اور اسے کہا، کہ اگلے روز جدّہ سے ایک کشتی دارالخلافہ مالکا (Malacca) میں آئے گی۔ اور اس میں سے ایک آدمی اُترے گا۔ یہ آدمی جو کچھ تمہیں کہے، اس کی تعمیل کرنا۔ چنانچہ دوسرے روز فی الواقعہ ایک کشتی آئی، اور اس میں سے ایک آدمی نے اُتر کر کنارے پر نماز پڑھنا شروع کر دیا۔ لوگ اسے دیکھکر حیران رہ گئے۔ اور فوراً اس کی خبر سلطان کو دی۔ سلطان اپنا ہاتھی لیکر موقعہ پر پہونچا۔ اور اس آدمی کو اپنے محل میں لے آیا۔ اس نے اُسے اسلام قبول کرنے کی تلقین کی۔ سو بادشاہ نے اسلام قبول کر لیا۔ دیگر بڑے بڑے لوگوں نے بھی سلطان کی پیروی کی۔ اور بادشاہ نے عورت، مرد اور چھوٹے بڑے سب لوگوں کو اسلام قبول کرنے کا حکم دیا۔"

اقتباس مشہور مسیحی رسالہ "مسلم ورلڈ" ماہ اپریل ۱۹۲۲ء کے ایک مضمون سے ہے، جو ایک پادری نے لکھا ہے۔ اسلام کے منجانب اللہ ہونے کا یہ بہت بڑا ثبوت ہے، کہ اللہ تعالٰے نے اس کی اشاعت کا انتظام معجزانہ طریق پر کیا۔ مبلغین اسلام جہاں جاتے، الٰہی مدد و نصرت مختلف رنگوں میں ان کا ساتھ دیتی، اور کامیابی ان کے قدم چومتی۔ ملایا میں اسلام کے داخلہ کا یہ واقعہ کس قدر ایمان افروز ہے۔ حقیقتاً ایسے ہی روحانی علل و اسباب تھے جن کی بدولت اسلام حیرت انگیز سُرعت کے ساتھ دنیا میں پھیل گیا۔ اور نادان معترضین نے یہ سمجھا کہ اس کی اشاعت نوکِ شمشیر کی رہینِ منّت ہے۔ جوں جوں تاریخ کے پوشیدہ اوراق دنیا کے سامنے آتے جا رہے ہیں۔ مخالفینِ اسلام کی پھیلائی ہوئی یہ غلط فہمی

خود بخود دور ہوتی جارہی ہے۔ اور یہ بھی اسلام کی الہٰی تائید کا ایک پہلو ہے، کہ غلط فہمیاں پھیلانے والے گروہ ہی کے بعض افراد کے قلم سے ان غلط فہمیوں کی تردید کا سامان مہیا ہو رہا ہے ؛

"اہلحدیث" مولوی ثناء اللہ صاحب کو نازک وقت میں پہلو بدلنا خوب آتا ہے۔ پچھلے دنوں آپ نے ایک کتاب شائع کی۔ "ریویو" میں اس پر ریویو کیا گیا۔ اور کتاب کی بعض کوتاہیوں اور غلطیوں کی طرف توجہ دلائی گئی۔ مولوی صاحب نے پہلے تو جواب دینے کے لئے کچھ ہاتھ پاؤں مارے مگر آخر یہ کہکر پہلو تہی کرلی کہ کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں ان کا جواب دیا جائیگا۔ شائد وہ یہ سمجھتے ہونگے ؎

کون جیتا ہے میری زلف کے سر ہونے تک

لطف کی بات ہے کہ ادھر تو مولوی صاحب اپنے مشتاقوں کو اس طرح دوسرے وقت پر ٹال رہے تھے اور اُدھر مینیجر "اہلحدیث" نے کتاب کی طبع دوم کے چہرہ سے یہ کہکر پردہ سرکا دیا، کہ اگر آپ نے اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا، تو آج ہی منگوا لیں۔ کیونکہ ختم ہوجانے کے بعد دوبارہ شائع ہونا مشکل ہے" (اہلحدیث ۱۳ راپریل ۱۹۴۳ء)

سچ ہے۔ ؏ وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہوگیا۔

اسی سلسلہ میں پہلو تہی کا دوسرا واقعہ سُن لیجئے۔ ہم نے "ریویو" کے جولائی نمبر میں ان باتوں کے متعلق نمبروار چند گذارشات کی تھیں جو کیا مرزا صاحب ایک قابل مصنف تھے" کے سلسلہ میں مولوی صاحب کے حملوں کے جواب میں ہم کہہ چکے تھے اور جن کا کوئی جواب اس وقت تک مولوی صاحب نے نہیں دیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ :-

ہماری جوابی تحریرات کے مقابلہ میں مولوی صاحب کی خاموشی کا صرف ایک ہی مطلب ہے اور وہ یہ کہ ان کے پاس ہماری باتوں کا کوئی جواب نہیں۔ جب انہوں نے خود ایک بحث اٹھائی۔ اور ہم نے ان کے اعتراضات کے جوابات دیئے، تو اب ان کے متعلق ان کی خاموشی کا آخر اس کے سوا اور کیا سبب ہوسکتا ہے کہ وہ لاجواب ہوگئے ہیں۔ اگر وہ لاجواب نہیں ہوگئے تو ہم ان کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ہماری باتوں

کئے نبرد آزما ہیں اگر اب بھی وہ خاموش رہے، تو دنیا جان لے گی کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے پاس احمدیت کے مقابلہ میں کوئی معقول چیز نہیں، جو جرح کے سامنے ٹھہر سکے۔"

اس کے بعد مولوی صاحب نے ۲۴ جولائی کے "اہلحدیث" میں لب کشائی کی ہے لیکن اس میں بھی ہماری پیش کردہ باتوں کا جواب نہیں دیا۔ اور اس طرح ثابت کر دیا کہ ان کے پاس احمدیت کے مقابلہ میں کوئی معقول چیز نہیں جو جرح کے سامنے ٹھہر سکے۔" اس پرچہ میں جیسا کہ بیان ہوا مولوی صاحب نے ہماری پیش کردہ باتوں کا تو کوئی جواب نہیں دیا ہے۔ صرف یہ لکھا ہے، کہ ہمارے اس چیلنج پر کہ مرزا صاحب ایک قابل مصنف نہ تھے۔ "ناقل" قادیان کے رسالہ ریویو آف ریلیجنز بابت جولائی سنہ رواں میں توجہ کی گئی ہے۔ اِدھر اُدھر کی حشو و زوائد باتیں کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ہمیں یہ مباحثہ منظور ہے۔ . . . . "ریویو" کی وہ تحریرات شائع ہو چکی ہیں، جن کا مولوی صاحب نے ذکر کیا ہے۔ ہم "اہلحدیث" کے قارئین سے درخواست کریں گے۔ کہ وہ خود ہماری اس تحریر کا مطالعہ کریں اور دیکھیں، کہ آیا اس میں زیر بحث امور سے سراسر متعلق باتوں کا ذکر کیا گیا ہے، یا مولوی صاحب نے انہیں "اِدھر اُدھر کی حشو و زوائد باتیں" قرار دے کر پہلو تہی کی ایک راہ تلاش کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

"ریویو" کے اس پرچہ میں جیسا کہ خود مولوی صاحب کو اعتراف ہے، صاف لفظوں میں مولوی صاحب کے چیلنج کو منظور کیا گیا ہے۔ اور چونکہ مولوی صاحب نے لکھا تھا، "مباحثہ تحریری ہو یا تقریری دونوں صورتیں ہمیں منظور ہیں" (اہلحدیث ۲۰ مئی ۱۹۶۲ء) اور ہم جانتے تھے، کہ مولوی صاحب کو گریز کی دیرینہ عادت ہے۔ اس لئے ہم نے یہی مناسب سمجھا، کہ مباحثہ تحریری ہو، تا اگر وہ مباحثہ میں بھی یہی طریق اختیار کریں، تو یہ چیز تحریری شکل میں محفوظ رہے۔ نیز اس وجہ سے بھی ہم نے تحریری مباحثہ پر زور دیا تھا، کہ یہ ایک خالص علمی موضوع ہے، عوام کو اس سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں ہو سکتی، اور "اہلحدیث" اور "ریویو" کے ناظرین جن کے سامنے یہ

مباحثہ کی گفتگو شروع ہوئی ہے، وہ بھی اسی صورت میں اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، کہ مباحثہ تحریری ہو، اور اس کی شکل یہ تجویز کی، کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اپنا پرچہ "اہلحدیث" میں شائع کر دیں، ہم اس کا جواب "ریویو" میں شائع کر دینگے۔ اس کے جواب میں مولوی ثناء اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ "تحریری مباحثہ ہمیں منظور ہے، مگر اس طرح نہیں جس طرح ایڈیٹر صاحب "ریویو" نے لکھا ہے" (اہلحدیث ۲۴ر جولائی ۱۹۴۳ء)

۳۰ر اپریل کے "اہلحدیث" سے یہ گفتگو شروع ہوئی۔ اب ہمارا ستمبر کا پرچہ شائع ہو رہا ہے۔ گویا قریبًا چھ ماہ غیر فیصل مبادیات ہی میں گذر گئے۔ اور اس پر بھی مولوی صاحب جلد تر اس بحث کے تصفیہ کے لئے اپنے تئیں بے چین ظاہر کرتے ہیں۔ اور اسی طوالت کے خوف سے انہوں نے ہمارے پیشکردہ طریق پر بحث کرنے سے انکار کر دیا ہے اس لئے معاملہ کو جلد ختم کرنے کے واسطے ہماری تجویز یہ ہے، کہ وہ ایک ہی دفعہ تفصیل سے اپنی تمام شرائط شائع کر دیں (خواہ وہ جنگِ مقدس والی ہی ہوں، یا مباحثہ سرگودھا کی ترمیم کے ساتھ) بہرحال تمام شرائط مفصل درج ہونی چاہئیں۔ اور پھر جلد تر بتراضی فریقین اس بحث کو نپٹا لیا جائے۔ ورنہ اس طرح یہ سلسلہ جلد ختم ہوتا نظر نہیں آتا، کہ وہ مناظرہ کے لئے ایک چیلنج دیں، ہم اُسے منظور کریں، اور اس کی ایک صورت پیش کریں، لیکن مولوی صاحب اسے نامنظور کر دیں۔ اور اپنی طرف سے ایک نئی صورت پیش کریں۔ پھر اس میں ترمیمیں ہوں۔ اس کے بعد کوئی دوسری شق نکل آئے پھر اس پر گفتگو ہونے لگے۔ پس بہتر صورت یہی ہے، کہ مولوی صاحب اپنے چیلنج کو تفصیلی شرائط کے ساتھ شائع کر دیں۔ پھر ان سب پر اکٹھی گفتگو ہونے کے بعد باقاعدہ مباحثہ شروع ہو جائے

"الحکم" حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کے اس طرۂ افتخار کو کوئی دبا نہیں سکتا، کہ آپ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے سب سے پہلے اخبار نویس ہیں۔ اور آپ نے اخبار "الحکم" کے ذریعہ تکمیل اشاعت کے کام میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس درجہ خدمت کی، کہ حضور نے اس اخبار کو اپنا ایک بازو قرار دیا۔ نہ صرف اشاعت ہی کے پہلو سے بلکہ اب اس جہت سے

بھی اس اخبار کا پایہ بہت بلند ہے، کہ یہ سلسلہ کی تاریخ کا محافظ ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے سنہ ۱۹۴۲ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر "الحکم" کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، کہ:-

"اس نے ابتدائی زمانہ میں ایسی خدمت کی ہے کہ جماعت اس کا بدلہ نہیں اتار سکتی۔ سلسلہ کی بہت سی تاریخ اس کی وجہ سے محفوظ ہے۔ اگر دوست اس کی پرانی خدمات کی وجہ سے ہی اس کی مدد کر دیا کریں، تو یہ بھی اچھی بات ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس طرح وہ بھی چل نکلے۔ آخر جب ماں باپ بوڑھے ہو جائیں، تو ان کی خدمت بھی تو انسان کرتا ہے۔ حالانکہ وہ کوئی کام وغیرہ نہیں کر سکتے۔ مگر جو خدمت بھی بڑھاپے میں ان کی کرنی پڑے انسان کرتا ہے۔ کوئی گھر سے تو نہیں نکال دیتا۔ بلکہ شرفاء تو ایسے وقت میں زیادہ خدمت کرتے ہیں۔ اس صورت کو مدنظر رکھتے ہوئے دوست "الحکم" کو کم از کم اتنا ہی سہارا دیتے جائیں، کہ اُسے یہ کہنے کا موقعہ نہ مل سکے، کہ دوست اس کے جاری رہنے میں کوئی مدد نہیں کرتے۔"

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کے اس ارشاد گرامی کے بعد یقیناً کسی اور تحریک کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن اوّل ثواب میں شرکت کے لئے پھر اپنا فرض سمجھتے ہوئے اور اس لئے کہ شاید کوئی شخص ان ارشادات عالیہ کے سننے سے محروم رہ گیا ہو، یا کم از کم تذکیر ہی کا فائدہ دے ہم بڑے زور سے احباب جماعت کو اس طرف متوجہ کرتے ہیں، کہ وہ اس قومی مجاہد کی اعانت کا فرض ادا کریں۔

سنہ ۱۸۹۷ء میں "الحکم" کا آغاز ہوا۔ سنہ ۱۹۱۳ء تک باقاعدہ جاری رہا۔ پھر سنہ ۱۹۱۶ء سے دوسری بار جاری ہوا، اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ نے اس کے جاری رکھنے کے لئے "عرفانی کبیر" سے عہد لیا۔ اس کے بعد اس میں وقفہ بھی پڑ جاتا رہا۔ لیکن یہ صورت خورشید ڈوب ڈوب کر اُبھرا۔ پیچھے جنگ کی وجہ سے کاغذ کی ہوشربا گرانی کے باعث اس کی اشاعت میں وقفہ پڑ گیا تھا۔

لیکن مئی ۱۹۳۴ء سے اب پھر جاری ہوا ہے۔ اور اس نے جماعت سے تعاون کی تحریک کی ہے۔ ہمارے نزدیک بغیر اس کے جو "الحکم" جماعت سے استمداد کرتا جماعت کا فرض تھا، کہ وہ خود بخود اس طرف متوجہ ہوتی۔ اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے سب سے پہلے اخبار کی حیاتِ نو سے خوش ہوتی جس کی زندگی کا مقصد وحید یہ ہے کہ وہ ذکر حبیب کو تازہ رکھے۔ لیکن اب کہ خود اس نے جماعت سے مطالبہ کیا ہے، ہم بڑے زور سے جماعت کو متوجہ کرینگے کہ اس کی یہ پکار صدا بصحرا ثابت نہ ہو۔ بلکہ زندہ قوموں کی طرح اس کا عملی جواب دیا جائے۔

"الحکم" کے فاضل مدیر مسئول جناب شیخ محمود احمد صاحب عرفانی کی یہ محنت قابل صد تحسین و آفرین ہیں، کہ گو دائم المرض اور خطرناک جسمانی عوارض کا عرصہ سے شکار ہونے کے باعث ان کی صحت بہت کمزور ہو گئی ہے۔ مگر باوجود اس کے جب بھی انہیں ذرا افاقہ ہوتا ہے، اور وہ اپنے تئیں کسی کام کے قابل پاتے ہیں، تو سب سے پہلے ان کی توجہ سلسلہ کے اس قدیم اخبار کے احیاء و اجراء کی طرف مبذول ہوتی ہے۔ اب بھی یہ انہیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے، کہ اخبار پھر سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ ایک مریض کی یہ ہمت تندرستوں کے لئے باعث رشک ہونی چاہیئے۔ ہماری یہ دلی تمنا ہے، خدا اسے پورا کرے، کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس زمانہ کی یہ پیاری یادگار ہمیشہ زندہ اور قائم رہے۔

بالآخر ہم "الحکم" کے کارکنوں سے بھی یہ گذارش کریں گے، کہ اب کے وہ اخبار کو ہر قیمت پر جاری رکھیں، اور ہرگز بند نہ ہونے دیں۔ تا خریداروں کو کسی قسم کی شکایت کا موقعہ نہ ملے۔ اس طرح کچھ عرصہ تک اخبار کو خسارہ تو ضرور ہوگا، لیکن انجام کار انشاء اللہ اخبار چل نکلے گا، اور سب خسارے پورے ہو جائیں گے۔ پائیدار کامیابی کے لئے استقامت و استقلال شرط ہے۔ جب اخبار باقاعدگی سے شائع ہوگا، تو جماعت احمدیہ خدا کے فضل سے ناقدر دان نہیں ہے۔ وہ اس کی خدمات کی صحیح معنوں میں قدر کرے گی، اور اسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بنائیگی خدا کرے ایسا ہی ہو۔

سلطان القلم

(۲)

(از صاحبزادہ میاں عبدالمنان صاحب عمر ایم۔ اے)

۳۔ سمٰوات کی حقیقت طبعیات کا ایک بڑا دقیق مسئلہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آئینہ کمالاتِ اسلام میں اس پر بحث کی ہے۔ پوری بحث کے لئے کتاب کا حاشیہ صفحہ ۱۳۷ تا ۱۷۱ مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اس جگہ ہم صرف اس اعتراض کے جواب کو لیتے ہیں، کہ اللہ تعالےٰ نے آسمانوں کی تعداد کو سات کے عدد میں کیوں محدود کیا ہے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"اس کا یہ جواب ہے کہ در حقیقت یہ تاثیرات مختلفہ کی طرف اشارہ ہے، جو مختلف طبقات سماوی سے مختلف ستارے اپنے اندر جذب کرتے ہیں۔ اور پھر زمین پر ان تاثیرات کو ڈالتے ہیں۔ چنانچہ اس کی تصریح اس آیت میں موجود ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا (طلاق ع ۲) یعنی خدا تعالےٰ نے آسمانوں کو سات پیدا کیا۔ اور ایسے ہی زمینیں بھی سات ہی پیدا کیں۔ اور اُن سات آسمانوں کا اثر جو بامر الٰہی ان میں پیدا ہے سات زمینوں میں ڈالا۔ تاکہ تم لوگ معلوم کر لو، کہ خدا تعالےٰ ہر ایک چیز کے بنانے پر اور ہر ایک انتظام کے کرنے پر اور رنگا رنگ کے پیرایوں میں اپنے کام دکھلانے پر قدرتِ تامہ رکھتا ہے۔ اور تا تمہارے علم وسیع ہو جائیں، اور علوم و فنون میں تم ترقی کرو۔ اور ہیئت اور طبعی اور طبابت اور جغرافیہ وغیرہ علوم تم میں پیدا ہو کر خدا تعالےٰ کی عظمتوں کی طرف تم کو متوجہ کریں۔ اور تم پہلے

کہ کیسے خدا تعالیٰ کا علم اور اس کی حکمت کاملہ ہر ایک شے پر محیط ہو رہی ہے۔ اور کیسی ترکیب ابلغ اور ترتیب محکم کے ساتھ آسمان اور جو کچھ اس میں ہے اپنا رشتہ زمین سے رکھتا ہے۔ اور کیسے خدا تعالیٰ نے زمین کو قوت قابلہ عطا کر رکھی ہے۔ اور آسمانوں اور ان کے اجرام کو قوت مؤثرہ مرحمت فرمائی ہے۔

اور یاد رہے کہ جس طرح تنزل امر جسمانی اور روحانی دونوں طور پر آسمانوں سے ہوتا ہے اور ملائک کی توجہات اجرام سماوی کی تاثیرات کے ساتھ مخلوط ہو کر زمین پر گرتی ہیں، ایسا ہی زمین اور زمین والوں میں بھی جسمانی اور روحانی دونوں قوتیں قابلیت کی عطا کی گئی ہیں تا قوابل اور مؤثرات میں بکلی مساوات ہو۔

اور سات زمینوں سے مراد زمین کی آبادی کے سات طبقے ہیں، جو نسبتی طور پر بعض بعض کے تحت واقع ہیں۔ اور کچھ بے جا نہ ہوگا، اگر ہم دوسرے لفظوں میں ان طبقات سبعہ کو ہفت اقلیم کے نام سے موسوم کریں۔ لیکن ناظرین اس دھوکہ میں نہ پڑیں۔ کہ جو کچھ ہفت اقلیم کی تقسیم ان یونانی علوم کی رو سے ہو چکی ہے، جس کو اسلام کے ابتدائی زمانہ میں حکماء اسلام نے یونانی کتب سے لیا تھا، وہ بکلی صحیح اور کامل ہے۔ کیونکہ اس جگہ تقسیم سے ہماری ایک صحیح تقسیم مراد ہے جس سے کوئی معمورہ باہر نہ رہے۔ اور زمین کی ہر ایک جزو کسی حصہ میں داخل ہو جائے۔ ہمیں اس سے کچھ غرض نہیں، کہ اب تک یہ صحیح اور کامل تقسیم معرض ظہور میں بھی آئی یا نہیں۔ بلکہ صرف یہ غرض ہے کہ جو خیال اکثر انسانوں کا اس طرف رجوع کر گیا ہے، کہ زمین کو سات حصہ پر تقسیم کیا جائے یہ خیال بھی گویا ایک الہامی تحریک تھی، جو الٰہی تقسیم کے لئے بطور ارشاد ہے۔" (آئینہ کمالات اسلام حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۱۵۵ تا ۱۶۰)

۴۔ دعا کی فلاسفی اس کی حقیقت و ضرورت کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے اس کی بلندی بزرگی اور سرفرازی کا انکار نہیں ہو سکتا۔ آپ کی کتب ان بحثوں سے بھری پڑی ہیں۔ بطور مثال چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ آپ برکات الدعا کے صفحہ ۵ پر فرماتے ہیں:-

"دُعا کی ماہیت یہ ہے، کہ ایک سعید بندہ اور اس کے رب میں ایک تعلق جاذبہ ہے۔ یعنی پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اس سے نزدیک ہو جاتا ہے، اور دُعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہونچکر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے۔ سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے۔ اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہؤا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے، پھر آگے کیا دیکھتا ہے، کہ بارگاہِ الوہیت ہے، اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، تب اس کی رُوح اس آستانہ پر سر رکھدیتی ہے، اور قوتِ جذب جو اس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالےٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تب اللہ جل شانہٗ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے، جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً اگر بارش کے لئے دُعا ہے تو بعد استجابت دعا کے وہ اسباب طبعیہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں اس دُعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور اگر قحط کے لئے بددعا ہے، تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دعا میں ایک قوتِ تکوین پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی باذنہٖ تعالےٰ وہ دُعا عالمِ سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرامِ فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے جو طرف مؤید مطلوب ہے۔ خدا تعالےٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں۔ بلکہ اعجاز کے بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابتِ دعا ہی ہے۔

اور جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے ہیں، یا جو کچھ کہ اولیاء ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے، اس کا اصل اور منبع یہی دعا ہے۔ اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق، قدرتِ قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں۔ وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گذرا، کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے، اور پُشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے، اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے، اور لوگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے، اور دُنیا میں یکدفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا، کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا، اور نہ کسی کان نے سُنا کچھ جانتے ہو وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دُعائیں ہی تھیں، جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا۔ اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں، کہ جو اس اُمّی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ بِقَدْرِ ھَمِّہٖ وَغَمِّہٖ وَحُزْنِہٖ لِھٰذِہِ الْاُمَّةِ وَاَنْزِلْ عَلَیْہِ اَنْوَارَ رَحْمَتِكَ اِلَی الْاَبَدِ۔ اور مَیں اپنے ذاتی تجربہ سے بھی دیکھ رہا ہوں، کہ دعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھکر ہے بلکہ اسباب طبعیہ کے سلسلہ میں کوئی چیز عظیم التاثیر نہیں، جیسی کہ دُعا ہے۔" (برکات الدعا صفحہ ۱۰-۱۱)

"ہر ایک بیت العلم کی کنجی دعا ہی ہے۔ اور کوئی علم اور معرفت کا دقیقہ نہیں جو بغیر اس کے ظہور میں آیا ہو۔ ہمارا سوچنا، ہمارا فکر کرنا، اور ہمارا طلب امر مخفی کے لئے خیال کو دوڑانا یہ سب امور دعا ہی میں داخل ہیں۔ صرف فرق یہ ہے، کہ عارفوں کی دعا آدابِ معرفت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ اور ان کی رُوح مبدء فیض کو شناخت کر کے بصیرت کے ساتھ اس کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے۔ اور محجوبوں کی دُعا صرف ایک سرگردانی ہے، جو فکر اور غور اور طلب اسباب کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے ..... دُعا اور تدبیر انسانی طبیعت کے دو طبعی تقاضے ہیں، جو قدیم سے

اور جب سے کہ انسان پیدا ہوا ہے، دو حقیقی بھائیوں کی طرح انسانی فطرت کے خادم چلے آئے ہیں۔ اور تدبیر دعا کے لئے بطور نتیجہ ضروریہ کے اور دعا تدبیر کے لئے بطور محرک اور جاذب کے ہے۔ اور انسان کی سعادت اسی میں ہے، کہ وہ تدبیر کرنے سے پہلے دعا کے ساتھ مبدء فیض سے مدد طلب کرے، تا اس چشمۂ لازوال سے روشنی پاکر عمدہ تدبیریں میسر آسکیں۔" (ایام الصلح صفحہ ۱۳)

"یہی دعا ہے، جس سے خدا پہچانا جاتا ہے۔ اور اس ذوالجلال کی ہستی کا پتہ لگتا ہے، جو ہزاروں پردوں میں مخفی ہے۔ دعا کرنے والوں کے لئے آسمان زمین سے نزدیک آجاتا ہے۔ اور دعا قبول ہو کر مشکل کشائی کے لئے نئے اسباب پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور ان کا علم پیش از وقت دیا جاتا ہے۔ اور کم سے کم یہ کہ میخ آہنی کی طرح قبولیت دعا کا یقین غیب سے دل میں بیٹھ جاتا ہے۔ سچ یہی ہے کہ اگر یہ دعا نہ ہوتی تو کوئی انسان خداشناسی کے بارے میں حق الیقین تک نہ پہنچ سکتا۔ دعا سے الہام ملتا ہے۔ دعا سے ہم خدا تعالےٰ کے ساتھ کلام کرتے ہیں جب انسان اخلاص اور توحید اور محبت اور صدق اور صفا کے قدم سے دعا کرتا کرتا فنا کی حالت تک پہونچ جاتا ہے تب وہ زندہ خدا اس پر ظاہر ہوتا ہے، جو لوگوں سے پوشیدہ ہے۔" (ایام الصلح صفحہ ۱۱)

"یہ بات یاد رہے، کہ اگرچہ قضاء و قدر میں سب کچھ مقرر ہو چکا ہے۔ مگر قضاء و قدر نے علوم کو ضائع نہیں کیا۔ سو جیسا کہ باوجود تسلیم مسئلہ قضاء و قدر کے ہر ایک کو علمی تجارب کے ذریعہ سے ماننا پڑتا ہے کہ بے شک دواؤں میں خواص پوشیدہ ہیں۔ اور اگر مرض کے مناسب حال کوئی دوا استعمال ہو، تو خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے بے شک مریض کو فائدہ ہوتا ہے۔ سو ایسا ہی علمی تجارب کے ذریعہ سے ہر ایک عارف کو ماننا پڑا ہے، کہ دعا کا قبولیت کے ساتھ

ایک رشتہ ہے۔ ہم اس راز کو معقولی طور پر دوسروں کے دلوں میں بٹھا سکیں یا نہ بٹھا سکیں۔ مگر کروڑ ہا راستبازوں کے تجارب نے اور خود ہمارے تجربہ نے اس مخفی حقیقت کو ہمیں دکھلا دیا ہے، کہ ہمارا دعا کرنا ایک قوت مقناطیسی رکھتا ہے۔ اور فضل اور رحمت الٰہی کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔" (ایام الصلح صلا)

"بعض لوگ جلدی سے کہہ دیتے ہیں، کہ ہم دعا سے منع نہیں کرتے۔ مگر دعا سے مطلب صرف عبادت ہے جس پر ثواب مترتب ہوتا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ لوگ نہیں سوچتے، کہ ہر ایک عبادت جس کے اندر خدا تعالیٰ کی طرف سے روحانیت پیدا نہیں ہوتی، اور ہر ایک ثواب جس کی محض خیال کے طور پر کسی آئندہ زمانہ پر امید رکھی جاتی ہے۔ وہ سب خیالِ باطل ہے۔ حقیقی عبادت اور حقیقی ثواب وہی ہے جس کے اسی دُنیا میں انوار اور برکات محسوس بھی ہوں۔ ہماری پرستش کی قبولیت کے آثار یہی ہیں، کہ ہم عین دعا کے وقت میں اپنے دل کی آنکھ سے مشاہدہ کریں۔ کہ ایک تریاقی نور خدا سے اُترتا اور ہمارے دل کے زہریلے مواد کو کھوتا اور ہمارے پر ایک شعلہ کی طرح گرتا اور فی الفور ہمیں ایک پاک کیفیت، انشراح صدر اور یقین اور محبت اور لذت اور اُنس اور ذوق سے پُر کر دیتا ہے۔ اگر یہ امر نہیں ہے تو پھر دُعا اور عبادت بھی ایک رسم اور عادت ہے۔ ہر ایک دعا گو ہماری دنیوی مشکل کشائی کے لئے ہو، مگر ہماری ایمانی حالت اور عرفانی مرتبت پر گذر کر آتی ہے۔ یعنی اوّل ہمیں ایمان اور عرفان میں ترقی بخشتی ہے۔ اور ایک پاک سکینت اور انشراح صدر اور اطمینان اور حقیقی خوشحالی ہمیں عطا کر کے پھر ہماری دنیوی مکروہات پر اپنا اثر ڈالتی ہے اور جس پہلو سے مناسب ہے، اس پہلو سے ہمارے غم کو دُور کر دیتی ہے۔ . . . . . . یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے، کہ دُعا جو خدا تعالےٰ کے پاک کلام میں مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے،

اس کی فرضیت کے چار سبب ہیں۔ ایک یہ کہ تا ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت میں خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر توحید پر پختگی حاصل ہو۔ کیونکہ خدا سے مانگنا اس بات کا اقرار کرنا ہے، کہ مرادوں کا دینے والا صرف خدا ہے۔ دوسرے یہ کہ تا دُعا کے قبول ہونے اور مراد کے ملنے پر ایمان قوی ہو۔ تیسرے یہ کہ اگر کسی اور رنگ میں عنایت الٰہی شامل حال ہو، تو علم اور حکمت زیادت پکڑے۔ چوتھے یہ کہ اگر دُعا کی قبولیت کا الہام اور رؤیا کے ساتھ وعدہ دیا جائے، اور اسی طرح ظہور میں آوے، تو معرفت الٰہی ترقی کرے، اور معرفت سے یقین، اور یقین سے محبت، اور محبت سے ہر ایک گناہ اور غیر اللہ سے انقطاع حاصل ہو، جو حقیقی نجات کا ثمرہ ہے۔ . . . . " (ایام الصلح صفحہ ۱۳۸۔۱۳۹، ۱۴۰)

اس کے بعد آپ نے سورۂ فاتحہ کی ایک نہایت لطیف تفسیر فرمائی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی پہلی سورت میں ہی دعا کے لئے ترغیب دی ہے۔ اس کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے، کہ کس طرح آپ حقانی صداقتوں کی پابندی کے ساتھ نہایت سلیس اور رواں تحریر پر قادر تھے۔

اب کہ تفسیر القرآن کا ذکر آگیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اپنی کتب میں اکثر جگہ قرآن مجید کی آیات کی تفسیر فرمائی ہے، اس لئے بطور نمونہ اس کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ بے پایاں ترقی کی قوتیں اس میں ودیعت کی گئی ہیں۔ اس کی خودی کی بلندی کو دھکا لگاتے ہیں وہ لوگ جو آیت قرآنی إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا فَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (الاحزاب:۷۳) کو مقامِ مدح میں نہیں، بلکہ مقام ذم میں سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آئینہ کمالاتِ اسلام میں یہ تحریر فرمایا ہے:۔

۱۔ حَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا۔ یعنی اس امانت کو جو ہویت

کا کامل ابتلا ہے جس کو فقط عبودیت کاملہ اٹھا سکتی ہے، انسان نے اُٹھا لیا۔
کیونکہ وہ ظلوم اور جہول تھا۔ یعنی خدا تعالےٰ کے لئے اپنے نفس پر سختی کر سکتا تھا
اور غیر اللہ سے اس قدر دور ہو سکتا تھا، کہ اس کی صورت علمی سے بھی اس کا
ذہن خالی ہو جاتا تھا۔ واضح ہو کہ ہم سخت غلطی کریں گے۔ اگر اس جگہ ظلوم کے
لفظ سے کافر اور سرکش اور مشرک اور عدل کو چھوڑنے والا مراد لیں گے۔ کیونکہ
یہ ظلوم وجہول کا لفظ اس جگہ اللہ جلّ شانہٗ نے انسان کے لئے مقام مدح میں
استعمال کیا ہے، نہ مقام ذم میں۔ اور اگر نعوذ باللہ یہ مقام ذم میں ہو، تو اس
کے یہ معنی ہوں گے، کہ سب سے بدتر انسان ہی تھا، جس نے خدا تعالیٰ کی پاک
امانت کو اپنے سر پر اٹھا لیا، اور اس کے حکم کو مان لیا۔ بلکہ نعوذ باللہ یوں کہنا
پڑے گا کہ سب سے زیادہ ظالم اور جاہل انبیاء اور رسول تھے، جنہوں نے
سب سے پہلے اس امانت کو اٹھا لیا۔ حالانکہ اللہ جلّ شانہٗ آپ فرماتا ہے کہ ہم نے
انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا ہے۔ پھر وہ سب سے بدتر کیونکر ہوا؟ اور
انبیاء کو سید العالمین قرار دیا ہے، پھر وہ ظلوم وجہول دوسرے معنوں کی رو سے
کیونکر کہلا دیں؟ ماسوا اس کے ایسا خیال کرنے میں خدا تعالےٰ پر بھی اعتراض
لازم آتا ہے، کہ اس کی امانت جو وہ دینی چاہتا تھا، وہ کوئی خیر اور صلاحیت اور
برکت کی چیز نہیں تھی، بلکہ شر اور فساد کی چیز تھی، کہ شریر اور ظالم نے اس کو قبول
کیا، اور نیکوں نے اس کو قبول نہ کیا۔ مگر کیا خدا تعالےٰ کی نسبت یہ بدظنی کرنا جائز
ہے، کہ جو چیز اس کے چشمہ سے نکلے، اور جس کا نام وہ اپنی امانت رکھے، جو پھر اسی
کی طرف ردّ ہونے کے لائق ہے، وہ درحقیقت نعوذ باللہ خراب اور پلید چیز ہو،
جس کو بجز ایسے ظلوم کے جو درحقیقت سرکش اور نافرمان اور نعمتِ عدل سے
بکلّی بے نصیب ہے، کوئی دوسرا قبول نہ کر سکے۔ افسوس کہ ایسے مکروہ خیال والے

کچھ بھی خدا تعالیٰ کی عظمت پر نگہ نہیں رکھتے۔ وہ یہ بھی نہیں سوچتے، کہ امانت اگر سراسر خیر ہے، تو پھر اس کا قبول کر لینا ظلم میں کیوں داخل ہے؟ اور اگر امانت خود شر اور فساد کی چیز ہے، تو پھر وہ خدا تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کی جاتی ہے؟ کیا خدا تعالیٰ نعوذ باللہ فساد کا مبدء ہے؟ اور کیا جو چیز اس کے پاک چشمہ سے نکلتی ہے اس کا نام فساد اور شر رکھنا چاہیئے۔ ظلمت ظلمت کی طرف جاتی ہے، اور نور نور کی طرف۔ سو امانت نور تھی، اور انسان ظلوم جہول بھی، ان معنوں کرکے جو ہم بیان کر چکے ہیں، ایک نور ہے اس لئے نور نے نور کو قبول کر لیا۔ وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا۔ یعنی انسان کامل کو، وہ ملائک میں نہیں تھا، نجوم میں نہیں تھا، قمر میں نہیں تھا، آفتاب میں بھی نہیں تھا، وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں بھی نہیں تھا، وہ لعل اور یاقوت اور زمرد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا۔ غرض وہ کسی چیز ارضی اور سماوی میں نہیں تھا۔ صرف انسان میں تھا یعنی انسان کامل میں۔ جس کا اتم اور اکمل اور اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سید و مولیٰ سید الانبیاء سید الاحیاء محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۵۸ تا ۱۶۱)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براہین احمدیہ کے حاشیہ ۱۱ میں ایک بحث اٹھائی ہے، کہ وحی الٰہی کے پانے کے لئے تقدس کامل شرط ہے۔ اس سلسلہ میں حضور فرماتے ہیں:۔

"قرآن شریف میں اس مسئلہ کو ایک عمدہ مثال میں بیان کیا ہے، جو ذیل میں مع ایک لطیف تحقیقات کے جو اس کی تفسیر سے متعلق اور بحث ہذا کی تکمیل کے لئے ضروری ہے لکھی جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ

تَحۡسَبۡهُ نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ؕ یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۙ (نور-۴)

خدا آسمان اور زمین کا نور ہے۔ یعنی ہر ایک نور جو بلندی اور پستی میں نظر آتا ہے۔ خواہ وہ ارواح میں ہے، خواہ اجسام میں، اور خواہ ذاتی ہے، اور خواہ عرضی اور خواہ ظاہری ہے اور خواہ باطنی، اور خواہ ذہنی ہے خواہ خارجی اسی کے فیض کا عطیہ ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے، کہ حضرت رب العالمین کا فیض عام ہر چیز پر محیط ہو رہا ہے۔ اور کوئی اس کے فیض سے خالی نہیں۔ وہی تمام فیوض کا مبدء ہے، اور تمام انوار کی علّت العلل۔ اور تمام رحمتوں کا سرچشمہ ہے۔ اسی کی ہستی حقیقی تمام عالم کی قیوم ہے۔ اور تمام زیر و زبر کی پناہ ہے۔ وہی ہے جس نے ہر ایک چیز کو ظلمت خانۂ عدم سے باہر نکالا۔ اور خلعتِ وجود بخشا۔ بجز اس کے کوئی ایسا وجود نہیں ہے جو فی حدِ ذاتہٖ واجب اور قدیم ہو۔ یا اس سے مستفیض نہ ہو۔ بلکہ خاک اور افلاک اور انسان اور حیوان اور حجر اور شجر اور روح اور جسم سب اسی کے فیضان سے وجود پذیر ہیں۔ یہ تو عام فیضان ہے، جس کا بیان آیت اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ میں ظاہر فرمایا گیا۔ یہی فیضان ہے جس نے دائرہ کی طرح ہر ایک چیز پر احاطہ کر رکھا ہے، جس کے فائض ہونے کے لئے کوئی قابلیت شرط نہیں۔ لیکن بمقابلہ اس کے ایک خاص فیضان بھی ہے جو مشروط بشرائط ہے۔ اور انہیں افرادِ خاصہ پر فائض ہوتا ہے، جن میں اس کے قبول کرنے کی قابلیت و استعداد موجود ہے۔ یعنی نفوسِ کاملہ انبیاء علیہم السلام پر جن میں سے افضل و اعلیٰ ذات جامع البرکات حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ دوسروں پر ہرگز نہیں ہوتا۔ اور چونکہ وہ فیضان ایک نہایت باریک صداقت ہے، اور دقائق حکمیہ میں سے ایک دقیق مسئلہ ہے، اس لئے خداوندتعالے

نے اول فیضانِ عام کو (جو بدیہی الظہور ہے) بیان کر کے پھر اس فیضانِ خاص کو بغرضِ اظہار کیفیت نور حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم ایک مثال میں بیان فرمایا ہے۔ کہ جو اس آیت سے شروع ہوتی ہے۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ الخ اور بطور مثال اس لئے بیان کیا، کہ تا اس دقیقۂ نازک کے سمجھنے میں ابہام اور دقت باقی نہ رہے۔ کیونکہ معانی معقولہ کو صورِ محسوسہ میں بیان کرنے سے ہر ایک غبی و بلید بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ بقیہ ترجمہ آیاتِ ممدوحہ یہ ہے۔ اس نور کی مثال (فردِ کامل میں جو پیغمبر ہے) یہ ہے جیسے ایک طاق (یعنی سینہ مشروح حضرت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم) اور طاق میں ایک چراغ (یعنی وحی اللہ) اور چراغ ایک شیشہ کی قندیل میں جو نہایت مصفیٰ ہے۔ (یعنی نہایت پاک اور مقدس دل میں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دل ہے۔ جو کہ اپنی اصل فطرت میں شیشۂ سفید اور صافی کی طرح ہر یک طور کی کثافت اور کدورت سے منزّہ اور مطہّر ہے۔ اور تعلقاتِ ماسوی اللہ سے بکلی پاک ہے) اور شیشہ ایسا صاف کہ گویا ان ستاروں میں سے ایک عظیم النور ستارہ ہے، جو آسمان پر بڑی آب و تاب کے ساتھ چمکتے ہوئے نکلتے ہیں۔ جن کو کوکب دُرّی کہتے ہیں (یعنی حضرت خاتم الانبیاء کا دل ایسا صاف ہے، کہ کوکبِ دُرّی کی طرح نہایت منوّر اور درخشندہ جس کی اندرونی روشنی اس کے بیرونی قالب پر پانی کی طرح بہتی ہوئی نظر آتی ہے) وہ چراغ زیتون کے شجرہ مبارکہ سے (یعنی زیتون کے روغن سے) روشن کیا گیا ہے۔ (شجرہ مبارکہ زیتون سے مراد وجود مبارک محمدی ہے کہ جو بوجہ نہایت جامعیت و کمال انواع و اقسام کی برکتوں کا مجموعہ ہے۔ جس کا فیض کسی جہت و مکان و زمان سے مخصوص نہیں۔ بلکہ تمام لوگوں کے لئے عام علی سبیل الدوام ہے اور ہمیشہ جاری ہے۔ کبھی منقطع نہیں ہوگا) اور شجرہ مبارکہ

نہ شرقی ہے نہ غربی (یعنی طینت پاک محمدی میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ بلکہ نہایت توسط و اعتدال پر واقع ہے۔ اور احسن تقویم پر مخلوق ہے) اور یہ جو فرمایا، کہ اس شجرۂ مبارکہ کے روغن سے چراغ دلی روشن کیا گیا ہے۔ سو روغن سے مراد عقل لطیف نورانی محمدی مع جمیع اخلاقِ فاضلہ فطرتیہ ہے۔ جو اس عقلِ کامل کے چشمۂ صافی سے پرورده ہیں۔ اور وحی کا چراغ لطائفِ محمدیہ سے روشن ہونا ان معنوں میں ہے، کہ لطائف قابلہ پر وحی کا فیضان ہوا۔ اور ظہور وحی کا موجب وہی ٹھہرے اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے، کہ فیضانِ وحی ان لطائفِ محمدیہ کے مطابق ہوا۔ اور انہیں اعتدالات کے مناسبِ حال ظہور میں آیا، کہ جو طینت محمدیہ میں موجود تھی۔ . . .) اور تیل ایسا صاف اور لطیف کہ بن آگ ہی روشن ہونے پر آمادہ (یعنی عقل اور جمیع اخلاقِ فاضلہ اس نبی معصوم کی ایسی کمال موزونیت و لطائف و نورانیت پر واقع کہ الہام سے پہلے ہی خود بخود روشن ہونے پر مستعد تھے) نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ۔ نور فائض ہوا نور پر۔ (یعنی جبکہ وجود مبارک حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم میں کئی نور جمع تھے، سو ان نوروں پر ایک اور نور آسمانی جو وحیٔ الٰہی ہے وارد ہو گیا۔ اور اس نور کے وارد ہونے سے وجود باجود خاتم الانبیاء کا مجمع الانوار بن گیا۔ پس اس میں یہ اشارہ فرمایا، کہ نور وحی کے نازل ہونے کا یہی فلسفہ ہے، کہ وہ نور پر ہی وارد ہوتا ہے۔ تاریکی پر وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ فیضان کے لئے مناسبت شرط ہے اور تاریکی کو نور سے کچھ مناسبت نہیں۔ بلکہ نور کو نور سے مناسبت ہے۔ اور حکیم مطلق بغیر رعایتِ مناسبت کوئی کام نہیں کرتا۔ ایسا ہی فیضانِ نور میں بھی اس کا یہی قانون ہے، کہ جس کے پاس کچھ نور ہے، اسی کو اور نور بھی دیا جاتا ہے۔ اور جس کے پاس کچھ نہیں اس کو کچھ نہیں دیا جاتا۔ جو شخص آنکھوں کا نور رکھتا ہے، وہی آفتاب کا نور پاتا ہے۔ اور جس کے پاس آنکھوں کا نور نہیں، وہ آفتاب کے نور سے بھی بےبہرہ

رہتا ہے اور جس کو فطرتی نور کم ملا ہے اس کو دوسرا نور بھی کم ہی ملتا ہے۔ اور جس کو فطرتی نور زیادہ ملا ہے، اس کو دوسرا نور بھی زیادہ ہی ملتا ہے۔ اور انبیاء منجملہ سلسلہ متفاوتہ فطرتِ انسانی کے وہ افراد عالیہ ہیں، جن کو اس کثرت اور کمال سے نور باطنی عطا ہوا ہے، کہ گویا وہ نورِ مجسّم ہو گئے ہیں۔ اسی جہت سے قرآن شریف میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام نور اور سراج منیر رکھا ہے جیسا فرمایا ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ۔ نمبر۱ وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔ نمبر۲۔ یہی حکمت ہے کہ نور وحی جس کے لئے نور فطرتی کا کامل اور عظیم الشان ہونا شرط ہے، صرف انبیاء کو ملا، اور انہیں سے مخصوص ہوا۔" (براہین احمدیہ فصل اوّل ص۱۷۷ تا ۱۸۱)

۱۳۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم کے ص۱۸۳ تا ۲۰۸ میں آیات قرآنی قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ کی بے نظیر و محیر العقول تفسیر میں نہایت مصفا اور لذیذ انداز سے وہ مراتب ستہ بیان فرمائے ہیں، جن کا حاصل کرنا عقل سلیم کے نزدیک اس مومن کے لئے ضروری ہے، جو اپنے وجود روحانی کو کمال تک پہونچانا چاہتا ہے۔ اور پھر جسمانی وجود کی ترقیات کے ساتھ اس حُسن سے ان کی مطابقت دکھائی ہے۔ جو الفاظ کے ذریعہ ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ آیاتِ قرآنیہ مندرجہ بالا کی یہ روحانی فلاسفی قریباً چالیس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، اور اس موقعہ پر اس کا اقتباس پیش کرنے کی بھی گنجائش نہیں، اس لئے قارئین کرام سے درخواست ہے، کہ وہ اس کو اس کے اصل مقام پر براہین احمدیہ حصہ پنجم میں مطالعہ کریں۔ جہاں حقائق و معارف کا دریا موجیں لے رہا ہے۔ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ حُسن خیال، حسن نظر اور حُسن ادا صرف اظہار جذبات عشق و محبت ہی کے لئے خاص نہیں بلکہ گہرے رُوحانی مطالب حل کرنے میں بھی ان سے کتنا شاندار کام لیا جا سکتا ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب خورد سالی سے ہی تعلی بیجا کے خوگر چلے آتے ہیں اور اب کہ

سال خورد ہو چکے ہیں، ان کی یہ عادت طبیعت ثانیہ بن چکی ہے وہ جا بجا اپنے آپ کو اس انداز سے ظاہر کرتے رہتے ہیں کہ گویا وہ کوئی بڑے مفسّرِ قرآن ہیں۔ اور اس امر کے اظہار کی غرض سے وہ اکثر ایسی باتیں لکھتے رہتے ہیں:۔

"قادیان سے جب کبھی یہ آواز نکلی کہ ہم قرآن مجید کے معارف اور حقائق ایسے جانتے ہیں، جن کو اور کوئی نہیں جانتا۔ کوئی ہے جو ہمارا مقابلہ کر سکے۔ اِدھر سے جواب دیا "ہم ہیں"۔ (اہلحدیث مورخہ ۱۰ر جولائی ۱۹۳۲ء)

اس بے حقیقت جواب کی بے حقیقتی علاوہ بار بار ظاہر ہوتے رہنے کے اس وقت بھی کھلے طور پر طشت ازبام ہو جاتی ہے، جب یہ دیکھا جائے، کہ اس خود بین و خود نما مولوی نے مذکورۃ الصدر آیات کی تفسیر کس طرح کی ہے۔ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اس کی وہ ذاتی بیان کردہ تفسیر اس مضمون کے ساتھ درج کی جائے، جو نہ تو اخلاقی حالت کو درست کر سکتی ہے، اور نہ روحانی حالت پر کوئی نیک اثر ڈالنے والی ہے، اور نہ اس کی زبان ہی کوئی قابلِ التفات پہلو اپنے اندر رکھتی ہے۔ لیکن قارئین کرام سے عرض ہے، کہ وہ تفسیر ثنائی کے متعلقہ حصوں کو دیکھیں اسلئے کہ ؎

گر نہ بودے در مقابل روئے مکروہ و سیاہ
کس چہ دانستے جمالِ شاہد گلفام را

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر کی خوبی اور زیادہ اُجاگر ہو جاتی ہے، جب ہم دیکھتے ہیں، کہ جس وقت آپؑ نے قلم ہاتھ میں لیا ہے، اردو زبان اپنی ابتدائی حالت میں ہونے کی وجہ سے خالص گہرے علمی مسائل بیان کرنے کے قابل نہیں سمجھی جاتی تھی۔ لیکن آپ نے اس میں اخلاقی و روحانی مضامین کے بھی انبار لگا دیئے اور حقائق و معارف کے دریا بھی بہا دیئے۔ خلاصہ یہ کہ نہایت صفائی، وضاحت اور روانی سے وہ سب کچھ فرما دیا، جو فرمانا چاہا، اور یہ قلم پر آپ کے اقتدار کا کمال تھا، اور اس بات کا ثبوت، کہ آپ سادہ الفاظ اور سلیس ترکیبوں کے پردہ میں باریک مطالب اور وسیع مضامین نہایت خوبصورتی اور لطافت سے ادا فرما سکتے تھے۔ (باقی)

حضرت مسیح موعودؑ کا جانشین

خلیفہ ــــ یا ــــ انجمن

(۴)

(از حضرت مولوی شیر علی صاحب)

مولوی محمد علی صاحب بار بار یہ سوال کرتے ہیں، کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قواعد انجمن میں خلیفہ کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ اور اس عدم ذکر سے یہ استدلال کرتے ہیں، کہ آپ کے بعد کسی فرد واحد نے خلیفہ نہیں ہونا تھا۔ اس لئے آپ نے ان قواعد میں صرف انجمن کا ذکر کیا ہے، اور خلیفہ کی طرف ان قواعد میں کوئی اشارہ نہیں کیا۔

لیکن اوّل تو یہ کہنا غلط ہے، کہ انجمن کے لئے جو ہدایات الوصیّت میں دی گئی ہیں، ان میں خلافت کی طرف کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ جہاں حضرت مسیح موعودؑ نے انجمن کار پرداز کی بنیاد ڈالی ہے، وہاں ممبران انجمن کے متعلق صاف الفاظ میں تحریر فرمایا ہے، کہ ان کا یہ فرض ہوگا، کہ مفوّضہ خدمات کو حسب ہدایت سلسلہ احمدیہ بجا لاویں۔ پس چونکہ حضرت مسیح موعودؑ نے انجمن کو سلسلہ احمدیہ کی ہدایت کے ماتحت کام کرنے کا حکم دیا ہے، اس لئے سلسلہ احمدیہ کو انجمن کا حاکم قرار دیا ہے، اور انجمن کو محکوم۔ یہاں دوسرے الفاظ میں صاف طور پر انجمن کو یہ ہدایت دی ہے کہ وہ امام جماعت احمدیہ کی ہدایت کے ماتحت کام کریں۔ سلسلہ احمدیہ ایک منظم چیز کا نام ہے۔ اور منظم جماعت کے لئے ایک واجب الاطاعت امام کی ضرورت ہے۔ سو اس ہدایت کے ہوتے ہوئے کہ انجمن کے ممبروں کا فرض ہوگا، کہ وہ خدماتِ مفوّضہ کو حسب ہدایت سلسلہ احمدیہ بجا لاویں،

انجمن یہ دعویٰ نہیں کر سکتی، کہ وہ جماعت احمدیہ کے امام کی اطاعت سے آزاد ہے۔ پس اس بنیادی قاعدے میں حضرت مسیح موعودؑ نے انجمن کو امام جماعت احمدیہ کی ہدایت کے مطابق کام کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ قاعدہ تمام فروعی قواعد پر حاوی ہے۔

اس کے علاوہ فروعی قواعد میں خلیفہ کا جابجا ذکر نہ کرنا ایک ایسا امر ہے، جو حضرت مسیح موعودؑ کی دوسری تحریرات سے آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ آپ کی دوسری تحریرات سے یہاں پر صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ خلیفے کا معاملہ آپ نے کلّیۃً اللہ تعالےٰ کے سپرد کر دیا۔ آپ کا ایمان تھا، کہ خلیفہ اللہ تعالےٰ خود بناتا ہے۔ اس لئے آپ نے اس معاملہ کو کلّیۃً خدا کے سپرد کر دیا۔ آپ آنحضرت صلعم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"آنحضرت صلعم نے کیوں اپنے بعد خلیفہ مقرر نہ کیا۔ اس میں بھی یہی بھید تھا، کہ آپؐ کو خوب علم تھا، کہ خدا تعالےٰ خود ایک خلیفہ مقرر فرمائیگا۔ کیونکہ یہ خدا ہی کا کام ہے" (الحکم ۱۴ ر اپریل ۱۹۰۸ء)

اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ جس طرح آنحضرت صلعم کو یقین تھا، کہ خلیفہ مقرر کرنا خدا ہی کا کام ہے اور اس لئے آنحضورؐ نے اس میں خود کوئی دخل نہ دیا، بلکہ یہ معاملہ کلّیۃً خدا تعالےٰ پر چھوڑ دیا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کو بھی یقین تھا، کہ آپ کے بعد بھی خلفاء کا مقرر کرنا خدا ہی کا کام ہے۔ وہ خود ایسے افراد کو کھڑا کرے گا، جو آپ کے جانشین ہوں گے۔ اس لئے آپؑ نے خلافت کے بارے میں خود کوئی دخل نہیں دیا، بلکہ آنحضرتؐ کی طرح اس معاملہ کو خدا کے سپرد کر دیا۔ اور یہی وجہ ہے، کہ انجمن کے متعلق تفصیلی قواعد بناتے ہوئے خلیفہ کے ذکر کو چھوڑ دیا ہے۔ ہاں اصولی رنگ میں یہ اشارہ کر دیا، کہ انجمن کو خلیفہ وقت کی ہدایت کے مطابق کام کرنا ہوگا۔ مگر وہاں بھی اس قدر احتیاط سے کام لیا ہے۔ کہ خلیفہ کا نام صراحتاً ذکر نہیں کیا۔ بلکہ سلسلہ احمدیّہ کی ہدایت کے الفاظ استعمال کر کے خلیفہ کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ جو کام خدا کا تھا وہ آپ نے خدا کے سپرد کر دیا۔ اس میں کوئی دخل نہیں دیا۔ اور جتنا کام آپ کے متعلق تھا یعنی قبرستان کے متعلق ایک

کمیٹی کا قائم کرنا اور اس کی رہنمائی کے لئے تفصیلی قواعد بنانا یہ آپ نے خود کر دیا۔ ان حالات کے ماتحت جو کچھ آپ کے لئے ضروری تھا، وہ آپ نے کر دیا۔ مگر انجمن کو غلط فہمی (یعنی اپنے آپ کو مختار کل سمجھنے) سے بچانے کے لئے صریح الفاظ میں اصولی رنگ میں لکھ دیا، کہ ممبران انجمن کا فرض ہوگا، کہ خدمات مفوضہ حسب ہدایت سلسلہ احمدیہ بجا لاویں۔ اس سے زیادہ صراحت کی آپ کو ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ آپ جانتے تھے، کہ قرآن شریف میں اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ کا صریح حکم موجود ہے۔ اور انجمن کا رپرداز مصالح قبرستان خدا تعالیٰ کے اس صریح حکم کی پابندی سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

ایک اور امر جو مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء کے تمام دعاوی کو باطل قرار دیتا ہے۔ اور جو روز روشن کی طرح یہ بات ثابت کرتا ہے، کہ حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات کا جو مفہوم وہ اس وقت نکال رہے ہیں، وہ حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں ان کے ذہن میں نہیں تھا، خود ان کا اپنا عمل ہے۔ اگر ممبران صدر انجمن فی الواقع یہی سمجھے تھے، کہ حضرت اقدسؑ نے انجمن ہی کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے، اور آپؑ کی وفات کے بعد سارے اختیارات انجمن کے ہاتھ میں ہو گئے، تو ضروری تھا، کہ حضرت اقدسؑ کی وفات کے موقع پر وہ اس بات کا اعلان کرتے کہ آج سے تمام سلسلہ احمدیہ کی حاکم صدر انجمن احمدیہ ہوگی، اور یہی حضرت مسیح موعودؑ کی خلیفہ ہوگی۔ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر وقت آ گیا تھا، کہ آپ کی وصیت پر عمل کیا جاتا۔ پس اگر آپ کی وصیت کا یہ منشاء تھا، کہ آپ کی وفات کے بعد انجمن ہی آپ کی جانشین ہو، اور حضرت اقدس اپنی زندگی میں انجمن کی جانشینی کا فرمان دے چکے تھے، تو اس وقت ممبران انجمن کو آگے بڑھنا چاہیئے تھا، اور جماعت کو بتانا چاہیئے تھا، کہ الوصیت میں حضرت اقدسؑ انجمن کو اپنا جانشین مقرر کر گئے ہیں پس آج سے انجمن جماعت احمدیہ کی امام ہوگی، اور سب کا فرض ہے، کہ آئندہ صدر انجمن کی اسی طرح اطاعت کی جائے جس طرح کہ حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں حضرت مسیح موعودؑ کی اطاعت کی جاتی تھی۔ لیکن تعجب ہے، کہ اس وقت ممبران انجمن کو یہ بات بالکل بھول گئی، اور ان کو بالکل یاد نہ رہا، کہ حضرت اقدس کا جانشین

انجمن سے ہے۔ بلکہ اس وقت سب سے پہلے انجمن کے ممبر آگے بڑھے، اور انہوں نے ایک شخص سے درخواست کی، کہ وہ مسیح موعودؑ کی جانشینی کا عہدہ قبول کرلیں۔ اور اس کے ہاتھ پر اس بات کا عہد کیا، کہ ہم آئندہ آپ کی ویسی ہی اطاعت کریں گے جیسی کہ ہم حضرت مسیح موعودؑ کی اطاعت کرتے تھے۔ اور پھر اس کے ہاتھ پر بیعت کرکے اراکین انجمن نے اس کی خلافت کا اعلان کیا۔ اور تمام جماعت کو تحریک کی۔ کہ سب اس شخص کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کا خلیفہ تسلیم کریں۔ صرف یہی نہیں، کہ اراکین انجمن نے اس شخص کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس کو خلیفہ تسلیم کیا۔ بلکہ ساتھ ہی اس بات کا بھی اعلان کیا، کہ ہم نے خلیفہ کا انتخاب حضرت مسیح موعودؑ کے رسالہ الوصیت کے مطابق کیا ہے۔ اس اعلان کے الفاظ یہ تھے:۔

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ قادیان پڑھا جانے سے پہلے آپ کے وصایا مندرجہ رسالہ الوصیت کے مطابق حسب مشورہ معتمدین صدر انجمن احمدیہ موجودہ قادیان و اقربا حضرت مسیح موعودؑ و باجازت حضرت ام المومنین کل قوم نے جو قادیان میں موجود تھی جس کی تعداد اس وقت بارہ سو تھی، والا مناقب حضرت حاجی الحرمین الشریفین جناب حکیم نورالدین صاحب سلمہٗ کو آپ کا جانشین اور خلیفہ قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بالاتفاق خلیفۃ المسیح قبول کیا" (بدر ۲ رجون ۱۹۰۸ء)

اس بیعت کے وقت غیر مبایعین کے تمام بڑے بڑے لوگوں نے جن میں مولوی محمد علی صاحب بھی شامل تھے، تحریر لکھ کر دی، کہ

"حضرت مولوی صاحب (خلیفہ اولؓ) کا فرمان ہمارے واسطے آئندہ ایسا ہی ہوگا، جیسا کہ حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا" (بدر ۲ رجون ۱۹۰۸ء)

اگر انجمن کی جانشینی کے وہی معنے تھے، جو آج کئے جاتے ہیں، اور حضرت اقدس کی تمام کتب سے یہی کھلتا ہے کہ آپ کے بعد انجمن ہی آپ کی خلیفہ اور جانشین ہوگی۔ اور اپنی وفات سے تین سال پہلے حضرت اقدسؑ نے انجمن کے ممبروں کو تحریری اور زبانی طور پر بتا دیا تھا، اور یقین دلا دیا تھا، کہ انجمن ہی حضور کی جانشین اور خلیفہ ہے، بلکہ اپنی زندگی میں ہی اس کو کامل یقین دلانے کے لئے سلسلہ کا کل

انتظام اس کے سپرد کر دیا تھا۔ تو حضرت صاحب کی وفات پر وہ کونسی نئی ضرورت پیدا ہو گئی تھی، جسے پورا کرنے کے لئے انھوں نے ایک خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان تمام ممبروں کے بالاتفاق بیعت کر لینے سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے، کہ انجمن اپنے تین سالہ تجربہ کی بناء پر یہ خوب سمجھتی تھی، کہ حضرت اقدسؑ کا ان تحریروں سے جو اِس وقت انجمن کی خلافت کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں، ہرگز ہرگز یہ منشاء نہ تھا، کہ انجمن آپ کے بعد آپ کی خلیفہ ہو گی۔ ورنہ کم سے کم ایک ممبر تو ایسا نکلتا، جو حضرت اقدس کی تحریروں کی بناء پر آواز اٹھاتا، کہ خلاف منشاء حضرت اقدس یہ خلیفہ کا وجود کہاں سے پیدا کر لیا گیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کے انتخاب کی خبر بدیں الفاظ شائع کی گئی:۔

حضرت مسیح موعودؑ کے بعد آپ کا جانشین وہ شخص ہے جس کے جھنڈے کے نیچے خدا تعالےٰ نے تمام جماعت کو فوراً جمع کر دیا۔ اور پیشتر اس کے کہ حضرت اقدسؑ کو دفن کیا جاتا۔ تمام جماعت نے بالاتفاق حضرت مولوی نورالدین صاحب کو حضرت مسیح موعودؑ کا خلیفہ مان لیا۔ اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔" (بدر ۲ر جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۵)

پس حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد شخصی خلافت پر تمام جماعت احمدیہ کا اجماع ہو گیا۔ اور یہ ناممکن ہے، کہ ایک نبی کی تمام جماعت معاً اس کی وفات کے بعد گمراہی پر جمع ہو جائے۔ پس خلافت کی صداقت جماعت احمدیہ کے اجماع سے ثابت ہے۔ یہ اسی طرح کا اجماع ہے، کہ جس طرح کا آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد صحابہ کرام کا خلیفہ کے انتخاب پر ہوا تھا۔ پس ان دو اجماعوں کے خلاف کوئی راہ اختیار کرنا آیت وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ الخ کا اپنے تئیں مصداق بنانا ہے۔

غیر مبایع اصحاب کا یہ دعویٰ کہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد انجمن ہی آپ کی حقیقی خلیفہ ہے، نہ صرف حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات سے باطل ٹھہرتا ہے۔ اور نہ صرف خود انجمن کا عمل اس کی تردید کرتا ہے۔ اور نہ صرف جماعت احمدیہ کا اجماع اور صحابہ کرام کا اجماع اس دعویٰ کی مخالفت کر رہا ہے۔ بلکہ یہ دعویٰ شرعاً بھی باطل ٹھہرتا ہے۔

۔ یہ سوال کہ خلیفہ کیسا ہونا چاہیئے، یعنی آیا ایک انجمن ہو، یا ایک شخص ہو، اسے خود قرآن شریف نے حل کر دیا ہے۔ فرماتا ہے۔ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ یعنی اللہ تعالےٰ مسلمانوں میں بھی اسی طرح کے خلیفہ بنائے گا جس طرح کے خلیفے پہلے لوگوں میں بنائے اب پہلی امتوں میں نبیوں کے بعد انجمنیں خلیفہ بنتی تھیں، تو اب بھی انجمن ہی خلیفہ ہوگی، اور اگر پہلی قوموں میں شخص واحد ہی کا قائم مقام ہوتا رہا ہے، تو اب بھی شخص واحد ہی قائم مقام ہوگا۔ کیا پہلے کسی نبی کا خلیفہ کوئی انجمن بھی ہوئی ہے؟ کبھی نہیں کَمَا کے لفظ نے اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا ہے۔

اسی طرح قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ۔ یعنی تو معاملات میں لوگوں سے مشورہ لے لیا کر۔ لیکن جب تو عزم اور ارادہ مصمم کرے، تو پھر اللہ تعالےٰ پر توکل کر کے اپنے عزم اور منشاء کے مطابق کام کر۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ یہ آیت میری امت پر ایک رحمت ہے، اور جو اس پر عمل کر کے مشورہ سے کام کرے گا، وہ کامیاب ہوگا۔ اس طرح آپ نے بتا دیا، کہ یہ آیت آپ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ آپ کے بعد بھی اس پر عمل درآمد جاری رہے گا۔ پس شَاوِرْ کے لفظ سے جس میں ایک آدمی کو مخاطب کیا گیا ہے، صاف معلوم ہوتا ہے، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف ایک شخص خلیفہ ہوگا، اور وہ لوگوں سے مشورہ لینے کے بعد جو بات خدا اس کے دل میں ڈالے گا، اس پر عامل ہوگا۔

اسی طرح جب بنی اسرائیل نے ایک نبی سے اپنے اوپر ایک حاکم مقرر کرنے کی درخواست کی، تو ان کے لئے کوئی انجمن نہ مقرر کی گئی، بلکہ ان کے نبی نے یہ کہا۔ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ بَعَثَ طَالُوْتَ مَلِکًا خدا نے تم پر طالوت کو بادشاہ بنایا ہے۔ اگر جمہوریت خدا تعالےٰ کے نزدیک پسندیدہ ہوتی تو ایک انجمن مقرر کی جاتی نہ بادشاہ۔ اگر کہو کہ اس وقت زمانہ اور تھا، اور اب اور ہے، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں صاف فرما چکا ہے۔ کہ امت محمدیہ کی خلافت امت بنی اسرائیل کی خلافت کے مطابق ہوگی۔

حضرت مسیح موعود کے بعد انجمن کا خلیفہ ہونا۔ عقلاً بھی باطل ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ ایک شخصی خلیفہ کے بغیر جماعت کا قائم رہنا ناممکن ہے۔ اگر خلیفہ کا وجود نہ ہوتا، تو قوم کے لوگوں میں یہ تحریک ہی پیدا نہ ہوتی، کہ وہ بار بار قادیان میں آئیں۔ اس صورت میں ان کے یہاں آنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ کیونکہ کوئی عقلمند انسان تکلیف اٹھا کر ایک شہر کی طرف صرف اس لئے کبھی نہیں جاتا، کہ وہاں ایک کمیٹی کے چند کلرک کام کر رہے ہیں، یا ایک ہائی سکول ہے۔ یا چند اخبارات کے دفاتر ہیں۔ نہیں یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ اگر لوگ قادیان میں آتے ہیں، یا آئندہ آئیں گے۔ تو صرف اسی وجہ سے، کہ یہاں ایک شخص موجود ہے جس کے ہاتھ میں انہوں نے اپنا ہاتھ دیا ہوا ہے۔ اور اس کی اطاعت کا جوا اپنی گردن پر اٹھایا ہوا ہے۔ نہ اس لئے کہ یہاں انجمن کا دفتر ہے۔ پس اگر خلیفہ کا وجود نہ ہوتا، تو لوگوں کا قادیان میں آنا بند ہو جاتا۔ اور ان کا تعلق مرکز سے بالکل کٹ جاتا۔ اور وہ ایسے تتر بتر ہو جاتے، کہ قومی شیرازہ بکھر جاتا۔ اور اس کا یہ نتیجہ ہوتا، کہ قوم کے افراد مرکز سے قطع تعلق ہونے کی وجہ سے چندوں میں بھی سست ہو جاتے۔ اور رفتہ رفتہ معمولی چندے تو الگ رہے وصیت تک کو دوبھر سمجھنے لگ جاتے۔ لیکن جب ان کے لئے خلیفہ کے وجود میں ایک زندہ تسلی ہوگی، تو مرنے کے بعد کا سوال تو الگ رہا، زندگی میں ہی وہ یہاں آپڑینگے۔ غرض خلیفہ کے نہ ہونے سے وہ چندہ جس سے انجمن کا کام چلتا ہے، جمع نہ ہوتا۔ اور روز بروز کم ہوتا جاتا۔ اور وہ کام جو حضرت اقدس نے شروع کروائے تھے۔ انہیں اس غفلت کی وجہ سے صدمہ پہنچتا۔ جذب اور کشش کا باعث ہمیشہ حکومت ہی ہوا کرتی ہے جو یا تو سلطنت ظاہری کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے جس کا اثر بدن پر پڑتا ہے اور یا سلطنت روحانیہ سے جس کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انجمن کو سلطنت ظاہری تو حاصل ہی نہیں اور روحانی حکومت کیلئے ضروری ہے، کہ لوگوں کی عقیدت کسی ایسے انسان سے وابستہ ہو جس کے ساتھ انہیں دلی ارادت ہو۔ اور وہ دلی خواہش سے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیں۔ پس قادیان میں ضرور کوئی ایسا شخص موجود ہونا چاہیئے، جس کے ہاتھ پر قوم بکی ہوئی ہو۔

یاد رکھنا چاہیئے، کہ مذہبی نظام کے معاملے میں ایک شخصی انتظام کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ کیونکہ مذہب، جذبات اور اخلاص اور ایمان کا تعلق ہوتا ہے۔ اور یہ چیزیں ہرگز کسی انجمن کے انتظام کے ماتحت قائم نہیں رہ سکتیں۔ [illegible]

انتظامی کاموں کو سرانجام دینے کیلئے مجلسیں اور پارلیمنٹیں ایک حد تک کام دے سکتی ہیں [illegible]

شیعہ مذہب کی کتابوں سے چند کارآمد حوالے

(از جناب حکیم سید صادق حسین صاحب مختار عدالت اٹاوہ)

[احمدیت کی تائید میں کتب شیعہ میں بہت سے حوالجات پائے جاتے ہیں جن میں کچھ چند ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔]

وفات مسیحؑ

۱۔ قدمائے شیعہ کا عقیدہ ہے کہ نصوص قرآنیہ سے حضرت مسیح ابن مریم اسرائیلی کی وفات ثابت ہے۔ کتاب "عقائد اثنا عشریہ" مصنفہ شیخ صدوق میں (جس کا ترجمہ بڑے فخر کے ساتھ شیعہ کالج کے پروفیسر مولوی اعجاز حسین صاحب شیعہ نے لکھا اور اثنا عشری پریس کے مالک سید صغیر حسین زیدی الواسطی شیعہ نے چھاپا ہے) صفحہ ۱۰۵ پر لکھا ہے:۔

"وَلَقَدْ نَقَلَ مخالِفُونا انّهُ اِذا خَرجَ المَهْدِيُّ يَنْزِلُ عيسى ابنَ مريمَ مِنَ السَّمَاءِ فَيُصَلِّي خلفَهُ ونزولُهُ اِلى الارضِ ورجوعُهُ اِلَى الدُّنيا بَعْد موتِهِ لانَّ اللهَ عزَّ وجلَّ قالَ اِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ۔ (ترجمہ از شیعہ پروفیسر) ہمارے مخالف یعنی اہل سنت نے روایت کی ہے کہ جب امام مہدی ظہور فرمائیں گے، تو اس وقت عیسےٰ بن مریم آسمان سے نازل ہونگے اور ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اور اصل بات یہ ہے، کہ حضرت عیسےٰ کا نزول اور دنیا میں ان کا رجوع ان کی موت کے بعد ہوگا۔ جیسا کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ یا عیسٰی اِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ۔ یعنی اے عیسےٰ میں تجھکو وفات دینے والا ہوں، اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔"

۲۔ حیات القلوب مصنفہ ملا باقر مجلسی مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ جلد اول ۵۸۵ میں لکھا ہے۔

"و در حدیث موثق از حضرت امام رضا منقول است کہ مشتبہ نشد از کشتہ شدن و مردن احدے از پیغمبران و حجتہاے خدا بر مردم بغیر از عیسے بن مریم زیرا کہ اورا زندہ از زمین بالا بردند و روحش را در میان آسمان و زمین قبض کردند و چون بآسمان بردند حق تعالے روحش را بدنش گردانید چنانچہ حق تعالے میفرماید اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ واز حضرت عیسے حکایت مے نماید فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ پس ہر دو آیہ دلالت مے کند بر وفات آنحضرت"

(ترجمہ) حدیث موثق میں حضرت امام رضا سے منقول ہے کہ پیغمبروں اور خدا کی حجتوں میں سے کسی کا مارا جانا اور مرجانا لوگوں پر مشتبہ نہیں ہوا سوائے عیسٰی بن مریم کے کیونکہ ان کو زندہ زمین سے اوپر لے گئے۔ اور ان کی رُوح کو آسمان و زمین کے درمیان قبض کیا۔ اور جب آسمان پر پہونچے، تو حق تعالے نے ان کی رُوح کو ان کے بدن میں پھر داخل کیا چنانچہ حق تعالے فرماتا ہے اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ اور حضرت عیسے کی طرف سے حکایت کرتا ہے۔ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ۔ پس دونوں آیتیں دلالت کرتی ہیں وفات آنحضرت پر۔

رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کے معنے بعض اہل سنت آیت رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالے نے حضرت عیسٰےؑ کو زندہ جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر اُٹھا لیا۔ مگر جس طرح حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب ماثبت بالسنۃ (مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۱) میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے یہی الفاظ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ آنحضرت کے لئے استعمال فرمائے ہیں۔ اسی طرح امیرالمؤمنین جناب علی علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں جس کو خطبۃ الوسیلہ کہتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا۔ حَتّٰی اِذَا دَعَاہُ اللّٰہُ

عَزَّوَجَلَّ نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ قَبَضَهٗ اِلَيْهِ۔ (فروع کافی کتاب الروضۃ)

(ترجمہ) یہاں تک کہ جب اللہ عزوجل نے اپنے نبی مصطفےٰ اللہ علیہ و آلہ کو بلایا اور اپنے پاس اُٹھا لیا۔

ختمِ نبوت

۱۔ ملا باقر مجلسی صاحب نے حیات القلوب میں لکھا ہے:۔

" امامت نیز فی الحقیقت نبوتے است بوساطت نبی و ازیں سبب اطاعت اولی الامر اطاعت است بہ نبی " (حیات القلوب جلد ۳ ص۲)

(ترجمہ) امامت بھی فی الحقیقت نبوت ہے نبی کی وساطت سے۔ اور اسی سبب سے اولی الامر کی اطاعت نبی کی اطاعت ہے۔

۲۔" اگر ابراہیم (پسر آنحضرت صلعم) زندہ رہتا، تو لازم تھا کہ پیغمبر ہوتا " (ترجمہ ورجلاء العیون مصنفہ ملا باقر مجلسی جلد ۱ ص۱)

یہ ابن ماجہ کی اس حدیث کے مطابق ہے جس میں آتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات پر فرمایا، کہ لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ لَكَانَ نَبِيًّا (ابن ماجہ کتاب الجنائز)

۳۔ صافی شرح کافی کتاب الحجۃ مطبوعہ لکھنؤ مطبع نولکشور ص۱۲ میں لَا نَبِيَّ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ کے معنی یہ لکھے ہیں:۔" نیست پیغمبرے صاحب شریعت بعد از محمد صلی اللہ علیہ و آلہ" یعنی کوئی پیغمبر صاحب شریعت آنحضرتؐ کے بعد نہ ہوگا۔

۴۔ تحفہ اثنا عشریہ میں غالی شیعوں کے فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے فرقہ مفضلیہ کی نسبت علاوہ اور باتوں کے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے یہ لکھا:۔" مذہب آپ کا یہ ہے، کہ نبوت و رسالت منقطع نہیں ہوتی ہے جیسے آنحضرت خاتم النبوت و رسالت ہوئے۔ بلکہ جس کو اتحاد لاہوت سے حاصل ہوا وہ نبی ہے " (تحفہ مترجم ص۱۲)

اس کے جواب میں علامہ حکیم مرزا محمد صاحب کشمیری نے نزھۃ اثنا عشریہ میں یہ لکھا۔

"اگر مراد ازیں کلام است مذہب مفضلیہ اینست نبوت و رسالت تشریعی منقطع نیگ[illegible] غیر مسلّم است واگر مراد نبوت و رسالت تعریفی ست مسلّم است۔ لیکن محذورے ندارد چہ محققین فن رجال تصریح نمودہ اند کہ ایں جماعت صوفیہ بودند صوفیہ نبوت و رسالت را بدو قسم منقسم ساختہ اند تشریعی و تعریفی۔ تشریعی را منقطع و تعریفی را غیر منقطع دانند"

(ترجمہ) اگر مراد (صاحب تحفہ کی) اس کلام سے یہ ہے کہ مذہب مفضلیہ والے نبوت و رسالت تشریعی کو منقطع نہیں مانتے تو یہ بات غیر مسلّم ہے اور اگر مراد اس سے نبوت و رسالت تعریفی ہے تو مسلّم ہے لیکن اس پر کوئی شرعی اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ محققین فن رجال نے تصریح کی ہے کہ مفضلیہ فرقہ والے صوفی لوگ تھے اور صوفیوں نے نبوت و رسالت کی دو قسمیں قرار دی ہیں تشریعی اور تعریفی (یعنی غیر تشریعی) تشریعی کو منقطع اور تعریفی کو غیر منقطع (یعنی جاری) مانتے ہیں۔

صداقت حضرت مسیح موعودؑ

معیار صداقت مدعی نبوت اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے (۱) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (سورہ الانعام آیت ۹۴ ع۱۱) (ترجمہ) اور کون ہے بہت ظالم اس شخص سے جو باندھ لیتا ہے اللہ تعالےٰ پر جھوٹ جان بوجھکر یا کہتا ہے وحی کی گئی ہے میری طرف اور نہ وحی کی گئی طرف اس کے کچھ اور جو کہتا ہے نازل کرونگا میں بھی مانند اس کے جو نازل کی ہے اللہ نے۔

۲۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (سورۃ الانعام آیت ۲۲) (ترجمہ) اور کون ہے بہت ظالم اُس سے کہ باندھ لیوے اللہ پر جھوٹ جان بوجھکر یا جھٹلائے اسکی آیتوں کو بیشک نہیں کامیاب ہوتے ظالم۔

۳- قَالَ لَهُمْ مُوْسٰی وَیْلَکُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا فَیُسْحِتَکُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی (سورۃ طٰہٰ آیت ۶۴) ترجمہ:- کہا ان کو (ساحروں کو) موسیٰ نے افسوس ہے تم پر مت افترا کرو خدا پر جھوٹ (دیدہ دانستہ) پس فنا کردیگا تم کو عذاب سے اور تحقیق نامراد ہوا جس نے جھوٹ باندھا۔

۴- اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ (سورۃ الحاقہ ۴۱-۴۸)

ترجمہ:- تحقیق وہ البتہ قول ہے رسول معزز کا اور نہیں وہ قول شاعر کا تھوڑا سا ایمان لاتے ہو تم اور نہ قول کاہن کا تھوڑا سا جو کچھ نصیحت پکڑتے ہو۔ اتارا ہوا ہے رب العالمین سے اور اگر باندھ لیوے ہم پر بعض باتیں البتہ پکڑتے ہم اس کو داہنے ہاتھ سے پھر کاٹ ڈالتے ہم اُس سے رگ گردن کی پھر نہ ہووے تم میں سے کوئی اس سے روکنے والا۔

تفسیر عمدۃ البیان مؤلفہ سید عمار علی اثنا عشری جلد ۲ صفحہ ۶۰۲ میں زیر آیت وَلَوْ تَقَوَّلَ لکھا ہے۔ اگر محمد صلعم اپنی طرف سے بنا کر ہماری طرف منسوب کرے تو ہم اس کا دست راست پکڑ کے اس کی رگِ گردن کو کاٹ ڈالیں، کہ وہ ہلاک ہوجائے اور اس کو قتل کریں۔

اصول کافی کتاب الحجۃ باب من ادعی الامامۃ ولیس لہا باھل میں امام جعفر صادق سے روایت ہے اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ لَا يَدَّعِيْهِ غَيْرُ صَاحِبِهٖ اِلَّا اَنْ بَتَرَ اللّٰهُ عُمْرَهٗ (صافی کتاب الحجۃ جز سوم حصہ ۲ صفحہ ۱۱) یعنی جو شخص امامت کا جھوٹا دعویٰ کریگا۔ اللہ تعالیٰ اسکی عمر کو منقطع اور تباہ کردے گا۔

اور ملا باقر مجلسی صاحب نے لکھا ہے۔ کہ "امامت نیز فی الحقیقت نبوتے است بوساطت نبی" (حوالہ پہلے لکھا گیا)۔ نہج البلاغہ مترجم اردو صفحہ ۲۰۸ میں لکھا ہے "مدعی حق جس میں اسکی لو بھی نہیں ہے

ہلاک ہونے والا ہے۔ اور مفتری کتاب جو حقیقت کا دعویٰ کرتا ہے بالکل نقصان رسیدہ اور زیاں کار ہے۔ حوالجات مذکورہ پر یکجائی نظر ڈالنے سے یہ معیار ثابت ہوتا ہے کہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا نامراد قتل ہوگا۔

متفرق

حدیث مجدد | فروع کافی ترجمۃ المصنف ۱۲۲ میں تسلیم کیا گیا ہے کہ حدیث اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا ایک حدیث مشہور اور نبی صلے اللہ علیہ و آلہ سے مروی ہے۔

ضرورت امام | جب دنیا کے لوگ خدا تعالے سے منہ موڑ کر دین سے غافل ہو جائیں اور دین میں افراط و تفریط کرلیں، حلال و حرام کی تمیز ان میں نہ رہے، اور نظام امت بگڑ جائے تو منجانب اللہ امام کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ:-

۱- اصول کافی کتاب العلم ص۳۲ میں ابو عبد اللہ علیہ السلام سے مروی ہے۔ قال رسول اللہ ان عند کل بدعۃ تکون من بعدی یکاد بھا الایمان ولیا من اھل بیتی موکلا بہ یذب عنہ ینطق بالالھام من اللہ ویعلن الحق وینورہ و یرد کید الکائدین۔ یعبر عن الضعفاء فاعتبروا یا اولی الابصار وتوکلوا علی اللہ۔ یعنی رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد جب کبھی دین اسلام میں کوئی بدعت نکالی جائیگی جس سے ایمان پر زد پڑتی ہو۔ تو اللہ تعالے میرے اہلبیت میں سے کسی ایسے شخص کو مامور کرے گا کہ خدمت دینِ اسلام اس کے سپرد کی جائے گی۔ وہ شخص الایمان یعنی الاسلام کی حفاظت و حمایت کرے گا۔ الہام الٰہی کے ذریعہ سے اس کو حقائق و معارف قرآنی سکھائے جائینگے جن کی روشنی میں وہ مقدس انسان قرآن کی صداقت زبردست دلائل کے ساتھ دنیا پر روشن اور ظاہر کریگا۔ دشمنانِ اسلام کے اعتراضات کو خاک میں ملا دیگا۔ اور کمزور مومنوں کی ہمت بندھائے گا پس اے

ہوشمندو! انجام کار کی فکر کرو۔ اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو۔

۲۔ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ سَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ اِنَّ الْاَرْضَ لَا تَخْلُوْا اِلَّا وَ فِیْهَا اِمَامٌ کَیْمَا اِنْ زَادَ الْمُؤْمِنُوْنَ شَیْئًا رَدَّهُمْ وَ اِنْ نَقَصُوْا اَتَمَّهٗ لَهُمْ۔

(صافی شرح کافی کتاب الحجۃ ص۳۵) راوی کہتا ہے میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ زمین خلیفۃ اللہ سے خالی نہ رہے گی۔ جب مومن دین میں کچھ اپنی طرف سے بڑھا دینگے تو امام الزمان منجانب اللہ مبعوث ہو کر ان کو متنبہ کرے گا۔ اور اگر وہ دین میں کچھ کم کر دینگے تو امام الزمان آ کر اس کمی کو پورا کر دے گا۔

یہ حدیثیں مجدد والی حدیث کی مؤید ہیں پہلی حدیث میں جو لفظ مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ ہے اس کا مطلب سمجھنے کے لئے حدیث سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلِ الْبَیْتِ قابل لحاظ ہے۔ اِنَّ الْاَرْضَ لَا تَخْلُوْا مندرجہ حدیث دوم کا جو ترجمہ ہم نے لکھا ہے وہی صحیح ہے۔ ورنہ حدیث زیر بحث مشاہدہ کے خلاف ہونے کے علاوہ کافی کتاب الحجۃ باب الغیبۃ کی اس حدیث کے بھی مخالف ہو گی جس میں مہدی موعود کی بعثت کے متعلق یہ لکھا ہے (عَلٰی فَتْرَةٍ مِّنَ الْاَئِمَّةِ کَمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ بُعِثَ عَلٰی فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ)

معرفت امام واجب ہے جناب شفاء الدولہ صاحب اپنی کتاب انارۃ البصائر و کشف السرائر مطبوعہ لکھنؤ جلد ۲ ص۱۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں "جناب سید مرتضٰے اور اور اصحاب قدماء اہل خلاف کی نجاست ظاہری کے بھی قائل ہو گئے ہیں۔ اور مَنْ مَاتَ وَ لَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ مَاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً کا بھی ظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے کہ جیسا معرفت نبی کی واجب ہے اور اصول سے ہے ویسا ہی معرفت امام کی بھی واجب اور اصول سے ہے۔ اور جیسا کہ پہلے سے انکار و غفلت موجب کفر ہے اسی طرح انکار و غفلت معرفت امام سے بھی مورث کفر و سبب موت جاہلیت ہے"

اور جناب سید علی حائری صاحب مجتہد لاہوری منہاج السلامہ مطبوعہ اسلامیہ پریس لاہور ص۱۹۶ میں لکھتے ہیں "بحدیث متواترہ متفقہ فریقین مَنْ لَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ مَاتَ

مِیۡتَۃً جَاہِلِیَّۃً۔ حضرت صادق علیہ السلام میفرمائد در تفسیر ایں حدیث کہ بمیرد و معرفت امام زمان نداشتہ باشد بموت جاہلیت یعنی بر کفر و ضلالت و نفاق خواید مرد"۔ یعنی حدیث من مات ولم یعرف امام زمانہ الخ متواتر و مسلّمہ فریقین ہے۔ حضرت صادق نے اس حدیث کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ جو امام الزمان کو پہچاننے کے بغیر مرجائیگا وہ کفر گمراہی اور نفاق کی موت مریگا۔

نوٹ:۔ سید مرتضیٰ۔ شفاء الدولہ اور سید علی حائری وغیرہ کی تحریرات سے نبی غیر تشریعی کا انکار کفر ثابت ہوتا ہے کیونکہ نبوت امامت سے اولیٰ ہے۔

مہدی کا لقب صاحب الدار بھی ہوگا | منہاج السلام مصنفہ سید علی حائری صاحب ۱۷۶/۱۷۷ میں ہے "بدانکہ آنچہ بحث نمودیم تا اینجا نتیجہ اش آنست کہ در یوم رجعت حضرت محمد علیہ السلام کہ کنیتش ابوالقاسم والقابش بسیار و منہا احمد و صاحب الدار۔۔۔ و مسیح الزمان۔۔۔۔ و مہدی علیہ السلام۔۔۔۔"

ادھر حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی مسعود کو منجانب اللہ الہام ہوا۔ اِنِّیۡ اُحَافِظُ کُلَّ مَنۡ فِی الدَّارِ (ترجمہ) میں ہر ایک کو جو اس گھر کی چار دیواری کے اندر ہے بچاؤنگا۔ اور اس الہام کی صداقت دنیا نے اپنی آنکھ سے دیکھ لی، کہ حضرت اقدس کے گھر میں طاعون سے ایک چوہا بھی نہیں مرا۔ پس خدا تعالیٰ کی قولی اور فعلی شہادت سے حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کا صاحب الدار ہونا ثابت ہوگیا۔ اور حضرات ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے مہدی معہود کے متعلق جو پیشگوئی کی تھی کہ وہ صاحب الدار ہوگا، وہ پیشگوئی حضرت اقدس میرزا صاحبؑ کے وجود میں پوری ہوگئی۔

روایاتِ شیعہ سے مسئلہ بروز کی تائید | کسی متوفّی بزرگ کی روح کا عکس کامل طور پر کسی زندہ بزرگ کی روح پر پڑتا ہے۔ صوفیوں کی اصطلاح میں اسے بروز کہتے ہیں۔ روایاتِ شیعہ سے بروز کی تائید ہوتی ہے۔ ایک روایت درج ذیل ہے:۔

ملّا باقر مجلسی نے رسالہ رجعت میں لکھا ہے کہ مہدی موعود سب اولوالعزم پیغمبروں اور نبیوں کے جامع مظہر ہونگے۔ اصل عبارت رسالہ رجعت میں یوں ہے:۔ "گوید ہر کہ خواہد نظر کند بہ آدم و شیث و نوح و سام و ابراہیم و اسمٰعیل و موسیٰ و یوشع و عیسیٰ و شمعون پس نظر کند بمن" (رسالہ رجعت ۱۳ مطبوعہ لکھنؤ) یعنی حضرت امام مہدی

ایک لاکھ روپیہ کے انعامات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق جو پیشگوئی فرمائی کہ وہ کثرت سے مال تقسیم کریگا مگر کوئی اُسے قبول نہ کریگا یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اس طرح پوری ہوئی کہ آپ نے مخالفین کو ان باتوں کے ثبوت پیش کرنے پر جنہیں وہ مانتے تھے اور جو انکی طرف سے پیش کیجاتی تھیں ہزار روپیہ بطور انعام پیش کیا مگر کوئی اس میں سے ایک پیسہ بھی حاصل نہ کرسکا۔ خدا تعالیٰ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب سکندرآبادی کی صحت اور مال میں برکت دے اور انہیں اپنے خاص فضلوں کا مورد بنائے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس کام (یفیض المال) کو خصوصیت سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ حال میں انہوں نے ان انعامات کو جن کا انکی طرف سے مختلف اوقات میں اعلان ہوتا رہا ہے اور جنکی رقم ایک لاکھ تک پہنچ چکی ہے یکجائی طور پر ایک رسالہ کی صورت میں شائع کردیا ہے جسکا مطالعہ حق پسند اصحاب کیلئے بہت مؤثر اور مفید ہوسکتا ہے۔ چونکہ ان انعامات کے مخاطب مسلمان۔ غیر مسلم حتی کہ غیر مبائعین بھی ہیں اسلئے اسکی اشاعت کا بہت وسیع میدان ہے احباب کو چاہیئے کہ الہ دین بلڈنگ سکندرآباد کے پتہ سے حضرت سیٹھ صاحب سے منگا کر تقسیم کریں۔

تفسیر سروری

یعنی جماعت احمدیہ کے مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کی وہ تفسیر القرآن جو رسالہ ریویو (اردو) میں چھپتی رہی ہے۔ اور جس میں حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی تفسیر بھی بیان ہوئی ہے اسکی گنتی کی جلدیں برائے فروخت دفتر میں موجود ہیں۔ یہ تفسیر شروع سے آٹھویں پارے تک کی ہے۔ مگر درحقیقت اس میں سارے قرآن مجید کے مشکل مقامات حل کئے گئے ہیں۔ یہ نہایت عام فہم تفسیر ہے۔ اس کے پڑھنے سے حسب استعداد تفسیر القرآن کا ملکہ پیدا ہوجاتا ہے۔ رسالہ ریویو کے سائز پر اس کے کل دو ہزار صفحے ہیں۔ پہلے اس کی قیمت پندرہ روپے تھی۔ مگر اب بعض فوری ضروریات کی وجہ سے اسکی رعایتی قیمت صرف چھ روپے رکھی گئی ہے آج ہی بذریعہ منی آرڈر بنام مینیجر رسالہ ریویو (اردو) ارسال فرما کر اپنے لئے ایک جلد محفوظ کرالیں۔ بعد میں یہ تفسیر ہمارا خزانہ کسی قیمت پر بھی نہ مل سکیگا۔ مجلد کی قیمت ساڑھے سات روپے ہے۔

ملنے کا پتہ: مینیجر رسالہ ریویو (اردو) قادیان

نمبر ۶۱۱۵۔ منکہ خدا بخش عبدہ ولد میاں گوہر دین صاحب مرحوم قوم شیخ پیشہ ملازمت عمر ۳۱ سال تاریخ بیعت ۲۰ جون ۱۹۲۵ء ساکن زیرہ ضلع فیروز پور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۹/۴/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میرے والد صاحب مرحوم کا ترکہ ایک مکان پختہ وخام واقع زیرہ مالیتی -/۵۰۰ روپیہ ہے جس میں سے -/۱۰۰ انہوں نے میری والدہ صاحبہ کا قرض ادا کرنا تھا۔ باقی -/۴۰۰ روپیہ کے ۸/۱ حصہ یعنی -/۵۰ روپے کی وہ مطابق تقسیم ورثہ شرع محمدی مالک ہیں۔ باقی -/۳۵۰ روپے میں ہم تین بھائی شریک ہیں۔ لہذا میں اپنے حصہ جو قریباً -/۱۲۰ ایکصد بیس بنتے ہیں کے ۱۰/۱ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ علاوہ ازیں میری کوئی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد نہیں۔ اس کے علاوہ میری اسوقت ماہوار آمد قریباً بیس روپے ہے۔ جو امید ہے کہ انشاء اللہ یکم جون ۱۹۴۴ء سے -/۴۰ روپے ہو جائیگی جس کی اطلاع کر دی جائیگی۔ لہذا میں اپنی ماہوار آمد کے ۱۰/۱ حصہ کی بھی وصیت بحق صدر انجمن مذکور کرتا ہوں۔ میرے مرنے کے بعد بھی اگر میری کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو۔ تو اس کے بھی ۱۰/۱ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ خدا بخش عبدہ حال سیالکوٹ شہر۔ گواہ شد بقلم خود الف دین۔ گواہ شد۔ محمد عبد اللہ زرگر سیالکوٹ ۞

نمبر ۶۲۳۵۔ منکہ محمد عبد اللہ صاحب ولد احمد دین صاحب قوم کمہار پیشہ تجارت عمر ۵۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۰ء ساکن قادیان دار الرحمت بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۲۲/۴/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں اسوقت میری جائیداد غیر منقولہ ایک مکان واقع محلہ دار الرحمت پانچ مرلہ زمین پر تفصیل ذیل ہے۔ ایک کمرہ پونے انیس فٹ لمبائی چوڑائی بارہ فٹ اور اس کے آگے برآمدہ دس فٹ چوڑا ہے صحن کے بیچ میں نلکا ہے اور ایک عارضی ڈیوڑھی ہے جس کی کل قیمت بوقت ادائیگی جو بھی ہو۔ میں اس کا ۱۰/۱ حصہ ادا کر دونگا۔ علاوہ اسکے اگر کوئی میری مزید جائداد ثابت ہو تو اسکے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اس وقت میرا گذارہ معمولی تجارت پر ہے جس کی آمد معین نہیں کر سکتا مگر وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی ماہوار آمد کا بھی ۱۰/۱ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ کرتا رہونگا۔ اگر میں اپنی سابقہ جائیداد کا حصہ وصیت کل یا بعض اپنی زندگی میں داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ کرا دوں تو

...وصیت [illegible] العبد [illegible] گواہ شد [illegible]

وصیتیں

نوٹ:۔ وصایا منظوری سے پہلے اس لئے شائع کی جاتی ہیں کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو دفتر کو اطلاع دے۔

نمبر ۱۹۱۱ء:۔ منکہ رحمت اللہ ولد برکت علی مرحوم قوم امائیں پیشہ کاشتکاری عمر قریباً ۴۲ سال پیدائشی احمدی ساکن بھیرو چیچی ڈاکخانہ قادیان ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۴ ماہ شہادت ۱۳۲۱ ہش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔ میری جائیداد موجود الوقت اراضی ۱۶ کنال سیلاب جو کہ بیع خریدی ہوئی ہے اور جس کی اندازاً قیمت ۶۰۰/- روپے ہے۔ دوم اراضی زمین سیلاب ۲ کنال بالعوض مبلغ ۱۴۰/- ہے سوم اراضی رہن قسم چاہی ½ ۱ کنال بالعوض ۲۰/- روپے ہے۔ اسکے علاوہ اراضی ۴ کنال قسم چاہی جس کا میں بعض وجوہ کی بنا پر حقدار ہوں میرے دادا صاحب کے نام کاغذات سرکار میں درج ہے۔ قیمت اندازاً ۶۰۰/- روپے ہے اسکے علاوہ مکان سکونتی تین عدد خام جنکی اندازاً قیمت ۳۰۰/- اور مویشی وغیرہ کی قیمت شمار کر کے کل جائیداد تقریباً ۱۸۰۰/- روپے بنتی ہے اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ علاوہ مذکورہ جائداد کے میری اور کوئی جائیداد نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ذرائع آمد میں سوا اس جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں اور انشاء اللہ تعالیٰ تازیست اس پر قائم رہونگا۔ اللہ تعالیٰ میری اس وصیت کو قبول فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔ علاوہ مذکورہ جائیداد کے میری جو جائیداد مرنیکے بعد ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی انجمن حقدار ہوگی۔ کمی بیشی کی اطلاع دیتا رہونگا۔ العبد۔ رحمت اللہ بقلم خود موصی۔ گواہ شد۔ اکبر علی بقلم خود۔ گواہ شد۔ سلطان علی سیکرٹری مال ؛

نمبر ۲۲۲۶ء:۔ منکہ محمد علی خاں ولد نیاز علی خاں قوم پٹھان پیشہ ملازمت عمر قریباً ۵۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۸ء ساکن شاہجہانپور یوپی حال قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۳ ہش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائداد اس وقت گنیش فلور ملز کمپنی لمیٹڈ دہلی میں میرے پانچ حصے ہیں جن کی سالانہ آمدنی ستر پچھتر روپے ہوتی ہے۔ کم و بیش بھی ہوجاتی ہے اس آمدنی کا دسواں حصہ سال بہ سال داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اسکے علاوہ پندرہ روپے ماہوار مجھے اپنے لڑکے کی طرف سے

ملتے ہیں اس کا دسواں حصہ ماہ بماہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میرے انتقال کے بعد جو میرا متروکہ ثابت ہو۔ اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد محمد اللہ خان موصی بقلم خود۔ گواہ شد۔ کلیم الرحمٰن بقلم خود۔ گواہ شد۔ مختار احمد ساکن شاہجہانپور۔ محلہ ٹرین ۔

نمبر ۶۲۲۲۔ منکہ محمد عثمان ولد حاجی شیخ داؤد قوم شیخ پیشہ مدرسی عمر ۷۱ سال ساکن حیدر آباد دکن بقائمی ہوش وحواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۵۔۳ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اسوقت کوئی نہیں۔ اسوقت میری ماہوار آمد ۶۰ روپے سکہ عثمانیہ ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میرے مرنیکے وقت میرا جس قدر متروکہ ثابت ہو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد۔ محمد عثمان معرفت سیٹھ محمد اعظم صاحب چمپل کمان ۵۵۔۱۱۔۵ حیدر آباد دکن۔ محمد عبد الصمد فرزند موصی۔ گواہ شد۔ محمد عبد السلام احمدی فرزند موصی۔

نمبر ۶۲۲۲۔ منکہ محمد عبد اللہ ولد چوہدری فضل دین صاحب مرحوم قوم جٹ باجوہ پیشہ ملازمت عمر ۴۴ سال پیدائشی احمدی ساکن چیچہ کمیوہ ڈاکخانہ دمتلی ضلع سیالکوٹ حال ناصر آباد اسٹیٹ ضلع تھرپارکر سندھ بقائمی ہوش وحواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۵۔۳ ۹ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں میری جائیداد مشترکہ ہے اور جس میں ہم چار بھائی حصہ دار ہیں۔ جائداد حسب ذیل ہے۔ اراضی ۸ گھماؤں حویلی و مکان رہائشی خام میرے حصہ کی اراضی ۲ گھماؤں کی قیمت اندازاً ۵۰۰/- روپے ہے۔ مکان اور حویلی کی میرے حصہ کی قیمت ۴۰/- روپے اندازاً ہوتی ہے۔ کل قیمت ۵۴۰/- روپے ہوئی۔ لیکن میں نے اپنے والد صاحب محترم کی وصیت کی رقم ۴۰/- روپے ادا کرنی ہے جو کہ مندرجہ بالا رقم سے منہا ہوگی۔ اس لئے بقایا رقم ۵۰۰/- روپے کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر یہ رقم میں اپنی زندگی میں داخل کردوں تو رسید حاصل کرلونگا۔ بعد میں میرے ورثاء ۵۰/- روپے ادا کرنیکے ذمہ وار ہونگے۔ اس مذکورہ جائیداد کے علاوہ جو جائیداد میرے مرنے پر ثابت ہو۔ اس کے علاوہ میرا گزارہ ملازمت پر ہے۔ میری تنخواہ ۶۲/- روپے ہے۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی ادائیگی کا وعدہ کرتا ہوں۔ العبد۔ محمد عبد اللہ مالی باغ ناصر آباد اسٹیٹ سندھ۔ گواہ شد۔ عبد المومن خان اکونٹنٹ ناصر آباد اسٹیٹ۔ گواہ شد۔ محمود علی وصیت

۱۴۲۲ ناصر آباد اسٹیٹ ۰

نمبر ۷۲۲۳ ـ منکہ عبدالرحیم احمد ولد مولوی علی احمد صاحب قوم قریشی صدیقی پیشہ زمینداری عمر ۲۰ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۶ ؁۱۹۳۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائیداد نہیں۔ البتہ میری ایکسو پچیس روپیہ ماہوار آمد ہے میں اسکے ۱/۱۰ (دسویں حصہ) کی وصیت کرتا ہوں اور بتوفیق الٰہی یہ رقم داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ نیز یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ میرے مرنیکے وقت جس قدر جائیداد ثابت ہو۔ اس کے دسویں حصہ کی مالک بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ میرے ورثاء کا اس میں کوئی دخل نہ ہوگا۔

العبد۔ عبدالرحیم احمد۔ گواہ شد۔ مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح) گواہ شد۔ عبدالمنان عمر۔

نمبر ۷۲۲۰ ـ لطیف احمد احمدی ولد الطاف حسین صاحب قوم شیخ قریشی پیشہ ملازمت عمر ۳۰ سال پیدائشی احمدی ساکن دھلی بلیماراں بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۵ ؁۱۹۳۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میں اسوقت عارضی طور پر ایک پرائیویٹ کمپنی میں ملازم ہوں اور مبلغ -/۱۵۰ روپے ماہوار تنخواہ پاتا ہوں۔ میں اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد نہیں ہے۔ میرے مرنیکے بعد اگر میری کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر میں نے اپنی زندگی میں کچھ حصہ وصیت کا ادا کر دیا ہوگا۔ تو وہ اس میں سے منہا سمجھا جائیگا۔ العبد۔ خاکسار لطیف احمد بقلم خود گواہ شد۔ مرزا منیر احمد۔ گواہ شد۔ سید ارتضیٰ علی۔

نمبر ۷۱۸ ـ منکہ محمد سعید عابد ولد عبدالرحیم ورق ساز قوم جنجوعہ راجپوت پیشہ ملازمت عمر ۲۲ سال پیدائشی احمدی ساکن امرتسر بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۵ ؁۱۹۳۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اسوقت کوئی نہیں۔ اسوقت میری ماہوار آمد مبلغ اکسٹھ روپے ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میرے مرنیکے وقت میرا جس قدر متروکہ ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد۔ محمد سعید عابد بقلم خود ۔

گواہ شد۔ عبدالرحیم بقلم خود والد موصی۔ گواہ شد۔ بہاول شاہ امرتسر۔ گواہ شد۔ محمد طفیل امرت سر۔

نمبر ۶۲۲۳:۔ منکہ فضل کریم حجام ولد میاں اللہ دتا صاحب قوم احمدی پیشہ حجام عمر ۴۴ سال تاریخ بیعت ۱۹۲۲ء ساکن مالو کے بھگت ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۴-۸ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اسوقت کوئی جائیداد نہیں میں اپنی آمد کا ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں اسوقت میری موجودہ آمد بیس روپے ماہوار ہے میں انشاء اللہ باقاعدہ ادا کرتا رہونگا۔ اور اگر میری کوئی جائیداد میرے مرنیکے بعد ثابت ہو تو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اللہ تعالیٰ میری اس وصیت کو قبول فرمائے۔ العبد:۔ فضل کریم حجام بقلم خود حال موچی گیٹ لاہور۔ گواہ شد۔ محمد حسین سیکرٹری وصایا لاہور۔ گواہ شد:۔ مجید احمد سیکرٹری مال۔

نمبر ۶۲۲۹:۔ منکہ وزیر خاں ولد چوہدری پیرانداتا صاحب قوم جٹ عمر پچاس سال تاریخ بیعت ۱۹۲۵ء ساکن قادیان دارالرحمت بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۸-۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میرے مرنیکے وقت جس قدر میری جائیداد ہو اس کے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کرکے رسید حاصل کرلوں تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کردیجائیگی۔ میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے ایک مکان رقبہ دس مرلہ واقعہ محلہ دارالرحمت قیمتی اندازاً ایک ہزار روپیہ ایک ہزار روپیہ نقد میرے پاس موجود ہے ایک کھیت میرے پاس -/۱۸۰ روپے میں رہن ہے اور قریباً ایک گھماؤں زمین قیمتی اندازاً -/۴۰۰ روپے میری جدی ملکیت ہے اس طرح کل جائیداد قریباً -/۲۵۸۰ روپے کی ہے میں اس موجودہ جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں۔ العبد۔ وزیر خاں بقلم خود گواہ شد۔ محمد ابراہیم بھامڑی کلرک حضرت مرزا بشیر احمد صاحب۔ گواہ شد۔ محمد الدین سکنہ بھینی بانگر۔ (باقی صلا)

لا اله الا الله محمد رسول الله

هو الذي ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز (اردو)

دنیا کے مذاہب پر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۱ | ماہ رمضان ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۲ء | عدد ۱۰

فہرست مضامین

سُلطان القلم

(۳)

(از صاحبزادہ عبد المنان صاحب عمر ایم۔اے۔)

اوپر یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اسلوب بیان نہایت شستہ رفتہ، صاف، سلیس، بے تکلف، بے ساختہ، واضح اور سریع الفہم ہے۔ مضامین کی روانی وسلاست سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلم برداشتہ لکھتے چلے گئے ہیں۔ اور معانی کی کثرت یہ پکارتی ہے کہ ایک دریا اُمڈا ہوا چلا آتا ہے۔ آپکی تحریر میں دور از کار استعارے، بعید از قیاس تلمیحیں، فضول تشبیہیں، بھونڈے مبالغے، بھدی ترکیبیں، پیچیدہ باتیں اور لفظی ومعنوی تعقیدیں نہیں پائی جاتیں۔ بلکہ سلجھے ہوئے رواں اور دلنشیں اسلوب میں صاف صاف باتیں نظر آتی ہیں۔ اسمیں کہیں اہمال، اشکال یا اخلال نہیں پیچیدہ سے پیچیدہ اور طویل سے طویل مسائل کو پوری طرح اپنا کر عام فہم انداز میں بیان فرما دیا ہے اِنکو سمجھنے اور آپکے مافی الضمیر تک پہنچنے میں پڑھنے والے کو کبھی دِقت کا سامنا نہیں ہوتا۔ اور اس کا ذہن بے تکلف آپکی پرواز خیال کا ساتھ دیتا چلا جاتا ہے۔ آپکی تحریر اس رواں دواں اور صاف وشفاف دریا کی طرح ہے جس کی تہ کو بھی ہم دیکھ سکتے ہیں اور اس سلسلہ میں ہم نے آپکی کتب سے بہت سے اقتباسات بھی پیش کئے ہیں۔ ہمیں اقرار ہے کہ انمیں طوالت ہو گئی۔ مگر یہ صرف اس امر کے اظہار کی غرض سے کہ آپکی تحریر کی پہلی خوبی کے متعلق جو دعویٰ کیا گیا تھا، وہ بے دلیل نہ رہے اور قارئین کرام کو معلوم ہو جائے، کہ تحریر کی یہ خوبی اور بلندی آپکے مختصر فقروں اور چند عبارتوں ہی میں نہیں پائی جاتی بلکہ اس کا دامن بہت وسیع ہے، اور ہر قسم کے مطالب پر پھیلا ہوا ہے۔ ہم نے ان اقتباسات کو قریباً اپنے تبصروں سے بھی خالی رکھا ہے۔ کیونکہ انکی خوبی

جیسا کہ خود ظاہر ہو رہا ہے اور کسی وکیل کی وکالت اور ناقد کے تبصرہ کی محتاج نہیں۔ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔

اب ہم آپ کے کلام کی دوسری خوبی کو لیتے ہیں، اور بتاتے ہیں کہ آپ نے موضوع کے مطابق پیرایہ اور موقع کے موافق طرز بیان اختیار فرمایا ہے اور ہر جگہ خیال و زبان کا توازن قائم رکھا ہے۔

جو شخص ادبی گہرائیوں پر نظر رکھتا ہو جانتا ہے کہ ہر قسم کے کلام کا پیرایۂ بیان جدا ہوتا ہے۔ بہترین انداز تحریر وہ ہوتا ہے، جو اپنے موضوع سے ہم آہنگ ہو۔ ایک کامیاب ناول نگار اس سے بالکل مختلف انداز رکھتا ہے جو انداز کہ روزانہ اخبار کے مدیر کا ہوتا ہے۔ ایک محقق مؤرخ کا اسلوب مجلس داستان گو سے علیحدہ ہوتا ہے اور طبعیات کے ایک معلم کا طریق بیان جدا ہوتا ہے اُس خطیب کے انداز بیان سے جو حاضرین کے جذبات سے کھیلنا چاہتا ہے۔ اسی طرح جہاں نرمی و سہولت کا موقعہ ہوتا ہے وہاں سختی نازیبا معلوم ہوتی ہے اور جہاں گرمی و تیزی کی ضرورت ہو وہاں نرمی۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ؎

ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد

غالباً مولوی ثناء اللہ صاحب کے لئے اس نکتہ کا سمجھنا ذرا مشکل ہوگا کیونکہ وہ تو تفسیر القرآن جیسے پاکیزہ بیان میں بھی عامیانہ بلکہ سوقیانہ شعر خوانی کے خوگر ہیں۔

تحریر کی یہ خوبی جتنی اہم ہے اس سے زیادہ مشکل۔ مولوی نذیر احمدؒ دہلوی کو اردو زبان کے اساتذہ میں جو درجہ حاصل ہے، وہ محتاج بیان نہیں۔ وہ ناول نگار بھی تھے اور مقرر بھی۔ مترجم بھی تھے اور مذہبی مباحث پر لکھنے والے بھی۔ انکی طرز میں بڑی سادگی، بڑی بے تکلفی، اور کہیں کہیں غضب کا زور، اور بڑی روانی پائی جاتی ہے۔ اور بقول مولوی عبدالحق صاحب آپ ایسے ٹھیٹ، جاندار اور چسپاں الفاظ استعمال کرتے تھے کہ اُن سے بہتر سمجھ میں نہیں آسکتے۔ لیکن یہی نذیر احمدؒ ہیں کہ موضوع کے مطابق طرز تحریر ان کے بس کی چیز نہ تھی

اور باوجود زبان پر پوری قدرت رکھنے کے وہ یہ نہ دیکھ سکے کہ ان کا طرز تحریر "کہیں قصہ کہانیوں ہی میں مزہ دیتا ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں وہ کسی طرح کھپ نہیں سکتا اور مذہبی موضوعات کے لئے قطعاً نا موزوں ہے"۔ انکی تصنیف "امہات الامۃ" پر جو بلے دے ہوئی، اور اس کی بقیہ کا پیاں نذر آتش کرنا پڑیں، اسکی تمام تر ذمہ داری انکے اسی طرز تحریر پر ہے۔ انہوں نے بعض سنجیدہ مباحث قلم بند کرنے اور بعض آیات قرآنیہ کا ترجمہ کرنے میں ایسے رکیک اور سخیف الفاظ استعمال کئے ہیں، کہ انہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یقیناً مولوی نذیر احمدؒ نے بدنیتی سے ایسا نہیں کیا، بلکہ بقول انکے مداح سوانح نگار (مصنف حیات النذیر) "ان کے بے لگام قلم کو باخدا دیوانہ باش و بامحمد ہوشیار کا بھی پاس نہ رہا۔"

غرض موقعہ کے مناسب طرز تحریر اختیار کرنا ایک بڑی کٹھن منزل ہے اور بعض بڑے بڑے انشاء پرداز بھی اپنی تمام تر قابلیتوں کے باوجود اس پر کاربند نہیں ہو سکے۔ مگر جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کمال یہ ہے کہ آپ نے اسکی پوری تفصیلات میں اس طرز تحریر کو ملحوظ رکھا، اور مختلف الموضوع مضامین کے لئے وہ پیرایہ اختیار کیا جس سے بہتر کوئی دوسرا پیرایہ ان موضوعات کے لئے موزوں و مناسب نہیں ہو سکتا۔

مذہب آپکی تحریروں کا مرکزی نقطہ ہے۔ اور مذہبی مباحث کے لئے جس بلندی، متانت اور سنجیدگی کی ضرورت ہے وہ آپ کی عام طرز تحریر کا طرۂ امتیاز ہے۔ پچھلے صفحات میں بطور نمونہ دکھایا جاچکا ہے کہ کس طرح آپ نے اپنی تعلیم پیش کی ہے، اپنے آنے کی اغراض بتائی ہیں، اپنی کامیابی کی پیشگوئیاں کی ہیں۔ ان پر جو اعتراضات ہو سکتے تھے انکا رد کیا ہے، مذہب کی روح سے جاہل علماء کی تہی دامنی اور اُن پیروں فقیروں کی روحانی بے بضاعتی کا ذکر فرمایا ہے، جن کی ساری علمیت اور نیکی و پاکبازی شملہ بمقدار علم بڑھانے اور جُبہ و دستار کے مقدس بنانے میں اُلجھ کر رہ گئی ہے۔ پھر راہ سلوک کی منازل بیان کی ہیں ملائک و شیاطین کے وجود پر لطیف بحثوں کے ذریعہ روشنی ڈالی ہے۔ سموات کی حقیقت بیان

فرمائی ہے۔ دعا اور استجابت دعا کی فلاسفی بتائی ہے۔ انکی ماہیت اور ضرورت متعین فرمائی ہے۔ بعض آیات قرآنیہ کی تفسیر لکھی ہے۔ کیا زبان کہیں بھی ثقاہت و سنجیدگی کے درجہ سے گری ہے؟ اور اسمیں کہیں بھی سخافت، عامیانہ پن اور ابتذال آیا ہے؟

مذہب اور روحانیت کے حقائق و معارف کی صحت و باریکی، شاعرانہ صنائع اور تراشِ خراش کو قبول نہیں کرتی۔ اور ایسی رنگینی اور آرائش لفظی لطیف مسائل کی لطافت کو فنا کر دیتی ہے۔ حضرت اقدسؑ کا عام اسلوب تو سادہ، سلیس اور بے تکلف ہے لیکن اس کے ساتھ ہی جہاں ایسے خیالات کے اظہار کا موقعہ آجائے جن کے ادا کرنے کا سادہ اسلوب متحمل نہیں ہو سکتا، یا اُن میں اثر پذیری کا جوہر نہیں رہتا، تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس موقعہ پر آپ کے کلام میں صنائع و بدائع بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور ایک ایک کر کے ایسے مواقع پر تمام Figures of speech کو جلوہ نمائی کا موقعہ ملجاتا ہے۔ کلام کی یہ موٹی موٹی قسمیں حسب ذیل ہیں :-

تشبیہ۔ تمثیل۔ استعارہ۔ کنایہ۔ Personification (جس میں بیجان چیزوں کیطرف زندگی اور شعور منسوب کر کے بیان کی دل چسپی بڑھا دیجاتی ہے) صفتِ تضاد۔ استفہام۔ مجازیت۔ طنز۔ طباق۔ عکس و تبدیل۔ لف و نشر۔ تجرید۔ تاکید الذم بما یشبہ المدح۔ تاکید المدح بما یشبہ الذم۔ تنسیق الصفات اور تلمیح۔ اب ترتیب وار سب کی مثالیں سُن لیجئے۔[1]

ایک کامیاب مصنف کی تحریر میں نہ تو ہمیشہ چھوٹے چھوٹے فقرے جمع ہوتے ہیں

---

[1] مضمون کو طوالت سے بچانے کے لئے سر دست مثالوں والا حصہ نظر انداز کیا جاتا ہے۔ حضرت اقدسؑ کی تحریروں میں ایسے جواہر ریزے بکثرت پھیلے ہوئے ہیں جس شخص کو اُن تحریروں کے پڑھنے کا موقعہ ملا ہے اسکی نظر اُن پر پڑی ہوگی۔ ایڈیٹر

اور نہ بڑے بڑے۔ بلکہ دونوں قسم کے فقرے مناسب اور موزوں تقسیم کے ساتھ پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ اگر کسی جگہ یکے بعد دیگرے لمبے ہی لمبے فقرے چلے جائیں تو اس سے قارئین کی طبیعت میں کوفت اور توجہ میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریروں میں نہ تو صرف چھوٹے چھوٹے فقروں کی کثرت پائی جاتی ہے اور نہ لمبے لمبے فقروں کا اجتماع۔ بلکہ آپ کے کلام میں دونوں قسم کے فقرات نہایت لطافت کے ساتھ سموئی ہوئی حالت میں دکھائی دیتے ہیں۔

چھوٹے فقروں کی مثال :۔ آپ ایک موقعہ پر خدا تعالیٰ سے خاص تعلق محبت و مودت رکھنے والوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

" وہ صرف پیشگوئیوں تک اپنے کمال کو محدود نہیں رکھتے۔ ان پر حقائق اور معارف کھلتے ہیں۔ اور دقائق و اسرار شریعت اور دلائل لطیفہ حقانیت ملت ان کو عطا ہوتے ہیں۔ اور اعجازی طور پر ان کے دل پر دقیق علوم قرآنی اور لطائف کتاب ربانی اتارے جاتے ہیں۔ اور وہ ان فوق العادت اسرار اور سماوی علوم کے وارث کئے جاتے ہیں، جو بلا واسطہ موہبت کے طور پر محبوبین کو ملتے ہیں۔ اور خاص محبت انکو عطا کیجاتی ہے۔ اور ابراہیمی صدق و صفا انکو دیا جاتا ہے۔ اور روح القدس کا سایہ ان کے دلوں پر ہوتا ہے۔ وہ خدا کے ہو جاتے ہیں اور خدا انکا ہو جاتا ہے۔ ان کی دعائیں خارق عادت طور پر آثار دکھاتی ہیں۔ ان کے لئے خدا غیرت رکھتا ہے۔ وہ ہر میدان میں اپنے مخالفوں پر فتح پاتے ہیں۔ ان کے چہروں پر محبت الٰہی کا نور چمکتا ہے۔ انکے در و دیوار پر خدا کی رحمت برستی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ وہ پیارے بچے کیطرح خدا کی گود میں ہوتے ہیں۔ خدا ان کے لئے اس شیر مادہ سے زیادہ غضب ظاہر کرتا ہے جس کے بچے کو کوئی لینے کا ارادہ کرے۔ وہ گناہ سے معصوم،

وہ دشمنوں کے حملوں سے معصوم، وہ تعلیم کی غلطیوں سے بھی معصوم ہوتے ہیں۔ وہ آسمان کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ خدا عجیب طور پر انکی دعائیں سنتا ہے۔ اور عجیب طور پر انکی قبولیت ظاہر کرتا ہے۔ یہانتک کہ وقت کے بادشاہ انکے دروازوں پر آتے ہیں۔ ذوالجلال کا خیمہ ان کے دلوں میں ہوتا ہے۔ اور ایک رعب خدائی انکو عطا کیا جاتا ہے۔ وہ دنیا اور اہل دنیا کو ایک مرے ہوئے کیڑے سے بھی کمتر سمجھتے ہیں۔ فقط ایک کو جانتے ہیں۔ اور اس ایک کے خوف کے نیچے ہر دم گداز ہوتے رہتے ہیں۔ دنیا ان کے قدموں پر گری جاتی ہے۔ گویا خدا انسان کا جامہ پہن کر ظاہر ہوتا ہے۔ وہ دنیا کا نور اور اس تاپائدار عالم کا ستون ہوتے ہیں۔ وہی سچا امن قائم کرنے کے شہزادے اور ظلمتوں کے دور کرنے کے آفتاب ہوتے ہیں۔ وہ نہاں در نہاں اور غیب الغیب ہوتے ہیں۔ کوئی انکو پہچانتا نہیں مگر خدا۔ اور کوئی خدا کو پہچانتا نہیں مگر وہ۔ وہ خدا نہیں، مگر نہیں کہہ سکتے کہ خدا سے الگ ہیں۔ وہ ابدی نہیں ہیں مگر نہیں کہہ سکتے کہ کبھی مرتے ہیں"۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۷۹-۸۰)

بڑے فخروں کی مثال :-

"تیسری مشابہت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے میری یہ ہے کہ وہ ظاہر نہیں ہوئے، جبتک حضرت موسیٰؑ کی وفات پر چودہویں صدی کا ظہور نہیں ہوا۔ ایسا ہی میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے چودہویں صدی کے سر پر مبعوث ہوا ہوں۔ چونکہ خدا تعالیٰ کو یہ پسند آیا ہے کہ روحانی قانون قدرت کو ظاہری قانون قدرت سے مطابق کر کے دکھلائے۔ اس لئے اسنے مجھے چودہویں صدی کے سر پر پیدا کیا۔ کیونکہ سلسلہ خلافت سے اصل مقصود یہ تھا، کہ یہ سلسلہ ترقی کرتا کرتا کمال تام کے نقطہ پر ختم ہو۔ یعنی اس نقطہ پر

جہاں اسلامی معارف اور اسلامی انوار اور اسلامی دلائل اور حجج پورے طور پر جلوہ گر ہوں۔ اور چونکہ چاند چودہویں رات میں اپنے نور میں کمال تک پہنچا ہوا ہوتا ہے، سو مسیح موعود کو چودہویں صدی کے سر پر پیدا کرنا اس طرف اشارہ تھا، کہ اس کے وقت میں اسلامی معارف اور برکات کمال تک پہنچ جائیں گی۔ جیسا کہ آیت لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ میں اس کمال تام کی طرف اشارہ ہے۔ نیز چونکہ چاند اپنے کمال تام کی رات میں یعنی چودہویں رات میں مشرق کیطرف سے ہی طلوع کرتا ہے، اس لئے یہ مناسبت بھی جو خدا کے ظاہری اور روحانی قانون میں ہونی چاہیئے یہی چاہتی تھی کہ مسیح موعودؑ جو اسلام کے کمال تام کو ظاہر کرنے والا ہے، ممالکِ مشرقیہ میں سے ہی پیدا ہو۔" (تحفہ گولڑویہ حاشیہ ص۱۱۵ و ۱۱۶)۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تحریروں میں بہت جگہ ہندوؤں آریوں اور سکھوں وغیرہ کو مخاطب کیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مخاطب کو پوری طرح اپنی طرف متوجہ کرنے اور اپنے مطالب کو اس کے دل و دماغ میں اتار دینے کے لئے ایک اہم چیز یہ ہے کہ اپنے مخصوص انداز کو نہ چھوڑتے ہوئے موقع بموقع وہ الفاظ استعمال کئے جائیں، جن سے مخاطب زیادہ مانوس ہو۔ اور جن سے اس کو زیادہ تر کام پڑتا رہتا ہو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے مواقع پر آپ کی تحریروں میں خود بخود سنسکرت، ہندی اور گورمکھی کے الفاظ آجاتے ہیں۔ اور بہت سی دوسری اصطلاحات کی جگہ وہ اصطلاحات لے لیتی ہیں، جو ان گروہوں کے مذہبی لٹریچر کی جان ہیں۔ نسیم دعوت، آریہ دھرم، سناتن دھرم، سرمہ چشم آریہ وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کرنے سے ہمارے اس دعوٰی کی صداقت آپ پر کھل جائے گی۔ مثلاً نیوگ جو آریوں کا نہایت شرمناک عقیدہ ہے، اس کی تائید میں جو حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے

ایک حوالہ کو درج کرنے کے بعد آپ لکھتے ہیں :-

"دیکھو اس منتر میں جو رگ وید کے دسویں منڈل کا منتر ہے، آریہ صاحبوں کا پرمیشر بڑی دیا اور کرپا سے ارشاد فرماتا ہے۔ کہ جب تم میں اولاد جنانے کی طاقت نہ رہے، یا خود اولاد نہ ہو تو اپنی بیویوں کو یہ کہدو، کہ پتر لینے کے لئے کسی دوسرے شخص سے ہم بستر ہو۔" (آریہ دھرم ص۱۶)۔

پھر ایک موقعہ پر غیرت دلانے والے الفاظ میں نیوگ کے مسئلہ پر جرح و تنقید کرنے کے بعد آریوں کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں کہ وہ

"بُرا نہ مانیں یہ کوئی بیجا بات ہم نے نہیں کی۔ جو باتیں وید کی رو سے درست اور وید کی آگیا کے نیچے آگئیں، ان کا آریوں کے لئے کرنا دھرم اور نہ کرنا مہا پاپ ہے۔"

اسی طرح پرمیشر، ودیا۔ آواگون، کھنڈن، مکتی، رشی، منی، پرکاش، شرتی، گیان، مت، آتما، ادتار، تیاگ، پستک، شلوک، ست، بچن، سیوا اور کرپا وغیرہ بیسیوں سنسکرت، ہندی اور گورمکھی کے الفاظ آپ نے اپنی تحریرات میں استعمال کئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے مامور بڑے رحیم کریم ہوتے ہیں۔ انکی کوشش ہوتی ہے، کہ لوگ نرمی، رأفت اور سہولت سے راہ راست پر آجائیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود فرماتے ہیں :-

"بے شک عفو و درگذر ہمارا اصول ہے اور بدی کا مقابلہ نہ کرنا ہمارا طریق۔" (البلاغ ص۳۰)

نیز لکھتے ہیں :-

"ہماری رائے ہمیشہ سے یہی ہے کہ نرمی اور تہذیب اور معقول اور حکیمانہ طرز سے حملہ کرنے والوں کا رد لکھنا چاہیئے"۔ (البلاغ صفحہ)۔

پھر فرماتے ہیں :۔

"خدا نے مجھے دنیا میں اسی لئے بھیجا ہے کہ تا میں حلم، خُلق اور نرمی سے گم گشتہ لوگوں کو خدا اور اس کی پاک ہدایتوں کیطرف کھینچوں اور وہ نور جو مجھے دیا گیا ہے اس کی روشنی سے لوگوں کو راہ راست پر لاؤں"

(تریاق القلوب صفحہ)۔

لیکن اس سلسلہ میں بعض کمزور اور کج طبع اور بدفطرت لوگ ایسی راہ اختیار کر لیتے ہیں، کہ اسوقت سختی اور درشتی کا پہلو اختیار کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نرمی کے ساتھ ساتھ حسب موقع سختی کا طریق بھی اختیار کیا ہے، اور وہ پیرایہ بیان اختیار کیا جو وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کے فرمانِ خداوندی کی تعمیل میں ضروری تھا۔ گویا ایک ماہر جراح کیطرح آپ کے ایک ہاتھ میں مرہم تھا اور دوسرے میں فاسد مواد کو باہر نکالنے کے لئے نشتر۔ مثلاً جب اس زمانہ کے بد اور حرام کار عیسائی سید المعصومین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ناپاک الزام سے باز نہ آئے، اور ہر طرح سمجھانے کے باوجود پلید طبع معترض کسی طرح آپ پر زبانِ طعن دراز کرنے سے نہ رُکے، تو سختی کا موقعہ دیکھ کر آپ نے درشتی اور طنز کا وہ طریق اختیار کیا جو تلوار سے زیادہ کاٹنے اور نیزے سے زیادہ پھاڑنے والا تھا۔ اس کی مثال کے لئے اگر پوری کتاب دیکھنی ہو، تو فتح مسیح کا مطالعہ کرنا چاہیئے اسی طرح آریہ بھی جب اپنی بدکرداری میں بہت بڑھ گئے، اور نیوگ ایسی حد درجہ ناپاک تعلیم رکھنے کے باوجود اسلام کی پاک تعلیموں پر اعتراض سے باز نہ آئے، تو آپ نے ان کے مقابلہ میں بھی سخت پیرایۂ بیان اختیار فرمایا۔ اس کی مثال کے لئے رسالہ

آسیہ وحرم وغیرہ کو دیکھنا چاہیئے۔

مسلمانوں میں سے جب "بدذات فرقۂ مولویان" نے اپنی عاقبت کی کچھ پروا نہ کی کے مخالفت بے جا کے جوش میں دیانت وتقویٰ کو چھوڑ کر اور شرافت وانسانیت سے بکلی مُنہ موڑ کر آپ کی نسبت گندے اور ناگفتنی الفاظ استعمال کرنے میں چُوڑھوں چماروں سے بھی گری ہوئی حالت اختیار کر لی، اور باوجود پوری فہمائش کے کسی طرح اپنی سوقیانہ و اوباشانہ روش سے باز نہ آئے، اور بار بار روکے جانے پر بھی بدگوئیوں اور گندہ زبانیوں سے نہ رُکے، تو موقعہ کی مناسبت سے آپ نے سختی کا پہلو اختیار کیا، اور لکھا :-

"چاہیئے تھا کہ ہمارے نادان مخالف انجام کے منتظر رہتے، اور پہلے ہی سے اپنی بدگوہری ظاہر نہ کرتے۔ بھلا جس وقت یہ سب باتیں پوری ہو جائیں گی، تو کیا اس دن یہ احمق مخالف جیتے ہی رہیں گے ؟ اور کیا اُسدن یہ تمام لڑنے والے سچائی کی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہو جائینگے؟ ان بے وقوفوں کو کوئی جگہ نہ رہے گی، اور نہایت صفائی سے ناک کٹ جائے گی۔ اور ذلت کے سیاہ داغ ان کے منحوس چہروں کو بندروں اور سؤروں کی طرح کر دیں گے۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص۵۳)

پھر فرماتے ہیں :-

"اب جو شخص اس صاف فیصلہ کے خلاف شرارت اور عناد کی راہ سے بکواس کرے گا، اور اپنی شرارت سے بار بار کہے گا، کہ عیسائیوں کی فتح ہوئی اور کچھ شرم وحیا کو کام میں نہیں لائے گا، اور ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا، تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے۔ اور وہ حلال زادہ نہیں .... حرام زادہ کی یہی نشانی ہے کہ سیدھی راہ اختیار

نہ کرے اور ظلم اور ناانصافی کی راہوں سے بیزار کرتا ہے۔" (انوار الاسلام صـ۳۰)

خوب یاد رکھنا چاہیئے، کہ یہ جو کچھ کہا گیا، ابتداءً نہیں، بلکہ مدافعۃً اور جواباً تھا، اور بالکل مطابق تقاضائے فطرت۔ بھلا اگر کسی کی ماں پر وہ بہتان لگائے جائیں، جو اُمہات المومنین پر لگائے جاتے تھے، یا کسی کے باپ کو وہ گالیاں دیجائیں، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیجاتی تھیں، تو کیا وہ خاموش رہے گا؟ اور ایسے موقعہ پر سختی کا جواب سختی سے نہیں دے گا؟ سختی سے جواب نہ دینا کیا معنی وہ تو مرنے مارنے پر تیار ہو جائے گا۔ اور یہ عین تقاضائے فطرت ہے۔

جب مشرکین قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں سخت کلامی و بدزبانی کا طریق اختیار کر کے اسے انتہا تک پہنچا دیا، تو جانتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا طریق اختیار فرمایا تھا۔ صحیح بخاری شریف کو پڑھو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَضَعَ لِحَسَّانِ ابْنِ ثَابِتٍ مِنْبَرًا فِی الْمَسْجِدِ فَکَانَ یُنَافِحُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ اَیِّدْ حَسَّانَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ کَمَا نَافَحَ عَنْ نَبِیِّکَ۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابت کے لئے مسجد نبوی میں منبر رکھوایا، اور حسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کفار سے جھگڑتے تھے، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسان کے حق میں دعا فرمائی کہ اے اللہ روح القدس کے ساتھ حسان کی مدد کر۔ حسان کے حق میں ایک یہ بھی حدیث ہے۔ ھَاجِھِمْ وَجِبْرِیْلُ مَعَکَ۔ یعنی اے حسان کفار کی بدگوئی کا بدگوئی کے ساتھ جواب دے، اور جبریل اس کام میں تیرے ساتھ ہے۔ ایسے ہی ایک موقعہ پر حضرت ابو بکرؓ جیسے حلیم و بردبار نے بھی ایک کافر سے کہہ دیا تھا۔ اُمْصُصْ بَظْرَ اللَّاتِ: جا لات (بت) کی شرمگاہ چوستے رہو۔ اور آپ کا یہ فرمانا صرف غیرت

کسی شخص کے عیب اس کی پیٹھ پیچھے بیان کرنا غیبت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کی خرابی ظاہر فرمانے کے لئے اس کی تشبیہ مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے دی ہے۔ یعنی غیبت کرنے والا گویا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ذرا صحیح مسلم کے دیباچہ کے یہ الفاظ بھی پڑھ لو۔ عفان فرماتے ہیں:
كُنَّا عِنْدَ إِسْمٰعِيْلَ ابْنِ عُلَيَّةَ فَحَدَّثَ رَجُلٌ عَنْ رَجُلٍ فَقُلْتُ إِنَّ هٰذَا لَيْسَ بِثَبْتٍ قَالَ فَقَالَ الرَّجُلُ اِغْتَبْتَهُ فَقَالَ إِسْمٰعِيْلُ مَا اغْتَابَهُ وَلٰكِنَّهُ حَكَمَ اَنَّهُ لَيْسَ بِثَبْتٍ۔ کہ ہم امام اسماعیل بن عُلیّہ کے پاس بیٹھے تھے، کہ ایک شخص نے کسی سے روایت بیان کی۔ میں نے کہدیا کہ یہ شخص تو ثقہ نہیں۔ اس پر اس شخص نے کہا، تم نے اس کی غیبت کی ہے۔ امام اسمٰعیل بن عُلیّہ نے فرمایا، نہیں! اس نے غیبت نہیں کی۔ بلکہ یہ حکم لگایا ہے کہ وہ شخص قابلِ اعتماد نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے مامور ایک طرح کے جج ہوتے ہیں۔ اور جج ایک مجرم کے خلاف فیصلہ کرتے وقت اس پر فرد جرم لگانے اور اس کے جرم کا اظہار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ انبیاء کا نذیر ہونا بعض معنوں کے رو سے اسی لحاظ سے ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو خاص طور پر حکم کے نام سے موسوم فرمایا گیا ہے۔

امام اسماعیل بن عُلیہ کی مجلس کے واقعہ سے جو ابھی بیان ہو چکا ہے، ظاہر ہے، کہ کس طرح اظہار واقعہ کے طور پر بشرط ضرورت لوگوں کے عیوب بیان کئے جا سکتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں حکم لگانے کے متعلق یہ مثال بھی لے لو کہ محدثین نے احادیث کے راویوں کی جرح و تعدیل کرتے وقت بعض کو غیر معتبر، بعض کو کذّاب، بعض کو مفتری اور بعض کو بد مذہب و بے دین تک قرار دیدیا ہے۔

اس غرض سے کہ مخاطب متنبہ ہو اور اپنی عادت کی اصلاح کرے، اور سختی کا جواب سختی سے پاکر اپنی ناپاک روش سے باز آجائے، اور سمجھ لے کہ بدگو کا منہ کس طرح توڑا جا سکتا ہے، حضرت اقدسؑ نے پادری فتح مسیح کے اس خط کے جواب میں جس میں اس نے حضرت امام المطہرین سید المعصومین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان عالی کے خلاف گندے الفاظ استعمال کئے تھے، یہ تحریر فرمایا:۔

"ہم یہ خط بطور نوٹس آپکو بھیجتے ہیں، کہ اگر پھر ایسے ناپاک لفظ آپ نے استعمال کئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں ناپاک تہمت لگائی، تو ہم بھی آپ کے فرضی اور جعلی خدا کی وہ خبر لیں گے، جس سے اسکی تمام خدائی ذلت کی نجاست میں گرے گی۔" (فتح مسیح ص۱۳)

کبھی کبھی سخت الفاظ کا استعمال عوام الناس کے جوش اور غضب کو دبانے کے لئے بھی کیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت اقدسؑ تریاق القلوب کے صفحہ ۳۰۸ میں فرماتے ہیں:

"ان مؤلفین نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نعوذ باللہ ایسے الفاظ استعمال کئے، کہ یہ شخص ڈاکو تھا، چور تھا، زنا کار تھا، اور صدہا پرچوں میں یہ شائع کیا، کہ یہ شخص اپنی لڑکی پر بدنیتی سے عاشق تھا۔ اور بایں ہمہ جھوٹا تھا، اور لوٹ مار اور خون کرنا اس کا کام تھا، تو مجھے ایسی کتابوں اور اخبارات کے پڑھنے سے یہ اندیشہ دل میں پیدا ہوا، کہ مبادا مسلمانوں کے دلوں پر جو ایک جوش رکھنے والی قوم ہے، ان کلمات کا کوئی سخت اشتعال دینے والا اثر پیدا ہو، تب میں نے ان جوشوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنی صحیح اور پاک نیت سے یہی مناسب سمجھا، کہ اس عام جوش کو دبانے کے لئے حکمت عملی یہی ہے، کہ ان تحریرات کا کسی قدر سختی سے جواب دیا جائے، تا سریع الغضب

انسانوں کے جوش فرو ہو جائیں۔ اور ملک میں بے امنی پیدا نہ ہو۔ تب میں نے بمقابل ایسی کتابوں کے جن میں کمال سختی سے بدزبانی کی گئی تھی، چند ایسی کتابیں لکھیں، جن میں کسیقدر بالمقابل سختی تھی۔ کیونکہ میرے کانشنس نے قطعی طور پر مجھے فتویٰ دیا، کہ اسلام میں جو بہت سے وحشیانہ جوش والے آدمی موجود ہیں، ان کے غیظ و غضب کی آگ بجھانے کے لئے یہ طریق کافی ہوگا، کیونکہ عوض معاوضہ کے بعد کوئی گلہ باقی نہیں رہتا۔ سو یہ میری پیش بینی کی تدبیر صحیح نکلی۔ اور ان کتابوں کا یہ اثر ہوا، کہ ہزارہا مسلمان جو پادری عمادالدین وغیرہ لوگوں کی تیز اور گندی تحریروں سے اشتعال میں آچکے تھے، یک دفعہ ان کے اشتعال فرو ہو گئے۔ کیونکہ انسان کی یہ عادت ہے، کہ جب سخت الفاظ کے مقابل پر اس کا عوض دیکھ لیتا ہے، تو اس کا وہ جوش نہیں رہتا۔"

غرض جس طرح آپ نے نرمی اور سہولت کا طریق برتا ہے، اسی طرح موقعہ کی مناسبت سے سختی و درشتی کا طریق بھی۔ اور فی زماننا اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تائید میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وہ انداز بیان اختیار فرمایا، جو آج سے تیرہ سو سال قبل حضرت حسانؓ کے ساتھ ہو کر حضرت جبرائیلؑ نے اختیار کیا تھا۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے، کہ آپ نرم و گرم ہر طرح کے اسلوبِ تحریر پر کماحقہٗ قادر تھے۔

روایات پیر افتخار احمد صاحب

ذکرِ حبیبؑ

(بتوسط صیغہ تالیف و تصنیف قادیان)

۱۔ میرا نام افتخار احمد ہے۔ میرے والد صاحب کا نام (صوفی) احمد جان تھا۔ انکا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتاب ازالہ اوہام حصہ دوم میں کیا ہے۔ اس مضمون کے آخر میں حضور نے مجھ عاجز کو بھی یاد فرمایا ہے۔ اور احباب ارادت کیساتھ علیحدہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

۲۔ میرے والد صاحب کو حضرت اقدسؑ کی اطلاع اس وقت ہوئی، جبکہ براہین احمدیہ کے تین حصے شائع ہوئے تھے، انہوں نے جب اُن تین حصوں کو پڑھا، تو اس وقت حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عقیدت و ارادت آپ کے دل میں مستحکم ہوگئی۔ اس کے بعد براہین احمدیہ کا حصہ چہارم شائع ہوا، تو اس کے بعد والد صاحب کی ارادت سے آپ کے اہل و عیال اور مُریدین بھی ارادت مندوں میں شامل ہوگئے۔

۳۔ اُسوقت حضرت اقدس علیہ السلام کا مجدد ہونے کا دعویٰ تھا۔ میرے والد صاحب نے حضرت صاحب کے اِس دعویٰ کو قبول کرکے اپنے دوستوں، واقفوں اور نا واقفوں میں بڑی سرگرمی کے ساتھ اس کی اشاعت شروع کی، اور ایک طویل اشتہار بھی شائع کیا۔ والد صاحب نے علاوہ تبلیغی اشاعت کے خود اور ان کی تحریک سے انکے مریدوں نے بھی مالی خدمت میں حصہ لیا۔ انکی زندگی کا آخری زمانہ اسی خدمت میں گذرا۔ کہ جس قدر ہو سکے چندہ دیں اور اشاعت کریں۔

۴۔ میرے والد صاحب کو اور میرے بھائی پیر منظور محمد صاحب کو اور مجھ کو حضرت اقدس علیہ السلام کی زیارت پہلی دفعہ اُسوقت ہوئی، جبکہ حضور علیہ السلام ۱۸۸۴ء میں سب سے پہلے لدھیانہ تشریف لے گئے تھے۔ میرے والد صاحب اور میرے بھائی صاحب اور میں اور دیگر احباب حضور انور کے استقبال کیلئے سٹیشن پر گئے تھے۔ حضور کی زیارت سب سے پہلے لدھیانہ اسٹیشن پر ہوئی تھی۔ میرے والد صاحب نے گاڑی آنے سے قبل ہی کہہ دیا تھا، کہ مَیں بغیر بتلائے حضرت صاحب کو پہچان لونگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوُا، کہ حضور جب گاڑی سے اترے، تو والد صاحب نے بغیر کسی کے بتلائے خود ہی پہچان لیا۔ اور فرمایا کہ وہ یہ ہیں ؂

۵۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے تین روز محلہ صوفیاں میں بر مکان ڈپٹی امیر علی صاحب صوفی جو میرے والد صاحب کے مرید تھے، قیام فرمایا۔ حضور علیہ السلام نماز پڑھنے کے لئے مسجد صوفیاں میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ والد صاحب دن کا اکثر حصہ حضرت اقدس کے پاس ہی گذارتے تھے۔ حضرت صاحب تین روز لدھیانہ میں رہے۔ زبانی وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ شہر والے گروہ در گروہ آتے رہتے تھے۔ مجھے اُسوقت کی حضور کی ایک تقریر کا اتنا خلاصہ یاد ہے، کہ ایمان اور یقین لانے کا فائدہ اس وقت ہے، جبکہ کچھ اخفا بھی ہو۔ اگر معاملہ ایسا صاف اور روشن ہو جائے، جیسا سورج نصف النہار کے وقت ہوتا ہے، تو اس وقت ایمان لانے کا ثواب نہیں ہوتا۔ اجر اسی وقت تک ہے کہ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کے بموجب کچھ غیبوبت بھی ہو اور ایمان لایا جائے۔

۶۔ دوران قیام لدھیانہ میں ایک دعوت کے موقعہ پر کسی شخص نے حضرت اقدس سے سوال کیا، کہ آپ بھی پیشگوئیاں فرماتے ہیں، اور نجومی و رمال بھی کرتے ہیں، ہمیں صداقت کا پتہ کس طرح لگے؟ حضور علیہ السلام نے جواب میں فرمایا، کہ الٰہی نصرت

نجومیوں اور رمّالوں کے ساتھ نہیں ہوتی، لیکن انبیاء علیہم السلام اور ماموریں کو نصرت اور کامیابی ملتی ہے، وہ اور انکی جماعت روز بروز ترقی کرتی ہے، اور دن بدن ان کا اقبال بڑھتا ہے۔

۷۔ حضور علیہ السلام تین دن کے بعد لدھیانہ سے تشریف لے گئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اطلاع ملی، کہ حضرت اقدس شادی کے لئے دہلی تشریف لیجائیں گے، اور فلاں وقت ریلوے اسٹیشن لدھیانہ سے گاڑی گذرے گی۔ والد صاحب اور لدھیانہ کے دیگر احباب پہلے سے اسٹیشن پر جا پہنچے، میں بھی اپنے والد صاحب کے ساتھ تھا۔ جتنی دیر گاڑی کھڑی رہی، حضور انور پلیٹ فارم پر ٹھیرے رہے۔ حضور کے ہمراہ جو احباب آئے تھے، میرے خیال میں وہ دو تین ہونگے۔ حضور اور آپکے ساتھی سب اپنے معمولی سادہ لباس میں تھے۔ کوئی ایسی علامت نہ تھی، جس سے یہ ظاہر ہوسکتا، کہ یہ دولہا اور یہ اس کی برات ہے، لیکن وہ برکتوں والا دولھا تھا۔ حضور علیہ السلام معہ رفقاء شاید دس پندرہ منٹ تک لدھیانہ کے پلیٹ فارم پر کھڑے رہے۔ پھر گاڑی پر سوار ہو کر دہلی روانہ ہوئے۔

۸۔ واپسی کے وقت پھر لدھیانہ اسٹیشن پر گاڑی ٹھیری، احباب نے ملاقات کی۔ والد صاحب نے پھلور کے دو ٹکٹ پہلے سے لے لئے تھے، اس لئے وہ میرے بھائی (پیر) منظور محمدؓ صاحب کو ساتھ لے کر حضور کے ڈبہ میں سوار ہوگئے۔ میں ساتھ نہیں گیا۔ پھلور لدھیانہ سے پانچ میل ہے۔ گاڑی کا انجن وہاں بدلتا تھا۔ گاڑی نصف گھنٹہ وہاں ٹھیری۔ یہ میرے والد صاحب کا دلی اخلاص تھا، کہ اس تھوڑے عرصہ کی ملاقات کو بھی غنیمت سمجھا۔ یہ والد صاحب کی حضور علیہ السلام سے آخری ملاقات تھی، کیونکہ اس کے بعد والد صاحب حج کو تشریف لے گئے، اور واپسی کے وقت راستہ میں بیمار ہوگئے، اور لدھیانہ پہنچ کر چند روز بعد ہی ۱۹ ربیع الاول

۱۹۶۱ء کو وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۔

۹۔ والد صاحب نے حج کا ارادہ کیا، اور حضرت اقدسؑ سے بذریعہ خط اجازت طلب کی۔ حضور نے اجازت دی، اور ساتھ ہی ایک دعائیہ عبارت بھی خط میں تحریر کر کے بھیجی، کہ یہ میری طرف سے حج بیت اللہ میں پڑھ دینا۔ مجھے وہ وقت یاد ہے، کیونکہ والد صاحب مجھے بھی اپنے ساتھ ہی حج کو لے گئے تھے، اور بیس کے قریب مرید بھی ہمراہ تھے۔ جن میں شہزادہ عبدالمجید صاحب مرحوم مبلغ ایران اور خانصاحب محمد امیر خان صاحب (جن کی تربت بہشتی مقبرہ میں ہے) اور قاضی زین العابدین صاحب احمدی سرہندی رحمۃ اللہ علیہم بھی شامل تھے۔ بفضل خدا وہ وقت میری آنکھوں کے سامنے ہے، جبکہ ۹ر ذی الحجہ ۱۳۰۳ھ کو میرے والد صاحب حضور علیہ السلام کا وہ خط ہاتھ میں لیکر عرفات کے میدان میں کھڑے ہوئے۔ ہم سب خدام آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔ والد صاحب نے فرمایا، کہ میں حضرت صاحب کی دعا بلند آواز سے پڑھتا ہوں تم سب آمین کہتے جانا۔ چنانچہ والد صاحب نے وہ ساری دعا دوہرائی، اور ہم سب آمین کہتے گئے۔

(حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اجازت نامہ اور تحریر کردہ دعا جو عرفات کے میدان میں دوہرائی گئی، مندرجہ ذیل ہے۔ خاکسار مرتب)

"از عاجز عائذ باللہ الصمد غلام احمدؐ باخویم مخدوم و مکرم منشی احمد جان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔

بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ عنایت نامہ آں مخدوم پہنچا۔ اس عاجز کی غرض پہلے خط سے حج بیت اللہ کے بارہ میں صرف اسقدر تھی کہ سامان میسر ہونا چاہیئے۔ اب چونکہ خدا تعالیٰ نے زاد راہ میسر کر دیا، اور عزم مصمم ہوا، اور ہر طرح سامان درست ہے۔ اس لئے اب یہ دعا کرتا ہوں، کہ

خداوند کریم آپ سے یہ عمل قبول فرمائے، اور آپ کا یہ قصد موجب خوشنودی حضرت عزاسمہٗ ہو، اور آپ خیر و عافیت اور سلامتی سے جاویں۔ اور خیر و عافیت اور سلامتی سے بتحصیل مرضات اللہ واپس آویں۔ آمین یا رب العلمین۔

اور انشاء اللہ یہ عاجز آپ کے لئے بہت دعا کرے گا۔ آپ کے پچیس روپے پہنچ گئے ہیں۔ آپ نے اس ناکارہ کی بہت مدد کی، اور طالبًا للہ اپنے قول اور فعل اور خدمت سے حمایت اور نصرت کا حق بجا لائے۔ جزاکم اللہ خیرالجزاء واحسن الیکم فی الدنیا والعقبیٰ۔ یہ عاجز یقین رکھتا ہے، کہ آپ کا یہ عمل بھی حج سے کم نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ دل تو آپکی اسقدر جدائی سے محزون اور مغموم رہیگا، لیکن آپ جس دولت اور سعادت کو حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں، اس فوزِ عظیم پر نظر کرنے سے انشراح خاطر ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کا حافظ اور حامی رہے، اور یہ سفر من کلِّ الوجوہ مبارک کرے۔ آمین۔

اس عاجز ناکارہ کی ایک عاجزانہ التماس یاد رکھیں، کہ جب آپ کو بیت اللہ کی زیارت بفضل اللہ تعالیٰ میسر ہو تو اُس مقام محمود اور مبارک میں اِس احقر عباد اللہ کی طرف سے انہی لفظوں سے مسکنت اور غربت کے ساتھ بحضور دل ہاتھ اٹھا کر گوش گذار کریں کہ

اے ارحم الراحمین! ایک تیرا بندہ عاجز اور ناکارہ پُرخطا اور نالائق غلام احمدؐ جو تیری زمین ملک ہند میں ہے، اُس کی یہ عرض ہے، کہ اے ارحم الراحمین تُو مجھ سے راضی ہو، اور میری خطیئات اور گناہوں کو بخش، کہ تُو غفور اور رحیم ہے۔ مجھ سے وہ کام کرا، جس سے تو بہت ہی راضی ہو جائے۔ مجھ میں اور میرے نفس میں مشرق اور مغرب کی دوری ڈال۔ اور میری زندگی اور

میری موت اور میری ہر ایک قوت جو مجھے حاصل ہے، اپنی ہی راہ میں کر، اور اپنی ہی محبت میں مجھے زندہ رکھ، اور اپنی ہی محبت میں مجھے مار، اور اپنے ہی کامل محبین میں مجھے اٹھا۔ اے ارحم الراحمین! جس کام کی اشاعت کے لئے تو نے مجھے مامور کیا، اور جس خدمت کے لئے تو نے میرے دل میں جوش ڈالا ہے، اس کو اپنے ہی فضل سے انجام تک پہنچا۔ اور عاجز کے ہاتھ سے حجتِ اسلام مخالفین پر، اور اُن سب پر جو اسلام کی خوبیوں سے بے خبر ہیں پوری کر۔ اور اِس عاجز اور اس کے محبوں، مخلصوں اور ہم مشربوں کو مغفرت اور مہربانی کے ظلّ اور حمایت میں رکھ کر دین و دنیا میں آپ ان کا متکفل بن، اور اپنے رسول مقبول اور اس کے آل اور اصحاب پر زیادہ سے زیادہ درود و سلام و برکات نازل کر۔ آمین یارب العالمین"

۱۰۔ والد صاحب کی وفات سے تھوڑا عرصہ بعد حضرت اقدسؑ تعزیت کیلئے لدھیانہ تشریف لائے۔ تھوڑی دیر قیام فرمایا۔ والد صاحب مرحوم کی محبت، اخلاص اور دینی خدمت کا ذکر فرماتے رہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے مع حاضرین دعا فرمائی۔ حضور علیہ السلام نے قرآن شریف کی آیت وَ كَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا، پڑھ کر فرمایا، کہ اِن دونوں بچوں پر مہربانی کرنے کی یہ وجہ تھی، کہ ان کا باپ صالح تھا۔ (ہم بھی اپنے باپ کے دو ہی لڑکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر بھی فضل فرمائے اٰمین) ؛

۱۱۔ یہ وقت بھی گذر گیا۔ کچھ مدت بعد حضور علیہ السلام کے ہاں صاحبزادہ بشیر احمدؒ صاحب (بشیر اوّل) متولد ہوئے۔ حضور انور کا خط احباب لدھیانہ کے

نام عقیقہ میں شمولیت کے لئے آیا۔ جس میں حضرت اقدس نے تحریر فرمایا تھا، کہ عقیقہ کا ساتواں دن اتوار کو پڑتا ہے۔ مگر کچھ قدرتی اسباب ایسے پیدا ہو گئے کہ عقیقہ بجائے اتوار کے پیر کے دن ہوگا جس سے یہ الہام "دوشنبہ مبارک دوشنبہ" پورا ہوتا ہے۔ ہم سب احباب لدھیانہ سے قادیان پہنچے۔ یہ سفر قادیان کا میرا پہلا سفر تھا۔ اِس سے پہلے میں نے قادیان کو نہیں دیکھا تھا۔ مہمان مسجد اقصےٰ میں ٹھیرے۔ عقیقہ میں ایک یا دو دن باقی تھے، کہ بارش شروع ہوگئی، اور تین دن لگاتار برستی رہی۔ قادیان کے چاروں طرف پانی ہی پانی ہوگیا۔ صاحبزادہ بشیر احمدؒ (اول) کا عقیقہ بیت الفکر میں ہوا، جو کہ بیت الذکر یعنی مسجد مبارک کے ساتھ کا حضور اقدس کے دولت خانہ کا کمرہ ہے، اور جس کا دروازہ مسجد مبارک کے دہنی طرف ابتک موجود ہے۔ حاضر مہمانوں کی تعداد اتنی تھی، کہ بیت الفکر میں گنجائش ہوگئی۔ مجھے یاد ہے، کہ صاحبزادہ بشیر احمدؒ اوّل مولوی رحیم بخش صاحب کی گود میں تھے، جس وقت کہ حجام نے ان کے سر کے بال اتارے۔ یہ مولوی رحیم بخش مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے والد تھے۔ عقیقہ کے بعد ایک دو دن مہمان ٹھیرے۔ پانی کا وہی عالم تھا۔ اگرچہ بارش بند ہوگئی تھی، لیکن راستہ پانی سے لبریز تھا۔ یکّہ پر اسباب لادکر احباب پاپیادہ روانہ ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے پلاؤ کی دیگ ساتھ کردی تھی۔ مجھے یاد ہے، کہ بٹالہ کے راستہ میں بعض جگہ پانی کمر تک پہنچ جاتا تھا۔ یکہ کے پہیئے پانی میں ڈوبے ہوئے تھے اسی حال میں ہم بٹالہ کے اسٹیشن پر پہنچے۔ سٹیشن بٹالہ پر حضرت میر ناصر نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ دو دن سے پانی کی وجہ سے رکے ہوئے تھے۔ جب ہم سٹیشن پر پہنچے، تو حضرت میر صاحب کی رخصت بھی ختم ہوچکی تھی، وہ بھی ہمارے ساتھ ریل پر واپس ہوگئے۔

۱۲۔ کچھ عرصہ بعد حضرت اقدسؑ مع اہل بیت لدھیانہ تشریف لے گئے۔ اور ہمارے مکان کے بالکل متصل ایک مکان میں فروکش ہوئے، اور بیعت کا اعلان کیا۔ اور [illegible]

میں پتہ بھی مقام لدھیانہ متصل مکان حاجی احمدؐ جان صاحب مرحوم تحریر فرمایا۔ تاریخ مقررہ پر حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور باقی احباب بیعت کرنے والے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے وہ کمرہ جو کہ اب دارالبیعت کے نام سے موسوم ہے، بیعت لینے کے لئے تجویز فرمایا۔ سب سے پہلے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا؛ اور بیعت لی۔ ان کے بعد ایک آتا، اور بیعت کر کے باہر چلا جاتا، اور دوسرے کو اندر بھیجتا۔ اسی طرح حضور نے ایک ایک کی جدا جدا بیعت لی۔ یہانتک کہ سارے دوست بیعت کر چکے اور کچھ عرصہ بعد حضور علیہ السلام قادیان تشریف لے گئے

۱۳۔ یہی زمانہ میری ہمشیرہ صغریٰ بیگم کی شادی کا ہے۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رشتے کے متعلق خط بھیجا۔ بفضلہ تعالیٰ بات قرار پا گئی۔ حضور علیہ السلام مع حضرت خلیفہ اولؓ اور دیگر احباب شادی کے لئے لدھیانہ تشریف لائے، اور بعد نکاح مع دلہن واپس تشریف لے گئے۔

۱۴۔ اس کے کچھ عرصہ بعد بحمد اللہ تعالیٰ ۱۸۹۲ء میں مَیں مع اہل وعیال لدھیانہ سے قادیان آ رہا۔ اور حضور علیہ السلام نے اپنی رہائش کے مکان میں ہی ہمیں جگہ دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے حال پر بڑی مہربانی فرماتے تھے۔

۱۵۔ ایک روز حضور علیہ السلام نے مجھے فرمایا، کہ انسپکٹر مدارس آیا ہوا ہے، اس سے کہو کہ قادیان کے سکول میں تم کو رکھ لے۔ اسوقت یہاں قادیان میں سوائے سرکاری پرائمری سکول کے اور کوئی سکول نہ تھا۔ اور اس وقت بھی وہ سکول اسی حالت میں اور اسی جگہ جاری تھا، جہاں اب ہے۔ (اب یہ سکول بند

ہو گیا ہے۔ خاکسار مرتب)۔ عجیب بات ہے، کہ حضور نے نہ تو مجھے کوئی سفارش لکھ کر دی، نہ میں نے حضور کی خدمت میں اس کے متعلق عرض کیا، کہ حضور سفارش لکھدیں، نہ حضور کی انسپکٹر سے ملاقات ہوئی، اور نہ وہ آپ کے معتقدین یا ارادتمندوں میں سے تھا۔ میں نے محض حضور کے ارشاد کی تعمیل میں انسپکٹر سے ملکر کہا کہ آپ مجھے قادیان کے پرائمری سکول میں مدرسی کی آسامی دیدیں۔ انہوں نے میری تعلیم وغیرہ کا حال پوچھا، اور کہا بہت اچھا میں جاکر حکم بھیجدوں گا۔ چنانچہ اس نے قادیان جاکر میری تعیناتی کے متعلق باضابطہ کارروائی کی۔ اور میں قادیان کے سکول میں مدرس ہو گیا۔

اُن دنوں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز خورد سال تھے۔ حضور علیہ السلام نے مجھے فرمایا کہ میاں کو بھی سکول لے جایا کرو۔ میں حضرت اقدسؑ کے ارشاد کے مطابق حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو بھی ساتھ لے جایا کرتا تھا۔

۱۶۔ اس کے بعد (۱۸۹۳ء میں) حضور علیہ السلام مع اہل بیت عبداللہ آتھم کے مباحثہ کے لئے امرتسر تشریف لے گئے، اور مجھے اپنے زنانہ مکان میں رہنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ حضور علیہ السلام جب واپس تشریف لائے۔ تب ہم اپنے اُس مکان میں جو حضور نے ہم کو رہنے کے لئے دیا ہوا تھا، واپس آگئے۔

۱۷۔ جب آتھم والی پیشگوئی کے پندرہ مہینے قریب اختتام ہوئے، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا، کہ بڑی مسجد میں جاکر پیشگوئی کے لئے دعا کریں۔ مجھے یاد ہے کہ ہم سب خدام بڑی مسجد میں جاکر علیحدہ علیحدہ دعا میں مصروف ہو گئے۔ احباب کی تضرعانہ دعاؤں اور ان کے رونے سے مسجد میں ایک شور پڑا ہوا تھا۔

مجھے وہ وقت بھی یاد ہے، کہ پندرہ مہینے کے آخری دن کو صبح کی نماز کے بعد حضور علیہ السلام نے مسجد مبارک میں فرمایا، کہ ہمیں یہ الہام ہوا ہے۔ اِطَّلَعَ اللّٰہُ عَلٰی هَمِّهٖ وَغَمِّهٖ۔ اس وقت حضور علیہ السلام نے صرف الہام سنایا۔ زیادہ تفسیر نہیں

فرمائی، یا ممکن ہے کچھ تفسیر فرمائی ہو، اور مجھے یاد نہ رہی ہو۔ بہرحال یہ الہام تو بلفظہٖ مجھے اسی طرح یاد ہے۔ میں پانچ سال کے قریب عرصہ تک قادیان میں رہا۔ پھر مع اہل و عیال لدھیانہ چلا گیا۔ اس عرصہ میں سالانہ جلسوں پر مع عیال آتا رہا۔

۱۸۔ پھر ۱۹۰۱ء میں مع اہل وعیال قادیان ہجرت کرکے آگیا۔ اور بفضل خدا یہیں رہا۔ ۱۹۰۲ء میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اقدس کی اجازت سے محرری کے کام پر مجھے رکھ لیا۔ لنگر اور سکول کا چندہ اور حضرت اقدس کے خطوط کا جواب لکھنا میرے سپرد تھا۔ بفضل خدا مسلسل ڈاک کا کام کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۷ء میں بموجب قواعد ریٹائر ہوگیا۔

ذیل میں کچھ متفرق باتیں مختلف اوقات کی عرض کرتا ہوں :۔

۱۹۔ حضور علیہ السلام نے ایکدفعہ اپنی تقریر میں آیت شریف وَالَّذِیْ هُوَ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ پڑھ کر فرمایا، کہ اس میں مومن کی روحانی ترقی کا اشارہ ہے۔ مومن مرتا ہے۔ اور زندہ ہوتا ہے اور اپنی روحانیت میں ترقی کرتا جاتا ہے۔

۲۰۔ حضرت اقدس کے ایک خادم تھے، جن کا نام پیراں دتا تھا۔ ہم سب انکو پیراں دتا کہہ کر ہی بلاتے تھے۔ مگر حضور علیہ السلام جب بلاتے تو پیری دتہ کہہ کر بلاتے۔ یعنی پیر پیر اللہ کا دیا ہوا۔ یہ وہ توحید تھی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ خُذُوا التَّوْحِیْدَ التَّوْحِیْدَ یَا اَبْنَآءَ فَارِس

۲۱۔ حضرت سید المرسلین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت، ادب اور تعظیم کا یہ عالم تھا، کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، حضور علیہ السلام چارپائی پر بیٹھے ہوئے کوئی مضمون لکھ رہے تھے۔ میں پاس کھڑا تھا۔ ایک مقام پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک لکھا مگر وہاں چاہیئے نہ تھا۔ حضور علیہ السلام نے اس پر قلم نہ پھیرا۔ بلکہ اسکے گرد اس طرح نشان بنا دیا۔

محمد

۲۲۔ اس زمانہ میں جبکہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام تھے۔ سابقہ دستور کے مطابق یہ طریق تھا کہ ہر نماز کے بعد امام اور مقتدی ہاتھ اٹھاکر دعا کیا کرتے تھے حضور علیہ السلام بھی اسی طرح کرتے تھے۔ وہ وقت مجھے خوب یاد ہے کیونکہ سب کے ساتھ مجھے بھی ہاتھ اٹھاکر دعا کرنی ہوتی تھی۔

۲۳۔ ایک روز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد مبارک میں تشریف فرما تھے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم بھی بیٹھے تھے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز خود دعا ہے۔ لیکن یہ ایک رواج ہوگیا ہے کہ لوگ نمازیں تو بے توجہی سے جلدی جلدی پڑھ لیتے ہیں۔ مگر جب سلام پھیرتے ہیں، تو پھر نہایت تضرع اور حضور قلب سے دعائیں مانگتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کام نماز کے اندر کرنا چاہیئے، جس وقت کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر تھے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے، تو کچھ عرض نہ کی، اور جب دربار سے چلے گئے، تو درخواست کرنے لگے۔ سنت سے یہ ثابت نہیں ہوتا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پنجگانہ کے بعد بالالتزام ہاتھ اٹھاکر دعا کی ہو۔ اس تمام تقریر میں حضور علیہ السلام نے مولوی صاحب کو اشارہ تک بھی نہ کیا، کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ یا اس طرح نہ کیا کریں۔ لیکن حضرت مولوی صاحب نے جس وقت حضور علیہ السلام کی یہ تقریر سنی اس وقت سے نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھاکر دعا کرنا چھوڑ دی۔ جیسا کہ آجتک یہی طریق جاری ہے۔ اور نمازوں کے اندر ہی دعا کیجاتی ہے۔

۲۴۔ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ عربی زبان سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے نماز میں ترجمہ پڑھنا چاہیئے یہ ٹھیک نہیں اس سے اصل کی حفاظت نہیں رہتی۔ چاہیئے کہ قرآن شریف اور ادعیہ ماثورہ مسنونہ

جو نماز میں پڑھی جاتی ہیں، سب پڑھیں۔ علاوہ ان کے قیام، رکوع اور تشہد وغیرہ میں اپنی زبان میں بھی دعا کرنی چاہیئے۔ حضور نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے تو پنجابی یا اردو میں دعا کرنے کی ضرورت نہیں۔ دعا کرتا ہوں تو میری زبان سے تو عربی ہی نکلتی ہے۔ عربی میری مادری زبان کیطرح ہو گئی ہے۔

۲۵۔ ایک دفعہ زمانہ طاعون میں حضرت اقدس نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اندر ایک ایسا مادہ پیدا کر دیا ہے، کہ اگر طاعون کا کیڑا آئے تو فوراً ہلاک ہو جائے۔

۲۶۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اُس چوبارہ میں رہا کرتے تھے، جو بیت الفکر کی چھت پر قائم ہے۔ ایک فقیر پندرہ دن بعد پھیرا کیا کرتا تھا۔ خوب مٹا تازہ تھا۔ آواز بھی اس کی بلند تھی۔ نیچے کوچہ بندی میں چکر لگاتا، اور ایک رقم معین کر کے مانگتا، اور حضور ہی سے لینے کا اشارہ کرتا، بلکہ نام بھی لے لیتا تھا۔ معلوم نہیں حضور کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی۔ کیونکہ رفتہ رفتہ اسکی رقم بڑھتی گئی۔ اور آنوں سے روپوں تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ کسی دن تو اس کو پکارتے صبح سے دوپہر ہو جاتی۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم بڑے نازک مزاج تھے۔ اُنکو بہت تکلیف ہوتی۔ حضرت صاحب کی خدمت میں شکایت کرتے مگر حضور علیہ السلام سن کر خاموش رہتے معلوم ہوتا ہے ایکدن انکو بہت تکلیف ہوئی۔ اور جب حضرت اقدس مسجد مبارک میں تشریف لائے، تو مولوی صاحب عرض کرنے لگے، کہ حضور مجھے تو اس فقیر نے بہت تنگ کیا ہے۔ اگر حضور اشارہ بھی فرما دیتے تو خدام اُسکو دُور چھوڑ آتے اور سمجھا دیتے کہ دوبارہ نہ آنا۔ مگر حضور علیہ السلام نے مولوی صاحب کی بات سُنکر فرمایا مولوی صاحب! ایک گدا ہوتا ہے اور وہ سرا زگدا ہوتا ہے۔ گدا کو تو جو دو لیکر چلا جاتا ہے۔ لیکن زگدا اپنا مطلب پورا کئے بغیر نہیں ٹلتا۔ بندہ کو بھی اللہ تعالیٰ کے

حضور ایسا ہی ہونا چاہیئے کہ دعا سے نہ تھکے، نہ ہٹے، جبتک کہ اس کا مقصد پورا ہوا مانگے ہی جائے۔

۲۷۔ ایک روز حضور علیہ السلام نے مسجد مبارک میں فرمایا کہ جب ہم بچے تھے یہاں قادیان سے باہر ایک جھونپڑے میں ایک نابینا درویش رہا کرتا تھا۔ اس نے ایک مٹکا رکھا ہوا تھا۔ انگریزی مہینے کی جب پہلی تاریخ ہوتی تو اس میں ایک کنکر ڈالدیتا اسی طرح روزانہ ڈالتا رہتا۔ گاؤں میں جسکو مقدمہ کے لئے تاریخ معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی، اس کے پاس جاتا۔ وہ کنکر گن کر بتلا دیتا کہ آج یہ تاریخ ہے۔ ایک دن لڑکوں نے حافظ صاحب سے چھپا کر ایک مٹھی کنکروں کی اس کے مٹکے میں ڈال دی۔ گاؤں والے حسب معمول تاریخ پوچھنے آئے۔ حافظ صاحب نے کنکر نکال کر گننے شروع کئے۔ جب بہت سارے گنے تو کہنے لگے کہ آج تو کوئی بے حساب تاریخ ہے، پتہ نہیں لگتا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ خود بھی ہنسے اور حاضرین مجلس کو بھی ہنسایا لیکن درحقیقت اللہ تعالےٰ کی بشارات کے مطابق قادیان کی ترقی کا خوش ہو ہو کر شکریہ ادا کیا۔

۲۸۔ شہتوت کے موسم میں حضور اکثر باغ میں تشریف لیجاتے۔ ایک جگہ بیٹھتے۔ چادر بچھا دیجاتی۔ احباب چادر کے چاروں طرف بیٹھتے۔ چادر پر بیدانہ کا ڈھیر لگا دیا جاتا۔ تب حضور علیہ السلام احباب کے ساتھ مل کر اسے تناول فرماتے۔

۲۹۔ حضور علیہ السلام صبح کی نماز کے بعد سورج نکلتے ہی احباب کے ساتھ تقریباً روزانہ ہی سیر کو تشریف لیجاتے۔ کبھی موضع بٹر کی طرف، کبھی بٹالہ کی پرانی سڑک کی طرف اور کبھی موضع نواں پنڈ کی سڑک کی طرف۔ لیکن اکثر اس سڑک پر تشریف لیجاتے جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کی کوٹھی دارالحمد واقع ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اور یہ ذکر میں نے اسی لئے کیا ہے کہ حضور علیہ السلام اس مقام تک تشریف لیجایا کرتے تھے، جہاں دارالحمد کا پہلا پھاٹک ہے۔ وہاں دو راہہ بھی ہے۔ دائیں طرف ایک کیکر کا درخت ہوتا تھا۔ جس وقت وہاں

تھوڑی سے واپس ہو جاتے۔ اب میں جب بھی اس طرف جاتا ہوں۔ مجھے وہ وقت یاد آجاتا ہے۔

۳۰۔ حضور علیہ السلام نماز کی امامت نہیں فرمایا کرتے تھے، جو مسیح موعود کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔ بہت ابتدائی زمانہ میں ایکبار تو مجھے حضرت اقدس کے پیچھے نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ حضور علیہ السلام کی قرأت اسقدر تضرعانہ اور دردمندانہ تھی کہ دل گداز ہو جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں زاری کرتے اور گڑگڑاتے ہیں۔

۳۱۔ حضرت اقدس نے ایک دفعہ سورہ فاتحہ کی تفسیر فرماتے ہوئے رب۔ رحمٰن رحیم کی رحمت کا بتدریج ذکر فرما کر پھر مالک کے لفظ کی اس طرح تفسیر کی، کہ یہ رحمت سابقہ رحمتوں سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ کیونکہ جب مومن بندہ اللہ کا عبد بن گیا، اور اللہ اس کا مالک ہوگیا، تو وہ اللہ کا اور اللہ اسکا ہوگیا۔ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ ؏

۳۲۔ حضور علیہ السلام نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ مُنذر خوابیں اللہ تعالیٰ کیطرف سے اعلام ہیں۔ یہ اس لئے آیا کرتی ہیں کہ انسان کو پتہ لگجائے کہ کوئی تکلیف اور خطرہ آنیوالا ہے۔ تاکہ اسکا تدارک توبہ، إنابت، دعا، استغفار اور صدقہ وخیرات سے کرے، اور آئیندہ صلاحیت اختیار کرے۔

۳۳۔ غیر احمدی عزیز رشتہ دار کے جنازہ کے متعلق حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد تھا کہ سوائے نماز جنازہ کے سارے کام میت کے کرے۔ جیسے نہلانا، کفن دفن کرنا، جنازہ لے جانا، میت کے گھر والوں کو کھانا کھلانا وغیرہ لیکن نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہیئے۔

۳۴۔ حضور علیہ السلام فرمایا کرتے تھے، کہ سنت نبویہ کو چھوڑ کر فقرا اور درویشوں نے ایسے طریقے ایجاد کر لئے ہیں، جن سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ذکر آرہ کا ذکر کرتے اور فرماتے کہ اس طریق پر ذکر کرنے سے سِل کی بیماری ہو جاتی ہے۔

۳۵۔ حضور علیہ السلام ڈاک براہ راست خود لیتے، خود کھولتے اور پڑھ کر بعض پر اپنے قلم مبارک سے نوٹ تحریر فرما دیتے، اور جواب لکھنے کے لئے دیدیتے۔ میں محرر ڈاک تھا۔ انہیں سے اکثر حاجات اور مطالب کے خطوط ہوا کرتے تھے۔ حضور ان پر عموماً یہ نوٹ تحریر فرماتے تھے کہ انکو جواب میں لکھدیں کہ دعا اور استغفار بہت کریں۔

۳۶۔ حضور علیہ السلام احباب کی مجلس میں جو گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ ان میں عام طور پر دو باتوں کی بہت تاکید فرمایا کرتے تھے۔ ایک تقویٰ کی اور دوسرے ابتلاء اور آزمائشوں کے وقت صبر اور استقلال کی۔ مجھے حضور علیہ السلام کا یہ آیت شریف پڑھنا یاد ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ۔

۳۷۔ ایک مرتبہ ایک مجلس میں آیت شریف وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ پڑھ کر فرمایا کہ یہ دنیا و آخرۃ کی جنتیں ہیں۔

۳۸۔ ایک دن حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کیا گیا تھا، اور حضور پر نسیان غالب آگیا تھا۔ اگر یہ بات مان لی جائے، تو شریعت کے احکام کا اعتبار نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا اگر جادو کیا گیا تھا تو اس آیت کا استدلال صحیح نہیں رہتا۔

۳۹۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خوبصورت، خوب سیرت، خوش شکل، خوش وضع، ملیح، وجیہہ، سفید گندمی رنگ کے، معتدل الاعضاء، راست قامت، قوی اور تندرست تھے۔ سوائے اس کے کہ حضور کے موئے مبارک حنا شدہ تھے، حضور میں بڑھاپے کی ایک بھی علامت نہ تھی۔ میں نے حضور کے پاس کھڑے ہو کر اندازہ لگایا کہ اگر کسی شخص کا قد ساڑھے پانچ فٹ ہو، تو اُسکا قد حضور کی قامت شریف کے بہت ہی قریب ہوگا۔

تین نومسلم انگریزوں کے بیانات

ذیل میں ہم تین نوجوان انگریزوں کے تین مختصر مقالے درج کرتے ہیں، جو انہوں نے مسجد لنڈن میں ایک تقریب کے موقعہ پر پڑھے، جسکی صدارت مولانا جلال الدین صاحب شمس نے کی ۔

انگریزوں کی احمدی برادری میں اضافہ کرنے والے اِن تین اصحاب کا تعارف کراتے ہوئے امام صاحب نے اسلام میں ابتدائی بیعت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ شروع میں آنحضرت صلعم پر ایمان لانے والے نوجوان ہی تھے ۔ اور نوجوانوں کے ذریعہ ہی اللہ تعالیٰ نے روحانی انقلاب پیدا کیا تھا ۔ ان تین نئے ممبروں کو خوش آمدید کہتے ہوئے امام صاحب نے ان کے حق میں جماعت کی نیک خواہشات کا اظہار کیا، اور ان کے لئے ایمان میں استقامت کے لئے دعا کی ۔ اِن تین مقالوں میں سے پہلا مقالہ مسٹر منصور احمد کا پرڈ کا تھا، جو یہ ہے:

مشرقی علوم کے متعلق کتابیں پڑھنے سے مجھے پہلے پہل لفظ اسلام سے واقفیت ہوئی ۔ اُسوقت اس عظیم الشان لفظ کے معنے مجھے معلوم نہیں تھے ۔ اِس میں دلچسپی لینے کے بعد کچھ عرصہ تک میں نے بالعموم عربی مضامین پر مزید کتب کا مطالعہ کیا، جن میں انکے مصنفوں نے مسلم، اللہ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، صلوٰۃ وغیرہ الفاظ استعمال کئے تھے ۔ تب اللہ کے اِس سچے مذہب میں میری دلچسپی بڑھ گئی ۔ میں نے سوچا کہ اگر اسلام کے ذریعہ وحشی اور غیر منظم عرب کسی نظام کے ماتحت لائے جا سکتے ہیں، تو اسمیں ضرور کوئی بڑی طاقت اور قوت ہوگی ۔

مسلموں کے متعلق مختلف بیانات پڑھ کر مجھے خیال آنے لگا، کہ کیا انگلینڈ یا خود

لنڈن میں کوئی مسجد ہوگی؟ میں نے اس کے بارے میں جستجو کی، تو مجھے معلوم ہوا کہ ساؤتھ فیلڈز میں ایک مسجد ہے۔ اس اثناء میں میرے دو اور دوستوں نے بھی اسلام کے متعلق چند کتابیں پڑھیں، اور میری طرح وہ بھی خدا کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھنے سے قاصر رہے۔ تب ہم نے مسجد جانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ایک روز اتوار کو بعد دوپہر ہم وہاں گئے۔ اور ہم نے امام مسجد مولانا جلال الدین صاحب شمس سے اپنا تعارف کرا کر انہیں بتایا کہ ہم اسلامی تعلیمات کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے بڑی مہربانی سے ہمارے سب سوالات کا جواب دیا اور خدا کے پسندیدہ مذہب اسلام کے تصوّرات اور مقاصد کو تفصیل سے بیان کیا۔

اسی سلسلہ میں مجھے احمدیہ جماعت سے بھی واقفیت ہوئی جو میرے نزدیک دنیاوی اخوت اور اللہ تعالےٰ کی حقیقی معرفت کا بہترین راستہ ہے۔ اس جماعت کی بنیاد حضرت مرزا غلام احمدؑ مسیح موعود نے رکھی۔ اور اب یہ جماعت شاہراہ ترقی پر گامزن ہے، اور ساری دنیا کے مسلمانوں میں شہرت پا چکی ہے۔

کوئی پوچھ سکتا ہے، کہ کثیر التعداد مذاہب اور تحریکات کے ہوتے ہوئے احمدیت کا کیا مقصد ہے؟ "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" کے بعض حصوں کے پڑھنے کے بعد میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کو پیدا کرنے کے بعد خدا نے بہت سے انبیاء مبعوث کئے، اور کوئی قوم بھی ایسی نہیں جس میں اس کا کوئی رسول نہ آیا ہو۔ احمدیت کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے، کہ ہر وہ شخص جو اللہ پر ایمان لاتا ہے، اسے اس کے تمام انبیاءؑ پر بھی ایمان لانا چاہیئے۔ نیز یہ کہ تمام آسمانی برکات اور روحانی انعامات جن میں نبوّت بھی شامل ہے، اب بھی جاری ہیں۔ یہ امر قابل افسوس ہے، کہ جرمنی کی تنظیم جماعت احمدیہ کی طرح نہیں ہوئی ورنہ دنیا بہت پُر امن جگہ ہوتی۔

جہاں تک میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے، اسلام صرف مذہب ہی نہیں، بلکہ یہ ایک

مکمل اور صحیح ضابطۂ حیات ہے۔ نماز کے بارے میں اسلام کی تعلیم بہت ہی اعلیٰ ہے کیونکہ خدا کی عبادت کے مختلف ذریعے اور حالتیں سب صلوٰۃ میں جمع ہیں۔

میں پوری دیانتداری کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں، کہ میں نے اسلام کو انشراح صدر اور پورے اطمینان کے ساتھ قبول کیا ہے۔ اور میں یقین کامل رکھتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔

بالآخر میں جناب شمس صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اسلامی تعلیمات کو سمجھنے میں میری قابل قدر امداد فرمائی۔ خدا کی رحمت اور برکات ہم سب کے ساتھ ہوں۔ آمین

دوسرا مقالہ مسٹر حمید احمد لینڈ کا مندرجہ ذیل ہے :-

میرے اسلام قبول کرنے کی وجہ یہ ہے، کہ برخلاف عیسائیت اور دوسرے مذاہب کے اسمیں تمام دعائیں بجائے بزرگوں اور شہداء کی معرفت کرنے کے بلاواسطہ سیدھی خدا سے کیجاتی ہیں، اور خدا کے شریک نہیں بنائے جاتے۔ جیسا کہ اسلام کے کلمہ شہادت میں مذکور ہے کہ "اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اس کے رسول ہیں"

اسلام ایک عملی مذہب بھی ہے اور یہ اسکی تعلیمات سے معلوم ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ رمضان کے روزے اور نماز میں جھکنا۔ اسلام سوشلزم کی بھی ایک شکل ہے کیونکہ یہ نسل انسانی کی مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اسمیں دوسرے مذاہب کی طرح پروہتائی نہیں ہے۔ جب مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ تو انمیں سے کوئی ایک شخص امام بن کر نماز پڑھا سکتا ہے۔ اور نماز کے لئے یہ ضروری نہیں، کہ مسجد میں ہی ادا کیجائے، بلکہ وہ ہر جگہ پڑھی جا سکتی ہے۔ دیگر مذاہب کے مندروں اور گرجوں کی طرح مساجد سجائی نہیں جاتیں۔

اسلام نے تمام مذاہب کے انبیاء کو سچا مانا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ فرماتا ہے، کہ ہر قوم میں رسول آتے رہے ہیں۔ انہیں سے بعض کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ چھٹی سورۃ میں آتا ہے:-

"اور ہم نے اُس (ابراہیم) کو اسحاق اور یعقوب دئے۔ ہم نے ان دونوں کو ہدایت

دی۔ اور اس سے قبل نوحؑ کو بھی ہم نے ہدایت دی تھی۔ اور اسکی ذریت میں سے
داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ (کو بھی)۔ اسی طرح
ہم احسان کرنیوالوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور (ہم نے) زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور
الیاسؑ (کو بھی ہدایت دی) وہ سب نیک تھے۔ اور اسمٰعیلؑ اور الیسعؑ اور یونسؑ
اور لوطؑ (کو بھی ہدایت دی) ان سب کو ہم نے جہانوں پر فضیلت دی"

یہ آیات کھلے طور پر تمام مذاہب کے اتحاد میں ممد ہیں۔ قرآن شریف یہ بھی کہتا ہے، کہ بائبل کا پرانا اور نیا عہدنامہ دونوں محرّف ہیں۔ یہ چند معلوم اور نامعلوم مصنفوں کی تصنیفیں ہیں۔ اور اپنی اصل تک ان کا سراغ نہیں لگایا جاسکتا۔ اور تاریخ بھی ایسا ہی کہتی ہے۔ اس کے برعکس قرآن مجید کی صحیح ابتداء معلوم ہو سکتی ہے۔ اور اسکی آیتیں بھی خدا تعالیٰ کے صحیح الہامات ہیں، جو خدا تعالیٰ سے جبرئیل کے ذریعہ نازل ہوئیں۔

قرآن مجید کا دعویٰ ہے، کہ اس زمانہ میں اسلام ہی سچا مذہب ہے۔ چنانچہ فرمایا "کوئی خدا نہیں مگر اللہ۔ وہ طاقتور اور دانا ہے۔ یقیناً خدا کے نزدیک سچا مذہب اسلام ہی ہے۔"

احمدیت ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے، کہ قرآن شریف میں ہر زمانہ کے لئے ہدایت اور سب حالات کے لئے ضروری احکام موجود ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :-

"قرآن شریف کے خزائن ختم نہیں ہو سکتے۔ اور جس طرح کتابِ قدرت کے عجائبات لامحدود ہیں، اور بعد میں آنیوالا ہر زمانہ قدرت کے تازہ خواص اور نئی تاثیرات ظاہر کرتا ہے۔ یہی حال خدا کے کلام کا ہے۔ تا کہ خدا کے کام اور اس کے الفاظ میں تفاوت نہ رہے۔" (مفہوم)

دنیا کے سب مسلمان مکّہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ اور ان میں سے بہت سے وہاں حج کو جاتے ہیں۔ اور یہ مسلمانوں کو متحد کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اسلام کو دیگر مذاہب پر بہت فوقیت حاصل ہے۔ کیونکہ یہ زندگی کا فلسفہ بھی ہے۔ اور بہت سے اسلامی ممالک میں یہ

طولانی قوانین کو منضبط کرتا ہے۔ اسلام میں بہت بلند اخلاقی تعلیم کے قوانین موجود ہیں۔ اکثر اسلامی ممالک میں قہوہ خانے نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے مسلمان منشکرات کے عادی نہیں ہوتے۔

مسلمان اپنی سخاوت کے لئے بھی مشہور ہیں۔ یہ سب چیزیں ظاہر کرتی ہیں، کہ مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی میں اسلام کا کتنا زیادہ اثر ہے۔

نبی اسلام اور مسیح موعود دونوں کے لئے پہلی کتابوں میں پیشگوئیاں موجود ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کتاب استثناء۔ باب ۱۸۔ آیت ۱۸ میں پیشگوئی ہے۔ یہاں لکھا ہے۔ کہ خدا ایک نبی مبعوث کرے گا جو اسرائیلیوں کے بھائیوں میں سے ہوگا۔ اور جو موسیٰ کی طرح صاحب شریعت ہوگا۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اسماعیل کی اولاد میں سے تھے، جو اسرائیل کا بھائی تھا۔ حضرت موسیٰ کی طرح ایک نئی شریعت یعنی قرآن مجید کے حامل تھے۔ مسیح موعود کے بارے میں پیشگوئی قرآن مجید میں درج ہے۔ سورہ صف میں ہے۔ "اور جب عیسیٰ بن مریمؑ نے کہا اے بنی اسرائیل یقیناً میں تمہاری طرف خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔ تصدیق کرتا ہوں اس کی جو مجھ سے پہلے تورات میں موجود ہے۔ اور بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئیگا۔ اس کا نام احمدؑ ہوگا۔" یہ مسیح موعود کی صداقت کی ایک دلیل ہے۔

اسلام دنیا کے ہر گوشہ میں پھیل رہا ہے۔ بالخصوص افریقہ میں جہاں احمدی ہر سال ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو احمدی بناتے ہیں۔ احمدیت اسلام میں واحد جماعت ہے، جس کے مبلغین تقریباً ہر براعظم میں موجود ہیں۔ اور میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کا آئندہ مذہب اسلام اور سچا فرقہ احمدیت ہی ہوگا۔"

تیسرا مقالہ مسٹر ناصر احمدؑ سکا ئیوز کا حسب ذیل ہے:۔

اسلام ایک پختہ اور معین مذہب ہے۔ اس کی تعلیم کا بنیادی اصول یہ ہے کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں۔ اور اسی کی پرستش کرنی چاہیئے۔ ایک مسلمان کے ذہن میں خدا کے برابر کوئی چیز نہیں ہو سکتی صرف ایک خدا پر یقین رکھنے کے بہت سے فوائد ہیں مثلاً یہ کہ انسان کو سچ اور جھوٹ میں صحیح

تمیز کرنے کے لئے صرف ایک ہی سرچشمہ سے نکلے ہوئے اخلاقی اصول کے مطابق زندگی گذارنی چاہیئے۔ اگر وہ اپنے اعمال کا جائزہ ایک مرتبہ تو ایک طرز کے مرتب قوانین سے کرے، اور دوسری مرتبہ کسی دوسری طرز کے قوانین سے، تو اپنے ان اعمال کے متعلق یہ فیصلہ کرنے کا کہ اس کے خدا کی نظر میں اُنکا حقیقی مقام کیا ہے اُسے کوئی ذریعہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

خدا نے دنیا سے کلام کیا۔ اور روحانی امور میں دنیا کی ہدایت اپنے مقدس نبی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ فرمائی۔ خدا کا یہ کلام بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے قرآن شریف کی شکل میں صدیوں سے محفوظ چلا آتا ہے۔ قرآن مجید مذہبی اور اخلاقی قوانین کا مکمل ضابطہ اور وصال الٰہی پر مشتمل ہدایات کا کامل مجموعہ ہے۔

اسلام بعث بعد الموت پر ایمان لانے کو بھی ضروری قرار دیتا ہے۔ اگر مرنے کے بعد کوئی زندگی نہ ہو تو اس دنیاوی زندگی کا کچھ مقصد نہیں ہو سکتا خواہ کوئی انسان سائنس یا آرٹ کے میدان میں کتنا ہی بڑا مقام رکھتا ہو، جب وہ مر جاتا ہے، تو اس کے تمام کارنامے دنیاوی لحاظ سے اس کے لئے ہیچ ہیں۔ ہو سکتا ہے، کہ اس کے مرنے کے بعد ان کا اثر اور لوگوں پر ہو۔ وہ دوسرے فانی انسانوں کو ان کے سفرِ حیات میں مدد بھی دے سکتے ہیں لیکن اس کی موت کے بعد اس کے لئے وہ دنیاوی اعتبار سے بالکل بے فائدہ ہیں۔ کیا یہ خیال اپنے اندر کچھ بھی معقولیت رکھتا ہے کہ دنیا میں سب انسانوں کے کام بیکار ہیں۔ اگر یہ درست ہوتا تو سب لوگ کہہ اٹھتے کہ "کیوں ہم علم کے لئے مارے مارے پھریں، اور نامعلوم کی کھوج میں سرگرداں رہیں، جب کہ ہماری مساعی کا کوئی انعام یا بدلہ نہیں ملیگا"

لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ لوگ ایسا خیال نہیں کرتے۔ اس لئے زندگی کا ضرور کوئی مقصد ہے۔ اس نتیجہ پر پہنچ کر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اس زمین سے اسکی روح کے پرواز کر جانے کے بعد انسان کو ضرور بدلہ ملنا چاہیئے۔ اسی مقام پر ہمیں زندگی کی مشکل کا حل ملتا ہے۔ حیاتِ اُخروی میں انسان اپنی دنیاوی زندگی کے اعمال کا خدا سے فیصلہ حاصل کرتا ہے۔ یہ ظاہر ہے، کہ اکثر لوگ خدا کے قوانین کو توڑکر اس دنیا میں اپنے ساتھی انسانوں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ مگر وہ اس بصیر خدا کی نگاہ سے بچ

نہیں سکتے، جو خالق کائنات اور ہر جگہ موجود ہے۔ حیاتِ اُخروی میں ان جرائم کی سزا ملے گی جو انسان اِس دنیا میں کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی انسان اچھی زندگی بسر کرتا ہے، تو اسکو مرنے کے بعد کی زندگی سے کوئی خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ خدائے رحمٰن و رحیم ایسے انسان کو خوش آمدید کہیگا اور اسے جنت الفردوس میں جگہ دے گا۔ چونکہ حیات اخروی انسانی زندگی کا منتہیٰ ہے اس لئے انسان کو خدا کے احکام کے مطابق اچھی زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یقیناً وہی ہماری زندگی کے بارے میں فیصلہ کرے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسلامی تعلیم کی جو تشریحات فرمائی ہیں انکی روشنی میں اسلام اپنے انتہائی کمال کو پہنچ گیا ہے۔ درحقیقت احمدیت ہی حقیقی اسلام ہے۔ احمدیت ہر معقول پسند انسان کے لئے قابل قبول ہے۔ کیونکہ یہ چیز کو معقول رنگ اور قابل اطمینان طریق پر پیش کرتی ہے۔ مسیح کو صلیب دیئے جانے کی جو تشریح احمدیت نے کی ہے وہ ان تمام بحثوں سے جنہیں دیکھنے کا مجھے موقعہ ملا ہے، زیادہ معقول ہے۔ مسیح موعودؑ نے تحریر فرمایا ہے، کہ مسیحؑ صلیب سے زندہ اتارے گئے۔ اس لئے جیسا کہ یہودیوں کا عقیدہ ہے، وہ جھوٹے نبی نہ تھے ؛

مسیح پر ایمان لانیکے باوجود عیسائی یہ مانتے ہیں، کہ وہ صلیب پر مارے گئے۔ حالانکہ انکی اپنی مقدس کتاب بائبل کے مطابق جو مدعی نبوت صلیب پر مارا جائے وہ جھوٹا ہے۔ ان کے عقیدے غیر مستحکم نظر آتے ہیں، اور عوام کے توہمات اور خیالات کا نتیجہ معلوم دیتے ہیں جو ایک وقت تو کچھ عقیدہ رکھتے ہیں، اور دوسرے وقت اپنی خواہشات کے مناسب حال اسمیں ترمیم کر لیتے ہیں۔ جب مسیح کو صلیب پر سے اتار لیا گیا، تو ان کے زخموں کا علاج کیا گیا، اور صحت یاب ہونے کے بعد وہ اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں مشرق کیطرف چلے گئے۔ اور بالآخر ہندوستان میں پہنچکر کشمیر میں طبعی موت سے وفات پا گئے۔ چنانچہ انکی قبر آجتک سرینگر میں موجود ہے۔ ان تمام دعاوی کے دلائل اور اس سوال کی مفصل بحث حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعودؑ کی کتاب "مسیح ہندوستان میں" درج ہے۔

اسلام تجرد اور رہبانیت کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ مذاہب جو انکی اجازت دیتے ہیں، وہ جنسی تعلقات سے بچاؤ کے مؤید ہیں۔ جو درحقیقت انسان میں کمزوری کی علامت ہے، نہ کہ ایک اچھی خاصیت، جیسا کہ بعض لوگ اسے ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا نے ہمیں طاقت تولید بخشی ہی، تاکہ ہم نسل انسانی کو معدوم ہونے سے بچائیں۔ ہم کسی ہیجڑے کو بابت یہ نہیں کہہ سکتے، کہ وہ پاکدامن ہے۔ پاکدامنی ایک ایسا خاصہ ہے، جو خود احتیاطی اور قوت ارادی کے استعمال ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ کسی مخنث میں شہوانی قوامی نہیں پائے جاسکتے، اس لیے جنسی تعلقات کے معاملہ میں اُسے خود احتیاطی کے استعمال کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ان وائل کو خیالات کی معقول کڑی کا سمجھتے ہوئے جو شخص اپنے آپکو سوسائٹی سے علٰحدہ رکھتا ہے، وہ اپنے تئیں مخنث کی حالت میں کرلیتا ہے۔ چنانچہ جنسی امور کے متعلق دلائل جو مخنثوں کی غیر جانبداری کے بارہ میں پیش کئے جاتے ہیں وہ سب اس پر صادق آتے ہیں۔ خدا نے انسان کو شادی کے ذریعہ اپنی شہوانی طاقتوں کے تقاضوں کو پورا کرنے کی اجازت دی ہے، صرف شادی ہی جائز ہے۔ اور جائز نکاح کے علاوہ دیگر تفریحات تعلیم الٰہی کے خلاف ہیں۔

بالآخر میں کہتا ہوں کہ وہ تمام لوگ جو روحانی تکالیف اور دنیاوی پھندوں اور برائیوں سے بچنا چاہتے ہیں، انہیں نجات کے لیے صرف خدا پر نظر رکھنی چاہیئے کیونکہ سب مدد خدا سے آتی ہے۔ اسلام کے ذریعہ سے ہی وہ خدا کے کلام کو پا سکتے ہیں، جو موجودہ وقت میں جبکہ دنیا گناہ کے سیاہ بادلوں میں گھری ہوئی ہے، روشن مینار کیطرح چمکتا ہے۔ (سن رائز)

مترجم سید نصیر احمد شاہ ایم۔ اے۔

اداریہ :-

مولوی ثناء اللہ صاحب کے لئے قارئین کرام جانتے ہیں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ہماری پیش کردہ تجویز کے مطابق ہم سے مناظرہ کرنے سے محض اس عذر پر پہلو تہی کر رہے ہیں کہ اس طرح مباحثہ بہت طویل ہو جائے گا۔ (اہلحدیث ۲۴ر جولائی) مگر سوال یہ ہے، کہ اگر اس مسئلہ کے جلد تر تصفیہ کے لئے وہ اتنے ہی بیتاب اور بے چین ہیں، تو پھر وہ تمہیدی امور کی دُم بلا وجہ کیوں کھینچتے چلے جا رہے ہیں، اور کیوں ایسے طریق اختیار کر رہے ہیں، جن سے معاملہ بلا وجہ طول پکڑ جائے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں، کہ "ریویو" ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو شائع ہو جاتا ہے، اس کے پیش نظر ظاہر ہے، کہ انہیں اگر کوئی ایسی "گوہر افشانی" کرنا ہوتی ہے، جس کے جلد تر جواب کی توقع انہیں ہم سے ہو، تو پھر اس کا درست طریق یہ ہے، کہ وہ ہر ماہ کے پہلے تین ہفتوں کے اندر جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، کہہ لیا کریں۔ کیونکہ اس کے بعد ہمارا تقریباً تمام رسالہ پریس میں جا چکا ہوتا ہے۔ لیکن اس معاملہ میں جسے جلد تر ختم کرنے کے لئے وہ اپنے تئیں اسقدر مشتاق ظاہر کر رہے ہیں۔ انکی اپنی روش یہ ہے، کہ وہ مہینہ بھر مُنہ میں گھنگنیاں ڈالے بیٹھے رہتے ہیں، اور جب مہینہ ختم ہونے لگتا ہے، اور انکو علم ہوتا ہے، کہ اب کم سے کم ایک ماہ تک "ریویو" ان کا جواب نہ دے سکیگا، تو وہ کچھ فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ دیکھ لیجئے، کہ ماہ اپریل کے پرچہ میں ہم نے مولوی صاحب سے ان کے اس چیلنج کی توثیق چاہی تھی، جو انہوں نے برافروختگی کے عالم میں دیدیا تھا۔ اور انکی بوکھلاہٹ کے چند نمونے پیش کئے تھے۔ لیکن مولوی صاحب قریباً دو ماہ تک ان کے جواب سے ساکت رہے، اور آخر مئی کے آخری پرچہ میں جاکر "ریویو" کے جواب میں اس مباحثہ کے لئے اپنی تیاری کا اظہار فرمایا، اور اس طرح بلا وجہ تین ماہ کا وقفہ پڑ گیا۔ بات صاف تھی۔ ہم نے ان سے صرف ان کے چیلنج کی توثیق چاہی تھی۔ وہ بڑی

آسانی سے ۱۰ر اپریل اور ۱۷ر اپریل کے پرچوں میں سے کسی پرچہ میں ہماری تحریر کا جواب دے سکتے تھے۔ یا اگر یہ بھی نہیں تو ۲۴ر اپریل، یکم مئی، ۸ر مئی، ۱۵ر مئی یا ۲۲ر مئی کے "اہلحدیث" میں وہ اظہار خیال کر سکتے تھے۔ آخر اتنی طویل خاموشی کا کیا مطلب تھا۔ اس کے بعد باوجود ہمارے توجہ دلانے کے پھر آپ نے قریباً دو ماہ تک چپ سادھے رکھی، اور پھر جب بولے تو اس کے لئے بھی "اہلحدیث" کا ۲۴ر جولائی کا پرچہ انتخاب کیا۔ تاکہ اس طرح کم از کم تین ماہ کا وقفہ اور پڑ جائے۔ تیسری دفعہ اس بوڑھی روح کو اگست کے آخر میں اپنے بڑھاپے کی غنودگی سے ہوش آیا۔ حالانکہ جو کچھ انہوں نے اپنے ۲۸ر اگست کے پرچہ میں لکھا، وہ سب کچھ اس سے پہلے ۷ر اگست، ۱۴ر اگست، ۲۱ر اگست کے پرچہ میں بھی کہہ سکتے تھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا کہ ہمارے یکم ستمبر کو شائع ہونیوالے "ریویو" میں اس پر اظہار رائے ہو سکتا۔

اگر واقعی مولوی صاحب اس بحث کے جلد تر تصفیہ کے لئے بے تاب ہیں، اور ہماری تحریر پہ طوالت کا بہانہ بنا کر انہوں نے گریز کی راہ اختیار نہیں کی، تو پھر انہوں نے بلا وجہ ہمارے جوابوں میں دو دو ماہ کا وقفہ کیوں ڈالا؟ اور اپنے "ارشادات" کے لئے "اہلحدیث" کے ایسے پرچوں کو کیوں انتخاب کیا، جن کی وجہ سے بحث کو آگے چلانے کے لئے خواہ مخواہ دو دو ماہ کا وقفہ پڑتا رہا۔

جو شخص ایک سیدھے سادے طریق بحث سے طوالت کے عذر پر گریز کرتا ہے کیا اس کے لئے یہ روا ہے کہ وہ تمہیدی امور کو لمبا کرتا چلا جائے، اور ایسی راہیں اختیار کرے، جن سے معاملہ بے جا طول پکڑ جائے؟

۲۸ر اگست کے "اہلحدیث" میں مولوی صاحب نے جو کچھ فرمایا، اس کا آغاز انکی تعلی بازی کے صدقہ اس چیز سے ہوا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تکذیب میں انہیں ایسی کامیابی ہوئی ہے، کہ باید و شاید۔ مولوی صاحب! اللہ تعالیٰ کا یہ جری جس کی مخالفت آپ نے اپنے [illegible] کے زمانہ سے شروع کی تھی، اور اب آپ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں، دنیا میں اکیلا تھا، جب اس نے اپنا دعویٰ پیش کیا۔ لیکن دنیا کی تمام تر مخالفتوں کے باوجود آج دنیا کے لاکھوں افراد

اس کی غلامی کو اپنا فخر جانتے ہیں، اور دن بدن آپ جیسے مخالفوں کا دائرہ تنگ اور اس کا حلقۂ ارادت وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ابتدا میں یہ حالت تھی، کہ جب یُنۡقِضُ الۡنَمَالَ کی حدیث کے مطابق اس نے خدمت اسلام کے لئے اپنے مخالفوں کے واسطے انعامات مقرر کئے۔ تو کہنے والوں نے کہدیا۔ کہ مرزا کوڑی کوڑی کو محتاج ہے۔ لیکن اب آؤ قادیان میں آکر دیکھو کس طرح خدمت اسلام کے لئے اس کے متبعین لکھوکھا روپیہ بھیج رہے ہیں۔ پھر یا تو اسکو اس کے چند تعلق داروں کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ یا اب زمین کے کناروں تک اس کی شہرت ہی۔ آپکے پیش رَو بیچارے مولوی محمد حسین بٹالوی کے جوتے اس کوشش میں گھس گئے، کہ قادیان میں کوئی نہ آئے۔ لیکن نہ صرف آپ جیسے خود سر اس کی ارادت میں پیادہ پا قادیان کیطرف کھچے چلے آئے، بلکہ یَاۡتِیۡکَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ وَّ یَاۡتُوۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ کے مطابق قادیان میں دور دراز امصار و بلاد سے آنیوالوں کی اسقدر کثرت ہوئی، کہ سڑکوں میں گڑھے پڑ گئے۔ بہتوں نے چاہا کہ اس کی آواز کوئی نہ سُنے۔ لیکن آج چار دانگ عالم میں اس کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ مولوی صاحب! اگر یہی آپکی کامیابی ہے، تو یقیناً آپ بہت بڑے فاتح ہیں۔ لیکن اگر یہ سب کچھ آپکے علی الرغم ہوا۔ تو پھر اپنی کامیابی کا ڈھول پیٹتے ہوئے آپکو شرمانا چاہیئے۔

سلطان القلم کے زیر عنوان "ریویو" میں جو سلسلہ مضامین شائع ہو رہا ہے۔ بقول آپ کے بجوئے نہ پسند کا مصداق ہے۔ تعصب اور بدمذاقی کسی کی میراث نہیں۔ انکے تحت آپ جو چاہیں رائے رکھیں۔ لیکن اکی قدر و قیمت کا اصل اندازہ اُن خطوط سے ہوتا ہے، جو اس سلسلہ مضمون کو پڑھنے والوں نے ہمیں لکھے ہیں، جنمیں اسکی بیحد تعریف کی گئی ہے اور آپکی لاف زنیوں کا مُدلل اور مُنہ توڑ جواب قرار دیا گیا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصنیفات کے خلاف کوئی ٹھوس اور معقول بات نہیں کہہ سکتے۔ اور نہ اس موضوع پر محققانہ

اندازمیں کچھ لکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ دیکھ لیجئے جس بحث کا چیلنج انہوں نے فروری میں دیا تھا، آج نصف سال گذرنے کے بعد بھی وہ اس کے مبادیات میں ہی اُلجھے ہوئے ہیں۔ اور جیسا کہ ہم اوپر کی سطور میں ثابت کر چکے ہیں، اسکی تمام تر ذمہ داری اُنپر ہے۔ اور اب دیکھیئے غلط مبحث کے لئے یہ کہہ کر موضوع بحث کو بدلنے کی طرح ڈالی ہے، کہ:۔

"ہمارا دعویٰ پھر سُن لیجئے کہ مرزا صاحب نہ مجدد تھے نہ مسیح موعود نہ کرشن گوپال تھے نہ مہدی مسعود اور نہ قابل مصنف"۔ (اہلحدیث ۲۸ر اگست)۔

قارئین کرام جانتے ہیں، کہ سب سے پہلے جب مولوی صاحب نے ہمیں چیلنج دیا، تو اس کے یہ الفاظ تھے:۔

"قادیانی ولاہوری ممبرو! دوسرے موضوعات پر تو آپ لوگوں نے بہت سے مباحثے کئے ہیں۔ اس خاص موضوع پر بھی طبع آزمائی کرلو۔ کہ مرزا صاحب ایک قابل مصنّف بھی تھے یا نہیں"۔ (اہلحدیث ۲۰ر فروری سکہ)۔

اس کے بعد ۳ر اپریل کے پرچہ میں آپ نے "کیا مرزا صاحب ایک قابل مصنّف تھے؟" کے زیر عنوان اپنے اس دعویٰ کی تکرار کی۔ اور لکھا کہ "یہ امر ثابت کرنا ہمارے ذمہ ہوگا کہ مرزا صاحب کوئی بڑے پایہ کے مصنف نہ تھے۔" پھر اسی صفحہ پر آگے چل کر لکھا۔ کہ

"ہم جماعت مرزائیہ کی دونوں صنفوں (قادیانی ہوں یا لاہوری) کو چیلنج کرتے ہوئے اپنے دعویٰ کو دُہراتے ہیں کہ مرزا صاحب ایک قابل مصنّف نہ تھے"۔ پھر ۲۹ر مئی کے "اہلحدیث" میں لکھا کہ "ہم جماعت مرزائیہ کو پُرزور چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ہمارے سامنے آکر اس موضوع پر بحث کریں کہ مرزا صاحب ایک قابل مصنّف تھے یا نہیں"۔

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ مولوی صاحب ابتک جس موضوع پر ہمیں مباحثہ کا چیلنج دیتے رہے، آج سات ماہ کے بعد محض غلط مبحث کے لئے اسمیں حضرت مرزا صاحبؑ کے دعویٰ مجددیت، مہدویت اور مسیحیت وغیرہ کو بھی شامل کر لیا۔ یقیناً ہم اِن موضوعات

پر بحث کے لئے پہلے کی طرح آج بھی مرد میدان ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس طرح خلط بحث ہو جائے گا۔ مولوی صاحب انہیں سے جس موضوع پر چاہیں مناظرہ کا چیلنج دیکر دیکھ لیں لیکن خدارا اس پہلو دار فقرہ بازی کو چھوڑ کر جو موضوع اس وقت زیر بحث ہے، اس پر اپنی توجہ کو مرکوز رکھیں۔

اکھاڑہ بازی کو چھوڑتے ہوئے ہم نے "ریویو" بابت ماہ جولائی میں مناظرہ کا ایک سیدھا سادہ طریق پیش کیا تھا، کہ مولوی صاحب اپنا پرچہ "اہلحدیث" میں شائع کر دیں۔ ہم اسکا جواب "ریویو" میں شائع کر دیں گے۔ اس طریق سے نہ صرف یہ کہ اکھاڑہ بازی نہ ہوگی بلکہ "ریویو" اور "اہلحدیث" کے ناظرین بھی پوری طرح اس سے مستفیض ہو سکیں گے، جن کے سامنے یہ گفتگو شروع ہوئی ہے، اور جو اس سلسلہ کی گذشتہ کڑیوں سے آگاہ ہیں، لیکن مولوی صاحب اس ہر قسم کے جھگڑوں سے پاک طریق فیصلہ کو تسلیم کرنے سے گریز کر گئے . . . (اہلحدیث ۲۴ جولائی)۔ اور عذر یہ کیا، کہ "ریویو" ماہوار رسالہ ہے، وقت بہت لگ جائیگا۔ مولوی صاحب نے اپنی تمام عمر حضرت مرزا صاحبؑ کی تکذیب میں برباد کر دی ہے۔ اب اگر اس سلسلہ میں چند ماہ اور گذر جائیں اور مولوی صاحب کا بقول ان کے ایک جدید دعویٰ ثابت ہو جائے، تو اس کے پیش نظر یہ چند ماہ جو اس سلسلہ میں لگ جائیں گے، زیادہ نہیں۔ اور مباو بات کے طے کرنے میں جو نامعقول طریق مولوی صاحب نے اختیار کئے رکھا ہے، اس کو دیکھا جائے، تو انکے اس عذر کی کچھ بھی حقیقت نہیں رہتی۔ لیکن تاہم انہیں گھر تک پہنچانے کے لئے ہم یہ صورت پیش کرتے ہیں، کہ مولوی صاحب اپنے مضامین "اہلحدیث" میں شائع کر دیں۔ ہم ان کا جواب "الفضل" میں جو روزانہ ہے شائع کر دیں گے۔ یہ طریق ایسا ہے جس میں وہ عذر ٹوٹ جاتا ہے، جو مولوی صاحب نے ہمارے پہلے طریق فیصلہ کو نہ ماننے کے لئے پیش کیا ہے۔ مولوی صاحب سے ہماری درخواست ہے، کہ وہ کجی، بے راہ روی اور پہلو دار فقرہ بازی کو چھوڑ کر اصل موضوع کے اندر رہ کر اس صاف اور سیدھے طریق سے بحث کو

شروع کریں۔ اور خدارا انگریز کا کوئی نیا پہلو تلاش کرنے کی کوشش نہ کریں۔

ایک لاکھ روپے کے انعامات احادیث میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے جو نشانات بتائے گئے ہیں، انہیں سے ایک یہ ہے۔ یُفِیْضُ الْمَالَ حَتّٰی لَا یَقْبَلَہٗ اَحَدٌ۔ جس کا یہ مطلب ہے، کہ مسیح موعود آ کر لوگوں کے روحانی افلاس اور باطنی ناداری کو دُور کرے گا، اور حقائق و معارف کے جواہرات ان کے سامنے رکھے گا، اور علوم حقہ کے موتیوں سے انکی جھولیاں اِس طور پر بھر دے گا، کہ پھر وہ اس کے خواستگار نہ رہیں گے۔ لیکن اس حدیث نبوی کا ایک پہلو اس کے ظاہر سے بھی تعلق رکھتا ہے، جس کے مطابق حدیث کا مفہوم یہ ہے، کہ مسیح موعود کی صداقت کا ایک نشان یہ بھی ہو گا، کہ اس کی سچائی کو ظاہر کرنے کے لئے لوگوں میں بطور انعام خطیر رقمیں لٹائی جائیں گی۔ لیکن انہیں قبول کرنے کی ہمت کسی میں نہ ہو گی۔ چنانچہ سب سے پہلے اِس حدیث کی شوکت اور مسیح موعود کی صداقت کا اظہار جیسا کہ حدیث کے الفاظ ہیں خود حضرت مرزا صاحبؑ کے ہاتھ سے ہؤا۔ اور حضورؑ نے ہزارہا روپیہ کے انعامات کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ اپنی سب سے پہلی کتاب براہین احمدیہ ہی کو دس ہزار روپیہ کے انعام کے ساتھ شائع کیا۔ پھر اس کے بعد اعجاز احمدی کا مقابلہ کرنے میں ایک اَور دس ہزار روپیہ کا انعام مقرر کیا۔ اسی طرح لفظ تَوَفّٰی کی بحث میں فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ فاعل، ذی روح مفعول اور باب تفعّل ہو، تو لفظ توفّی کے معنی سوائے قبض روح کے اَور کچھ نہیں ہوتے۔ اور چیلنج کیا کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید، احادیث رسولؐ یا محاورۂ عرب میں اس کے خلاف ثابت کر دے، تو اسے دس ہزار روپیہ انعام دیا جائیگا غرض اسی طرح بہت سے مواقع پر اس سے کم و بیش رقوم بطور انعام حضورؑ نے پیش کیں۔ لیکن لَا یَقْبَلُہٗ اَحَدٌ کے مطابق کسی میں یہ ہمت نہ ہوئی، کہ ان خطیر رقوم کو لینے کے لئے آگے بڑھتا۔

آپ کے وصال کے بعد اِس رنگ میں حدیث کی صداقت اور حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کی سچائی کے اظہار کی سعادت جس خوش نصیب انسان کو حاصل ہوئی، وہ ہمارے مکرم و محترم سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب آف سکندر آباد ہیں۔ آپ اب تک وقتاً فوقتاً ایک لاکھ روپیہ کے انعامات کا اعلان فرما چکے ہیں کس کس وقت اور کس کس موقعہ پر اور کن اشخاص کے لئے ان انعامات کا اعلان کیا گیا؟ اس کا مفصل تذکرہ خود سیٹھ صاحب موصوف نے ایک رسالہ میں کیا ہے۔ اس رسالہ میں ان انعامات کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) غیر مسلم اقوام کے لئے بیس ہزار روپیہ انعام۔ (۲) اہل اسلام کے لئے بیس ہزار روپیہ انعام۔ (۳) مولوی ثناء اللہ صاحب کے لئے اکیس ہزار روپیہ انعام۔ (۴) مولوی ثناء اللہ صاحب کے ہمخیالوں کے لئے دو ہزار روپیہ انعام۔ (۵) مولوی ثناء اللہ صاحب کے لئے اور گیارہ ہزار روپیہ انعام۔ (۶) انجمن اہل حدیث سکندر آباد کے لئے دو ہزار روپیہ انعام۔ (۷) مولوی محمد علی صاحب امیر غیر مبائعین کیلئے ۲۲ ہزار روپیہ انعام (۸) مولوی محمد علی صاحب کے ہم خیالوں کے لئے دو ہزار روپیہ انعام

بس رسالہ میں ان انعامات کی تفصیل کے علاوہ مندرجہ ذیل عنوانات پر بھی قابل قدر مضامین ہیں۔ (۱) انسان کی پیدائش کی غرض۔ (۲) خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی تمام مخلوق دونوں جہان میں فلاح پائے۔ (۳) ایک ربانی قانون جو دنیا کی تمام اقوام کو مسلّم ہے۔ (۴) اسلام کے پیشتر کے لوگ کس طرح مشرک ہوگئے؟ (۵) جنتی زندگی۔ (۶) مبارک زندگی۔

علاوہ ازیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کا وہ حلف بھی شامل ہے، جس میں حضور نے قسم کھا کر بیان کیا ہے کہ غیر مبائعین کے مقابلہ میں آپ کے عقائد سچے ہیں۔

رسالہ غیر مسلموں، غیر احمدیوں اور غیر مبائعین تینوں کے لئے عمدہ تبلیغی رسالہ ہے۔ دوستوں کو چاہیئے کہ مندرجہ ذیل پتہ سے منگوا کر کثرت سے تقسیم کریں۔

الہ دین بلڈنگس سکندر آباد۔

معذرت ان دنوں کاغذ اسقدر مہنگا ہوگیا ہے، لوگوں نے کتابیں چھاپنا بند کردیا ہے۔ اور کاتب بیچارے بیکار ہو گئے ہیں۔ "ریویو" کے کاتب صاحب جو گذشتہ قریباً

چار سال سے رسالہ کی کتابت کر رہے تھے، بیکاری سے تنگ آکر فوج میں بھرتی ہو گئے ہیں۔ کیونکہ رسالہ کے کام کے سوا اور کوئی قابل ذکر کام ان کے پاس نہ تھا۔ اور اس کی مزدوری اتنی نہ تھی، جو آجکل کے بڑھے ہوئے اخراجات کی کفیل ہو سکتی۔ اس لئے مجبوراً انہیں قلم چھوڑ کر شمشیر ہاتھ میں لینی پڑی۔

ان کے چلے جانے کے بعد ایک دوسرے کاتب کی خدمات حاصل کی ہیں، جو گو اپنے فن میں کافی مہارت رکھتے ہیں، مگر ایک ماہواری رسالہ کا کام ان کے لئے بالکل نیا ہے انہوں نے رسالہ کی پہلی چند کاپیاں اتنے موٹے قلم اور کھلے کھلے خط میں لکھدی ہیں، جو کتابوں اور بالخصوص بچوں کی درسی کتابوں کے لئے زیادہ موزون کہا جا سکتا ہے۔ ابتدائی کاپیوں کا قلم موٹا اور خط کھلا کھلا ہونیکی وجہ سے رسالہ میں اس مرتبہ گنجائش کم رہ گئی، اور ایک مضمون چھپنے سے رہ گیا۔ آخری کاپیوں میں اس نقص کی اصلاح کی کوشش کی گئی ہے۔ امید ہے آیندہ انشاء اللہ کتابت اصلی معیار پر آجائیگی۔ ہم معزز ناظرین سے کتابت کے اس نقص کی معذرت چاہتے ہیں۔ وَالْعُذْرُ عِنْدَ کِرَامِ النَّاسِ مَقْبُوْلٌ ؁

روایات حضرت منشی ظفر احمد صاحب

حضرت منشی ظفر احمد صاحب رضؓ کپورتھلوی سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے اولین صحابہ میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت اقدسؑ کی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات اپنے صاحبزادہ جناب شیخ محمد احمد صاحب وکیل کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کے ارشاد کی تعمیل میں لکھائے تھے۔ یہ مجموعہ اب چھپ گیا ہے قیمت فی نسخہ پانچ آنے ہے۔ یہ ایمان افروز دستاویز ہر احمدی کو ضرور پڑھنی اور اپنے بچوں کو پڑھانی چاہئے۔

ملنے کا پتہ

مینیجر ریویو اُردو۔ قادیان

مکتبہ احمدیہ کی کتابیں

مکتبہ احمدیہ کی معرفت آپ ہندوستان کے ہر مصنف کی کتاب طلب فرما سکتے ہیں۔ اصل قیمت پر مہیا کی جائیگی۔ مکتبہ کی حسب ذیل کتابیں قبولیت عامہ حاصل کر چکی ہیں۔ آپ بھی طلب فرمائیں۔

اسوۂ حسنہ:۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب فاضل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ سو احادیث کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اخلاقی وعلمی و عملی اسباق کا بے نظیر مجموعہ ہے اس کے مطالعہ سے آپ اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کے ہر خد وخال سے واقف ہو سکیں گے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ دنیا کے عظیم الشان مصلح نے کس طرح اپنے پاکیزہ اقوال سے انقلاب پیدا کیا۔ قادیان کے لڑکوں اور لڑکیوں کی درسگاہوں میں یہ کتاب بطور نصاب داخل ہے کیونکہ بچوں کیلئے یہ نہایت مفید ہے۔ ضخامت دو سو صفحات۔ کاغذ۔ کتابت اور طباعت نہایت عمدہ۔ قیمت فی نسخہ ۶؍ تین نسخوں کی قیمت ایک روپیہ۔

گورو گوبند سنگھ صاحب کے بچوں کا قتل:۔ یہ کتاب گیانی واحد حسین صاحب کی تصنیف ہے آجکل سکھوں کے اس الزام کی تردید کی گئی ہے جو وہ سرہند کے مسلمان صوبیدار پر لگاتے ہیں کہ گورو صاحب کے بچوں کو اس نے اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے زندہ دیوار میں چنوا دیا تھا اور اسی ضمن میں وہ حضرت عالمگیر اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ پر بھی تہمت لگاتے ہیں کہ یہ سب کچھ انکی پالیسی کے ماتحت ہوا تھا گیانی صاحب نے اس کتاب میں خود سکھوں کی معتبر کتب سے اس الزام کی نہایت احسن پیرایہ میں تردید کی ہے۔ ملک کے مشہور ادیب مولانا عبدالمجید صاحب سالک ایڈیٹر روزنامہ انقلاب نے اس کا دیباچہ لکھا ہے مختلف اخبارات کے ایڈیٹروں نے اسپر شاندار ریویو کئے ہیں کتاب سکھوں میں بکثرت شائع کرنے کے قابل ہے کیونکہ سکھوں اور مسلمانوں میں اختلاف اور دشمنی کی جو خلیج ایسے الزامات کی وجہ سے حائل ہو گئی ہے اُسے پاٹنے کا یہ بہترین ذریعہ ہے قیمت فی نسخہ ۲؍ ایک روپیہ میں دس نسخے۔

ویدوں میں احمدؐ اور قادیان۔ یہ ایک نہایت عالمانہ مناظرہ ہے جو فاضل سنسکرت و عربی مولانا عبداللہ ناصر الدین صاحب اور آریہ پنڈت ترلوک چند صاحب کے درمیان ہوا۔ موضوع مناظرہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔ قیمت فی نسخہ ۱؍ زیادہ تعداد میں خریدنے والے کو ۱؍ فی نسخہ کے حساب سے دی جائیگی۔ ملنے کا پتہ

مینجر مکتبہ احمدیہ۔ قادیان

تفسیرِ سروری

یعنی

جماعتِ احمدیہ کے مفسرِ قرآن حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کی وہ تفسیر القرآن جو رسالہ ریویو اردو میں چھپتی رہی ہے اور جس میں حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی تفسیر بھی بیان ہوئی ہے۔ اس کی گنتی کی جلدیں برائے فروخت دفتر میں موجود ہیں۔ یہ تفسیر شروع سے آٹھویں پارہ تک کی ہے مگر درحقیقت اس میں سارے قرآن مجید کے مشکل مقامات حل کئے گئے ہیں۔ یہ نہایت عام فہم تفسیر ہے اس کے پڑھنے سے حسب استعداد تفسیر القرآن کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے رسالہ ریویو کے سائز پر اس کے کل دو ہزار صفحے ہیں۔ پہلے اس کی قیمت پندرہ روپے تھی مگر اب بعض فوری ضروریات کی وجہ سے اس کی رعایتی قیمت صرف چھ روپے رکھی گئی ہے۔ آج ہی بذریعہ منی آرڈر بنام مینجر ریویو (اردو) ارسال فرما کر اپنے لئے ایک جلد محفوظ کرا لیں۔ بعد میں یہ بیش بہا خزانہ کسی قیمت پر بھی نہ مل سکے گا۔ مجلد کی قیمت ساڑھے سات روپیہ ہے۔

پیشوایانِ مذاہب نمبر

رسالہ ریویو اردو کے پیشوایانِ مذاہب نمبر کچھ نسخے برائے فروخت موجود ہیں۔ اسمیں مہاتما بدھؑ، کنفیوشسؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت کرشنؑ اور حضرت باوا نانکؒ کی زندگیوں اور تعلیمات پر نہایت محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس رسالہ کو تمام حلقوں میں نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ پانچ آنے کے ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں۔

"ریویو" کے پرانے فائل

رسالہ "ریویو" کے پرانے فائل جن میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایسے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں، جو کسی اور جگہ شائع نہیں ہوئے، قابلِ فروخت ہیں۔ ان فائلوں میں اور بھی بہت سے نہایت قیمتی مضامین ہیں ہر احمدی کو ان کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ قیمت کا فیصلہ بذریعہ خط و کتابت کیجئے۔ مکمل چالیس سال کی جلدیں خریدنے والوں سے خاص رعایت کیجائیگی۔

ملنے کا پتہ:- مینجر رسالہ ریویو اردو قادیان

وصیتیں

نوٹ:۔ وصایا منظوری سے قبل اس لئے شائع کی جاتی ہیں۔ تاکہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو۔ تو دفتر کو اطلاع کردے۔ سکرٹری بہشتی مقبرہ

نمبر ۶۲۶۱:۔ منکہ ناظراں بیگم بنت میاں احمد دین صاحب مرحوم قوم میر عمر ۳۰ سال پیدائشی احمدی محلہ دارالعلوم قادیان بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۹/۴/۴۲ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں میری جائیداد حسب ذیل ہے جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتی ہوں۔ (۱) کڑے طلائی وزنی ۶ تولہ ۵ ماشہ ۱ رتی (۲) چوڑیاں طلائی ۸ عدد وزنی ۷ تولہ ۹ ماشہ ۶ رتی۔ قیمت اندازاً ۱۷۰ روپے۔ (۳) بندی طلائی ایک عدد وزنی ۲ تولہ ۰ ماشہ ۳ رتی قیمت اندازاً ۱۴۲ روپے۔ (۴) نقد جوکہ فی الحال دفتر امور عامہ میں جمع ہے ۵۰۰ روپے (۵) قرضہ جوکہ ترجمہ انگریزی قرآن کریم کے لئے ۱۵۰ روپے دیا ہوا ہے۔ کل مبلغ ۱۲۴۵ روپے۔ اس مندرجہ بالا جائیداد کے علاوہ میری اور کوئی جائیداد نہیں۔ اس جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ نیز میری وفات پر اگر کوئی اور جائیداد مذکورہ جائیداد کے علاوہ ثابت ہو۔ تو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ زیور کی قیمت نرخ کی کمی بیشی کے مطابق کم وبیش ہوگی۔ میرا موجودہ گذارہ یہ ہے کہ میں اپنے بھائی کے پاس رہتی ہوں۔ العبد:۔ ناظرہ بیگم بقلم خود۔ گواہ شد:۔ محمد ابراہیم سب پوسٹماسٹر نوشہرہ حال محلہ دارالعلوم برادر موصیہ۔ گواہ شد:۔ غلام فاطمہ ہمشیرہ موصیہ۔ گواہ شد:۔ محمد مبارک احمد ولد بابو محمد ابراہیم صاحب برادرزادہ موصیہ

نمبر ۶۲۱۳:۔ منکہ عبدالرحمٰن ولد مستری علیم اللہ صاحب قوم کھوکھر پیشہ لوہار عمر ۱۹ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان دارالرحمت بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱/۴/۴۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں میری جائیداد اسوقت کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ میرے والد صاحب بفضل خدا زندہ ہیں۔ میری ماہوار آمد اس وقت ۲۶ روپے ہے۔ میں اپنی ماہوار آمدنی کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں نیز وصیت کرتا ہوں کہ میری وفات پر جو میری جائیداد ثابت ہو۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ عبدالرحمٰن۔ گواہ شد:۔ مستری علیم اللہ والد موصی۔ گواہ شد:۔ عطا محمد محرر صدر انجمن احمدیہ قادیان۔

نمبر ۶۲۵۴:۔ منکہ مستری علی محمد ولد میاں جمال دین صاحب قوم کھوکھر پیشہ لوہارا عمر ۶۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۲۷ء ساکن منڈی وار برٹن ڈاکخانہ خاص ضلع شیخوپورہ بقائمی ہوش وحواس

بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۳/۴ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد کوئی نہیں ہے۔ اس وقت میرا گذارہ صنعت و حرفت پر ہے۔ اس کام میں میری اوسطاً ماہوار آمدنی اسوقت مبلغ پانچ روپے ہے۔ میں اس آمدنی میں سے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں اور اپنی آمد میں سے حصہ وصیت انشاء اللہ ماہ بماہ ادا کرکے رسید حاصل کر لیا کرونگا۔ میرے مرنے کے بعد اگر کوئی میری جائیداد غیر منقولہ ثابت ہو۔ تو اس کے دسویں حصہ کی مالک بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ علی محمد بقلم خود دارالفتوح۔ گواہ شد:۔ (منشی) محمد ابراہیم گواہ شد:۔ محمد شاہزادہ خان مولوی فاضل قادیان۔

نمبر ۶۲۵۶:۔ منکہ شیر علی ولد سیٹھ علی محمد صاحب قوم خوجہ پیشہ تاجر تاریخ بیعت ۱۰ستمبر ۱۹۲۹ء ساکن کلواہ ڈاکخانہ ٹھانہ ضلع بمبئی بقائمی ہوش و حواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۹/۴۲ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اس وقت میرا تجارتی مال ایک ہزار روپیہ کی ہے۔ اور آمدنی ماہوار قریباً یکصد روپیہ ہے۔ میں تازیست اپنی آمدنی ماہوار کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میری وفات کے وقت میرا جسقدر متروکہ ثابت ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ العبد:۔ شیر علی ولد علی محمد۔ گواہ شد:۔ محمد ظفر الاسلام بقلم خود بمبئی۔ گواہ شد:۔ عبد اللطیف بقلم خود۔ گواہ شد:۔ عطر دین بقلم خود

نمبر ۶۲۵۷:۔ محمد اسحٰق ساقی ولد چوہدری احمد الدین صاحب قوم ورک پیشہ طالبعلمی عمر ۲۰سال پیدائشی احمدی ساکن آنبہ ڈاکخانہ ہونیکے ضلع شیخوپورہ بقائمی ہوش و حواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۸/۴۲ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میں بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں۔ کہ اسوقت میری کوئی جائیداد نہیں۔ حصول تعلیم کیلئے مجھے اندازاً تیس روپے سالانہ ملتے ہیں۔ ان کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میری وفات کے وقت جو جائیداد ثابت ہو۔ اسپر بھی اس وصیت کا اطلاق ہوگا۔ جو رقم میں اپنی زندگی میں اپنی جائیداد کے حصہ میں سے داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کروں۔ وہ وصیت کردہ حصہ سے منہا کی جائیگی۔ آئندہ جو جائیداد بناؤنگا۔ اس کی باقاعدہ اطلاع دیتا رہونگا۔ اور اسپر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد:۔ محمد اسحٰق ساقی متعلم جامعہ احمدیہ مولوی فاضل گواہ شد:۔ سید لال شاہ امیر جماعت احمدیہ آنبہ۔ گواہ شد:۔ چوہدری احمد الدین والد موصی نشان انگوٹھا

نمبر ۶۲۵۸:۔ منکہ صادقہ خاتون زوجہ منشی عبد الرزاق صاحب قوم شیخ قریشی عمر ۱۵سال تاریخ بیعت ۱۹۳۶ء ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۳/۴۲ء حسب ذیل وصیت کرتی ہوں

میری اسوقت کوئی جائیداد نہیں۔ اور نہ کوئی زیور ہے۔ میرے خاوند کی طرف سے مجھے دو روپے ماہوار بطور
جیب خرچ ملتا ہے۔ اس کا دسواں حصہ ۳ رپی ماہ بماہ خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں جمع کراتی
رہونگی یکم اگست ۱۹۲۲ء سے جمع کرانا شروع کروں گی۔ اور اگر آج کے بعد کوئی زیور بناؤں یا کوئی
جائیداد خریدوں تو اسکا بھی دسواں حصہ انجمن کے خزانہ میں جمع کراؤنگی۔ اگر میرے مرنے کے وقت میری
کوئی ایسی جائیداد ہو جسکا دسواں حصہ انجمن میں جمع نہ کرایا گیا ہو۔ تو میرے ترکہ میں سے وہ دسواں حصہ
میرے ورثاء انجمن کو ادا کردیں۔ اور میرے خاوند کے ذمہ میرا حق مہر یکصد روپیہ ہے۔ اس کا دسواں حصہ
مبلغ دس روپے میں باقساط جمع خزانہ صدر انجمن احمدیہ کرادونگی۔ الامـــــة :۔ صادقہ خاتون۔
گواہ شد :۔ محمد عبدالرزاق خاوند موصیہ قادیان (معرفت مفتی محمد صادق صاحب) گواہ شد :۔ حکیم عبدالرحیم
محلہ مسجد فضل۔ گواہ شد :۔ (مفتی) محمد صادق۔

نمبر ۶۲۵۹ :۔ منکہ سید داؤد احمد ولد میر محمد اسحٰق صاحب قوم سید پیشہ طالب العلم عمر انیسواں سال
پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش وحواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۹/۴/۱۳ حسب ذیل وصیت کرتا
ہوں میں وصیت کرتا ہوں۔ کہ میری ہر آمد کا دسواں حصہ کی حقدار صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ میں
اقرار کرتا ہوں۔ کہ اپنی آمد کا دسواں حصہ صدر انجمن احمدیہ کے خزانہ میں داخل کراتا رہونگا۔ نیز یہ بھی تحریر
ہے کہ میری اسوقت مبلغ پانصد روپیہ کی زمین ہے۔ جو ضلع آرہ صوبہ بہار میں واقعہ ہے۔ اور جو مجھے
میری والدہ نے ہبہ کی ہے۔ میں وصیت کرتا ہوں کہ میری وفات پر اس زمین کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن
احمدیہ قادیان ہوگی۔ سوائے اس کے کہ میں اپنی زندگی میں کوئی حصہ زر وصیت کا ادا کر جاؤں۔ اس طرح
میں یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ میری وفات پر میری جو جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ بھی ثابت ہوگی صدر انجمن احمدیہ
اس کے دسویں حصہ کے لینے کی حقدار ہوگی۔ العبد :۔ سید داؤد احمد۔ گواہ شد :۔ سید محمد اسحٰق
والد موصی۔ گواہ شد :۔ سید محمد احمد خلف ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب

نمبر ۶۲۶۰ :۔ منکہ پیر خوشی محمد ولد پیر نظام الدین قوم قریشی ہاشمی پیشہ زمینداری عمر [illegible] سال
تاریخ بیعت ۱۹۲۳ء ساکن گوئیکی ضلع گجرات بقائمی ہوش وحواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۹/۱۲/۲ حسب ذیل
وصیت کرتا ہوں۔ میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے۔ اراضی موازی ۵ کنال ۵ مرلہ قسم چاہی و بارانی
واقعہ رقبہ گوئیکی ضلع گجرات ملکیت بلاشراکت غیرے ہے جس کی قیمت قریباً تین سو روپے ہے (۲)
ایک راس گائے قیمتی ۱۶ روپے (۳) ایک راس گھوڑی قیمتی ۲۵ روپے۔ کل جملہ جائیداد ۳۴۱ روپے ہے
جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور حصہ وصیت جائیداد کی رقم

مبلغ ۱۰۳۰ روپے ۴ آنہ ۹ پائی نقد ادا کردی ہے۔ علاوہ ازیں میری کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ نہیں ہے۔ میرے مرنے کے بعد بھی اگر میری کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ نیز تحریر ہے کہ میری ماہوار آمد کوئی نہیں ہے۔ العبد:۔ میاں شیخ محمد بقلم خود گواہ شد:۔ میر بشیر احمد سکرٹری گوبیکی۔ گواہ شد:۔ محمد نور الدین گوبیکی۔

نمبر ۶۲۳۸ :۔ منکہ حفیظہ بی بی زوجہ چوہدری فیض عالم خان صاحب قوم راجپوت پیشہ کاشتکاری عمر ستائیس برس پیدائشی احمدی ساکن چنگا بنگیال ڈاکخانہ خاص ضلع راولپنڈی بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۵ ۵/۲۴ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میرا گذارہ میرے خاوند کی آمد پر ہے میری موجودہ جائیداد یعنی زیورات طلائی ۱۵۰ روپے کے ہیں۔ اور مبلغ تین صد روپیہ میرا مہر ہے جو میرے خاوند کے ذمہ قابل ادا ہے۔ یعنی میں کل مبلغ ۴۵۰ روپے کی مالک ہوں۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ کرتی ہوں۔ اگر کوئی اور منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد میرے مرنے کے وقت ثابت ہو۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ پر یہ وصیت حاوی ہوگی۔ اور اگر کوئی رقم میں اپنی زندگی میں داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ کرا دوں تو وہ رقم میرے مرنے کے بعد میری ثابت شدہ جائیداد سے منہا ہوگی۔ الامۃ:۔ حفیظہ بی بی بقلم خود۔ گواہ شد:۔ چوہدری فیض عالم خان آفس آف سپرنٹنڈنٹ آف انشورنس کنیڈی کاٹیج شملہ خاوند موصیہ۔ گواہ شد:۔ عطاء اللہ احمدی بقلم خود کامرس ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا

نمبر ۶۲۶۱ :۔ منکہ قطب الدین ولد عمرا قوم راعی پیشہ کاشتکاری عمر ۶۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۲۵ء ساکن ہرسیاں ڈاکخانہ دیال گڑھ ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۴ ۶/۲۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اسوقت میری حسب ذیل غیر منقولہ جائیداد ہے۔ دو گھماؤں اراضی چاہی قیمتی ۱۶۰۰ روپے واقع ہرسیاں ہے۔ اس کے علاوہ مبلغ چار صد روپیہ کی اراضی چاہی ۱/۴ ۲ گھماؤں واقع ہرسیاں رہن باقبضہ میرے پاس موجود ہے۔ کل جائیداد کی قیمت مبلغ ۲۰۰۰ روپے ہوئی اس میں میرا بھتیجہ مسمی لال دین احمدی برابر کا حصہ دار ہے۔ اس طرح میرا حصہ ایک ہزار روپیہ ہوا۔ علاوہ ازیں ایک عدد مکان خام قیمتی ۹۰ روپے واقعہ ہرسیاں ہے۔ اس کے ہم تین بھائی حصہ دار ہیں۔ میرے حصہ میں مبلغ ۳۰ روپے آتے ہیں۔ اس طرح کل میری جائیداد ۱۰۳۰ روپے کی ہوئی۔ میں اس کے دسویں حصہ کی وصیت جو مبلغ ۱۰۳ روپے بنتے ہیں بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اس وقت میرا گذارہ اس زمین کی آمد پر ہے۔ میں یہ بھی بشرح صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں کہ اگر مجھے کوئی آمد بصورت ملازمت یا تجارت ہوئی۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کو داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ

قادیان کرتا ہوں۔ نیز اگر میری وفات پر اس کے علاوہ کوئی اور جائیداد ثابت ہو۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں کچھ یا کل رقم خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں داخل کرکے رسید حاصل کرلوں۔ تو وہ رقم میری وصیت سے منہا شدہ سمجھی جائیگی۔ العبد:۔ نشان انگوٹھا میاں قطب الدین ہرسیاں
گواہ شد:۔ بدر دین موصی ہرسیاں۔ گواہ شد:۔ عبدالرحمٰن موصی بی۔ اے۔ ہرسیاں۔

نمبر ۶۲۴۸:۔ منکہ سید اقبال احمد ولد سید ارتضیٰ علی صاحب قوم سید پیشہ طالبعلم عمر ۱۶ سال پیدائشی احمدی ساکن ۵ دریا گنج دہلی بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۹/۵/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ نہیں۔ میری آمدنی ۵ روپے ماہوار جیب خرچ ہے۔ جو مجھے میرے والد صاحب سے ملتا ہے۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میرے مرنے کے بعد جو بھی میری جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ہو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ سید اقبال احمد۔
گواہ شد:۔ سید ارتضیٰ علی والد موصی۔ گواہ شد:۔ منہاج منیر احمد۔

نمبر ۶۱۸۵:۔ منکہ رفیقہ بیگم زوجہ چودھری بشیر احمد صاحب قوم جٹ کاہلوں عمر ۲۲ سال پیدائشی احمدی ساکن چھپور چک ۱۱۷ ڈاکخانہ سانگلا ہل ضلع شیخوپورہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۱/۴/۴۳ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری غیر منقولہ جائیداد اس وقت سات گھماؤں اراضی ہے۔ جس میں سے چار گھماؤں موضع مگرا تحصیل سیالکوٹ اور ۳ گھماؤں موضع چھپور ۱۱۷ سانگلا ہل میں واقعہ ہے۔ میں اس اراضی کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ میری منقولہ جائیداد چھ تولہ سونا اور مبلغ ۵۰۰ روپیہ حق مہر ہے۔ جو میرے خاوند کے ذمہ ہے۔ میں اپنی اس منقولہ جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ میں اپنی غیر منقولہ جائیداد کی سالانہ آمد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اگر کوئی رقم میں اپنی زندگی میں ادا کردوں تو وہ حصہ وصیت سے خارج کردی جائیگی۔ نیز میری وفات پر جس قدر میری جائیداد ثابت ہو۔ اُس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔
العبد:۔ رفیقہ بیگم۔ گواہ شد:۔ بشیر احمد خاوند موصیہ موضع مگرا ڈاکخانہ رسول پور ضلع سیالکوٹ۔ گواہ شد: محمد اکرم خان برادر حقیقی موصیہ موضع چھپور ۱۱۷۔

نمبر ۶۱۸۶:۔ منکہ بشیر احمد حیات ولد بابو محمد عمر حیات صاحب قوم شیخ صدیقی پیشہ طالبعلم عمر ۲۲ سال پیدائشی احمدی ساکن صدر بازار چھاؤنی سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ

آج بتاریخ ۲/۴/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اسوقت کوئی جائیداد نہیں۔ مجھے والد صاحب کی طرف سے دس روپے بطور جیب خرچ ملتے ہیں جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اپنی آمدنی کی کمی بیشی کی اطلاع دفتر بہشتی مقبرہ کو دیتا رہونگا۔ نیز میرے مرنے پر اگر کوئی جائیداد ثابت ہو۔ تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد: بشیر احمد بقلم خود گواہ شد:۔ عبدالرحیم احمدی لونڈی جھنگلاں۔ گواہ شد:۔ علی گوہر دوکاندار قادیان۔

نمبر ۶۲۱۴:۔ منکہ منظور احمد ولد محمد مغل صاحب قوم آرائیں پیشہ ملازمت عمر ۲۰ سال پیدائشی احمدی ساکن کوٹ محمد یار ڈاکخانہ چنیوٹ ضلع جھنگ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲/۴/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اسوقت غیر منقولہ جائیداد نہیں ہے۔ کیونکہ میرے والد صاحب بزرگوار ابھی بفضلِ خدا زندہ ہیں۔ میرا گذارہ اس وقت ماہوار آمد پر ہے۔ جو کہ مبلغ ۳۰ روپے قریباً ماہوار ملتے ہیں۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ اور وعدہ کرتا ہوں کہ انشاءاللہ اس آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ اور میرے مرنے پر جو جائیداد ثابت ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ نیز میں اپنی آمد کے بڑھنے وغیرہ کے متعلق اطلاع دیتا رہوں گا۔ العبد:۔ منظور احمد فٹر گیرژ ع شاپ فیروز پور آرسنل فیروز پور گواہ شد:۔ محمد جمیل خان محاسب صدر انجمن احمدیہ فیروز پور۔ گواہ شد:۔ محمد شجاعت علی انسپکٹر بیت المال

نمبر ۶۲۱۵:۔ منکہ کنیز فاطمہ زوجہ محمد عثمان نور صاحب قوم پٹھان عمر ۱۹ سال پیدائشی احمدی ساکن سمبلپور صوبہ اڑیسہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲/۴/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں اسوقت میری حسب ذیل جائیداد ہے۔ گلوبند طلائی یک، دو ہار طلائی، بندے طلائی ایک جوڑی دست بند طلائی یک جوڑی، انگوٹھی طلائی یک عدد، لونگ طلائی دو عدد، بچھے نقرئی یک جوڑی، پٹی نقرئی یک جوڑی قیمتی اندازاً مبلغ ایک ہزار روپے۔ نیز میرا مہر مبلغ دو ہزار روپیہ جو میرے خاوند کے ذمہ واجب الادا ہے۔ جملہ مبلغ تین ہزار روپیہ کے آٹھویں حصہ کی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتی ہوں۔ میرے مرنے کے وقت میری کل جائیداد کے ۱/۸ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کروں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائیگی۔ الامۃ:۔ کنیز فاطمہ بقلم خود سمبلپور۔ گواہ شد:۔ محمد سلیم مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ نزیل سمبلپور۔ گواہ شد:۔ محمد عثمان نور احمدی سب انسپکٹر پولیس خاوند موصیہ سمبلپور۔

نمبر ۲۱۸۹: منکہ محمد عثمان نور ولد مولوی نور محمد صاحب قوم شیخ پیشہ ملازمت عمر ۲۵ سال تاریخ بیعت انداز ۱۹۳۰ء ساکن ہمبدک حال سمبلپور صوبہ اڑیسہ بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۲۸/۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اسوقت میری کوئی جائیداد نہیں۔ کیونکہ میرے والدین بفضلہ تعالیٰ بقید حیات ہیں۔ (اطال اللہ بقاءھم) البتہ میرا گذارہ اپنی ماہوار آمد پر ہے۔ جو بحالات موجودہ معہ روپے ماہوار ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا دسواں حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میرے مرنے کے وقت میرا جسقدر متروکہ ثابت ہو۔ اُس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد: محمد عثمان نور احمدی سب انسپکٹر سمبلپور صوبہ اڑیسہ۔ گواہ شد: محمد سلیم مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ نزیل سمبلپور۔ گواہ شد: سید مشتاق احمد۔

نمبر ۲۶۵۵: منکہ عبد القدیر ولد مولوی عبد الحق صاحب بد وملہی قوم راجپوت کھمی پیشہ ملازمت فوجی عمر پچیس سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۲۸/۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اسوقت میری منقولہ وغیر منقولہ کوئی جائیداد نہیں ہے۔ صرف اس تنخواہ پر گذارہ ہے جو معہ الاؤنس کلرکی مجھے ملٹری سروس سے ملتا ہے۔ اسوقت اُس کی مقدار ۹۳ روپے ماہوار ہے جس کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اسکے علاوہ میں اقرار کرتا ہوں۔ کہ اپنی زندگی میں اگر میں کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ پیدا کردوں۔ تو اسکے دسویں حصہ کی بھی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان تصور ہوگی۔ اور ماہواری آمدنی یا دیگر جائیداد کے دسویں حصہ کی رقم جو اپنی زندگی میں ادا نہ کرسکوں میرے مرنے کے بعد انجمن مذکور کو میری جائیداد متروکہ سے وصول کرنیکا حق ہوگا۔ میرے ورثاء کو انکار نہیں ہوگا۔ العبد:۔ عبد القدیر معرفت مولوی غلام احمد صاحب تاجر بد وملہی قادیان۔ گواہ شد:۔ غلام حسین لائبریرین۔ گواہ شد:۔ غلام احمد مولوی فاضل بد وملہی۔

سیرت حضرت سید احمد شہیدؒ

"تیرھویں صدی میں جب ایک طرف ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی طاقت فنا ہو رہی تھی، اور دوسری طرف ان میں مشرکانہ رسوم اور بدعات کا زور تھا مولانا اسماعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمد بریلویؒ کی مجاہدانہ کوششوں نے تجدید دین کی نئی تحریک شروع کی۔ یہ وہ وقت تھا جب سارے پنجاب پر سکھوں کا اور باقی ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ ان دو بزرگوں نے اپنی بلند ہمتی سے اسلام کا علم اٹھایا، اور مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی جس کی آواز ہمالیہ کی چوٹیوں اور نیپال کی ترائیوں سے لیکر خلیج بنگال کے کناروں تک یکساں پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق اس علم کے نیچے جمع ہونے لگے۔ اس مجددانہ کارنامہ کی عام تاریخ لوگوں کو یہیں تک معلوم ہے کہ ان مجاہدوں نے سرحد پار ہو کر سکھوں سے مقابلہ کیا اور شہید ہوئے، حالانکہ یہ واقعہ اس کی پوری تاریخ کا صرف ایک باب ہے۔"

حضرت سید احمد شہیدؒ کو مجددین امت میں بہت بلند مقام حاصل ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں اپنی بعثت کے لئے بطور ارہاص قرار دیا ہے۔ اس لئے ہر احمدی کو سید صاحب شہیدؒ کے حالات کا علم ہونا چاہیئے۔ سید ابو الحسن صاحب ندوی نے بہت محنت سے حضرت سید احمد صاحب کی سیرت لکھی ہے۔ حضرت سید اسماعیل صاحب شہیدؒ کے حالات بھی کسی قدر تفصیل سے اس میں آگئے ہیں۔ نوجوانوں کو اپنے ان بزرگوں کے کارنامے پڑھنے کی اس زمانہ میں سخت ضرورت ہے۔ قریباً ۵۰۰ صفحوں کی یہ کتاب عمدہ کاغذ پر اچھی لکھائی چھپائی کیساتھ چار روپے میں ملتی ہے۔ محصولڈاک آٹھ آنے اس کے علاوہ ہوگا۔ مندرجہ ذیل پتہ سے طلب کیجئے۔

مینیجر مکتبۂ احمدیہ قادیان

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز (اردو)

قادیان

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۱	ماہ شوال ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۲ء	عدد ۱۱

فہرست مضامین

سُلطان القلم

(۴)

(از صاحبزادہ عبدالمنان صاحب عمر ایم۔ اے)

گذشتہ تین اشاعتوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر کی دو خوبیوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب اس قسط میں ہم آپکی تحریر کی تیسری خوبی پیش کرتے اور بتاتے ہیں، کہ آپ اُن لکھنے والوں میں سے نہ تھے، جو کبھی کبھار لکھتے ہیں، اور جن کا تحریری سرمایہ بہت قلیل ہوتا ہے۔ اپنی قریباً بتیس سالہ تحریری زندگی میں آپ نے ہزارہا صفحات کا زندہ لٹریچر دنیا کو دیا ہے۔ آپکی تحریری زندگی کا آغاز قریباً ۱۸۷۵ء میں ہوا، جبکہ آپ نے ملک کے مختلف اخبارات و رسائل میں مضامین لکھنا شروع کیا۔ یہ گویا آج سے ستاسٹھ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اُس وقت سے جو آپ کا قلم حرکت میں آیا ہے، تو باوجود کثرت مشاغل اور کمزوری طبیعت آخری دم تک نہ اسکی حرکت منقطع ہوئی اور نہ اسکی زبان خشک۔ آپ کی آخری تحریر وہ ہے، جو ۱۹۰۸ء میں آپ کے قلم سے نکلی ہے، جس میں آپ نے مسلمانوں کی طرف سے اس ملک کی سب سے بڑی اکثریت کو صلح کا پیغام دیا۔ اور یہ آخری کام انجام دے کر اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ اور اس طرح وہ عظیم الشان وجود باوجود حقیقت نگاری کے نقوش رنگا رنگ سے لوحِ ادب کو مسلسل بتیس برس تک تختۂ گلزار بناتا رہا تھا ہم سے جدا ہو گیا۔

اس عرصہ میں آپ نے "پُرانی تحریروں" کو چھوڑ کر "براہین احمدیہ" سے حجت اسلام پوری کی، آریہ دھرم کو للکارا، انکے لئے "شحنۂ حق" تیار کیا، "نسیم دعوت" کے ذریعہ خشک دماغوں کے تر و تازہ اور خارستان کے چمنستان بنانیکا موقعہ پیدا کیا، "فتح اسلام" اور خدا تعالیٰ کی تجلی خاص کی بشارت اور اسکی پیروی کی اہمیت اور اس کی تائید کے طریقوں کیطرف دعوت دی۔ "توضیح مرام" کی، "ازالہ اوہام" فرمایا۔ "آئینہ کمالات اسلام"

تیار کر کے اسلام کی زندہ خوبیوں اور دائمی برکتوں کا چہرہ دکھایا، "برکات الدعا" بتائیں، اپنی "سچائی کا اظہار" کیا، پھر بغداد، گولڑہ اور ندوہ والوں اور عبدالحق غزنوی اور قیصرۂ ہند کے لئے روحانی تحفے تیار کئے، "کرامات الصادقین" ظاہر فرمائیں، "شہادت القرآن" پیش کی، "نور الحق" "ضیاء الحق" اور "نور القرآن" پھیلایا، "سر الخلافہ" بیان کیا، آریوں اور سکھوں کے غلط خیالات کو "ست بچن" سے رد فرمایا، "اسلامی اصول کی فلاسفی" بتائی، عالم پر "حجۃ اللہ" قائم کی، "ضرورت الامام" پیش کی، "نجم الہدیٰ" چمکایا، "راز حقیقت" کھولے، "کشف الغطاء" کیا، "حقیقت المہدی" بیان کی، "نزول المسیح" کی کیفیت بتائی، حضرت مسیح کی سیاحت کے تذکرہ میں بتایا، کہ کس طرح "مسیح ہندوستان میں" پہنچے، "تریاق القلوب" تیار کیا، توبۃ النصوح کرنے والوں کے لئے "کشتی نوح" بنائی "کتاب البریہ" میں اپنے سوانح حیات قلمبند کئے، "سیرت الابدال" لکھی، دو عظیم الشان شیدایان ملت کی شہادتوں پر "تذکرۃ الشہادتین" تحریر کیا، "علامات المقربین" بتلائیں، "تجلیات الٰہیہ" ہویدا کیں، "حقیقۃ الوحی" سپرد قلم کی، "چشمۂ معرفت" کا پتہ دیا، اور برادران وطن کے نام "پیغام صلح" بھیجا۔

قلم پر آپ کے اقتدار کا محض یہ رنگ نہ تھا، کہ ایک زبردست قوت کے ساتھ آپ نے محض کسی ایک مضمون پر اظہار خیال کیا ہو، بلکہ جیسا بیان ہوا، آپ نے اسلام کی صداقت کے دلائل دیئے، قرآن مجید کے فضائل بتلائے، آیات قرآنیہ کی تفسیر لکھی، اسلام کے مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیا، وید اور قرآن کا مقابلہ کیا، وحی و الہام کی حقیقت بیان کی، دعا کی فلاسفی اور ضرورت بتائی، معجزات اور مکاشفات کی کیفیت ظاہر کی، مسیح ناصری کی وفات کے دلائل دئے، اپنے دعاوی کی تشریح کی، پیشگوئیوں کے ثبوت دیئے، دجال و یاجوج و ماجوج اور ذوالقرنین کی ماہیت بتائی، احادیث کا صحیح مرتبہ متعین کیا، زندہ مذہب کی علامتیں بتائیں، مسئلہ تناسخ اور قدامت روح و مادہ کا رد لکھا، علم النفس کے نکات سمجھائے، فلسفۂ زبان بیان کیا، آریوں کو ڈانٹا، عیسائیوں کو جھاڑا، سنجیدہ مزاج والوں کو پسندیدہ خطاب کیا، منہ پھٹ معترضین کو برجستہ جواب دیا، مخلصین کو وعظ و نصیحت سے فائدہ پہنچایا، اور

مخالفین کو برمحل جوابوں سے مبہوت بنا دیا۔ غرض اپنے مخصوص دائرہ میں رہتے ہوئے بحث کے عنوانات میں ایک زبردست تنوع کا ثبوت دیا۔ پھر یہ سب کچھ کسی ایک زبان میں نہیں کیا۔ عربی میں بھی لکھا، فارسی میں بھی لکھا اور اردو میں بھی لکھا۔ پھر نثر میں بھی لکھا اور نظم میں بھی لکھا۔ پھر اردو فارسی عربی نثر اور اردو فارسی عربی نظم دونوں کا ایک زندہ سرمایہ اور گراں قدر ذخیرہ اپنے پیچھے چھوڑا۔ اللہ اللہ! اِس ہمہ گیری کا کیا ٹھکانا ہے۔

قلم پر اقتدار کا ایک اندازہ وہ بھی ہے، جسے انگریزی میں style of writing ex tempore (قلم برداشتہ تحریر) کہتے ہیں۔ یعنی بوقتِ ضرورت بغیر کسی تیاری کے بلا توقف لکھتے جانا۔ یہ ایک بڑی سود مند اور بے بہا خوبی ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کا حصہ وافر عطا ہوا تھا۔ "اسلامی اصول کی فلاسفی" جیسی معرکۃ الآراء کتاب کا مضمون اس طرح قلم برداشتہ اور ایسی تیزی سے لکھا گیا ہے۔ کہ نقل کرنے والے کے لئے اس کا نقل کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ "اعجاز احمدی" کا اعجازی قصیدہ اور اردو مضمون جو دس ہزار روپیہ کے انعام کے وعدہ کے ساتھ شائع ہوا ہے، صرف پانچ دن میں تیار ہو گیا تھا۔ "خطبہ الہامیہ" کا اکثر حصہ اس طرح قلمبند کیا گیا ہے کہ سن ۱۹۰۰ء کی عید الاضحیٰ کے موقعہ پر آپ بغیر کسی پہلی تیاری کے کھڑے ہو گئے، اور عربی زبان میں بولنا شروع کر دیا۔ اِس بے ساختہ تقریر میں قربانی کی حقیقت، مقام معرفت، اپنے دعویٰ کے دلائل اور قرآن مجید کی بعض آیات کے لطیف مطالب پر ایسی روشنی ڈالی گئی ہے، کہ عقل دنگ ہو جاتی اور روح عش عش کرنے لگتی ہے۔ رسالہ "سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب" بھی بہت تیزی سے لکھا گیا ہے۔ اس طرح کہ ڈاک میں اس کے سوالات پہنچے اور آپ نے قلم برداشتہ جوابات تحریر فرمائے۔ حضرت باوا نانک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر بھی جب آپ نے لکھنا شروع کیا ہے، تو مسجد میں قلم لیکر بیٹھ گئے تھے، گو بعد میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی درخواست پر اندر تشریف لے گئے تھے۔ آپ کے قلم برداشتہ لکھنے کا یہ عالم تھا، کہ بسا اوقات اس پر نظر ثانی کا بھی موقعہ نہیں ملتا تھا۔ چنانچہ جن لوگوں نے آپ کی تحریروں کی کتابت کی ہے یا انکی کاپیاں اور پروف دیکھے ہیں انکا بیان ہے کہ حضورؑ اکثر اوقات تیزی سے لکھتے جاتے اور مسودہ برابر دیتے جاتے

مکاتب کے پاس پہنچتا جاتا تھا اور پھر اس پر نظرِ ثانی کا کوئی موقعہ نہیں ملتا تھا۔ آپکی کتابوں مثلاً "تحفہ گولڑویہ" "شہادت القرآن" اور "آئینہ کمالات اسلام" وغیرہ میں جا بجا اس کی شہادت ملتی ہے۔

اوپر گذر چکا ہے کہ آپکی تحریری زندگی کا آغاز قریباً ۱۸۷۵ء میں ہوا تھا۔ اور مئی ۱۹۰۸ء میں آپکی وفات ہوگئی۔ اس طرح اس تینتیس سالہ تحریری زندگی میں آپ نے کم و بیش بارہ ہزار صفحات کا لٹریچر تصنیف کر دیا۔ اس کے ساتھ جب آپکی تقسیم اوقات پر نظر کیجائے تو اقرار کرنا پڑتا ہے، کہ آپ نہایت تیزی کیساتھ تحریر کرنے پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ آپ اُن دنیاوی مصنفین میں سے نہیں تھے، جن کو سوائے خامہ فرسائی کے اور کوئی کام ہی نہیں ہوتا بلکہ آپ تمام نمازیں باقاعدہ مسجد میں ادا فرماتے۔ صبح کے بعد سیر کو جاتے۔ ظہر، عصر اور مغرب کے بعد دعوت و ارشاد کے لئے مجلس میں رونق افروز ہو جاتے۔ باہر سے آنیوالوں کے ساتھ ملاقاتیں کرتے۔ مریضوں کا علاج اور تیمار داری فرماتے۔ علاوہ بریں اس تینتیس سال میں آپکو قریباً انتیس سفر بھی پیش آئے ہیں۔ جن میں دن ہی نہیں بلکہ ہفتے بھی صرف ہوئے ہیں۔ پھر آپکو اُن مقدمات کی جوابدہی کے لئے بھی جانا پڑتا تھا، جو ظالم لوگ محض مذہبی مخالفت کیوجہ سے آپ کے خلاف ناحق دائر کرتے رہتے تھے۔ پھر آپکی طبیعت بھی بہت کمزور تھی۔ دورانِ سر اکثر رہتا تھا اور ذیابیطس کی شکایت بھی بار بار چلی جاتی تھی۔ یہانتک کہ بعض دنوں میں تو آپکو سو سو بار پیشاب کے لئے اٹھنا پڑتا تھا۔ پھر آپ کا میدان تحریر بہت دشوار گذار تھا۔ اِدھر اُدھر سے اقتباس لیکر جمع کر دینا اور بات ہے۔ لیکن اہم علمی موضوع پر قلم اٹھانا اور مضامین عالیہ نادرہ کا دریا بہاتے چلے جانا اور بات۔ اس کے ساتھ اضافہ کیجئے اِس حقیقت کا کہ آپکو مامور الٰہی ہونے کا دعویٰ تھا۔ آپ جانتے تھے کہ میری تحریریں متبعین کے لئے دلیلِ راہ ہیں، اور انہیں لغزش انکو ڈگمگا دینے والی۔ اور یہ بھی بالکل سامنے کی بات تھی کہ میرے منکر مخالفت کے لئے اُدھار کھائے اور کہنیوں تک آستینیں چڑھائے ہوئے ہیں۔ اور مولوی ثناء اللہ جیسوں کی تو زندگیاں ہی خوردہ گیری کے لئے وقف ہو چکی ہیں۔ ان کا عناد تو کتابت اور طباعت کی غلطیوں کو بھی نظر انداز کرنے پر تیار نہیں ہو سکتا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اِن حالات میں تو بڑی سے بڑے مشاق ادیب کا تیز رو اشہب خامہ بھی جولانیاں بھول جاتا اور قدم قدم پر سکندری کھاتا ہے لیکن آپکی تحریر کا عالم یہ رہا ہے کہ آپ کے سرانِ السیر قلم اور نبض کی حرکت باہم دگر بالکل ہمدم و ہم قدم تھا۔ ایسے حالات اور اتنے

مستغرق اشتغال اور طبیعت کی ایسی کمزوری پا سقدر نازک پوزیشن رکھتے ہوئے ایسے اہم موضوعات پر اتنا زبردست تحریری سرمایہ جمع کر دینا قلم پر آپ کے کامل اقتدار کا ایک ایسا جیتا جاگتا ثبوت ہے کہ بڑے سے بڑا دشمن عنید بھی بشرطیکہ جادۂ انصاف سے بالکل ہی معرّا نہ ہوگیا ہو اس سے آنکھیں بند نہیں کرسکتا۔

آپ کی تحریر کی پانچویں خوبی یہ ہے، کہ اسمیں بلا کا زور پایا جاتا ہے۔ گویا آپکی انگلیوں میں بجلی کے تار اُلجھے ہوئے تھے" آپ نے غیر مذہب والوں کے مقابلہ میں ایسی زبردست تحریریں شائع کیں جنہوں نے مذہبی دنیا میں اس سرے سے اُس سرے تک ہلچل پیدا کر دی۔ بقول مرزا حیرت دہلوی آپ کے "قلم میں اسقدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ تمام بلندیٔ ہند میں بھی اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں"۔

بعض تحریریں ایسی ہوتی ہیں، کہ انکو پڑھنے سے کسل پیدا ہو جاتا ہے، اور طبیعت جمائیاں لینے لگتی ہے۔ لیکن آپ کے کلام میں خیالات کی روانی کے ساتھ احساسات کی شدت اور جذبات کا مد و جزر بھی اتنا موجود ہے، کہ پڑھنے والے میں کاہلی اور سستی نہیں بلکہ بیداری اور زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ میتھیو آرنلڈ جسے مصنفین کے نقد و تبصرہ میں بڑی شہرت حاصل ہے۔ لکھتا ہے :-

"The fighting power of soldiers depends upon the tactical skill with which they are handled, and the force of ideas depends upon the way in which the Verbal battalians that represent them are marshalled in the battle-feild of thought."

یعنی سپاہیوں کی جنگجوئی کی طاقتوں کا انحصار اُس چابکدستی اور اُن شاطرانہ چالوں پر ہے جنسے انکو ضبط

میں لکھا جاتا ہے اور فکر و ادراک کا زور اس طور و طریق پر منحصر ہے جس سے انکی قائم مقام الفاظ کی پلٹنیں تخییل کے رزم گاہ میں صف آراء کیجاتی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریروں سے آپ کا اس امر سے اچھی طرح واقف ہونا ظاہر ہوتا ہے، کہ پُرزور خیالات کے ادا کرنے کے لئے الفاظ بھی مناسب ترتیب سے پُرزور بنائے جاسکتے ہیں۔ اور اس امر سے واقف ہونا بھی کسی شے کی ماہیت حاصل کرنے کے لئے ذہن اپنا کام کن امور سے شروع اور ختم کرتا ہے۔ جب آپ کسی خیال کی زیادہ وضاحت کرتے ہیں، تو یہ نہیں ہوتا کہ بعد میں تحریر کی دلچسپی اور زور بجائے بڑھنے کے گھٹنے لگے۔ صفات اور متعلقات جمل کا قاعدہ یہ ہے، کہ گو ان سے مفہوم کی تعیین تو زیادہ وضاحت و صحت سے ہو جاتی ہے، لیکن عموماً اس کے ساتھ ہی کلام کا زور بھی اتنا ہی کم ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے آپکی تحریر کا کمال یہ ہے، کہ اسمیں دونوں امور نہایت خوبی سے پائے جاتے ہیں۔ دیکھئے حقیقت اسلامیہ کے حصول کے ذرائع کو آپ کسقدر پُرزور الفاظ میں ادا فرماتے ہیں:۔

"اگرچہ قرآن کریم نے حقیقتِ اسلامیہ کی تحصیل کے لئے بہت سے وسائل بیان فرمائے ہیں۔ مگر درحقیقت اُن سب کا مآل دو قسم پر ہی جا پڑتا ہے۔ اول یہ کہ خدا تعالیٰ کی ہستی اور اُس کی مالکیتِ تامہ اور اُس کی قدرتِ تامہ اور اُس کی حکومت تامہ اور اُس کے علم تام اور اُس کے حساب تام اور نیز اُس کے واحد لاشریک اور حی قیوم اور حاضر و ناظر، ذوالاقتدار اور ازلی ابدی ہونے میں اور اُس کی تمام قوتوں اور طاقتوں و زمع جلال و کمال کے ساتھ یگانہ ہونے میں پورا پورا یقین آجائے۔ یہاں تک کہ ہر ایک ذرہ اپنے وجود اور اس تمام عالم کے وجود کا اُس کے تصرف اور حکم میں دکھائی دے۔ اور هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ کی تصویر سامنے نظر آجائے۔ اور نقش راسخ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے جلی قلم کے ساتھ دل میں لکھا جائے۔ یہاں تک کہ اُسکی عظمت اور ہیبت اور کبریائی تمام نفسانی جذبات کو اپنی قہری شعاعوں سے مضمحل اور خیرہ کرکے اُنکی جگہ لے لے اور

اپنے قہری حملہ سے نفسانی سلطنت کے تخت کو خاک مذلت میں پھینک دیوے، اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیوے اور اپنے خوفناک دشمنوں سے غفلت کی بنیاد کو گرا دے، اور تکبر کے میناروں کو توڑ دے، اور ظلمت بشری کی حکومتیں وجود انسانی کی دار السلطنت سے بکلی اٹھا دیوے، اور جو جذبات نفس امارہ کے طبیعت انسانی پر حکومت کرتے تھے، اور باعزت سمجھے گئے تھے، انکو ذلیل اور خوار اور ہیچ اور بے مقدار کر کے دکھلا دیوے۔" (آئینہ کمالات اسلام ص ۱۸۰ تا ۱۸۱)

قرآن مجید میں صداقت کا ایک معیار یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ اس سے ظاہر ہے کہ کاذب بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ اگر میں صادق نہیں ہوں تو تباہ و برباد اور ہلاک کر دیا جاؤں۔ لیکن دیکھئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام رسالہ "حقیقت المہدی" کا آغاز کرتے ہوئے کیسے لرزہ براندام کر دینے والے الفاظ میں دعا کرتے ہیں کہ ؎

"اے قدیر و خالقِ ارض و سما — اے رحیم و مہربان و رہنما

اے کہ میداری تو بر دلہا نظر — اے کہ از تو نیست چیزے مستتر

گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر — گر تو دیدہ استی کہ ہستم بد گہر

پارہ پارہ کن منِ بدکار را — شاد کن ایں زمرۂ اغیار را

بر دلِ شاں ابرِ رحمت ہا ببار — ہر مرادِ شاں بفضلِ خود برار

آتش افشاں بر در و دیوارِ من — دشمنم باش و تبہ کن کارِ من

ور مرا از بندگانت یافتی — قبلۂ من آستانت یافتی

در دلِ من آں محبت دیدۂ — کز جہاں آں راز را پوشیدۂ

با من از روئے محبت کار کن — اندکے افشاء آں اسرار کن"

خالی الذہن ہو کر خدا ترسی کے ساتھ غور کرنے کی بات ہے، کہ یہ دعا کیا اس شخص کے منہ سے نکل سکتی ہے جس کو اپنے صادق ہونے پر کامل یقین نہ ہو؟

۵ جون ۱۸۹۳ء کو آپ نے ڈپٹی عبداللہ آتھم عیسائی کے متعلق پیشگوئی شائع فرمائی، اور بتایا، کہ اگر وہ رجوع نہیں کرے گا تو پندرہ ماہ کے اندر ہلاک ہو جائے گا۔ پیشگوئی کے شائع ہوتے ہی آتھم بیحد مرعوب ہؤا، اور اسپر جو سراسیمگی و بدحواسی طاری ہوئی، اسکی کیفیت بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:۔

"مسٹر عبداللہ آتھم نے اپنی مضطربانہ حرکات سے ثابت کر دیا کہ اسنے اس پیشگوئی کو تعظیم کی نظر سے دیکھا، جو الہامی طور پر اسلام کی صداقت کی بنیاد پر کی گئی تھی، اور خدا تعالیٰ کے الہام نے بھی مجھکو یہی خبر دی، کہ ہم نے اُس کے ہم اور غم پر اطلاع پائی یعنی وہ اسلامی پیشگوئی سے خوفناک حالت میں پڑا۔ اور اس پر رعب غالب ہؤا۔ اس نے اپنے افعال سے دکھا دیا، کہ اسلامی پیشگوئی کا کیسا ہولناک اثر اس کے دل پر ہؤا۔ اور کیسے اُس پر گھبراہٹ اور دیوانہ پن اور دل کی حیرت غالب آگئی۔ اور کیسے الہامی پیشگوئی کے رعب نے اس کے دل کو ایک کچلا ہؤا دل بنا دیا۔ یہانتک کہ وہ سخت بے تاب ہؤا۔ اور شہر بشہر اور ہر ایک جگہ ہراساں اور ترساں پھرتا رہا۔ اور اس مصنوعی خدا پر اُسکا توکل نہ رہا، جسکو خیالات کی کجی اور ضلالت کی تاریکی نے الوہیت کی جگہ دے رکھی ہے۔ وہ کتوں سے ڈرا۔ اور سانپوں کا اسکو اندیشہ ہؤا۔ اور اندر کے مکانوں سے بھی اُسکو خوف آیا۔ اُس پر خوف اور وہم اور دلی سوزش کا غلبہ ہؤا۔ اور پیشگوئی کی پوری ہیبت اُسپر طاری ہوئی۔ اور وقوع سے پہلے ہی اسکا اثر اس کو محسوس ہؤا۔ اور بغیر اس کے کہ کوئی امر تسر سے اسکو نکالے آپ ہی ہراساں اور ترساں اور پریشان اور بیتاب ہو کر شہر بشہر بھاگتا پھرا۔ اور خدا نے اس کے دل کا آرام چھین لیا۔ اور وہ پیشگوئی سے سخت متأثر ہو کر سراسیموں اور خوفزدوں کیطرح جا بجا بھٹکتا پھرا۔ اور الہام الٰہی کا رعب اُس کے دل پر ایسا مستولی ہؤا کہ اسکی راتیں ہولناک اور دن بیقراری سے بھر گئے۔ اور حق کی مخالفت کی حالت میں جو جو وحشتیں اور قلق اُس

شخص پروارد ہوتا ہے، جو یقین رکھتا ہے، یا ظن رکھتا ہے، کہ شاید عذاب الٰہی نازل ہو جائے، یہ سب علامتیں اسمیں پائی گئیں، اور وہ عجیب طور پر اپنی بے چینی اور بے آرامی جا بجا ظاہر کرتا رہا۔ اور خدا تعالیٰ نے ایک حیرت ناک خوف اور اندیشہ اس کے دل میں ڈالدیا، کہ ایک بات کا کھٹکا بھی اس کے دل کو صدمہ پہنچاتا رہا۔ اور ایک کتے کے سامنے آنے سے اسکو ملک الموت یاد آیا۔ اور کسی جگہ اس کو چین نہ پڑا۔ اور ایک سخت ویرانے میں اس کے دن گزرے، اور سراسیمگی اور پریشانی اور بیتابی اور بیقراری نے اُس کے دل کو گھیر لیا۔ اور ڈرانے والے خیال رات دن اُس پر غالب رہے۔ اور اُس کے دل کے تصوروں نے عظمتِ اسلامی کو رد نہ کیا، بلکہ قبول کیا۔ اس لئے وہ خدا جو رحیم و کریم اور سزا دینے میں دھیما ہے اور انسان کے دل کے خیالات کو جانچتا اور اس کے تصورات کے موافق اس سے عمل کرتا ہے، اس نے اسکو اس صورت پر نہ پایا، جسمیں فی الفور کامل ہاویہ کی سزا یعنی موت بلا توقف اس پر نازل ہوتی۔ اور ضرور تھا، کہ وہ کامل عذاب اسوقت تک تھما رہے، جبتک کہ وہ بیباکی اور شوخی سے اپنے ہاتھ سے اپنے لئے ہلاکت کے اسباب پیدا کرے۔" (انوار الاسلام صفحہ ۳ تا ۴)

کسی کی دلی بیقراری، بیتابی اور سراسیمگی کی حالت کا اس سے بہتر نقشہ کوئی کیا کھینچ سکیگا؟

کفارہ کے باطل عقیدہ پر کتاب البریہ صفحہ ۲۲ میں آپ فرماتے ہیں:۔

"گناہوں سے بچنے کے لئے اُس نور کی تلاش میں لگنا چاہیئے، جو یقین کی کرار فوجوں کے ساتھ آسمان سے نازل ہوتا اور ہمت بخشتا اور قوت بخشتا اور تمام شبہات کی غلاظتوں کو دھو دیتا اور دل کو صاف کرتا اور خدا کی ہمسائیگی میں انسان کا گھر بنا دیتا ہے۔ پس افسوس ان لوگوں پر کہ بچوں کی طرح گرد و غبار میں کھیلتے اور کوڑیوں پر لیٹتے ہیں۔ اور پھر آرزو کرتے ہیں کہ ہمارے کپڑے سفید رہیں۔ اور حقیقی نور کو تلاش نہیں کرتے، اور پھر چاہتے ہیں کہ ظلمت سے نجات پا جائیں۔"

روابط کی کثرت زورِ کلام میں اکثر مخل ہوا کرتی ہے۔ اور "اور" وغیرہ الفاظ کی زیادتِ استعمال سے عبارت میں پھُس پھُسا پن پیدا ہو جانا ایک عام بات ہے۔ آپ دیکھ لیں کہ اوپر کے دونوں اقتباسوں میں باوجود کثرت سے لفظ "اور" کی تکرار ہوئی ہے، نہ تو کلام کی برگزیدگی میں کوئی فرق آیا ہے، اور نہ زورِ کلام میں کوئی کمی پیدا ہوئی ہے۔ بلکہ اکثر مقام تو ایسے ہیں۔ کہ اگر وہاں سے یہ لفظ حذف کر دیا جائے تو عبارت کو پڑھنے میں طبیعت پر ایک ناگوار بوجھ پڑتا ہے۔ کامیابی کے ساتھ یہ طرزِ تحریر صرف اسی شخص کی تصنیف میں مل سکتی ہے، جس کو قدرت کی طرف سے قلم پر پورا اقتدار عطا کیا گیا ہو۔

ایک جگہ آپ اِس سلسلہ کی ترقیات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"اے تمام لوگو! سُن رکھو کہ یہ اسکی پیشگوئی ہے، جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا۔ اور حجت اور بُرہان کی رو سے سب پر انکو غلبہ بخشیگا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا، جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اِس مذہب اور اِس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالیگا۔ اور ہر ایک جو اِس کے معدوم کرنے کا فکر رکھتا ہے، نامُراد رکھیگا۔ اور یہ غلبہ ہمیشہ رہیگا، یہانتک کہ قیامت آجائے۔......... مسیح موعود کا آسمان سے اترنا محض جھوٹا خیال ہے۔ یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہیں اُترے گا۔ ہمارے سب مخالف جو اَب زندہ موجود ہیں، وہ تمام مریں گے، اور کوئی اُنمیں سے عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھیگا۔ اور پھر انکی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مریگی، اور ان میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھیگا۔ اور پھر اولاد کی اولاد مریگی، اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالیگا، کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گیا، اور دنیا دوسرے رنگ میں آگئی، مگر مریم کا بیٹا عیسیٰ ابتک آسمان سے نہ اترا۔ تب دانشمند یکدفعہ اِس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے، اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰؑ کے

انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑیں گے، اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا، اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا۔ اور کوئی نہیں جو اسکو روک سکے۔" (تذکرۃ الشہادتین صہ ۶۴ و ۶۵)

قطع نظر اس حقیقت کے کہ عین اُس زمانہ میں جبکہ مسلمان آسمان پر نظریں لگائے بیٹھے تھے، اور نواب صدیق حسن خان جیسے مشہور اہل قلم نے بھی یہ لکھدیا تھا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے آسمان سے نزول فرمانے کا یہی زمانہ ہے، آپ نے نہایت سختی سے اس خیال کو رد فرمایا۔ اور اس وقت کہ یہ سلسلہ اپنی ابتدائی کمزوری کے میدان کو دو چار قدم بھی طے نہ کر سکا تھا، پورا پورا یقین ظاہر کرنے والے الفاظ میں اس کی عظیم الشان ترقیات کی بشارت دی۔ یہ موقع سرسری طور پر گذر جانے کا نہیں، بلکہ سنجیدگی کیساتھ ٹھیر کر غور کرنے کا ہے کہ جن الفاظ میں آپ نے اپنی یہ دونوں تحدیاں پیش کی ہیں، وہ کیسے پُر زور، کیسے شاندار اور کیسے واثق یقین سے معمور ہیں۔

اگر سلسلہ اقتباسات کے طویل ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا، تو ہم آپکو دکھاتے، کہ کلام میں زور پیدا ہونے کے طریقے مثلاً کسی لفظ یا جملے کا کلام کے شروع یا آخر میں آنا یا ان کے محل استعمال کا بدل دیا جانا یا الفاظ کا بیان انکی دلالت مطابقی، تضمنی، التزامی میں پایا جانا، یا استفہام اقراری و انکاری کا استعمال میں آنا وغیرہ کس خوبی و خوش اسلوبی سے آپکی تحریروں میں پائے جاتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریروں کے زمانہ کا ادبی پس منظر دیکھنے کے لئے ہمیں اردو زبان کے ایک بہت بڑے نقاد مولوی محمد حسین آزاد کے یہ الفاظ بھی پڑھ لینا چاہئیں :۔

"زبان اردو کے پاس جو سرمایہ ہے، وہ شعرائے ہند کی کمائی ہے، جنہوں نے فارسی کی بدولت اپنی دوکان سجائی ہے۔ اِس سرزمین کی ہوا بگڑی ہوئی ہے۔ جو کچھ ہے وہ اتنا ہی ہے، کہ فارسی کے پروں سے اُڑی۔ لفاظی اور مبالغوں کے زور سے آسمان پر چڑھ گئی۔ اور وہاں سے جو گری تو استعاروں کی تہ میں ڈوب کر غائب ہوگئی۔

"..... ہماری طبع آزمائی کا زور ابتک فقط چند مطالب میں محصور ہے۔ مضامین عاشقانہ، گلگشت مستانہ، نصیبوں کا رونا، امید موہوم پر خوش ہونا۔ اِن محدود دائروں سے ذرا بھی نکلنا چاہیں، تو قدم نہیں اٹھا سکتے۔ یعنی کوئی واقعی سرگذشت یا علمی مطلب یا اخلاقی مضمون کے اظہار پر قادر نہیں۔"

آزاد کا یہ تبصرہ ۱۸۸۰ء کے قریب کی اردو پر ہے۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے، کہ حضرت اقدسؑ کے عہد سے پہلے تک زبان کا جو انداز تھا، اس کے پیش نظر آپکی تحریروں نے اردو ادب میں ایک جدید باب کا اضافہ کیا ہے۔ کیا یہ امر تعجب انگیز اور قابل ستائش نہیں کہ اس زمانہ میں جب کہ سارا زور ایسی رنگین عبارتوں میں لگایا جا رہا تھا، جو تشبیہات و استعارات خیالی سے بھری ہوئی ہوں اور جن کے تمام محاسن کی وسعت صرف الفاظ میں سمٹ کر رہ گئی ہو، اور جس کی کیفیت بقول پروفیسر آزاد یہ ہو، کہ "وہ فارسی کے پروں سے اُڑی، لفاظی اور مبالغوں کے زور سے آسمان پر چڑھ گئی، اور وہاں سے جو گری تو استعاروں کی تہ میں ڈوب کر غائب ہو گئی۔" اِس کے خلاف حضرت اقدسؑ کی تحریریں اشکال سے خالی، ابہام سے پاک اور حشو و زوائد سے معرّا ہیں۔ اور آپ کا اسلوب بیان بے تکلف، سادہ اور آسان نظر آتا ہے۔ اور آپکی تصانیف دیکھ کر صفائی کے ساتھ ظاہر ہو جاتا ہے، کہ جو زبان کسی واقعی سرگذشت یا علمی مطلب یا اخلاقی مضمون کے اظہار پر قادر نہ تھی، وہ جواہر حقائق و معارف کے انبار در انبار سے معمور کر دی گئی ہے۔

آج جبکہ نصف صدی سے زائد زمانہ گذر چکا ہے، ہمارے لئے یہ آسان ہے، کہ ہم زبان و ادب کے رجحانات اور اس کی ارتقائی منازل کا پتہ لگا کر اپنے لئے ایک ہموار اور سادہ راستہ اختیار کر سکیں۔ اور زبان و ادب کے اُن قدیم سانچوں کو ہاتھ نہ لگائیں، جو اب متروک ہو چکے ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ایک دورِ ارتقاء سے گذر رہے تھے، اور اُسوقت ملک میں عام طور پر پسند آنیوالی طرز انشاد کا کوئی چرچا نہ تھا۔ اِس پر بھی آپ کی تحریروں میں یہ دل نشین انداز پایا جانا یقیناً نہایت حیرت انگیز اور قابل تعریف ہے۔

کسی مصنف کو کامیاب بنانے والی ایک یہ چیز بھی ہوتی ہے، کہ وہ جس زبان اور طرزِ ادا میں اپنے خیالات کا اظہار کرے، وہ زیادہ عرصہ تک قائم رہنے والی ہو۔ اوپر ہم نے اردوئے معلّٰی کے ہیرو آزاد کا ذکر کیا ہے۔ باوجود اس کے کہ ادب اردو میں انکا پایہ بہت بلند ہے، جو طرزِ انشاد انہوں نے اختیار کی، اور جس کا رنگ انکی کتاب نیرنگ خیال میں بہت نمایاں ہے، اسمیں زیادہ عرصہ تک زندہ رہنے کی صلاحیت نہیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ جس رنگ کے خلاف انہوں نے اپنی تحریروں میں علم بغاوت بلند کیا تھا، اس کا آخری مظاہرہ خود انکی تحریروں میں نظر آتا ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو طرز اختیار کی، اسکی تازگی، شادابی اور بہار ابد تک قائم ہے۔

"اسلامی اصول کی فلاسفی" کے صفحہ ۸۶ پر آپ فرماتے ہیں :-

"اسلام اور دعائے فاتحہ دنیا میں خدا تک پہنچنے اور حقیقی نجات کا پانی پینے کے لئے یہی ایک اعلیٰ ذریعہ ہے۔ بلکہ یہی ایک ذریعہ ہے، جو قانون قدرت نے انسان کی اعلیٰ ترقی اور وصالِ الٰہی کے لئے مقرر کیا ہے۔ اور وہی خدا کو پاتے ہیں جو اسلام کے مفہوم کی روحانی آگ میں داخل ہوں، اور دعائے فاتحہ میں لگے رہیں۔ اسلام کیا چیز ہے؟ وہی جلتی ہوئی آگ جو ہماری سفلی زندگی کو بھسم کر کے اور ہمارے باطل معبودوں کو جلا کر سچے اور پاک معبود کے آگے ہماری جان اور ہمارے مال اور ہماری آبرو کی قربانی پیش کرتی ہے۔ ایسے چشمہ میں داخل ہو کر ہم ایک نئی زندگی کا پانی پیتے ہیں۔ اور ہماری تمام روحانی قوتیں خدا سے یوں پیوند پکڑتی ہیں، جیسا کہ ایک رشتہ دوسرے رشتہ سے پیوند کیا جاتا ہے۔ بجلی کی آگ کی طرح ایک آگ ہمارے اندر سے نکلتی ہے، اور ایک آگ اوپر سے ہم پر اترتی ہے، ان دونوں شعلوں کے ملنے سے ہماری تمام ہوا و ہوس اور غیر اللہ کی محبت بھسم ہو جاتی ہے، اور ہم اپنی پہلی زندگی سے مر جاتے ہیں۔ اس حالت کا نام قرآن شریف کی رو سے اسلام ہے۔"

آؤ عیسائیو! ادھر آؤ! نورِ حق دیکھو راہِ حق پاؤ
جسقدر خوبیاں ہیں قرآں میں کہیں انجیل میں تو دکھلاؤ

سر پہ خالق ہے اُسکو یاد کرو یونہی مخلوق کو نہ بہکاؤ
کب تلک جھوٹ سے کروگے پیار کچھ تو سچ کو بھی کام فرماؤ
کچھ تو خوفِ خدا کرو لوگو! کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ
عیشِ دُنیا سدا نہیں پیارو اِس جہاں کو بقا نہیں پیارو
یہ تو رہنے کی جا نہیں پیارو کوئی اِسمیں رہا نہیں پیارو

... ...

اے عزیزو! سنو کہ بے قرآں حق کو ملتا نہیں کبھی انساں
جن کو اُس نور کی خبر ہی نہیں ان پہ اس یار کی نظر ہی نہیں

... ...

اُس کے منکر جو بات کہتے ہیں یونہی اک واہیات کہتے ہیں
بات جب ہو کہ میرے پاس آویں میرے منہ پر وہ بات کہہ جاویں
مجھ سے اس دلستاں کا حال سُنیں مجھ سے وہ صورت و جمال سُنیں

آنکھ پھوٹی تو خیر کان سہی
نہ سہی یونہی امتحان سہی،

پہلی تحریر ۱۸۹۶ء کی ہے، اور دوسرا اقتباس براہین احمدیہ حصہ سوم سے لیا گیا ہے۔ گویا اِن تحریروں پر نصف صدی گذرتی ہے۔ لیکن انکی تازگی اور بہار میں کوئی فرق نہیں آیا۔ دیکھنے والی بات یہ ہے، کہ کوئی با اقتدار صاحبِ قلم اگر یہی مضمون آج بیان کرنا چاہے، تو کیا اس کا انداز اس سے کچھ بھی مختلف ہوگا؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر کی ساتویں خوبی یہ ہے، کہ اس کا اپنا خاص رنگ ہے۔ اور آپ اس رنگ کے لئے کسی کے مقلد اور رہین منت نہیں، بلکہ موجد ہیں۔ He was a voice, not an echo. صاحب طرز ہونا

خود بہت بڑا کمال ہے، اور یہ کمال آپکو حاصل تھا۔ آپ کی تحریر صاف پہچانی جاتی ہے۔ فنی ارتقاء کے باوجود اس میں یکسانیت اور ہمواری موجود ہے۔ ہزاروں صفحات کا ادبی ذخیرہ صاف شہادت دیتا ہے، کہ یہ سب ایک باقتدار قلم کا مرہونِ احسان ہے۔ "پرانی تحریریں" اور "براہین احمدیہ" ہو یا "حقیقۃ الوحی" اور "چشمۂ معرفت" ایک صاحب طرز کے انداز کی قدرِ مشترک سب میں موجود ہے حالانکہ تصنیفی لحاظ سے انمیں ربع صدی سے زیادہ کا فاصلہ ہے۔ کسی نبیل نقاد کا ذکر نہیں، آپ کی تحریریں ہزاروں تحریروں کے انبار میں رکھدو، تحریر کا جوہری آپکے جواہر ریزوں کو چھانٹ کر رکھدیگا۔ آج ملک میں ہزاروں لکھنے والے موجود ہیں، لیکن بتلیئے، انمیں سے کتنے ہیں، جن کی شخصیت انکی تحریر میں موجود ہے، جن کو صاحب طرز کہا جا سکتا ہے، اور جو خود اپنے انداز کے موجد اور خود ہی اس کے مجتہد ہیں ✽

پیشوایانِ مذاہب نمبر

رسالہ "ریویو" اردو کے پیشوایانِ مذاہب نمبر کے کچھ نسخے برائے فروخت موجود ہیں۔ اس میں مہاتما بدھ؏۔ کنفیوشس؏۔ حضرت موسیٰ؏۔ حضرت عیسیٰ؏۔ حضرت کرشن؏ اور حضرت بابا نانک رح کی زندگیوں اور تعلیمات پر نہایت محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس رسالہ کو تمام حلقوں میں نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ پانچ آنے کے ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں۔

"ریویو" کے پرانے فائل

رسالہ "ریویو" کے پرانے فائل جن میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایسے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں جو کسی اور جگہ شائع نہیں ہوئے قابلِ فروخت ہیں۔ ان فائلوں میں اور بھی بہت سے نہایت قیمتی مضامین ہیں، ہر احمدی کو ان کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ قیمت کا فیصلہ بذریعہ خط و کتابت کیجئے۔ مکمل ۴۰ سال کی جلدیں رکھنے والوں سے خاص رعایت کی جائیگی

ملنے کا پتہ

مینیجر رسالہ ریویو اردو قادیان

حضرت اُمّ المومنین مدظلہا العالی کی ذُرّیّتِ طیّبہ اور مُصلح موعود

(از ملک محمد عبداللہ صاحب فاضل)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی ایک زبردست اور عظیم الشان علامت آپکی ذرّیّتِ طیّبہ ہے۔ آپکی کتب، الہامات اور دعاؤں سے یہ امر بڑی وضاحت سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی اولاد کے لئے خاص طور پر اور کثرت سے دعائیں کی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کو قبولیت کا شرف بخشتے ہوئے آپکی اولاد کے متعلق بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں، اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ خوشخبری دی ہے، کہ آپ کی اولاد خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں کو پورا کرنے والی اور دنیا میں الٰہی نور اور ہدایت کو پھیلانے کا موجب ہوگی۔ اسلام اور احمدیت کی شان و شوکت ان کے ذریعہ سے دنیا میں قائم ہوگی۔ اور شوکتِ اسلام کی وہ پیشگوئیاں جو آپ کے ذریعہ سے ظاہر کیگئی ہیں، وہ اس مُبشّر اولاد کے ذریعہ سے پوری ہوکر دنیا کے کناروں تک شہرت پذیر ہونگی۔ اور حضرت اُمّ المومنین ایدّھا اللہ تعالیٰ کے بطن سے ہونے والی اولاد کو یہ فخر اور شرف حاصل ہوگا، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے الہامات اور پیشگوئیوں کا مصداق ہوگی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس بیج کی تخم ریزی کی ہے، اس کی آبیاری اس مبشّر اولاد کے ذریعہ ہوگی اور یہ بیج دنیا میں ہر سُو بڑھیگا اور پھیلے اور پھولیگا اور ایک جہان اس کے شیریں اثمار سے مستفید و متمتع ہوگا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا، کہ میری نسل میں سے ایک بڑی بنیاد حمایتِ اسلام کی ڈالیگا۔ اور اسمیں سے وہ شخص پیدا کریگا، جو آسمانی روح اپنے اندر رکھتا ہوگا۔ اس لئے اسنے

پسند کیا کہ اس خاندان کی لڑکی میرے نکاح میں لاوے اور اس سے وہ اولاد پیدا کرے جو اُن نوروں کو جن کی میرے ہاتھ سے تخم ریزی ہوئی ہے دنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلاوے۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح سادات کی دادی کا نام شہربانو تھا، اسی طرح میری یہ بیوی جو آیندہ خاندان کی ماں ہوگی، اُس کا نام نصرت جہاں بیگم ہے۔ یہ تفاؤل کے طور پر اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے تمام جہان کی مدد کے لئے میرے آیندہ خاندان کی بنیاد ڈالی ہے۔" (تریاق القلوب صفحہ ۶۴، ۶۵)

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر اُشْكُرْ نِعْمَتِيْ رَأَيْتَ خَدِيْجَتِيْ کے الہام کا ترجمہ اور تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"میرا شکر کر کہ تو نے میری خدیجہ کو پایا۔ یہ ایک بشارت کئی سال پہلے اس نکاح کی طرف تھی جو سادات کے گھر میں دہلی میں ہوا جس سے بفضلہ تعالیٰ چار لڑکے پیدا ہوئے۔ اور خدیجہ اس لئے میری بیوی کا نام رکھا، کہ وہ ایک مبارک نسل کی ماں ہے۔ جیسا کہ اس جگہ بھی مبارک نسل کا وعدہ تھا۔ اور نیز یہ اس طرف اشارہ تھا کہ وہ بیوی سادات کی قوم میں سے ہوگی۔"

(نزول المسیح صفحہ ۱۴۶)

ان بشارتوں سے ظاہر ہے کہ حضرت ام المومنین ایدہا اللہ تعالیٰ وہ مبارک وجود ہیں، جن کی اولاد کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کر رکھا تھا، کہ وہ ایک مبارک نسل ہوگی، جس کے ذریعہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی لائی ہوئی تعلیم اور ہدایت دنیا میں قائم ہوگی۔ اور یہ ساری اولاد اللہ تعالیٰ کی پیشگوئیوں کے ماتحت ہونے والی ہے۔ اور اس کے فضلوں کے زیر سایہ تربیت حاصل کرنے والی ہے۔ اور اس بشیر اولاد میں سے بھی ایک لڑکا ایسا ہوگا جو خاص طور پر موعود ہے۔ وہ حسن و احسان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نظیر ہوگا اور روحانیت کے لحاظ سے الٰہی نور اور جلال کا مظہر ہوگا۔ قومیں اس کے ظہور سے برکت حاصل کریں گی۔ اور بیمار اور حاجتمند اُس کے انفاس قدسیہ سے تسکین حاصل کریں گے۔ اس بے مثل انسان کی بشارت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :۔

"سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملیگا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہوگا۔ ..... اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئیگا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئیگا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کریگا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم۔ اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ اور وہ تین کو چار کرنیوالا ہوگا۔ (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند۔ گرامی ارجمند۔ مظہر الاوّل والآخر۔ مظہر الحق والعلاء کَاَنَّ اللہَ نَزَلَ مِنَ السَّماء۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور۔ جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے۔ اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائینگی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا"۔ (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء و تذکرہ صفحہ ۱۴۱ و صفحہ ۱۴۲)

پسر موعود کی اس پیشگوئی کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی دیگر تصانیف میں بھی متعدد مقامات پر کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:-

(الف) "ایک اولوالعزم پیدا ہوگا۔ وہ حسن اور احسان میں تیرا نظیر ہوگا، وہ تیری ہی نسل سے ہوگا۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مظہر الحق والعلاء کَاَنَّ اللہَ نَزَلَ مِنَ السَّماء۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۶۳۵)

(ب) "خدا نے مجھے وعدہ دیا ہے، کہ تیری برکات کا دوبارہ نور ظاہر کرنے کے لئے تجھ سے ہی اور تیری ہی نسل میں سے ایک شخص کھڑا کیا جائے گا جس میں روح القدس کی برکات پھونکوں گا۔ وہ پاک باطن اور خدا سے نہایت پاک تعلق رکھنے والا ہوگا۔ اور مظہر الحق و

العلاء ہوگا۔ گویا خدا آسمان سے نازل ہوا۔" (تحفہ گولڑویہ ص۱۷۱)

اللہ تعالیٰ کی ان بشارتوں میں وضاحت سے یہ ذکر موجود ہے، کہ مصلح موعود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اِس اولاد میں سے ہوگا، جو حضرت ام المومنین مدظلہا العالی میں سے ہے۔ لیکن غیر مبایعین اور بعض دیگر معاندین باوجود اسقدر وضاحت اور صراحت کے اِس امر سے انکار کرتے ہیں، اور جب سے اِن لوگوں نے خلافتِ احمدیہ سے روگردانی کی ہے، اور جماعت احمدیہ کے مرکز سے اپنے تعلقات کو منقطع کیا ہے، وہ اِس ناکام کوشش میں مصروف ہیں، کہ مصلح موعود حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی موجودہ بشری اولاد میں سے نہیں ہوگا، بلکہ آیندہ کسی زمانہ میں اسکا آنا مقدر ہے۔ لیکن اِن کا یہ باطل قیاس نفس پیشگوئی، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمان اور حقیقت الامر سے بہت دُور ہے۔ کیونکہ پیشگوئی کے الفاظ پکار پکار کر یہ کہہ رہے ہیں، کہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صلبی اولاد کا ذکر ہے۔ اور اس میں سے مصلح موعود کا ہونا ضروری ہے۔" ایک وجیہ اور پاک لڑکا تیرے ہی تخم اور تیری ہی ذریت سے فرزند دلبند گرامی ارجمند" کے الفاظ کسقدر واضح اور بیّن ہیں۔ اِن الفاظ کی موجودگی میں پسر موعود کو کسی آیندہ نسل سے قرار دینا بالکل خلافِ عقل ہے۔

علاوہ ازیں بہت سے دیگر حوالجات اور قرائن ایسے موجود ہیں، جو اِس امر کی وضاحت کرتے ہیں، کہ یہ پسر موعود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صلبی اولاد سے ہی ہے۔ اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اِس کے پورے پورے مصداق ہیں۔ لیکن مضمون کی طوالت کے خوف سے میں چند ایک حوالجات ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام صاحبزادہ مرزا مبارک احمدؓ کی وفات پر فرماتے ہیں:۔

"بذریعہ الہام صاف طور پر کھل گیا، کہ یہ سب عبارتیں پسر متوفّٰی کے حق میں ہیں۔ اور مصلح موعود کے حق میں جو پیشگوئی ہے وہ اس عبارت سے شروع ہوتی ہے کہ "اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئیگا۔" پس مصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا ہے اور نیز دوسرا نام اسکا محمود اور تیسرا نام اسکا بشیر ثانی بھی ہے۔ اور ایک الہام میں

اس کا نام فضل عمر ظاہر کیا گیا ہے۔ اور ضرور تھا کہ اس کا آنا معرض التواء میں رہتا جب تک یہ بشیر جو فوت ہو گیا ہے، پیدا ہو کر پھر واپس اٹھایا جاتا۔ کیونکہ یہ سب امور حکمت الٰہیہ نے اس کے قدموں کے نیچے رکھے تھے۔ اور بشیر اول جو فوت ہو گیا ہے وہ بشیر ثانی کے لئے بطور ارہاص تھا۔" (سبز اشتہار ص۲۱ حاشیہ)

پھر آپ فرماتے ہیں :۔

"الہام نے پیش از وقوع دو لڑکوں کا پیدا ہونا ظاہر کیا..... سو مطابق پہلی پیشگوئی کے ایک لڑکا پیدا ہو گیا اور فوت بھی ہو گیا۔ اور دوسرا لڑکا جسکی نسبت الہام نے بیان کیا کہ دوسرا بشیر دیا جائیگا جس کا دوسرا نام محمود ہے وہ اگرچہ ابتک جو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا، مگر خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہو گا۔ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔" (سبز اشتہار)

ان ہر دو اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے، کہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی بشارت میں دو لڑکوں کی پیدائش کی پیشگوئی تھی۔ ایک بشیر اول کی جو فوت ہو گیا۔ اور دوسری بشیر ثانی یعنی حضرت مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی جو مصلح موعود ہیں۔ اور حضرت اقدس کے الفاظ کہ "الہام نے پیش از وقوع دو لڑکوں کا پیدا ہونا ظاہر کیا" صاف طور پر بتلاتے ہیں، کہ پسر متوفّٰی اور مصلح موعود دونوں حضور کے صلبی لڑکے ہیں۔ انمیں قطعاً کوئی تمیز اور تفریق نہیں کیگئی۔ بلکہ "دو لڑکوں" کا لفظ بڑے زور کے ساتھ اس امر کو ثابت کر رہا ہے کہ جس طرح پسر متوفّٰی حضرت مسیح موعودؑ کا صلبی فرزند ہے اسی طرح مصلح موعود آپ کا صلبی فرزند ہونا چاہیئے۔

(۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پسر موعود کے لئے نو برس کی میعاد مقرر فرمائی، کہ نو سال کے اندر اندر یہ لڑکا ضرور پیدا ہو گا۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں :۔

"ہم جانتے ہیں کہ ایسا لڑکا بموجب وعدۂ الٰہی نو سال کے عرصہ تک ضرور پیدا ہو گا خواہ جلد ہو خواہ دیر سے۔ بہرحال اس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائیگا۔" (اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء)

پھر فرمایا :-

" جن صفاتِ خاصہ کے ساتھ لڑکے کی بشارت دی گئی ہے کسی لمبی میعاد سے گو نو برس سے بھی دو چند ہوتی۔ اس کی عظمت اور شان میں کچھ فرق نہیں آسکتا۔" (اشتہار ۸ اپریل ۱۸۸۶ء)

مصلح موعود کے لئے نو برس کی میعاد کا تقرر اس بات کا قطعی ثبوت ہے، کہ یہ لڑکا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد سے ہوگا۔ اور فروری ۱۸۸۶ء سے نو سال کی میعاد کے اندر اندر اس کی پیدائش کا ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ ورنہ پیشگوئی نعوذ باللہ غلط ٹھہرتی ہے۔

(۳) حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے ایک مکتوب میں جو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا، تحریر فرماتے ہیں :-

" شاید چار ماہ کا عرصہ ہوا، کہ اس عاجز پر ظاہر کیا گیا تھا، کہ ایک فرزند قوی الطاقتین کامل الظاہر والباطن تم کو عطا کیا جائے گا۔ سو اس کا نام بشیر ہوگا۔ ابتک میرا قیاسی طور پر خیال تھا کہ شاید وہ فرزند مبارک اس اہلیہ سے ہوگا۔ اب زیادہ تر الہام اس باب میں ہو رہے ہیں، کہ عنقریب ایک اور نکاح تمہیں کرنا پڑے گا۔ اور جناب الٰہی میں یہ بات قرار پاچکی ہے، کہ ایک پارسا طبع اور نیک سیرت اہلیہ تمہیں عطا ہوگی۔ وہ صاحب اولاد ہوگی۔ اسمیں تعجب کی بات یہ ہے کہ جب الہام ہوا تو ایک کشفی عالم میں چار پھل مجھ کو دیئے گئے۔ تین ان میں سے تو آم کے تھے، مگر ایک پھل سبز رنگ کا بہت بڑا تھا وہ اس جہان کے پھلوں سے مشابہ نہیں تھا۔ اگرچہ ابھی یہ الہامی بات نہیں، مگر میرے دل میں پڑا ہے کہ وہ پھل جو اس جہان کے پھلوں میں سے نہیں ہے، وہی مبارک لڑکا ہے۔ کیونکہ کچھ شک نہیں کہ پھلوں سے مراد اولاد ہے۔ اور جبکہ ایک پارسا طبع اہلیہ کی بشارت دی گئی۔ اور ساتھ ہی کشفی طور پر چار پھل دیئے گئے جن میں سے ایک پھل الگ وضع کا ہے تو یہی سمجھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔" (مکتوبات جلد پنجم نمبر ۲ و تذکرہ صفحہ ۱۴۹)

یہ عبارت جس قدر واضح اور روشن ہے وہ کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ کوئی پہلو بھی استفسار کا

باقی نہیں رہا کیونکہ اسمیں صاف طور پر بیان کر دیا گیا ہے، کہ ایک فرزند قوی الطاقتین وکامل الظاہر والباطن ہوگا۔ اور وہ دوسری بیوی یعنی حضرت ام المومنین ایدہا اللہ سے ہوگا۔ اور پھر اس فرزند کی تشبیہ ایک ایسے پھل سے بیان کی گئی ہے جو سبز رنگ کا ہے اور دوسرے پھلوں سے بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کشف کے ذریعہ سے یہ بتا دیا کہ حضرت ام المومنین ایدہا اللہ کے آپ کے چار فرزند ہونگے۔ اور انمیں سے بڑا فرزند کامل الظاہر والباطن اور پسر موعود ہوگا جس سے ظاہر ہے کہ اس سے مراد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی کی ذات والا صفات ہے کیونکہ آپ حضرت ام المومنین سے ہونے والی اولاد میں سب سے بڑے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپکو ان تمام صفات سے متصف فرمایا ہے، جو مصلح موعود کے لئے قبل از وقت الہام الٰہی میں بیان کی گئی تھیں اور پھر سب سے بڑھ کر ایک نمایاں علامت یہ ہے کہ جس طرح اس کشف میں آپکو ایک سبز رنگ کے بڑے پھل کے ساتھ تشبیہ دیگئی تھی، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپکی پیدائش کی پیشگوئی سبز رنگ کے اوراق پر شائع فرمائی، اور اس کا نام "سبز اشتہار" قرار دیا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"میرا پہلا لڑکا جو زندہ موجود ہے جس کا نام محمود ہے، ابھی وہ پیدا نہیں ہوا تھا جو مجھے کشفی طور پر اس کے پیدا ہونے کی خبر دی گئی۔ اور میں نے مسجد کی دیوار پر اس کا نام لکھا ہوا پایا کہ **محمود**۔ تب میں نے اس پیشگوئی کے شائع کرنے کے لئے **سبز رنگ** کے ورقوں پر ایک اشتہار چھاپا جس کی تاریخ اشاعت یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے۔"

(تریاق القلوب صفحہ ۴۰)

پھر فرماتے ہیں:۔

"سبز اشتہار میں صریح لفظوں میں بلا توقف لڑکا پیدا ہونے کا وعدہ تھا۔ سو محمود پیدا ہوگیا۔ کسقدر یہ پیشگوئی عظیم الشان ہے۔ اگر خدا کا خوف ہے تو پاک دل کے ساتھ سوچو۔"

(حاشیہ سراج منیر صفحہ ۳۱)

واقعی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمان کے مطابق اگر انسان خدا کا خوف رکھتے ہوئے

پاکیزہ دل سے اس پیشگوئی پر غور کرے، تو اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ مصلح موعود حضرت اقدس علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا ضروری ہے۔ اور خدا کے وعدہ اور الہام کے ماتحت حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ ہی وہ مصلح موعود ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایک کشف کے ذریعہ سبز پھل سے تشبیہ دی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی پیدائش سے قبل آپکی بشارت سبز اشتہار کے رنگ میں شائع فرمائی۔ اور پھر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے حالات اور واقعات نے بھی اس بات کو روز روشن کیطرح واضح کر دیا ہے، کہ آپ کا وجود باجود ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہے، اور اس پیشگوئی کی تمام علامتیں نمایاں طور پر آپ کے ذریعہ سے پوری ہو رہی ہیں پس ایک طرف اگر خدا تعالیٰ کی پیشگوئی نے اس امر کو واضح کر دیا تھا، کہ مصلح موعود حضرت ام المومنین ایدہا اللہ کی اولاد میں سے بڑا لڑکا ہوگا، تو دوسری طرف واقعات اور حالات نے اس امر کی تصدیق کر دی، کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ہی اس پیشگوئی کے پورے پورے مصداق اور مصلح موعود ہیں۔ اس پیشگوئی کی تمام صفات آپ میں موجود ہیں۔ اور جن حالات اور واقعات کی اسمیں خبر دی گئی تھی وہ سب اپنے اپنے وقت پر پورے ہو رہے ہیں۔ الغرض "جب پیشگوئی ظہور میں آجائے اور اپنے ظہور سے اپنے معنے آپ کھولدے اور ان معنوں کو پیشگوئی کے الفاظ کے آگے رکھ کر بدیہی طور پر معلوم ہو کہ وہی بھی ہیں تو پھر اسمیں نکتہ چینی کرنا ایمانداری نہیں ہے۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ پنجم صـ۲۰۸) ؎

روایات حضرت منشی ظفر احمد صاحب

حضرت منشی ظفر احمد صاحب رضی کپورتھلوی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اوّلین صحابہ میں سے تھے انہوں نے حضرت اقدس کی زندگی کے چشم دید واقعات اپنے صاحبزادہ جناب شیخ محمد احمد صاحب وکیل کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل میں لکھائے تھے۔ مجموعہ اب چھپ گیا ہے قیمت فی نسخہ ۸ھر ہے، یہ ایمان افروز روایات ہر احمدی کو ضرور پڑھنی اور اپنے بچوں کو پڑھانی چاہئیں۔

ملنے کا پتہ۔ مینجر ریویو اردو قادیان

ذکرِ حبیبؑ

میری قبولِ احمدیت کی سرگذشت

روایات جناب سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب تاجر بمبئی

(بتوسط صیغہ تالیف و تصنیف)

میرا نام اسمٰعیل ہے۔ میرے والد کا نام آدم تھا۔ میری عمر اسوقت ۷۱ سال ہے۔ میری پیدائش بمبئی میں اپریل سنہ ۱۸۷۱ء میں ہوئی۔ میری تعلیم اردو، فارسی، گجراتی اور تھوڑی سی انگریزی کی ۱۸۸۶ء تک ہوتی رہی۔ ۱۸۸۸ء میں میں نے ایک تاجر کے پاس ملازمت اختیار کی۔ گجراتی اخبار "بمبئی سماچار" کا میں ہمیشہ خریدار رہا اور اب تک ہوں۔ "پیسہ اخبار" لاہور کا سنہ ۱۸۹۱ء سے خریدار تھا۔ سنہ ۱۸۹۴ء میں رمضان میں کسوف و خسوف ہوا تھا۔ اس کے متعلق مضامین "پیسہ اخبار" میں شائع ہوتے تھے۔ جن میں ایک مدعی مہدویت مرزا غلام احمدؑ کا نام آتا تھا۔ مضامین لکھنے والے تمسخر و استہزاء کرتے تھے۔

میری مذہبی زندگی کچھ بھی نہیں تھی۔ کیونکہ میں کچھی میمن قوم کا فرد تھا، جو ایک تاجر قوم تھی، اور اب تک ہے، اگرچہ آج انکی تجارت نہایت پستی کی حالت میں ہوگئی ہے۔ اس زمانہ میں ہماری قوم بمبئی کے تاجروں میں اول نمبر پر تھی۔ نماز روزہ اور دیگر اسلامی احکام میں بڑے بوڑھے تو چست تھے، مگر نوجوان طبقہ مذہب سے بالکل کورا بلکہ اوباش تھا۔ میں بھی اسی نوجوان طبقہ میں سے تھا۔ میری عمر ۲۰-۲۱ سال تھی، جب میں "پیسہ اخبار" میں مولوی صاحبان کے مضامین پڑھتا تھا۔ وہ لکھتے تھے کہ حدیث شریف میں مہدی کا یہ نشان تو بتایا گیا ہے، کہ اس کے زمانہ میں رمضان میں چاند اور سورج کو گرہن لگے گا مگر چاند کو پہلی رات اور سورج کو پندرھویں تاریخ گرہن لگنا چاہیئے۔ چونکہ میری تعلیم اردو فارسی گجراتی اور انگریزی سکولوں میں ہوئی تھی، اور ہم کو تعلیمی نصاب میں یہ پڑھایا گیا تھا، کہ چاند گرہن اور سورج گرہن کس طرح ہوتے ہیں، اس وجہ سے ذہن حضرت مرزا صاحبؑ کی تصدیق کیطرف جاتا تھا۔ اور مولوی صاحبان کے جو مضامین

آتے تھے، انہیں پڑھ کر ہنسی آتی تھی۔ مگر پھر بھی بے پرواہی جاری رہی۔ میں سوچتا تھا، ہم کو کیا ضرورت ہے کہ اس شخص کو مانیں، کیونکہ ہماری قوم کا ہر فرد پیر کے ہاتھ پر بیعت کرتا تھا، اور یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ ہم سے اعمال کی پرسش نہیں ہوگی۔ جس پیر کے ہاتھ پر ہم بیعت کر چکے ہیں، قیامت کے دن اس کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہوں گے، اور خدا تعالیٰ سے سوال جواب پیر ہی کرے گا، اور ہم کو سیدھا جنت میں دھکا دیا جائے گا۔ لیکن اس کے ساتھ دل میں یہ خیال بھی آتا تھا، کہ میں نے خود ابھی تک کسی پیر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ہے۔

والد صاحب کی زندگی میں جب میری عمر چودہ پندرہ سال کی تھی، میں نے ان کے پیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ آخر میں نے دل کی تڑپ سے والد صاحب کے پیر کو جن کا نام شاید رشید الدین تھا، اور جو پیر سائیں جھنڈے والے کہلاتے تھے، اور جن کی عمر ۱۸۹۵ء میں ساٹھ ستر سال کی تھی فارسی میں خط لکھا، کہ یہ شخص مرزا غلام احمدؐ مدعی مسیحیت و مجددیت کون ہے؟ اس کے متعلق آپ ہم کو مشورہ دیں۔ اگر وہ سچا ہے، اور آپ نے ہماری رہنمائی نہ کی، یا وہ جھوٹا ہے اور آپ نے ہم کو اس کے پھندے سے نہ چھڑایا، تو قیامت کے دن ہم آپکو ذمہ دار ٹھیرائینگے۔ میرے والد آپ کے مرید تھے، اور میں نے ابتک کسی کی بیعت نہیں کی ہے، ہم تو دنیا دار اور اندھے ہیں۔ آپ ولی اللہ اور صاحب کرامات ہیں۔ آپ سچی گواہی دیں۔ ان کا جواب آیا، کہ ہم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے تین دفعہ خبر دی گئی ہے کہ یہ شخص سچا ہے۔ ہمارے سلسلہ کا دستور ہے، کہ مغرب اور عشاء کے درمیان ہم اور ہمارے مرید حلقہ میں بیٹھ کر ذکر الٰہی کیا کرتے ہیں۔ ایک دفعہ اس حالت میں ہم نے دیکھا، کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ اور یہ کشفی حالت تھی، یعنی ذکر اللہ بھی جاری تھا، جاگتے بھی تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ میں نے پوچھا، یا رسول اللہ یہ شخص کون ہے؟ سچا ہے یا جھوٹا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا، کہ از ما ست۔ یعنی ہم میں سے ہے۔ پھر ہمارے سلسلہ کا دستور ہے، کہ بعد از نماز عشاء ہم کسی سے کلام نہیں کرتے، اور سو جاتے ہیں۔ ایک دن ہم نے خواب میں آنحضرت صلعم کو دیکھا، اور پوچھا کہ یہ شخص دعویٰ میں بہت بلند ہو گیا ہے، ہم کیا کریں؟

تو آپ نے فرمایا کہ در عشقِ ما دیوانہ شُد است۔ یعنی ہمارے عشق میں دیوانہ ہوگیا ہے۔ اِنکے سلسلہ کا
تیسرا دستور یہ ہے کہ پچھلی رات تہجد کی نماز پڑھ کر ذرا لیٹ جاتے ہیں۔ ایک دفعہ اسحالت میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہُوا، تو ہم نے آپؐ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہؐ! اس شخص پر
کفر کے فتوے مسلمانوں کیطرف سے شائع ہوگئے ہیں۔ ہم کیا کریں؟ تو آپؐ نے بڑے جلال کے ساتھ فرمایا

هُوَ صَادِقٌ۔ هُوَ صَادِقٌ۔ هُوَ صَادِقٌ (یعنی وہ سچا ہے۔ وہ سچا ہے

وہ سچا ہے۔) اس کے بعد یہ لکھا، کہ یہ ہماری گواہی ہے۔ ہم قیامت کے دن کی پرسش سے سبکدوش
ہوتے ہیں۔ ماننا یا نہ ماننا یہ تمہارا کام ہے۔ نیچے پیر صاحب کے دستخط تھے۔ اس کے نیچے ان کے منشی
نے لکھا، کہ تمہارے والد ہمارے والد کے مرید تھے، اس لئے تم بھی اسی سلسلہ میں بیعت کرلو۔ میں نے
اس کا کوئی جواب انکو نہ دیا۔ خط میرے پاس محفوظ تھا۔ شیخ رحمت اللہ صاحب لاہور والے جو تاجر تھے
بمبئی میں آیا کرتے تھے اور ان سے گفتگو ہُوا کرتی تھی۔ مدراس والے سیٹھ عبد الرحمٰن کے چھوٹے
بھائی صالح محمدؐ سیٹھ سے بھی حضرت صاحب کے متعلق اکثر گفتگو ہُوا کرتی تھی۔ مَیں نے پیر صاحب کا
خط انکو بتایا، تو صالح محمد سیٹھ نے کہا کہ اب کونسی چیز کا انتظار کرتے ہو؟ شیخ رحمت اللہ صاحب
انجام آتھم کے ابتدائی آٹھ صفحے جو چھپے تھے، بمبئی آتے ہوئے لے آئے، انہوں نے یہ مضمون مجھے سنایا،
تو میں نے اسی دن حضرت اقدسؑ کی خدمت میں بیعت کا خط لکھ دیا۔ الحمدللہ! پیر صاحب کا خط شیخ رحمت اللہ صاحب
مجھ سے لے گئے۔ نہ معلوم انکے پاس رہا یا انہوں نے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پیش کیا۔ واللہ اعلم۔

جب میرا عریضہ حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پہنچا، تو مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم نے حضرت
اقدسؑ کی طرف سے مجھے جواب لکھا، کہ حضرت صاحب نے آپکی بیعت قبول فرمالی ہے۔ اور حضورؑ فرماتے
ہیں کہ نماز پڑھا کرو۔ میں نے دل میں خیال کیا، کہ یہ کس نے جاکر کہا کہ میں نماز نہیں پڑھا کرتا۔ جھٹ ایک
خط اس کے جواب میں لکھ دیا، کہ حضرت جب میں آپکی بیعت میں آگیا، اور آپ مسیح اور مہدی ہیں،
تو کیا اس نماز سے نہیں چھڑا سکتے؟ کیونکہ سنا ہے کہ پچاس نمازیں روزانہ خدا نے مقرر کی تھیں۔
مگر حضرت نبی کریمؐ نے کمزوری امت کو دیکھکر خدا سے التجا کرکے پانچ نمازیں فرض کرا دیں۔ اب اگر

پانچ سو روپے ہماری سبکدوشی کرا دیں۔ اس کے جواب میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی قلم سے جواب آیا کہ حضرت صاحب فرماتے ہیں، کہ میں طبیب روحانی ہوں اور تم مریض روحانی ہو۔ مریض کا فرض ہے کہ طبیب کی ہدایت پر عمل کرے۔ تو اسکا مرض جاتا رہیگا۔ اگر نماز میں دل نہیں لگتا، اور دل میں رقت پیدا نہیں ہوتی، تو تصنع اور بناوٹ سے رونی صورت بناؤ، اور نماز پڑھو۔ نمازوں کے اندر خدا سے مدد مانگو۔ پھر عادت ہو جائے گی۔ اور تمہارا یہ مرض دُور ہو جائے گا۔ اس جواب کو پڑھنے کے بعد پھر جرأت نہ ہوئی کہ اور کچھ لکھوں۔ لاچار آپکی ہدایتوں پر عمل کرنا شروع کیا۔ اور کئی روز تک گرتی پڑتی نمازیں پڑھتا رہا۔ کسی دن تین وقت، کسی دن چار وقت اور شاید کسی دن پانچ وقت پڑھنے لگا۔ مسجد میرے مکان کے سامنے تھی۔ اذان کی آواز پانچوں وقت کان میں پڑتی تھی، مگر سستی برابر دو تین ماہ رہی۔ اُس زمانہ میں ہم سب مسلمانوں کے ساتھ نمازیں مسجد میں پڑھتے تھے۔ آخر پانچوں وقت باجماعت نماز پڑھنے کی توفیق ملی۔ جو اب تک جاری ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ پھر آہستہ آہستہ تہجد کی نماز کی بھی توفیق ملتی رہی۔ اور رات کے پچھلے حصہ میں دُعائیں کرنے کی بھی توفیق ملتی رہی۔ اور انہیں یہ دُعا بھی کرتا تھا، کہ الٰہی! جس بزرگ کی بیعت کی تو نے مجھے توفیق دی ہے، اب مجھے یہ توفیق بھی عطا کر کہ میں اس کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوسی کا شرف حاصل کر سکوں۔ آخر ایک شب خواب دیکھا کہ میں قادیان جا رہا ہوں۔ بٹالہ کا اسٹیشن بھی خواب میں دیکھا۔ پھر یکّہ میں بیٹھ کر قادیان جانے کا نظارہ اور وہ سڑک جس پر یکّہ قادیان جاتا ہے۔ یہ سب چیزیں خواب میں دیکھیں۔ مسجد مبارک کے پاس یکّہ میں اترنے کا نظارہ بھی خواب میں دیکھا۔ مسجد مبارک بھی دیکھی۔ اور حضرت اقدس کا دربار بھی اسی چھوٹی مسجد میں دیکھا۔ سیڑھی سے چڑھ کر مسجد میں پہنچا تو حضرت اقدسؑ اور چھ سات اور اصحاب آپ کے دربار میں بیٹھے تھے۔ ایک صاحب مسجد کے محراب میں عینک لگائے بیٹھے تھے۔ محراب کے بائیں جانب کونے میں ایک بزرگ بیٹھے تھے۔ ایک اور صاحب ہاتھ میں اخبار لئے ہوئے پڑھ رہے تھے۔ اور چار پانچ سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے سیڑھی پر سے اوپر آتے ہی سب کو بلند آواز سے السلام علیکم کہا۔ حضرت اقدس نے سلام کا جواب دیا۔ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے محراب

کیطرف اشارہ کرکے بیٹھنے کو ارشاد فرمایا۔ چنانچہ میں اسی عینک والے بزرگ کے بازو میں بیٹھ گیا۔ اور ان سے کچھ پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ حضرت عیسٰی علیہ السلام ہیں۔ یہ عینک والے بزرگ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم سیالکوٹی تھے۔ سامنے اخبار پڑھنے والے شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی تھے۔ اخبار ختم ہوا۔ بعد میں حضرت اقدسؑ نے مجھے طلب فرمایا۔ میں اٹھ کر حضرت اقدسؑ کے سامنے آبیٹھا۔ دست بوسی کی۔ حضورؑ نے شہر بمبئی اور میرے سفر کے حالات وغیرہ دریافت فرمائے۔ طاعون میں میری ایک آنکھ ضائع ہونے کے متعلق بھی پوچھا۔ میں نے اس وقت مصنوعی آنکھ لگائی ہوئی تھی، وہ نکال کر حضرت اقدسؑ کے ہاتھ میں دی۔ اور طاعون میں مبتلا ہونے کے اول سے آخر تک کے حالات سُنائے۔ آپ نے فرمایا کہ اب تم کو کبھی طاعون نہیں ہوگی۔ الحمدللہ کہ اس کے بعد آجتک پھر کبھی طاعون نے میری طرف رخ نہیں کیا۔ حالانکہ ۱۸۹۸ء سے لیکر ۱۹۰۶ء تک ہمارے علاقہ میں بڑے زوروں کے طاعون کے حملے سردیوں میں ہوتے رہے۔ اور ہزارہا انسان بمبئی میں مرتے بھی رہے۔

یہ واقعہ تو خواب کا ہے۔ اب بیداری کا واقعہ یہ ہے، کہ اس خواب کے دیکھنے کے چھ ماہ بعد میرے شریک کاروبار نے مجھے تجارت کے کام کے لئے سفر کرنے کو کہا۔ بمبئی سے کراچی اور سندھ کے تمام شہروں میں جانے اور پھر پنجاب سے ہوکر دہلی اور آگرہ کے راستہ واپس بمبئی پہنچنے کا پروگرام طے ہوا۔ چنانچہ میں دسمبر ۱۸۹۶ء میں بمبئی سے روانہ ہوا۔ اور کراچی۔ سندھ حیدرآباد و سکھر۔ ملتان۔ لاہور ہوتا ہوا قادیان پہنچا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ سفر میں میں نے روزے نہیں رکھے۔ لاہور میں شیخ رحمت اللہ مرحوم مالک بمبئی ہاؤس (بعد میں انگلش ویر ہاؤس) کے پاس ٹھیرا۔ چونکہ لاہور میں تین چار دن ٹھیرنا تھا اس لئے روزے بھی وہاں رکھنے شروع کئے۔ جس دن قادیان روانہ ہونا تھا سحری کھا اور فجر کی نماز پڑھکر اسٹیشن پر آیا۔ ریل میں بیٹھا۔ امرتسر ساڑھے سات آٹھ بجے پہنچکر گاڑی تبدیل کرکے بٹالہ کی گاڑی میں بیٹھا شاید دس بجے بٹالہ پہنچا۔ اور پھر یکہ میں بیٹھکر قادیان ساڑھے بارہ ایک بجے کے قریب پہنچ گیا اور مسجد مبارک میں آیا۔ بٹالہ اسٹیشن۔ یکہ۔ قادیان کی سڑک۔ مسجد مبارک کی سیڑھی۔ مسجد مبارک کا نقشہ۔ دربار حضرت اقدسؑ اور حاضرین مجلس کا سارا نظارہ بالکل اسی خواب کے مطابق دیکھا جو چھ ماہ قبل

دیکھ چکا تھا۔ مجھے کھانا کھانے کے لئے کہا گیا۔ میں نے کہا، روزہ سے ہوں۔ مگر پھر حضرت اقدسؑ نے مجھے کچھ کھانا فرمایا۔
غرض جب مجلس بعد عصر ختم ہوئی، تو ہم اپنے ڈیرے پر آئے۔ اُسوقت مہمانخانہ نہیں تھا۔ اس لئے ہم بابا سیٹھ عبدالرحمٰن حاجی اللہ رکھا مرحوم ٹھیرائے گئے تھے مجھے بھی وہیں ٹھیرایا گیا۔ وہ میرے ہم قوم کچھ میمن تھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی جن کی عمر اس وقت آٹھ نو سال کی تھی، اکثر ہماری قیام گاہ پر آجاتے تھے۔ عید الفطر کے بعد ہم عصر کی نماز پڑھ کر چائے پیتے تھے۔ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ مرحوم اور خواجہ کمال دین مرحوم ہماری ٹی پارٹی میں روز شریک ہوتے تھے۔ ایک صاحب کرم داد نامی کو حضرت اقدسؑ نے سیٹھ عبدالرحمٰن اور میری خبر گیری کرنے کے لئے مقرر فرمایا ہوا تھا۔ کرم داد صاحب سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب کو حقہ بھی بھر دیتے تھے۔ ہم کو دودھ شکر وغیرہ لا کر دیتے تھے۔ اور چائے کی پتی ہمارے پاس تھی، کرم داد صاحب ہمیں چائے بھی تیار کر دیا کرتے تھے۔

رمضان شریف ختم ہؤا تو صبح حضرت اقدس روزانہ آٹھ بجے سیر کو جاتے تھے۔ ہم سب حاضر احباب ساتھ ہوتے تھے۔ دس بجے کے قریب واپس مسجد میں آجاتے تھے۔ اُس وقت ڈاک خانہ قادیان میں نہیں تھا۔ بٹالہ سے ڈاک کا ہرکارہ ڈاک لایا کرتا تھا۔ قادیان میں ڈاک خانہ کی برانچ ایک چھوٹی سی جگہ پر تھی، جہاں سے ڈاک ہم سب کی مسجد مبارک میں آجاتی تھی۔ منی آرڈر اور رجسٹری وغیرہ کی وصولی کے لئے بٹالہ جانا پڑتا تھا۔ ڈاک پڑھنے کے بعد کھانا مسجد مبارک ہی میں ہم کھاتے تھے حضرت اقدسؑ اسی کونہ میں بیٹھتے تھے۔ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ محراب سے باہر حضرت اقدسؑ کی داہنی طرف بیٹھتے تھے۔ ان کے بازو میں میں ہوتا تھا۔ پھر سیٹھ عبدالرحمٰن۔ حاجی اللہ رکھا اور اسی طرح پیر سراج الحق صاحب نعمانی۔ خواجہ کمال الدین صاحب حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحبؓ اور شیخ یعقوب علی صاحب یا کوئی اور صاحب جو اُسوقت حاضر ہوتے، بیٹھتے تھے۔ حضرت اقدسؑ میرے اور سیٹھ عبدالرحمٰن کے لئے چاول کبھی پلاؤ وغیرہ بھی پکوایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو عادت کھانے کی ہو وہ کہیں تاکہ وہی چیز پکوا دی جائے۔ مگر ہم نے اپنے منہ سے کبھی کچھ فرمائش نہ کی۔ ملک غلام حسین صاحب باورچی تھے۔ اور روٹی سالن وہی پکاتے تھے۔ چاول یا پلاؤ حضرت اُمّ المومنینؓ کے ہاں سے ہم دونوں کے لئے آتا تھا کھاتے وقت

حضرت اقدسؑ کھانے کی کوئی نہ کوئی چیز اپنے ہاتھ سے میری طرف کرتے۔ چھاچھ میٹھے کا گلاس جب گھر میں سے حضرت اقدسؑ کے لئے آتا تھا اس میں سے دو چار گھونٹ پیکر میری طرف گلاس کر دیتے حالانکہ بیچ میں مولوی عبدالکریم صاحبؓ بیٹھے ہوتے تھے پھر ہم حاضرین اس سے تھوڑا تھوڑا تبرکاً پی لیتے تھے۔ اور یہ روزانہ کا معمول تھا۔ عصر کی نماز کے بعد ہم چلے جاتے تھے کہ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کے درس میں شامل ہوتے تھے۔

جب مجھے قادیان آئے پندرہ دن ہوگئے، تو سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب نے جو رمضان سے پہلے کے آئے ہوئے تھے حضور سے واپسی کی اجازت مانگی۔ میں نے بھی اجازت جانے کی طلب کی۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ "تکے آدمی دکے پیر شدی"۔ ابھی تو اتنا لمبا سفر کر کے آئے ہو۔ کچھ دن اور ٹھیرو۔ میں نے عذر کیا کہ میری مالی حالت تنگ ہے۔ میں ایک دوکان میں شراکت دار ہوں مگر میرا سرمایہ دوکان میں کوئی نہیں میں بحیثیت عامل (working party) کام کرتا ہوں۔ ابھی مجھے تجارت کے کام کے لئے بھی لمبا سفر کرنا ہے۔ اور ایک ماہ بعد میں بمبئی پہنچوں گا۔ دو ماہ میری روانگی کو ہو گئے ہیں۔ آخر حضرت اقدسؑ نے سیٹھ عبدالرحمٰن کے ساتھ جانے کی اجازت مرحمت فرمائی مگر ساتھ ہی فرمایا کہ دوسری بار جب آؤ گے تو یہ موقعہ نہیں ملے گا جیسے آج تم میرے ساتھ کھوے سے کھوا لگا کر نماز پڑھتے ہو۔ (میں حضرت اقدسؑ کے ساتھ بائیں طرف بالکل بازو میں کھڑا ہوتا تھا مسجد میں صف اول میں پانچ چھ آدمی کی جگہ ہوتی تھی اور اتنی ہی صف دوم و سوم میں اُس وقت مسجد چھوٹی تھی) اور میرے ساتھ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہو لیکن بعد میں تم آؤ گے تو تم کو مجھ تک پہنچنے کا آسانی سے موقعہ نہیں ملیگا۔ اور مشکل سے جوتیوں کے پاس کھڑے رہنے کو جگہ ملے گی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۱ء میں بالکل اسی طرح ہوا اور یہی نظارہ میں نے دیکھا۔ آخر میں نے مرزا خدا بخش صاحب سے جو حضرت صاحب کے پاس بیٹھا کرتے تھے کہا کہ میں جب آیا کروں تو آپ اُٹھ جایا کریں اور اپنی جگہ مجھے دیدیا کریں کیونکہ آپ تو ہمیشہ قادیان میں رہتے ہیں اور میں دس پندرہ دن سے زیادہ ٹھیر نہیں سکتا۔ انہوں نے میری درخواست منظور کر لی۔

آخر جب ہم روانہ ہوئے تو حضرت اقدسؑ نہر تک ہمارے ساتھ آئے اور ہم پھر یکہ میں سوار ہو کر بٹالہ پہنچے۔ کھانا حضرت اقدسؑ کے گھر سے ہمارے لئے بھیجا گیا تھا جو ہم نے بٹالہ میں کھایا اور گاڑی میں سوار ہوئے۔ میں

امرتسر اتر گیا اور سیٹھ عبدالرحمن صاحب مدراس کیطرف روانہ ہوگئے۔

اس کے بعد حضرت اقدسؑ کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ میں جب ۱۸۹۸ء میں قادیان گیا تو اُن دنوں مفتی محمد صادق صاحب لاہور میں کلرک تھے۔ اور وہاں سے شیخ رحمت اللہ صاحب کے مکان پر ملاقات ہوئی تھی۔

سنہ ۱۹۰۱ء کے آغاز میں حضرت صاحبؑ کا نوازش نامہ ملا کہ اس سال مردم شماری کے خانہ میں مذہب احمدیہ مسلمان لکھاؤ۔ چنانچہ میں نے اس خانہ میں جہاں ہندو۔ عیسائی۔ یہودی وغیرہ کا خانہ تھا مسلمان لکھوایا۔ اور مذہب کا خانہ جہاں شیعہ۔ سُنی وغیرہ لکھا جاتا تھا سُنی فرقہ احمدیہ لکھوایا۔ اسی سال فروری میں مفتی محمد صادق صاحب کا ایک خط میرے نام آیا کہ آجکل طاعون کا سارے ہندوستان میں زور کا حملہ ہے، حضرت اقدسؑ نے احباب کو قادیان آنے سے منع فرمایا ہے لیکن مجھے فرمایا ہے کہ سیٹھ اسمٰعیل آدم کو لکھو کہ وہ آجائیں۔ اور عید الضحیٰ قادیان میں گذاریں۔ میں نے اپنے شریک سے کہا کہ میں جانا چاہتا ہوں۔ میں نے اسے یہ بھی کہا کہ مارچ کے مہینہ میں جو ہماری چھتری کی تجارت کا پہلا مہینہ ہے مجھے سفر میں بہت سے شہروں میں مال فروخت کرنیکا بھی موقعہ مل جائے گا۔ اس نے اجازت دیدی۔ میں روانہ ہُوا۔ مارچ کے آخر میں قادیان پہنچا۔ عید الضحیٰ وہیں پڑھی۔ یہ وہی عید ہے جس میں حضرت اقدسؑ نے خطبہ الہامیہ سُنایا۔ میں بھی اس خطبہ میں شامل تھا۔ اس کے بعد نہ حضرت اقدسؑ کی زندگی میں اور نہ حضرت مولوی صاحبؓ کی خلافت کے زمانہ میں مجھے قادیان جانیکا موقعہ ملا۔ آخر سنہ ۱۹۲۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے عہد خلافت میں قادیان آنے کی توفیق ملی۔

میری دوکان مارچ سنہ ۱۹۴۰ء تک بمبئی میں رہی۔ اور جب تک میں بمبئی میں رہا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مجھے جماعت احمدیہ بمبئی کے عہدہ امارت پر سرفراز فرمایا تھا۔ خدا کے فضل سے خدمات سلسلہ بھی حسب توفیق ادا کرتا رہا۔ اب بمبئی سے دوکان اُٹھ جانیکے بعد پُونہ میں عارضی رہائش ہے۔ آج عمر کا اکہترواں سال گذر رہا ہے نہ معلوم ابھی کتنی زندگی باقی ہے۔ میری دلی تمنا ہے کہ جو کچھ باقی ہے قادیان میں گذارنے کی توفیق ملے اور خاتمہ بالخیر ہو۔ احباب جو اس مضمون کو پڑھیں میرے لئے دعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ میری آرزو اور تمنا پوری کرنے کے اسباب اور سامان مہیا فرمائے۔ آمین ٭

سکھوں اور مسلمانوں کے تعلقات

(۶)

(از جناب گیانی واحد حسین صاحب)

مہاراجہ رنجیت سنگھ اور مسلمان

۱۔ بادشاہ (زمان شاہ) کی واپسی پر بارہ توپیں غرق ہوگئیں لاچار بادشاہ نے سردار رنجیت سنگھ کو جس کے علاقہ میں یہ وقوعہ ہوا تھا، ایک مراسلہ اس مضمون کا بھیجا، کہ "ہماری بارہ عدد توپیں ڈوب گئی ہیں۔ جب پانی اُترے گا اگر تم توپوں کو نکلوا کر ہمارے پاس کابل میں پہنچا دو تو ہماری طرف سے تم کو اجازت ہے کہ لاہور پر تم اپنا قبضہ کر لو۔ اور آئندہ ہماری طرف سے کوئی حاکم یا فرمان فرما تمہارے ملک سے مزاحم نہ ہوگا۔" اس حکم کو پڑھ کر سردار بہت خوش ہوا اور اُس نے چار ماہ کے بعد جب دریا کا پانی کم ہوا، تو بڑی کوشش سے بادشاہ کی آٹھ توپیں دریا سے نکلوا کر خاص اپنے ایک معتبر کے ہاتھ کابل میں پہنچا دیں۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اور معتبر کو ایک خلعتِ فاخرہ دے کر بڑی عزت کے ساتھ رخصت کیا۔

(راج خالصہ حصہ سوم ص۲۰۰)

۲۔ اب سمت ۱۸۵۶ بکرمی کو اُدھر تو سردار رنجیت سنگھ کو لاہور پر قبضہ کرنے کی بادشاہ کیطرف سے اجازت مل گئی، اُدھر لاہور کی رعایا نے تینوں سکھ سرداروں کے ظلم سے ناراض ہو کر مہاراجہ کے حضور ایک عرضی لکھی، کہ آپ لاہور میں بلا کھٹکے چلے آویں، اور شوق سے قبضہ کر لیں۔ اس عرضی پر حاکم رائے بھائی گوربخش سنگھ، میاں عاشق محمد خان، میاں محکم دین، محمد باقر وغیرہ شہر کے کل نامی اور مشہور رئیس اور چودھریوں کے دستخط تھے۔ یہ عرضی سردار رنجیت سنگھ کے پاس رام نگر کے مقام پر پہنچی، جس کے دیکھتے ہی وہ بہت خوش ہوا۔ اور اس نے قاضی عبد الرحمٰن باشندہ رام نگر اسی وقت عاشق محمد کے پاس

ہر ایک امر زبانی طے کرنے کے لئے لاہور روانہ کیا۔ آخر کار جب تمام معاملات طے ہوگئے، اور میاں عاشق محمد نے یہ کہلا بھیجا، کہ جب آپ آؤ گے لوہاری دروازہ آپ کے واسطے فوراً کھول دیا جائے گا۔ تو رنجیت سنگھ نے اپنی تمام فوج آراستہ کر کے بٹالہ کیطرف اپنی ساس سدا کور سے مشورہ لینے کے لئے کوچ کیا۔ میاں عاشق محمد و محکم دین و حاکم رائے نے مشورہ کر کے در پردہ رنجیت سنگھ کو یہ پیغام بھیجا، کہ آپ کل ۱۴ صفر ۱۲۱۵ھ ہجری کی فجر کو براہ لوہاری دروازہ شہر کے اندر تشریف لے آویں۔ جس وقت آپ دروازہ پہ پہنچیں گے، فوراً دروازہ کھول دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، کہ جب تاریخ اور وقت مقررہ پر سردار رنجیت سنگھ اپنی ایک ہزار چیدہ اور جرار فوج کے ساتھ لوہاری دروازہ کے سامنے پہنچا، تو اس کے لئے میاں محکم دین محافظ دروازہ نے فی الفور پھاٹک کھول دئے۔ (تواریخ راج خالصہ ص۳۵۳)

۳۔ اس کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ نے شہر کے قاضی نظام دین کو خلعت دے کر اُس کا کام قبالہ جات کی تصدیق وغیرہ کا اس کے حوالہ کیا، اور تاکید کی، کہ اپنا اپنا کام نہایت دیانتداری اور انصاف سے کریں۔ تاکہ رعایا کو آیندہ شکایت کی گنجائش نہ رہے۔ امام بخش کو جن کو عام لوگ خرسوار کے نام سے پکارتے تھے، شہر کا کوتوال مقرر کیا۔ اور حکیم نور الدین کو طبابت کا عہدہ ملا۔ (راج خالصہ صفحہ ۷۶)

۴۔ اسی طرح سردار حکم سنگھ چمنی اور غوث خان کو علیحدہ علیحدہ توپخانوں کے افسر مقرر کر کے دو دو سو سوار کے دستے اُنکے تابع کئے۔ روشن خان و شیخ عبداللہ ہندوستانی افسروں کی ماتحتی میں دو ہزار سوار مقرر کئے۔ (راج خالصہ ص۸۳ و ۸۴)

۵۔ مورخہ ۲۸ جون ۱۹۳۴ء کو مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب کی برسی پر فقیر سید جلال الدین صاحب نے جو کہ فقیر سید نور الدین صاحب وزیر مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب کے پوتے اور ریٹائرڈ کلکٹر ہیں، تقریر کرتے ہوئے مہاراجہ صاحب کی دو چٹھیاں پیش کیں۔ جن میں سے ایک حسب ذیل ہے:

"خیر خواہ با صفا فقیر نور الدین جی مسرور باشند!

وبریں وقت از حضور انور من بتاکید تمام حکم صادر مے گردد کہ کسے در شہر زیادتی

و تعدی بر مردم شہر نسازد۔ بلکہ اگر حضور انور ہم بر کسے از ساکنان شہر لاہور
حکم بے مقدور را صادر فرمائیند تاکہ یکبار بجناب والا صاف عرض کردہ باید آورد کہ
جناب والا معاف شود۔ تہور پناہ مالو سنگھ را مدام در باب عدالت و انصاف
بموجب حق واجبی کہ یکے موئے را درآں دخل نبودہ باشد۔ و بحرفِ صلاحِ پنچانِ شہر
و منصفیٔ منصفان و بموجب ملتِ ہر کسے موجب شاستر و کتاب کردہ باشند، کہ
مرضیٔ مبارک ہمیں است۔ و اگر کسے برگفتہ شما عمل نہ سازد۔ رقعہ بنام او نوشتہ
باید فرستاد کہ سندی باشد تا بازخواست از سرکار والا خواہد شد۔ برائے مرمت
خندق کہنہ دو ہزار روپیہ خرچ ساختہ تیار نمایند۔

بعد خرچ خندق مذکور تنخواہ ۳۱ ماہ بھادوں سمت ۱۸۸۴
شود یال ۵۰۰ روپے پروانگی حضور مقام امہال تنخواہ بنام فقیر صاحب ۱۵۰۰ روپیہ"

ترجمہ:- خیر خواہ با صفا فقیر نور الدین صاحب خوش رہو۔ اس وقت حضور انور کی طرف سے نہایت
تاکید سے حکم جاری کیا جاتا ہے۔ کہ کوئی شخص شہر میں لوگوں پر زیادتی اور ظلم نہ کرے۔ بلکہ اگر خود حضور
انور بھی شہر لاہور کے کسی باشندہ کے برخلاف کوئی ناواجب حکم صادر فرمائیں، تو ایک دفعہ جناب والا کی
خدمت میں بھی صاف عرض کیجائے، تاکہ جناب والا اسے معاف فرمائیں۔ تہور پناہ کو ہمیشہ انصاف
اور مستحق کی واجبی حق رسی کے پابند رہیں کہ وہ جس میں ذرا سی بھی سختی نہ ہو، اور نیز اس باب میں تاکید
کیا کریں، کہ وہ شہر کے پنچوں اور منصفوں کے مشورہ سے ہر شخص مذہب کے مطابق شاستر اور کلام مجید
کے احکام کی پابندی سے فیصلے کیا کرے۔ کیونکہ ہماری مرضی مبارک ہے۔ اور اگر کوئی شخص آپ کے
حکم کی تعمیل نہ کرے، تو اسے اپنا سندی رقعہ بھیجا کریں، تاکہ سرکار والا اُسے عدول حکمی پر سزا دیں۔
پُرانی خندق کو دو ہزار روپیہ خرچ کرکے تیار کرا دیں۔ ۳۱ بھادوں سمت ۱۸۸۴ پروانگی حضور مقام
مہال تنخواہ بنام فقیر صاحب ۱۵۰۰ روپے۔ خندق مذکور پر خرچ ہونگے۔ تنخواہ شود یال ۵۰۰ روپے
(منقول از اخبار شیر پنجاب لاہور ۲۹ جولائی ۱۹۳۴ء صلا)۔

۶۔ سردار گوربخش سنگھ صاحب شمشیر تحریر فرماتے ہیں :۔

"سُرخ رنگ کی مخمل کی بنی ہوئی نہایت خوبصورت چاننی ہے، جو سُنہری طلاء سے کِلی ہوئی ہے۔ کاریگری کا ایک نہایت ہی اعلیٰ نمونہ ہے۔ کئی رنگ کے سچّے موتیوں کی جھالریں لگی ہوئی ہیں۔ اس کی قیمت کا اندازہ لاکھ سوا لاکھ روپیہ ہے۔ یہ نہایت ہی قیمتی اور بے نظیر خوبصورت چاننی حیدرآباد دکن کے نواب کیطرف سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو ملی۔ مہاراجہ نے اس چاننی کو سری ہرمندر صاحب کی نذر کر دیا۔ اس وقت کپڑے میں لپیٹ کر بڑی حفاظت کے ساتھ دربار صاحب امرتسر میں رکھی ہوئی ہے۔" (رسالہ امرت بابت ماہ ستمبر ۱۹۳۹ء صلا) ؁

اس چاننی کے متعلق پروفیسر تیجا سنگھ صاحب ایم۔اے۔ لکھتے ہیں :۔

"مہاراجہ رنجیت سنگھ کو نظام حیدرآباد کیطرف سے ہیرے جواہرات سے جڑی ہوئی چاننی ملتی ہے، تو وہ اس بے مثل سوغات کو سری دربار صاحب امرتسر کی نذر کر دیتے ہیں۔"

(بجو مکا شہیدی جیون مصنفہ سردار گوربخش سنگھ جبالیہ) ؁

ایڈیٹر اخبار "خالصہ سماچار" بھائی سیوا سنگھ صاحب لکھتے ہیں :۔

"۱۸۲۶ء میں بسنت کے تہوار پر شالامار باغ لاہور میں بہت رونق تھی۔ رنگ برنگ کی ریشمی قناتیں اپنی شان دکھا رہی تھیں۔ اہلکاروں اور رئیسوں کی پوشاکیں دیکھنے والوں کی آنکھوں کو چندھیا رہی تھیں۔ سر پر تانا ہوا زردوزی شامیانہ اپنی خوبصورتی اپنی چمک دمک کے ساتھ شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ دکھا رہا تھا۔ لیکن اس دربار میں سب سے زیادہ قیمتی اور دل کو لبھانے والی جو چیز تھی وہ تھی وہ چاننی، جو نظام حیدرآباد نے تحفہ کے طور پر اپنے وکیل درویش محمدؐ کے ہاتھ بھیجی تھی، جو زردوزی شامیانہ کے ساتھ اُس جگہ لگائی گئی، جہاں پر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بیٹھنا تھا۔ درباریوں کی آنکھیں اس چاننی کیطرف اٹھتیں اور فوراً جھک جاتیں، اور زبان واہ واہ کرنے لگ جاتی۔ مہاراجہ صاحب

زردوزی شامیانے کے نیچے آئے، تو نظام حیدرآباد کی بھیجی ہوئی چاندنی کے نیچے آنے کے لئے ابھی ایک قدم پیچھے اور ایک آگے رکھا ہی تھا، کہ چاندنی کی طرف آپکی نگاہ گئی تو فوراً پیچھے ہٹ گئے، اور یہ لفظ آپکی زبان پر تھے :-

واہگورو! واہگورو! واہگورو! اتنی قیمتی اور اس طرح کی نہایت ہی خوبصورت چاندنی سر پر لگانے والا غریب رنجیت سنگھ کون ہے۔ یہ چاندنی میرے سچے شہنشاہ دین و دنیا کے والی لودہی سلطان سری گورو رام داس جی کے دربار سری ہرمندر صاحب میں ہی لگنے کے لائق ہے۔"

آپ اُس چاندنی کے نیچے نہیں گئے۔ اُسکو اُٹھا کر سری دربار صاحب امرتسر میں بھیج دیا" (اخبار خالصہ سماچار ۲۲ رجون ۱۹۳۹ء ص۱۵ جلد ۴۰ نمبر ۳۲) ؛

" اس قیمتی چاندنی کے علاوہ چار بہت قیمتی گھوڑے اور ایک دودھاری تلوار، ایک توپ اور کئی بندوقیں بھی نظام حیدرآباد نے مہاراجہ کو بھیجی تھیں" (اخبار خالصہ سماچار امرتسر جلد ۴۰ ۳۲ ۲۲ رجون ۱۹۳۹ء ص۱۵) ؛

جاوا کی آگ

(از جناب مولانا محمد دین صاحب سابق مبلغ امریکہ)

امام مہدی کے ظہور کے لئے جو علامات بطور ارہاص احادیث میں بیان ہوئی ہیں انہیں سے ایک علامت یہ ہے کہ مشرق میں ایک بڑی آگ ظاہر ہوگی۔ (حدیث الغاشیہ صفحہ ۲۰۹ و اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۰۷) یہ علامت ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء میں ظاہر ہو چکی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں اس آگ کو اپنی صداقت کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ ذیل میں اس آگ کی کیفیت ایک انگریزی رسالہ سے درج کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آگ ایک غیر معمولی نشان کا رنگ اپنے اندر رکھتی تھی۔

جاوا اور سماٹرا کے درمیان جو پانی کا ٹکڑا ہے، اسکو آبنائے سنڈا کہتے ہیں۔ اس آبنائے میں بعض چھوٹے چھوٹے جزیرے بھی ہیں۔ انہیں سے ایک کا نام کراکاٹوآ ہے۔ اسمیں ایک آتش فشاں پہاڑ ہے، جو اس جزیرہ کے نام پر موسوم ہے۔ دو سو سال تک یہ آتش فشاں پہاڑ ایسا خاموش رہا گویا اسمیں اب آتش فشاں مادہ ختم ہو چکا ہے۔ مگر ۲۶ اگست ۱۸۸۳ء کو دوپہر کے وقت ایک بجے کے قریب وہ یک بیک پھوٹ پڑا۔ اُسوقت ایک انگریزی جہاز چارلس بل قریباً ۱۰ میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس کے ملاحوں نے ایک دہشت ناک آواز سنی، اور ساتھ ہی وہ کیا دیکھتے ہیں کہ کراکاٹوآ کا سارا رقبہ جو قریباً ۹ میل وسیع تھا، دفعۃً آسمان کی طرف اڑا۔ اور اس تیزی کے ساتھ گیا، جس طرح کہ ہوائی آسمان میں جاتی ہے۔ اس کے بعد ایک بہت بڑے فوارے کی دھار کی صورت میں زمین سے آسمان کیطرف بہت بڑی بڑی چٹانوں کے ٹکڑے اڑنے شروع ہوئے، جن کے ساتھ آگ کی بڑی بڑی لپٹوں والے شعلے اور دھوئیں کی گھٹائیں تھیں۔ ان پتھروں، شعلوں اور دھوئیں کی اونچائی ۱۷ میل تک اندازہ کی گئی۔ تمام مشرقی آسمان پر گھٹا ٹوپ دھواں چھا گیا، جسمیں بجلی دھم دھم کوندتی ہوئی نظر آتی تھی۔ اس کے چند

دھماکوں کے پھٹنے کی آواز آئی، جو نہایت مہیب اور کانوں کو پھاڑنے والی تھی یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہزار ہا بڑی توپیں بیک وقت داغی جا رہی ہیں۔ یہ خوفناک آوازیں ایک خاصے لمبے عرصہ تک جاری رہیں۔ اس کے بعد اس انگریزی جہاز پر جو ۱۰ میل کے فاصلہ پر تھا، پتھروں کی بارش شروع ہو گئی۔ یہ پتھر جو بارش کی صورت میں گر رہے تھے، انسانی سر کے برابر تھے۔ پھر جھاگ والے پتھر کی ایک تہ ۵ فٹ گہری پانی کی سطح پر جم گئی، جس میں جہاز چلانا مشکل ہو گیا۔

یہ بمباری دمبدم بڑھتی جا رہی تھی، یہاں تک کہ ۵ بجے کے قریب جاوا اور سماٹرا میں ہر انسان یوں محسوس کرنے لگا گویا اس کے کان کا پردہ شق ہونے کو ہے۔ مغربی آسٹریلیا وہاں سے ۱۷۰۰ میل کے فاصلہ پر ہے، وہاں توپوں کے مسلسل داغنے کی آواز سن کر لوگ متحیر تھے۔

تین ہزار میل کے فاصلہ پر ایک جزیرہ راڈریگس نامی تھا، وہاں کے پولیس افسر نے رپورٹ کی کہ گولہ باری کی آواز سنی گئی ہے، یہ جزیرہ اتنے فاصلہ پر ہے کہ وہاں آواز کو پہنچنے میں ۴ گھنٹہ کا وقفہ درکار ہے۔ مگر یہ آواز وہاں تک جا پہنچی۔ یہ مہیب آواز دوسری صبح تک جاری رہی، جس کے ساتھ ایک بہت بڑی گڑگڑاہٹ تھی۔ اور آخر کو چار بڑے جھٹکے دار رعد کی کڑکوں کے ساتھ یہ ختم ہوئی۔ جہاں تک انسانی تاریخ میں آتش فشاں پہاڑ یا کسی اور کڑک اور مہیب آواز کا ذکر آیا ہے اس میں اس دھماکے کی نظیر نہیں ملتی۔ اسی طرح جس قدر راکھ یا اور مادہ اس آتش فشاں پہاڑ نے اُگلا، وہ بھی اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ مثلاً اس دھماکے کی وجہ سے جوار بھاٹے کی جو صورت میں اردگرد کے سمندری علاقہ میں پیدا ہوئی اس کا صرف اسی امر سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ پانی کی لہر ۲۷ فٹ اونچی ساحلی علاقہ پر یکایک آ گری، جس کی وجہ سے ۳۶ ہزار صرف انسانی جانیں تلف ہوئیں۔ اور اس تندی اور طوفانی کیفیت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے، کہ ۵ ہزار میل سے کچھ زائد فاصلہ پر افریقہ کے جنوب میں کیپ ٹون کے پاس بھی اس لہر کا دھکا پہنچا لیکن وہاں وہ ۲۰، فٹ کی بجائے صرف ڈیڑھ فٹ اونچی رہ گئی تھی۔ علاوہ ازیں جو مٹی اور راکھ ابر پہاڑ سے نکل کر آسمان تک پہنچی، اس کی اونچائی کا اندازہ ۲۰ میل تک کیا جاتا ہے۔ مگر چوڑائی کے لحاظ سے یہ دنیا کے بہت وسیع حصہ تک پھیل گئی۔ ساری سردی کے موسم میں صبح و شام تمام دنیا میں

طلوع و غروب آفتاب کے وقت [illegible]

لنڈن اور امریکہ کے بعض علاقوں میں اور یورپ کے بعض حصوں میں لوگوں [illegible]

قریب و جوار میں کہیں بہت بڑی آگ لگ گئی ہے اور آگ بجھانے والے انجن اس [illegible]

دوڑتے رہے۔ یہ حالت سات آٹھ ماہ تک جاری رہی۔ اور جب تک تھا موسم بہار شروع [illegible]

کی صورت ایک غیر معمولی حالت میں رہی ۔

تفسیر سروری

یعنی

جماعت احمدیہ کے مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کی وہ تفسیر القرآن جو رسالہ ریویو (اردو) میں چھپتی رہی ہے اور جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی تفسیر بھی بیان ہوئی ہے۔ اس [illegible] کی جلدیں برائے فروخت دفتر میں موجود ہیں۔ یہ تفسیر شروع سے آٹھویں پارہ تک کی ہے۔ مگر [illegible] اس میں سارے قرآن مجید کے مشکل مقامات حل کئے گئے ہیں۔ یہ تفسیر نہایت عام فہم تفسیر ہے۔ [illegible] پڑھنے سے حسب استعداد تفسیر القرآن کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ رسالہ ریویو کے سائز پر اس کے کل دو ہزار صفحے ہیں۔ پہلے اس کی قیمت پندرہ روپے تھی، مگر اب بعض فوری ضروریات کی وجہ سے اس کی قیمت صرف چھ روپے رکھی گئی ہے۔ آج ہی بذریعہ منی آرڈر بنام مینیجر ریویو (اردو) ارسال فرما کر [illegible] لئے ایک جلد محفوظ کرالیں۔ بعد میں یہ بیش بہا خزانہ کسی قیمت پر بھی نہ مل سکیگا۔ جلد کی قیمت [illegible]

ملنے کا پتہ

مینیجر رسالہ ریویو اُردو قادیان

[illegible] ساکن [illegible] بقائمی ہوش و حواس [illegible]

[illegible] وصیت کرتا ہوں۔ میری جائداد منقولہ [illegible] ہے [illegible]

[illegible] قیمت اندازاً [illegible] ہے۔ کل جائداد [illegible]

[illegible] کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ [illegible] اس کے علاوہ اس وقت

[illegible] ہے۔ اگر [illegible] میری کوئی جائداد [illegible] حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ [illegible]

[illegible] ماہوار [illegible] آمدنی [illegible]

[illegible] حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور آمدنی کا [illegible] ادا کرتا رہوں گا

[illegible] گواہ شد [illegible]

[illegible] انجمن احمدیہ [illegible] نمبر [illegible] ملک عبدالسلام ولد [illegible] قوم [illegible]

[illegible] عمر [illegible] سال [illegible] ساکن [illegible] ڈیری والا ضلع گوجرانوالہ [illegible]

[illegible] بقائمی ہوش و حواس [illegible] حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائداد اس وقت ذاتی طور پر

[illegible] ماہوار آمد [illegible] بذریعہ ملازمت ۲۶ روپے ہے جس کے دسویں حصہ کی وصیت

صدر انجمن احمدیہ قادیان [illegible] کرتا ہوں اس کے علاوہ میری کوئی جائداد نہیں۔ اگر کوئی جائداد میرے مرنے

کے بعد ثابت ہو تو اس کے [illegible] حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد عبدالسلام

[illegible] معرفت بابو غلام مصطفیٰ صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ جبلپور۔ گواہ شد غلام

[illegible] گواہ شد غلام مصطفیٰ [illegible] جبلپور۔ نمبر ۶۲۶۷ [illegible] ملک برہان محمد ولد چوہدری [illegible]

[illegible] پیشہ ملازمت عمر ۲۵ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ

[illegible] حسب ذیل وصیت کرتا ہوں میری اس وقت کوئی جائداد ذاتی طور پر نہیں ہے اس وقت میری

[illegible] ملازمت کے ۴۶ روپیہ ہے جس کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان

[illegible] میری کوئی جائداد نہیں ہے اگر کوئی جائداد میرے مرنے کے بعد ثابت ہو تو اس کے

[illegible] کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد برہان محمد معرفت بابو غلام مصطفیٰ صاحب

[illegible] جبلپور۔ گواہ شد عبدالسلام [illegible] گواہ شد۔ غلام مصطفیٰ [illegible] جبلپور

نمبر [illegible] ملک قاضی منصور احمد [illegible] ولد قاضی عبدالرحیم صاحب [illegible] قوم [illegible] پیشہ

[illegible] سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] وصیت

[illegible] قیمت [illegible]

اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ نیز میری وفات پر اگر میری جائداد کے علاوہ کوئی اور جائداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ میری گذارہ کا ذریعہ وظیفہ بابت ... ہے جس کی آمدنی معین نہیں کیجاسکتی تاہم اندازاً ۱۰ روپیہ ہوگی۔ میں اپنی آمد کا تازیست ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ العبد:۔ مقصود احمد بھٹی۔ گواہ شد۔ قاضی عبدالرحیم بھٹی۔ والد موصی۔ گواہ شد۔ بشیر احمد بھٹی۔

نمبر ۶۲۷۱ منکہ نور زینب زوجہ قریشی عبدالغنی صاحب قوم قریشی۔ عمر ۴۰ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۲۹ ... حسب ذیل وصیت کرتی ہوں:۔ میری جائداد صرف ایک مکان واقع محلہ دارالبرکات شرقی ربوہ جس کی قیمت دو ہزار روپیہ ہے میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں نیز میری وفات پر اگر اس کے علاوہ کوئی اور جائداد ثابت ہو تو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ مہر میں وصول کر چکی ہوں زیور کوئی نہیں۔ الامۃ۔ نور زینب بقلم خود۔ گواہ شد۔ قاضی عبدالرحیم بھٹی اوورسیر۔ گواہ شد۔ قریشی عبدالغنی بقلم خود خاوند موصیہ میک گرکس قادیان۔

نمبر ۶۲۷۲ منکہ سلطان عالم ولد پیر شیر عالم صاحب قوم قریشی پیشہ ملازمت عمر ۱۹ سال۔ پیدائشی احمدی ساکن موضع گولیکی ڈاکخانہ خاص ضلع گجرات بقائمی ہوش و حواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ یکم اپریل ۱۹۴۳ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔ میری جائداد اسوقت کوئی نہیں اسوقت میری ماہوار آمد مبلغ ۲۷ روپیہ ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا دسواں حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ میرے مرنے کے بعد میرا جس قدر متروکہ ثابت ہو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ سلطان عالم قریشی ملٹری اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ فورٹ سنڈیمن بلوچستان۔ گواہ شد۔ محمد عالم قریشی بی اے برادر موصی۔ گواہ شد۔ غلام رسول احمد بی ایس سی ٹیچر بقلم خود۔

نمبر ۶۲۷۳ منکہ صفیہ بیگم زوجہ چوہدری لشکر علی صاحب قوم راجپوت منہاس عمر ۲۷ سال پیدائشی احمدی ساکن ... ڈاکخانہ گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۱۹ مارچ ۱۹۴۳ء حسب ذیل وصیت کرتی ہوں:۔ ۱۔ میرا مہر بذمہ خاوند مبلغ ۱۰۰۰ روپیہ ہے۔ ۲۔ میرا زیور اسوقت صرف ایک جوڑی کانٹے طلائی وزنی چھ ماشہ قیمتی مبلغ ۳۶ روپیہ ہیں۔ باقی زیور میں چندوں میں دے چکی ہوں۔ ۳۔ میری اسوقت کوئی آمدنی نہیں نہ کوئی اس کے علاوہ جائداد منقولہ یا غیر منقولہ ہے۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ نیز اگر کوئی اور جائداد میرے مرنے پر ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ ہاں مہر رقم میں اپنی جائداد کے حصہ ...

داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی رہوں گی وہ منہا بھی ہوں گی۔ اگر میری آمد کی صورت پیدا ہوئی۔ تو اس کا بھی ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ کرتی رہوں گی۔ دعا ہے کہ اللہ کریم مجھے اس وصیت پر قائم رکھے تا مجھے بہشتی موت ہو۔ الراقمہ رضیہ بیگم موصیہ۔ گواہ شد نذر الٰہی ہیڈ کلرک ٹھکانہ صاحب خاوند موصیہ گواہ شد محمد سعید اللہ احمدی دار السعۃ

نمبر ۶۲۷۷ منکہ عاکم بی بی زوجہ علی محمد سیکرٹری قوم جٹ عمر ۵۰ سال تاریخ بیعت مئی سنہ ۱۹۱۲ء ساکن دیگوال ڈاکخانہ پھلر ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری موجودہ جائداد کوئی نہیں ہے صرف ایک سو روپیہ بابت زیور میرے خاوند کے ذمہ ہے جو کہ اس نے اپنی ضرورت میں خرچ کر لیا ہوا ہے۔ اور ۳۲ روپیہ مہر کے بھی میرے خاوند کے ذمہ ہے اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ میری کوئی جائداد نہیں۔ اگر بروقت وفات میری کوئی جائداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی اور اس کی ادائیگی میرے خاوند کے ذمہ ہوگی۔
الراقمہ عاکم بی بی نشان انگوٹھا۔ گواہ شد علی محمد خاوند موصیہ بقلم خود دیگوال۔ گواہ شد چوہدری غلام حسین دیگوال نشان انگوٹھا۔

نمبر ۶۲۷۸ منکہ محمد یوسف ولد غلام محمد قوم راجپوت، احمدی پیشہ ملازمت عمر ۳۰ سال تاریخ بیعت سنہ ۱۹۲۶ء ساکن ڈوڈے ڈاکخانہ سوہاوہ ضلع جہلم پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] مندرجہ ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری کوئی جائداد نہیں۔ البتہ میرا گزارہ اپنی ماہوار آمد پر ہے جو بحالات موجودہ ۱۴ روپے ۸ / ماہوار ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ میرے مرنے کے بعد میری جس قدر جائداد ثابت ہو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد محمد یوسف احمدی لیس نائک سینئر ڈیکوریٹر نمبر ۶۱۷، ۱۱۹ حال نمبر ۲۰ بی او ڈی معرفت ہیڈ پوسٹ آفس کولمبو سیلون۔ گواہ شد محمد اسمٰعیل معتبر سٹ بی او ڈی معرفت ہیڈ پوسٹ آفس کولمبو۔ گواہ شد H. Khan کولمبو۔ گواہ شد محمد شفیع ولد عبد المجید ساکن [illegible] محلہ ارائیاں۔

نمبر ۶۲۷۹ منکہ فضل بیگم زوجہ ضیاء الدین احمد قریشی بی اے ایل ایل بی قوم احمدی عمر ۳۰ سال پیدائشی احمدی ساکن دہلی ڈاکخانہ دریا گنج بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۶ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ اس وقت میری غیر منقولہ جائداد کوئی نہیں ہے ہاں منقولہ جائداد بصورت حق مہر مبلغ [illegible] روپیہ و نقود مبلغ ۵۰۰ کل مبلغ ۱۵۰۰ روپیہ میرے شوہر ضیاء الدین احمد صاحب قریشی بی اے ایل ایل بی کے ذمہ واجب الادا ہے۔ اس کل رقم ۱۵۰۰ روپیہ کے ۱/۱۰ حصہ مبلغ ۳۰۰ روپیہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں جس کی ادائیگی میرے شوہر صاحب مذکور بااقساط صدر انجمن احمدیہ قادیان کو ادا کریں گے۔ ۲ یہ کہ

میرے مہر مبلغ پچھتر صد جائداد اس کے علاوہ میری ثابت ہو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان
ہوگی۔ الامۃ فضل بیگم موصیہ بقلم خود۔ گواہ شد۔ ضیاء الدین احمد قریشی بی اے ایل ایل بی پلیڈر۔ گواہ شد [illegible]
محرر صدر انجمن احمدیہ ۔ نمبر ۶۲۸۰ منکہ بیگم بی بی زوجہ شمس الدین قوم کشمیری عمر ۵۰ سال ساکن قادیان بقائمی ہوش
و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۳۰/۴/۴۲ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائداد اس وقت ۳۰۰ صد روپیہ نقد
اور تین صد روپیہ مہر بذمہ خاوند ہے۔ میں اس جائداد کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی
ہوں۔ نیز میری وفات پر اگر اور جائداد ثابت ہو تو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔
الامۃ بیگم بی بی نشان انگوٹھا۔ گواہ شد شمس الدین خاوند موصیہ۔ گواہ شد ملک حسن محمد احمدی بقلم خود قادیان
نمبر ۶۲۸۱ منکہ امۃ المجید بیگم بنت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب قوم مغل عمر ۱۴ سال پیدائشی احمدی ساکن
قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۷/۴/۴۲ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائداد
نہیں ہے۔ مجھے اپنے والد کی طرف سے مبلغ ۱۰ روپے ماہوار ملتے ہیں۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر
انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ میرے مرنے کے بعد جو منقولہ یا غیر منقولہ جائداد ثابت ہو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی
صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ الامۃ۔ امۃ المجید۔ گواہ شد مرزا بشیر احمد والد موصیہ۔ گواہ شد مرزا
منیر احمد ۔ نمبر ۶۲۸۲ منکہ خدا بخش ولد شیخ مولا بخش صاحب قوم شیخ خواجہ پیشہ ملازمت عمر ۲۴ سال پیدائشی
احمدی ساکن [illegible] حال کوٹ مومن ڈاکخانہ خاص ضلع سرگودھا بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ
۳۰/۴/۴۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائداد حسب ذیل ہے۔ مبلغ ۴ ہزار روپیہ نقد ہے جو تجارت وغیرہ
میں لگا ہوا ہے۔ میں اس کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میری ماہوار آمد
۲۵ روپے ہے۔ اس کا بھی دسواں حصہ تا زیست داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میں نے
اپنے والد صاحب سے ۴۹۸ روپیہ قرضہ لینا ہے اس کے بھی دسویں حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ نیز میری
وفات پر اگر کوئی اور جائداد ثابت ہو تو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔
العبد۔ خدا بخش بقلم خود۔ گواہ شد۔ سید بابر علی اکبر مولوی فاضل قادیان۔ گواہ شد بشیر احمد [illegible]
مولوی فاضل ۔ نمبر ۶۲۸۳ منکہ منصورہ بیگم زوجہ قاضی منصور احمد صاحب۔ قوم راجپوت عمر
۲۰ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۰/۴/۴۲ حسب ذیل وصیت
کرتی ہوں۔ میری جائداد حسب ذیل ہے۔ مہر ۵۰۰ روپیہ جو میں اپنے خاوند سے بصورت زیور وصول کر چکی
ہوں۔ زیور ۱۲ تولہ سونا قیمتی ۷۰۰ روپیہ چاندی وزنی سوا سو (۱۲۵) تولہ قیمتی ایک صد [illegible]
روپیہ۔ میں اس جائداد مذکورہ بالا کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان [illegible]

بعد اگر میرے مرنے کے کوئی اور جائداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان
ہوگی۔ [illegible] بیگم۔ گواہ شد۔ منظور احمد بھٹی خاوند موصیہ۔ گواہ شد۔ قاضی عبد الرحیم بھٹی
[illegible] مثل نمبر ۶۲۸۴ میں کہ حرمت بی بی زوجہ میاں فضل دین صاحب قوم ارائیں عمر ۴۰ سال پیدائشی
احمدی ساکن سیکھواں ڈاکخانہ ڈیرہ بابا نانک ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۳ ہجری شمسی ۳
حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائداد اسوقت حسب ذیل ہے۔ حق مہر مبلغ ۵۰۰ روپیہ جو میرے خاوند
کے ذمہ واجب الادا ہے اس کے علاوہ اور کوئی جائداد نہیں ہے۔ میں اس کے دسویں حصہ کی وصیت بحق
صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اگر میرے مرنے کے بعد کوئی جائداد اور ثابت ہو جائے تو اس کے بھی دسویں
حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ یہ چند حروف وصیت تحریر کر دئے ہیں۔ الامۃ حرمت بی بی
نشان انگوٹھا۔ گواہ شد۔ میاں فضل دین صاحب خاوند موصیہ۔ گواہ شد۔ قریشی فضل حق ملک۔
مثل نمبر ۶۲۸۵ میں کہ حبیبہ خاتون زوجہ لطیف احمد صاحب قوم شیخ عمر ۲۰ سال پیدائشی احمدی ساکن [illegible]
حال قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۲ ہجری شمسی ۲۲ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری اسوقت
جائداد میرے خاوند کے ذمہ مہر ہے جو مبلغ ۵۰۰ روپیہ ہے اور زیور ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔ پری بند نقرئی
۸ تولہ قیمتی ۶ روپے۔ کیشیلا نقرئی ۸ تولہ قیمتی ۹ روپے۔ لچھے نقرئی ۲۲ تولہ قیمتی ۱۶ روپے۔ چھاد نقرئی ۸ تولہ
۶ روپیہ۔ جوشن نقرئی ۳ تولہ ۳ روپے۔ تونگے نقرئی ۴ تولہ ۵ روپے۔ ہار نقرئی ۲۲ روپے۔ جگنی ۱/۲ ۴ تولہ
نقرئی ۲ روپے ۸ آنے۔ آرسی نقرئی ۱/۲ ۱ تولہ ایک روپیہ ۸ آنے۔ انوکھے نقرئی ۲۸ روپے جس کی اندازاً قیمت ۱۰۰ روپے
ہے۔ کل ۶۰۰ روپے ہوئے جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان دار الامان کرتی ہوں
میرے مرنے کے بعد اگر میری کوئی جائداد ثابت ہو تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان
ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں اپنی جائداد میں سے کچھ رقم ادا کر دوں تو وہ وصیت کردہ حصہ سے منہا بھی جائیگی
الامۃ حبیبہ خاتون موصیہ۔ گواہ شد لطیف احمد خاوند موصیہ۔ گواہ شد۔ بشارت احمد نسیم برادر موصیہ
بقلم خود۔ مثل نمبر ۶۲۸۶ میں کہ بشارت احمد نسیم ولد مولوی محمد عبد السمیع صاحب قوم شیخ پیشہ طالب علمی عمر ۱۶ سال
پیدائشی احمدی ساکن امروہہ حال قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۶ ہجری شمسی ۲۶ حسب ذیل
وصیت کرتا ہوں۔ میری اسوقت کوئی جائداد نہیں۔ مبلغ ۴۸ روپے تعلیمی اخراجات اور مبلغ ۶۰ روپے سالانہ
جیب خرچ میرے بھائی اللہ صاحب محترم کی جانب سے ملتے ہیں۔ کل ۱۰۸ روپے ہوئے جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق
صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میرے مرنے کے بعد اگر میری کوئی جائداد ثابت ہو تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی
مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر میں اپنی زندگی میں اپنی جائداد سے کچھ رقم ادا کر دوں تو وہ وصیت کردہ

حصہ سے منہا سمجھی جائے گی۔ العبد۔ بشارت احمد نسیم بقلم خود۔ گواہ شد العبد غلام احمد ... قادیان۔ گواہ شد محمد عبدالسمیع والد موصی ÷ **نمبر ۶۲۲۸** مسماۃ مبارکہ بیگم بنت فضل احمد صاحب قوم ... عمر ۳۴ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ... حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ زیور طلائی ۵ تولہ مبلغ ۲۵۰ روپے۔ زمین محلہ دار البرکات میں ۱۰ مرلہ قیمت مبلغ ... روپیہ۔ زیور نقرئی ایک سیر قیمت ۲۰ روپے۔ مہر مبلغ چار صد روپیہ جو مکان کی صورت میں ... پر تعمیر ہے۔ کل قیمت بمعہ پارچات و برتن ہائے ضروری مستعملہ کا مبلغ ۹۰۰ روپیہ ہے اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ نیز میرے مرنے پر اگر کوئی جائداد ثابت ہو تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ الامۃ۔ مبارکہ خاتون بقلم خود۔ گواہ شد سمیع اللہ ولد ماسٹر غلام محمد صاحب مرحوم پسر موصیہ۔ گواہ شد فضل محمد والد موصیہ۔ کاتب وصیت۔ عبدالرحیم محمد دیانت سوڈا واٹر فیکٹری قادیان ÷

نمبر ۶۲۶۲ منکہ رحمت خان ولد نواب قوم ملک پیشہ زمیندار عمر ۵۸ سال تاریخ بیعت دسمبر ... ساکن کوٹ مومن ڈاکخانہ خاص ضلع سرگودہا بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ... حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائداد اسوقت مندرجہ ذیل ہے۔ اراضی تعدادی کل ۱۵ ایکڑ ۷ کنال نہری مزروعہ ہے جس میں سے ۶ کلہ ۲ کنال پٹہ پر ہے اور یہ پٹہ ایک قرضہ کی ادائیگی کے لئے ۱۱ سال کے لئے پٹہ پر دیگئی تھی جس میں سے ۸ سال کا عرصہ گذر چکا ہے اور تین سال باقی ہے۔ ۲۔ دو کلہ ۶ کنال بھی پٹہ پر ہے اور اس کی میعاد ابھی ۸ سال باقی ہے۔ یہ میعاد دیں گذرنے کے بعد یہ پٹہ فک ہو کر اراضی تمام میرے قبضہ میں آجائیگی۔ باقی اراضی ۶ کلہ ۳ کنال میں سے اپنی ہمشیرگان کو دی ہوئی ہے اور تین بیگہ اپنی والدہ کو دی ہوئی ہے اور تین بیگہ اپنی اہلیہ آمنہ بی بی کو مہر میں دی ہوئی ہے۔ اسوقت باقی چھ بیگہ میرے قبضہ میں اراضی زیر کاشت ہے اس کے علاوہ ایک مکان معہ صحن ۲۱۵ روپے۔ ایک مکان سفیدہ شہر کوٹ مومن میں قیمتی ۵۰ روپے ہے۔ اندازاً ۲۰۷ روپیہ مختلف لوگوں کا میرے پر قرضہ ہے ان قرضہ جات کی ادائیگی کے بعد جو جائداد ثابت ہو اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ جو آمدنی ان اراضی سے یا کسی اور وجوہ سے ہوگی اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ جو رقم اپنی زندگی میں ادا کروں گا وہ وصیت سے منہا سمجھی جائیگی۔ اس کے علاوہ اگر اور کوئی میری جائداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ اراضی مندرجہ بالا مزروعہ کی قیمت کا اندازہ ۵۰۰ روپیہ فی ایکڑ ہے۔ العبد۔ رحمت خان نشان انگوٹھا۔ کوٹ مومن ضلع سرگودہا۔ گواہ شد محمد حیات سکنہ اور حمہ۔ گواہ شد۔ میاں خدا بخش سکرٹری انجمن احمدیہ اور حمہ ÷

نمبر ۶۲۷۵ منکہ انوری بیگم زوجہ ڈاکٹر شیخ سردار علی صاحب قوم شیخ عمر ۲۴ سال پیدائشی احمدی

مبارک ... ولد ... ساکن ... ڈاکخانہ ... تحصیل و ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۴ ... حسب ذیل وصیت کرتی ہوں میری جائداد حسب ذیل جائداد ہے۔ ۱۔ زیور بندی طلائی ایک عدد وزن ۲ تولہ ۲۔ ہنگلی بند طلائی ایک عدد وزن ۲ تولہ ۶ ماشہ۔ ۳۔ بالا طلائی ایک عدد وزن ۳ تولہ۔ ۴۔ کلپ طلائی ایک جوڑی وزن ایک تولہ ۲ ماشہ ۵۔ انگوٹھی طلائی دو عدد وزن ۸ ماشہ ۰ رتی۔ ۶۔ کانٹا طلائی ۲ جوڑی وزن یک تولہ ۵ ماشہ ۵ رتی۔ ۷۔ چوڑی طلائی ۲ عدد وزن ۵ تولہ۔ کل زیور طلائی ۱۷ تولہ ایک ماشہ ۴ رتی ہے جس کی موجودہ قیمت اندازاً ۱۲-۱۰۱۰ روپیہ ہے۔ ب ۱۔ زیور نقرئی پازیب ایک جوڑی وزن ۲۷ تولہ جسکی موجودہ قیمت اندازاً ۱۴ روپیہ ہے۔ ج مشین سلائی ہاتھ ایک عدد جسکی موجودہ قیمت اندازاً مبلغ ۵۰ روپیہ۔ د۔ حق مہر مبلغ دو ہزار ۲۰۰۰ ذمہ خاوند ہے۔ اس مندرجہ بالا جائداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اور اس کے علاوہ جو جائداد بھی میری بوقت وفات ثابت ہو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ الامۃ۔ انوری بیگم بقلم خود۔ گواہ شد شیخ سردار علی ریزیڈنٹ سپرنٹنڈنٹ ہسپتال متعدی امراض کینگز ... سول لائن ... گواہ شد شیخ عبد الواحد مولوی فاضل واقف زندگی۔

وصیت نمبر ۶۲۲۱ منکہ راج محمد ولد رمضو قوم پٹھانہ پیشہ زمیندارہ عمر ۵۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۲۳ء ساکن ... مرگ ڈاکخانہ ہندواڑہ ضلع بارہ مولا کشمیر بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۵ ... حسب ذیل وصیت کرتا ہوں میرے مرنے کے وقت جس قدر جائداد ہو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں تو ایسی رقم یا ایسی جائداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائیگی۔ میری موجودہ جائداد حسب ذیل ہے مکان سکونتی ایک عدد قیمتی سو روپیہ زمین آباد ۲۰ کنال قیمتی ۴۰۰ روپیہ زمین غیر آباد ۱۱ کنال ۲۲ روپیہ ایک گھوڑی قیمتی ۵۰ روپیہ۔ بھیڑ بکری ۱۲ راس قیمتی ۱۰۰ روپیہ۔ مکان اور منقولہ جائداد ۲۵۰ روپیہ کا دسواں حصہ مبلغ ۲۵ روپیہ نقد ادا کروں گا اور زمین میں سے ایک قطعہ ۴ کنال جسمیں ایک درخت سیب ہے اور جو مسجد احمدیہ ... مرگ اور میرے سکونتی مکان کے درمیان واقعہ ہے صدر انجمن احمدیہ کے نام ہبہ یا وقف لکھ دونگا جیسی صورت سہل ممکن ہو میرے وارثوں کو اس قطعہ کے ساتھ کوئی دخل نہیں ہوگا۔ (نوٹ) جو ۴ کنال وقف ہوگا وہ دوسری زمین سے زیادہ اچھا اور با موقعہ ہے اس لئے وہ ۴ کنال ۴۲۲ روپیہ کے ۱/۱۰ حصہ کی نسبت رکھتا ہے۔ العبد راج محمد ولد رمضو بقلم خود۔ گواہ شد۔ بہا بٹ ساکن ملک پورہ۔ گواہ شد۔ اسلام دین ولد پیر محمد ... مرگ

وصیت نمبر ۶۲۲۲ منکہ اللہ ... بیگم زوجہ میاں محمد بونا قوم ترکمان عمر ۵۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۲۳ء ساکن ... ڈاکخانہ ... ضلع ... بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۴ ... حسب ذیل وصیت کرتی ہوں میری

[illegible]

اسوقت حسب ذیل جائداد ہے۔ اول ایک خام مکان محلہ [illegible] تحصیل [illegible] ضلع امرتسر [illegible]
کی میں مالک ہوں جسکی موجودہ قیمت قریبا ۵۰۰ روپیہ ہے یہ مکان مجھے اپنے خاوند [illegible]
کی طرف سے ملا ہے اور میرا حق مہر ۲۰۰ روپیہ ہے۔ دوم میرے پاس ۵۰ چاندی [illegible] تولہ ہے جس کی قیمت قریبا ۵۰ روپیہ ہے۔ سوم ایک مکان پختہ دو منزلہ [illegible]
یہ مکان میرے دو لڑکوں کا ہے جنہوں نے مجھے اس مکان کی ملکیت میں شریک کیا ہے [illegible]
جسکی مالک ہوں۔ مکان کی قیمت ۱۸۰۰ روپیہ ہے گویا ۲۲۵ روپیہ کی میری ملکیت ہے [illegible]
۱۹۰۵ کل ۱۲۰۰ کی جائداد کی مالک ہوں۔ اسکے علاوہ میری اور کوئی جائداد نہیں ہے [illegible]
آمدنی ہے۔ میرا خرچ خوراک وغیرہ میرے لڑکے ادا کرتے ہیں۔ میں مذکورہ بالا جائداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت
کرتی ہوں جو کہ ۱۲۰ روپیہ ہوتے ہیں۔ میں یہ رقم انشاء اللہ اپنی زندگی میں ہی ادا کر دوں گی [illegible]
بعد کوئی اور جائداد ثابت ہو تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ [illegible]
[illegible] موصیہ باقیا پہرہ۔ گواہ شد حکیم محمد عبد اللہ سیکرٹری تعلیم و تربیت۔ گواہ شد [illegible]
[illegible] سیکرٹری مال انجمن احمدیہ باقیا پہرہ [illegible] ۶۲۷۶ [illegible] مرزا [illegible]
شیخ پیشہ ڈاکٹری ملازمت عمر ۴۴ سال پیدائشی احمدی ساکن [illegible] ضلع گورداسپور [illegible]
اکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اسوقت حسب ذیل جائداد ہے [illegible]
ہے۔ ۱۔ موضع [illegible] تحصیل و ضلع گورداسپور میں ملکیتی اراضی معاذی ۱۰۱ کنال [illegible] مرلہ۔ ۲۔ موضع [illegible]
ضلع گورداسپور میں اراضی معاذی ۲۲۲ کنال ۱۴ مرلہ جو کہ مبلغ ۵۰۹۵ روپیہ میں رہن لی ہوئی ہے۔ ۳۔ موضع [illegible]
[illegible] ضلع گورداسپور میں اراضی ملکیتی معاذی ۱ کنال ۴ مرلہ۔ ۴۔ ایک کنال سکنی اراضی ملکیتی [illegible]
۵۔ ایک عدد مکان ملکیتی پختہ و خام واقع موضع [illegible] تحصیل و ضلع گورداسپور جس کی مالیت تخمینا ۵۰۰ روپیہ [illegible]
عدد مکان خام واقع موضع [illegible] ضلع گورداسپور جو کہ مبلغ ۵۰۳ روپیہ میں رہن لیا ہوا ہے۔ مندرجہ بالا جائداد [illegible]
مرحوم کی طرف سے ورثہ میں ہم سب تین بھائیوں کو آئی ہے [illegible] مرحوم کا کچھ قرضہ ہے وہ اس جائداد سے ادا [illegible]
زبانی وصیت والد صاحب مرحوم ایک ہمشیرہ کی شادی کے اخراجات اس جائداد میں سے کرنے ہیں [illegible]
خرچ پورا کرنا ہے۔ ان تینوں اخراجات کے پورا کرنے کے بعد جسقدر جائداد بچے اس میں سے میرا [illegible] حصہ ہے اس کے [illegible]
میرا ایک [illegible] قادیان میں ایک نصف حصہ ہے ……………… جسمیں [illegible] کنال [illegible]
[illegible] مذکورہ بالا جائداد کے اپنے حصہ کے ۱/۱۰ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں [illegible]
اسوقت [illegible] مشاہرہ ۲۲۰ روپیہ ماہوار پر ملازم ہوں اسکا ۱/۱۰ حصہ بھی انشاء اللہ ماہ بماہ صدر انجمن احمدیہ کو ادا [illegible]
رہوں گا۔ کمی بیشی کی اطلاع دیتا رہوں گا۔ علاوہ بریں جو جائداد میری وفات کے وقت ثابت ہو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک [illegible]
قادیان ہوگی۔ العبد شیخ مرزا [illegible] بقلم خود ایم بی بی ایس [illegible]
[illegible] گواہ شد غلام [illegible] سپرنٹنڈنٹ [illegible] گواہ شد [illegible]

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز (اردو)

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۱ | ماہ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۲ء | عدد ۱۲

فہرست مضامین

موجودہ جنگ کے متعلق پیشگوئیاں

(از جناب مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لندن)

مذاہب عالم کا دعویٰ

دنیا میں مختلف مذاہب موجود ہیں۔ اور ہر ایک مذہب کے پیروؤں اپنے مذہب کو خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا واحد ذریعہ یقین کرتے ہیں۔ یہودی، عیسائی، ہندو، بدھ، زرتشتی غرضیکہ ہر ایک یہی خیال کرتا ہے کہ خدا کے قرب کے حصول کے لئے اس کے مذہب کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان کہتا ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کامل دین جس کے ذریعہ انسان اس کا قرب حاصل کر سکتا ہے اسلام ہی ہے غرضیکہ ہر ایک اپنے مذہب کی صداقت اور کمال کا مدعی ہے۔ اور دوسری طرف مذاہب کے موجودہ اختلافات کو مدنظر رکھتے ہوئے جو اصولی مسائل میں بھی پائے جاتے ہیں، یہ تسلیم کرنا بھی بعید از عقل ہے کہ انمیں سے ہر کسی ایک کو اختیار کرکے گوہر مقصود حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ دو متخالف راستے ایک جگہ نہیں پہنچا سکتے۔

سچے اور کامل مذہب کی شناخت کا ذریعہ

اگر یہ سوال ہو کہ ان مختلف مذاہب میں سے جو دعوے میں برابر ہیں، کس کو ترجیح دی جائے؟ اور کیونکر یہ یقین کیا جائے کہ اس خاص مذہب کو اختیار کرنے سے ضرور قرب الٰہی ہو سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سچے مذہب کو شناخت کرنے کا ذریعہ مکالمہ الٰہیہ ہے۔ یعنی جس مذہب میں ایسے شخص یا اشخاص پائے جائیں، جن سے خدا تعالیٰ ہمکلام ہو تو وہ مذہب یقیناً اس لائق ہے، کہ اُسے ان تمام لوگوں کے مذاہب پر ترجیح دیجائے، جو اپنے مذہب کو خدا تعالیٰ کے قرب کے حصول کا ذریعہ تو قرار دیتے ہیں، لیکن کوئی ایسی زندہ مثال پیش نہیں کر سکتے، جسے فی الواقعہ قرب الٰہی حاصل ہو گیا ہو۔ اور جس کا قطعی ثبوت یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ اس سے ہمکلام ہو، اور ایسے امور غیبیہ پر اسے اطلاع بخشے، جو کبھی علوم کے ذریعہ معلوم نہ ہو سکتے ہوں۔ اور اس کی

ہاتھ پر ایسے تازہ نشانات ظاہر کرے، جس سے دن کی طرح یہ آشکارا ہو جائے کہ اِس بندے کا واقعی خدا سے تعلق ہے، اور اس کا دامن افترا سے پاک ہے۔ جب ایسا شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر لوگوں کو اس مذہب کی طرف بلاتا ہے، جس کی پیروی کی برکت سے اسے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہوا، اور مکالمہ الٰہیہ کا مرتبہ اسے نصیب ہوا، تو وہ مذہب اس لائق ہوتا ہے، کہ ہر عقلمند اسے دوسرے اُن تمام مذاہب پر ترجیح دے، جو قربِ الٰہی کے حصول کی کوئی زندہ مثال پیش نہیں کر سکتے۔

بعثتِ مسیح موعود علیہ السلام کی غرض

موجودہ زمانہ میں جو مذہبی جنگوں کا زمانہ ہے، اور ہر مذہب بڑے زور شور سے دوسرے مذاہب پر حملہ آور ہے، اور چاہتا ہے، کہ دوسرے مذاہب کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف فرما کر اس لئے مبعوث کیا تا وہ دنیا پر ظاہر کریں، کہ آج اگر کسی مذہب میں قربِ الٰہی حاصل ہو سکتا ہے، اور سچے دین کی برکات مل سکتی ہیں، تو وہ اسلام ہے۔ چنانچہ آپ نے تمام اہلِ مذاہب کو تازہ نشانات دکھانے اور امورِ غیبیہ کے متعلق پیشگوئیوں میں مقابلہ کرنے کے لئے بلایا۔ لیکن کسی کو آپ کے مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں ؎

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

اور یہ مکالمہ الٰہیہ کا سلسلہ جو سچے اور کامل مذہب کی نشانی ہے، آپ کی ذات پر ہی ختم نہیں ہو گیا بلکہ آپ کے متبعین میں صدہا ایسے اشخاص پائے جاتے ہیں، جو سچی خوابیں دیکھتے اور صاحبِ الہام اور کشف ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں غیبی باتوں کے متعلق اطلاع دیتا ہے، جو اپنے وقت پر پوری ہوتی ہیں۔ ان کا وجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی دلیل اور اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا ثبوت ہے۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز بہائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اظلال میں سے ایک مَیں ہوں، کہ جس پر خدا نے ایسے کلام نازل کئے جو وقت پر پورے ہوئے، اور آج بھی مَیں کہتا ہوں لاؤ میرے مقابلہ میں عبد البہاء کے خلیفہ کو۔ اور پھر دیکھیں خدا تعالیٰ کس کی صداقت ظاہر کرتا ہے۔"[1]

[1] الفضل مورخہ ۲۹ اپریل ۱۹۳۸ء۔

دوسرے مذاہب مکالمہ الٰہیہ سے محرومی کے باعث اگرچہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں، کہ مدت ہوئی کہ جب سے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں سے کلام کرنا بند کر دیا۔ مگر اس زمانہ میں گذشتہ زمانوں کیطرح ایسے گروہ پیدا ہو گئے، جو مختلف طریقوں سے پیشگوئیاں کر کے اپنے آپکو پیغمبر سمجھنے لگے۔ اور جیسا کہ مسیح ناصریؑ کے وقت میں نجومی پیشگوئیاں کرنے والے پائے گئے تھے، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت نجومی اور کاہن بڑے معتبر بنے ہوئے تھے، اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں بھی جیسا کہ مسیح ناصریؑ نے فرمایا تھا، کہ انکی آمد ثانی کے وقت جھوٹے نبی ہونگے۔ اسٹرالوجسٹ (نجومی) اور سپر چولسٹ (مدعیان مکالمہ الہام) جھوٹے پیغمبر نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست پیشگوئیوں کے مقابلہ میں اُس وقت کے کاہنوں اور نجومیوں کی ذلت ظاہر ہوئی، ایسا ہی اِس زمانہ میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کی پیشگوئیوں کے مقابلہ میں اِس وقت کے جھوٹے پیغمبروں کا راز فاش ہوگیا۔ اور ان کی بے بسی سب پر ظاہر ہوگئی۔ اِس مضمون کے لکھنے سے میری غرض اِس فرق کا ظاہر کرنا ہے، جو خدا تعالیٰ سے علم پاکر پیشگوئی کرنے والے اور دوسرے طریقوں سے پیشگوئی کرنے والے اور ایک مفتری میں پایا جاتا ہے ۔

اسٹرالوجسٹ اور سپر چولسٹ کا دعویٰ

یورپ کے نجومی اسٹرالوجی کے اصول و قواعد کے ماتحت آیندہ واقعات کے متعلق پیشگوئیاں کرتے ہیں اور اپنے آپکو پرافٹ سمجھتے ہیں۔ اور ان کا یورپ میں اتنا رسوخ ہے، کہ مشہور اخبار انکی پیشگوئیاں شائع کرتے ہیں۔ اور سپر چولزم کی ابتدا اگرچہ علیحدہ مذہب کی شکل میں نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اسے ایک سائنس کے طور پر اختیار کیا گیا تھا، لیکن کچھ مدت سے سپر چولسٹوں نے سپر چولزم کو ایک علیحدہ مذہب قرار دینا شروع کر دیا۔ اور جو وہ پیشگوئیاں کرتے تھے انہیں خدا کا کلام سمجھنے لگے۔ چنانچہ ایک سپر چولسٹ اخبار "The Two Worlds" کا ایڈیٹر لکھتا ہے۔

"عیسائی سسٹم خدا کے خاص الہام کو تاریخ کے ایک مقررہ زمانہ تک محدود کرتا ہے لیکن سپر چولزم یہ اعلان کرتا ہے۔ کہ خدا جیسے کل تھا ویسے ہی آج ہے۔ اور ایسے ہی ہمیشہ رہے گا"۔[1] ایک اور سپر چولسٹ جو سر [illegible] [illegible] اسی اخبار میں لکھتا ہے کہ "خدا ہر زمانہ میں کلام کرتا ہے۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی سپر چولسٹ

[1] دی ٹو ورلڈز ۹ر فروری ۱۹۴۲ء

ہے"[۱] ایک اور شخص جی۔ ای۔ سی ڈوننگ لکھتا ہے۔ کہ "سپرچولزم میں ہر مذہب، ملت اور ہر ملک و نسل کا شخص داخل ہو سکتا ہے۔ اور ایک وقت تمام انسانوں کا یہی مذہب ہوگا۔"[۲] مسٹر فریڈ ڈبلیو نشال لکھتا ہے۔ "ہم میں سے بہت لوگ شدید مخالفت کا مقابلہ کرتے ہوئے پبلک کو بتا رہے تھے، کہ سپرچولزم ایک مذہب ہے اور ایک قانونِ زندگی ہے۔"[۳]

یہ اسٹرالوجسٹ اور سپرچولسٹ بڑی شد و مد سے اپنی اپنی جگہ اپنے نبی ہونے کا ڈھول پیٹ رہے تھے، اور لوگوں میں ایک حد تک اپنا رسوخ جما چکے تھے، کہ موجودہ جنگ شروع ہو گئی، جس سے ان دونوں کی پیشگوئیوں کی حقیقت ظاہر ہو گئی۔ ان کی اس کثرت سے پیشگوئیاں غلط ثابت ہوئیں، کہ تمام عقلمندوں پر انکی بے بضاعتی نمایاں ہو گئی۔ تھوڑا عرصہ ہوا۔ پارلیمنٹ میں ایک ممبر نے وزیر اطلاعات سے سوال کیا۔ کہ کیا اس کے علم میں یہ بات لائی گئی ہے۔ کہ اسٹرالوجسٹ یہ پیشگوئی کر رہے ہیں کہ جرمنی اب ختم ہونے کو ہے؟ اور کیا وہ ایسی خبروں کی اشاعت کو اس غرض سے بند نہیں کریگا کہ ایسی پیشگوئیوں کی وجہ سے سامان جنگ کی تیاری میں کسی قسم کی سستی نہ ہو؟ وزیر اطلاعات نے جواب دیا، کہ "ان نجومیوں کی بدقسمتی ہے، کہ انکی باتیں متواتر واقعات کے خلاف ہوتی ہیں۔ اور کوئی ذی ہوش انسان انکی پیشگوئیوں کو سنجیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ اس لئے میں کوئی وجہ نہیں پاتا، کہ سنسر والوں کو اس کے متعلق تکلیف دیجائے۔"[۴]

اسٹرالوجسٹ کی پیشگوئیاں

بطور نمونہ میں ایک مشہور اسٹرالوجسٹ مسٹر لیونرڈس ہیک کی چیدہ پیشگوئیاں ذکر کرتا ہوں، جو اس نے اپنی کتاب "Hitler's Last Year of Power." (ہٹلر کی طاقت کا آخری سال) میں ۱۹۳۹ء اور ۱۹۴۰ء کے متعلق کی تھیں۔ پیشگوئیاں درج کرنے سے پہلے وہ صفحہ ۶ و ۷ میں لکھتا ہے۔ کہ "نبی کے لئے ماضی اور حال اور استقبال میں کوئی امتیاز نہیں۔ اس کے لئے تمام زمانے دائمی طور پر زمانہ حال

۱؎ دی ٹو ورلڈز ۶ راگست ۱۹۴۰ء ۔ ۲؎ ۔۔ ۳ راگست ۱۹۳۵ء ۔ ۳؎ ۔۔ ۶ راکتوبر ۱۹۳۹ء
۴؎ ایوننگ سٹینڈرڈ ۳ رجون ۱۹۴۲ء فائنل ایڈیشن ۔

کی حیثیت رکھتے ہیں"۔ اور دیباچہ میں پیشگوئیوں کا خلاصہ مضمون ان الفاظ میں دیتا ہے "کہ اس کتاب کی اشاعت سے ایک ماہ پہلے لوگ یہ خیال کرتے ہوں گے کہ عالمگیر جنگ قطعی اور یقینی ہے لیکن پھر بھی یقین کرلو There will be no war کہ کوئی جنگ نہ ہوگی"۔ اور صفحہ ۸۸ میں لکھتا ہے "یورپین جنگ جس کا ہٹلر کے طالع نامہ میں مریخ ستارہ کے دکھائی دینے سے پتہ لگتا ہے۔ رونما نہ ہوگی"۔ اور صفحہ ۱۱۸ میں کہتا ہے "میں کئی سالوں سے یہ پیشگوئی کر رہا ہوں کہ ۱۹۳۹ء میں Third Reich یعنی موجودہ جرمنی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا"۔ اور صفحہ ۱۷۵ میں لکھتا ہے۔ کہ "جولائی۔ اکتوبر ۱۹۴۲ء کے درمیانی عرصہ میں جرمنی میں ایک زبردست انقلاب آئے گا۔ اور موجودہ حکومت کا آخری نشان بھی غائب ہو جائیگا"۔ اور صفحہ ۱۷۳ میں وہ یہ پیشگوئی کرتا ہے کہ "جرمنی میں ایک شورش برپا ہوگی۔ اور جون۔ اگست ۱۹۴۲ء کے درمیان اڈلف ہٹلر کی موت واقع ہوگی"۔ اور صفحہ ۱۷۴ میں لکھتا ہے۔ کہ "موسولینی کا روحانی افق بلند ترین ہے، اور اندرونی طاقت بھی بڑی ہے"۔ اور صفحہ ۱۷۹ میں لکھتا ہے۔ کہ "جمہوریت فرانس کے طالع نامہ سے یہ ظاہر ہے۔ کہ فرانسیسیوں کو جنگ سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور جو ملک فرانس کو جنگ میں دھکیلنے کی کوشش کر رہا ہے، قسمت اسکی یاوری نہ کرے گی ۱۹۴۲ء میں فرانس کے موافق اور مفید مطلب واقعات کا ایک سلسلہ رونما ہوگا"۔ اور صفحہ ۱۸۰ پر موسیو ڈلاڈیئر کی خوش قسمتی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "اس کا بلند اٹھتا ہوا سورج ۱۹۴۲ء میں چاند کے ساتھ ملتا ہے جس سے ظاہر ہے، کہ موسیو ڈلاڈیئر ابھی تک اپنے عروج کی اعلیٰ حالت کو نہیں پہنچے۔ ان کے لئے ابھی اور ترقی کرنا مقدر ہے"۔ اور صفحہ ۱۸۲ میں لکھتا ہے کہ "مشرق اقصیٰ کو یورپ کی جنگ میں کھینچنے کی پالیسی جو ہٹلر نے اختیار کی ہوئی ہے، اس میں اسے ناکامی ہوگی۔ انگلستان کو جاپان سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ چین اور جاپان کے درمیان صلح کا معاہدہ ہو جائے گا، اور جاپان کی موجودہ جنگ نما پالیسی کی ناکامی ظاہر ہو جائیگی"۔

پھر ایک اور مشہور اسٹرالوجسٹ سی۔ ایورارڈ میچل۔ ایف۔ بی۔ اے اپنی کتاب Fortold by the Stars. (ستاروں کے ذریعہ پیشگوئیاں) کے صفحہ ۶۷ پر

لکھتا ہے کہ "پولینڈ اب سوویٹ کے رنگ میں رنگین ہو جائے گا۔ اور میرے اسٹرالوجی کے علم کے مطابق جو حصہ پولینڈ کا اس نے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے، وہ کبھی نہیں چھوڑے گا۔ اور یہ ہمیں بھی تسلیم کر لینا چاہیئے کیونکہ یہ نہایت درجہ کی بیوقوفی ہوگی، اگر ہم خیال کریں کہ دنیا کی کوئی مادی طاقت روس کو اب پولینڈ سے باہر نکال سکے گی"۔ پھر صفحہ ۳، میں لکھتا ہے کہ "صلح کے سوال کے متعلق جو کچھ میں مطالعہ سے معلوم کر سکا ہوں، وہ یہ ہے، کہ مارچ یا جون یا دسمبر ۱۹۴۰ء میں صلح ہو جائے گی۔ اور جرمنی میں موجودہ سسٹم کا یقینی طور پر خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ ہٹلر کے نقشہ میں زحل کا دسویں محل میں تھا، ہونا ہٹلر کے سقوط پر دلالت کرتا ہے۔ اور جب اس سقوط کا وقت آئے گا۔ تو اس وقت ایک شخص کو جو اب نامعلوم ہے اور اُس گھڑی کے انتظار میں ہے، زمانہ ظاہر کرے گا۔ مجھے یقین ہے، کہ یہ ۱۹۴۰ء میں واقع ہوگا"۔ پھر صفحہ ۷۷ میں لکھتا ہے۔ کہ "فروری اور اگست ۱۹۴۰ء میں اچانک صلح ہو جانے کی علامات پائی جاتی ہیں۔ ستاروں کی حرکات کی بناء پر اگست کا تیسرا ہفتہ اس غرض کے لئے مقرر کرتا ہوں"۔ اور صفحہ ۷۹ میں لکھا ہے کہ "اگست ۱۹۴۰ء میں صلح کا معاہدہ ہونے سے پیشتر ہٹلر سٹیج سے علیحدہ ہو جائے گا۔ اور جو ڈرامہ اس نے ستمبر ۱۹۳۹ء میں شروع کیا تھا اسے دوسرے پورا کریں گے۔ لڑائی شکست کسی کو نہ ہوگی۔ نہ جرمنی کو نہ اتحادیوں کو۔ اور صلح یا امن اگست یا ستمبر ۱۹۴۰ء میں ہو جائے گا"۔

ہر وہ شخص جسے جنگ کے حالات سے تھوڑی سی بھی واقفیت ہے معلوم کر سکتا ہے کہ یہ پیشگوئیاں بُری طرح غلط نکلیں۔ اور واقعات نے ان پر واقف ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کو جھوٹا ثابت کر دیا۔

سپرچولسٹ کی پیشگوئیاں

موجودہ جنگ نے سپرچولسٹوں کی پیشگوئیوں کی حقیقت بھی طشت از بام کر دی۔ اور انکی پیشگوئیاں نجومیوں کی پیشگوئیوں سے زیادہ درست ثابت نہ ہوئیں۔ وہ جنگ کے اعلان ہونے کے دن تک تحدیانہ طور پر یہ پیشگوئیاں شائع کرتے رہے، کہ جنگ نہیں ہوگی۔ اخبار "دی ٹو ورلڈز" کے ایڈیٹر نے ۱۸؍ اگست ۱۹۳۹ء کے پرچہ میں اس تمہید کے ساتھ تین پیغامات شائع کئے، کہ سپرچولسٹوں کو اس امر کا یقین ہے، کہ عالمگیر جنگ نہ ہوگی۔ اور یہ بات ہمارے پلیٹ فارم سے گذشتہ بارہ مہینوں میں متواتر بیسیوں میڈیمز نے کہی

ہے۔ لیکن حالات پیش نظر کرتے ہوئے جیسا کہ لندنی نامہ نگار لکھتا ہے، زیادہ یقین دلانے کے لئے کہ جنگ نہ ہوگی، میں ان تین پیغامات کو درج کرتا ہوں جو ہمارے پلیٹ فارم سے گزشتہ ماہ میں دیئے گئے۔

پہلا پیغام - ایک سپرچولسٹ نے کہا کہ میں نے ایک بلند پہاڑی دیکھی، جس کے درمیان میں ایک وسیع میدان تھا۔ جیسے میں نے محسوس کیا، کہ وہ تمام دنیا کی زمین کا قائم مقام ہے۔ وہ میدان فوجی دستوں سے بھرا ہوا تھا۔ سب کے سب مسلح اور جنگ کیلئے تیار تھے، وہ جلدی سے پہاڑی پر چڑھے اور چوٹی پر پہنچکر ٹھہر گئے۔ جب میں نے ان کے ٹھہرنے کی وجہ دریافت کرنی چاہی، تو میں نے ایک گدھے پر یسوع مسیح کی نورانی شکل سوار دیکھی، جو سفید لباس میں ملبوس تھی۔ اس کے دونوں طرف میں نے سفید لباس پہنے اور شکلیں بھی دیکھیں، جن کے ہاتھوں میں کھجور کے پتے تھے، اور ان کے پیچھے روحوں کے گروہ کھجوریں اٹھائے کھڑے تھے اور امن و سلامتی کی خوشیاں منا رہے تھے۔ اس کشف کی **تعبیر** یہ ہے کہ عالمگیر جنگ نہ ہوگی اور صلح یقینی ہے۔

دوسرا پیغام - ایک اور سپرچولسٹ کہتا ہے۔ کہ میں نے اپنے آپکو ایک بڑے ہال میں دیکھا، جس کے وسط میں ایک لمبی میز پڑی تھی، جس کے گرد سب قوموں کے نمائندے بیٹھے ہوئے تھے، میں نے دیکھا، کہ ہمارا پرائم منسٹر مسٹر نیول چیمبرلین کرسی پر بیٹھا ہے، اور اس کے سر پر سونے کی ایک بڑی صلیب لگی ہوئی ہے، اور اس کے سامنے میز پر ایک دستاویز پڑی ہے، اور قوموں کے نمائندے ایک ایک کر کے سامنے آکر اس پر دستخط کر رہے ہیں۔ تب پرائم منسٹر غائب ہو جاتا ہے، اور اس کی جگہ یسوع کی نورانی شکل دکھائی دیتی ہے۔ جس کے سر پر سونے کا تاج ہے، اور اس کے دونوں طرف بدھ اور کنفیوشیس کی شکلیں نمودار ہو جاتی ہیں، جو مشرق کی نمائندگی کرتے ہیں۔ پھر یسوع اور اس کے پیچھے پیچھے بدھ اور کنفیوشیس مختلف قوموں کے نمائندوں کے درمیان چلتے ہیں۔ تب ہال کی اونچی جانب سے انجیلی راگ گانے والوں کی ایک پارٹی ظاہر ہوتی ہے، جو خوشی کا گیت گا رہی ہے۔ **تعبیر**۔ امن عالم کے

لہ میڈیم سے مراد وہ مرد یا عورت ہے، جس کی معرفت روحیں باتیں کرتی ہیں۔ یعنی وہ روح اور سائل کے درمیان یا جس کے متعلق روح بات کرتی ہے، ایک واسطہ ہوتا ہے۔ شمس

پیکٹ پر محبت و آشتی کے ساتھ دستخط ہو گئے۔

تیسرا پیغام۔ میڈیم نے اپنے آپکو ایک قصبہ میں دیکھا جہاں کہ وہ سپر چولسٹ گرجا کے کاموں میں حصہ لینے کے لیے اکثر جایا کرتی تھی۔ وہ رئیس البلدیہ سے ملنے کے لئے گئی، اور اس نے اسے ایک میز پر بیٹھے پایا۔ اس کے سامنے ایک دستاویز پڑی تھی۔ تب میڈیم نے اس سے کہا۔ لو! آپ تو یہ کہتے تھے، کہ جنگ ہوگی۔ اور میں نے آپ سے کہا تھا کہ جنگ نہیں ہوگی۔ رئیس البلدیہ نے جواب دیا کہ تمہاری بات درست تھی۔ پھر دونوں بڑے بازار میں گئے، جو لوگوں سے پُر تھا۔ اور وہ خوشیاں منا رہے تھے۔ **تعبیر** کہ صلح کا معاہدہ ہو گیا، جیسے وہ منا رہے تھے۔

یہ تین پیغام جو لوگوں کو اس امر کا یقین دلانے کے لیے شائع کئے گئے، کہ جنگ نہیں ہوگی ارواح کے پیغامات نہ تھے، بلکہ کشوف تھے۔ لیکن کیا کوئی عقلمند یقین کر سکتا ہے، کہ یہ کشوف اور اسی طرح کے بیسیوں دوسرے پیغامات جو انہوں نے شائع کئے خدا کی طرف سے تھے؟ یقیناً وہ خدا کی طرف سے نہ تھے۔

پھر ۲۵ر اگست ۱۹۳۹ء کے پرچہ میں میڈیم کے ذریعہ لارڈ نارتھ کلف کی روح کا یہ پیغام شائع ہؤا، کہ عالم ارواح کی طرف سے اہل ارض کو یہ پیغام دیدو کہ کوئی بڑی جنگ نہ ہوگی، مگر چند روز کے بعد جنگ شروع ہوگئی، اور سپر چولسٹوں کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ چنانچہ سپر چولسٹ نیشنل یونین کے پریزیڈنٹ نے ۱۶ر ستمبر ۱۹۳۹ء کے پرچہ میں لکھا۔ کہ "مجھے ذاتی طور پر اور جیسا کہ میں سمجھتا ہوں ایک بہت بڑی تعداد کو بھی جنگ کا آغاز ایک بڑے صدمہ کا موجب ہے۔ ہم میں سے بہت کشوف اور ارواح کے پیغامات پر اعتماد کرتے ہوئے یہ امید رکھتے تھے، کہ جنگ نہیں ہوگی" اسی طرح ۲۲ر ستمبر کے پرچہ میں مسٹر ایڈمنڈ بار کرتے تنقید کرنے والوں کے جواب میں لکھا "جس حد تک پیشگوئیوں کا تعلق ہے، منتقدین کی تنقید لاجواب ہے۔ پیشگوئیاں یقیناً غلط تھیں۔ اور اگر آج جنگ بند بھی ہو جائے تب بھی وہ غلط ہی رہیں گی۔" اور ۱۴ر اکتوبر کے پرچہ میں افسروں کی سالانہ کانفرنس کی روئداد درج کرتے ہوئے مسٹر ہیرلڈ دیگرس کا یہ قول شائع ہؤا۔ کہ "میڈیم آخری لمحہ تک یہ پیغامات دیتے رہے

کہ جنگ نہیں ہوگی لیکن جنگ شروع ہوگئی "۔

جب ان پیشگوئیوں کے پورا نہ ہونے پر اعتراضات کئے گئے، تو یہ لوگ اس کی مختلف توجیہات کرنے لگے۔ چنانچہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۹ء کے پرچہ میں ہیری کاکس نے لکھا کہ لارڈ نارتھ کلف نے یہ پیغام نہیں دیا تھا کہ جنگ نہیں ہوگی، بلکہ یہ کہا تھا، کہ بڑی جنگ نہیں ہوگی۔ اور ہمارے ایک سرکردہ میڈیم نے صرف ہمارے ملک کے امن میں رہنے کے متعلق پیشگوئی کی تھی، چنانچہ انگلستان پر ایک بم بھی نہیں پڑا۔ پھر کہتا ہے، کہ میں نے اگست میں ناٹنگھم کے گرجا میں حسب الفاظ حاضرین کو یقین دلایا تھا، کہ "ان کے مکانات بموں سے نہیں گرائے جائیں گے۔ اور بڑی یوروپین جنگ نہ ہوگی" مگر انگلستان پر ایسی بمباری ہوئی جو کبھی نہیں بھولے گی۔ اور یورپ میں ایسی خطرناک جنگ ہوئی، کہ ملکوں کی حکومتیں تبدیل ہوگئیں۔ بعض نے کہا، کہ غلطی اصل میں پیشگوئیوں کو اشاعت دینے کی ہے۔ اشاعت نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ بعض نے کہا۔ اشاعت اس لئے دی گئی، کہ پیشگوئیاں کرنے والے مکّار تھے۔ اور بعض نے ان حالات کو دیکھتے ہوئے مشورہ دیا، کہ پیشگوئیاں کرنا بند کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ان کے ایک مشہور لیڈر مسٹر ہینن سویفر نے کوئینز ہال لنڈن میں اپنی تقریر میں ان پیشگوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا " ہمیں اپنے پلیٹ فارم سے پیشگوئی کرنا بند کرنا چاہیئے۔ پیشگوئی اگرچہ ایک دلچسپ سنڈی ہے لیکن جتنی جلدی سپرچولزم سے اس کا وجود غائب ہو جائے، اتنا ہی بہتر ہے۔ ابھی بارہ ماہ گذرے ہیں، جبکہ میں نے اِس بے ہودہ خیال پر کہ پیشگوئی ارواح کے عمل کی ایک شہادت ہے، تنقید کی تھی۔ لیکن مجھے یہ جواب دیا گیا کہ مجھے اپنے الزام کو ثابت کرنے کی جرأت نہیں " ۔[1] بعض نے اِس رائے کی مخالفت کی۔ چنانچہ ایچ۔ یوڈنگٹن کا خط اس پرچہ میں چھپا۔ کہ میں نے ایڈیٹر کو پروٹسٹ کرتے ہوئے لکھا تھا، کہ سویفر کا میڈیمز کو پیشگوئی ترک کرنے کا مشورہ دینا ایک احمقانہ بات ہے۔ وہ پھر یہ بھی کہہ سکتا ہے، کہ توسط کو سرے سے ہی بند کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ پیشگوئی ہی تو علم ارواح کے اظہار میں سب سے نمایاں چیز ہے "۔[2]

---

[1] ایضاً مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۹ء۔ [2] ایضاً مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء

یہ لوگ جنہوں نے پیشگوئی کا سلسلہ جاری رکھنے کی تائید کی، وہ جنگ کے بعد بھی پیشگوئیاں کرتے گئے۔ چنانچہ ان کی چند اور پیشگوئیاں یہاں نمونہ کے طور پر درج کیجاتی ہیں۔ ایک نے پیشگوئی کی ”وہ دن دور نہیں جبکہ جنگ ختم ہوگی۔ اور تمہیں اس کے متعلق اسوقت زیادہ علم ہوگا، جبکہ تم ہٹلر کے قتل کی خبر سنو گے۔ ۱۰ر فروری کا انتظار کرو“[1] پھر ایک سپر چولسٹ ایف۔ ایچ۔ وڈ لکھتا ہے کہ ”اگر جرمنی اور روس کے لیڈروں کو اس بات کا علم ہو جائے، کہ ان کی بعض نہایت خفیہ تدابیر و تجاویز کا ان کے ز- عمل میں آنے سے بہت مدت پہلے مجھے علم دیا گیا تھا، تو وہ حیران ہو جائیں۔ مجھے باتیں بتانے والوں میں سے دو بڑی شخصیتیں ہیں ایک لیڈی نونا اور دوسری مسٹر رُوحی براور ہے۔ ڈی۔ ڈبلیو ہیں ۱۲ر ستمبر کو نونا نے مجھے خبر دی، کہ اٹلی جنگ میں شامل نہیں ہوگا۔ اور ۲۱ر اکتوبر کو ہے۔ ڈی۔ ڈبلیو نے مجھے بتایا، کہ مسولینی کسی سے اور کم از کم انگلستان سے مخاصمت نہیں کرنا چاہتا۔ اور ۲۸ر نومبر کو جبکہ روس ابھی فن لینڈ پر حملہ کرنے کی ڈینگ مار رہا تھا، اور ابھی حملہ نہیں کیا تھا، مجھے ہے۔ ڈی۔ ڈبلیو نے بتایا، کہ روس تکلیف دینا چاہتا ہے، لیکن روس سے تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ روسی جنگ نہیں کر سکتے، اور نہ وہ جانتے ہیں کہ جنگ کیسے کرنی چاہیئے۔ انکی مشینیں بھی نہایت خراب ہیں۔ روس کو سوائے ذلت کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ روس ایک بے وقوف ملک ہے۔ اور اگر روسی محتاط نہیں ہونگے تو انہیں مصیبت کا سامنا ہوگا۔ نیز نونا نے ۳ر اکتوبر کو مجھ سے کہا۔ کہ جرمن طبعی لحاظ سے جنگ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ میرا بھائی اور بہت سی اور ارواح یہی سمجھتی ہیں، کہ جنگ ۱۹۴۰ء میں ختم ہو جائے گی“[2] پھر لکھا، کہ ”۱۷ر اپریل کو ہے۔ ڈی۔ ڈبلیو نے اٹلی کے متعلق بتایا، کہ مسولینی اٹلی کو زبردستی جنگ میں لانا چاہتا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے۔ اٹلی بچ نہیں سکیگا۔ لیکن اس سے بہت پہلے سویڈن جنگ میں شامل ہو جائیگا“[3] کیا کوئی خیال کر سکتا ہے، کہ یہ پیغامات دینے والی روحوں کو اتنا بھی علم ہے جتنا کہ عوام الناس کو اخباروں کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے سپر چولسٹ ان باتوں کا نام پیشگوئیاں رکھتے

[1] دی ٹو ورلڈز مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۴۰ء۔ [2] ایضاً مورخہ ۸ر مارچ ۱۹۴۰ء۔ [3] ایضاً ۲۴ر مئی ۱۹۴۰ء

اور عالم بالا سے تعلقدار ہونے کے مدعی ہیں لیکن کوئی عقلمند ایسی باتوں کا نام پیشگوئی نہیں رکھ سکتا۔
پس موجودہ جنگ نے سپر چولسٹوں کے بذریعہ ارواح امورِ غیبیہ پر اطلاع پانے کے ڈھول کا پول بھی کھول دیا۔

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی پیشگوئیاں

جو پیشگوئیاں خدا تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کے ذریعہ کرتا ہے، انہیں تخلف کبھی نہیں ہوتا۔ یہ تو ممکن ہے، کہ ملہم اسے سمجھنے میں غلطی کھا جائے۔ لیکن اصل پیشگوئی جب پوری ہوتی ہے، تو وہ اپنے ساتھ غیب کے اتنے پہلو لئے ہوتی ہے، کہ کوئی عقلمند اس کے وقوع کے بعد اس کے خدائے عالم الغیب کی پیشگوئی ہونے میں شک نہیں کر سکتا۔ میں اپنے سابقہ مضامین میں قرآن مجید سے یورپین جنگوں کے متعلق اور پھر گذشتہ اور موجودہ عالمگیر جنگ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں ذکر کر چکا ہوں اس مضمون میں مَیں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی موجودہ جنگ کے متعلق پیشگوئیاں ذکر کرتا ہوں:-

اُس وقت جبکہ یورپ کے اسٹرالوجسٹ اور سپر چولسٹ پے در پے یہ پیشگوئیاں شائع کر رہے تھے، کہ جنگ ہرگز نہیں ہوگی، آپ نے اللہ تعالیٰ سے علم پاکر فرمایا، کہ نہایت ہولناک تباہی خیز جنگ ہوگی۔ چنانچہ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۹ء کو آپ نے اپنی ایک رؤیا بیان کرکے فرمایا۔ کہ اس رؤیا کے ماتحت مَیں سمجھتا ہوں، کہ ممکن ہے یہ جنگ ہندوستان کے اندر بھی آجائے۔ اور فرمایا:-

"اور یہ جو آفتیں آنیوالی ہیں، ان پر اصل غلبہ دعا کے ذریعہ ہی ہوگا۔ اور کیا تعجب ہے کہ اس جنگ میں ایک وقت ایسا آجائے جبکہ اتحادی ہم سے دعا کی درخواست کریں۔ اور جیسا کہ رؤیا بتاتی ہے، اگر وہ اخلاص سے اس طرف توجہ کریں، تو خدا تعالیٰ میری دعا کی برکت سے یہ مصیبت اُن سے دور کر دے گا۔ لیکن ابھی اُن کے دماغ ایسے مقام پر نہیں آئے، کہ وہ اس حقیقت کو سمجھیں۔ بلکہ اس وقت اگر کسی انگریز کے سامنے میری اس تقریر کا یہ حصہ رکھ دیا جائے۔ تو وہ کہیگا کہ یہ کوئی پاگل ہے، جو پاگل خانہ سے چھوٹ کر آیا ہے۔ کیا ہماری حفاظت کے لئے ہمارے پاس توپخانے اور بحری

بیڑے اور ہوائی جہاز اور بڑے بڑے اسلحہ موجود نہیں۔ اور اگر اِن ہتھیاروں کے باوجود ہمیں فتح حاصل نہ ہو، تو اس کی دعا سے فتح کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر جب مصائب آتے ہیں، تو اُسوقت ذہن خود بخود اس طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ پس کیا تعجب ہے کہ خدا تعالیٰ اسلام کی صداقت کا ایک زندہ نشان اس طرح دکھا دے: کہ جب اُنکی مصیبتیں بڑھ جائیں، اور انہیں کوئی علاج نظر نہ آئے تو وہ جماعت احمدیہ اور اس کے امام سے کہیں، کہ آپ ہماری اس مصیبت کے دور ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور جب ہم اس درخواست کے بعد دعا کرینگے، تو میں اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہوں کہ وہ اُن وعدوں کے مطابق جو اُسنے ذاتی طور پر مجھ سے کئے اور اُن وعدوں کے مطابق جو اس نے میری پیدائش سے بھی پہلے میرے متعلق کئے وہ میری دعا کو سن لیگا، اور اسلام اور احمدیت کی صداقت کیلئے ایک زندہ نشان دکھا دے گا۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی بِفَضْلِہٖ وَرَحْمَتِہٖ۔" [1]

یہ تحریر کسی توضیح کی محتاج نہیں۔ اس میں بتایا گیا ہے، کہ اِس جنگ میں اتحادی اسقدر شدید مصیبت میں مبتلا ہوں گے، کہ بظاہر ان کے لئے سوائے دعا کے اور کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ اور دنیا جانتی ہے کہ وہ سخت مصیبت میں گرفتار ہوئے اور انکی ایسی نازک حالت ہو گئی، کہ انہیں دعاؤں کے لئے مخصوص دن مقرر کرنے پڑے، جن میں تمام لوگوں سے دعا کرنے کے لئے التجا کی گئی۔ ان ایام میں فرانس اور انگلستان کے گرجے دعا کرنے والوں سے پُر ہو گئے۔ اور پرائم منسٹر فرانس کو یہ کہنا پڑا، کہ فرانس صرف معجزانہ طریق سے بچ سکتا ہے۔ آخر فرانس کی قوت ٹوٹ گئی، اور وہ دشمن سے مغلوب ہو گیا، اور انگریزوں کی حالت بھی ڈنکرک کے بعد ایسی ہو گئی تھی۔ کہ ان کے مقابلہ کو جاری رکھنے کی بظاہر کوئی امید نہ تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص تصرف کے ماتحت دشمن کو اُس وقت حملہ کرنے کی طاقت نہ دی۔ اور انگریزوں کو جو فرانس کی لڑائی میں ٹینک اور مشین گنیں وغیرہ تمام آلاتِ حرب کھو بیٹھے تھے، نئے سرے سے تیاری کا موقعہ دیدیا۔ اور یہ اس لئے ہوا، تا خدا کی وہ بات

---

[1] الفضل مورخہ ۱۰ ر اکتوبر ۱۹۳۹ء

پوری ہو، جو جنگ سے پہلے مندرجہ ذیل رؤیا میں حضرت امیر المومنین کو بتائی گئی تھی۔

ایک عظیم الشان پیشگوئی

اللہ تعالیٰ نے جنگ کے اعلان سے ایک ماہ قبل حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ کو رؤیا میں غیب کی ایک ایسی عظیم الشان بات بتائی جو اس وقت دنیا کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتی تھی۔ اور وہ رؤیا جیسا کہ حضور نے اس کے وقوع سے پہلے متعدد دوستوں کو بتا دی تھی، یہ ہے، آپ نے فرمایا:-

"میں نے رؤیا میں دیکھا۔ کہ میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوں۔ اور منہ مشرق کی طرف ہے۔ میرے سامنے حکومتِ برطانیہ کی خفیہ خط و کتابت پیش کیجا رہی ہے۔ ایک کے بعد دوسری چٹھی میرے سامنے آتی ہے۔ یہ چٹھیاں انگریزی حکومت کیطرف سے فرانسیسی حکومت کے نام ہیں۔ ایک چٹھی میرے سامنے آئی، جس میں حکومت برطانیہ نے فرانسیسی حکومت کو لکھا ہے، کہ ہمارا ملک سخت خطرہ میں پڑ گیا ہے۔ جرمن اس پر حملہ آور ہونیوالا ہے۔ اور قریب ہے کہ اسے مغلوب کرے۔ اس لئے ہم آپ سے چاہتے ہیں، کہ انگریزی حکومت اور فرانسیسی حکومت کا الحاق کر دیا جائے۔ یہ چٹھی پڑھ کر میں بہت گھبرایا۔ اور قریب تھا کہ میری آنکھ کھل جاتی، کہ یکدم ایک آواز آگئی، کہ یہ چھ ماہ پہلے کی بات ہے۔" [1]

یہ خواب مندرجہ ذیل سات ایسی باتوں پر مشتمل ہے، جو رؤیا کے وقت پردۂ غیب میں تھیں:-

۱۔ جرمن اور انگریزوں میں جنگ ہوگی، اور نہایت سخت ہوگی۔ ۲۔ فرانس انگریزوں کا اس جنگ میں حلیف ہوگا اور شکست کھائیگا۔ ۳۔ وہ شکست اس قسم کی ہوگی، کہ وہ انگریزوں سے قطع تعلق کر کے غنیم سے صلح کا معاہدہ کرنے پر تیار ہوگا۔ ۴۔ اُسوقت برطانیہ سخت خطرہ میں گھرا ہوا ہوگا، اور جرمن کی طرف سے حملہ کا خوف ہوگا۔ ۵۔ برٹش گورنمنٹ اپنے مصیبت زدہ حلیف کو اپنے ساتھ رکھنے اور غنیم سے علیحدہ طور پر مصالحت کرنے سے روکنے کی درخواست کرے گی، کہ دونوں حکومتوں کو ایک بنا دیا جائے، اور دونوں قومیں ایک قوم قرار دیجائے۔ ۶۔ یہ الحاق کا اعلان برٹش

[1] الفضل مورخہ ۲۸ / جون سنہ ۱۹۴۰ء

گورنمنٹ اپنی ضرورت کے ماتحت فرنچ گورنمنٹ کی منظوری حاصل کئے بغیر کرے گی۔ ۷۔ اس درخواست الحاق کے پورے چھ ماہ بعد برٹش گورنمنٹ کی حالت زیادہ اچھی ہو جائے گی، اور برطانیہ پر جرمنی کی طرف سے خوف کی جو حالت تھی وہ جاتی رہے گی۔

یہ سات باتیں جن کا رؤیا سے پتہ لگتا ہے عجیب رنگ میں پوری ہوئیں :-

۱۔ بظاہر ہٹلر بالکل نہیں چاہتا تھا، کہ انگریزوں سے جنگ کرے۔ اور وہ اپنی تقریروں میں اپنی اس خواہش کا بارہا اظہار کر چکا تھا۔ اور دوسری طرف انگریزوں کی کوئی تیاری نہ تھی لیکن باوجود اس کے انگریزوں کو جنگ میں شامل ہونا پڑا۔ اور اسی کی وجہ مسٹر چرچل نے ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۲ء کو کیمبڈن پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے بتائی یہ کہ "ہمیں جنگ میں بالکل عدم تیاری کی حالت میں شامل ہونا پڑا کیونکہ ہم پولینڈ سے یہ کہہ چکے تھے، کہ اگر اس پر حملہ ہوا تو ہم اس کا ساتھ دیں گے"[1] اور فرانس کو انگریزوں سے معاہدہ کیونکہ جو سی جنگ میں شامل ہونا پڑا۔ اور اس کے بعد ۲۸ر مارچ ۱۹۴۰ء کو فرانس اور برطانیہ کے درمیان یہ معاہدہ بھی ہو گیا، کہ دونوں گورنمنٹوں میں سے دوسرے سے دوستانہ طور پر منظوری لئے بغیر کوئی ایک گورنمنٹ علیحدہ اپنے طور پر جرمنی سے نہ کوئی معاملہ یا گفتگو کا سلسلہ کھولے گی، اور نہ ہی صلح یا امن کا معاہدہ کرے گی۔ پس انگریزوں کا جرمنی کے خلاف عدم تیاری کی حالت میں جنگ میں شامل ہونا ایک غیر معمولی بات تھی۔

۲۔ ہر وہ شخص جس نے ہٹلر کی تقاریر کو بغور پڑھا ہوگا، جانتا ہے، کہ اس نے فرانس کے متعلق سخت زہر اگلا گیا ہے۔ اور اس کو جرمنی کا حقیقی دشمن قرار دیا گیا۔ اس لئے اس کا جنگ سے علیحدہ رہنا کسی صورت میں ممکن نہ تھا۔ لیکن خواب میں یہ دکھایا گیا، کہ برطانیہ خطرہ میں گھرا ہوا ہے، اور جرمنی اس پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ اس سے اور نیز خواب میں یہ دکھائے جانے سے کہ برٹش گورنمنٹ نے الحاق کی درخواست کی ہے، صاف ظاہر ہے، کہ فرانسیسی جرمنی کے خلاف اور انگریزوں کے ساتھ ہوں گے۔ اور اس صورت میں فرانس سے فیصلہ ہونے کے بعد ہی برطانیہ پر حملہ ہو سکتا تھا۔ گویا اس رؤیا میں اس طرف

---

[1] لنڈن ٹائمز مورخہ ۱۴ر دسمبر ۱۹۴۲ء

اشارہ تھا، کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے، کہ برطانوی افواج فرانس میں جا کر جرمنی سے جنگ نہیں کر سکیں گی۔ گویا فرانس دشمن کے قبضہ میں آجائے گا۔

۳۔ اس خواب سے یہ بھی ظاہر ہے، کہ فرانس کی حکومت اس رنگ میں شکست نہیں کھائے گی، کہ برٹش گورنمنٹ کو اس سے آئندہ امداد کی توقع نہ ہے۔ بلکہ امداد کی توقع کی جا سکیگی۔ لیکن غنیم سے صلح کی صورت میں اس امداد سے برٹش گورنمنٹ محروم ہو جائے گی۔ چنانچہ جب فرانس کی شکست کا وقت آیا، اور اس کا ایک بڑا حصہ جرمنوں کے قبضہ میں آگیا۔ اور ادھر برطانوی افواج بمشکل انگلستان پہنچ گئیں، تو پرائم منسٹر فرانس موسیو رینو نے مسٹر چرچل کو بلایا۔ اور ۱۳ر جون کو مسٹر چرچل، فارن سیکرٹری اور لارڈ بیوربرک (Tours) تورس میں جا کر اس سے ملے۔ اگرچہ صلح کا ذکر بھی آیا، لیکن اُسوقت تک خیال تھا، کہ فرانسیسی جنگ جاری رکھیں گے، اور اگر فرانس چھوڑنا پڑے، تو بھی حکومت شمالی افریقہ سے جنگ جاری رکھیگی۔ اور امریکہ سے مدد طلب کرنے کا بھی مشورہ دیا گیا۔ ۱۶ر جون کو موسیو رینو کا پیغام پہنچا، کہ امریکہ کی طرف سے تسلی بخش جواب نہیں ملا۔ اور ۲۸ر مارچ کے معاہدہ کی رو سے صلح کے معاملہ میں فرانس پر جو پابندی ہے، اُس سے اُسے آزاد کر دیا جائے۔ چونکہ فرنچ گورنمنٹ اس وقت بورڈو جا چکی تھی، اس لئے اس روز کی شام کو پرائم منسٹر بورڈو جانے کے لئے ٹرین میں سوار ہو چکا تھا، کہ پیغام آیا۔ "فرانس کی حکومت تبدیل ہو گئی ہے، اور نئی حکومت کا ہیڈ مارشل پیتان کو تجویز کیا گیا ہے، اور اس نئی حکومت کا بڑا مقصد صلح کر لینا ہے۔"[1] فرانسیسی حکومت اگر چاہتی تو وہ شمالی افریقہ میں قیام کر کے جنگ جاری رکھ سکتی تھی، مگر اس نے صلح کر لی۔

۴۔ برطانیہ کی حالت اُس وقت نہایت نازک تھی۔ ڈنکرک کے مقام پر وہ افرا تفری پڑی، کہ تمام افواج جنگی اسلحہ وغیرہ کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگی۔ بعض کے پاس تو پہننے کے لئے کپڑے بھی نہیں رہے تھے۔ اور تمام بزبان حال یہ کہہ رہے تھے، جان بچی لاکھوں پائے۔ اُسوقت جرمنی یہ خیال کرتا تھا، کہ اب برٹش گورنمنٹ کو اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں، کہ وہ صلح کے لئے خود بخود درخواست کرے۔ اور اس

[1] ٹائمز۔ مورخہ ۲۶ر جون ۱۹۴۰ء

خیال سے دو ماہ تک اس نے حملہ کی دھمکی دینے پر ہی اکتفا کی۔ چنانچہ ۱۸ر جون ۱۹۴۰ء کو جنگی محکمہ اور ہوم سیکورٹی کی وزارت کی طرف سے مشترکہ اشتہار شائع ہوا، جس میں لکھا۔

"The Germans threaten to invade Great Britain." یعنی جرمن برطانیہ پر حملہ کرنے کی دھمکی دے رہے ہیں۔[1]

۵۔ جب مسٹر رینو کی جس کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا، کہ وہ صلح نہیں کرے گا، بلکہ جنگ کو جاری رکھیگا، حکومت تبدیل ہوگئی، تو فرنچ گورنمنٹ کو اپنے ساتھ رکھنے اور اسے غنیم سے صلح کرنے سے روکنے کی غرض سے برٹش گورنمنٹ نے دونوں گورنمنٹوں کے الحاق کی تجویز پیش کر دی۔ ۱۷ر جون کی شام کو الحاق کی تجویز فرنچ گورنمنٹ کو بھیجی گئی، کہ ان الفاظ میں اعلان کیا جائے :۔

"موجودہ دنیا کی سب سے زیادہ خطرناک حالت کے وقت یونائیٹڈ کنگڈم اور جمہوریہ فرانس کی حکومتیں حریت و انصاف سے مدافعت کے لئے ایک مشترکہ محاذ کی خاطر ان ظالمانہ سسٹم کے خلاف جو بنی نوع کو ذلت اور غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ ناقابل تفریق اتحاد اور ناقابل تسخیر عزم کا اعلان کرتی ہیں۔"

یونین کے متعلق اصل الفاظ یہ ہیں :۔

"The two Governments declare that France and Great Britain shall no longer be two nations, but one Franco-British Union. The constitition of the Union will provide for joint organs of defece, foreign, financial and economic policies. Every citizen of France

---

[1] لنڈن ٹائمز مورخہ ۱۹ر جون ۱۹۴۰ء

will enjoy immediately sitizenship of Great Britain, every British subject will become a sitizen of France."

یعنی دونوں گورنمنٹیں یہ اعلان کرتی ہیں، کہ فرانس اور برطانیہ اب دو قومیں نہیں بلکہ ایک ہی قوم فرینکو برٹش یونین کے نام سے ہوگی، اور یونین کی کانسٹی ٹیوشن، ڈیفنس، امور خارجہ اور مالی اور اقتصادی پالیسی کے مشترکہ وسائل و ذرائع مہیا کرے گی۔ ہر ایک فرانسیسی شہری فوراً برطانوی شہریت کا حقدار ہو جائیگا۔ اور ہر ایک برطانوی رعیت فرانس کا شہری بنجائے گا۔ اور اسی اعلان میں یہ بھی کہا گیا، کہ ایک ہی جنگی وزارت ہوگی، اور دونوں پارلیمنٹیں بھی اصولی اور قانونی طور پر متحد کر دیجائیں گی[1] پھر ۱۸ جون کو ہوس آف کامنز (دارالعوام) میں پرائم منسٹر نے کہا، کہ "ممبروں نے وہ تاریخی ڈیکلریشن پڑھ لیا ہوگا جس میں بہت سے فرانسیسیوں کی نیز ہمارے اپنے دلوں کی خواہش پر ہم نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے، کہ فرانس کی تاریخ میں سب سے زیادہ تاریک گھڑی کے وقت ایک مشترک شہریت کی یونین بنا دیجائے۔"[2]

یاد رہے کہ یہ یونین کی درخواست اُس قوم سے کی گئی، جو نہ صرف دشمن سے مغلوب ہونے کو تھی، اور اس سے مصالحت پر آمادہ تھی، بلکہ اس کا ایک بڑا حصہ انگریزوں سے متنفر تھا۔ اور اسوقت خاص طور پر اُن کے دلوں میں اس امر کا احساس تھا کہ انگریزی افواج میدان جنگ چھوڑ کر واپس اپنے گھر چلی گئی ہیں، اور انہیں ناقتور دشمن کے مقابلہ میں اکیلے چھوڑ دیا ہے۔ مؤلف کتاب "پیرس کے آخری ایام" نے لکھا ہے، کہ آغاز جنگ سے برطانیہ کی شہرت فرانسیسیوں کے درمیان اتار چڑھاؤ پر رہی ہے۔ فرانسیسیوں کے بعض طبقات میں تو ہمیشہ سے انگلینڈ کے متعلق قدیمی نفرت پائی جاتی ہے۔ پھر اس نے گذشتہ جنگ کے بعد سے اُن امور کا ذکر کیا ہے، جو اس نفرت کے ازدیاد کا موجب ہوئے۔ تخفیف اسلحہ کی پالیسی پر بھی فرانسیسیوں کو سخت ناراضگی تھی۔ کیونکہ وہ بہ نسبت برطانیہ کے غیر محفوظ تھے۔ اور ان کے خود حفاظتی کے طریق اختیار کرنے کی چیخ و پکار کو حقارت کی نظر سے دیکھا گیا۔ فرانس کا اگرچہ برائے نام انگریزوں

---

[1] لنڈن ٹائمز مورخہ ۱۷ جون ۱۹۴۰ء۔ [2] ایضاً۔ مورخہ ۱۹ جون ۱۹۴۰ء

سے معاہدہ بھی تھا لیکن ۱۹۳۳ء میں اٹلی کے مقابلہ میں نہایت مشکل سے نصف حصہ برٹش کا طرفدار رہتا۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء میں ایک مشہور فرانسیسی ہنری بیرو نے رسالہ Gringoire میں لکھا کہ انگلستان کو غلام بننے پر مجبور کرنا چاہیئے۔ نیز لکھا۔ I hate England by instinct and by tradition. یعنی میں فطرتاً نیز تقلیدی اور روایتی طور پر انگلینڈ سے متنفر ہوں۔ اور اس نے اٹلی سے بائیکاٹ کی تحریک اس لئے جاری کی ہے، تا فرانس کو اٹلی سے لڑائی پر آمادہ کرے۔ وہ ملک جس کو وہ پسند رکھتا ہے۔ [1]

اگرچہ بظاہر ان کی دوستی تھی، لیکن دل سے وہ ایک نہیں تھے۔ اس لئے خواب میں یہ دکھایا جانا کہ انگریزی گورنمنٹ فرانسیسی گورنمنٹ سے اس قسم کی یونین کی خواہش کریگی، یقیناً ایک غیر معمولی بات ہے۔ جس کا علم سوائے عالم الغیب خدا کے کسی کو نہیں تھا۔

۶۔ خواب سے یہ بھی ظاہر ہے کہ یونین کی خواہش کا اظہار برٹش گورنمنٹ کی طرف سے بغیر منظوری فرنچ گورنمنٹ ہوگا۔ حالانکہ ایسے معاملات میں کوئی بڑی گورنمنٹ دوسری گورنمنٹ کے متعلق اس کی منظوری لئے بغیر اعلان نہیں کرتی۔ کیونکہ اگر دوسری گورنمنٹ انکار کر دے، تو اس سے اعلان کرنے والی گورنمنٹ کے وقار کو صدمہ پہنچتا ہے۔ لیکن اس معاملہ میں برٹش گورنمنٹ نے فرنچ گورنمنٹ کی منظوری حاصل کئے بغیر یونین کا ڈیکلریشن شائع کر دیا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی، کہ وہ کسی نہ کسی طرح فرنچ گورنمنٹ کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اس وقت یورپ میں اس کا کوئی اور حلیف نہ تھا، جو اس کی مدد کرتا۔ اور وہ خود اس حد تک کمزور ہو چکی تھی، کہ پرائم منسٹر کو یہ تقریر میں کہنا پڑا، کہ اگر ہمیں انگلستان چھوڑنا بھی پڑا، تو بھی ہم کینیڈا پہنچکر جنگ جاری رکھیں گے۔ اس لئے اس نے ایک ایسی قسم کی یونین کی خواہش کا اظہار کر دیا، جو عام حالات میں ناممکن تھی۔ اور فرنچ گورنمنٹ نے اس خیال سے اس یونین کی پیشکش کو رد کر دیا، کہ وہ دونوں ملک بھی جنگ کو جاری نہ رکھ سکیں گے۔ گویا برٹش گورنمنٹ کا فرنچ گورنمنٹ سے یونین کا اظہار محض خواب کو پورا کرنے کے لئے ہوا۔

---

[1] "Last Days of Paris" صفحہ ۱۲۷، ۱۲۸

۷۔ خواب کے آخر میں جو آپ کو یہ آواز سُنائی دی، کہ یہ چھ ماہ پہلے کی بات ہے، اِس سے مراد یہی تھی۔ کہ چھ ماہ کے بعد ان کی حالت پہلے سے اچھی ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ نے اس رؤیا کو خطبہ جمعہ میں بیان کرتے ہوئے اس فقرہ کے متعلق فرمایا۔ کہ "اِس میں بتایا گیا ہے، کہ چھ ماہ کے بعد تک یہ مصیبت ٹل جائے گی۔ اور چونکہ برطانیہ نے دونوں حکومتوں کے الحاق کی پیشکش ۱۵ر جون کو کی تھی، اِس لئے ہو سکتا ہے، کہ ۱۵۔ دسمبر تک ایسے حالات پیدا ہو جائیں، کہ برطانیہ کے لئے اتنا خطرہ نہ رہے۔" [۱]

یہ الہام نہایت وضاحت کے ساتھ پورا ہُوا، اور کوئی شخص اس کے منجانب اللہ ہونے میں شک نہیں کر سکتا۔ اس کی تائید میں بہت سی شہادات پیش کیجا سکتی ہیں، جن میں درخواستِ الحاق پیش کرنے کے وقت جو برطانیہ کی حالت تھی، وہ بھی بتائی گئی ہے، اور اس کے چھ ماہ بعد کی حالت کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن مَیں ان میں سے صرف دو شہادتیں ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

سب سے پہلے اِس کے متعلق مَیں پرائم منسٹر مسٹر چرچل کی شہادت پیش کرتا ہوں۔ مَیں بتا چکا ہوں، کہ پرائم منسٹر نے کن حالات سے مجبور ہو کر ۱۷ر جون کو ایک غیر معمولی الحاق کی درخواست پیش کی، جو ۱۸ر جون کے ٹائمز میں شائع ہوئی۔ اور ۱۸ر جون کو ہاؤس آف کامنز میں اس اعلان کو تاریخی اور اپنے دلوں کی خواہش کا مرقع قرار دیا گیا۔ اِس کے ٹھیک چھ ماہ بعد ۱۹ر دسمبر کو پرائم منسٹر نے ہاؤس آف کامنز میں اپنی تقریر کے آخر میں یہ اعلان کیا:۔

"اب جو مجھے کہنا باقی ہے وہ یہ ہے، کہ اگر ہم اپنی اُس حالت پر نظر ڈالیں جو مئی اور جون میں تھی، تو ہم میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہو سکتا، جو کرسمس منانے کے لئے شکریہ کے جذبات کے ساتھ نہ جائے۔ اب ہم پہلے سے محفوظ ہو گئے ہیں۔ اور ہم نے ایک ایسی حالت سے ترقی کی، جب کہ دنیا میں بہت سے لوگوں کے علاوہ ہمارے بہت سے بہترین دوست بھی اِس بات سے مایوس ہو چکے تھے، کہ ہم مقابلہ جاری

[۱] الفضل مورخہ ۱۸ر جون ۱۹۴۰ء

رکھ سکیں گے لیکن ہم نے اپنے تئیں بچا لیا، اور ہمارے مقابلہ کی طاقت بھی بڑھ گئی اور ہم نے نہ صرف اپنے آپ کو اپنے جزیرہ میں محفوظ کر لیا، بلکہ اُن ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے بھی اپنا ہاتھ بڑھایا، جو ہم پر ممتد یا ر ممالک کی نسبت جو ہم پر اعتماد رکھتے ہیں، عائد ہوتی ہیں۔" [1]

دوسری شہادت لارڈ ہالیفاکس کی ہے، جو ڈنکرک اور سقوط فرانس کے وقت فارن سیکرٹری تھے۔ جب وہ برٹش کونسل کی حیثیت سے واشنگٹن پہنچے، تو انہوں نے مسٹر کارڈل ہل سیکرٹری آف سٹیٹ امریکہ سے پہلی ملاقات کے بعد پریس کے نمائندوں سے جو گفتگو کی اس میں یہ بھی کہا:۔

"انگلستان میں کسی کو اس امر میں شک نہیں تھا، کہ جرمن موسم بہار میں سخت حملہ کریں گے۔ ہمیں جرمنی کی طاقت اور تجاویز کے متعلق کوئی دھوکہ نہیں۔ لیکن ہم جانتے ہیں، کہ وہ کامیاب نہیں ہونگے۔ اس کے متعلق کوئی غلطی نہیں کھانی چاہیئے۔ اب انگلستان نہایت اچھی حالت میں ہے، اور خاص طور پر ڈنکرک کے بعد کی حالت کے مقابلہ میں اب ہم خوب تیار ہو چکے ہیں۔ جب تاریخ لکھی جائے گی، تو اس وقت یہ معلوم ہوگا، کہ ہٹلر نے جون ۱۹۴۰ء میں جنگ کو ہار دیا تھا، جبکہ وہ فرانس کی شکست کے بعد کی ہماری حالت سے فائدہ نہ اٹھا سکا England was then at her weakest and Germany might have been able to cash in if she had acted quickly. یعنی انگلستان اس وقت انتہائی درجہ کمزور تھا۔ اور جرمنی اگر جلدی سے حملہ کر دیتا، تو وہ انگلستان میں داخل ہو سکتا تھا۔" [2]

اِن دونوں شہادتوں میں جو ایک وزیر اعظم کی اور دوسری لارڈ ہالیفاکس کی ہے، جو ماہ جون میں فارن سیکرٹری تھے، اس بے کسی کا بھی اظہار کیا گیا، جو برٹش گورنمنٹ کی فرانس سے

---

[1] لنڈن ٹائمز مورخہ ۱۹ر دسمبر ۱۹۴۰ء۔ [2] سنڈے ٹائمز مورخہ ۲۶ر جنوری ۱۹۴۱ء

یونین کی خواہش کے اظہار کے وقت تھی۔ اور اس کے چھ ماہ بعد کی حالت کے بہتر ہو جانے اور برطانیہ کے ایک حد تک جرمن حملہ سے محفوظ ہو جانے کا بھی اقرار کیا گیا ہے۔ اور ان کے شکست خوردہ حلیف کے جرنیلوں کی رائے برطانیہ کے متعلق اس وقت جیسا کہ مسٹر چرچل نے ۳۰ر دسمبر ۱۹۴۱ء کو کینیڈین پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے بتائی، یہ تھی :-

"In three weeks England will have her neck wrung like a chicken."

یعنی انگلستان کی تین ہفتوں کے اندر اندر مرغی کی طرح گردن مروڑ دی جائیگی۔ [1]

اس میں شک نہیں، کہ اگر اس وقت جرمنی انگلستان پر اسی طرح حملہ کر دیتا، جیسا کہ بعد میں کریٹ پر کیا تھا، تو وہ کامیاب ہو جاتا۔ اور اسی طرح اگر جاپان اس وقت جنگ میں شامل ہو جاتا، تو یقیناً انگریزوں کے دوبارہ اٹھنے کی بظاہر کوئی صورت نہ رہتی۔ لیکن یہ الٰہی تصرف ہوا، کہ نہ جرمنی نے حملہ کیا اور نہ جاپان نے اُس وقت سے فائدہ اٹھایا، اور انگریزوں کو پھر سے تیاری کے لئے وقت مل گیا۔ اور اس طرح یہ الہام کہ چھ ماہ کے بعد انگریزوں کی حالت اچھی ہو جائیگی، پوری شان و شوکت کے ساتھ پورا ہوا۔

الغرض اس دعا میں بہت سی غیب کی باتیں تھیں جو عالم الغیب خدا نے اپنے اُس بندہ پر قبل از وقت ظاہر کیں، جس کے متعلق اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بشارت دی تھی، کہ وہ میرا محبوب ہوگا۔

ایک اور عظیم الشان غیبی بات

اس دعا کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو موجودہ جنگ کے متعلق اور بھی بہت سی غیبی باتوں کا علم دیا۔ مثلاً آپ جب ۲۴ اور ۲۵ر مئی کی درمیانی شب کو کراچی سے قادیان تشریف لانے کے لئے کراچی میل میں سفر کر رہے تھے، تو آپ نے ریل میں دعا شروع کر دی۔ دعا کرتے کرتے چند سیکنڈ کے لئے غنودگی کا ایک جھٹکا آیا۔ جیسا کہ الہام کے وقت غنودگی آتی ہے۔ اور کشفی حالت میں آپ کے سامنے سے ایک بادشاہ گذارا گیا، پھر الہام ہوا :-

---

[1] ٹائمز مورخہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۴۱ء

"ایبڈی کیٹڈ"

یہ کشف اور الہام آپ نے ۲۶ رمئی کو مسجد اقصٰی میں اپنی اس تقریر میں جو دعا کرنے سے پہلے کی تمام مجمع کو سنا دیا ہے[1]

اِس کشف اور الہام میں جو آپ کو غیب کی خبر بتائی گئی، وہ اُس وقت تمام دنیا کے علم سے بالا تھی۔ اور درحقیقت جیسا کہ مَیں آگے چل کر بتاؤں گا۔ اِس عظیم الشان پیشگوئی کے ساتھ تعلق رکھتی تھی، جس کا مَیں اوپر ذکر کر چکا ہوں۔ اور جیسے مذکورہ بالا رؤیا ایک غیر معمولی طور پر پوری ہوئی، ویسے ہی اِس کشف اور الہام کا مصداق بھی ایسے رنگ میں ظاہر ہُوا، جو اپنی نوعیت میں بے نظیر ہے۔ اور اگر اس الہام کا مقصد کسی بادشاہ کا معمولی طور پر تخت سے دست برداری ہوتا، تو یہ الہام اتنا اہم نہ ہوتا، جتنا کہ واقعات نے اسے ظاہر کیا ہے۔ اِس کشف اور الہام کی حقیقت پر اطلاع پانے کے لئے مندرجہ ذیل امور پر غور کرنا ضروری ہے:۔

۱۔ وہ بادشاہ جو کشف میں دکھایا گیا، ضرور تھا کہ اس کا جنگ سے تعلق ہو۔ ۲۔ وہ کنگ لیوپولڈ شاہ بلجیم تھا۔ ۳۔ ایبڈی کیشن سے کیا مراد ہے؟ ۴۔ شاہ بلجیم نے وہ کیا فعل کیا جس کی وجہ سے الہام میں اس کے متعلق ایبڈی کیٹڈ کا لفظ استعمال کیا گیا؟ ۵۔ کیا تاریخ میں ایسی مثال پائی جاتی ہے، کہ کسی بادشاہ کو دست برداری کا اعلان کئے بغیر اس کی مرضی کے خلاف ایبڈی کیٹڈ قرار دیا گیا ہو؟ ۶۔ جن حالات میں اس نے یہ فعل کیا، کیا وہ ایسے تھے، کہ اس کے فعل کو جائز اور مستحسن خیال کیا جاتا؟ ۷۔ اس کے فعل کا جس کی وجہ سے وہ ایبڈی کیٹڈ قرار دیا گیا، مذکورہ بالا رؤیا سے کیا تعلق ہے؟

امر اوّل یعنی اِس بات کا ثبوت کہ جو بادشاہ کشف میں دکھایا گیا، اس کا جنگ سے تعلق تھا، یہ ہے، کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے جماعت کو جنگ میں اتحادیوں کی فتح کے لئے دعا کی طرف توجہ دلا کر، اور اُن حالاتِ جنگ کی طرف اشارہ فرما کر جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ظاہر کئے تھے،

---

[1] الفضل مورخہ ۴ رجون ۱۹۴۰ء

فرمایا "اب بھی مَیں سفر سے واپسی پر ریل میں آرہا تھا کہ مَیں نے پھر دعا کرنی شروع کر دی" اِس سے ظاہر ہے کہ حضور کی دعا جنگ کے حالات سے تعلق رکھتی تھی، اور اتحادیوں کی فتح کے لئے تھی۔ تب آپ کو وہ بادشاہ دکھایا گیا جس کے متعلق ایبڈی کیٹنڈ کا الہام ہوا۔ اِس لئے اُس بادشاہ کا جنگ سے تعلق ہونا ضروری تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ صرف ایک لفظ کے الہام ہونے سے ایک طرف اس بادشاہ کے فعل پر تعجب کا اظہار اور دوسری طرف اس کے فعل کی شناعت کا اظہار مقصود ہے، جو اتحادیوں کے غیر معمولی مصیبت میں مبتلا ہونے کا باعث ہوا۔

۲۔ جس وقت حضور کو کشف دکھایا گیا، اُسوقت ہالینڈ شکست کھا چکا تھا۔ نیز وہاں ملکہ تھی، بادشاہ نہ تھا۔ ناروے کا بھی فیصلہ ہو چکا ہوا تھا۔ ڈنمارک جرمنوں کے آگے سرِ تسلیم خم کر چکا تھا۔ اور جو بادشاہ اِس جنگ میں جو کشف کیوقت لڑی جا رہی تھی عملی طور پر حصہ لے رہا تھا، وہ کنگ لیوپولڈ بادشاہ بلجیم ہی تھا، اس لئے وہی اِس کشف کا مصداق تھا۔

۳۔ ڈکشنریوں میں لفظ ایبڈی کیٹ کے مختلف استعمالات دیئے گئے ہیں، لیکن مَیں یہاں صرف اُن معنوں کا ذکر کروں گا جو اِس الہام کے لئے جا سکتے ہیں:۔

(۱) اِس لفظ کے ایک معنے یہ ہیں۔ کہ باقاعدہ طور پر اپنے کسی حق یا ذمہ واری یا عہدہ یا کسی اعلیٰ پوزیشن سے دست بردار ہو جانا۔ مثلاً حاکمانہ اختیارات کو چھوڑ دینا۔ ابتداء میں یہ لفظ اصولی یا باقاعدہ دست برداری کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ لیکن بعد میں اسکا اطلاق ایسی علیحدگی پر بھی کیا گیا، جو کسی شخص کی روش یا کسی فعل کے نتیجہ میں سمجھی جائے، اگرچہ اس کی طرف سے دست برداری کا کوئی اعلان نہ ہو[1] اور ایک اَور ڈکشنری میں لکھا ہے:۔

"But now including the idea of abandonment of default"

یعنی اب اِس کے مفہوم میں ایسی علیحدگی بھی شامل ہے، جو اپنے فرائض منصبی کو عملاً ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے

[1] Webster's New International Dictionary.

ہو۔ چنانچہ جیمز ثانی کے متعلق اسو جہ سے کہ وہ برطانیہ چھوڑ کر فرانس چلا گیا تھا، کہا گیا کہ اس نے اپنے فعل کیوجہ سے (Abdicated himself and wholly vacated his rights) اپنے آپکو معزول قرار دیا ہے، اور کلی طور پر اپنے حق کو باطل کر دیا ہے۔

اسی طرح اپچ۔ مور abdicated کے معنے بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ایک شہزادہ جیسا نے کانسٹی ٹیوشن کے قواعد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے hath abdicated himself from the Government and stands virtually deposed اپنے آپکو گورنمنٹ سے دست بردار بنا لیا ہے۔ اور فعلاً معزول کی حیثیت رکھتا ہے۔[1]

(۲) ایبڈیکیٹ کا لفظ Surrender کے معنے بھی رکھتا ہے۔ اور اس کا مترادف یعنی ہم معنے ہے۔ (دیٹ۔ٹر) اور "سرینڈر" کے معنے یہ ہیں۔ "کسی دوسرے کی طاقت کے آگے جھک جانا۔ اور اپنی کسی چیز یا اختیار یا حق کو (upon compulsion or demand) جبر کے ماتحت یا مطالبہ پر دوسرے کے حوالے کر دینا۔ (ویبسٹر)۔

(۳) اور اگر الہام میں ایبڈیکیشنڈ کے لفظ کو پاسٹ پارٹیسپل قرار دے کر بطور صفت لیا جائے، تو یہ استعمال بھی لغت میں بکثرت موجود ہے۔ اور اس کے ایک معنے یہ ہیں - Deposed from an office, function or dignity. In 17th century including deposition by others. یعنی کسی عہدہ، وظیفہ یا رتبہ سے معزول۔ اور سترہویں صدی میں اس کا استعمال اُس شخص کے متعلق بھی کیا گیا، جو دوسروں کی طرف سے معزول کیا گیا تھا۔ چنانچہ جیمز ثانی کو ایبڈیکیٹڈ جیمز یعنی معزول جیمز کہا گیا۔ اور Southey نے کرسٹینا کو - The Abdi-

---

[1] A New English Dictionary on Historical Principals.

سکاٹ لینڈ کی معزول ملکہ لکھا۔ called Queen.

پس الہام میں اس لفظ کو صفت لیکر اس کے معنے معزول بادشاہ کہوں گے۔ چاہے وہ خود معزول ہو گیا ہو یا دوسرے اسے معزول قرار دیں۔

۴۔ کنگ لیوپولڈ کشف دکھائے جانے کے وقت بلجین افواج کا کمانڈر انچیف تھا۔ اس نے ۲۷ رمئی ۱۹۴۰ء کو اپنے وزراء اور اپنے حلیفوں کی فوج کے کمانڈروں کو خبر دئے بغیر ایک خاص ایلچی جرمن کمانڈ کے پاس بدیں غرض بھیجا کہ محاذ بلجیم سے جنگ بند کر دی جائے۔ جرمن کمانڈ نے اس کی درخواست کو منظور کر لیا۔ اور بلجین فوج نے ۲۸ رمئی کو ۴ بجے صبح دشمن کا مقابلہ چھوڑ دیا۔[1]

۲۸ رمئی کی صبح کو فیوہرر ہیڈ کوارٹرز سے ایک بیان وائرلس پر پڑھا گیا جس میں کنگ لیوپولڈ کی صلح کے لئے درخواست کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا:۔

"He has accepted the German de--mand for unconditional surrender."

یعنی شاہ بلجیم نے جرمنی کا مطالبہ بلا شرط ہتھیار ڈالنے اور اپنے آپکو ان کے حوالہ کرنے کا منظور کر لیا ہے۔ اس لئے بلجین فوج نے ہتھیار ڈالدئے۔ بادشاہ نے اپنے مستقبل کے لئے کسی خاص خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ اُس وقت تک اُسے بلجیم کے ایک قلعہ میں رکھا جائے گا، جبتک کہ اس کی آیندہ جائے رہائش کے متعلق قطعی فیصلہ نہ ہو جائے۔[2]

بادشاہ کے مذکورہ بالا فعل کے متعلق بلجین گورنمنٹ نے مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا:۔ "کانسٹی ٹیوشن کے آرٹیکل ۸۲ کے مطابق اس حقیقت کے مدنظر کہ بادشاہ غنیم کے قبضہ میں ہے، وزراء حکومت اپنے پورے اختیارات کے ساتھ مشورہ کرکے بلجین لوگوں کے نام پر یہ اعلان

[1] ٹائمز مورخہ ۲۹ رمئی ۱۹۴۰ء تقریر مسٹر چرچل۔
[2] ٹائمز مورخہ ۲۹ رمئی ۱۹۴۰ء

کرتے ہیں۔ کہ بادشاہ کے لئے اب حکومت کرنا ناممکن ہے۔"[۱]

ایم پیرلٹ (Pierlot) وزیر اعظم بلجین گورنمنٹ نے پیرس سے ایک تقریر براڈکاسٹ کی جس میں اسنے کہا:-

"وہ فعل جس پر ہمیں آج افسوس اور ماتم ہے، وہ از روئے قانون ایک ناجائز اور غیر موثر فعل ہے، اور ملک اس کا پابند نہیں۔ بلجین کانسٹی ٹیوشن جس کا قائم کرنا بادشاہ کا بھی فرض ہے، اس کے لحاظ سے تمام اختیارات رعیت کی طرف سے ملتے ہیں۔ اور بادشاہ کا کوئی حکم اُس وقت تک قابلِ نفاذ نہیں ہو سکتا، جبتک کہ اس پر ایک وزیر کے بھی دستخط نہ ہوں۔ اور یہ ایک قطعی اصول اور ہماری کانسٹی ٹیوشن کا ایک بنیادی قانون ہے۔ بادشاہ نے اُس رابطہ یا عہد کو جس نے اُسے رعیت کے ساتھ متحد کیا ہوا تھا، توڑ کر اپنے آپ کو غنیم کے زیر اختیار کر لیا ہے۔ اس وجہ سے اُسے حکومت کرنے کا اختیار باقی نہیں رہا۔ اور یہ بدیہی ہے، کہ وہ حکومت کا ہیڈ ہونے کے ناقابل۔ الغرض اجنبی کنٹرول کے ماتحت سمجھا نہیں لاسکتا۔ اس لئے تمام افراد، پبلک ملازمین اُس عہد سے جو انہوں نے اُس کی اطاعت کا کیا تھا، آزاد ہیں۔"[۲]

نیز اُس نے کہا۔ کہ "وزراء کی کونسل بادشاہ کے اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لیتی ہے۔"[۳]

پس کنگ لیوپولڈ کے اپنے آپکو جرمنوں کے مطالبہ پر بلا شرط حوالہ کر دینے اور اپنے فرائض منصبی کے عملاً بجالانے سے محروم ہونے کیوجہ سے اس کے متعلق پہلے اور دوسرے معنے کے لحاظ سے الہام میں آبیڈی کیٹیڈ کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اور تیسرے معنے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اس بادشاہ کے متعلق لوگوں کے خیالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ خبر دی، کہ وہ تو معزول بادشاہ ہے۔ اور اپنے حقوق اور اختیارات چھوڑ چکا ہے۔ چنانچہ اگر اس کشف کا وقت جو صبح کے ایک دو بجے کے قریب تھا۔ اور اُس تار کا وقت جو اُس نے پیرس اُسی رات ۹ بجے کے قریب دیا (جو ہندوستان میں تقریباً ایک دو بجے کا وقت ہوگا) کہ اس کے بچے سپین بھیجدئے جائیں۔ تو تار دینے اور کشف دکھائے جانیکا

[۱] لنڈن ٹائمز مورخہ ۳۱ رمئی ۱۹۴۰ء۔ [۲] لنڈن ٹائمز مورخہ ۲۹ رمئی ۱۹۴۰ء [۳] ایضاً

وقت تقریباً ایک ہی تھا۔ اور بالکل ممکن ہے، کہ اُس نے یہ تار اپنے دل میں فیصلہ کرنے کے بعد دیا ہو۔

اس الہام کی عظمت اس امر سے اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں، کہ وزراء نے اسے اپنے ساتھ فرانس لیجانے کی کوشش کی۔ جیسا کہ ایم Spaak بلجین فارن منسٹر نے بیان کیا، کہ "ہم چار وزیر کیبنٹ کے نمائندہ کی حیثیت سے ہفتہ کے روز یعنی ۲۵ رمئی کو پانچ بجے اس کے محل وینڈیل پر جا کر ملے، اور حالات جنگ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے ہم نے اپنی اس رائے کا اظہار کیا۔ کہ جب بادشاہ کو حتی الامکان فوج کے قریب ٹھیرنا چاہیئے، تو اُسے اپنی گورنمنٹ کے ممبروں کے ساتھ جانا چاہیئے، تاکہ اگر کوئی خطرہ پکڑے جانے کا ہو، یا کسی شرط پر صلح کرنے کا موقعہ آئے تو وہ باہر سے جنگ جاری رکھ سکیں۔ لیکن بادشاہ نے صاف انکار کر دیا۔ اور کہا، کہ وہ یہیں رہیگا۔ اور باوجودیکہ وزراء نے اسے کہدیا، کہ وہ ساری کیبنٹ کی رائے کے خلاف کر رہا ہے، مگر وہ سختی سے اپنے فیصلہ پر اڑا رہا۔" [۱]

وزراء کی یہ کوشش کہ بادشاہ ان کے ساتھ فرانس میں ٹھیرے، اس کشف کے دکھائے جانے کے چند گھنٹے بعد کی ہے۔ اگر وہ انکی رائے پر عمل کرتا، تو وہ غنیم کے قبضہ میں آنے سے بچ رہتا لیکن اُس نے کانسٹی ٹیوشن کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وزراء کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ ممکن ہے اُس کے انکار کی وجہ یہ بھی ہو، کہ وہ اُس فیصلہ کے مطابق کارروائی کرنا چاہتا ہو، جو اس سے چند گھنٹے پہلے اپنے دل میں کر چکا تھا۔ اور جس کا علم خدا تعالیٰ نے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کو اُسی وقت دیدیا تھا۔

اس کے بعد ۲۷ رمئی کی رات کو بلجین وزیر اعظم کی طرف سے بلجین پریس سروس نے فرانس سے یہ پیغام شائع کیا۔

" اے باشندگانِ بلجیم! یقین کر لو، کہ اس وقت بادشاہ تمہارے ملک کی ایک ایسی مثال یا ایسا مجسمہ ہے جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اور وہ اُن تمام مشکلات سے واقف ہے، جو ایک سپاہی کو پیش آتی ہیں۔ کیونکہ گذشتہ جنگ کے دوران میں ۱۲ برس کی عمر میں سیکنڈ کلاس سپاہی کی

[۱] لنڈن ٹائمز ۲۹ رمئی ۱۹۴۰ء

حیثیت میں اُس نے لڑنا شروع کیا تھا۔" [۵۱]

بلجین پرائم منسٹر کے مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے، کہ ۲۷ مئی کی شام تک اس کے ارادہ کا وزیر اعظم کو بھی علم نہیں تھا۔ اور اسی رات کو ۴ بجے صبح اس نے اپنے آپ کو بلا شرط جرمن کمانڈ کے حوالہ کر دیا۔ اور ۲۸ مئی کی صبح کو ساڑھے آٹھ بجے موسیو رینو پرائم منسٹر فرانس نے وائرلیس پر اس خبر کا ذکر کیا۔ اور مسٹر چرچل نے اسی روز ہوس آف کامنز میں اس خبر کو سُنایا۔ سننے والوں میں سر راجر کیز بھی موجود تھے۔ جو چودہ روز قبل برسل میں ایک ایڈیشنل ایرابحر بدیں غرض مقرر کئے گئے تھے، کہ وہ بادشاہ سے خاص تعلق رکھیں۔ انہوں نے اس خبر کو سننے کے بعد بیان کیا، کہ وہ سوموار کی رات یعنی ۲۷ مئی کی رات تک کنگ لیوپولڈ کے ساتھ تھے۔ اُنہیں اس بات کے متعلق کوئی علم نہیں۔ نیز کہا۔ کہ میں امید رکھتا ہوں کہ جبتک اصل واقعات معلوم نہ ہو جائیں، اُس وقت تک اس "بہادر سپاہی" کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کرنی چاہیئے۔" [۵۲]

پھر ایک بلجین سینئر آفیسر نے جو فرانس کی شمالی فوج اور بادشاہ کے درمیان واسطہ کے طور پر متعین تھا، اور ہر روز بادشاہ سے ہیڈکوارٹرز میں ملتا تھا، یہ بیان دیا، کہ اتوار یعنی ۲۶ مئی کی رات کو وہ بادشاہ کے پاس تھا۔ بادشاہ اور بلجین فوج کی دمنع سے اس امر کا ذرہ اشارہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا، کہ وہ ہتھیار ڈال دیں گے۔ بادشاہ نے مجھ سے دریافت کیا، کہ جنگ کی موجودہ حالت کے متعلق میرا کیا خیال ہے۔ اور اُس نے جو ریمارکس کئے، اُن میں سے کوئی ایسا ریمارک نہ تھا جس سے مجھے خیال ہوتا، کہ وہ بلجین فوج کو ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کرے گا۔ اُس وقت حالت کی نزاکت کے باوجود خیال کہ بلجین فوج جنگ ترک کر دے گی کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ دوسرے بلجین افسروں کی طرح اس خبر کو جو دوسرے روز کی صبح کو پھیلی، میں بھی یقین نہ کرسکا۔ افسر و سپاہی اور شہری ہر ایک حیرت زدہ تھا کیونکہ ہر ایک حملہ آور کی اطاعت قبول کرنے کی بجائے جنگ کو ترجیح دیتا تھا۔" [۵۳]

---

[۵۱] لنڈن ٹائمز ۲۸ رمئی ۱۹۴۰ء [۵۲] لنڈن ٹائمز ۲۹ رمئی ۱۹۴۰ء

[۵۳] " " ۳۰ ر " "

پس وہ بادشاہ جس نے اپنی زندگی سپاہیانہ طور پر گذاری، وہ جسے "بہادر سپاہی" کا خطاب دیا جاتا تھا، ہاں وہ بادشاہ جس کی تمام فوج مرنے مارنے کو تیار تھی، جس کی وزارت متفقہ طور پر جنگ کو جاری رکھنا چاہتی تھی، جس کے صلح کرنے کی خبر سننے پر اُس کے ہمراہیوں کو یقین نہ آتا تھا، کہ اس نے اپنے آپکو دشمن کے حوالہ کر دیا ہو اور فوج کو ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا ہو۔ اس کے متعلق تین روز پہلے اللہ تعالیٰ نے خبر دی، کہ وہ تو اپنے آپکو دشمن کے قبضہ میں دے چکا، اور معزول ہو چکا ہے۔ اور اپنے تمام شاہی اختیارات کو ضائع کر چکا ہے۔

۵۔ اِس امر کا کہ کسی بادشاہ کے تخت سے دست برداری کا اعلان کئے بغیر ایسے فعل کیوجہ سے جو تخت سے دست برداری کے مترادف ہو، اس کے متعلق انگریزی زبان میں ایبڈی کیشن کا لفظ استعمال کرنا جائز ہے، انگریزی تاریخ میں مندرجہ ذیل مثال پائی جاتی ہے :-

"برطانیہ عظمیٰ کا کوئی بادشاہ اپنے شاہی اختیارات سے قانونی طور پر معزول نہیں ہو سکتا، جبتک کہ ہوس آف لارڈز اور ہوس آف کامنز اس کی منظوری نہ دیں۔ جب انگلینڈ اور سکاٹ لینڈ کا بادشاہ جیمز ثانی سنہ ۱۶۸۸ء میں یونائیٹڈ کنگڈم کی "مہرِ حکومت" دریائے ٹیمز میں پھینک کر فرانس بھاگ گیا، تو اس وقت اسنے باقاعدہ طور پر تخت سے دست برداری کا کوئی اعلان نہیں کیا تھا تب اس سوال پر پارلیمنٹ میں بحث ہوئی، کہ آیا اسنے اِس فعل کیوجہ سے تخت کے حق کو کھو دیا ہے یا کہ تخت سے دست بردار ہو چکا ہے۔ تو ایبڈی کیشن کی اصطلاح کو اس کے حق میں تسلیم کیا گیا۔ یعنی وہ تخت سے معزول ہو چکا ہے۔ چنانچہ لارڈز اور کامنز کی پوری اسمبلی میں جو خاص طور پر اس غرض کے لئے بلائی گئی تھی جیمز کے پروٹسٹ کے باوجود یہ قرار پایا، کہ کنگ جیمز نے حکومت کی کانسٹی ٹیوشن کی مخالفت کر کے اور بادشاہ اور رعیت کے درمیان جو اصلی رابطہ یا عہد تھا اسکو توڑ کر اور جیزوئٹس اور دوسرے شریر اشخاص کے مشورہ سے بنیادی اصول کی بے حرمتی کر کے اور اپنے آپکو اِس ولایت سے باہر لیجا کر has abdicated the Government, and that the throne is

thereby vacant." وہ گورنمنٹ سے معزول ہو چکا ہے، لہٰذا تخت خالی ہے۔"[1]

بجنسہٖ جیمز ثانی کی مثال بعینہٖ کنگ لیوپولڈ ثالث پر چسپاں ہوتی ہے۔ لہٰذا الہام میں جو اس کے متعلق ایبڈی کیٹڈ کا لفظ استعمال کیا گیا وہ بالکل درست ہے۔

ایبڈی کیشن کے لفظ کے متعلق جو یہ جھگڑا ہے، کہ آیا اس کا اطلاق بغیر کسی اعلان دست برداری کے ہو سکتا ہے یا نہیں یا جیسا کہ بعض کہتے ہیں، کہ اس کا اطلاق اصل میں طوعی دستبرداری پر ہوتا ہے۔ اس الہام سے اس جھگڑے کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اوپر کی مثال سے واضح ہے کہ ہوس آف لارڈز اور ہوس آف کامنز کے ممبروں نے متفقہ طور پر جیمز ثانی کے متعلق ایبڈی کیشن کے لفظ کا استعمال کیا لیکن اس کے خلاف سکاٹش پارلیمنٹ نے ایبڈی کیشن کی بجائے جیمز کے حق میں deposition اور forfeiture کے فیصلہ کا اعلان کیا لیکن اس الہام نے یہ فیصلہ کر دیا، کہ جیمز ثانی کے متعلق برٹش پارلیمنٹ نے جو ایبڈی کیٹڈ کا لفظ استعمال کیا تھا وہ بالکل صحیح اور درست تھا۔ اور یہ کہ ویسے حالات میں آئندہ بھی اس کا استعمال بجا اور درست ہے۔

۲۔ کنگ لیوپولڈ نے جن حالات کی موجودگی میں اور جس رنگ میں غنیم سے مصالحت کی اس کی نظیر تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ مسٹر رینو پرائم منسٹر فرنچ گورنمنٹ نے ۲۸ مئی کی صبح کو ۱/۲ ۸ بجے وائرلیس پر جب اس خبر کو سنایا، تو اس نے کنگ لیوپولڈ کے حق میں سخت ہتک آمیز کلمات کہے۔ اور کہا، کہ ابھی ۱۸ دن ہوئے ہیں جب اس نے اتحادیوں سے مدد کے لئے اپیل کی۔ اور اب اتحادیوں کی فوج کے افسروں کو اطلاع دئے بغیر اس نے ہتھیار ڈالدئے ہیں۔ This was a deed without precedent in history. یعنی اس کا یہ فعل ایسا ہے، جس کی تاریخ میں اور کوئی مثال نہیں ملتی۔ پھر اس نے اس فعل کا ارتکاب اپنی گورنمنٹ کی متفقہ خواہش کے خلاف کیا ہے،

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا۔ ایڈیشن ۱۱ زیر لفظ ایبڈی کیشن۔

جو ایک نئی فوج تیار کرنے کا ارادہ کر رہی تھی۔ [1]

پھر سر رابرٹ کلائیو نے جو ۱۹۳۷ء سے لیکر ۱۹۳۹ء تک بلجیم میں برٹش گورنمنٹ کی طرف سے سفیر تھے۔ لکھا کہ:۔

"اکتوبر ۱۹۳۹ء میں پولینڈ پر دشمن کے قبضہ کر لینے کے بعد مجھے گورنمنٹ کی طرف سے ہدایت ملی، کہ میں پھر اس سوال کو اٹھاؤں، کہ بلجیم کو اتحادیوں کے ساتھ جنگ میں شامل ہونا چاہیئے، تو بادشاہ نے سختی سے مخالفت کی، اور برٹش تجویز کو غضب آمیز انکار کے ساتھ واپس کر دیا۔ .... بلجین فوج نہایت بہادری اور شجاعت سے لڑی۔" [2]

لیکن باوجود اس کے جب جرمن فوجوں نے بلجیم پر اچانک حملہ کر دیا، تو کنگ لیوپولڈ نے اتحادیوں سے مدد کے لئے درخواست کی۔ جس کے جواب میں انہوں نے اپنی فوجوں کا ایک بڑا حصہ بلجیم میں جرمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجدیا۔ لیکن چند روز کے بعد کنگ لیوپولڈ نے ان کے احسان کا یہ بدلہ دیا، کہ اس فوج کے افسروں کو جو اس کی مدد کے لئے اور اس کے ملک کو بچانے کی خاطر لڑنے کے لئے آئی تھی، اطلاع دیئے بغیر، اتحادیوں سے بلا مشورہ کئے، اپنے وزیروں اور افسروں اور شہریوں کی مرضی کے خلاف جنگ بند کرنے کا فیصلہ کر کے اپنے آپکو بلا شرط غنیم کے حوالہ کر کے بلجین فوج کو ہتھیار ڈالنے کا حکم دیدیا۔ یہ یقیناً ایک ایسا ناجائز اور غیر مستحسن فعل تھا جس کی نظیر تاریخ میں بمشکل مل سکتی ہے۔ اور جس پر جتنا تعجب کیا جائے کم ہے۔

۷۔ کنگ لیوپولڈ کا یہ فعل درحقیقت اِس رؤیا کے پورا کرنے میں ممد ہؤا، جو اعلان جنگ سے ایک ماہ قبل اللہ تعالیٰ نے حضرت امیرالمومنین کو دکھائی تھی، اور جس کی تفصیل اوپر ذکر کیجا چکی ہے۔ بلجین فوج کے ہتھیار ڈال دینے سے اتحادیوں کی دوسری افواج پر جو اثر پڑا، اس کا کچھ پتہ مندرجہ ذیل بیانات سے لگتا ہے:۔

۱۔ موسیو رینو۔ سابق منسٹر حکومت فرانس نے ۲۸ رمئی کی صبح کو جو تقریر براڈکاسٹ کی،

---

[1] ٹائمز ۲۹ رمئی ۱۹۴۰ء۔ [2] ٹائمز ۳۱ رمئی ۱۹۴۰ء

میں کہا :-

"۲۸ مئی کے بعد جرمن فوج نے اتحادی فوج کو دو گروپوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ شمالی گروپ جنرل بلینکرس کی زیر کمانڈ تھا، جو برٹش آرمی اور فرنچ کے کچھ دستوں اور بلجین فوج پر مشتمل تھا۔ جسے ڈنکرک کے راستے رسد وغیرہ پہنچائی جاتی تھی۔ جس کے شمالی طرف بلجین فوج دشمن کا مقابلہ کر رہی تھی لیکن اب ناگہانی طور پر کنگ لیوپولڈ کے حکم پر بلجین فوج نے بلا شرط ہتھیار ڈال دئے ہیں۔ اور ڈنکرک تک جرمنوں کے لئے راستہ کھول دیا ہے۔"[1]

اور مسٹر چرچل نے ہاؤس آف کامنز میں تقریر کرتے ہوئے کہا :

"بلجین آرمی کے ہتھیار ڈالدینے سے برطانوی فوج کو مجبوراً نہایت تھوڑے وقت کے نوٹس پر ۳۰ میل کا رقبہ ساحل سمندر تک طے کرنا پڑا۔ اور اگر ایسا نہ کیا جاتا، تو اس کا حشر یقیناً وہی ہوتا جو کنگ لیوپولڈ نے اپنے ملک کی عمدہ ترین فوج کا کرایا ہے۔ اس کے فعل اور میدان جنگ کے اس پہلو کو خالی چھوڑ دینے سے برٹش اور فرسٹ فرنچ آرمی کے تین گروہوں میں سے دو کا جو ساحل سمندر سے ہم سے بھی زیادہ پرے تھے، کٹ جانا قطعی تھا، جیسا کہ میدان جنگ کے نقشہ پر نظر ڈالنے سے ہر کوئی معلوم کر سکتا ہے۔ اور یہ ناممکن معلوم ہوتا تھا، کہ اتحادی فوج کثیر تعداد میں ساحل پر پہنچ سکے گی۔"[2]

اور فرنچ ہائی کمانڈ نے اپنے منشور میں لکھا :-

"بلجین افواج جو کنگ لیوپولڈ کے براہ راست حکم کے ماتحت تھیں اور Scheldt [illegible] (سکیلٹ) اور اوسٹینڈ کے شمال مشرقی ساحل پر مقابلہ کر رہی تھیں، وہ اپنے بادشاہ کے حکم کے ماتحت لڑائی بند کر چکی ہیں۔ اور اس طرح دشمن کے لئے Yser (آیسر) اور فرنس اور ڈنکرک کی طرف راستہ کھول دیا ہے۔"[3]

---

[1] لنڈن ٹائمز ۲۹ مئی ۱۹۴۰ء　　[2] لنڈن ٹائمز ۵ جون ۱۹۴۰ء
[3] " " ۳۰ " "

اور اسی پرچہ میں آور نامہ نگاروں کے پیغامات بھی شائع ہوئے، جن میں انہوں نے کنگ لیوپولڈ کے فعل کو اس تشتت اور سراسیمگی کا اصل باعث قرار دیا۔ جو فلنڈرز وغیرہ مقامات کی اتحادی افواج میں پیدا ہوئی۔ جس کی وجہ سے انہیں سامانِ حرب وغیرہ میدان جنگ میں چھوڑ کر ساحل سمندر کو بھاگنا پڑا۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرتے، تو انکے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اور بلجین فوج جس نے دفعۃً ہتھیار ڈالدئے تین لاکھ تھی۔ اور اتنی فوج کا فوری طور پر بہم کرنا اتحادیوں کے لئے ناممکن تھا۔ اس لئے انہیں بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ اور ڈنکرک سے افراتفری میں جہازوں پر سوار ہوئے، اور بموں کی بارش میں ساحل انگلستان پر پہنچے۔ ان کے واپس آنے کی داستان نہایت دردناک ہے۔ اور پرائم منسٹر نے ان تین لاکھ پینتیس ہزار نفوس پر مشتمل فوج کے جان بچاکر واپس آنے کو اپنی تقریر میں ایک معجزہ قرار دیا۔ اور کنگ لیوپولڈ کے فعل کو Pitiful episode۔ یعنی ایک غمناک اور المناک سانحہ بتایا، جو اتحادی افواج کی شکست کا باعث ہوا، جس کے بعد انگلستان اس حالت کو پہنچ گیا، جو حضرت امیرالمومنین کو خواب میں دکھائی گئی تھی، اور جس کا ذکر لارڈ ہیلیفکس نے واشنگٹن پہنچ کر ان الفاظ میں کیا، کہ "ڈنکرک کے واقعہ کے بعد انگلستان ایسا کمزور ہو چکا تھا، کہ اگر ہٹلر اسوقت حملہ کر دیتا، تو وہ کامیاب ہو سکتا تھا۔"

غرضیکہ کنگ لیوپولڈ کی معزولی اور غنیم کے سامنے ہتھیار ڈالدینے کی خبر ایک غیب کی خبر تھی، جسے عالم الغیب خدا کے سوا کوئی نہ جانتا تھا۔ اور جو الہام کے تین دن بعد نہایت شاندار طریق سے پوری ہوئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُن ہوائی جہازوں کی تعداد کے متعلق بھی علم دیا، جو امریکہ برطانیہ کو بھیجنے کا وعدہ کرنیوالا تھا۔ اور یہ خبر بھی بالکل صحیح نکلی۔ اسی طرح ۱۳ر اپریل ۱۹۴۱ء کو اپنے خطبہ میں ذکر فرمایا، کہ آپکو خواب میں دکھایا گیا، کہ جزائر برطانیہ کے دفاع کا چارج آپ کو دیا گیا ہے۔ اور آپ خواب میں برطانیہ کی کامیابی کے لئے دعا کر رہے ہیں۔ یہ وہ وقت تھا، جبکہ یہ معلوم نہیں تھا، کہ جرمن فوجیں کس طرف حملہ کریں گی۔ اس کے بعد ۱۰ر مئی کو روڈلف ہیس پیراشوٹ کے

ذریعہ انگلینڈ آتا ہے۔ اور آخرکار اس سے برٹش گورنمنٹ کو معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی روس پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ تب برٹش گورنمنٹ روسی گورنمنٹ کو خبر دیتی ہے کہ اس پر حملہ کرنے کی تیاری ہو رہی ہے۔ چنانچہ ۲۱ رجون کو جرمن فوجیں روسی علاقے پر دھاوا بول دیتی ہیں۔ جس سے جنگ کا نقشہ ہی بدل جاتا ہے۔ اور جزائر برطانیہ جن کی حفاظت کا انتظام خواب میں حضرت امیر المومنین کے سپرد کیا گیا تھا، جرمنی کے اس حملہ سے جس کا اسوقت خوف دامنگیر تھا، محفوظ ہو جاتا ہے۔[1]

یہ وہ غیب کی خبریں تھیں، جن کے متعلق حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کو قبل از وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا۔ اور وہ اپنے وقت پر پوری ہوئیں۔ اور بہت سی ایسی باتیں بھی ہیں، جو آیندہ پوری ہوں گی۔ لیکن جو پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں وہ اس امر کا بیّن ثبوت ہیں، کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کو قرب الٰہی حاصل ہے۔ اور خدا تعالیٰ اُن سے ایسے ہی کلام کرتا ہے، جیسے وہ گذشتہ زمانوں میں اپنے مقدس بندوں سے کلام کرتا رہا۔ پس آپ کا وجود گر ایک طرف اسلام کی صداقت کا ثبوت ہے، اور اس امر کا کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کے اختیار کرنے سے قربِ الٰہی حاصل ہو سکتا ہے، تو دوسری طرف مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی بھی ایک زندہ دلیل ہے۔ اور اس بات کی بھی کہ اگر کوئی شخص اب مکالمہ الٰہیہ کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہے، تو اس کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ احمدیت کو قبول کرے۔

جنگوں کا نتیجہ میں اپنے گذشتہ مضمون میں بتا چکا ہوں، کہ موجودہ جنگ کا اصل باعث لامذہبیت اور خدا تعالیٰ پر عدم ایمان اور دلوں کا روحانیت سے خالی ہونا قرار دیا گیا ہے۔ اور اس بے نظیر تباہی کی وجہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک الہام میں بھی یہی بتائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عَفَتِ الدِّيَارُ كَذِكْرِيْ۔ کہ شہر اس طرح مٹائے جائیں گے، اور ایسے ویران کئے جائیں گے جیسے کہ لوگوں نے اپنے دلوں کو میری یاد سے خالی کر کے ویران

[1] مجھے افسوس ہے، کہ بہت سی ڈاکوں کے رستہ میں ضائع ہو جانے کی وجہ سے سلسلہ کے اخبارات مجھے نہیں پہنچے، اس لئے بہت سی پیشگوئیوں کا مجھے تفصیلی علم نہیں ہو سکا۔ شمس

بنا دیا ہے۔ الہام میں صیغہ ماضی کے بیان کرنے سے اس طرف اشارہ مقصود ہے، کہ یہ ایک ایسی یقینی بات ہے جو گویا واقعہ ہو چکی ہے۔ اور دوسری پیشگوئیوں کے متعلق اِن جنگوں کا نتیجہ اسلام اور احمدیت کے حق میں بہتر نکلے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے ایک الہام کی تشریح کرتے ہوئے جس میں آپکو یوسف قرار دیا گیا ہے، فرماتے ہیں:۔

" اور اِس جگہ مجھے یوسف قرار دینے سے ایک اَور مقصد بھی مدنظر ہے۔ کہ یوسف نے مصر میں پہنچ کر کئی قسم کی ذلتیں اٹھائی تھیں، جو دراصل اس کی ترقی مدارج کی ایک بنیاد تھی۔ مگر اوائل میں یوسف نادانوں کی نظر میں حقیر اور ذلیل ہو گیا تھا۔ اور آخر خدا نے اُس کو ایسی عزت دی، کہ اُس کو اُس ملک کا بادشاہ بنا کر قحط کے دنوں میں وہی لوگ غلاموں کی طرح اُس کے بنا دیئے، جو غلامی کا داغ بھی اُس کی طرف منسوب کرتے تھے۔ پس خدا تعالیٰ مجھے یوسف قرار دے کر یہ اشارہ فرماتا ہے، کہ اس جگہ بھی مَیں ایسا ہی کرونگا۔ اسلام اور غیر اسلام میں مَیں روحانی غذا کا قحط ڈال دونگا۔ اور روحانی زندگی کے ڈھونڈنے والے بجز اِس سلسلہ کے کسی جگہ آرام نہ پائیں گے۔ اور ہر ایک فرقہ سے آسمانی برکتیں چھین لیجائیں گی۔ اور اِسی بندۂ درگاہ پر جو بول رہا ہے ہر ایک نشان کا انعام ہوگا پس وہ لوگ جو اِس روحانی موت سے بچنا چاہیں گے، وہ اِسی بندۂ حضرتِ عالی کی طرف رجوع کریں گے۔ اور یوسف کی طرح یہ عزت مجھے اُسی توہین کے عوض دیجائے گی۔ بلکہ دی گئی۔ جس توہین کو اِن دنوں میں ناقص العقل لوگوں نے کمال تک پہنچا یا ہے۔ اور گو مَیں زمین کی سلطنت کے لئے نہیں آیا۔ مگر میرے لئے آسمان پر سلطنت ہو جس کو دنیا نہیں دیکھتی۔

اور مجھے خدا نے اطلاع دی ہے، کہ آخر بڑے بڑے مفسد اور سرکش تجھے شناخت کرلیں گے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ یَخِرُّوْنَ عَلَی الْاَذْقَانِ سُجَّدًا۔ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا اِنَّا کُنَّا خٰطِئِیْنَ۔ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ اور میں نے کشفی طور پر دیکھا کہ زمین نے مجھ سے کلام کیا۔ اور کہا۔ یَا وَلِیَّ اللّٰہِ کُنْتُ لَا اَعْرِفُکَ۔ یعنی اے ولی اللہ! میں اس سے پہلے تجھکو نہیں پہچانتی تھی۔ زمین سے مراد اس جگہ اہل زمین ہیں۔ مبارک وہ جو دہشت ناک دن سے پہلے مجھ کو قبول کرے، کیونکہ وہ امن میں آئے گا۔ لیکن جو شخص زبردست نشانوں کے بعد مجھے قبول کرے، اس کا ایمان رتی بھی قیمت نہیں رکھتا۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۹)

پس اے لوگو! یاد رکھو، کہ خدا تعالیٰ کے منہ کی کہی ہوئی باتیں پوری ہونگی۔ اور ہم اسی کے وعدہ کے موافق یقین رکھتے ہیں، کہ وہ وقت دور نہیں، جب کہ نئی زمین ہوگی اور نیا آسمان ہوگا۔ اور جن کے دلوں میں خدا سے ملنے کی تڑپ ہے، اور نیک دل ہیں، کثرت سے اس سلسلہ میں جسے خدا نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے، داخل ہو جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کا اُن پر سایہ ہوگا۔ خدا اُن سے راضی ہوگا اور وہ خدا سے راضی ہوں گے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی :

اداریہ :-

مولوی ثناء اللہ صاحب کی ضد

مولوی ثناء اللہ صاحب نے پھر وہی نامناسب رویہ اختیار کیا ہے، جس کی شکایت ہم اکتوبر کے "ریویو" میں کر چکے ہیں۔ یعنی آپ نے مجوزہ مناظرے پر ہماری تحریر کا جواب "اہلحدیث" ۳۰ر اکتوبر کے پرچہ میں دیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے، کہ ہم اس کا جواب نومبر کے "ریویو" میں نہیں دے سکے۔ اور اب مجبوراً دسمبر کے پرچہ میں دے رہے ہیں۔ اور اس طرح یہ معاملہ اور ایک ماہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے، کہ مولوی صاحب بلا وجہ مناظرہ کی گفتگو کو طول دے رہے ہیں، مگر دوسری طرف آپ تحریری مناظرہ سے گریز کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں، کہ اس طرح مناظرہ بہت لمبا ہو جائے گا۔

مولوی صاحب کے اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ عذر تحریری مناظرہ سے گریز کا محض بہانہ ہے، ورنہ اگر فی الحقیقت انکی خواہش مناظرہ کو جلد شروع کر کے جلد ختم کرنا ہوتی، تو وہ بات کو یوں بلاوجہ لمبا نہ کرتے۔ جب انہیں علم ہے، کہ "ریویو" ہر ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہو جاتا ہے، اور اسی وجہ سے اکتوبر کے "ریویو" میں ہم نے انسے درخواست بھی کی تھی، کہ ہمارے جواب میں جو کچھ لکھنا چاہیں، مہینہ کے پہلے تین ہفتوں کے "اہلحدیث" کے پرچوں میں سے کسی پرچہ میں لکھا کریں، تا ہم اگلے ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہونے والے "ریویو" میں اس کا جواب دیدیا کریں، تو سمجھ نہیں آتا، کہ انہوں نے یکم اکتوبر کے "ریویو" میں شائع شدہ ہماری تحریر کا جواب ۳۰ر اکتوبر کے "اہلحدیث" میں دینے میں کیا مصلحت سمجھی؟

اگر جیسا کہ وہ بہ ظاہر کرتے ہیں، اس معاملہ کو جلد ختم کرنے کے متمنی ہیں، تو کیا یہ مناسب نہ تھا، کہ وہ زیادہ سے زیادہ ۲۳ر اکتوبر کے پرچہ "اہلحدیث" میں ہمیں جواب دیتے۔ اور عجیب بات یہ ہے، کہ جس تحریر میں ہم نے مولوی صاحب کی اس روش کی شکایت کی تھی، اسی کے جواب

میں آپ نے یہ نامعقول طرز اختیار کی ہے، اور جان بوجھ کر اپنے اخبار کے اُس پرچہ میں ہمیں جواب دیا ہے، جس کے جواب کے لئے ہمیں پورا ایک مہینہ انتظار کرنا پڑا۔

مولوی صاحب تحریری مناظرہ کی طرف نہیں آتے۔ اِس کی وجہ آپ نے یہ بیان کی تھی، کہ "اہلحدیث" اور "ریویو" میں تحریریں شائع ہونے سے مناظرہ بہت لمبا ہو جائے گا، کیونکہ "ریویو" ماہوار رسالہ ہے، اِس لئے ایک ماہ میں فریقین کا بمشکل ایک ایک پرچہ شائع ہو سکیگا۔ ہم نے اِس کے جواب میں لکھا تھا، کہ ہم "ریویو" کے بجائے اپنی تحریر "الفضل" میں شائع کر دیں گے جو روزانہ ہے آپ اس کا جواب اپنے ہفتہ واری پرچہ میں ہماری تحریر شائع ہونے کے بعد دوسرے ہفتہ میں دے سکیں گے۔ اِس طرح یہ مناظرہ بہت جلد ختم ہو جائے گا۔ ہماری اِس تجویز سے مولوی صاحب نے مناظرہ کی طوالت کے جس خوف کا اظہار کیا تھا، اس کا طلسم ایسا ٹوٹا ہے، کہ آپ اب اس کا نام تک نہیں لیتے۔ کیا یہ صریح علامت اِس بات کی نہیں ہے، کہ مولوی صاحب تحریری مناظرہ سے عمداً پہلو تہی کر رہے ہیں؟ اور ہم جانتے ہیں، کہ یہ پہلو تہی کس وجہ سے ہے۔ اِس لئے ہم نے بھی یہ تہیہ کیا ہُوا ہے، کہ کسی نہ کسی طرح آپکو تحریری مناظرہ پر آمادہ کریں گے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک ایک ایسے علمی موضوع پر جس پر مناظرہ کا چیلنج مولوی صاحب نے ہمیں دے رکھا ہے تحریری مناظرہ ہی مفید ہو سکتا ہے۔ تقریری مناظرہ محض تضیع اوقات ہوگا۔

مناظرہ کی گفتگو کی ابتداء سے ناظرین دیکھ رہے ہیں، کہ مولوی صاحب کی پیش کردہ سب باتوں کا ہم ٹھیک نمبروار جواب دیتے آئے ہیں۔ مگر آپ کی عادت یہ ہے، کہ آگے ہی آگے بھاگتے چلے جاتے ہیں کسی ایک جگہ جم کر کھڑے نہیں ہوتے۔ اور ہماری پیشکردہ باتوں کو جواب دئے بغیر ٹالتے جاتے ہیں۔ جب تحریر میں آپ کا یہ حال ہے، تو اِس سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ تقریر میں آپ ایک سنجیدہ موضوع پر بحث کرتے ہوئے جہاں لاجواب ہو جائیں گے وہاں سے کس طرح کنارہ کشی کر کے گذر جائیں گے۔ ہم یہ چاہتے ہیں، کہ تقریری مناظرہ میں وقت وغیرہ کی جو قیود ہوتی ہیں، اُن سے آزاد ہو کر سیر حاصل بحث کریں، تا پبلک کو کچھ فائدہ بھی پہنچے۔ مگر مولوی صاحب اسے صرف

اکھاڑہ بازی کا رنگ دینا چاہتے ہیں۔ لیکن ہم ایسے اہم اور خالص علمی موضوع پر مناظرہ کو اکھاڑہ بازی سے پاک رکھنا چاہتے ہیں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب نے لکھا ہے، کہ پادری عبداللہ آتھم سے جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مناظرہ ہوا تھا، اسی طرح یہ مناظرہ کیوں نہیں کرتے۔" اپنے نبی کی سُنّت کو کیوں ترک کرتے ہو؟ ہمارا جواب یہ ہے، کہ تحریری مناظرہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سنت ہے۔ اس لئے اگر ہم تحریری مناظرہ پر زور دیں، تو یہ حضور کی سنّت کے خلاف نہیں ہے، بلکہ اس کے مطابق ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ ہم تحریری مناظرہ پر کیوں زور دیتے ہیں؟ تو اس کا جواب ہم عرض کر چکے ہیں، کہ ہم مولوی صاحب کی عادت سے واقف ہیں، اور خود اس سلسلہ گفتگو میں یہ ظاہر ہو چکا ہے، کہ آپکو جب کسی نقطہ پر پکڑا جائے، اور آپ لاجواب ہو جائیں، تو پھر پہلو تہی اور گریز کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ اس لئے ہم یہی مناسب سمجھتے ہیں، کہ آپ سے تحریری مناظرہ ہی ہو، تا آپ کا گریز تحریری شکل میں محفوظ رہے۔ اور دوسری وجہ ہم نے تحریری مناظرہ کی یہ بیان کی تھی، کہ جس موضوع (کیا مرزا صاحبؑ ایک قابل مصنف تھے؟) پر آپ نے ہمیں مباحثہ کا چیلنج دے رکھا ہے، وہ خالص علمی ہے۔ اور مصنّف یا کم از کم ایک معقول پڑھا لکھا طبقہ ہی اس سے کماحقہٗ فائدہ اٹھا سکتا اور اس بات کا فیصلہ کر سکتا ہے، کہ کس فریق کا پہلو غالب ہے۔ اور یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے، کہ مناظرہ تحریری ہو۔

ہم یہ وجوہ اس سے قبل بھی عرض کر چکے ہیں۔ مگر مولوی ثناء اللہ صاحب ۳۰ر اکتوبر کے "اہلحدیث" میں پھر یہ دریافت کرتے ہیں، کہ تحریری مناظرہ پر اصرار کیوں ہے؟ اب اگر ہم اسے ارذل العمر کی منازل طے کرنے کی وجہ سے مولوی صاحب کا ذہول قرار دیں، تو آپ بگڑ کر بازاری طعنے دینا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ۳۰ر اکتوبر کے پرچہ "اہلحدیث" میں آپ نے اپنے مضمون کی تان انہی طعنوں پر توڑی ہے۔ حالانکہ ہم نے آپ کے سال خوردہ ہونے کا جو ذکر کیا تھا، وہ خود آپ کی تحریر کے مطابق ہے۔ چنانچہ آپ اپنی تازہ کتاب "اسلام اور مسیحیت" کی ابتداء ہی

ان الفاظ سے کرتے ہیں :-

"میں بامرِ تعالیٰ اپنی عمرِ طبعی کو پورا کر چکا ہوں ، میری عمر کی یہ آخری منزل ہے ....

... داعیِ اجل کو لبیک کہنے کا وقت آگیا ہے۔"

فرمایئے ! اگر ہم نے اس پر یہ لکھدیا ، کہ مولوی صاحب قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے ہیں ، لیکن باوجود اس کے حق پوشی اور ناحق کوشی سے باز نہیں آتے ، تو اس میں کونسی ایسی بات ہے جس پر مولوی صاحب آپے سے باہر ہو کر بازاری باتوں پر اُتر آئے ہیں ۔ اس حرکت سے تو آپ نے یقینی طور پر یہ ثابت کر دیا ہے ، کہ اب قوائے عقلیہ بالکل جواب دے چکے ہیں ، اور دماغی لحاظ سے آپ دیوالیہ ہو چکے ہیں ۔

بہرحال ہم نے تحریری مناظرہ پر اپنے اصرار کے وجوہ بیان کر دئے ہیں ، اور ان کا کوئی جواب ابھی تک مولوی صاحب سے بن نہیں پڑا ۔ اب ہم ان سے دریافت کرتے ہیں ، کہ وہ ہماری تجویز کے مطابق تحریری مناظرہ سے کیوں گھبرا رہے ہیں ؟ مناظرہ کیلیا ہو جائیگا جو خوف انہوں نے ظاہر کیا تھا ، اس کا جواب ہم دے چکے ہیں ۔ اب یا تو وہ کوئی نئی وجہ پیش کریں ، اور یا ہمارے جواب کو ناتسلی بخش قرار دیں ۔

"الفضل" ۱۵ر نومبر میں یہ خبر شائع ہوئی ہے ، کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے جلسۂ اہلحدیث لائل پور میں بھی اس مجوزہ مناظرہ کے متعلق اپنے چیلنج کا ذکر کیا ، مگر جب جماعت احمدیہ لائل پور کی طرف سے یہ کہا گیا ، کہ آپ کا چیلنج "ریویو" نے منظور کر لیا ہوا ہے ۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو ہم بھی مناظرہ کرنے کیلئے تیار ہیں ، تو آپ نے جواب دیا ، کہ میں بڑے مرزا صاحب کے ساتھ بحثیں کرتا رہا ہوں اب ہر احمدی کے ساتھ بحث کرنے کو تیار نہیں ہوں ۔ ہاں مرزا صاحب کے نائبوں یعنی خلیفہ قادیان یا مولوی محمد علی صاحب کے ساتھ بحث کر سکتا ہوں ۔

ناظرین ! غور فرمائیں ، کہ مولوی صاحب کی منطق کیسی غلط اور جھوٹی ہے ۔ یہ بات آپ تب کہہ سکتے تھے ، جب آپ نے حضرت مرزا صاحبؑ کے بعد سے آج تک جماعت احمدیہ کے سرگروہوں کے

سوا اور کسی احمدی سے بحث نہ کی ہو، لیکن برخلاف اس کے جب آپ سینکڑوں مباحثات احمدی علماء اور دیگر افراد سے کر چکے ہیں، تو پھر آج یہ عذر کتنا باطل ہے، کہ آپ صرف حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز یا مولوی محمد علی صاحب کے ساتھ ہی بحث کر سکتے ہیں اور کسی سے نہیں کر سکتے۔ اور پھر بالخصوص موضوع زیر بحث پر آپ نے تو چیلنج دیتے ہوئے یہ شرط نہیں لگائی تھی، بلکہ ہماری جماعت احمدیہ کے ممبروں کو مخاطب کیا تھا، تو پھر آپ نے لائلپور میں یہ شرط کیوں لگائی؟ کیا یہ محض جان بچانے کا بہانہ نہ تھا؟ پھر اگر آپ لائلپور میں اس موضوع پر مباحثہ کرنے کے لئے تیار نہ تھے، تو آپ نے یہاں اس چیلنج کا ذکر کیوں کیا؟ کیا آپ جانتے نہ تھے، کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بہادر سپاہی ہر جگہ موجود ہیں، اور وہ جہاں کہیں آپ جائیں، آپ کا ناطقہ بند کرنے کو تیار بیٹھے ہیں۔ اس ساری کارروائی سے ظاہر ہے، کہ آپ مناظرہ کا چیلنج دے کر اب پچھتا رہے ہیں ورنہ اگر آپ تقریری مناظرہ ہی کرنا چاہتے ہیں، تو لائلپور کی جماعت احمدیہ اس کے لئے بھی تیار تھی۔ آپ نے کیوں فرار کی راہ اختیار کی، اور باطل عذرات کی پناہ لی؟

خلاصہ یہ کہ ہم مولوی صاحب کا چیلنج مناظرہ منظور کر چکے ہیں۔ اب وہ نئی نئی شرطیں نہ بڑھائیں بلکہ سیدھی طرح تحریری مناظرہ ہم سے کر لیں۔ اور اب لاطائل گفتگو میں وقت ضائع نہ کریں۔ ہم منتظر ہیں کہ مولوی صاحب "اہلحدیث" میں اپنا دعویٰ مع دلائل پیش کریں۔ ہم اس کا جواب انشاء اللہ ایک ہفتہ کے اندر "الفضل" میں شائع کر دیں گے۔ اور پھر اسی طرح ایک ایک ہفتہ کے وقفہ کے ساتھ فریقین کے پرچے شائع ہوتے رہیں۔ حتیٰ کہ فریقین کے چھ چھ پرچے شائع ہو جائیں۔

"ریویو" کے معاونین

یہ "ریویو" کی اکتالیسویں جلد کا آخری پرچہ ہے۔ خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں اس مقدس رسالہ کی ایک سال اور خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ الحمد للہ۔

یوں تو جنگ کی ابتدا ہی سے اخبارات اور رسالے زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا چلے آتے تھے، مگر سنہ ۱۹۴۲ء میں تو حالات بہت زیادہ خراب ہو گئے۔ اور گذشتہ دو ماہ کو

حالت پہلے سے بدتر ہو گئی ہے۔ کاغذ کی قیمت بعض صورتوں میں قریباً آٹھ گنا بڑھ گئی ہے۔ یعنی جو کاغذ جنگ سے قبل دو سوا دو روپیہ فی ریم کے حساب سے ملتا تھا، اسکی قیمت اب بیس روپیہ تک پہنچ گئی ہے، اور اس پر بھی کاغذ آسانی سے دستیاب نہیں ہوتا۔ بلکہ بڑی جدوجہد اور انتہائی مشکل سے ملتا ہے۔ دیگر اخراجات میں اضافہ کی گو یہ نسبت نہیں ہے، مگر تاہم انمیں بھی کافی فرق پڑا ہے۔

اخراجات کی زیادتی کا تو یہ حال ہے، مگر اس کے مقابل پر آمد میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔ رسالہ کے جتنے خریدار جنگ سے پہلے تھے، قریباً اتنے ہی اب ہیں، بلکہ چین، ملایا اور بعض دیگر غیر ممالک کے خریدار (جن میں سے بعض ہمارے رسالہ کے سرگرم معاون تھے) جنگ کیوجہ سے کم ہو گئے اور اس طرح رسالہ کی آمد میں کئی سو روپیہ سالانہ کی کمی آگئی۔ رسالہ کا چندہ بھی ہم نے نہیں بڑھایا۔ ان حالات میں رسالہ کو پہلے معیار پر قائم رکھنا بہت مشکل تھا۔ مگر محض خدا کا احسان تھا، کہ اس نے بعض احباب کو توفیق عطا فرمائی، کہ وہ حالات کا احساس کرتے ہوئے وقتاً فوقتاً رسالہ کی امداد و اعانت میں اپنا دستِ کرم دراز کرتے رہے، اور ان کے تعاون سے ہم رسالہ کے چندہ میں زیادتی کئے بغیر اسے پہلے معیار پر ہی شائع کرتے رہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

وہ احباب اور بزرگ جنہوں نے اس سال کسی نہ کسی رنگ میں رسالہ کو چلانے میں ہماری امداد فرمائی، ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:۔

مولوی غلام احمد صاحب فرخ مبلغ سندھ۔ اخی المکرم شیخ مبارک احمد مبلغ مشرقی افریقہ۔ برادرم محمد اکرم خانصاحب غوری نیروبی۔ جناب ڈاکٹر محمد عبد اللہ صاحب احمدی مشرقی افریقہ۔ جناب شیخ عبد الغنی صاحب مشرقی افریقہ۔ جناب ابو محمد عالم صاحب ایم۔ بی۔ ای ممباسہ۔ جناب عبد الحکیم جان صاحب مشرقی افریقہ۔ برادر عزیز سید محمد ناصر شاہ صاحب ایم۔ اے۔ دارالسلام۔ سید ڈاکٹر محمد انور شاہ صاحب مشرقی افریقہ۔ جناب صوفی غلام محمد صاحب ٹانگا۔ جناب سید عبد الحی صاحب آف منصوری

کیپٹن شمیم احمد صاحب سلّمہ اللہ۔ میجر میاں احیاء الدین صاحب۔ جناب محمد دین احمد پال صاحب رانچی۔ لفٹیننٹ چوہدری محمد عبداللہ خاں صاحب۔ جناب بابو شریف احمد صاحب ایس ڈی۔ او۔ یو۔ پی۔ جناب سیٹھ خیرالدین صاحب لکھنؤ۔ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب سکندرآباد دکن۔ صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب۔ جناب سیٹھ معین الدین محمد اعظم صاحب چنت کنٹ (دکن) اخویم جناب بابو محمد قاسم دین صاحب سیالکوٹ۔ جناب شیخ محمود الحسن صاحب آئی سی۔ ایس۔

ان میں سے بعض دوستوں نے نئے خریدار مہیا کر کے بعض نے بقائے وصول کرا کر، بعض نے عطیئے بھیج کر اور بعض نے اپنے خرچ پر غیر احمدی اور غیر مسلموں کے نام پر پرچے جاری کرا کر رسالہ کی گرانقدر امداد فرمائی۔ ان کے اسماء گرامی ذکر کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رسالہ کے ان معاونین کے لئے دعا کی تحریک ہو۔ ہم اپنے ان بھائیوں کی کرم فرمائی کا بدلہ دعا ہی کے ذریعہ دے سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اخلاص کو قبول فرمائے اور اسلام اور احمدیت کے اس اکتالیس سالہ مجاہد پرچہ کی امداد کرنے کے عوض میں انکو اپنی جناب سے بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے۔ آمین ٭

"ریویو" کے پرانے فائل

رسالہ "ریویو" کے پرانے فائل جن میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایسے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں، جو کسی اور جگہ شائع نہیں ہوئے، قابل فروخت ہیں۔ ان فائلوں میں اور بھی بہت سے نہایت قیمتی مضامین ہیں۔ ہر احمدی کو ان کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ قیمت کا فیصلہ بذریعہ خط و کتابت کیجیئے۔ مکمل چالیس سال کی جلدیں خریدنے والوں سے خاص رعایت کی جائے گی۔

ملنے کا پتہ: مینیجر رسالہ ریویو اردو قادیان

جماعتِ احمدیہ کی ایک اہم ضرورت

جماعت کو ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جس کے ذریعہ

(۱) ہر مذہب اور ہر طبقہ کے لوگوں کو مؤثر تبلیغ کی جا سکے۔ اور

(۲) مستورات اور بچوں کی تعلیم و تربیت کا فرض انجام دیا جا سکے۔ اور

(۳) نوجوانوں کی اصلاح، تربیتِ اخلاق میں نہایت مؤثر ثابت ہو سکے۔

سو الحمد للہ! اس سال کی نئی مفید ترین کتاب موسوم بہ

چشمۂ ہدایت

کے ذریعہ

یہ غرض پوری کر دی گئی ہے

یہ کتاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس ارادہ کی تکمیل میں لکھی گئی ہے کہ "میں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب تعلیم لکھوں اس کتاب کے تین حصے ہونگے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارے فرائض کیا ہیں اور دوسرے یہ کہ اپنے نفس کے ہم پر کیا حقوق ہیں اور تیسرے یہ کہ بنی نوع کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں" (ملفوظات صفحہ ۴۸) اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی کتب کا ایک شاندار انتخاب ہے۔ احباب جماعت کی معاونت سے نصف کتاب یعنی ۱۲۸ صفحہ تک چھپ چکی ہے۔ اور نصف کے لئے قریباً تین صد روپیہ کی فوری ضرورت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کرام اور مجلس خدام الاحمدیہ کے اراکین اگر توجہ فرمائیں تو یہ رقم بہت جلد مہیا ہو سکتی ہے۔ کاغذ چونکہ دن بدن گراں ہو رہا ہے اس لئے روپیہ کی فوری ضرورت ہے۔ جو دوست ایک روپیہ پیشگی کتاب کی قیمت روانہ فرمائیں گے ان کے اسماء بھی کتاب پر بطور دعا یادگار معاونین کی لسٹ میں شائع کئے جائیں گے اور جلسہ پر کتاب بھی ان کی خدمت میں پیش کی جائیگی۔ روپیہ چندہ کے ہمراہ بھیجیں۔ مگر اپنے اسماء گرامی سے کم از کم ۵ دسمبر تک مطلع فرمائیں۔

کتاب کے ۴۰۰ نسخے بک ہو چکے ہیں۔ ۶۰۰ باقی ہیں۔

خاکسار

عبدالرحمٰن مبشر دفتر بشاراتِ رحمانیہ بیت الدعا۔ قادیان

نمبر ۶۳۱۲ منکہ بڈھا ولد فاضل قوم راجپوت پیشہ آہن گری عمر ۶۵ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۰ء ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۱/۴۲ ۱۳ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ نہیں ہے۔ بلکہ اب گذارہ صرف کام آہنگری پر ہے۔ جس کی ماہوار اوسطاً ۱۵ عنہ ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ اگر میری کوئی اور جائداد بوقت وفات ثابت ہو، تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی صدر انجمن احمدیہ قادیان حقدار ہوگی۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الدُّعَآءِ ؎ العبد مستری بڈھا بقلم خود۔ دار الرحمت۔ گواہ شد مستری عبد الحمید دار الفتوح۔ گواہ شد۔ محمد شریف موصی نمبر ۳۹۲۷ ٹیلیفون اپر نٹر گورداسپور۔ گواہ شد اللہ بخش موصی محلہ دار الفتوح۔ **نمبر ۶۳۱۱** منکہ نظیر بیگم زوجہ ڈاکٹر محمد طفیل صاحب قوم کھرل جٹ عمر ۳۰ سال تاریخ بیعت اگست ۱۹۳۵ء ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۱/۴۲ ۸ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں میری جائداد حسب ذیل ہے۔ ۱۔ حق مہر مبلغ ۱۰۰ روپیہ بذمہ خاوند۔ ۲۔ انگوٹھی طلائی ۳ ماشہ قیمتی ۱۰ روپے۔ ۳۔ نتھ طلائی یک تولہ ۴۰ روپے۔ ۴۔ پازیب نقرئی ۲۰ روپے۔ میں اس مذکورہ بالا جائداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ نیز میری وفات کے وقت اگر کوئی اور جائداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ الامۃ۔ نظیر بیگم بقلم خود محلہ دار البرکات شرقی۔ گواہ شد محمد طفیل بقلم خود خاوند موصیہ۔ گواہ شد۔ غلام دستگیر بقلم خود برادر حقیقی۔ **نمبر ۶۳۱۵**۔ منکہ احمد جان ولد جان محمد صاحب قوم بھنگو جٹ پیشہ درزی عمر ۲۲ پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۱/۴۲ ۲۱ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائداد نہیں ہے۔ (میرے والد ماجد بفضلہ تعالیٰ زندہ ہیں) میری اوسطاً ماہوار ۲۰ روپے ہے۔ میں تادم مرگ اپنی آمد کا ۱/۱۰ حصہ وصیت داخل خزانہ کرتا رہوں گا۔ (چونکہ مجھے کسی ماہ کم آمد ہوتی ہے، اور کسی ماہ زیادہ۔ اس لئے ڈکی بیشی کی صورت میں آمد کے مطابق حصہ وصیت ادا کر دوں گا) نیز میں یہ بھی وصیت کرتا ہوں، کہ میرے مرنے کے بعد اگر میری کوئی جائداد ثابت ہو، تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ (دسویں حصہ) کی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ العبد احمد جان ٹیلر بقلم خود۔ گواہ شد۔ جان محمد والد موصی۔ گواہ شد۔ محمد عبد الکریم بن حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم و مغفور۔

نمبر ۶۲۸۸ مِنکہ صادقہ فرحت خانم زوجہ اقبال احمد افغان صاحب قوم گگے زئی افغان عمر ۱۷ سال پیدائشی احمدی ساکن کلانور اکبری ڈاک خانہ خاص ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۹ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائداد منقولہ ذیل ہے۔ مہر مبلغ ۵۰۰ سو روپیہ جو کہ میرے خاوند کے ذمہ ہے، کا دسواں حصہ بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ میرے پاس زیور طلائی ۸ تولہ جس کی قیمت موجودہ لحاظ سے تقریباً ۴۰۰ روپیہ بنتی ہے، کی بھی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کل کا ۱/۱۰ حصہ کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ اس وقت میری اور کوئی جائداد نہیں۔ نیز میرے مرنے کے بعد اگر کوئی اور جائداد ثابت ہو، تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ اگر میں کوئی رقم اپنی زندگی میں داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کردوں تو وہ مُجرا ہوگی۔ الامۃ۔ صادقہ فرحت خانم زوجہ اقبال احمد خان کلانوری۔ مری روڈ راولپنڈی۔ گواہ شد۔ اقبال احمد خان ایاز خاوند موصیہ۔ گواہ شد آفتاب احمد خان کلانوری۔

بقیہ وصیت **نمبر ۶۲۳۰** ۔ (ب) رہن بالقبضہ جوت باحق مقابضت قابل الانتقال بی بی خدیجۃ الکبریٰ زوجہ سید عماد الدین واقع موضع اورین بالعوض زر قرضہ مبلغ ۳۲۰ روپے۔ (ج) رہن بالقبضہ جوت باحق مقابضت قابل الانتقال شیخ عبد الرحمٰن عرف واقع موضع اورین مذکور بعوض زر قرضہ مبلغ ۱۲۵ روپیہ۔ (د) زرِ دَین مہر بذمہ شوہر من مقرہ مولوی سید زارت حسین ولد سید ہدایت حسین صاحب مرحوم ساکن موضع اورین مذکور جملہ مبلغ ۲۰۰۰ روپیہ میں سے من مقرہ نے مبلغ ۱۳۴۵ روپے ۱۲ر بدفعات وصول کرلئے ہیں۔ اب صرف ۶۵۴ روپے ۴ر واجب الادا ہیں۔ (ہ) نقد موجود واسطے لگانے کسی کاروبار تجارت میں یا خریداری میں یا رہن بالقبضہ میں کسی جائداد غیر منقولہ کے مبلغ ۳۲۹۰ روپے ۳ر۔ (و) پونچی طلائی و نقرئی ایک جفت جس میں سونا بعد منہائی ٹانکے کے ۴½ تولہ قیمت تخمیناً مبلغ ۲۲۴ روپے اور چاندی ۴½ تولہ قیمت تخمیناً مبلغ ۵ر جملہ قیمتی مبلغ ۲۲۹ روپے۔ (ز) گلوبند طلائی وزن پونے ۵ تولہ قیمتی تخمیناً مبلغ ۲۱۳ روپے ۴ر بعد وضع ٹانکہ۔ (ح) ایرنگ طلائی مینار کا ایک جفت وزن ۵ تولہ بعد منہائی ٹانکہ قیمتی اندازاً مبلغ ۱۵ روپے ۱۰ر جملہ مالیت جائداد منقولہ و غیر منقولہ مبلغ ۵۹۲۷ روپے ۱۲ر (۲) میرے مرنے کے وقت جس قدر میری جائداد ہو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ (۳) اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کرکے رسید حاصل کرلوں تو ایسی رقم

وصیتیں

نوٹ:- وصایا منظوری سے پہلے اس لئے شائع کیجاتی ہیں کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو دفتر کو اطلاع دے۔

نمبر ۶۲۳۸ - مسکہ فتح علی ولد ... خان قوم ... پیشہ زمینداری عمر ۵۰ سال تاریخ بیعت ... ساکن چک ۹۸ شمالی ڈاکخانہ سرگودہا بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۳ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اسوقت حسب ذیل جائداد ہے۔ (۱) دو مربع اراضی واقعہ چک نمبر ۹۸ شمالی تحصیل سرگودہا جس میں سے ایک مربعہ کی ملکیت کا روپیہ خزانہ سرکار داخل کر چکا ہوں گویا ایک مربع اراضی کا میں مالک ہوں اور دوسرے ایک مربعہ اراضی کا میں موروثی ہوں اور مالک سرکار ہے۔ ہر دو ملکیت و موروث کی قیمت موجودہ اندازاً قریباً ۱۴ ہزار روپیہ ہے۔ (۲) موضع ... تحصیل سیالکوٹ میں میری قریباً ۸ گھماؤں اراضی نہری ... ہے قریباً ½ حصہ ... ہے وسائل آبپاشی رکھتا ہے جو اگرچہ مستقل ذریعہ نہیں ہے باقی ½ حصہ بارانی ہے ... کی ساری اراضی بعوض مبلغ ۷ ہزار روپیہ ... بقبضہ ہے۔ (۳) میں اس ساری جائداد کے ⅒ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میری وفات پر جسقدر جائداد میری ثابت ہو اس کے ⅒ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ (۴) اپنی زندگی میں جسقدر روپیہ بمد وصیت داخل خزانہ انجمن کرا دوں گا وہ حصہ وصیت جائداد سے منہا کیا جائیگا اور انجمن سے رسید اس امر کی حاصل کروں گا۔ العبد۔ نشان انگوٹھا۔ فتح علی۔ گواہ شد۔ غلام نبی امیر جماعت احمدیہ۔ گواہ شد۔ محمد یار عارف

نمبر ۶۲۳۹ - مسکہ زینب بیگم زوجہ مرزا اسمٰعیل صاحب قوم راجپوت عمر ۲۲ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۸ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائداد حسب ذیل ہے۔ مہر مبلغ ۵۰۰ روپیہ ذمہ خاوند ہے اس کے سوا کوئی زیور ہے نہ کوئی اور جہیز۔ میں اس کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ آئندہ کوئی جائداد پیدا کروں تو اس کی اطلاع دیتی رہوں گی۔ میرے مرنے پر اگر کوئی جائداد ثابت ہو تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ الامتہ۔ زینب بیگم بقلم خود۔ گواہ شد۔ مرزا اسمٰعیل بقلم خود خاوند موصیہ۔ گواہ شد۔ سراج دین مؤذن

نمبر ۶۲۴۰ - مسکہ مرزا اسمٰعیل ولد ... صاحب قوم راجپوت پیشہ ملازمت عمر ۲۴ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ... حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائداد اس وقت کوئی نہیں۔ میری ماہوار آمد مبلغ ۱۵ روپیہ ... ہے ... وصیت اپنی ماہوار آمد کا ⅒ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ اور اگر کوئی جائداد ... اس کی اطلاع صدر انجمن کو دیتا رہوں گا۔ نیز میرے مرنے پر کوئی جائداد ثابت ہو تو اس کے بھی ⅒ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد۔ مرزا اسمٰعیل بقلم خود۔ گواہ شد۔ سراج دین مؤذن۔

گواہ شد۔ حکیم علی محمد منتسل مسجد اقصیٰ نمبر ۶۲۸۸ منکہ مسماۃ فرحت خانم زوجہ اقبال احمد خان
ایاز قوم ککے زئی افغان عمر ۱۸ سال پیدائشی احمدی ساکن کلانور اکبری ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و
حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۰ جولائی ۳۲ء حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائداد حسب ذیل ہے۔
مہر مبلغ ۵۰۰ روپیہ جو کہ خاوند کے ذمہ ہے۔ کا دسواں حصہ بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔
علاوہ ازیں میرے پاس زیور طلائی ۸ تولہ کے ہیں۔ کل قیمت موجودہ لحاظ سے تقریباً ۴۰۰ روپیہ تک
ہے۔ کی بھی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کل کا ۱/۱۰ حصہ وصیت کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ اس وقت
میری اور کوئی جائداد نہیں۔ نیز میرے مرنے کے بعد اگر کوئی اور جائداد ثابت ہو تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی
ہوگی۔ اگر میں کوئی رقم اپنی زندگی میں داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کر دوں تو وہ مجرا ہوگی۔
الامۃ۔ مسماۃ فرحت خانم بقلم خود۔ گواہ شد۔ اقبال احمد خان ایاز خاوند موصیہ۔ گواہ شد۔ افتخار احمد
خان افتخار۔ نمبر ۶۲۸۹ منکہ غلام حسین ولد علم دین صاحب قوم راجپوت پیشہ معماری عمر ۳۰ سال تاریخ بیعت
۱۹۲۰ء ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۱ جولائی ۳۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔
اس وقت میری کوئی جائداد نہیں بلکہ ماہوار آمد پر گزارہ ہے جو کہ تقریباً اوسطاً ۱۰ روپیہ ماہوار ہے۔ میں
۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ اگر میری کوئی آمد ہوئی تو اس کا
بھی ۱/۱۰ حصہ آمد کی وصیت پر صدر انجمن احمدیہ قادیان حقدار ہوگی۔ اگر اس کے بعد میرے مرنے سے پیشتر
یا مرتے وقت کوئی جائداد میسر ہو جائے تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔
العبد۔ غلام حسین مستری معمار بقلم خود۔ گواہ شد۔ محمد شریف بقلم خود موصی ۲۹۲۵۔ گواہ شد عبد الحمید
بقلم خود۔ گواہ شد۔ اللہ بخش موصی حال المتوطن نمبر ۶۲۹۰ منکہ محمد دین ولد باغ دین صاحب قوم [illegible]
پیشہ ملازمت عمر ۲۱ سال ساکن فیض اللہ چک ڈاکخانہ خاص ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج
بتاریخ ۱۱ جولائی حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میرا والد موجود ہے اور جب تک وہ زندہ ہے میرا اس کی موروثیت
پر کوئی دخل نہیں ہے۔ میری تنخواہ صرف ۱۸ روپے ہے جس میں سے میں تنخواہ کا دسواں حصہ ماہ بماہ ادا [illegible]
خدمت کرتا رہوں گا۔ اور اگر میری کوئی جائداد میں ترقی ہوئی یا جائداد مل گئی تو اس سے صدر انجمن احمدیہ
کو اطلاع دوں گا اور اس سے بھی دسواں حصہ صدر انجمن احمدیہ کو ادا کرتا رہوں گا۔ ان دنوں میں میری
ملازمت فوج میں ہے اور ملتان چھاؤنی میں تعیناتی ہے اگر کہیں تبادلہ ہو گیا تو اس سے صدر انجمن احمدیہ
کو اطلاع دیتا رہوں گا۔ اس لئے گزارش ہے کہ میری وصیت منظور فرمائی جائے۔ مبلغ ۲ روپے اس وقت
[illegible] وصیت ادا کرتا ہوں۔ [illegible] میرے مرنے پر جو ترکہ ثابت ہو اس کے دسویں حصہ [illegible]

... الموصیہ حکم ۔ احسب محمد دین بقلم خود۔ گواہ شد برکت علی بقلم خود۔ گواہ شد عظیم اللہ سکرٹری انجمن احمدیہ
... نمبر ۴۲۹۳ ۔ منکہ محمد ابراہیم زوجہ محمد ابراہیم صاحب قوم شیخ عمر ۲۲ سال پیدائشی احمدی ساکن
قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۸ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں ۔ میری جائداد
حسب ذیل ہے ۔ ۱ ۔ زیور طلائی کانٹے وزنی ایک تولہ ۔ ۲ ۔ کلپ طلائی ایک تولہ ۔ ۳ ۔ نقد مبلغ ۵۰ روپیہ
۴ ۔ حق مہر مبلغ ۹۰۰ روپیہ جو میرے خاوند کے ذمہ ہے ۔ اس کے علاوہ میری کوئی جائداد نہیں ۔ میں مذکورہ
بالا جائداد کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں ۔ اگر میری کوئی اور جائداد
میرے مرنے کے بعد ثابت ہو تو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی ۔
الامۃ ۔ محمد ابراہیم بیگم بقلم خود ۔ گواہ شد ۔ محمد ابراہیم قادیان خاوند موصیہ مدرس مدرسہ احمدیہ ۔ گواہ شد عبد الرحمن
... نمبر ۴۲۹۴ ۔ منکہ امۃ اللہ بیگم زوجہ فضل کریم صاحب قوم راجپوت عمر ۲۲ سال پیدائشی احمدی
ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۸ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں ۔ میرا حق
مہر مبلغ ۳۰۰ روپیہ جو کہ میرے خاوند کے ذمہ واجب الادا ہے ۔ اس کے علاوہ میرا زیور کانٹے طلائی کلپ
قیمت اندازاً مبلغ ۱۲۵ روپیہ ہے ۔ میرا زیور بھی خاوند کے پاس ہے ۔ اس طرح سے کل ۴۲۵ روپے ۔ جن کے
۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں ۔ نیز اس کے علاوہ اگر کوئی میری جائداد بوقت
وفات ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی صدر انجمن احمدیہ قادیان حقدار ہوگی ۔ اگر میں اپنی زندگی میں
اپنی جائداد میں سے کچھ رقم ادا کر دوں تو وہ حصہ وصیت کردہ سے منہا بھی جائے گی ۔ اگر میں اپنی زندگی
میں تحریر کردہ حصہ وصیت ادا نہ کر سکوں تو میرا والد مستری عبد الحمید محلہ دار الفتوح قادیان ادا کرنے کا ضامن
ہوگا ۔ جن کی ضامنی کی تحریر نیچے درج کی جاتی ہے ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ۔ الامۃ ۔ امۃ اللہ بیگم بقلم خود ۔ گواہ شد اللہ بخش ۔ گواہ شد ۔ عبد الحمید ضامن موصی نمبر ۲۹۲۴
گواہ شد ۔ محمد شریف موصی نمبر ۲۹۲۴ ۔ نمبر ۴۲۹۵ ۔ منکہ مغلانی بیوہ مولوی فتح علی صاحب قوم قریشی
عمر ۶۵ سال تاریخ بیعت دسمبر ۱۹۰۳ء ساکن ... ضلع جہلم بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ
۱۹ ... حسب ذیل وصیت کرتی ہوں ۔ میری جائداد اس وقت صرف یکصد روپیہ مہر کے سوا اور کچھ نہیں ہے
جو خاوند متوفی مرحوم کی طرف سے وصول ہو چکا ہے ۔ اور میرے پاس زیور وغیرہ کچھ نہیں ۔ میں اپنے مہر
مبلغ ۱۰۰ روپیہ میں سے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں ۔ ۹ روپیہ ۵ زکیبہ
ساتھ ہیں اور مبلغ ۱۱ روپیہ ابھی بھیجے جا رہے ہیں ۔ میرے مرنے پر اگر کوئی اور جائداد ہو تو اس کے بھی
۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی ۔ الامۃ ۔ نشان انگوٹھا مغلانی ۔ گواہ شد قاضی عبد الرحمن

سیکرٹری مال دوالمیال ۔ گواہ شد ۔ عبدالرحمٰن دوالمیال ۔ **نمبر ۶۲۵۳** منکہ میجر ملک محمد حسین ولد [illegible] سال ۳۳ قوم اعوان پیشہ ٹھیکیداری عمر ۵۵ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۲ء ساکن دھوکل ڈاکخانہ ضلع گوجرانوالہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۹ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں ۔ میری مشترکہ زمین [illegible] کماد میں موضع دھوکل میں ہے جو ابھی تقسیم نہیں ہوئی جس کا علم پتہ یہ کہ اس وقت نہیں ہے کہ کتنا حصہ کا ہے ۔ یہ زمین چاہی ہے ۔ ۲ ۔ میری والدہ کی زمین بھی مشترکہ کماد میں موضع [illegible] ضلع گجرات میں ہے جس کا صحیح پتہ نہیں کہ کتنا ہے یہ زمین بارانی ہے ۔ ۳ ۔ میری قسطوں پر زمین چاہی ہے جس کی قسطیں میں ادا کر رہا ہوں اور مجھکو ایک مربعہ زمین نمبرداری کے لئے چک [illegible] تحصیل [illegible] ملا ہوا ہے اس کی قسطیں جب تک ادا نہ ہوں اس زمین پر حق ملکیت نہیں ہو سکتا ۔ اس لئے ان زمین سے و نمبرداری کے مربعہ سے جو مجھ کو آمدنی ہوگی ۔ و نیز جو آمدنی متذکرہ بالا نمبر ۱ و ۲ مجھ کو جو آمدنی پنشن یا تنخواہ یا کسی اور ذریعہ سے یعنی میں کوئی بیوپار وغیرہ کروں جو بھی آمدنی ہوگی ۔ اس کے ۱/۳ حصہ کی وصیت کرتا ہوں ۔ جب زمین کی تقسیم ہمیں کاغذوں کا فرق نہیں میرے حصہ کی آئے گی اس کی قیمت ڈلوا کر اس کی قیمت کا ۱/۱۰ حصہ بھی داخل خزانہ صدر کر دوں گا ۔ اگر میں اس کی قیمت کا ۱/۱۰ حصہ اپنی آمدنی میں سے نہ ادا کر سکوں تو میرے ورثہ سے میرے حصہ کی زمین کا ۱/۱۰ حصہ کی قیمت وصول کر لیجائے ۔ میرا سکنی مکان جو موضع دھوکل میں ہے جو میں نے خود بنوایا ہے اس کو میں اپنی بیوی کو حق مہر میں دیتا ہوں ۔ میرے فوت ہونے پر میری تمام جائداد کو بعد ادائیگی ۱/۱۰ حصہ اگر میں اپنی زندگی میں نہ ادا کر سکوں تو صدر انجمن کے شرع محمدی کے مطابق تقسیم کیا جائے ۔ میری اس وقت ایک بیوی ہے اور دو لڑکیاں اس بیوی سے ہیں ۔ یہ جائداد میرے فوت ہونے پر انہیں تقسیم ہو ۔ میری پہلی بیوی سے ایک لڑکی کنیز فاطمہ ہے میں اس کی شادی کر چکا ہوں ۔ اور جو کچھ میں نے اس کو جائداد سے دینا تھا دے چکا ہوں میں نے اس کے خاوند کو دو مربعہ زمین آبادکاری سلسلہ میں سے دی ہوئی ہے ۔ اس لئے اسکو میری جائداد سے کچھ نہ دیا جائے ۔ میری بیوی کا نام عطاء بیگم بنت ملک نذر حسین صاحب سفید پوش [illegible] ہے اور میری اس سے جو لڑکیاں ہیں ان کا نام خدیجہ بیگم و بلقیس بیگم ہے ۔ اگر میری وصیت کرنے کے بعد میری اور کوئی اولاد پیدا ہو تو وہ بھی میری جائداد سے شرع محمدی کے مطابق حقدار میری جائداد کی ہوگی ۔ میں ۱/۱۰ حصہ اپنی آمدنی کا یکم جنوری ۱۹۴۳ء سے ادا کر رہا ہوں ۔ العبد ۔ میجر ملک محمد حسین دہلی ۔ گواہ شد عبدالرحمٰن خادم مولوی فاضل دہلی ۔ گواہ شد ۔ محمد عثمان دہلی ۔ **نمبر ۶۲۹۶** منکہ نذیر احمد ولد چوہدری اللہ رکھا صاحب قوم گھوڑی راجپوت پیشہ ملازمت عمر ۳۳ سال تاریخ بیعت اپریل ۱۹۲۳ء ساکن چوہدری والا چک نمبر ۱۰۱ [illegible] ڈاکخانہ چک ۱۰۲ [illegible] ضلع لائلپور حال [illegible] بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible]

[illegible] ہوں - میری جائداد اس وقت کوئی نہیں ۔ اس وقت میری ماہوار آمد مبلغ ۱۵ روپیہ ہے ۔ تا زیست [illegible] ماہوار صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا ۔ میرے مرنے کے وقت میرا جس قدر متروکہ ثابت ہو اس کے [illegible] حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی - فقط المرقوم ۷ ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ - گواہ شد - شیخ [illegible] - العبد نذیر احمد احمدی - گواہ شد - غلام حسن خان احمدی [illegible] ملتان ۔

[illegible] مسمی حافظ عبد الغفور جالندھری ولد منشی امام دین صاحب مرحوم قوم شیخ پیشہ واقف زندگی عمر ۲۹ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتا ہوں ۔ اس وقت میری جائداد غیر منقولہ کوئی نہیں ۔ جائداد منقولہ حسب ذیل ہے - ۱ - [illegible] اشرفی قیمتاً [illegible] ۲ - کپ نقرئی قیمتاً [illegible] ۴۰ روپیہ - کل مجموعہ جائداد منقولہ مبلغ ۱۹۰ روپیہ ہے - میں اس کے [illegible] حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں - میں انشاء اللہ اس حصہ کی رقم اپنی زندگی میں ہی [illegible] لیکن اگر ادا نہ کر سکوں تو میرے مرنے کے بعد صدر انجمن احمدیہ قادیان کو حق ہوگا کہ میری جائداد [illegible] رقم وصول کر لے - میرے ورثاء کو کسی قسم کے اعتراض کا حق نہ ہوگا - علاوہ ازیں یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ اس کے علاوہ اگر میری کوئی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ میری وفات کے وقت ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں - میرا گزارہ اس الاؤنس پر ہے جو مجھے بوجہ واقف تحریک جدید ہونے کے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی طرف سے گزارہ کے لئے ملتا ہے جس میں میرا حصہ ۲۰ روپیہ [illegible] - میں اس رقم کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی وصیت کرتا ہوں - انشاء اللہ تا زندگی آمد کے ۱/۱۰ حصہ کی ادائیگی کا ذمہ [illegible] ہوں - رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ - العبد حافظ عبد الغفور جالندھری [illegible] سابق مبلغ جاپان - گواہ شد - ابو العطاء جالندھری - گواہ شد - عنایت اللہ جالندھری [illegible] العلوم قادیان -

نمبر ۶۲۹۸ - مسمی حافظ عبد الواحد ولد مستری عبد الحکیم صاحب قوم بٹ پیشہ تجارت عمر ۲۱ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان دار الفضل ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتا ہوں - چونکہ بفضلہ تعالیٰ میرے والد صاحب حیات ہیں اس لئے مجھے ورثہ کے طور پر کوئی جائداد نہیں ملی - اور اس وقت میرا گزارہ تجارت پر ہے جو دوکان کی صورت میں موجود ہے اس صورت میں مجھے اوسطاً ۲۰ روپیہ ماہوار کی آمد ہے - میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں - اور اس بات کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ اگر میری وفات پر کوئی اور جائداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن قادیان ہوگی - چونکہ میری آمد غیر معین ہے اس [illegible] کی اطلاع صیغہ متعلقہ کو دیتا رہوں گا - العبد حافظ عبد الواحد دوکاندار دار الفضل قادیان -

نمبر ۶۲۹۹ مثل بکر عبدالقادر

گواہ شد۔ عبدالرحمن بی اے سیکنڈ ماسٹر چک نمبر ۲۲۲ رکھ برانچ ضلع لائلپور۔
اعوان ولد حافظ محمد ابن صاحب قوم قریشی اعوان پیشہ ملازمت عمر ۲۱ سال پیدائشی احمدی ساکن
قادیان ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۰ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں
اس وقت میری کوئی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ نہیں۔ میرا گذارہ موجودہ حالات میں صرف ملازمت پر
ہے جو قریباً ۲۰ روپیہ ماہوار ہے۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا
ہوں کہ تا زیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ اور آمد کی
کمی بیشی کی اطلاع دفتر کو دیتا رہوں گا۔ نیز میری وفات پر جو میری جائداد ثابت ہو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ
کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اس کے علاوہ جو جائداد میں اپنی زندگی میں پیدا کروں اس کی
بھی اطلاع دفتر مذکور کو دیتا رہوں گا۔ العبد۔ عبدالقادر اعوان بقلم خود۔ گواہ شد۔ فضل کریم
گواہ شد غلام محمد افسر ڈیپو اسسٹنٹ پرسنل جنرل منیجر ریلوے ... بمثل بکر غلام حسین ولد ...
صاحب قوم جٹ پیشہ ... عمر ... سال تاریخ بیعت ... ساکن ... ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس
بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ ۱۔ میری جدی جائداد ۶ بیگھ زمین ...
موضع مذکورہ میں ہے جس کی قیمت اسوقت اندازاً ۱۸۰۰ روپیہ۔ ۲۔ موضع ... میں مبلغ ۱۰۲۳
روپیہ اور موضع شاہ پور میں مبلغ ۷۵ روپیہ مہر اور موضع ... میں مبلغ ۱۰۰ روپیہ کی زمین ...
ہے۔ ۳۔ رہائشی مکان کی قیمت اندازاً ۳۰۰ روپیہ ہے۔ کل میزان مبلغ ۳۹۸۱ روپیہ بنتے ہیں۔ میں اس کے
۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ اگر میری وفات پر میری کوئی
جائداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن مذکورہ ہوگی۔ جو رقم ...
زندگی میں ادا کر دوں گا وہ حصہ وصیت میں سے منہا کر دی جائے گی۔ العبد۔ نشان انگوٹھا غلام حسین
گواہ شد علی محمد سکرٹری مال انجمن احمدیہ ... گواہ شد۔ جمال الدین پسر موصی • نمبر ...
محمود حسن بنی اسرائیل ولد غلام محمد صاحب مرحوم قوم شیخ بنی اسرائیل پیشہ ملازمت عمر ...
تاریخ بیعت اندازاً ۱۹۲۹ء ساکن امرتسر حال قادیان مبارک منزل ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر
و اکراہ آج بتاریخ ۱۱ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں میری اس وقت غیر منقولہ جائداد
ایک مکان پختہ مالیتی تقریباً ۵۰۰۰ روپیہ جو کہ واقع امرتسر کٹڑہ رام گڑھیاں ...
پولا میں ہے جس میں میری والدہ صاحبہ اور دو ہمشیرگان بھی حقدار ہیں ...
وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میرا گذارہ اسوقت ...

ماہوار وظیفہ ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اگر میں اپنی زندگی میں اپنی جائداد کا کوئی حصہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کو دے دوں تو وہ میری وصیت میں شمار کیا جائے اور باقی حصہ وصیت میری وفات کے بعد میری جائداد میں سے وصول کیا جائے۔ میری وفات پر اگر کوئی جائداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔

العبد۔ محمود حسن بن اسرائیل ڈیما نسٹریٹر ری شاپ نمبر ۱۵ نکٹ نمبر ۲۱۹، لوکو ورکشاپ مغلپورہ لاہور۔ گواہ شد۔ فضل کریم خان محمد نگر لاہور۔ گواہ شد۔ غلام محمد اختر جونیئر اسسٹنٹ پرسنل ٹو جنرل مینیجر ریلوے لاہور۔

نمبر ۶۲۶۳ مسکہ کریم بی بی بیوہ حاجی نواب خاں قوم راجپوت عمر ۹۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۴ء ساکن پھگلانہ ڈاک خانہ خاص ضلع ہوشیار پور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۲/۴۲ ۲۵ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں کہ میری جائداد غیر منقولہ اراضی ۲ گھماؤں ہے قیمتی ۹۰۰ روپیہ جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ موجودہ صورت میں میری کوئی جائداد نہیں۔ اگر کوئی جائداد میرے مرنے کے وقت منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور میرے مرنے کے بعد اس وصیت پر عمل درآمد ہوگا۔ الامۃ۔ نشان انگوٹھا۔ کریم بی بی۔ گواہ شد۔ بوٹے خان نمبردار مینیا۔ گواہ شد۔ عبد العزیز مولوی فاضل ٹیچر ڈی بی ہائی اسکول بنگہ ضلع جالندھر۔

نمبر ۶۳۰۴ مسکہ ماسٹر خدا بخش پنشنر ولد جمعدار پیر بخش صاحب قریشی قوم شیخ پیشہ پنشنر عمر ۶۵ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۶ء ساکن کانپور محلہ فتح آباد ڈاک خانہ کانپور یو۔ پی۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۱/۴۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری منقولہ یا غیر منقولہ کوئی جائداد نہیں ہے۔ میری اس وقت آمد ۱۵ روپے ماہوار پنشن ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ میری اس وقت کوئی آمد یا جائداد نہیں۔ اگر میری زندگی میں یا مرنے کے بعد کوئی منقولہ یا غیر منقولہ جائداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں نے اپنی زندگی میں کچھ حصہ وصیت کا ادا کر دیا ہوگا تو وہ [illegible] سے منہا سمجھا جائے گا۔ اگر آئندہ میری کوئی آمدنی ہوئی تو اس کی میں اطلاع دیتا [illegible] ہوگی۔ العبد ماسٹر خدا بخش احمدی پنشنر حال وارد قادیان۔ [illegible] احمدی موصی کانپوری حال قادیان۔ گواہ شد۔ مشتاق احمد احمدی [illegible]

[illegible] حکیم زوجہ مولوی عبد السمیع صاحب قوم شیخ عمر ۴۴ سال تاریخ [illegible] بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۴۲/۴۲ ۲۷ حسب ذیل

گواہ شد۔ عبدالرحمٰن بی اے سیکنڈ ماسٹر چک نمبر ۲۲۰ گ ب رائے ونڈ ضلع لائلپور۔ **نمبر ۶۲۹۹** مکرم عبدالقادر اعوان ولد حافظ محمد الٰہی صاحب قوم قریشی اعوان پیشہ ملازمت عمر ۱۲ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۰/۷ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری کوئی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ نہیں۔ میرا گذارہ موجودہ حالات میں صرف ماہوار آمد پر ہے جو قریباً ۲۰ روپے ماہوار ہے۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں کہ تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ اور آمد کی کمی بیشی کی اطلاع دفتر کو دیتا رہوں گا۔ نیز میری وفات پر جو میری جائداد ثابت ہو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اس کے علاوہ جو جائداد میں اپنی زندگی میں پیدا کروں اس کی بھی اطلاع دفتر مذکور کو دیتا رہوں گا۔ العبد۔ عبدالقادر اعوان بقلم خود۔ گواہ شد۔ فضل کریم [illegible] گواہ شد۔ غلام محمد اختر ہومبر اسسٹنٹ پرسنل [illegible] جنرل منیجر [illegible] **نمبر ۶۳۰۰** مکرم غلام حسین ولد چوہدری [illegible] صاحب قوم جٹ پیشہ کاشتکاری عمر ۵۰ سال تاریخ بیعت [illegible] ساکن [illegible] ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۰/۷ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ ۱۔ میری جدی جائداد ۶ بیگہ زمین میرے موضع مذکورہ میں ہے جس کی قیمت اسوقت اندازاً ۱۸۰۰ روپیہ۔ ۲۔ موضع [illegible] میں مبلغ ۱۰۲۳ روپے اور موضع شاہ پور میں مبلغ ۷۵ روپے مرہونہ اور موضع [illegible] میں مبلغ ۱۰۰۰ روپے کی زمین رہن لی ہوئی ہے۔ ۳۔ رہائشی مکان کی قیمت اندازاً ۳۰۰ روپیہ ہے۔ کل میزان مبلغ ۳۹۸۱ روپیہ بنتے ہیں۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ اگر میری وفات پر میری کوئی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن مذکورہ ہوگی۔ جو رقم میں اپنی زندگی میں ادا کر دوں گا وہ حصہ وصیت میں سے منہا کر دی جائے گی۔ العبد۔ نشان انگوٹھا غلام حسین مذکور گواہ شد۔ علی محمد سیکرٹری مال انجمن احمدیہ [illegible]۔ گواہ شد۔ جمال الدین پسر موصی۔ **نمبر ۶۳۰۱** مکرم محمود حسن بنی اسرائیل ولد غلام محمد صاحب مرحوم قوم شیخ بنی اسرائیل پیشہ ملازمت عمر تخمیناً ۴۴ سال تاریخ بیعت اندازاً ۱۹۲۹ء ساکن امرتسر حال قادیان مبارک ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۱ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں میری اسوقت غیر منقولہ جائداد حسب ذیل ہے۔ ایک مکان پختہ مالیتی تخمیناً ۵۰۰۰ روپے جو کہ واقع امرتسر کٹڑہ رام گڑھیاں بازار عبداللہ خان کوچہ [illegible] میں ہے جس میں میری والدہ صاحبہ اور دو ہمشیرگان بھی حقدار ہیں۔ میرا جو حصہ ہے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میرا گذارہ اسوقت میری ماہوار آمد پر ہے جو کہ مبلغ [illegible]

ماہوار وظیفہ ہے۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اگر میں اپنی زندگی میں اپنی جائداد کا کوئی حصہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کو دے دوں تو وہ میری وصیت میں شمار کیا جائے اور باقی حصہ وصیت میری وفات کے بعد میری جائداد میں سے وصول کیا جائے۔ میری وفات پر اگر کوئی جائداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔

العبد۔ محمود حسن بی اسرائیل ڈیما نسٹریٹر ری شاپ نمبر ۱۵ ٹکٹ نمبر ۴۲۱۹ لوکو ورکشاپ مغلپورہ لاہور۔ گواہ شد۔ فضل کریم خان محمد نگر لاہور۔ گواہ شد۔ غلام محمد اختر جونیئر اسسٹنٹ پرسنل ٹو جنرل مینیجر ریلوے لاہور۔ **وصیت نمبر ۶۲۷۳** منکہ کریم بی بی بیوہ حاجی نواب خان قوم راجپوت عمر ۶۰ سال تاریخ بیعت ۲۶ ساکن پھگلانہ ڈاکخانہ خاص ضلع ہوشیارپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۵ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں کہ میری جائداد غیر منقولہ اراضی ۲ گھماؤں ہے قیمتی ۶۰۰ روپیہ جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ موجودہ صورت میں میری کوئی جائداد نہیں۔ اگر کوئی جائداد میرے مرنے کے وقت منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور میرے مرنے کے بعد اس وصیت پر عملدرآمد ہوگا۔ الامۃ۔ نشان انگوٹھا۔ کریم بی بی۔ گواہ شد۔ یوسف خان نمبردار پھگلانہ گواہ شد۔ عبدالعزیز مولوی فاضل ٹیچر ڈی بی ہائی سکول بنگہ ضلع جالندھر۔ **وصیت نمبر ۶۳۰۴** منکہ ماسٹر خدا بخش پنشنر ولد جمعدار پیر بخش صاحب قریشی قوم شیخ پیشہ پنشنر عمر ۶۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۷ء ساکن کانپور محلہ افتخار آباد ڈاکخانہ کانپور یو۔پی۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری منقولہ یا غیر منقولہ کوئی جائداد نہیں ہے۔ میری اس وقت کی ۱۵ روپے ماہوار پنشن ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ میری اس وقت کوئی آمد یا جائداد نہیں۔ اگر میری زندگی میں یا مرنے کے بعد کوئی منقولہ یا غیر منقولہ جائداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں نے اپنی زندگی میں کچھ حصہ وصیت کا ادا کر دیا ہوگا تو وہ اس میں سے منہا سمجھا جائے گا۔ اگر آیندہ میری کوئی آمدنی ہوئی تو اس کی میں اطلاع دیتا رہوں گا اور یہ وصیت اس پر بھی حاوی ہوگی۔ العبد ماسٹر خدا بخش احمدی پنشنر حال وارد قادیان۔ گواہ شد۔ ڈاکٹر بشیر احمد شاہ احمدی موصی کانپوری حال قادیان۔ گواہ شد۔ مشتاق احمد احمدی موصی قادیان **وصیت نمبر ۶۴۰۵** منکہ حمیدہ بیگم زوجہ مولوی عبدالسمیع صاحب قوم شیخ عمر ۳۴ سال تاریخ بیعت ساکن امروہہ حال قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۷ حسب ذیل

کرتی ہوں میری اس وقت جائداد مشترکہ ملکیت جو ایک مکان پختہ اور کچے مکان پر مشتمل ہے جس کی اندازاً قیمت مبلغ ۵۰۰ روپے ہے اس کے ۱/۱۰ حصہ کی جس کے ۱۲۵ روپے بطور وراثت کے میرے حصہ میں آگئے ہیں اور میرے خاوند کے ذمہ میرے مہر کے ۱۰۰ روپے اور میرا زیور پازیب نقرئی ۳ تولہ قیمت ۲۰ روپے۔ بازو بند نقرئی ۶ تولہ ۷ روپے۔ ہار نقرئی ۵ تولہ قیمت ۵ روپے جس کی اندازاً قیمت ۲۴۷ روپے ہے جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ میرے مرنے کے بعد اگر میری کوئی جائداد ثابت ہو تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی اور اگر میں اپنی زندگی میں کچھ رقم اپنی جائداد سے ادا کردوں تو وہ حصہ وصیت کردہ سے منہا بھی جائے گی۔
الامتہ حمیدہ بیگم۔ گواہ شد حفیظ السمیع امروہہ خاوند موصیہ۔ گواہ شد لطیف احمد بقلم خود۔

نمبر ۶۳۰۶ منکہ سید محمد نواز احمد ولد سید محمد حسین شاہ صاحب قوم سید پیشہ ملازمت عمر ۲۱ سال پیدائشی احمدی ساکن نکودر ضلع جالندھر بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۳۰ ستمبر ۱۹۳۲ء وصیت کرتا ہوں۔ میری اسوقت کوئی جائداد نہیں۔ اسوقت میری ماہوار آمد مبلغ ۴۰ روپیہ ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا میرے مرنے کے بعد میرا جسقدر متروکہ ثابت ہو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد سید محمد نواز احمد دہلی۔ گواہ شد شیخ غلام حسین ۳۹ پیڑ روڈ نئی دہلی۔ گواہ شد عبدالحق رامہ سیکرٹری انصاراللہ دہلی

نمبر ۶۳۰۷ منکہ مصلح الدین سعدی ولد ماسٹر قادر بخش صاحب مرحوم قوم ارائیں پیشہ ملازمت عمر ۲۰ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۹ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اسوقت میری جائداد منقولہ یا غیر منقولہ کوئی نہیں۔ اس وقت میری تنخواہ ۱۵۰ روپے ماہوار ہے اور میں وصیت کرتا ہوں کہ میں تازندگی ۱/۱۰ حصہ اپنی آمد کا ادا کرتا رہوں گا۔ اور میرے مرنے کے بعد جو میری جائداد ہو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔
العبد مصلح الدین سعدی کلکتہ۔ گواہ شد میرزا ظفر احمد صاحب ۱۹ سٹریٹ کلکتہ۔ گواہ شد محمد عبداللہ بہار کلکتہ

نمبر ۶۳۰۸ منکہ صدرہ بیگم زوجہ سید وزارت حسین صاحب قوم سادات پیشہ زمینداری عمر ۳۲ سال پیدائشی احمدی ساکن موضع اورین ڈاکخانہ مونگھیر ضلع مونگھیر بہار۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۱ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ ۱۔ میری جائداد حسب ذیل ہے (۱)۔ حصہ کی ملکیت واقع موضع اورین مونگھیر موضع ساہن گوکھلا سنگھ متوفی خریدکی من مہر ہذا من مبلغ ۔۔۔۔